U5594 3-12-09

Title – Tazkira Hazaar Dastaan Maroof Ba Khamkhana-E-Javed (Part-2).

Author – Lala Sureeq Ram

Publisher – Ray Gulab Singh Press (Lahore).

Date – 1911

Pages – 564+74+13

Subjects – Urdu Shayari Tanqeed ; Tazkira Shora.

تذکرۂ ہزار داستان

معروف بہ

۱۳۲۵

خمخانۂ جاوید

(جلد دوم)

مولفہ لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق

عالیجناب آنریبل رائے بہادر [illegible] شگر گزاشتی

۱۹۱۱ء

در مطبع [illegible] دہلی باہتمام لالہ [illegible] لال چھپا

حضور پُرنور اعلیحضرت بندگان عالی متعالی مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر عثمان علیخان بہادر

فتح جنگ آصفجاہ سابع جی سی ایس آئی جی سی بی ای شاہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ڈیڈیکیشن

دکن [illegible]

[illegible] محفوظ



LALA SIRI RAM, M A.

Engraved by Mehta Dial Dass Roorkee.

تذکرۂ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

پابند

پابند - طالب علی نام، رسالۂ رہنمائے تعلیم لاہور کے اڈیٹر ہیں - کلام جو انہوں نے ارسال کیا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

بہت مشہور کوئے عشق میں فرہاد و مجنوں ہیں
تو اس کوچے میں اپنی بھی انوکھی شان پیدا کر

نہ خواہش ہمیں جنت میں ہرگز مر کے جانے کی
اجازت ہو اگر کوچے میں اس دلبر کے جانے کی

نہ ہرگز وصل کی شب کو اٹھاؤ زلف تم رخ سے
کہ جوں جوں ہٹتی جاتی ہے سحر کو لائی جاتی ہے

پادشاہ

پادشاہ - ابو النصر سلیمان جاہ نصیر الدین حیدر ولی بادشاہ ملک اودھ - شاہ زمن ابو المظفر غازی الدین حیدر بادشاہ اول اودھ کے خلف الرشید اور جانشین تھے - ۲۰ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ ہجری مطابق ۱۲ - اکتوبر ۱۸۲۷ء کو ۲۵ برس کی عمر میں مسند حکومت پر جلوس فرمایا مسند نشینی کی تاریخ یہ ہے

برتواے بادشہ فیض رسانِ عالم	تخت ایں مملکتِ ہند مبارک باشد
سالِ تاریخ جلوس طرب افزا بشنو	جاوداں سلطنتِ ہند مبارک باشد

ازبسکہ شکیل اور خوشرو جوان تھے۔ سلطنت ہاتھ آتے ہی لہو ولعب کی طرف مائل ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ جملہ کاروبار ریاست سے غافل ہو گئے۔ نواب معتمد الدولہ آغا میر کو بوجہ پرخاش خصومت زمانۂ ولیعہدی برخاست کرکے نواب اعتماد الدولہ فضل علیخان دہلوی کو وزیر بنایا۔ تین برس بعد نواب روشن الدولہ کا ستارہ چمکا۔ اور خلعتِ وزارت عطا ہوا۔ یہ بادشاہ داد و دہش میں اپنے زمانے کا حاتم تھا۔ شکار کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر فوج کی درستی کیطرف بھی توجہ رہتی تھی۔ مگر تھوڑے عرصے میں خود غرض اور نمک حرام رفقا اور مصاحبین کے بدولت عیش کے بندے ہو گئے۔ انہیں لوگوں نے والدہ مکرمہ نواب بادشاہ محل صاحبہ سے بھی بگاڑ کرا دیا۔ بیگم صاحبہ اپنے پوتے منا جان کو لیکر الماس باغ جا رہیں۔ اسپر بادشاہ نے کوتہ اندیش مشیروں کے مشورہ سے ایک اشتہار اس مضمون کا تمام قلمرو اودھ میں شایع کرا دیا کہ منا جان میرا بیٹا نہیں ہے۔ حالانکہ ولیعہدی کا خلعت انہیں پیشتر دے چکے تھے۔ حضرت کی شادی ایام ولیعہدی میں صاحبعالم مرزا سلیمان شکوہ برادر اصغر اکبر شاہ ثانی کی دختر سے شاہانہ دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ یہی بیگم سلطان بہو کے خطاب سے مشہور تھیں۔ لیکن بادشاہ کو اس شاہزادی کی طرف کبھی التفات نہیں ہوا۔ اور بے اولاد رہیں۔

محلات تو صدہا تھے مگر اوسمیں مفصلۂ ذیل قابل ذکر ہیں۔ نواب ملکہ زمانی۔ نواب تاج محل صاحبہ نواب قدسیہ محل۔ ان محلات معلی نے اپنی علو حوصلگی۔ فراخ دلی۔ اور سیر چشمی سے ایک عالم کو گرویدۂ احسان بنا لیا تھا۔ ان کی شانِ امارت۔ کر و فر اور اخراجات شاہانہ کے واقعی حالات اگر لکھے جائیں تو فسانوں سے زیادہ مزہ آئے۔ نواب ملکہ زمانی کو چھ لاکھ سالانہ کی جاگیر کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار جیب خرچ کے لئے ملتا تھا ایسے ہی بیش قرار مواجب دوسرے محلات کے تھے۔ نواب قدسیہ محل کا عروج و اقتدار جملہ دیگر محلات سے بڑھ گیا تھا۔ تقدیر کا کرشمہ دیکھو کہ انہیں ایام میں کسی روز ایک معمولی بات پر بادشاہ ان سے ذرا کبیدہ خاطر ہو گئے۔ اور بیگم نے اس رنج میں سفوف الماس

کھا کر خودکشی کرلی۔ اس حادثۂ روح فرسا سے تمام لکھنؤ میں حشر برپا ہوگیا۔ بادشاہ کو انکی وفات سے کمال صدمہ ہوا۔ اور یہ داغ مدت العمر لوحِ دل سے نہ مٹا۔ بادشاہ کے حکم سے قدسیہ محل کے غم میں تمام شہر سوگوار رہا۔ اور عجیب کہرام برپا ہوا۔

امام باڑہ ملحق عمارات چھتر منزل لکھنؤ۔ کربلا گومتی پار و تخت گاہ بنام نہاد بارہ امام محاذی حسین آباد آپ ہی کی عہد سلطنت کی یادگار ہیں۔ تخت گاہ میں قوم سادات کی دختران کمسن بہ لقب اچھوتی یعنی ازواج ائمہ معصومین تلاش کرکے جمع کیگئیں تھیں جہاں حضرت بادشاہ کی طرف سے اُنکی ہر طرح کی خدمت کیجاتی تھی اور لکھو کھا روپیہ کے نقد جنس کے علاوہ زیورات مرصع وملبوس فاخرہ اُنہیں بطور نذر دیے جاتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ کاروبار سلطنت میں اُنکا اور اُنکے اعزا اور اقربا کا بڑا دخل تھا۔ کوئی امر اُنکی مرضی کے خلاف نہونے پاتا تھا۔ الغرض شاہی اخراجات حدانداز ہ وقیاس سے افزوں تھے اور اسی طرح سے اسلاف کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا۔

بادشاہ کے مزاج میں لااُبالی پن اور لہو ولعب کا شوق از حد تھا۔ تلوّن مزاجی اور غصہ کا یہ عالم تھا ~~کہ وزرا اور ہم جلیسوں کی جان ہتیلی پر رہتی تھی۔ اراذل کا ہر وقت گرد ہجوم رہتا تھا۔~~ انگریزی طرز معاشرت کے دلدادہ تھے۔ چنانچہ اکثر انگریزی لباس زیب بدن ہوتا تھا حتی کہ ٹوپی بھی انگریزی پہنتے تھے۔ مے نوشی حدِ اعتدال سے متجاوز ہو کر بلائے جان ہوگئی تھی۔ رفتہ رفتہ قوائے جسمانی کمزور اور قوت انتہا زائل ہونے لگی۔ اسی اثنا میں ۳ ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء دھنیا مہری نے جو مقرب خاص و ہمراز تھی طمع دنیوی سے بادشاہ کو زہر دیکر کام تمام کردیا۔ ۳۵ سال کی عمر پائی اور ۱۰ برس ۵ روز سلطنت کی۔ اپنی کربلا میں جو گومتی کے اُس پار بنائی تھی دفن کئے گئے۔ اور خلد منزل خطاب پایا۔ اس قلیل مدت سلطنت میں محاصل ملک کے علاوہ ۲۰ کروڑ روپیہ منجملہ اندوختہ متروکہ جد امجد نواب سعادت علیخان مرحوم صرف میں آیا۔ تاریخ رحلت ہے

رفت شاہ جہاں سلیمان جاہ — سوئے جنت ز بارگاہِ اودھ
ہاتفے گفت از سرِ افسوس — یارم رفت بادشاہِ اودھ

آپ کے حقیقی چچا نواب نصیر الدولہ محمد علی شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔ اگرچہ حضرت کی والدہ نواب بادشاہ محل صاحبہ نے فریدون بخت منا جان کو تخت نشین کر دیا تھا لیکن چونکہ بادشاہ اُنکی تہنیت سے انکار کر چکے تھے رزیڈنٹ نے انہیں تخت سے اُتار کر نواب نصیر الدولہ کو اورنگ نشین کر دیا۔ اور بیگم صاحبہ اور منا جان کو بجرم بغاوت چنار گڈھ میں نظر بند کر دیا۔

حاصل کلام یہ کہ طبیعت موزوں رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی اُردو اور فارسی میں بھی شعر گوئی کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ اُن کی اُردو کی یہ غزل بہت مشہور ہے۔ فارسی کے بھی چند اشعار تذکرۂ آفتاب عالمتاب اور روز روشن میں نظر سے گذرے۔

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے ۔۔۔ کہ ساقی سے لئے ساغرِ مشکبو ہے
سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری ۔۔۔ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے
جتاؤں میں کیا اپنا حالِ پریشاں ۔۔۔ عیاں زلفِ دلدار سے مو بمو ہے
چلو قبرِ فرہاد پر فاتحہ کو ۔۔۔ مگر آبِ شیریں سے لازم وضو ہے
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے ۔۔۔ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے
گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا ۔۔۔ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
ستایا ہے ناحق ہمیں تو نے ظالم ۔۔۔ یہ انصاف اللہ کے روبرو ہے
کیا چاک وحشت نے ایسا گریباں ۔۔۔ نہ بخیہ کے قابل نہ جائے رفو ہے
شفق سبکے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر ۔۔۔ یہ کس کشتۂ بے گنہ کا لہو ہے
عبث مجھکو ہنس ہنس کے دیتے ہو گالی ۔۔۔ زباں کو سنبھالو یہ کیا گفتگو ہے
اگر آ کے بولا شبِ وصلِ جاناں ۔۔۔ چھری اور مرغِ سحر کا گلو ہے
رہے سایۂ پنجتن بادشاہ پر ۔۔۔ خداوندِ عالم نگہبان تو ہے

پارسا۔ منشی فیض پارسا شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں تھے۔ غدر سے ۲۰-۲۵ سال پیشتر دہلی کے مدرسے میں مدرس حساب تھے۔ گاہ گاہ شعر ریختہ بھی کہتے تھے۔ انہیں بزرگ کی تحریک سے

غازی الدین خان کے مدرسے میں جو اجمیری دروازہ کے باہر واقعہ ہے مجلس مشاعرہ کی بنا پڑی مدت تک یہ مشاعرہ نہایت رونق سے جاری رہا مشاہیر شعرائے پایۂ تخت مثل شاہ نصیر۔ مومن ۔ آزردہ ۔ غالب ۔ شیفتہ ۔ صہبائی اور اُنکے تلامذہ رشید جمع ہوکر دادِ سخنوری دیتے تھے۔ شاہ نصیر نے لکھنؤ میں بعض شعرائے نامی کی تحریک سے دو غزلیں کہیں تھیں جنکی ردیف اور قافیہ یہ تھا نفس کی تیلیاں۔ وہن تیھر کے جب اکثر شعرائے دہلی نے ان زمینوں میں غزلیں کہیں۔ تو شاہ نصیر کو یہ امر بہت ناگوار ہوا ۔ چنانچہ اُنہوں نے اس زمین میں پچاس غزلوں کے قریب کہکر اپنے تلامیذ کو دیدیں ۔ اور اس جلسہ کے بعد یہ التزام ہوا کہ ہر مشاعرہ میں طرح کی غزل کے علاوہ یہ طرح بھی برابر جاری رہی ۔ الحاصل کئی ماہ تک تیلیوں کی ردیف پر غزلیں ہوتی رہیں ۔ یہانتک کہ صد ہا غزلیں اس زمین میں لکھی گئیں ۔ شاہ نصیر مرحوم کی تلاش قابل صاد اور لایق داد ہے ۔ کہ وہ ہر بار نئے انشیٔ شعر کا دو غزلہ پڑھتے تھے ۔ ان کے علاوہ شاگردوں کی بھی غزلیں ہوتی تھیں ۔ خاقانی ہند ذوق نے بھی اسی زمین میں ایک بڑا قصیدہ مرزا ابو ظفر ولیعہد (جو بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے) کی تعریف میں کہکر سر مشاعرہ پڑھا ۔ انجام کار باہمی نزاع کیوجہ سے بزم مشاعرہ درہم برہم ہوگئی اور اسکے بعد دہلی میں اس رتبے کا دوسرا مشاعرہ نہ ہوا ۔ جناب پارسا کے یہ دو شعر دستیاب ہوئے ۔

تپ سے فریاد و فغاں گریہ و زاری ہے مُدام
کوئے الفت کے خاکسار ہے دل

کاش انساں نہ ہمیں حق نے بنایا ہوتا
مثل آئینہ صاف طینت ہیں ہم

پارسا ۔ پارسا ۔ منشی محرم علی پارسا ۔ رندانہ مشرب بیباک وضع آدمی تھے ۔ شعر گوئی میں مرزا صاحب سے اصلاح لیتے تھے ۔ یہ اُنکا کلام ہے ؎

جو دیوانے ہیں اُس پریرو کے
نام کو پارسا ہوں میں لیکن

اُن کو کیا کام ہوشیاری سے
مست ہوں نرگس خماری سے

پاکباز ۔ پاکباز ۔ میر صلاح الدین عرف پیر مکھن خلف شاہ کمال نبیرۂ شاہ جمال شاگرد مصطفیٰ خان یکرنگ شاہ مبارک آبرو کے بڑے عزیز دوست تھے ۔ چنانچہ بعض اشعار میں بطور کنایہ اسطرف اشارہ کیا

ہے۔ اور یہ سچ بھی آبرو نے اُنکے نام کا کیا خوب کہا ہے "عالم ہمہ دو رنگ است و محمد یکرنگ" ان سے تین ہزار بیت کا دیوان یادگار ہے۔ آدمی یار باش خوش وضع اور شکیل تھے۔ اکثر وقت ظرافت اور دیا میں صرف کرتے تھے۔ یہ آپکے کلام کا نمونہ ہے۔

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب — خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب
چھوڑو سے گھر سے نکلنا ورنہ او بانکی ادا — آجکل تلوار چلتی ہے تری رفتار پہ
تلوار ڈھال کیونکہ کریں ایک دم جدا — اس عاشقی میں رکھتے ہیں ہاتھوں سے لاگ ہم
جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں — تو تو سجن ہمیشہ ہے ہم ہیں ہم نہیں

پذیر — پذیر۔ منشی محمد عشرت خان دہلوی۔ ان کے والد نوازش حسین خاں تنویر اچھے شاعر تھے۔ یہ خود دہلی کی عدالت میں سر رشتہ دار رہے۔ اپنے والد کے ہمراہ نیپال بھی گئے تھے ۱۲۶۶ھ ہجری سال ولادت ہے۔ مندرجہ ذیل کلام آپ سے منسوب ہے۔

سیماب کی طرح کسی کروٹ نہیں قرار — خانہ خراب ہو دل پر اضطراب کا
آنکھوں کو شوقِ دید نے نرگس بنا دیا — جب سے بند ہا خیال ہے اُس مست خواب کا
جب نہو یار تو اُس جینے سے مرنا بہتر — تو بھی کہہ کیا ہے تری اے دلِ بیمار صلاح
دل سے ہے بیتاب وہ آتا کسی صورت سے نہیں — کچھ تو دے آج تو اے ناصحِ غمخوار صلاح
کیا کیا ہیں بشر جینے پہ نازاں کوئی دن کے — ساماں تو برسوں کے ہیں مہماں کوئی دن کے
حال اُس سے کہوں یا ملک الموت کو دم دوں — دم لب پہ جب آیا تو وہ لینے خبر آئے

پروانہ — پروانہ۔ راجہ جسونت سنگھ مرحوم معروف بہ کاکاجی ابن مہاراجہ بینی بہادر نائب نواب شجاع الدولہ شاگرد لالہ سروپ سنگھ دیوانہ۔ ظاہری وجاہت اور حسن اخلاق کے باعث اپنے ہمعصر اُمرا میں ممتاز تھے ایک تذکرہ میں تو انکی خوبصورتی کی یہاں تک تعریف لکھی ہے۔ کہ جوان یوسف مثال تھے۔ ادراک زمانہ زلیخا وار انکا دیوانہ اور فریفتہ تھا۔ استعداد علمی بہت معقول تھی کچھ غزلیں میر مرحوم اور مصحفی کو بھی دکھائیں تھیں ۱۷۸۹ء میں لکھنؤ میں شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ صاحب دیوان تھے

کلام بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے خوش فکر اور طبّاع امیر تھے۔ ہندی کبت خوب کہتے تھے اور ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے حضرت جرأت کا انتقال اُنکے زمانہ میں ہوا۔ چنانچہ اُنہوں نے تاریخ وفات کہی ؏ کہو جنت نصیب جرأت ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے کتب خانے میں ان کا دیوان موجود تھا۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں انتقال کیا کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیا سمجھے ہمدم کہ اُسے دیکھ کے ہم تو
ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا

کرتے تو کیا قتل پہ خوں بہتے جو دیکھا
ٹھہرا نہ گیا سامنے قاتل کو غش آیا

آئینہ دل ہے صاحبِ جوہر کو زخمِ غم
اس دور میں تو عیب و ہنر دونوں ایک ہیں

جو کثرت میں وحدت سدا دیکھتے ہیں
بتوں میں وہ نورِ خدا دیکھتے ہیں

جو وہ تیغ ابرو ہیں خونریز ایسے
تو اک دن یہ گردن جدا دیکھتے ہیں

پھسلتا ہے پائے نگہ اسپہ ہر دم
ترے رخ کی جب ہم صفا دیکھتے ہیں

مقرر یہاں غیر آتا ہے شب کو
ترے گھر میں ہم نقشِ پا دیکھتے ہیں

جدا ہے جو پروانہ اُس شمع رو سے
نہایت دل اُسکا جلا دیکھتے ہیں

چشمِ بد دور پری ہے کہ کوئی حور ہے تو
سر سے پا تک جو تجھے دیکھیں اک نور ہی تو

لاکھ تدبیر کریں ہاتھ کوئی آتا ہے
اپنے نزدیک تو ایجان بہت دور ہے تو

بحرِ ہستی میں ترا جسم ہے مانندِ حباب
تس پہ اک دم کی ہوا کھانے پہ مسرور ہے تو

اُسکی ہمچشمی انہیں آنکھوں سے بس نرگس کیا
تجھ کو بینائی سے بہرہ نہیں معذور ہے تو

تن بدن میں جو لگی آگ تو اے پروانہ
کیا کرے اپنے جلا دینے میں مجبور ہے تو

ضعف ہے غش ہے ناتوانی ہے
بن ترے موت زندگانی ہے

کون مدفون ہے چمن میں صبا
جسکی تربت پہ گل فشانی ہے

پوچھتے اب ہو مرغِ دل کا حال
کب سے وہ جنت آشیانی ہے

آپنے رات چھپکے پی ہے شراب
رنگ چہرے کا ارغوانی ہے

آہ پروانہ شمع ہے لیکن		زور اس میں شرر فشانی ہے
ایدل تو نہ ڈر حلقہ گیسو سے کسی کے		یہ سانپ ہیں کیلے ہوئے جادو کسی کے
دل یار سے اور درد مرے دل سے کہے ہے		جانے کا نہیں اب تو میں پہلو سے کسی کے
تڑپتے جو دیکھی ہیں لاشیں تو دل اب		ترے کوچے کو کربلا جانتا ہے
کہتی ہے عندلیب چمن میں پکار کے		اپنے بھی دن پھریں جو پھریں دن بہار کے
جسنے دیکھا اُسے کیا سجدہ		غرض اُس بت نے بھی خدائی کی
دیکھو تو ہم سے راست بازو ننے		تو نے آخر یہ کج ادائی کی
ہمسے رکھکر غبار خاطر میں	قطعہ	جا کر اغیار سے صفائی کی
اے دل آزار تو ہی کر انصاف		ہے یہی طرز دلربائی کی
عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار		آہ تسپر بھی بے وفائی کی
سدا ہے جام مے شرمندہ چشم مست سے تیری		صراحی بھی خجل ہے اس تری تصویر گردن
ایک دن دیکھا نہ تو عاشق کی غمخواری کرے		بیوفا تجھ سے کوئی کب تک وفاداری کرے
کوچہ گیسو میں دل کو ڈھونڈیئے		کیا ہوا گر راہ کا کچھ پھیر ہے
نسیم آہ نے شاید کسی کے کی تاثیر		شگفتگی سی ترے غنچہ دہاں پر ہے

پروانہ — پروانہ - منشی پروانہ علی مرادآبادی - رند مشرب - آزاد منش جوان اور اوائل میں منشی مراد علی حیرت کے شاگرد تھے پھر قیام الدین قائم سے تلمذ اختیار کیا - اکثر کلام باواز بلند کوچہ و بازار میں پڑھتے پھرا کرتے تھے - آخر کار دیوانے ہو گئے - آخر اٹھارویں صدی میں حیات تھے۔

ہمت حضرت قائم سے اگر ہو امداد	چند ایام میں کر لیجئے دیوان درست
کیوں میاں پروانہ ہوئے جل کر ڈھیر	پھر بھی کسی شعلہ رو کو چاہیے
کیونکہ پیغام بھیجے اُسکا زبانی آوے	نام سنتے ہی مرا جسکو گرانی آوے
جھوٹ کہتا ہے تو قاصد یہ زبانی پیغام	مجکو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے

پرویز

پرویز۔ منشی مرتضےٰ خانصاحب پرویز لکھنوی شاگرد حکیم سید علی ضامن صاحب شوق ابن جناب میر علی اوسط صاحب رشک لکھنوی آپ سنہ ۱۲۸۴ھ میں حیات تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ یہ چند اشعار آپکے نتائج افکار سے ہیں۔

ترا احسان ہو وے فلک میں زندگی بھر کا
ہمیں ساقی جو دے ساغر شراب روح پرور کا

کسی صورت نہیں ہٹتی نہیں کھلتی رخ و عارض
نقاب یار پردہ ہو گیا ہے سد سکندر کا

سرائے دہر حیرت زا مسافر سب ہیں دو دن کے
بنا ہے شکل عبرت دیکھو آئینہ سکندر کا

نہ کیوں عشاق ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کے مر جائیں
چراغوں کو بجھا دیتا ہے جھونکا باد صرصر کا

وہ ہم تزئین وہ خودبیں دیکھکر صورت کو کہتا ہے
خدا کی شان میرے آگے آئینہ سکندر کا

ترس کھایا تڑپنے پر نہ کچھ پرویز کے اسے بت
بتا بہر خدا تیرا کلیجہ کیا ہے پتھر کا

پرویز

پرویز۔ منشی سید یوسف حسین صاحب شاگرد مولانا بیدل آجکل حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں۔ اور وہاں کے نومشق شعرا میں گنے جاتے ہیں یہ کلام کا رنگ ہے۔

ہوتی کیونکر دلنشیں تیری نصیحت ناصحا
دل میں تھے رخنے ہزاروں اور سینہ چاک تھا

سوزن تدبیر سے کیونکر رفو ہو چارہ گر
دامن تقدیر جیب ہاتو سنے اُنکے چاک تھا

کوئی واعظ سے پوچھے آپ کو کیا
جسے چاہا اُسے ہمنے دیا دل

پرویں

پرویں۔ لالہ اننگ رائے نائب محافظ دفتر کچہری فرخ آباد۔ غالباً نواب کلب حسین خاں صاحب نادر سے تلمذ تھا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ کلام حاضر ہے۔

تیرے وصال کی نہ کبھی آرزو کریں
کیوں داغدار دل کو ہم اے لالہ رو کریں

دل کیوں جلائیں جان کو کیوں کھوئیں بے سبب
تجھ کو کبھی نہ پیار ہم اے لالہ رو کریں

مانگا جبیں سے نے بوسہ شیریں تو ناز سے
بولے دہن کے آپ نہ یہ آرزو کریں

پریشان

پریشان۔ پنڈت منولال صاحب دہلوی شاہ نصیر کے فیض تلمذ سے بہرہ ور اور اپنے معاصرین میں نامور تھے۔ یہ انکے اشعار ہیں۔

خوباں کی ادا کوئی کب ناز سے خالی ہے	ہر بات پہ چھڑکی ہے ہر حرف پہ گالی ہے
ہم آئیں تو اٹھ جاؤ غیر آئے تو آ بیٹھو	یہ وضع نئی جاناں کیا تم نے نکالی ہے

پریشان **پریشان** - مولوی سید محمد واجد خلف شاہ تراب الحق - آپ دانا پور کے پیرزادوں میں تھے اور مولوی ذاکر علی ذاکر بنارسی کے تلمذ سے بہرہ ور - عرصہ ہوا انتقال کیا - چند شعر ملے جنکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بنا ہے سنگ مقناطیس مجھ ناشاد کا	تا نہ طرف غیر جائے تیر اس صیاد کا
خوب اے شیخ ریاکار رہا ہی توبہ	دل میں وہ بت ہے زبان پر ہے الٰہی توبہ

پریشان **پریشان** شیخ محمد نیاز علی پریشان ابن شیخ رجب علی ساکن قدیم سندیلہ مقیم اگرہ - مرزا حاتم علی بیگ مہر کے شاگرد و صاحب تذکرہ شعرا و سخن و مثنوی سرمایہ عشق ہیں سنہ ۱۸۶۶ء میں اڑتیس سال کی عمر تھی - اور اگرہ میں مشاعرہ کیا کرتے تھے یہ انکا کلام ہے -

نگاہیں پھیر کر صاحب تو بندے سے خفا ٹھیرے	تمہارے تیر مژگاں اور نشانے کی خطا ٹھیرے
بہاؤ چار آنسو بھی جو ہم کو قتل کرتے ہو	ملال خاطر نازک ہمارا خوں بہا ٹھیرے
کچھ ایسے پاؤں بہکے رہروان دشت الفت کے	بھٹک کر بتکدہ کی راہ سے کعبہ میں آ ٹھیرے

پنڈت **پنڈت** - پنڈت دیارام کشمیری خلف پنڈت روپ چند - نواب عماد الملک غازی الدین خان وزیر کی رفاقت میں باعزاز و آبرو زندگی بسر کرتے تھے - اسی وجہ سے انکی جاگیر کی دار الریاست فرخ آباد میں زیادہ تر قیام رہتا تھا - فارسی کلام میں حافظ غلام محمد آزاد سے مشورہ لیتے تھے - شاہ عالم ثانی کے زمانے میں فروغ پایا آپکے کچھ شعر مولوی قدرت اللہ شوق کے تذکرہ سے انتخاب ہوکر درج کیے گئے

اُسنے ابتک ادہر گذر نہ کیا	آہ نے آہ کچھ اثر نہ کیا
کیا تو نے خراب خانۂ دل	اے صنم کچھ خدا کا ڈر نہ کیا
جان سے ہم گذر گئے لیکن	کبھی تو نے ادھر گذر نہ کیا
آیا جو وہ گل تو گل چمن میں	پھولے نہ سمائے پیرہن میں
اے جان اگر چلا تو یہہ جان	تجھ بن نہ رہے گی جان تن میں

پہنچی ہیں جو لب کی تیری باتیں
لایا جو وہ جوئے شیر تو کیا
آنکھوں سے بہاتا خوں کا دریا
اب تم بھی تو کچھ سلیقہ پنڈت
کیونکر دل اُسپر شیدا نہ ہووے
اک عمر سے ہے زلفوں کا لٹکا
سن سن کے ہمارے آہ و نالے
دیکھا ہے وہ جب سے لالہ رخسار
ہوتی ہیں مژہ کی برچھیاں پار
بالا ہی بتا دے سرو بالا
ہم پر بھی نگاہ ڈالے پنڈت

بیتد رعقیق ہے یمن میں
اُستاد تھا تیشہ کے وہ فن میں
طاقت یہ کہاں تھی کوہکن میں
پیدا کر و شعر اور سخن میں
جس کا کہ ثانی پیدا نہ ہووے
ڈرتا ہوں دل کو سودا نہ ہووے
نالان ہیں پاس رہنے والے
جینے کے پڑے ہیں ہمکو لالے
وہ شوخ اد ہر جو دیکھے بھالے
ہیں کان میں جب سے پہنے بالے
اُس بت سے کے خدا یہ دل ہیں ڈالے

پورن — منشی پورن سنگھ کایستھ ساکن شاہجہان آباد۔ نواب سعادت یارخان رنگین کے تلامذہ میں مشہور اور شہر کے نامور اطبا میں انکا شمار تھا۔ سنسکرت سے بخوبی ماہر اور بالخصوص فن ویدک (طب) میں اپنے زمانے میں بیمثل تھے۔ گاہے گاہے تفنن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء سے دس بارہ برس پیشتر انتقال فرمایا۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔ پورن

ہم نام رہائی سے بیزار ہیں اے ہمدم
شمشیر تو وہ ابرو اس دل پہ چلا بیٹھے
اس رہ میں روا رو ہی لازم ہے سدا پورن
پیچ و خم کاکل میں مت جانیو دل شبکو

دل چاہ زنخداں میں ہے جب سے اسیر اپنا
چھوڑے نگہ ظالم تو بھی کبھی تیر اپنا
سامان سفر رکھے طیار فقیر اپنا
اس راہ میں تو چلکر ہووے نہ خجل شبکو

پہنچا — ان بزرگ کا نام معلوم نہیں ہوا۔ مسٹر ایف فیلن اپنے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت فردوس آرامگاہ کے عہد میں دہلی میں رہتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ہندو تھے پہنچا

بعض کہتے ہیں کہ مسلمان تھے - یہ تین شعر اُنکے ہیں -

ہر چند کہا دل کو اُس نے نہ کہا مانا	پھر دیکھا تو عجب ہے دیوانے کا سمجھانا
چمن میں نکتہ کہا جب صبا نے تجھ لب کا	دہن جو گل کا کھلا تھا مندا نہیں تب کا
زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دوری ہے	ہر گرہ میں اُسکے دل ہے گانٹھ کی پوری ہے

پیام

پیام - شرف الدین علیخان پیام سراج الدین علیخان آرزو کے شاگرد اور اکبر آباد کے رہنے والے تھے تذکرہ نویسوں نے انہیں طبقۂ دوم کے شعرا میں مانا ہے - محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فروغ پایا - تاباں کے دیوان میں انکی تاریخ وفات موجود ہے - فارسی میں بھی صاحبِ دیوان تھے - اور ضروریاتِ فن سے باخبر - فکر صائب و طبع رسا رکھتے تھے -

	قطعہ	
دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے		کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا		ٹوپی والوں نے قتل عام کیا
تم ہو بوس و کنار کی صورت		ہم ہیں امیدوار کی صورت
سب پہ لوا ہوں زکاۃ حسن کی دے		او میاں مالدار کی صورت ہو
بات منصور کی فضولی ہے		ورنہ عاشق کو آہ شولی ہے

پیام

پیام - مرزا حیدر بیگ مغل پورہ من مضاف دہلی کے باشندے - اور اوائل میں وہیں رہتے تھے - دہلی میں شادی ہو جانے کے باعث یہاں آ رہے تھے - غدر سے چند سال پیشتر کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے - اوائل مشق کا کلام حاضر ہے -

اس آہِ بے اثر نے کیا کچھ نہ کچھ اثر	کل پوچھتا تھا میری گلی کا نشاں وہ شوخ
دیکھا تو کیا جوابِ نزاکت کہ کل پیام	بیتاب ہو گیا ترا سنکر فغاں وہ شوخ
مر جائے بھی کوئی تو تماشا نہ ہو اُسے	پالا پڑا ہے آن کے کس سنگدل کے ساتھ
میرے نالوں سے ہوا سینۂ گردوں افگار	کہ پڑا شام و سحر خون شفق ٹپکے ہے

پیمبر

پیمبر - منشی بھوانی سنگھ پیمبر متھرا ذات کے چوبے اور جائے تعجب ہے کہ بہت کم خوراک تھے خط شکستہ

کی تحریر میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ اوائل میں جوان تخلص کرتے تھے۔ پھر پیر تخلص اختیار کیا۔ دہلی قبل از غدر اکثر آیا کرتے تھے۔

رات دن کا ہے ترا مشغلہ آرائشِ زلف
اس سے کیا تجکو کہ ہے حال پریشاں میرا

میں وہ خاکستر افسردہ ہوں جوں صبح کہ پیر
داغِ خورشید ہے اک اخگرِ سوزاں میرا

قبر پر فریادیوں کے اپنے تو ہرگز نہ جا
تیرا پیچھا کب چھٹا اس خاکِ دامن گیر سے

پیر جی

پیر جی - پیر جی قمر الدین صاحب دہلوی - شاگرد نواب اسد اللہ خاں غالب و سالک مرحوم۔ کتب فروشی اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے ۱۲۹۵ھ میں فوت ہوئے۔

رہ و رسم محبت سے خبر تمکو نہیں اصلا
ٹھکانا زاہدوں کیا ہے تمہارے دین وایمان کا

پیر جی عشق میں گھلے ایسے
اُڑ گیا گوشت رہگیا چھلکا

پوچھا کیا ہے شب مجھکو ہوئی کیونکر بسر
رات بھر چھاتی پہ رکھا ہے تری تصویر کو

وہ کیا غیر سے رشتۂ مہر توڑیں
کہ یہ بھی نزاکت کے شایاں نہیں ہے

مرے دل کو کس طرح سے ہو مسرت
کہ اس بزم میں ہائے رضواں نہیں ہے

ہر اک شعر اس کا ہے گنج معانی
مقرر یہ غالب ہے شاداں نہیں ہے

ت

تاب - پنڈت مہتاب رائے دہلوی - آپ کا اصلی وطن کشمیر تھا مگر کئی پشت سے دہلی میں خاندان کی سکونت تھی - استعداد علمی معقول اور شعر نہایت اچھا کہتے تھے - اُنیسویں صدی کے شروع میں حیات تھے - اِنکے یہ دو شعر فرط شہرت سے انکی طباعی اور نکتہ سنجی کے کافی گواہ ہیں -

خو ہوتی ہمیشہ سے تمہاری اگر ایسی
تو کاہیکو بجھتی مری اے فتنہ گر ایسی

یا تنگ نکر ناصحِ ناداں سبھے اتنا
یا چپکے دکھا دے وہن ایسا کمر ایسی

تاب **تاب** - میر حیدر قوال ولد میر محبت علی ساکن پانی پت - غدر سے دس بارہ برس پیشتر دہلی میں رہتے تھے - فن موسیقی کو عالم شباب میں ایک درویش کامل وہرم داس نامی سے جو اس فن میں عدیم النظیر تھے حاصل کیا تھا : نکاتِ فن سے کامل واقفیت کے علاوہ نہایت خوش گلو اور خوش لہجہ تھے - آواز میں غضب کا درد تھا - شعر گوئی کیطرف بھی کبھی توجہ ہو جاتی تھی - یہ دو شعر مرزا صابر کے تذکرے سے منتخب ہوکر درج ہوئے -

میں تو تھا عاقل زمانے کا پہ الفت کے طفیل
کوئی سودائی کہے ہے کوئی دیوانہ مجھے

کثرتِ دل ہر شکن میں دیکھ غیرت سے مُوا
آفتِ جاں ہوگیا زلفوں کا سلجھانا مجھے

تاب **تاب** - مرزا الطاف حسین تخلص تاب گورگانی . خلفِ مرزا امداد اشرف - غدر کے چھ مہینے بعد اُنہوں نے ظاہر ہوکر حکام سرکار انگریزی سے مدد معاش چاہی بعد تحقیقات پچاس روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی اور اور جزیرۂ موروی سوگن کو بھیجے گئے - یہ ایک شعر اُنکا ہے -

دیا ہے ہمنے دل اے تاب کس بمہر کو دیکھو
کہ پروا ہو نہ اُسکو اور اُسپر اپنا دم نکلے

تابان **تابان** - میر عبد الحی دہلوی - سلسلہ نسب انکا حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام تک پہنچتا ہے - یہ دلی میں پیدا ہوئے - ایسے حسین و جمیل تھے کہ لوگ انکو یوسفِ ثانی کہتے تھے - دلّی میں ان کی خوبصورتی کی یہ شہرت ہوئی کہ ایک بار خود شاہ عالم بادشاہ انکے دیکھنے کے مشتاق ہوئے - حبش خاں

کے پھاٹک کے پاس مکان تھا اور وہ بڑا دروازہ جو کوچہ مذکور سے لاہوری دروازے کے بازار میں نکلتا ہے اُس کے بالاخانے پر انکی نشست تھی (یہ مکان ابتک موجود ہے) - ایک روز بادشاہ سوار ہو کر اس راہ سے نکلے - انہیں بھی اسکی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی - بازار کی طرف مونڈھا بچھا کر آ بیٹھے - بادشاہ جب اس مقام پر پہنچے تو اسلئے کہ سواری ٹھیراسنے کو ایک بہانہ ہو آبِ خاصہ مانگا اور اُسے نوش فرما کر دیکھتے ہوئے چلے گئے - میر تاباں حُسن یوسفی کے ساتھ عاشق مزاج بھی تھے - قاسم نے انہیں تیسرے طبقے کے شعرا میں لکھا ہے - یہ اپنے زمانے میں ہر دلعزیزی کے باعث امرا اور رؤسا کے جلسوں کی جان سمجھے جاتے تھے - اور معمولی حیثیت میں بھی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے - رنگین مزاج ایسے تھے کہ کوئی میلا تماشا بغیر جائے نہ رہتا تھا - شوق بھی نیز تذکرے میں انکی حسن و خوبی اور خندہ جبینی کی تعریف کرتے ہیں - مشہور ہے کہ ابتدائے جوانی میں انکو اسقدر میگساری کا شوق ہوا کہ شب و روز مست و مخمور رہنے لگے - اس وجہ سے سخت بیمار ہوئے اور افسوس کہ عرصے قلیل میں وہ آفتاب تاباں افق ظلمت سے ہمکنار ہوا اور اپنی رحلت سے جہان کو تیرہ و تار کر دیا - میر تاباں حضرت میرزا مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ کے مرید تھے - فنِ سخن میں کئی استادوں سے فیض پایا تھا - شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں جہاں اپنے تلامذہ کا ذکر کیا ہے اس زمرے میں انکا نام بھی لکھا ہے اور خود انکے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے میر محمد علی حشمت سے بھی اصلاح لی تھی - شیفتہ کا قول ہے کہ تاباں مرزا رفیع سودا کو اپنا کلام دکھاتے اور اُنکی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے - انکا لباس اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا - جو اُنکی دلکش شکل اور جامہ زیب بدن پر نہایت بھلا معلوم ہوتا تھا - قدیم تذکروں میں انکے حسن و جمال اور طرزِ معاشرت کی خوب خوب حالات لکھے ہیں - فیلن صاحب کہتے ہیں کہ میر تاباں سنہ ۱۷۹۱ء میں بقید حیات تھے - بہرحال انہوں نے عالمِ شباب میں دہلی میں انتقال کیا - فنِ سخن میں بھی نامور ہوئے - صاحبِ دیوان تھے - اور زبان خوب کہتے تھے - خصوصًا معاملے کے اشعار نہایت صاف ہوتے تھے - دیوان انکا میرے کتب خانے میں موجود ہے - اسمیں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے ؎

اے مرد خدا ہو تو پرستار بتاں کا
مذہب ہی میں مرے کفر ہے انکار بتاں کا

مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جان اپنا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جسکو دیکھا سوا اپنے مطلب کا

بلبلو کیا کروگے اب چھٹکر
گلستاں تو اجڑ چکا کب کا

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا
ایسا قاصد تو جائیو لپکا

جفا پہ اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا
تری بلا سے مری جی پہ جو ہوا سو ہوا

پنہائی خاک بھی تاباں کی سینے پھر ظالم
وہ ایک دم ہے ترے روبرو ہوا سو ہوا

رخسار و زلف میں ہے اس گلبدن کے مجھکو
مانند شمع و شبنم لیل و نہار رونا

تبسم دیکھ اس غنچہ دہن کا
جگر ٹکڑے ہوا ہے ہر کلی کا

تاباں تو رشتۂ غم و اندوہ توڑ اب
تار نگہ میں اشک کے موتی پرو چکا

میں خواب میں دیکھا ہے اسے منہہ ہی لگا ہے
کیا جانئے کس کس کا لہو آج پیے گا

تاباں فلک سے کیونکہ بھرے ساغر مراد
رہتا ہے واژگوں یہ پیالہ حباب کا

کس کس طرح کی دلمیں گذرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

اڑا دے صبا خاک میری اگر تو
تو کوچہ میں اس بیوفا کے ہی لیجا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ بتکدہ میں شیخ
کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

اخگر کو تہ خاک چھپا رکھیں میں دیکھ کے سمجھا
تاباں تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہیگا

خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہمکو
کہاں یہ چمن پھر کہاں آشیانا

ترے غم سے نسیاں ہے یانتک کہ مجکو
ادھر بات کہنی ادھر بھول جانا

کمی کیا ہے کی ہو جاوے گی میخانہ میں اے ساقی
اگر ہمکو پلا دے گا کبھی اک جام کیا ہوگا

اسباب جہاں کی تو ولا فکر نہ کر تو
حاصل نہیں کچھ اسمیں بجز رنج و مشقت

یہ وہ بت ہیں جنہوں نے رام عالم کو کیا اپنا
کوئی انسے لگا کر دل چھڑا سکتا ہے کیا قدرت

ہنستا ہے گل چمن میں تو نالاں ہے عندلیب
وہ دل خوشی نہ دیکھے کبھی اس جہاں کے بیچ

دیکھا اسکو خواب میں جب آنکھ کھل جاتی ہے صبح
کیا کہوں میں کیا قیامت مجھپہ تب لاتی ہے صبح

آگے تو اپنے حسن پہ مغرور تھا ہی تو
اب چاہنے سے میرے سہے دونا ترا گھمنڈ

ہجر میں ساقی کے یارو جب کبھی آتا ہے ابر
تب ہمارے سر پہ کیا روز سیہ لاتا ہے ابر

جو عاشق مرے عشق کی راہ میں
کرو کوچۂ یار میں اسکی قبر

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

منصور کو ہوتی نہ اگر دار سے سیڑھی
تو راہ وہ پاتا ترے دیدار کی کیونکر

گل زمیں سے جو نکلتے ہیں برنگ شعلہ
کوئی جاں سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز

دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباں
کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز

دل مرا بسکہ ہے لبیک حرم سے بیزار
جا کے بتخانہ میں سنتا ہے صدائے ناقوس

پالکی بھی سے مجھے خدا نے دی
تو بھی تاباں رہا میں خانہ بدوش

کسی سے اسلئے کرتے نہیں ہیں ہم اخلاص
کہ ہے نفاق زمانہ میں اب ہے کم اخلاص

ان بتوں کو تو مرے ساتھ محبت ہوتی
کاش بنتا میں برہمن ہی مسلماں کے عوض

ماہ پہونچے ہے کہاں منہ کی جھلک کو تیرے
وہ بھی ہر چند کہ روشن ہے پہ یہ نور نہیں

کوئی دن دیکھنے دے موسم گل
ارے صیاد پھر بہار کہاں

گلشن میں بحثنے کو تمہارے دہن کے ساتھ
کھولا تھا منہ کو کلیوں نے پر کچھ نہ بولیاں

سودے میں گذرتی ہے کیا خوب طرح تاباں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں
کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے
جو جانتا ہو میں اسے آگاہ کیا کروں

ذرا اسے گل نہ آیا رحم اس صیاد کو دلمیں
رہی حسرت چمن کی بلبل ناشاد کو دلمیں

اسی کا کام تھا جو بات کہکر جی دیا اپنا
نہ آیا کچھ کبھی دھڑکا جان کا فرہاد کو دلمیں

مرے نزدیک شادی اور غم دونو برابر ہیں
کہ اصلاً غم نہیں ہوتا کبھی آزاد کے دلمیں

کوئی عاشق ہوا اسیر تو اسکو قتل کرتا ہے
ترحم کچھ نہیں تاباں مرے جلاد کے دلمیں

یہاں تک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ
گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہونچو
ٹک تمکو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہونچو

تیرے کمند زلف کے ملک بہ ملک ہیں اسیر
بسمل خنجر نگاہ جانانہ کو بہ کو

سکر اُسکے شعلۂ سوز جگر پروانہ
آپ سے آپ جلیں بال و پر پروانہ

جو نچیتہ مغز ہیں سو سوز دل نہیں رکھتے
کبھی نے شمع سے جلتے میں کچھ سنا بھی ہے

عاشق کے واقعہ کو کہا سنکے یار نے
مرنے ندیتا اسکو جو ہوتی خبر مجھے

اے باغباں ابتو جاتے ہیں ہم قفس میں
چھوٹے تو پھر ملیں گے گر بال و پر رہینگے

جاتی ہے عمر سر و تم سکو خبر نہیں ہے
کیا جانئے کہ کبتک ہم بے خبر رہینگے

نہ تجھے شرم بے وفائی ہے
نہ مجھے طاقت جدائی ہے

ظالم میری وفا کا جو لیتا ہے تو حساب
اپنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کرنے کی طاقت کہاں ہے

کروں دعوے خوں میں قاتل سے اپنے
کب آئیگی یارب قیامت کہاں ہے

میں شکوہ کروں جور ظالم کا لیکن
مجھے آہ و نالے سے فرصت کہاں ہے

اسیری سے یاں تک ہوئی ابتو الفت
کہ شام قفس ہمکو صبح چمن ہے

مقرر نہیں کوئی تاباں کا مذہب
کہیں ہے مسلماں کہیں برہمن ہے

عیاں ہے تری آنکھوں کی مخموری
کہ حد نافع ہے زخمی کے تئیں صہبائے انگوری

تشبیہ اسے ماہرو میں شمع سے تشبیہ دوں کیونکر
کہ کچھ نسبت نہیں ہے اسکو وہ ناری ہے تو نوری

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے

تو قتل سکے سنکے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جوں شمع زباں میری		یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری
تو مے پی اسقدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے		ترا بیہوش ہوجانا ہمارا ہوش کھوتا ہے
قیامت مجپہ کل کی رات اسکے ہجر میں لائی		نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی
ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی	رباعی	بجھو وہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجکو خمار شب کا۔ لا صبح ہوئی		شیشہ میں جو کچھ کہ مے ہے باقی ساقی
آتش عشق کی کب ہے دل بیتاب کو تاب		قایم النار بھی سیماب کہیں ہوتا ہے
بجھے فصلوں سے کہا تاباں کے ناصح		وہ جانے اور اسکا کام جانے

تضمین

میں تیرے عشق سے ازبسکہ کفر مو آیا
تمام خلق نے مشہور ملحد و بنیں کیا
طریق مسجد و بتخانہ ایکسا سوجھا
دیا ہے قتل کا قاضی نے بھی مگر فتویٰ

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

مری حیرت کی صورت دیکھ آئینہ ہوا حیراں
مرے افسردہ دلکو دیکھکر کمہلا گئیں کلیاں
مری فریاد سُن سُنکر جرس بھی ہے سدا نالاں
مری وا سوختگی کو سُن کے ہر شب شمع ہو گریاں
مری بیتابیوں کو دیکھکر جلتا ہی پروانہ

تاباں۔ مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں خلف الرشید نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب مرحوم خلف اکبر نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر مغفور رئیس لوہارو ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ علوم مشرقی میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں۔ فن سخن میں پہلے نواب حسین علیخان شاداں مرحوم سے تلمذ اختیار کیا پھر حضرتِ داغ سے مستفید ہوئے۔ آپکے دو دیوان مرتب ہو چکے ہیں۔ کچھ عرصے سے ریاست حیدرآباد میں بھی وظیفہ خوار رہے۔ اب دہلی میں خانہ نشین ہیں۔ میرزا باقر علیخان کامل خلف متبنی حضرتِ غالب کی بیٹی انکے نکاح میں ہیں۔ آپ کا منتخب کلام اچھا ہوتا ہے۔ مشتاق اور ر

تاباں

زود گو ہیں اور کم و بیش جملہ اصناف سخن میں دخل رکھتے ہیں۔ شطرنج کا شوق ہے اور اچھا کھیلتے ہیں راقم تذکرہ کے ولی عنایت فرما ہیں زبان صاف بندش درست ہے۔ طبیعت میں آمد غضب کی ہے۔ اور کیوں نہو شبانہ روز یہی مشغلہ ہے۔ اپنی نازک خیالی اور شاعری پر فریفتہ ہیں۔ کلام کا جو انہیں کا عطیہ ہے انتخاب درج ذیل ہے۔

لیا ہے پہلے دل اب جان لیلے — کریگا اور الفت آزما کیا

ہوا تا باں کو جینا مرنے سے بدتر جو یاد آیا — طلب کا جیاں بحق ہونا وہ مغفور مائل کا

ارمان رہے نکل کے شب وصل یار میں — بیچلے نہ رہ سکے دل امیدوار میں

آئینہ سے بھی رشک رقابت ہے کس لئے — وہ بھی تو دیکھتا ہے بناؤ سنگار میں

نا استواریاں تیرے وعدہ کی بیوفا — ہیں استوار وعدۂ نا استوار میں

پریشاں کرچکی ہیں میری آہیں — یہ ممکن ہے کہ وہ غیروں کو چاہیں

تلوّن انکا شیوہ ہوگیا ہے — محبت ایک سے کیونکر نباہیں

کیا زخمی میرے دل کو جگر کو — چلیں ہیں تیر بن بنکر نگاہیں

نہ آیا راہ پر وہ شوخ ہمنے — نکالیں سینکڑوں ملنے کی راہیں

دھرا کیا ہے بجز اسکے تن زار محبت میں — کہ ہے تار نفس الجھا ہوا تار محبت میں

کسی پر مرمٹے ناصح تو اسکو حال کھل جائے — کہ کیونکر راتدن کٹتی ہے افکار محبت میں

ہوا ہے سب سے بیگانہ زمانہ میں یگانہ ہے — عجب وارفتگی پاتا ہوں سرشار محبت میں

کہتے ہو تم کہ مجھسا جہاں میں حسیں نہیں — آئینہ دیکھکر بھی کہو گے کہیں نہیں

تری شوخیاں اور مری حسرتیں — سر بزم سب کچھ بیاں کرچکیں

نگاہیں تری اسپہ پڑنے لگیں — نگہبانیاں پاسباں کرچکیں

وعدہ وہ وعدہ ہے جو وقت پہ ایفا ہوجائے — یوں تو ہر ایک سے وہ وعدہ کیا کرتے ہیں

نظر آگیا جو وہ جلوہ نہیں ہے — اُسے دیکھنا کچھ تماشا نہیں ہے

جو اس بت کی چوکھٹ کو چوما تو بولا
یہ کعبہ نہیں ہے کلیسا نہیں ہے

ہاتھ سے وضع دید کے ہی بنی
غیب سے آشتی کئے ہی بنی

وہ جو روٹھے شراب بھی چھوٹی
من گئے جب کبھی پئے ہی بنی

دل کے لیتے ہی دین بھی مانگا
جو کہا اس نے وہ کئے ہی بنی

آج تاباں سے متقی کو بھی
درد آلود مے پئے ہی بنی

ابرو کی تیغ سے سر مقتل لٹا مجھے
مرجاؤں نہیں تو بن کے مسیحا جلا مجھے

خیالات زاہد کو ہیں دور سے
مزے چل کے جنت میں لو حور کے

یہ ہونا ہے اک دن کہ تجھے چھوڑ کے بیٹھیں
کب تک ترا کہنا دل ناشاد کریگے

یہ دعائیں مانگتا ہوں گھر دل میں آ ڈھے
آپ کا تیر نظر خنجر بنے اور ٹوٹ جائے

جفا پر وفا مجھ وفادار کی
زبانوں پہ بن کر کہانی رہے

تو ہی بتا دے ناصح ناداں میں کیا کروں
دل اختیار میں ہے نہ وہ اختیار کے

تاباں

تاباں۔ منشی احمد خاں خلف منشی عباد اللہ خان متوطن خورجہ ضلع بلند شہر۔ آغا شاعر دہلوی سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں۔ طرز جدید میں بھی فکر کرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی نومشقی کا عالم ہے مگر طبیعت تیز اور ذہین ہے اگر لگے رہے تو اچھی ترقی کر جائیں گے۔ زبان کی صفائی کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ صاف شعر کہتے ہیں۔ ۱۸ برس کی عمر سے فکر کرتے ہیں ۲۶ برس کی (۱۹۰۸ء) عمر ہے اور گوالیار امپیریل سروس انفنٹری میں کپتان ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

گھر کر گئی ہے دل میں یہ کچھ لذت ستم
ڈرتا ہوں ہو نہ جائے وہ بت مہرباں کہیں

یہ مقتضائے طرز زمن ہے ورنہ شیخ
دوزخ کہیں ہے اور نہ باغ جناں کہیں

یاروں کی ایک چال تھی یہ بھی ڈرو نہیں
دنیا میں حشر کرتی ہے آہ و فغاں کہیں

کیا پوچھتے ہو جیتے ہیں مرنے کی آس پر
وہ دن خدا دکھائے کہ آئے قضا کبھی

سجدہ میں آپ شوق سے سر کاٹ لیجئے
پھیریں گے منہ نہ تیغ سے اہل وفا کبھی

آج وہ برگشتہ مژگاں غیر کی محفل میں ہے — ہائے کیا چبھتا ہوا کانٹا ہمارے دل میں ہے

سنا منصور کا قصہ تو مجھ سے ہنسکے فرمایا — گنہ گارِ محبت کے لئے یہ بھی سزا کم تھی

تابش

تابش - محمد جعفر نام - انکا اصلی وطن الہ آباد تھا مگر غدر سے بیس پچیس برس پیشتر دہلی میں آن رہے تھے جوانی میں معقول عہدوں پر ممتاز رہے - موزوں طبع تھے اور اسطرح کہتے تھے -

کبھی بن بات رہ نہیں سکتے — تو بہ کچھ ہمکو سازگار نہیں

دل میں خوش ہیں عدو پرائے تابش — وہ ستمگر کسیکا یار نہیں

تابش

تابش - محمد عبد الباری نام، خلف منشی سید محمد قاسم مرحوم، مولد و مسکن صاحب گنج گیا ہے - عمر ۱۹ سال کی ہے - فارسی بقدر مناسب جانتے ہیں اور ہنوز زیر تعلیم ہیں - حافظ محمد عبد الرحمن بسمل سُہنار وی کے حلقۂ درس میں داخل ہیں - منشی سید مہدی حسن سازش جونپوری خلف اوسط مولوی حکیم سید اولاد علی کاہش جونپوری کے نواسے ہیں - انکے والد بھی شاعر تھے اور قمر تخلص کرتے تھے - وہ مولوی فصیح احمد حشر بتھیوی سے اصلاح لیتے تھے - تابش کو عرصہ قلیل سے شعر گوئی شوق ہوا ہے - خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی شاگرد شیخ محمد جان شاد پیر و میر سے تلمذ ہے - ایک غزل انکی ہمیں ملی، اسمیں سے یہ شعر منتخب ہوئے -

صاف انکار سے وعدہ تو نہ ٹالا ہوتا — معذرت کا کوئی پہلو بھی نکالا ہوتا

دو کیا تھا جو میں دیتا عوض اک بوسے کے — نقدِ دل پیشکش خدمتِ والا ہوتا

عشق کرنا تھا حسینوں سے اگر اے تابش — پہلے اپنے دلِ نالاں کو سنبھالا ہوتا

تاثیر

تاثیر - خواجہ محمد جان صاحب لکھنوی شاگرد نسیم دہلوی - عرصہ ہوا انتقال کیا - کچھ غزلیں نظر سے گزریں انکا انتخاب حاضر ہے -

بال کھولے ہوئے زلفوں کی پریزاد آیا — دام بر دوش چمن میں مرا صیاد آیا

بتکدے سے طرفِ کعبہ چلے ہم آخر — ایسا اس بت نے ستایا کہ خدا یاد آیا

ہے وہ تیزی کہ تصور نے بنایا بسمل — آپ کا خنجرِ ابرو جو مجھے یاد آیا

خوب ہشیار کیا اُسکے تغافل نے مجھے
بھولا وہ بت مجھے ایسا کہ خدا یاد آیا

ستانے ہیں لحد مٹی مری برباد کرتے ہیں
ستم ایجاد اب تک یہ ستم ایجاد کرتے ہیں

وہ بلبل ہیں ہمیں صیاد جب آزاد کرتے ہیں
عوض شورِ مبارکباد کے فریاد کرتے ہیں

نشانِ جسم تک باقی نہیں ہے ناتوانی سے
عبث تدبیرِ محبوسی مرے صیاد کرتے ہیں

واقف ہے دردِ دل سے مگر خوب وہ حسیں
کیوں پوچھتا ہے پھر سببِ انتشارِ دل

تاثیر

تاثیر۔ لالہ کنھیا لال ولد لالہ کیول کشن باشندہ فرخ آباد۔ منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیر کے تلامذہ خوش فکر سے تھے۔ ایام غدر میں حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ یہ اِنکے اشعار ہیں:

خنجر سے دل کے سینکڑوں ٹکڑے جو کر دیئے
میرا کلیجہ بڑھ گیا اے گل ہزار ہاتھ

ہاتھوں کو ناچ میں جو نگر را ُٹھائیے
دریائے حسن آپ کا بڑھ گیا چار ہاتھ

تاثیر کوئے دامنِ قاتل نہ چھو سکا
دوڑا ہے بسملوں نے عبث بار بار ہاتھ

تاثیر

تاثیر۔ حافظ محمد حسین دہلوی۔ غدر سے پیشتر دہلی میں موجود اور خدا بخش خاں تنویر کے شاگردوں سے تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ کلام ہے۔

وہ ہوا پاس تو قتا بو میں دل اپنا نہوا
ہائے مطلب تو ہوا حسبِ تمنا نہوا

بیمار کیا اور بھی اس کم نظری نے
ظالم ہمیں مارا تری بیدادگری نے

تجلے کے خیال نے کعبہ جھکا دیا
الفت بتوں کی لائی کہاں نے کہاں مجھے

تاثیر

تاثیر۔ حکیم محمد حسن خاں سنام ریاست پٹیالے کے رہنے والے اور موجودہ شعرا میں ہیں۔ آپکو غالباً مولانا شوکت سے تلمذ رہا ہے۔ کلام ملاحظہ ہو:

وصالِ یار سے بڑھکر ہے لذت سوزِ فرقت میں
مزہ پاتا ہوں دوزخ میں مرا جاتا ہوں جنت میں

چراغ مہر لیکر ڈھونڈھنے کو مہر نکلا ہے
مری گم گشتہ قسمت کو غبارِ شامِ غربت میں

آبلہ پا ہوں مجھے چھوڑا ہے کیوں گلزار میں
لیچلو مسکن ہے میرا وادیِ پرخار میں

کیوں نہ آجائے قیامت کھیلتی بازار میں
خود اُبھتے آرہے ہیں اپنی ہی رفتار میں

تاج

تاج - منشی محمد تاج مقیم انبالہ - آپ کو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے - زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا - ایک کلام ملاحظہ ہو -

پہلو میں رشک ماہ تھا دورِ شراب تھا
اک برج میں قران مہ و آفتاب تھا

پل پل جب انگلیوں پہ گنے ہمنے روزِ ہجر
اپنے حساب تو وہی روزِ حساب تھا

سینے پہ بحرِ حسن کے ابھرا ہوا تھا کچھ
یہ قلزمِ شباب کا شاید حباب تھا

آئینے یہاں کو کرتے ہو ایجاب جاں نہیں
ای میری جان جانمیں اب میری جاں نہیں

کیوں پست حوصلہ ہوں مقدر کے سامنے
ہے یہ تو شکوہ عدل کا داور کے سامنے

خورشید یوں ہے عارضِ انور کے سامنے
جیسے چراغ مہرِ منور کے سامنے

اس چاہ نے خدا سے مجھے سرنگوں کیا
کرتا ہوں سجدہ اک بتِ کافر کے سامنے

آنکھوں میں کس غضب کی ہے تسخیر ساحری
افسوں چلے نہ چشمِ فسوں گر کے سامنے

تاج

تاج - سید عظمت شاہ صاحب رامپوری شاگرد منشی عابد حسین اوج رامپوری زمانہ حال کے خوش فکر لوگوں میں ہیں - یہ کلام کا انتخاب ہے -

میکشی سے خاک اب توبہ کریں
ایک دو دم زندگانی اور ہے

توبہ بھی کر لینگے ناصح پی تو لیں
کوئی دن کی یہ جوانی اور ہے

کیا ہوا گر حشر تک زندہ رہے
خضرِ عمرِ جاودانی اور ہے

فائدہ کیا جبہ و دستار سے
دین کی زاہد نشانی اور ہے

تاسف

تاسف - سید محمد حسن صاحب حضرت پوری تلمیذ حضرت عشق لکھنوی آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے - جسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے - باوجود تلاش حالات دستیاب نہ ہو سکے - کلام سے یہ بات ظاہر ہے کہ شعر گوئی میں خاصی قدرت رکھتے تھے - مضمون کی طرف بھی طبیعت دوڑتی ہے نشست الفاظ اور انداز بیان بھی خاصہ ہے - اب کلام ملاحظہ ہو -

کیا ترحم آگیا کچھ دل کو تیرے وقتِ ذبح
ہاتھ کیوں چلتا ہے قاتل حلق پر رکتا ہوا

شعلۂ عشق سر بلند رہا
اس پہ دل صورت سپند رہا

سوختہ قسمت ہوں ایسا مزرع امید پر
برق گرتی ہیں اگر باران رحمت مانگتا

آب رحمت سے بجھاتا گر نہ خالق روز حشر
شعلۂ دل سے امان مہر قیامت مانگتا

وہ آگ دلمیں لگی تھی تمہاری فرقت سے
کہ ابر دیدۂ گریاں جسے بجھا نہ سکا

رخ محبوب جب پیش نظر تھا
چراغ طور گویا جلوہ گر تھا

پس مرگ بھی حشر برپا رہا
ہماری محبت کا چرچا رہا

مسیحا کی صورت نہ آئی نظر
مریض غم ہجر مرتا رہا

ہم سے تھے قریب مرگ کہ وہ مہرباں ہوا
پیری جب آئی بخت ہمارا جواں ہوا

ہوا ممنون ہیں تیر نظر کا
نشاں بھی اب نہیں درد جگر کا

شہرہ ہمارے قتل سے انکا سوا ہوا
ناحق کا خون غازۂ تیغ جفا ہوا

ہوا سے اڑ گئیں زلفیں جو انکے روئے روشن پر
ہوا مستوں میں غل کالی گھٹا چھائی ہر گلشن پر

اے فلک جاؤں کدھر میں کوئے جاناں چھوڑ کر
بلبل نالاں کہاں جائے گلستاں چھوڑ کر

رخسار سے بہم ہیں جو گیسو الگ الگ
بل کھا رہے ہیں کیا یہ سیہ رو الگ الگ

باندھا گلا کسی نے تو کاٹا کسی نے سر
کرتے ہیں ظلم گیسو و ابرو الگ الگ

ہو کے ابرو و نگہ سے تری بسمل قاتل
لذت قند مکرر ہوئی حاصل قاتل

تیز بھولے سے بھی خنجر کو نہیں کرتا ہے
حق نے پتھر کا بنایا ہے ترا دل قاتل

ہزاروں عاشقوں کا خون ہوگا وہ نکھرتے ہیں
دھرا ہے سامنے آئینہ کو گیسو سنورتے ہیں

ہر جا ہے اسکا جلوۂ رخ وہ کدھر نہیں
پر جس سے دیکھ لیں وہ ہماری نظر نہیں

مضمون درد قابل شرح و بیاں نہیں
تم جسکو سن سکو وہ مری داستاں نہیں

چرخ کو چکر زمیں کو زلزلہ لرزاں ہیں پا کوہ
خوف میری آہ سوزاں سے تمہیں لیکن نہیں

کیونکر نہ زندگی ہو بسر اضطراب میں
دل پھنس گیا ہے کاکل پر پیچ و تاب میں

تمہارے گیسو و خالِ جبیں کا وصف ہو کیونکر
نہ ایسا دام دیکھا ہے نہ اس انداز کا دانہ

محبِ اندوہ سے بہتر نہ پایا کوئی دنیا میں
بچھوڑا ساتھ مرنے پر اسے کہتے ہیں یارانہ

زلفِ سنبل اور ہے گیسوئے جاناں اور ہے
زلف پیچاں اور ہے زلفِ پریشاں اور ہے

بجائے اشک اب خونِ جگر آنکھوں سے بہتا ہے
الٰہی کس طرح کا درد ہے جو دل میں رہتا ہے

خلوت ہے کنجِ باغ ہے فصلِ بہار ہے
ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہے

یاد تیرے زلف و ابرو کی ہیں بھولوں کس طرح
پاؤں میں زنجیر ہے اور حلق پہ شمشیر ہے

گلے سے لگا لینے کے قابل نہیں ہے
ولا ماد تو تیغِ قاتل نہیں ہے

تاسف وہ گل کیا ترے بس میں ہوگا
کہ قابو میں تیرے ترا دل نہیں ہے

کہتے ہیں وہ نظر مری تجھ پر رہا تو کی
لائق اگر وفا کے نہ تھا تو جفا تو کی

شکوہ کیا نہ آنے کا اُس نے تو یہ کہا
دل میں تمہارے یاد ہماری رہا تو کی

آہ ابتک کوئی نکلی نہ شرر سے خالی
اشک ٹپکا نہ کوئی لختِ جگر سے خالی

جدا ہی کر دو یا تیغِ جفا سے
بہت اچھی دوا ہے دردِ سر کی

تعلق دستِ وحشت کو ہوا اپنے گریباں سے
بہار آتے ہی جنگل کو چلے اٹھکر گلستاں سے

تاسف **تاسف** ۔ جناب ناصر الدین حیدر صاحب خورجوی ضلع بلند شہر۔

ناکام آرزوئے محبت کا کام کر
ابرو سے کام لے کوئی خنجر اگر نہو

ہم اور ترکِ عشقِ بتاں واہ ناصحا
پہ تو کبھی نہ ہم سے ہوا عمر بھر نہو

تائب **تائب** ۔ مولوی محمد حسین تائب برادرزادہ حقیقی مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۔ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے تلمذ سے فیضیاب تھے ۔ شعر بہت کم کہتے تھے مگر سخن فہم اعلےٰ درجے کے تھے ۔ دورِ موجودہ کے مشہور شاعر قاضی غیاث الدین خورشید آپ ہی کے شاگرد ہیں دس بارہ سال ہوئے انتقال فرمایا ۔ یہ آپکا کلام ہے ۔

مجھکو جب عہدِ وفا یاد آیا
اُسکو بھی شغلِ جفا یاد آیا

کہیے اُس بت کو مشابہ کس کے / دیکھ کر جس کو خدا یاد آیا
عہدِ پیری میں جوانی کی اُمنگ / آہ کس وقت میں کیا یاد آیا
پھر کتاں وار جگر چاک ہوا / پھر کوئی ماہ لقا یاد آیا

تائب

تائب - ان کا اور حال معلوم نہوا۔ صرف اسقدر واقفیت ہے کہ ۱۲۹۷ھ کے گلدستۂ شعرا میں ان کی غزلیں دیکھی گئیں انہیں کا انتخاب درج تذکرہ ہے۔ کلام کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی مشاق اور طبیعت دار تھے۔

غضب ہے یار ترے پھول سے بدن کی بہار / بتائے گی ہمیں دیوانہ اس چمن کی بہار
جو دیکھ پائیں عنادل ترے بدن کی بہار / نظر میں اُنکے ابھی خار ہو چمن کی بہار
دکھا رہا ہے عجب رنگ کو وہ پر لالہ / پس فنا ہے عیاں خونِ کوہکن کی بہار
ضرور عارضِ گلرنگ تیرے دیکھے ہیں / نہیں سفید ہے بوچہ نسترن کی بہار
کسی روش نہ ریاضِ جہاں پہ ہو راغب / کہ پنج روزہ ہے تائب بس اس چمن کی بہار

وہ لڑکپن کی چال چلتے ہیں / بوسہ دینے پہ بھی مچلتے ہیں
ہم اِدھر ہو رہے ہیں سینہ سپر / تیر مژگاں اُدھر سے چلتے ہیں
باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم / پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں
ٹکڑے ہیں دامن و گریباں کے / خوب وحشت کے ہاتھ چلتے ہیں
ڈھونڈھتا ہوں اُنھیں جو اے تائب / خانۂ دل میں وہ نکلتے ہیں

تائب

تائب - مولانا حافظ شاہ احمد خان شاہجہانپوری عرف بدھن خاں خلف رن باز خاں عربی فارسی کے جید عالم اور سن رسیدہ آدمی ہیں۔ شاہجہانپور روہیلکھنڈ کے متوطن اور قوم کے پٹھان ہیں سنہ ۱۲۵۳ھ سال پیدایش ہے اس حساب سے اب ۷۵ سال کی عمر ہے۔ بچپنے ہی میں عارضہ چیچک کی بدولت آنکھوں سے معذور ہوگئے۔ لیکن چونکہ حافظہ بہت درست پایا تھا اُستاد کی اندک توجہ سے حافظ قرآن ہوگئے۔ اسی طرح کتب درسیہ اکثر حفظ کر لیں۔ نواب غلام حسین خاں

رئیس سے فارسی پڑھی اور اُنھیں کے فیضان صحبت سے شاعری کیطرف توجہ ہوئی بعد فراغ تحصیل علوم درس دینا شروع کیا۔ اکثر منتہی طالب علم انسے درس پا چکے ہیں سنہ ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ اسلامی بمبئی کے مدرسی کے واسطے طلب ہوئے مگر چند ماہ بعد ملازمت ترک کرکے اپنے ہموطن دوست معشوق علیخان صاحب جوہر کے پاس بھوپال چلے گئے۔ اُنکی وساطت سے نواب عالمگیر محمد خاں کی سرکار سے تیس ۳۰ روپیہ ماہوار اور خاصہ مقرر ہوگیا۔ ۶ ماہ وہاں قیام کیا اور طلبا رکو درس دیتے رہے۔ ریاست میں باضابطہ ملازمت کا سلسلہ درپیش تھا کہ ناموافقت آب وہوا کے باعث علیل ہوکر وطن چلے آئے۔ اور پھر ۱۶ برس تک مدرسہ عربی کے ہیڈ مولوی رہے۔ اب بطور خود منتہی طلبا رکو گھر پر درس دیتے ہیں۔ شعر کا بہت شوق ہے۔ شاہجہانپور کے شاعروں کی رکن رکین سمجھے جاتے ہیں۔ تصانیف میں دیوان اُردو کے علاوہ انشا مشہد عشرت نام بڑی ضخیم کتاب ہے جسمیں متعدد اقسام نثر کے نمونے دکھائے ہیں۔ آپ کے شاگرد بکثرت ہیں جن میں تحمل جلالپوری صاحب دیوان ہیں۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

داغ بیچارہ کے دلمیں نہو کیونکر ساقی
ساغر مے ہوا لالۂ گلشن اُن کا

نہیں چلتا کوئی فقرہ نہیں بنتا کوئی حیلہ
بسان کوشش بیجا برنگ سعی باطل ہوں

تنگ وجود تجھسا جہانمیں کہیں نہیں
آنسو کے پونچھنے کیلئے آستیں نہیں

کھینچے ہوئے ہیں چلہ گماں کی کمان کا
چٹکی سے چھوٹنے کا خدنگ یقیں نہیں

سر پر نہیں یہ چرخ ہے اُڑا ہوا دہواں
چھالا پڑا ہے پاؤں کے نیچے زمیں نہیں

بلبلوں کے سوز دل نے بھڑک کر جلا دیا
کلیاں قبائے گل میں نہیں آستیں نہیں

بدتر کسیکی ہوتی ہے یوں زندگی نہو
جیسا میں بدنصیب ہوں یارب کوئی نہو

برسیں جو ہیں سسکتے نکلتی نہیں ہے جان
مرجانا عاشقوں کا تیرے دل لگی نہو

دفتر مرے گستے گئے جو لے کر لگا گئے
تیوری جو منعموں نے چڑھائی ٹھٹک گئے

غم نہیں تلخی دشنام نے گر زہر دیا
لب قاتل میں ہے اعجاز مسیحائی بھی

شہید ناز کا مٹھی میں کسدن خون بہا لائی | شہادت کا تمسک شوخیٔ رنگ حنا لائی
گلا ہم سخت جانوں کا اجل سے کٹ نہیں سکتا | چڑھا کر سان پر سو بار شمشیر قضا لائی
خدا کے سامنے ہوگا مرا ہاتھ اور ترا دامن | جو اس کوچے سے میری خاک کو باد صبا لائی

تھے کدھر اے مری آنکھوں سے گذرنے والے | شیشۂ دل میں پری بن کے اترنے والے
دے اگر اللہ دل انسان کو رکھدے اسمیں داغ | عشق کا سودا عطا کردے جو سر پیدا کرے
واہ ری قسمت کہ ہم پیدا ہوئے اس عہد میں | عیب سے بدتر ہے گر کوئی ہنر پیدا کرے
رند کہتے ہیں خدا انساں سے پوشیدہ نہیں | دیکھنے کے واسطے زاہد نظر پیدا کرے
بے خبر ہیں نہیں کچھ ہمکو خبر ہوتی ہے | صبح ہوتی ہے کہاں شام کدھر ہوتی ہے
ضعف کا بعد فنا بھی یہ اثر ہے باقی | میرے مرنیکی جو برسوں میں خبر ہوتی ہے
بیقراری سے دل مضطر کی کیا حاصل مجھے | کر چکا تیر نگاہ جانستاں بسمل مجھے
کچھ نہیں معلوم کس آفت کی ہے تاثیر حسن | بھول جاتا ہے تجھے پاتے ہی میرا دل مجھے
ابر کے پردہ سے باہر آفتاب آنے کو ہے | توڑ کر جوبن کی دیواریں شباب آنیکو ہے
رخصت اے وسوسۂ توبہ کہ ہے فصل بہار | خیر مقدم ہوس بادہ کہ بادل آئے
شمع فانوس ہوئے بزم میں اندھیر ہوا | تم جو آنکھوں میں لگائے ہوئے کاجل آئے
خوبرویوں میں جلا کرتا ہوں تائب مثل شمع | ہیں پری پیکر سمجھتے مشعل محفل مجھے

تائب

تائب - مولوی عبد القادر - مولانا شوکت میرٹھی کے شاگرد ہیں - قصبہ بوڑیہ ضلع انبالہ انکا وطن تھا اور ۱۸۸۴ء میں شملے میں آرمی پریس کے مالک تھے - یہ چند شعر انکے نتائج افکار سے ہیں -

کیا فائدہ سر لاکھ زمیں پر کوئی رگڑے | پیشانی کا لکھا کبھی زائل نہیں ہوتا
طے ہو نہیں سکتے کبھی عرفاں کی منازل | رہبر جو کوئی مرشد کامل نہیں ہوتا
تیغ ابرو سے شہادت ہے مری قسمت میں | مجکو دم دیتا ہے ہر دم دم شمشیر عبث
کب کسی کے یہ ہوئے ہیں بت بے پیر کہو | جان پر کھیلتے ہیں عاشق دلگیر عبث

سیم و زر خاک کا ہے ڈھیر جو قسمت میں نہو — سنگ پارس ہے عبث نسخۂ اکسیر عبث

تائب

تائب - منشی کھنو لال صاحب خلف منشی جھاؤ لال صاحب تلمیذ و نبیرۂ جناب واجب لکھنوی ملازم کوٹھی خزانہ میرٹھ بنک - آپ قوم کے کایستھ ہیں اور ریاست حیدر آباد میں بھی کچھ وظیفہ پاتے رہیں - عرصہ تک وہاں رہے بھی ہیں - دو تین چھوٹے چھوٹے رسالے جنمیں گانے کی چیزیں جمع کی ہیں تالیف کر کے شایع کرا چکے ہیں -

اب کس طرح سے کعبے جیئگا وہ غمزدہ — تائب کو تمنے دل سے بھلایا یہ کیا کیا

کھول کر بال جو وہ گیسوؤں والا نکلا — کوئی مجنوں کوئی مفتوں کوئی شیدا نکلا
قیس نے دشت میں دیکھا جو بگولہ اُٹھتے — دوڑ کر کہنے لگا ناقۂ لیلی نکلا

چاہت میں جوانی ہوئی برباد ہماری — سنتا نہیں اب بھی دل ناشاد ہماری
بیکار چبھوتا ہے مرے جسم میں نشتر — خالی ہیں رگیں خون سے فصاد ہماری
صحرا میں مجھے دیکھ کے مجنوں یہ پکارا — اس وقت مدد کیجیے اُستاد ہماری
دیکھئے کس کسکے ہاتھے جائے کس کسکا ہو جو — نیمچہ زیب کمر ہے ہاتھ میں شمشیر ہے
دل کھنچا آتا ہے میرا خود بخود آنکھوں کی راہ — اے کس کافر کی یہ جادو بھری تصویر ہے
کہتے ہیں جسکو تیرگی شام ہجر لوگ — سائے ہیں وہ فقط مرے بخت سیاہ کے
مرے آپکے حسن و الفت کا قصہ — جہاں دیکھئے اب وہاں ہو رہا ہے

نہ کیونکر عاشق جانباز تیرا دل سے بندہ ہو — عجب اللہ نے اے بت تری صورت بنائی ہے
نہیں طاقت ہے مجھ میں دو قدم بھی راہ چلنے کی — کشش تیری محبت کی یہانتک کھینچ لائی ہے

تبارک

تبارک - ابو البرکات سید محمد تبارک حسین صاحب سہسرامی مقیم شہر کلکتہ تلمیذ حضرت داغ دہلوی - زیادہ حال معلوم نہیں یہ چند شعر انکے ہیں -

اثر تجھ میں بھی گر اے نالہ ہائے بے اثر ہوتے — وہ مجھ پر نام ہی کو مہرباں ہوتے مگر ہوتے
زمیں پاؤں کے نیچے سے سرک جاتی ہے ہجر انمیں — کسیکو بھی نہ دیکھا ہمنے حامی وقت پر ہوتے

فلک کو درد کیوں ہوا سے دل درد آشنا میرا | کسیکے دل میں کیوں پیدا ہو یہ میرا جگر ہوتے

تبسم

تبسم - شیخ الٰہی بخش لکھنوی ملازم حضرت واجد علیشاہ بخشی گری کی خدمت پر ممتاز اور منشی مظفر علی ہنر کے شاگرد تھے - عرصہ دراز تک مٹیابرج کلکتے میں رہے ۱۸۸۵ء میں زندہ و سلامت موجود تھے یہ ان کا کلام ہے ؎

جس کا دل ہو نہ گرفتار اسے قید کرو | مجکو دکھلاتے ہو تم زلف گرہ گیر عبث
باغباں انکے لیے پھولوں کا زیور لیچلا | غنچہ مٹھی میں چھپا رکھے لیے زر لیچلا
دل چکے مٹی میں یہی ہم ہو چکے برباد بھی | اب کہاں یہ خاک اسے چرخ ستمگر لیچلا
بیکار نہیں ناخن تدبیر کسی وقت | کھلتا نہیں پر عقدۂ تقدیر کسی وقت
اسقدر ہے اسکے بسمل کو تڑپنے کی ہوس | خود بخود جھکتا ہے قاتل کے نمکداں کیطرف
انقلابات زمانے کے یہ دیکھے ہمنے | کل جو آباد تھی ہے آج وہ صحبت برباد
عشق کے ہاتوں سے گھر پہ لٹے بیٹھے ہیں | کرچکے صبر و شکیبائی و طاقت برباد
آرزو یہ ہے کہ وہ خوش رہیں آباد رہیں | اسے تبسم ہوئے ہم حسن کی بدولت برباد
قانع وہ ہوں کہ میری قناعت یہ کہتی ہے | دست طلب ہو قطع پریدہ ہو پائے حرص
درد کیوں رکھے نہ حسن و عشق کا افسانہ شمع | شمع کا پروانہ کشتہ یار کی پروانہ شمع
رخ سے اٹھا دیا ہے جو اسنے نقاب کو | دن کر دیا ہے آج شب ماہتاب کو
لازم ہے راہ عشق میں ثابت قدم رہے | رحمت خدا کی سمجھے بتوں کے عتاب کو

تبسم

تبسم - نواب سید علی محمد تبسم رئیس تحصیل مراد آباد - فن شعر کا بھی شوق ہے یہ چند اشعار انکے ہیں۔

کب تک رکھو گے منہ کو چھپائے نقاب میں | کبتک رہے گا چاند سا مکھڑا حجاب میں
کہتے ہو پھر کہ ہمسے تعلق کسیکو کیا | لیتے ہو چٹکیاں دل خانہ خراب میں
کہتے تھے ہم بتوں سے لگاؤ نہ اپنا دل | آخر کو پھنس گئے نہ تبسم عذاب میں

تبسم - خواجہ مرتضیٰ حسین شاگرد حضرت داغ - پیام یار سے کلام نقل ہوا۔

ہجر صنم میں مجکو عجب اضطرار ہے
کچھ یاس کچھ امید ہے کچھ انتظار ہے

عاشق کی زندگی ہو کہ معشوق کی وفا
دنیا میں کب کسیکو ثبات و قرار ہے

تپاں

تپاں ۔ منشی سید ابرار حسین تپاں شاگرد منشی بشیر حسین نسیم بھرتپوری ۔ طبیعت شوخ پائی ہے شعر ذہکا کہتے ہیں اور زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں فتحپور سیکری ضلع آگرہ کے رہنے والے ہیں ۔ ان کے اشعار آمد سے خالی نہیں ہیں ۔ ولی کا رنگ اُن کے کلام میں پایا جاتا ہے ترتیب تذکرہ کے وقت کچھ کلام موصول ہوا اُسمیں سے کچھ اشعار منتخب ہوکر درج ہوئے ۔

عرض مطلب پہ وہ کہتے ہیں ابھی صبر کرو
ہائے کیا سہل سی تدبیر بتا دیتے ہیں

چرخ سے ہے ہمیں شکوہ نہ رقیبوں سے گلا
ہم تو بیٹھے ہوئے قسمت کو دعا دیتے ہیں

ایک تم ہو کہ وفا پر بھی جفا کرتے ہو
ایک ہم ہیں کہ ستم سہکے دعا دیتے ہیں

بھولے بھالے ہیں حسیں جور و جفا کیا جانیں
چاہنے والے ہی کمبخت سکھا دیتے ہیں

خلوت گزیں وہ رات سے دشمن کے گھر میں ہے
بیتاب میری آہ تلاش اثر میں ہے

آساں نہیں ہے اُس بت بدخو کا سامنا
قاصد کا سر ہتیلی پہ ہے خط کمر میں ہے

دونوں کی فکر رہتی ہے ہر حال میں مجھے
تم ہو جو میرے دلمیں تو دشمن نظر میں ہے

داغوں کی سیر دیکھئے پہلو میں بیٹھکر
اک باغ سا کھلا ہوا میرے جگر میں ہے

سر مارتا ہے بادہ پرستوں سے رات دن
شوریدگی کمال کی واعظ کے سر میں ہے

کہتا نہ تھا کہ غیر کی میت پہ یوں نہ ر و
اب درد میرے سر میں ہے یا تیرے سر میں ہے

اسی سے کرتے ہو اقرار وصل کا مجھ سے
یہی زبان عدو کے دہن میں دی ہوگی

تم اپنے وصل کے ارماں بھی ساتھ لیجاؤ
پرائے مال کی ہمسے نہ چوکسی ہوگی

ترے خیال سے واعظ یہاں تو پی نہ سکے
خدا نے چاہا تو کوثر پہ ڈٹ کے پی ہوگی

رنگے ہیں میرے لہو میں کسی نے اپنے ہات
حنا بھی دیکھ کے دل میں بہت لجی ہوگی

دلمیں دل دشمن کے ڈالا دوستی کے واسطے
جو نہ کرنا تھا کیا اُن کی خوشی کے واسطے

کاہشیں سی کاہشیں ہیں حسرتیں سی حسرتیں
ہم سے اچھا ہے عدو؟ دیکھو خدا لگتی کہو

گواہِ خونِ عاشق اور کوئی تھا تمہیں کہدو
شبِ غم تو بھی گھبراتے ہوئے غیروں کے ڈرتی ہے

تپاں آنے میں آنا کیا جو وہ آئے دمِ آخر

لوگ کیوں مرتے ہیں ایسی زندگی کیواسطے
اپنا کیوں ایمان کھوتے ہو کسی کے واسطے

تمہاری آستیں محشر میں یارِ آستیں نکلی
تجھے کمبخت ہمنے جب کبھی دیکھا نہیں نکلی

تمنا میں تمنا کیا جو وقتِ واپسیں نکلی

تپش

تپش ۔ مرزا محمد اسمٰعیل معروف بہ مرزا جان ۔ ان کے والد مرزا یوسف بیگ دراصل بخارا کے رہنے والے تھے ۔ مگر تپش کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی نسبی سلسلہ سید جلال الدین جلال بخاری سے ملتا ہے ۔ آپ طبقۂ دوم کے مشاہیر شعرا میں گذرے ہیں ۔ بقول فیلن ۱۱۸۰ھ آپ کا سال ولادت ہے ۔ آپ کو فن سخن میں خواجہ میر درد سے تلمذ حاصل تھا ۔ اور زبان سنسکرت میں بھی فی الجملہ مہارت حاصل تھی ۔ ایک کتاب شمس البیان ۔ مثنوی بہار دانش اور ہندی میں ضرب الامثال کی کتاب ان کی تصنیف سے مشہور ہیں ۔ سپاہی پیشہ مرد اور مرزا جہاندار شاہ جواں بخت ولیعہد کی سرکار میں افسر ہوکر اُنکے ہمراہ بنارس بھی گئے تھے ۔ شعر سے دلی عشق تھا ۔ چنانچہ زبان میں صفائی ۔ فصاحت اور مضمون کی تازگی کلام کا لطف بڑھاتی ہیں ۱۸۱۲ء میں کلکتے میں موجود تھے ۔ انکی مثنوی بہار دانش کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے ۔ کلام میں درد ہے اور چونکہ

تو گیا پہلو سے پہلو متصل دُکھتا رہا
ہماری شمع نے دیکھی جو اشکباری رات

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا
ترا وہ نامہ جو تھا ہمنے کر رکھا تعویذ

نہ تیغ چل سکی مجھپر تو منفعل ہو کر
آئے تو ہو کہیں سے آخر ملے وَ لے تم

آواز میری سنکر غرفے سے جھک کے بولا

رہ گیا دُکھنے سے جب پہلو تو دل دُکھتا رہا
کٹی بجاری کو روتے ہی روتے ساری رات

یہی ادا تو ہمیں بھاگئی تمہاری رات
سو بعد مرگ ہوا وہ ہی قبر کا تعویذ

لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ
کیا ہو جو پھر مرے بھی لگجاؤ اب گلے تم

کس واسطے کھڑے ہو دیوار کے تلے تم

جیوں کہا میں دیکھ میرا تجھ سوا کوئی نہیں
سُنتے ہی بولا کہ ہاں سچ ہے ترا کوئی نہیں

تم تو کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں
پر خدا جانے ہمیں دم کا بھروسا کچھ نہیں

دشنام کا نہیں کبھی انعام کا نہیں
خود کام وہ مرا تو کسی کام کا نہیں

ساقی سے ہے دور سے ہے شب ماہتاب ہے
لیکن یہی غضب ہے کہ تو مست خواب ہے

رشک سے تیرے لعل گلگوں کے
غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

کسکی طرف سے آج تپش تجکو پاس ہے
سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

سینے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس
کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے

[illegible]

ناز ہے انداز ہے ہر دم نئی اک آن ہے
دلربائی کا غرض تیار سب سامان ہے

شاعر اکثر آئینہ رو کہتے ہیں معشوق کو
لیکن آئینہ کو بھی دیکھا تو یاں حیران ہے

کبھی تو پانوں کی ٹھوکر سے تیرے آشنا ہوتے
اگر خوابیدہ کوچے میں ترے جیوں نقش پا ہوتے

ہمیں تو اشک کے قطرے کا بھی ہے تھامنا مشکل
سپلے وہ لوگ ہیں جنکے تئیں دل تھام آتا ہے

قطعہ

ہر طرف آج ہے بسنت کی دھوم
سیر ہے ہر اک تماشائی

کتنے گل رو جو ہیں بسنتی پوش
جی میں کھٹکے ہے جنکی رعنائی

کہتے ہیں آن کے مجھے ہنس ہنس
دیکھ کر میری ناشکیبائی

ہو مبارک تمہیں جنون تپش
پھر نئی رُت نئی بہار آئی

تپش — تپش — دہلوی۔ منشی یوسف علی تپش دہلوی، شاگرد مرزا قادر بخش صابر، خوش مزاج خندہ پیشانی شخص تھے۔ مرزا صابر کے تذکرے کی ترتیب کیوقت (۱۸۵۴ء) دہلی میں موجود تھے یہ انکا کلام ہے

غصہ اُٹھا اُٹھا کے یوں ہی بار بار کا
اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

اک روز اے تپش کوئی آفت اُٹھائیگا
حسرت سے دیکھنا یہ ترا سر بار یار کا

اضطراب دل سے کہتے ہیں تپش از جا گئی
رونے کے جھگڑو سے چھوٹا تو یا اچھا ہوا

بے طرح پھنس گیا ہے مصیبت میں ہم نشیں
آتا ہے رحم اس دل ناکردہ کار پر

دل کھینچتی ہیں اور کسی کو خبر نہیں
کرتی ہیں کام تیری نگاہیں نقاب میں

کوئی مرجائے یا کوئی تڑپے
وہ تو خنجر کو آزما بیٹھے

تپش

تپش - منشی غلام محمد خان تپش سابق اڈیٹر اودھ اخبار و مالک مشیر قیصر کئی برس تک نواب اکبر علی خان - والی پاٹودی کی مصاحبت میں رہے - پھر پندرہ بیس برس تک مختلف مقامات میں اقامت گزیں رہے - اُردو فارسی میں ملکۂ راسخہ حاصل تھا - اخبار نویسی میں اچھا نام پایا تھا - شعر بھی خاصے کہتے تھے - زبان شستہ بندش درست ہے - لکھنؤ میں عرصے تک اودھ اخبار اور مشیر قیصر کے اڈیٹر رہے - دہلی کی زبان کی حمایت میں اکثر مضامین لکھا کرتے تھے سنہ ۱۸۹۰ء کے قریب انتقال کیا - یہ چند شعر اُنکے نتائج افکار سے ہیں -

زاہد و ذکر خدا ہم کیا کریں
ہے بتوں کی یاد ہر دم کیا کریں

اپنے غم میں مر رہے ہیں آپ ہم
غیر کے مرنے کا ماتم کیا کریں

میرے مرنے کی خبر سُنکر تپش
بولے وہ بیساختہ ہم کیا کریں

شکوۂ جور و ستم سنکے زباں سے میری
بولے وہ عشق میں جتنی ہو مصیبت اچھی

بھولکر مجلس رنداں میں نجانا واعظ
صحبت پیر مغاں اکدم کی بھی خضر اچھی

ہمیں اب خنجر سے دیں گے وہ تسکین
اگر شکوۂ تشنہ کامی کریں گے

ہوئے ایک جلوہ میں بیہوش موسیٰ
تو کیا دعوئے ہمکلامی کریں گے

تپش

تپش - مولوی سید مدد علی خلف مولوی میر نجف علی جعفری سبزواری ۱۸۱۹ء سال ولادت تھا اور ۱۸۶۹ء میں آگرہ میں بود و باش تھی - فن شعر میں پہلے حضرت نظیر کے صاحبزادے خلیفہ گلزار علی کو چند غزلیں دکھائیں پھر مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے - فارسی اور اُردو دونوں میں فکر کرتے تھے - شعر گوئی کا ملکہ اچھا تھا - اور صاحب استعداد تھے - خزینۃ القواعد - مجاربات ہند جغرافیہ منظوم - کئی رسالے ان سے یادگار ہیں ۱۸۶۹ء کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر حاضر ہیں -

کبھی ناداں بنے ہم گاہ فخر الاذکیا ٹھیرے
کبھی رندِ شرابی اور کبھی ہم پارسا ٹھیرے

گدا تیرے کرم سے خسروِ حاجت روا ٹھیرے
تری دیوار کے سایہ تلے اگر ہما ٹھیرے

بسانِ دانہ تسبیح جس کو ہو سدا گردش
قضا کے ہاتھ پھر کیونکر نہ اُسکا فیصلا ٹھیرے

غم و درد و الم رنج و مصیبت ساتھ ہیں میرے
خدا جانے یہ کس منزل پہ جاکر قافلہ ٹھیرے

رہوں چپکا تو کہتے ہیں زباں کیا لگ گئی تیری
کبھی کچھ بولتا ہوں تو وہ شکوہ اور گلہ ٹھیرے

تجلی —

تجلّی - دہلوی - میر حسین عرف میر حاجی دہلوی - پسر میر حسن کلیم - شاگرد و خواہر زادۂ حقیقی ملک الشعرا میر تقی مرحوم - لیلی مجنوں کا قصہ اُردو میں نظم کیا تھا - طبیعت ظریف اور نکتہ سنجی کیطرف مائل تھی - اپنے زمانہ کے مشہور شعرا میں سے تھے - زبان بھی شیریں ہے اور کلام میں مزا ہے اور کہیں کہیں حضرت میر کا پرتو آشکارا ہے - دہلی میں بیگم کے باغ واقعہ چاندنی چوک میں رہتے تھے - یہ انکا کلام ہے ۵

مری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ سر یہ تیغ ہے اب تو اعتبار آیا

یہ شوق دیکھو پسِ مرگ بھی تجلّی نے
کفن میں کھولدیں آنکھیں سُنا جو یار آیا

حال ہووے گا بھلا یا کہ بُرا ہووے گا
دل تو ہم دے چکے اب دیکھئے کیا ہو ویگا

گر گلہ شکوہ کو موقوف میاں بس چپ رہ
میں بھی بولونگا تو ناحق تو خفا ہو ویگا

عشق میں تیرے تجلّی نے کیا ترک لباس
بے نوا وار سرِ راہ کھڑا ہووے گا

آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میر جاں
دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلّی کو عبث
وہ بچارا کبھی اس کوچے میں آیا نہ گیا

یہاں تک گریہ میں روئے سحر تک
گلی کوچے میں پانی ہے کمر تک

تر دامن آگیا جو ہیں روزِ حساب میں
کہنے لگے بٹھاؤ اِسے آفتاب میں

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی
ملنے کے دن جو آئے تو اب بات کم ہوئی

ہم زیرِ خاک لیکے جو یہ چشم تر گئے
اندھے کنوئیں بھی جتنے تھے پانی سے بھر گئے

لوگ اُسکی تو جفاؤں کی خبر رکھتے نہیں
بیوفا مجکو ہی کم ملنے سے ٹھیرانے لگے

حال تیرا اُنسے کیا کہتا تجلّی میں بھلا ۔۔۔ وہ تو تیرے نام ہی کو سُنکے شرمانے لگے
وہ ابتو ہمیں بھول گئے ہیں یہ تجلّی ۔۔۔ جب ہم نہیں ہونگے بہت یاد کرینگے

تجلی

تجلّی ۔ تجلّی علی شاہ ساکن حیدرآباد، نہایت نیک خصلت پاک طینت درویش مشرب تھے ؎

دامن کا کس کے عکس پڑا ہی کہ آجتک ۔۔۔ پھیلا رہے ہیں سرو لب جوئبار ہات

تجلّی

تجلّی ۔ منشی محمد افضل خلف مولوی رجب علی ۔ قوم کے شیخ صدیقی اور سندیلہ ضلع ہردوئی کے قدیم متوطن تھے ۔ لیکن اِنکے دادا مولوی محمد مکین ۱۸۰۵ء میں بہ تقریب ملازمت آگرہ آئے اور پھر یہیں سکونت اختیار کرلی ۔ ان کے بھائی ڈپٹی مولوی سید محمد حسن فیروزآباد کے تحصیلدار تھے ۔ فن شعر میں مرزا عنایت علی بیگ ماہ سے استفادہ کرتے تھے آپ خود ۱۸۶۹ء میں آگرہ کی منصفی میں سررشتہ دار تھے ۱۸۴۵ء سال ولادت اور یہ کلام کا انتخاب ہے ۔

مریجاں آپ رُتبے میں مسیحا سے سوا ٹھیرے ۔۔۔ تن بیجاں میں جان آئی سرہالیں جو آ ٹھیرے
خریدے نقدِ جاں و یکجز لیخا حسن کا سودا ۔۔۔ جو شہر مصر میں جا کر مرا یوسف لقا ٹھیرے
پری تمثال ہو خورشید وش ہو ماہِ کامل ہو ۔۔۔ میں کیا تمکو بتاؤں تم مری نظروں میں کیا ٹھیرے

تجلی

تجلّی ۔ لالہ جی متخلص تجلی شاگرد منشی پنڈت ولال زار لکھنوی ۔ واجد علیشاہ کے زمانہ کے شعرائے لکھنؤ میں تھے ۱۸۶۷ء تک حیات تھے ۔ یہ اُنکا کلام ہے ؎

مختار ہے چاہے وہ مجھے دیکھے نہ دیکھے ۔۔۔ آنکھ اپنی تو اُس رونقِ محفل سے لگی ہے
مرجائیے کچھ کھا کے یہی دل سے لگی ہے ۔۔۔ کیوں آنکھ مری اُس بتِ غافل سے لگی ہے
صورت اُسے دکھلا دے ذرا شکتی ہے لیلیٰ ۔۔۔ مجنوں کی نظر پردۂ محمل سے لگی ہے
لے آئیگی اکروز اُسے میری طرف کو ۔۔۔ شمشیرِ قضا قبضۂ قاتل سے لگی ہے
موسیٰ کو نظر آیا تھا جس دشت میں جلوہ ۔۔۔ لو اپنی تجلّی اُسی منزل سے لگی ہے

تجلّی

تجلّی ۔ کنور شنکر دت صاحب دوبے بہادر تجلّی ۔ برادر راجہ جونپور ۔ وتسیم خیرآبادی سے اصلاح سخن لیتے ہیں ۔ ۲۷ ۔ ۲۶ برس کی عمر اور یہ کلام ہے ۔

مصحفِ رخ پہ لٹکتا ہے وہ گیسوئے سیاہ
بوسہ قرآن کے لیتا ہے یہ ہندو ہو کر

کھیلتی ہیں تیری آنکھیں دلِ عاشق کا شکار
صید شیروں کو یہ کر لیتی ہیں آہو ہو کر

لب ہر زخم سے نکلی یہ صدا بسم اللہ
دل میں بیٹھا جو ترا تیر ترازو ہو کر

کبھی آتا تو ہے تو اُسکی عیادت کیلئے
یہ بُرا بھی ترے بیمار کا حال اچھا ہے

تصویر ہے گھٹا مری چشم پُر آب کی
بجلی ہے ایک پیچ مرے اضطراب کی

وہ مست ناز ہاتھ سے اپنے جو مے پلائے
پھر کس کو سوجھتی ہے عذاب و ثواب کی

تجلیؔ۔ منشی سید منتخب الدین۔ شاگرد مرزا ضیا گورگانی و حضرت داغ پہلے خمار تخلص کرتے تھے ۳۴ ۳۵ برس کی عمر ہے۔ اور کلام صاف ہے۔ زبان اور بندش بھی قابلِ ستایش ہے۔ معاملہ گوئی کا شوق ہے طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی ہے۔ مشق جاری رہی تو امید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے

کلام ملاحظہ ہو۔

سرخ ہو جائیں دشت کے کانٹے
جب عزا ہے برہنہ پائی کا

دیر سے زاہد میں کیوں جاتا وہاں
کیا حرم میں ہی خدا کا نور تھا

تارِ نظر سے دل کا ہوا ہے چارہ گر رفو
ہے زخم میرے دل پہ کسی کی نگاہ کا

خواہاں ہیں آپ دل کے تو حاضر ہے لیجئے
اس شرط پر کہ قول ہو پہلے نباہ کا

کیا یاد جو اس آئے ہو تم دلکو تھام کر
دیکھا اثر ستائے ہوئے دل کی آہ کا

شیخ کل میکدہ میں بیٹھا تھا
آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

جو تمہاری جفائیں سہتا تھا
وہ مرا دل مرا کلیجا تھا

دیکھکر اسکو کیوں تڑپتا تھا
اے دل مبتلا بتا کیا تھا

میں تو دل اپنا مفت دیتا تھا
کیوں نہ تم نے لیا بُرا کیا تھا

دشمن بنا ہے جان کا میری وہ ہائے ہائے
اپنوں کو جس کے واسطے بیگانہ کر دیا

حضرتِ دل زلف میں پھنسکر نکلنے کا خیال
توبہ توبہ ہے بہت مشکل رہائی آپکی

[illegible]

شوخی غضب ہے قہر ہیں انداز یار کے
خواہاں کبھی ہیں وصل کے کبھی جان زار کے

تجمل

تجمل - محمد عظیم بیگ۔ لکھنؤ میں رہتے تھے۔ حضرت جرأت کے شاگردی سے نامور تھے۔ ظریف اور شوخ طبع شخص تھے۔ یہ شعر انکے ہیں۔

سمجھنا سخت مشکل ہے مری شیریں مقالی کا
کوئی خسرو سے پوچھے لطف اس مضمون عالی کا

مزے کہاں سے اٹھیں عیش زندگانی کے
وہ دو لوٹے ہیں زہے عہد نوجوانی کے

کتاب قصہ و فرہاد و دشت مجنوں
یہ دو ورق ہیں مری عشق کی کہانی کے

تجمل

تجمل - کسی لکھنؤ کے خوش فکر کا تخلص ہے جو قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی تیاری کے وقت وہاں بہ اطمینان زندگی بسر کرتے تھے۔ کلام سے زبان کی صفائی اور خوش گوئی ظاہر ہو کیا خوب کہتے ہیں

چلے سیر باغ کو وہ کوئی جیسے رنج و غم سے فراغ ہو
اُسے لالہ زار سے کام کیا جسے سینہ تپا ہی باغ ہو

شب ماہتاب میں سا تیا لب آب جو ہی رواں نکل
عجب اک بہار ہو گر تجھے سر ذوق شرب ایاغ ہو

گل داغ داغ سے ہجر کے مرا سینہ رشک بہار ہے
ذرا تو بھی آن کے سیر کر جو ہوائے گلشن و باغ ہو

یہ وہ عشق خانہ خراب ہے کہ زمیں پہ اہل غرور کو
کوئی دن میں خاک نشیں کرے اگر آسمان پہ دماغ ہو

نکر اے تجمل خوش سخن کبھی بدزباں سے برابری
نہیں خوب بلبل خوش نوا جو چمن میں ہمسر زاغ ہو

تجمل

تجمل - حکیم تجمل رسول خاں تجمل۔ خلف ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں دہلوی شاگرد آغا جان عیش۔ ایک دیوان اور قصہ طوطا مینا اور چند رسائل ان سے یادگار ہیں مہاراجہ ہندو راؤ رئیس گوالیار مقیم دہلی کی سرکار میں بزمرۂ اطبا ملازم تھے۔ اکثر خطوط بہت عمدہ لکھتے تھے۔ اس فن کو خاص محمد امیر بخش سے حاصل کیا تھا۔ سنہ ۱۲۹۲ھ میں بعمر پچاس سال انتقال کیا۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

رکھتا ہے گا طاق پہ اعجاز عیسوی
کشتہ ترے ستم کا جلایا نجائے گا

منظور یا صحاستی ساری نصیحتیں
پر اسکا دھیان دل سے بھلایا نجائیگا

مطلب ہزار دل میں ہیں پر اسکے روبرو
سچ تو یہ ہے کہ لب بھی ہلایا نجائیگا

قطعہ

جب سخن بلکش کو کیا کوس تجھ دری اسنے
وہ نزاکت بھرے انسان وہ اہل تسکین

(قطعہ — ازمغان دہلی)

خوں رُلایا انہیں جلّادِ فلک نے کیا کیا ۔ دہم سے کرتے نہ جو ہاتھ حنا سے رنگین
سو سو اٹکھیلی سے چلتی تھی جہاں بادِ نسیم ۔ بادِ صرصر کا بھی دیکھا تو نہ تھا نام کہیں
آشیانے ہیں وہاں زاغ و زغن کے صدہا ۔ تھے جہاں سینکڑوں طاؤس ہزاروں شاہیں
ہفت اقلیم میں اس شہر کی تھی دھاک بڑی ۔ کوئی دنیا میں نہ تھا شہر بسانِ دہلی
ہر گلی کوچہ تھا اِس شہر کا صد رشکِ ارم ۔ غیرتِ خلد تھا ہر ایک مکانِ دہلی
ہائے رے حُبِ وطن صدمے اُٹھائے کیا کیا ۔ اُس پہ بھی آن بسے لوگ میانِ دہلی
چشم نمناک دلِ افسردہ و صد پارہ جگر ۔ بیٹھے اس طرح سے ہیں غمزدگانِ دہلی
اور مت آگ لگا شمعِ خیالِ جاناں ۔ خود جلے بیٹھے ہیں دل سوختگانِ دہلی
ڈھونڈتی پھرتی ہیں آنکھیں ہر جا ۔ کیا ہوئے اہلِ کمالِ دہلی

تجمل

تجمل ـ حکیم تجمل حسین خاں ابن عبد العلی عظیم آبادی۔ محکمہ ڈاکٹری کے ہاسپٹل اسسٹنٹ ہیں دو دیوان ان کے آگرہ میں چھپے ہیں وہ نظر سے گذرے۔ طبیعت تشبیہ و استعارہ کی طرف مائل ہے اور اس رنگ میں خاصہ کہتے ہیں۔ چند شعر انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوئے ؎

بیاں مخلوق سے کب ہو سکے خالق کی قدرت کا ۔ جز خود مصنوع ہو وہ کہہ سکے کیا راز صنعت کا
ہوئے کونین اک کُن سے تماشا ہے یہ قدرت کا ۔ خدائی میں تری خالق کسے ہے دخل حجت کا
جدا کب کُل سے ہے جز جز سے کب کُل ہے جدا یارو ۔ عجب بیفائدہ جھگڑا ہے ہندو اور مسلماں کا
یا رب نہ ہم سے پوچھ تو اپنے کرم کو دیکھ ۔ غیر از سکوت کیا ہے گنہ گار کا جواب
گردنِ تسلیم رکھ دی جھک کے مقتل میں ڈالا ۔ یار کی تیغِ نگہ کا امتحاں ہونے کو ہے

تجمل

تجمل ـ ڈپٹی سید تجمل حسین خاں صاحب رئیس فیض آباد و گونڈہ۔ آپ کو حضرتِ اسیر لکھنوی کے بڑے صاحبزادے جناب سید غضنفر علیخان بہادر صولت جنگ متخلص بہ حکیم سے تلمذ رہا۔ موزوں طبع شاعر اور اچھے مشاق ہیں۔ زبان اور بندش بھی صاف ہے مگر درد ذرا کم ہے۔ آپ کا مطبوعہ دیوان نظر سے گذرا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم و بیش جملہ اصنافِ سخن

ہیں آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ عرصہ تک نواب گنج میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔ اب پنشن لیتی ہے۔ مطبوعہ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

خلیل اللہ کو نمرود نے چاہا جلا ڈالے
گلستاں بن گئی آتش ہوئے گل نار سے پیدا

وہ آدم ہی ہے بعد مرگ بھی جو عشق رکھتا ہو
نہیں جلتا ہے شمعِ مردہ پر محفل میں پروانہ

دیکھکر سینۂ صد چاک کو ظالم رو یا
داغ جب عشق کا اُسکے مرے دل پر نکلا

دولتِ دنیا کی بیجا ہے ہوس
قبر میں جب ہاتھ خالی جائیگا

نہیں علم و ہنر جسمیں بہائم سے وہ بدتر ہے
وہی انساں ہے دنیا میں جسے کچھ بھی کمال آیا

کہے گا مسیحا نہ کوئی جہاں میں
نہ بیمار کی گر دوا کیجئے گا

ہو گیا آرام ہمکو رنج رخصت ہو گیا
موت کا آنا شبِ فرقت غنیمت ہو گیا

بتوں کے در پہ کئے سجدے سارے عالم نے
صنم کدہ تھا مگر کعبے کا جواب رہا

آنکھ کھلتے ہی ملا کنجِ قفس اے صیاد
پوچھتا کیا ہے کہ کب مجھ سے گلستاں چھوٹا

دامنِ وحشت سے منہ ڈھانپ کے کانٹے روئے
مرکے مجھ آبلہ پا سے جو بیاباں چھوٹا

دل دے چکے تھے جان بھی اب نذرِ یار کی
کہنے سے فائدہ نہیں جو کچھ دیا دیا

اے دلِ بیقرار کیا کہنا تجھ
برق ہے شرمسار کیا کہنا

بشر اسکو کہنا مناسب نہیں
نہو جس سے دنیا میں کارِ ثواب

زباں ایک احسان لاکھوں ترے
کروں شکر یارب ادا کس طرح

ہیں رن میں قاتل کے اور تیور ستیاں ہے سینے میں قلب مضطر
ہم ہو کس طرح دیکھئے سر جدا کا ہے قاتل کھینچا ہے خنجر

مفلسی اپنے کو بیگانہ بنا دیتی ہے
پوچھتا کون ہے ان کو جو ہیں نادار عزیز

ملا ہے خونِ عاشق کا جو اپنے دستِ رنگیں میں
ذرا کہئے قصاص اسکا نہیں کیا آپکے دیں میں

کہتا ہے وہ مسیح ہے عالم مرا ہوا
میں ایک جان کے مُردے جلاؤں کہاں کہاں

فغاں سے عرشِ معلےٰ ہلا دیا کس نے — یہ نعرہ کس کا ہے اے دلِ بیتاب تو تو نہیں
حیراں ہیں سب کہ بول رہا ہے بدن میں کون — کھلتا نہیں کسی پہ ہے اس پیرہن میں کون
یہ کیوں آپ تیغ و سپر باندھتے ہیں — یہ کس بیگنہ پر کمر باندھتے ہیں ٭
یونہیں وعدہ کیا کرتے ہیں آتے ہیں نہ جاتے ہیں — نہ میرے گھر وہ آتے ہیں نہ اپنے گھر بلاتے ہیں
غضب کی بیقراری ہے کہ اس پر بھی نہیں تھمتا — دلِ بیتاب کو ہم دونو ہاتھوں سے دبائے ہیں
پڑتا اگر نہ عکسِ رخِ یار رات دن — ہوتی نہ روشنی کبھی خورشید و ماہ میں
اللہ ہوگئی ہے جوانی کی شام صبح — لیکن شبِ فراق کی پیدا سحر نہیں

شوق کے معنی یہ ہیں گو وہ نہیں لکھتا جواب — خط ہزاروں جا چکے پھر نامہ بر جانیکو ہے
ہوں قائل ظاہری اسلام کے کیا اہلِ بتخانہ — خدا کے گھر میں رہکر شیخ محوِ بت پرستی ہے
تری فرقت میں ایسی نیند عاشق کی اچٹتی ہے — نہیں کاٹے کسی صورت سے کالی رات کٹتی ہے
مرقد پہ کیوں نہ پاؤں سے ٹھوکر لگا گئے ٭ — قم کہکے کیوں نہ مجھکو مسیحا جلا گئے
کیا بیکسی کا وقت ہے اللہ کی پناہ — مُردے کو زندے لاکے لحد میں لٹا گئے
گلے سے اپنے اسے مہر لگا کر — یہ سارے داغ سینے کے مٹا دے
کس لئے ہوگئے خفا مجھ سے — بوسے لیتے کیوں نہیں بھلا مجھ سے

ہمارے دلمیں ایسی اندنوں وحشت سمائی ہے — کہ چھینیں نجد مجنوں ذہن میں یہ بات آئی ہے
آئی ہے پھر بہار چمن سب ہرے ہوئے — ہر شاخِ گل سے پھولنے دامن بھرے ہوئے
چلیں گے کوچۂ جاناں میں شام ہونے دو — ابھی سے حضرتِ دل بیقرار ہونے لگے
عشق میں تیرے ہم تو مرتے ہیں ٭ — تجکو اسکی خبر نہیں نہ سہی

تجمل — سید تجمل حسین صاحب بریلوی شاگرد میر سعادت علی صاحب عیش۔ کہنہ مشق شاعر تھے بندش اور زبان اچھی ہے۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ بریلی کے مشاعرے کی غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں۔ تجمل

زندگانی ہوگئی دشوار ہجر یار میں / روتے روتے پڑ گئے ناسور چشم زار میں

شاخ گل کی ہوئیں تختے دامن گل کا کفن / دفن بلبل اُس روش سے چاہیئے گلزار میں

یہ مہینہ بھی نہ جائے یار خالی قتل سے / ماہِ نو تم دیکھکر منھ دیکھو تلوار میں

کس سہی قد کی ہے آمد باغ میں جو بلبلیں / شاخِ گل پر چھپ رہی ہیں پھول سے منقار میں

عشق نے خود رفتہ اُسکو رفتہ رفتہ کر دیا / جو کہ تھا پردہ نشیں پھرتا ہے وہ بازار میں

تجمل

تجمل - منشی میر تجمل حسین تجمل - اُستاد اور بڑے قابل - ذکی اور طبیعت دار آدمی ہیں - ۳۰-۳۵ برس سے آپ محمود آباد میں ریاست کے وظیفہ خوار ہیں - آنریبل راجہ سر امیر حسن خانصاحب مرحوم رئیس محمود آباد اپنے کلام میں آپ سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے - اکثر شعراے گرامی کر روشناس ہیں اور خود بھی اچھے مشاق ہیں - سن شریف اب ۶۲-۶۳ برس سے زائد ہے - اور یہ کلام کا انتخاب ہے - اوائل مشق سخن میں آپنے خواجہ آتش کے شاگرد محمد عباس سلیم کو چند غزلیں دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد نواب امجد حسین خاں ساحر

آئینہ روبرو ترے آٹھوں پہر نہ تھا / خود بینی کا رواج کبھی پیشتر نہ تھا

صبح شب وصال قیامت کی صبح تھی / کم صور سے وہ نالۂ مرغ سحر نہ تھا

قتل بے تیغ ہوئے دیکھی جو ابرو کی طرح / چبھ گئی دلمیں مژہ تیر سے پہلو کی طرح

پہلوئے یار سے اُٹھنے کو تو اُٹھے لیکن / درد کیطرح اُٹھے - گر پڑے آنسو کی طرح

لحاظ شرط ہے پست و بلند عالم کا / زمیں پہ رہ کے اُٹھا سر نہ آسماں کیطرح

مقرِ گناہ کے اسے کردگار ہم بھی ہیں / غفور تو ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں

جو آج جائزہ لیتا ہے جاں نثاروں کا / ہمارا نام بھی لے کر پکار ہم بھی ہیں

فلک پہ برق کو تنہا نہیں ہے بیتابی / زمیں پہ ہجر میں اک بیقرار ہم بھی ہیں

سوئے رقیب کرم کی نظر نہیں چھپتی / میں دیکھتا ہوں چھپاتے ہو پر نہیں چھپتی

کلام شاعر بے علم چھپ نہیں سکتا / صفیر بلبل بے بال و پر نہیں چھپتی

رقیب سے نہ ملے تھے تو کل یہ شہرت تھی / ہزار آج چھپاؤ مگر نہیں چھپتی

ہزار اپنی خطا کو چھپائے بندہ پر
جواب ہجر کے حق میں لب آ کے پھر نکلتا ہے
مری تقدیر کی ذلت بھلا وہ کیا مٹائیں گے
ترے چہرے کی رنگت رنگ گل سے کچھ فزوں ہوگی
خدا اچھوں کے باعث کار مشکل سہل کرتا ہے
جگہ دینے پہ ہے پہلو میں اپنے عشق خوباں کو
مصیبت حد سے جب گذری تو ظاہر ہو نہیں سکتا
تجمل تیرے دل نے کچھ کہیں صدمہ اٹھایا ہے
سمجھے تھے مسیحا اُسے بیمار تپ ہجر
خسخانے کی راحت کو لحد والوں سے پوچھو

خدا سے اسے ہمت بیداد گر نہیں چھپتی
نہ تن سے جان نکلتی ہے نہ دل سے تو نکلتا ہے
جو دل سے تم بھی کہتے تھے زباں سے تو نکلتا ہے
ذرا شمشاد سے کچھ قامت دلجو نکلتا ہے
محبت میں گلوں کے دم بہ رنگ بو نکلتا ہے
ہمارے دل کی بات تو نے بڑا پہلو نکلتا ہے
بہت غم میں۔ بہت کم آنکھ سے آنسو نکلتا ہے
ترے ہر شعر سے اک درد کا پہلو نکلتا ہے
واں فضل الٰہی سے دوا بھی نہیں آتی
اُس گھر میں ہیں جس گھر میں ہوا بھی نہیں آتی

تجمل حاجی تجمل حسین جلال پوری آپ کو حافظ نثار احمد صاحب تاب شاہجہانپوری سے تلمذ ہے۔ عرصہ دراز سے بمبئی میں سکونت پذیر اور مطبع کریمی میں ملازم ہیں۔ بعد تجربہ گوہیں بمبئی میں آپ کے شاگرد بھی بکثرت ہیں دو دیوان شایع کرچکے ہیں۔ راقم تذکرہ سے بمبئی میں ملاقات ہوئی تھی۔ منکسر المزاج اور خلیق شخص ہیں۔ ۴۲-۴۳ برس کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے

تجمل

شاد لائی یہ مرے دل کو خبر دیتی ہے
بٹھاتی ہے کیا کیا دل مضطر یہ ہمارے

نامہ بر آتا ہے پیغام خوشی کا لے کر
جاتے ہیں کبھی وہ جو برابر سے نکلکر

اس مست ناز کو جو کہیں دیکھ پائے دل
اُٹھ کے رہ سفر روانہ ہوں سوئے منزل قبر
جمع اغیار بہت رہتے ہیں اُس کوچے میں
رہ گئے حشر کے دن اہل عبادت محروم
گھر میں چپ چاپ تجمل وہ پیا کرتے ہیں

محشر میں ایک اور نہ محشر اٹھائے دل
طاقت اتنی بھی نہیں اب ترے بیمار میں
چُن دیئے جائیں کبھی روزن دیواروں میں
خوان رحمت ہوئے تقسیم گنہگاروں میں
زہر کی لیتے ہیں جب بیٹھ کے میخواروں میں۔

کسکا جادو چل گیا کس پر بتاؤ تو سہی
تم فسوں گر ہو زیادہ یا فسوں گر آئینہ

پہنچے کعبہ میں کبھی تو کبھی بتخانہ میں
تیرے ملنے کیلئے ہم نے کیا کیا کیا کچھ

صورت حرف غلط مٹ چکے اے بخت مگر
نہیں معلوم کہ ہے اور لکھا کیا کیا کچھ

وہ ساقی رہے گردش جام مے
کٹے عمر پیتے پلاتے ہوئے

داور محشر نے بھی مجرم ٹھیرایا اسے
ہائے یاں بھی بات اس ظالم کی من مانی ہوئی

تمکو دل لے آزمائے بندہ پرور دیدیا
ہاں ہمیں چوکے ہمیں سے سخت نادانی ہوئی

ہائے کیا فتنۂ محشر کو کریں گے بیدار
اپنی سوتی ہوئی قسمت تو جگائی نہ گئی

اپنا عالم ہی جدا ہے عشق میں
اپنی حوریں اپنی جنت اور ہے

سارے جہانے اسے بت کا فر ٹھیرا دیا
ملکر تری نگاہ سے میری نگاہ سے

دل صد پارہ کیوں پھوٹی ہوئی قسمت اٹھا لائی
بھلا کس کام کی ہے یہ نکمی چیز کیا لائی

نہ اُٹھتے کشتۂ تیغ تغافل خواب مرقد سے
نہ آتے سوئے محشر تیرے گھونگرو کی صدا لائی

جمال اس برق وش کا اے نظر تو دیکھ سکتی تھی
دکھا لائے تجھے ہم یا کہ تو ہمکو دکھا لائی

نہ پوچھو میرے آنیکا سبب کچھ اپنی محفل میں
جو خوش ہو آپ آئے ہم جو ناخوش ہو قضا لائی

عجب عالم میں ہیں پیارے ہم کس سے پوچھیں کون بتلائے
کہاں آئے کہاں ہمکو تلاش دلربا لائی

تحسین ۔ علی مولا خاں باشندۂ شاہجہانپور ۱۸۵۲ء میں بانکا عنوان شباب تھا ۔ وجیہ اور خوبرو جوان تھے ۔ اور دہلی میں رہتے تھے ۔ مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں بیحد شوخی تھی صرف ایک شعر ملا ناحق بدل معلوم ہوا اسلئے درج کیا گیا ؎

کیا لکھیں اور ذرا غور کریں آپ اسے
ڈرتے ڈرتے یہ لکھا ہے کہ پڑھیں آپ اسے

تحسین ۔ منشی محمد حسین خان تحسین مالک مطبع مصطفائی ۔ دہلی غدر سے پہلے انکا چھاپہ خانہ دہلی میں بہت مشہور تھا ۔ غدر کے بعد میرٹھ میں مطبع احمدی جاری کیا ۔ فن سخن میں حضرت ذوق سے فیض پایا تھا ۔ نہایت خلیق ۔ بامروت اور کارگذار شخص تھے ۔ انکے مطبع کی چھپی ہوئی کتابیں نہایت شوق

سے خریدی جاتی تھیں۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ اشعار ذیل اُنہیں کے نتایجِ افکار سے ہیں ؎

آزار ہوا اسکو مگر عشق بتاں کا
بے طور ہے نقشہ دلِ بیتاب و تواں کا

جب بت سے نہ راضی ہوں تو بتخانہ میں کیا کام
تحسین چلو کعبہ کو جھگڑا ہے کہاں کا

اے دل تو عشق کیجو مگر دیکھ بھال کے
غافل کو چاہیئے کہ کرے فکر دور کا

کوئی کیوں کر بچپائے جاں ہمدم
ایک خنجر گذار ہیں آنکھیں

لب کی خوبی میں کیا سخن ہے پر
فتنۂ روزگار ہیں آنکھیں

صیاد اسطرح جو نہ گرمِ عتاب ہو
کیوں آشیاں چمن میں ہمارا خراب ہو

تحسین ان کو دیکھنے جاتے تو ہو مگر
ایسا نہ ہو کہ جاں کو وہی پھر عذاب ہو

خیالِ بتاں دل میں رکھتے ہو تحسیں
مگر تم بھی رُسوا ہوا چاہتے ہو

ہوئے ذلیل تو عزت کی جستجو کیا ہے
کیا جو عشق تو پھر پاس آبرو کیا ہے

یار کہوے کہ اُٹھ مرے دل سے
دل یہ کہوے یہیں رہا کیجے

تحصیل۔ منشی محمد کبیر صاحب تحصیل ساکن ترٹھگڑہ ریاست میسور شاگرد حضرت داغ۔ موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شعرا میں ہیں۔ اور خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اکثر رسالوں اور اخبار و میں انکا کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ ۴۰ برس کے قریب عمر ہے۔ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎

کیا لڑکپن کہوں میں قاتل کا
کھیل سمجھا تڑپنا بسمل کا

آزادی ہو نصیب کہاں اہلِ طمع کو
چھوٹے کبھی نہ قیدیِ دامِ بلائے حرص

ہے چراغِ حسن پر کس ماہ کے پروانہ شمع
رات بھر جلتی ہو اور گلتی ہو بیتابانہ شمع

کہو تھی کونسی وہ بات ایسی جو
نہ نکلی مُنہ سے جو آکر زباں تک

مریضِ عشق کو مرنا شفا ہے
ملا دو زہر کچھ میری دوا میں

مریضِ عشق کو آرام کب ہوا ان طبیبوں سے
کہ اُسکا تو مرض تم ہو دوا تم ہو شفا تم ہو

لالے کی طرح دل نہ کوئی داغدار ہو	یارب یہ گل کسی کے گلے کا نہ ہار ہو

تحیرؔ

تحیرؔ۔ مرزا محمد بیگ ولد مرزا رستم بیگ خراسانی مقیم لکھنؤ۔ آپ کو میر امداد علی بحر سے تلمذ تھا۔ کلکتے بھی بطریق سیر گئے تھے۔ یہ انکا کلام ہے ؎

شکار مرگ ہوئی ہے فراقِ یار میں روح	پھڑک رہی ہے بہت دامِ انتظار میں روح
لگا کے تیر مجھے بوئے گل نے صید کیا	رہی خزاں میں سلامت گئی بہار میں روح
کیا ہے عشق نے مجبور سر بسر مجھکو	نہ اختیار میں دل ہے نہ اختیار میں روح
میں تڑپتا ہوں ادہر اسکو خبر کچھ بھی نہیں	بدنصیبوں کی محبت میں اثر کچھ بھی نہیں
سینکڑوں ذبح ہوئے سینکڑوں مرکر چھوٹے	ہم اسیروں کی رہائی کی خبر کچھ بھی نہیں
مجھ خستہ اندیدہ کے بیگانہ مزاجی دیکھو	کب بہار آئی گئی مجھکو خبر کچھ بھی نہیں
نیست نابود تحیر نظر آیا عالم	ہم ادہر سیر کو نکلے کہ جدہر کچھ بھی نہیں

تحیرؔ

تحیرؔ۔ غلام مصطفےٰ خلیفِ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی۔ ان کے خاندان کی بزرگی اور سبب شہرت محتاج بیان نہیں۔ جناب تحیر مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ کے بھتیجے اور حکیم ثناء اللہ خاں فراق کے شاگرد تھے۔ مگر اپنے خاندانی ورثہ یعنی علم و فضل سے محروم رہے۔ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ رکھتے تھے۔ بموزونی طبع کی مدد سے کبھی کبھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے چنانچہ یہ شعر اُن کے ہیں۔

عید کے دن مجھے کہنے یہ سحر آیا رنگا	ہو مبارک تری چھاتی سے وہ دلدار لگا
جدا مجھسے جب وہ دل آرام ہوگا	اجل کا اسی وقت پیغام ہوگا
فکر اطفال کو ہے سنگ اُٹھالانیکی	آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانہ کی

تدبیر

تدبیر۔ شیخ محب اللہ ساکن دیوبند مرد خلیق و خوش مزاج تھے۔ غدر سے پیشتر کسی تقریب سے دہلی آئے اور یہیں کے ہو رہے زیادہ حال معلوم نہیں۔

اور ہی کچھ ڈھنگ ہے اپنی گرفتاری کا ہائے	یوں تو زلفوں میں تری کس کس کا دل الجھا نہیں

تدبیر

تدبیر۔ دہلوی۔ مرزا محمد سکندر قدر ابن میرزا خورشید قدر قیصر گورگانی نبیرۂ شاہ عالم ثانی لکھنؤ میں مقیم تھے۔ یہ انکے اشعار ہیں۔

دل ہو تو کچھ بیان کریں ماجرائے دل	معلوم ہی نہیں کہ کہاں بھول آئے دل
دل بت کو بھی خدا نے دیا ہے بتو ڈرو	بے دردیوں سے تم نہ دکھاؤ پرائے دل
دلسوز جانتا ہے اسی شمع رو کو ہم	پروانہ وار جس نے ہزاروں جلائے دل
راحت سے کام کچھ نہیں میں رنج دوست ہوں	پہلو میں رکھدو سنگ جراحت بجائے دل
شکوہ جفا کا سن کے یہ کہتے ہیں ناز سے	کچھ دل لگی نہیں جو کسی سے لگائے دل

تراب

تراب۔ نواب حشمت الدولہ افتخار الملک مرزا ابوتراب خاں متخلص بہ تراب۔ آپ نواب مرزا ابوطالب خاں کے صاحبزادے اور حضرت محمد علی شاہ اودھ کے داماد تھے۔ فکر رسا کی امداد سے صاحب دیوان تھے۔ مگر ہمیں صرف دو شعر دستیاب ہوئے۔

اُڑا کے لیگئی اکبار کوئے قاتل میں	ہماری جان کی دشمن ہوئی ہوا دل کی
ہیں لوگ قصۂ فرہاد و قیس بھول گئے	کہانی ہوتی ہے اب میری جابجا دل کی

تراب

تراب۔ شاہ تراب علی مرحوم ولد شاہ کاظم مغفور سجادہ نشین درگاہ قصبہ کاکوری۔ بڑے خداپرست درویش حق آگاہ تھے۔ اِن کا کلیات چھپ گیا ہے ایک مثنوی مسمی عاشق و صنم بھی انکی تصنیف سے یادگار ہے۔ تراب مرحوم کا کلام معرفت سے پُر اور نہایت دردانگیز ہے انکی اکثر ٹھمریاں مشہور ہیں۔ کہنہ مشق شاعر تھے۔ کلام میں سنجیدگی اور متانت بہت ہے اکثر اخلاقی مضامین نہایت نفاست سے باندھ جاتے تھے سنہ ۱۲۷۵ھ میں انتقال کیا۔

کاکل کہ چند موئے پریشاں کا نام ہے	دل کے لئے خدا نے اُسے دام کر دیا
کوئی اس ناآشنا سے آشنائی کیا کرے	آشنا سے اپنے جو ناآشنائی کر گیا
ہم نہیں کرنے کے اسکی خیر خواہی میں قصور	کیا ہوا گر ہم سے وہ ظالم بُرائی کر گیا
وصف اُسکا میں کیا کہوں ناصح	وہ تو کچھ ہے بیان سے باہر

قطعہ

چمن میں جب میں اس گلفام کے ساتھ گیا جوں بادِ صرصر بے تکلف
کہا یار سے مجھے تیری بدولت ہوئی جنت میسر بے تکلف

یار و صورت میں نظر باز حقیقت کم ہیں آنکھ والے ہیں بہت اہل بصیرت کم ہیں

یہ کہتا ہے جرس اپنی زباں میں مسافر ہیں سبھی اس کارواں میں

ہمارے یار کے دو ہی پتے ہیں کمر پتلی صراحی وار گردن

مجھے یار سے اب یہی گفتگو ہے جو تو ہے سو میں ہوں جو میں ہوں سو تو ہے

اُسے کیا درد ہے گر صید بسمل آہ کرتا ہے جو بیدردی سے وقتِ ذبح بسم اللہ کرتا ہے

بہت امید جنت پر بہت دوزخ کی دہشت سے کوئی کمتر عبادت خالصاً للہ کرتا ہے

جی کسی پر کوئی فدا نہ کرے دل کسو سے لگے خدا نہ کرے
عشق کا امتحان ہو کیونکر گر کسی پر کوئی جفا نہ کرے

محمود ایاز ہو گیا ہے تو کیا ناز نیاز ہو گیا ہے

بتِ ظالم نہیں سنتا کسی کی غریبوں کا خدا فریاد رس ہے

دلیل کارواں بانگِ جرس ہے گواہِ درد دل ایک نالہ بس ہے

عبث ہے آرزو دنیا و دیں کی تراب اللہ بس باقی ہوس ہے

دیدار کی تڑپ سبھی جل گئے تمام پروانے جا کے شمع سے جب متصل ہوئے

وحدت کا پیا جام دوئی سے نہ رہا کام ہے ترک خودی نسبتِ تفرید ہماری

تیرے لطف و کرم سے اک جہاں معمور ہے پیارے عجب ہے رہ گئے تیرے کرم سے ایک ہم خالی

موت سے یار وہی بے ڈر رہے ہے زندگی میں آپ سے جو مر رہے ہے

ہم سے کیا کہتا ہے عشقِ خوبرویاں چھوڑ دے شیخ تو ہی آرزوئے حور و غلماں چھوڑ دے

نیکی کرو کام آئے گی آخر کو نکوئی ساتھ اپنے عمل ہونگے وہاں اور نکوئی

کعبہ و مسجد میں جاتے ہو بھلا جی کس لئے وہ تو ہے دل میں تمہارے پھرتے ہو تم جس لئے

ترحمؔ - مرزا مکرم بخت گورگانی میرزا قیصر بخت فروغ خلف الرشید میرزا قادر بخش صابر گورگانی کے خلف اصغر اور جناب آثمؔ کے برادر خورد ہیں - آپ کی ولادت شہر بنارس میں جہاں آپ کی ننھیال ہے واقع ہوئی اور وہیں ہوش سنبھالا - فارسی اُردو کے علاوہ زبان انگریزی میں بھی معقول دخل حاصل ہے - الغرض تعلیم یافتہ اور مہذب نوجوان ہیں شاعری اور زباندانی آپ کی میراث سمجھنا چاہیے - چند غزلیں اپنے والد نامدار کو دکھائی تھیں پھر اُن کے انتقال کے بعد سے بطور خود کہتے ہیں - ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام عنایت فرمایا اُس کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے اب (۱۹۰۸ء) میں آپ کی عمر ۳۴ و ۳۵ برس کے قریب ہے - اور بنارس محلہ شوالہ میں قیام ہے -

تمہیں سے ہے منور گھر نشاط و کامرانی کا ‏ تمہارا حسن ہے شعلہ چراغ زندگانی کا
دہن ہے چشمۂ حیواں اور اُسمیں میرا نام آیا ‏ دیا خلعت مجھے تم نے حیات جاودانی کا
دُر خوش آب مضموں کیوں نہ ہاتھ آئیں ترحم کو ‏ کہ اُسکی فکر میں عالم ہے دریا کی روانی کا
سوز شب فرقت کا مداوا ہو ترحم ‏ ملجائے جو تھوڑا سا بھی کافور سحر آج

پیدا [illegible] تیغ زبان [illegible]

حسن میں حسن گر ہوا نہ کرے ‏ جان اپنی کوئی فدا نہ کرے
مجھ سے سیکھو اگر نظر بازی ‏ کبھی یہ تیر پھر خطا نہ کرے
جب کہا بیٹھے مرتا ہوں ‏ ہنس کے کہنے لگے خدا نہ کرے
ہوس و عشق میں تمیز نہو ‏ وہ جو عشاق پر جفا نہ کرے
اے ترحم مجھے یہ وحشت ہے ‏ کہیں دشمن اُنھیں خفا نہ کرے

نگلی فلک نے شام کو اُگلی سحر کے وقت ‏ پچتی نہیں ہے نان ثقیل آفتاب کی
یہ کان بھرنے کی عادت بُری ہے غیروں کو ‏ شکایت اُن کو جو کرنی تھی بر ملا کرتے
کسی سے کچھ نہیں ہم نے کہا قسم لے لو ‏ زبان کٹتی اگر آپ کا گلہ کرتے
تمہیں کو خوف ہے اعدا کی بدمزاجی کا ‏ اگر وہ مجھ سے بگڑتے تو میرا کیا کرتے

ترسان

ترساں ۔ میاں بہادر علی ۔ لکھنؤ کے ایک موزوں طبع سخنور تھے ۔ ایک قدیم قلمی بیاض میں جو سوا سو برس کی لکھی ہوئی ہے کچھ کلام نظر سے گذرا ۔ اُسکا انتخاب ضبط تحریر میں آیا ۔ آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خاں کا زمانہ پایا تھا اِس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ میر و میرزا کے ہم عصر ہوئے ۔ سیدھی سادی زبان میں اچھے مضامین نظم کئے ہیں ۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

تاب و توان و ہوش و خرد سارے چل بسے — جس وقت میرے پاس سے وہ دلستاں اُٹھا
تیرے ہی بیٹھنے سے ہماری ہے زندگی — اُٹھ جائینگے جہان سے ہم تو جہاں اُٹھا
آج مجلس میں بہت ترساں کو دیکھا مضطرب — اُس فلک ماریکا شاید دل کہیں جاتا رہا
رات کس کا ذکر تھا ترساں کہ سن سنکر جسے — اشک سرخ انکھوں میں یا تو ہر آن بھر آتا رہا
کس نے ترسانکو تری بزم میں روتے دیکھا — اُس پہ ناحق تجھے طوفان اُٹھانا کیا تھا
کیا کرے کوئی گلہ اُسکی ستمگاری کا — جس کا شیوہ ہو پرائوں کی دل آزاری کا
دیکھ کر آج مسیحا نے دیا مجکو جواب — اب معالج ہو خدا اِس تری بیماری کا
گھر میں جو بیٹھ گیا دیکھ کے تو ترساں کو — اُس سے تھا کونسا موجب تجھے بیزاری کا
اُسی کی سب نے خاطر کی میں دکھ رویا جہاں جا کر — کوئی سر پٹکے اپنا ہائے یارو اب کہاں جا کر
مرا دل اُس کی زلفوں میں ہوا گم آج اے ترساں — اندھیری رات ہے دونو طرف ڈھونڈوں کدھر جا کر

ہم دردِ عظیم ہم دوا ہو — وہ جائے ہمارے غم کو ترساں
تم حضرتِ عشق یہ بلا ہو — جس کا کہ کسی سے دل لگا ہو

دیا تھا آگے بھی دل لیکن آہ چھوٹ گئی — عنانِ صبر مرے اختیار سے اب کے
میں کہا کیا ہو جو گھر تک تو اے بدہوش چلے — سُن کے بولا کہ ترے گھر ہی پاپوش چلے
ہمنشیں اُسکو مرے ساتھ یہاں تک ہے ضد — راہ میں دیکھے کبھی مجکو تو روپوش چلے

۵۱ جنبروں کی ۔

درد کہنے کو تو ہم آئے تھے ترساں لیکن | دیکھکر چیں بجبیں یار کو خاموش چلے

چاک گل کا پیرہن گلشن میں تھا کس کے لئے | صبح تک شبنم بھی روتی تھی صبا کس کے لئے

مرگیا ترسا ترہی دیوار کے سایہ تلے | تو نے کچھ جانا کہ اسنے جی دیا کس کے لئے

ترقی

ترقی - نواب اسد الدولہ رستم الملک مرزا محمد تقی خان بہادر مرحوم خلف سید محمد امین خاں باشندۂ نیشاپور مقیم فیض آباد، نواب شجاع الدولہ بہادر صوبۂ اودھ کے خاندان سے تھے اور میر محمدی سوز کے شاگرد تھے آپ نے محفل مشاعرہ بھی قایم کی تھی۔ نہایت خوش کلام اور رنگین طبع امیر تھے۔ آپ کا اساتذۂ قدیم میں شمار ہے۔ متانت اور سنجیدگی کے پہلو بہ پہلو لطف زبان اور معاملہ بندی اپنا مزا دکھاتے ہیں۔ کلام میں درد اور دلکشی بھی موجود ہے۔ زبان صاف اور شیریں اور لطف محاورہ بھی اُس میں موجود ہے۔ استعارات و تشبیہات سے کلام پاک ہے۔ آپ کا خاندان ابتک لکھنؤ میں موقر و معزز خیال کیا جاتا ہے۔ آغا ابو صاحب رئیس اعظم لکھنؤ آپ ہی کے خاندان میں ہیں۔

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل | پھرتے کس اُمید پہ کوئی لگائے دل

بھولا تمہارے عشق میں دنیا و دین کو | جو چاہو اب کرو کہ یہی ہے سزائے دل

پہلو کل اُسنے چیرا جو دل کے لئے مرا | جز داغ حسرت اور نہ کچھ تھا بجائے دل

ترغیب دی ہے کس لئے کعبے کی تو ہمیں | زاہد خدا کا گھر نہیں کوئی سوائے دل

اُس کی گلی میں کون یہ بیدل ہوا ہے دفن | آواز متصل یہی آتی ہے ہائے دل

اے دل تجھے مدام ستانے کو چاہئے | تیرے لئے کہاں سے کوئی روز لائے دل

اُس کو میں جب بیٹھے میں مانند نقش پا | رکھتا ہے تب سے خاک میں ہمکو ملائے دل

لکھ دیویں ہم تو خط غلامی اُسے بجا | جو عشق کی بلا سے ہمارا چھڑائے دل

اُترا نہ آکے یہاں کوئی جز کاروان غم | ماتم سرا سے کم نہیں یار و سرائے دل

دن بھر تو اک نحیف سی آواز سُنتے تھے | آتی نہیں ہے رات سے لیکن صدائے دل

کہتے ہیں دردمند ترقی کا حال دیکھ
یارب کبھو کسی پہ کسی کا نہ آئے دل

یوں تہ زلف نمودار وہ رخ ہوتا ہے
ابر سے آئے نظر جیسے قمر کا پہلو

کارگر دل میں کسی کے جو نہیں ہوتی ہے
چھٹ گیا آہ سے شاید کہ اثر کا پہلو

لا دوا زخم سمجھ پہلو تہی کرتا ہے
دیکھتا ہے مرا جراح جدھر کا پہلو

دل کو وہی بیکلی ہے تجھ بن
مر کر بھی چھٹے نہ تیرے غم سے

قبلہ ہو نہ کیجے منہ ادھر کو
دل ٹوٹ گیا ہو جس صنم سے

دشمن پہ کرے نہ کوئی یہ ظلم
مارا ہے مجھے تو نے جس ستم سے

شرم آتی ہے کیا بیان کیجے
جو تو نے کیا سلوک ہم سے

افسوس کہ خاک بھی ہماری
محروم رہی ترے قدم سے

اب رو نہ زیادہ اے ترقی
طوفاں اٹھے نہ چشم نم سے

اے ترقی بات جی کی جی ہیں رکھ
منہ سے نکلی اور پرائی ہو چکی

ساکنان کعبہ نے کی بت پرستی اختیار
وہ صنم نام خدا کیا اللہ توں جوبن پہ ہے

جرم کچھ ٹھہرا لے قاتل پھر مجھے تو قتل کر
بیگناہی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے

دیکھیے اب کس مسلماں کو کریگا قتل تو
آج غصہ بے طرح کافر تری چتون پہ ہے

آتش دل اشک سے سینے میں بھڑکی اور بھی
اپنے آب چشم کو میری شرف روغن پہ ہے

دست گلچیں عندلیبو کیجیے کیونکر قلم
آفت نو جسکے ہاتھوں سے سدا گلشن پہ ہے

ہے ترقی میرے اس سینہ میں وہ آتش نہاں
طعنہ زن جسکا شرر ہر شعلہ گلخن پہ ہے

تو نے عاشق کی بھی کچھ اپنے خبر پائی ہے
جان دیتا ہے وہ اور خلق تماشائی ہے

اسنے تو وہ کہ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
پر مزا اسنے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے

لیجاتے ہے وہ روز نیا صید مار کے
لایق نہیں ہیں آہ مگر ہم شکار کے

اک عمر بعد آئی ہے اب زیر خاک نیند
تربت پہ میری روؤ نہ یارو پکار کے

دیوانہ اسکے دیکھئے ہوتا ہے کون کون — آتے ہیں زور شور سے پھر دن بہار کے
دیکھا جو چشم مست کو اُسکی چمن کے بیچ — نرگس کی آنکھ جھک گئی مارے خمار کے
روزن نہ کچھ بجز جدا در کا اپنے بند — دیوار سے ہیں پھوڑونگا سر اپنا مار کے
باشندے ہم سے شہر کے کس طرح سے ہیں — اُجڑے ہوئے ہیں آکے ہم اپنے دیار کے
اے گل سُنا نہ تو نے مرا حال اور ہیں — سُنتا ہوں تیرے واسطے طعنے ہزار کے

قطعہ

مدت کے بعد ہمکو جو لایا فلک وہاں — طفلی سے رہنے والے تھے ہم جس دیار کے
دیکھا عجب ہے رنگ کہ بس ہوش اُڑ گئے — کیونکر بھلا نہ روئیے پھر ڈاڑھیں مار کے
جو گلزمیں تھی آہ وہ رشک خرابہ ہے — ہیں جا بجا سے لالہ زار پڑے ڈھیر خاک کے
دیکھے جدھر نگاہ وہ ہو کا مقام ہے — خالی مکاں پڑے ہیں ہر اک دوستدار کے
وہ یار جن سے رہتی تھیں دن رات صحبتیں — ملتے نہیں نشاں کہیں اُنکے مزار کے
منع فغاں نکر تو "ترقی" کو ناصحا — واقف نہیں ہے غم سے تو اس سوگوار کے

ترکی

ترکی ۔ ترک علی شاہ ۔ اصل وطن لاہور ہے مگر اب عرصہ سے بہ سلسلہ روزگار حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں دربار دکن کے فارسی شعرا کے زمرہ میں ملازم ہیں ۔ اور کہتے بھی نہایت صاف اور عمدہ ہیں ۔ اب ۵۰ برس کے قریب عمر ہے ۔ کلام میں جتنی شوخی وطراری ہے اُسی قدر جدت بھی موجود ہے ۔ مزاج میں ظرافت ہے ۔ مہاراجہ مدار المہام کے خاص مصاحبوں میں ہیں ۔ چند سال سے کبھی کبھی اردو بھی کہہ لیتے ہیں ۔ چنانچہ اشعار ذیل آپ ہی کے طبعزاد ہیں ۔

وہ بوئے مُشک ہے اے شوخ تیرے بالونمیں — کہ دھوم جسکی ہے تاتار کے غزالوں میں
مرا کمال تو دیکھو کہ ہو کے لاہوری — غزل ہیں بیٹھ کے پڑھتا ہوں دہلی والونمیں
یہ کی تلاش کہ گم ہو گیا ہیں خود لیکن — نہ مسجدوں میں ملا اور نہ وہ شوالوں میں

تسخیر

تسخیر ۔ مرزا محمد سلیمان قدر بہادر تسخیر نبیرۂ مرزا آسماں قدر ممنو گورگانی مقیم لکھنؤ شاگرد

میر ہادی بیخود غدر کے بعد والد بزرگوار کے ہمراہ بنارس چلے گئے۔ وہاں مرزا صابر کی تحریک سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد سنہ ۱۳۰۵ھ میں پھر لکھنؤ میں رہائش اختیار کی اور مشاعرے کی بنا ڈالی۔ ان کے بیٹے مرزا حیدر قدر رہا نے اس کا دیوان چھپوا دیا ہے۔ جسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

کرونگا حشر میں نالش تیونکی پیشِ خدا — اُسی کچہری میں اب ہوگا فیصلہ دل کا
بڑا دھوکا دیا او تیغِ قاتل — گلے مِل کر مرا کاٹا گلو آج تُو
ہمیں دکھادے اسیری میں کچھ چمن کی بہار — قفس میں پھول کی رکھدے پیالیاں صیاد
بیگانہ وار سب سے ہے تسخیر اس لئے — با خلق آشنا نشو و آشنائے دل
کچھ تن بدن کا ہوش نہیں ہے ہمیں ذرا — تسخیر بیخودی سے یہ کس کے خیال میں
شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں — مینے کچھ مانگا تھا کیوں تمنے دیا دل مجکو
مژدہ اے موت کہ خوں ہوتے ہیں [illegible] — لیچلا ہے اُسی کوچے میں مرا دل مجکو
آپ کو قدر نہیں دل کی ہمارے تو نہو — اسکو وہ لے گا جو رکھتا ہے خریدار نگاہ
ڈر نہیں یار کو گر پاک نظر سے دیکھا — نہ گنہگار ہیں کچھ ہم نہ گنہگار نگاہ
بتوں میں ہے نہاں قدرت خدا کی — طلسمِ حُسن ہے یہ بُرج حیا کی
کُنجِ قفس میں منت و زاری ہزار کی — صیاد نے پر ایک نہ مانی ہزار کی
اثرِ نالۂ جانکاہ جو دلبر ہوجائے — بیقراری میں وہ بُت میرے برابر ہوجائے
زہر کھاتے ہیں جو عشقِ لبِ جاں بخش میں ہم — کیا مزہ ہے اثر آبِ بقا ہوتا ہے
بولے دیکھا جو مجمعِ عُشّاق — میری صورت کوئی تماشا ہے

رباعی

فرزند و عزیز میں نہ اُلفت پائی — احباب و رفیق میں نہ شفقت پائی
تسخیر کے مرقد پہ یہ کندہ کرنا — جو کچھ پائی وہ زر سے راحت پائی

تسخیر

تسخیر۔ جناب داروغہ سید واجد علی صاحب تسخیر رئیس شہر لکھنؤ ارشد تلامذہ حضرت اسیر مدظلہٗ۔ آپ حضرت واجد علی شاہ کی بیگم سلطان محل کے داروغہ تھے اور محلات شاہی میں اور بھی خدمتیں ان سے متعلق تھیں۔ ایام غدر میں جب مرزا برجیس قدر کا دور دورہ ہوا تب آپ حضرت محل کے صلاحکاروں میں رہے مگر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس بدنظمی کا انجام اچھا نہیں تو از راہ دور اندیشی آپ سرکار انگلشیہ کے ہواخواہ ہوگئے اور خدمات شایستہ اُس سرکار کی ادا کیں۔ چنانچہ بجلدوے خیرخواہی بعد فرو ہنگامہ چند مواضع بطور انعام پائے اور زمرۂ تعلقہ داران میں محسوب کئے گئے۔ تمام عمر باعزاز و آبرو بسر کی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے نظیر حسن تعلقہ دار ہوئے۔ چھوٹے امیر حسن فروغ حیدرآباد میں وکالت کرتے ہیں شعر و سخن کا بھی ذوق تھا اور مذاق سلیم سے کافی بہرہ حاصل تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا۔

نہ آیا فاتحہ پڑھنے وہ مہرو مہرباں ہوکر
زمینِ قبر کیوں پیسے نہ ہمکو آسماں ہوکر

نکل سکتا ہے وحشی کس طرح زلفوں کے پھندوں سے
پڑا ہے پاؤں میں اُنکا تصور بیڑیاں ہوکر

لحد میں یاد جب آئی کشاکش زلفِ پیچاں کی
کفن کے بند جتنے تھے وہ لپٹے رسیاں ہوکر

نہ کھینچ اب تیغِ ابرو دل نشانہ ہوچکا ظالم
در آئی ہر مژہ کی نوک سینہ میں سناں ہوکر

تلاش ناقۂ لیلیٰ میں وہ مجنوں نے جاں دی
اُسی کی خاک پھرتی ہے غبارِ کارواں ہوکر

ازل سے دل مرا مشتاق ہے ابرو کی پیکاں کا
نہ مارا تمنے اک تیرِ نگہ ابرو کماں ہوکر

جفا تیری وفا میری الم نشرح ہے اب گھر گھر
یہی قصہ بیاں ہوتا ہے ہر جا داستاں ہوکر

تمھیں پر ہمنے گل کھائے تمھیں نے قتل کر ڈالا
اُجاڑا تمنے جو ٹکڑا اپنا باغباں ہوکر

نہ حرفِ تلخ لب پہ لائیے شیریں زباں ہوکر
سخن میں رنگ و بو دکھلائیے غنچہ دہاں ہوکر

اِسے وزارت پامالی اُسے چکر میں بچالی
نہ یاں راحت زمیں ہوکر نہ آرام آسماں ہوکر

عدم کے جانیوالے منزلِ آخر جا پہنچے
میں تنہا رہ گیا پیچھے غبارِ کارواں ہوکر

نزاکت کس قدر ہے پھول کے گجرے جو پہنے ہیں | جھکے جاتے ہیں دونوں ہاتھ گل کی ڈالیاں ہو کر
دلا گر چاہتا ہے دلربا تنہا ملے تجھ کو | ہٹا دیں راستے سیدھا تو جا واں لامکاں ہو کر
تلون ہے طبیعت میں تمھاری کس قدر توبہ | نہیں پھر ہو گئی لو وصل کے وعدہ پہ ہاں ہو کر
نجف کی راہ لو تسکیں پھرتے ہو کہاں در در | لگاؤ بستر امولا کے در پہ پاسباں ہو کر

تسکین

تسکین۔ پنڈت گنگا داس۔ زیادہ حال ان کا معلوم نہیں۔ مسٹر فیلن نے اپنے تذکرے میں ان کا حال اس طرح لکھا ہے "ایک جوان تھا نیک عقیدہ کشادہ رو مہذب و خوش خو۔ گاہے گاہے رخش ہمت کو میدان ریختہ گوئی میں یوں ہی دوڑاتا تھا" یہ اُن کا کلام ہے۔

ناصح یہ نصیحت اب تم کرتے ہو کیا بیٹھے | جو ہووے سو ہو بہتر دل اُس سے لگا بیٹھے
عقل و خرد و طاقت اور صبر و شکیبائی | جب سامنے وہ آیا ہم سب یہ لٹا بیٹھے
کیا غم ہے ہمیں تسکیں آفات زمانہ سے | اب ہم شہ مرداں کے داماں تلے آ بیٹھے

تسکین

تسکین۔ میر سعادت علی دہلوی خلف میر علی حامد برادر زادہ و شاگرد ملک الشعرا میر قمر الدین منت۔ عنفوان شباب میں دلی چھوڑ کر لکھنؤ جا رہے تھے۔ باوضع اور خوش فکر شخص تھے۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں ۵۰ برس کا سن تھا۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

سرحلقہ رستے بھری ہے ازل سے ہوائے عشق | مجھ سا جہاں میں کوئی نہیں ہے کم مبتلائے عشق
یک لخت عقل و صبر سے بیگانہ ہو گئے | پہچانتے تو ہوتے نہ ہم آشنائے عشق
نالاں ہے ابتدا ہی میں بلبل کو کیا خبر | پروانہ جانتا ہے جو ہے انتہائے عشق
شیریں سا گلرخاں تو کوئی ہووے آج ہی | بہتیرے کوہکن سے ہیں زور آزمائے عشق
تسکیں جو قیس عشق میں مجنون ہو گیا | عیب اُس کا کچھ نہیں کہ یہ ہے مقتضائے عشق

کرتا نہیں ہے جنس وہ عالم پسند دل | خواہاں متاع درد کا ہے دردمند دل
بے رحم پھر نہ لوں گا کبھی دوستی کا نام | جانبر ہوا جو آپ کے اٹھا کر گزند دل

آشفتگی کا اپنی سبب تجھ سے کیا کہوں
مدت ہوئی کہ زلف میں تیری ہے بند دل

بکتا ہے ایک نگاہ پہ لیے ہے منت سے
تسکین کا گر آپ کو آیا پسند دل

ہر دم کرے ہے یہ دل کا رسناں بغل میں
ہے وصل مطابق دشمن کہاں بغل میں

بسکہ ہم دل میں تپِ عشقِ تپاں رکھتے ہیں
آتش اک سینہ میں جوں سنگ نہاں رکھتے ہیں

نوبتِ ضعف یہ پہونچی کہ ہم اب اے ہمدم
طاقتِ ضبط نہ یارائے فغاں رکھتے ہیں

خشک لب دیدۂ تر حال پریشاں رخ زرد
عاشقی کے بھی عشاق نشاں رکھتے ہیں

ساغرِ مے سے ہمیں پیر سمجھ کر ساقی
ہاتھ مت کھینچ کہ ہم طبع جواں رکھتے ہیں

اللہ رے نزاکت اُس نازنیں صنم کی
پڑتے ہیں اک نگاہ سے سو آبلے بدن میں

آوے ہے جو بعد مرون خط کا جواب اُن سے
جائے جواب رکھیو نامہ مرے کفن میں

کوچے کا گلرخوں کے عالم اگر کہوں میں
تسکیں لگے نہ دم بھر بلبل کا جی چمن میں

کون کہتا ہے یہاں آپ گزارا نہ کریں
مدعا یہ ہے کہ آتے ہی سدھارا نہ کریں

غم پریشانیِ عاشق کا کرے اون کی بلا
ہو یہ کیونکر کہ وہ زلف اپنی سنوارا نہ کریں

ہووے کیا آپ سے تصویرِ صنم ہم آغوش
کوہکن تو نے کیا ہم تو گوارا نہ کریں

دلِ بیتاب کو میرے نہ کبھی ہو تسکین
آکے تسکیں جو مجھے آپ پکارا نہ کریں

کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
خط بھی لکھا جو ہم کو تو خطِ غبار میں

حالِ دل کہتے تو ہے وہ صنم رکتا ہے
اور چپ رہیے تو مشکل ہے کہ دم رکتا ہے

کس کا کوچہ ہے یہ یا رب نہیں معلوم ہمیں
خود بخود یہاں نکلے پہنچتے ہی قدم رکتا ہے

تسکین - میاں تسکین نام - نواب آصف الدولہ کی سرکار میں خواجہ سرا تھے - ذہن رسا اور طبیعت نکتہ سنج پائی تھی - الفاظ رنگین اور خیالات تازہ کی تلاش میں سرگرم رہتے ہیں - زبان اگرچہ پرانی ہے تاہم کلام پر لطف اور شیریں ہے - ایک پرانے تذکرے میں کچھ ان کے اشعار نظر سے گذرے انکا انتخاب درج ذیل ہے -

انداز فغاں کا مری بلبل نے اوڑایا
نقشہ کو نزاکت کے تری گل نے اڑایا

بس شور نکر اس قدر اب اے دل ناداں
اک خلق کا تو مغز تری غل نے اڑایا

سمجھا نہ گیا ہم سے کچھ اسکا غضب و لطف
اک عمر ہمیں اسکے تغافل نے اڑایا

کیا گذری جو اس طرح سے ہے سوچ میں آج
ہوش اپنا تو قاصد کے تامل نے اڑایا

تھی اتنی دل آویز کب آشفتگی اسمیں
یہ طور اسی زلف کا سنبل نے اڑایا

دیکھی جو سحر اشک فشانی مری تسکیں
شبنم کے تئیں چٹکیوں میں گل نے اڑایا

۵۱ کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
خط بھی لکھا جو اسنے تو خط غبار میں

یوں مجھ میں اسمیں بگڑی سدا اور سدا بنی
کچھ اب کے ایسی بگڑی کہ بس جی پہ آ بنی

تسکین دہلوی ۔ شاعر نکتہ سنج و متین میر حسین صاحب تسکین شاہجہان آبادی خلف میر حسن عرف میرن صاحب ۔ انکا نسبی سلسلہ فرخ سیر بادشاہ کے وزیر حسین علی کے قاتل میر حیدر سے ملتا ہے ۔ ان کی ولادت ۱۲۱۸ھ میں دہلی میں ہوئی ۔ فارسی کی تکمیل مولوی امام بخش صہبائی سے کی ۔ طبیعت نہایت ذہین اور موزوں واقع ہوئی تھی ۔ شعرگوئی اور سخن سنجی کا مذاق نہایت صحیح و شستہ تھا ۔ عنفوان شباب میں جو کچھ کہا اسمیں شاہ نصیر مرحوم سے مشورہ کیا ۔ ان کی وفات کے بعد حکیم مومن خانصاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حکیم صاحب کی توجہ سے اس فن میں درجۂ کمال حاصل کرلیا ۔ مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر مرحوم کا دیوان انھوں نے مرتب کیا تھا مگر اسی زمانے کے ایک قلمی نسخہ سے یہ معلوم ہوا کہ منشی مہاراج سنگھ (یہ بھی شاہ نصیر مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے) اس خدمت کو انجام دیا تھا ۔ تلاش معاش کی فکر میں حضرت تسکین لکھنؤ بھی گئے مگر ناکام واپس آگئے ۔ کئی برس میرٹھ میں قیام کرکے بعدہٗ رامپور پہنچے اور وہاں کسی معقول خدمت پر مقرر ہوگئے ۔ بہرحال تسکین اپنے وقت

۵۱ شیفتہ نے اسی شعر کو سعادت علی تسکین کے نام سے لکھا ہے ۔

کے شعرائے مشاہیر سے تھے۔ طرز سخن کمال دلکش خصوصاً عاشقانہ کلام نہایت پرلطف اور با مزہ ہے۔ زبان صاف اور شیریں۔ اور بندش نہایت چست ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ سے اکثر صحبت رہتی تھی الغرض حضرت مومن کے شاگردوں میں تسکین رکن رکین تھے اور استاد بھی انہیں نہایت عزیز رکھتے تھے۔ بلکہ ان کے صاحبزادہ میر عبدالرحمن کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا مومن کا دیوان میر عبدالرحمن ہی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ غدر کے بعد میر عبدالرحمن کی سخن فہمی کی بڑی دھوم تھی۔

جناب تسکین کا دیوان اب نہیں ملتا۔ آپ نے استاد کی شوخ بیانی طرز ادائے مطلب اور معاملہ بندی کے ساتھ ساتھ سادگی اور صفائی روزمرہ کا خوب سلیقہ بہم پہنچایا تھا۔ پچاس برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۶۹ھ ۱۷ شوال کو رامپور میں قضا کی اور وہیں نواب احمد علی خاں بہادر کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ سالک نے تاریخ کہی ؎

کہا دل نے تسکیں و اجل ہو گئے سب	ارم میں بیاد رفتہ تسکین و مومن

آپ کے صاحبزادے میر عبدالرحمن آہی بھی بڑے نازک خیال اور طباع شاعر تھے۔ اب کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

تھا میری طرح غیر کو بھی دعویٰ الفت
پر بال وہی کھوتی ہے تو تقدیر اسیری
تسکین کروں کیا دل مضطر کا علاج اب
ہر سوزدہ ڈھونڈھتا ہے کوئی تازہ خریدار
مر جائیں گے پر دل نہ لگا بیٹھیں کسی سے
کہتے ہیں کہ تجھی نظارہ میں مزا آتا ہے
تقدیر میں کھولتی زلفیں پڑی ہیں گی
چار دل مرتے دیکھا جو عالم سرگشتہ ہیں اس کا

ناصح تو آئے دینے کو الزام نہ آیا
صیاد کبھی لینے کے پیاں دام نہ آیا
کمبخت کو مر کر بھی تو آرام نہ آیا
صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا
جی اور کسی وضع سے بہل جائے تو اچھا
یوں نہیں تم مجھ سے ذرا ہو کے خفا جانا
دل گم گشتہ اپنا گر نہ پایا نہ ہو
لباس آیا تھا وہ کافر پہن کر جیسے ماتم کا

یہاں آنے سے کس واسطے جلتا ہے ہمارے
اس در سے نہ جاؤنگا کبھی لاکھ کہو تم
دیکھیں کیا میری طرف یاد ہیں انکو اپنی
بات کرتی ہیں جو ہر دم سے حجاب آئینہ
جان دیتا ہے ہر اک بات پہ تسکیں کیا دو
رہنے والوں کو ترے کوچے کے یہ کیا ہو گیا
زندگی ہوویگی کس طور سے یارب اپنی
آج جو عرش پہ ہے اپنا دماغ اے ظالم
اتنی سرخی شفقِ چرخ پہ کس دن تھی مگر
حق کے کہنے سے نہیں ملتی ہے سولی منصور

عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا
دشمن ہی سہی تلخ ہے فرمان تمہارا
چشمکیں غیر سے کرتی مجھے دکھلا دکھلا
دیکھتا کیا ہے مجھے بھی تو خود آرا دکھلا
تم نے کیا اسکو دیا اپنا سراپا دکھلا
پھر سے آئے تری یہاں ہنگامہ برپا ہو گیا
دم میں سو بار اگر یوں وہ خفا ہووے گا
کوئی دشمن تری نظروں سے گرا ہووے گا
عاشق زار کا کچھ رنگ اُڑا ہووے گا
تو نے دعوی کہیں الفت کا کیا ہووے گا

بھول جائیں گے وہ اغیار کو بھی
وحشت اب لاش کو لے بھاگے گی
کوچۂ یار میں بیٹھے تسکین
سہل سمجھے ہو اسکا آجانا

مر گئے پر بھی اگر یاد آیا تو
تنگئ گور سے گھر یاد آیا تو
پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا
تم نے تسکین دل کو کیا جانا

کچھ نمک کچھ اشک کچھ الماس ہو اے چارہ گر
ساکنانِ فلک پہ دیکھئے کیسی بنے
بیٹھے تسکیں سے تھے روٹھ کر وہ شوخ
جسوقت نظر پڑتی ہے اس شوخ پہ تسکین
اس سے بہتر تھا جو دوزخ میں ٹھکانا ہوتا
خوبصورت جو کوئی تو خوب روتا ہی
اپنے عاشق کو اُٹھا لو اِک جہاں

پھر خدا چاہے پھرے وہ دشمن ہستا سور کا
نالۂ سوزاں لگے ہے اب کے ارادہ دور کا
دے کے وہ جھڑکیاں اُٹھا لایا
کیا کہئے کہیں ہیں جو کہے کیا نہیں آتا
بزم دشمن میں ترے ساتھ جانا ہوتا
سچ تو یہ ہے کہ یہ نہ ہوتا سے اچھا ہوتا
[illegible]

شورش یہ برپا کیا اُس کے خرام ناز نے
گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو

غیروں کو اشارا ہے مرے قتل پہ ناحق
تمکو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے

چُپ لگی مجھکو تو چرچا بھی پھر وہاں ہوگا
دیکھیو خانۂ خدا بھی غیر واں قابض ہوا

ہمکو اپنی خبر نہیں ہمدم

اُس گلی میں مجھکو جانے سے کرتا ہے منع ہائے
اُس گلی میں اژدحام اغیار کا یاد آگیا

دیکھنا شوخی یہ کہتے ہیں مرے دشمن سے وہ
گر مرے چھیڑے دل کی طپش سے تو عزیز ہو

اے چشم سرمگیں تری گردش نے کیا کیا
روکے ہے مجھکو ڈال کر چشم تر کو کیا کہوں

ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سُن
زلف پرپیچ کو کھولا ہے یہ کس نے یارب

کبھی کہتا ہوں وصل مشکل ہے

یاں انتظار میں ہے کٹی مجکو ساری رات
دیکھوں تو لے ہے جان ملک الموت کسطرح

تسکیں سنے لے کے نام ترا وقت مرگ آہ
غباری دیکھنا جو لگا ہے ملنے کو کوچہ
اشک سرخ آنکھوں میں آکے رو رو تے سکھا

داور محشر کا سارا کھیل ابتر ہو گیا
ڈھائی گز چھپر لیلیٰ کو اُسنے تنگ ٹھہرایا

یہ جنبش ابرو ہے تو سر کا ہے کو ہوگا
جو رہا کہ اِس دست و گریباں میں دیکھا

راز اپنا نہ خموشی سے بھی پنہاں ہوگا
جسکے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو چکا

دیکھو تو آگے مر گئے شاید

ناصح کو کوئی جاکے کرے پاسبان غیر
دلمیں جو جوش حسرت و یاس و تمنا دیکھ کر

کیا ہنسی آئی مجھے تسکیں کو روتا دیکھکر
تا حشر نکلیں گے کبھی گور سے باہر

راحت پذیر تھے ستم آسماں سے ہم
وہ ہی آنا تھا پسند اپنی نظر کو کیا کہوں

دل میں روتے ہیں بظاہر یہ ہنسے دیتے ہیں
کہ مرے پاؤں کی زنجیر کسے دیتے ہیں

کبھی کہتا ہوں کچھ محال نہیں

واں وعدہ کیا کیا تھا اُنھیں یاد بھی نہیں
تم وقت مرگ پاس سے اُٹھنا ذرا نہیں

کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سنا نہیں
کہتا ہے میں تو تم سے ہوا کچھ خفا نہیں

لعل کی اپنی سختی تھی کیسے معدن آب ہیں

باتوں ہی سے مشفق ہیں مرے حضرتِ ناصح
دو دن تو رہیں پاس مرے رنج و محن میں
چھیڑوں ہزار طرح سے انکو خفا کروں
قابو میں میرے دل ہو تو کیا جانے کیا کروں
یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گزرو گے
پر یہ ممکن نہیں ہم پھر کبھی پیدا نہو
مجھ بیگنہ کے قتل پہ گر ہے خوشی غیر
ظالم تو میرے واسطے اندوہگیں نہو
آرام سے وہ پہلو میں بیٹھے کوئی گھڑی
تسکیں جو اضطراب تجھے اسقدر نہو

بیٹھنے رکھا جو پاؤں پہ سر کو
بولے وہ ناز سے کہ بس سر کو

وہم آتا ہے مٹا کر خطِ پیشانی ہائے
اسمیں لکھا نہو اُس در کی جبیں سائی کو
آتے ہی اُنکے جان گئی وا رے نصیب
نکلے جو آرزو تو دمِ واپسیں کے ساتھ
تھے جنہیں گمان دوستی کے
دشمن وہ ہوئے ہمارے جی کے
دل دینے کی قتل ہی سزا ہو
قائل ہیں تمہاری منصفی کے
کیا تجھسا دکھا دیا ہے بدخو
کیوں ٹکڑے کئے ہیں آرسی کے
وہ اپنے وعدہ پہ محشر میں جلوہ فرما ہیں
نہیں ہے ضعف سے انبوہ میں گذار مجھے
شبِ وصال ہیں سننا پڑا فسانۂ غیر
سمجھتے کاش وہ اپنا نہ رازدار مجھے
ہزار طرح سے کرنی پڑی تسلّیِ دل
کسی کے جانے سے گو خود نہیں قرار مجھے
مزے یہ دیکھے ہیں آغازِ عشق میں تسکیں
کہ سوجھتا نہیں اپنا مآلِ کار مجھے
مرے قصور سے دیدار میں ہوئی تاخیر
ندیکھنا تھا تماشائے روزگار مجھے
جان ٹھیری نہ اُس ابروئے خمدار کے آگے
سچ ہے نہیں تھمتا کوئی تلوار کے آگے
میں تیرے لئے ناصحِ مشفق سے لڑوں اور
تو کہے بُرا یوں مجھے اغیار کے آگے
تیغِ نگاہِ یار اُچٹتے لگی تھی پر
برسوں گذر گئے مجھے آزار کھینچتے
اُس چشم پہ مرتا ہوں پہ وسواس ہے کیونکر
میں ذکر کروں مرنیکا بیمار کے آگے
ناز و ادا و غمزہ نے یوں دل لیا مرا
لیجائیں جیسے مست کو ہشیار کھینچتے

یہ کہہ کے شب ہجر میں کرتا ہوں تسلی — جو رنج و مصیبت ہے سو انسان کیلئے ہے

دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار — حال دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے

وہ مسیحا لب اگر آئے تو جی اٹھوں ابھی — ہاتھ اٹھا چارہ سازو تم نے کیوں تدبیر سے

چین سے بیٹھے رہے محفل میں شکایت پھر — اُسنے پہچانا ہمکو رنگ کی تغییر سے

کر سکے وہ نہ شناسا کوئی احباب مجھے — خاک میں دل کی کدورت نے دیا داب مجھے

ہجر میں پاس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس — نہ ہئے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی — بات تو کرنے دے اے دل بیتاب مجھے

نام تسکین اور یہ مضمون تپش نازیبا — تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے

اب یہ حالت ہے کہ اُن سب لبے درد — میرے بچنے کی دعا مانگے ہے

بنا تسکین شہ وہ محبت دوست اپنا — بگاڑی کس نے سارے جہاں سے

بیتابیوں کی اس کی ہوس ہو تو آن کے — سیماب ہے کہ دل مضطر میں گھر کرے

اے دل یہ تیر ناز کہیں ملتا ہے بے اثر — وہ کر جو اسکی طرح جگر میں گھر کرے

اسکو بھی جانے دے ناصح تو ذرا جاتا ہے — یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے

دل کے لیتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھو — صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے

عشق اور حسن میں ہے ربط ستم پیچھے ہے — جوں جوں میں اسکو چھپاؤں وہ نمایاں ہوتا ہے

[illegible]

تسکین

تسکین ۔ مرزا مظفر علی بیگ تسکین دہلوی ۔ ایک تذکرے میں آپ کو مومن خاں کا شاگرد لکھا ہے مگر راقم کے خیال میں اِن کے نام میں غلط فہمی ہوئی ہے اور میر حسین مذکورہ سابق دراصل ایک ہی ہیں ۔ بہرحال یہ انکا کلام ہے ۔

سر چڑھ کے جائے ہائے کہ رہ گئے ہم کو مار کے — پھنستے ہیں بال باندھ کے ہم زلف یار کے

افسوس پہ نکلتے ہی کنج قفس ملا — دیکھے نہ دن خزاں کے نہ ہم نے بہار کے

بیجو شب وصال تو گریاں ہوں روز ہجر — یکساں ہیں دن خزاں کے ہمیں اور بہار کے

اتنا تو مانیو مرا بادِ صبا کہا
خاک کے اوڑائیو نہ ہمارے غبار کے

بربادیاں نہ اپنی پس مرگ بھی گئیں
بن بن بگولے پھرتے ہیں ہیر غبار کے

تسلی ۔ رائے ٹیکا رام تسلی خلف بخشی گوپال رائے برادر خورد رائے بھولا ناتھ دیوان کچہری بخشی گری نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ پرگنہ کرپل ضلع اٹاوہ وطن تھا مگر یہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی ۔ ریختہ میں مصحفی اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے امیرانہ بسر کرتے تھے ۔ ۱۸۴۸ء میں حیات تھے ۔ نہایت مہذب ۔ خلیق قدردان اہلِ ہنر و کمال اور شعر و سخن کے دلدادہ تھے ۔ کتاب سے عشق تھا چنانچہ ہزارہا روپیہ صرف سے نادر الوجود دیوان کے نسخے کتب خانے میں جمع کیے تھے ۔

دیکھے سماں جو اس مژۂ اشکبار کا
ہو جائے شق جگر رگِ ابر بہار کا

آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا

جسکے قدم تلے دلِ خوباں ملے گئے
مذکور کیا ہے اپنے دلِ خاکسار کا

فہمیدہ والے کرتے ہیں دولت پہ کب گھمنڈ
کیا اعتماد زندگیِ مستعار کا

بھاگتا ہے مرے تصور سے
کس قدر بدگمان ہے کافر

دن پھرے پھر مگر تسلی کے
اللہ یوں مہربان ہے کافر

کیا منھ جو کوئی آوے ترے تیر کے منھ پر
یہ ہم ہیں کہ منھ رکھ دیا شمشیر کے منھ پر

جیسی تری تصویر لکھی کلکِ قضا نے
وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے منھ پر

گر دل سے ہے خفا تو پھر اس بات کو ناداں
کہہ بیٹھیو مت عاشقِ دلگیر کے منھ پر

جانے دے تسلی تو نکر فکر سخن کا
پھبتا ہے سخن مصحفی و میر کے منھ پر

کب میں نے کہا پیارے تم مجھ سے جدا بیٹھو
پہلو سے مرے تکیہ پہلو کو لگا بیٹھو تو

آتے ہی کہا تم نے بس گھر کو میں جاؤنگا
آخر کو تو جاؤ گے یکدم تو بھلا بیٹھو تو

کیا جانے تمہیں کس نے یہ بات سکھائی ہے
جب پاس مرے آؤ تب منہ کو بنا بیٹھو

مانگا جو تسلّی نے اک بوسہ تو وہ پیارے	مونھ پھیر کے ظالم نے یوں ہنسکے کہا بیٹھو
جو چاہے سلطنت اُسے ظلِّ ہما سے لے	مجھکو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آ کے لے
دیتے نہیں تسلّی کو ہوا ور کچھ تو تم	بوسہ ہر ایک شعر کا اُسکے صلہ سے لے
اب بھی اس نیم جان میں کچھ ہے	فائدہ امتحان میں کچھ ہے
کیوں ستاتا ہے دیکھ تو پیارے	اس دلِ ناتوان میں کچھ ہے

تسلّی ـ

تسلّی ۔ منشی میر شجاعت علی دہلوی شاگرد عزیز شاہ نصیر مرحوم مناجاتیں خوب کہتے تھے ۔ جن میں سے بعض ابتک مجالس صوفیہ میں پڑھی جاتی اور سامعین کے دلوں کو گرماتی ہیں ۔ ایک پرانی بیاض میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب پیش کیا جاتا ہے ۔ مضامین عاشقانہ اور معاملہ بندی کیطرف زیادہ توجہ مبذول رہتی تھی ۔ طرز شعر خوانی ایسا مرغوب و پسندیدہ تھا کہ اُسکے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ خود اپنا افسانہ بیان ہو رہا ہے ۔ شاہ نصیر کے تلامذہ میں اپنے وقت کے جرأت سمجھے جاتے تھے آخر میں تعلقات دنیوی سے کنارہ کشی اختیار کرکے درگاہ قدم شریف میں سکونت اختیار کرلی تھی ۔ اور وہیں غدر سے چند سال پیشتر انتقال کیا ۔ کلام ملاحظہ ہو ۔

مجھ سے بدنام عبث لوگ اُسے کرتے ہیں		ہم نشیں وہ تو مرے پاس نہ آیا نہ گیا
میں نے ہاتھ اُسکے جو ابرو کو لگایا تو کہا		ہے سزا تیری کہ کاٹوں ترے شمشیر سے ہاتھ
اس طرح میلے کچیلے تو یہ آفت ہو تم		گر تکلف کر دیکھ پھر تو غضب لاؤ اجی
کیسی ٹھوکر جڑی ہے حضرتِ دل		پاؤں پر اُسکے سر دھرو تو سہی
مار ڈالا ہمیں کہتے ہی سے تم نے		کہ سحر ہوگئی اُٹھو تو سہی
جب کہا میں نے تجھ پہ مرتا ہوں	قطعہ	تم گلے سے مرے لگو تو سہی
بولے وہ کیا مرے میں آئے ہیں		خیر ہے کچھ پرے ہٹو تو سہی
غیر کے گل وہ لگ کے چھاتی سے	قطعہ	مجھ سے کہنے لگے سنو تو سہی

اسلئے اُسکے ہم گلے سے لگے	کہ ذرا جی میں تم جلو تو سہی
میاں جو کچھ تری سج دھج میں رعنائی نکلتی ہے	کہاں مرزا مزاجوں میں وہ رعنائی نکلتی ہے
صبا مذکور جب کچھ پھیلی ہے تیری زلفوں کا	چمن سے بوئے سنبل بہکے سودائی نکلتی ہے
خدا سے ڈر برابر کر نہ اوروں کے تسلی کو	کہ تیرے عاشقوں میں انکی یکتائی نکلتی ہے

تسلی

تسلی - ابو الخیر قطب الدین علی تسلی تلمیذ جناب علوی - حیدر آباد دکن محلہ شیدی عنبر میں اقامت گزیں ہیں ۔ ۲۲-۲۳ برس کے نوجوان روزگار پیشہ ہیں - طبیعت ذہین اور مذاق ستھرا ہے یہ انکا کلام ہے -

اچھی لڑائیاں ہیں یہ اچھا ملاپ ہے	ٹھہرا ہے عین صلح لڑانا نگاہ کا
بخت سیہ پہ لپٹے ہیں کیسے نہ جان دوں	پورا جواب ہے تری زلف سیاہ کا
عاشق کو کس سہارے سے امید زیست ہو	ملنا بھی اُس نے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا
کس طرح دل چرانے کا پھر گماں نہو	چوری کا ہے ثبوت چرانا نگاہ کا
خدا سمجھے خدا سمجھے بتوں سے	میرا دل اور میرا ہی عدو ہو
بیوفائی تیری کیا خاک ہمیں یاد رہے	یاد آتا ہے جو تو خود کو مٹا دیتے ہیں
مسیحا ہو مری جاں یہ مسیحائی کی باتیں ہیں	نہ پوچھا بھول کر بھی حالت بیمار کیسی ہے
الٰہی دونوں آنکھوں سے نظر تو ایک آتا ہے	لڑائی پھر میاں کافر و دیندار کیسی ہے
وہ غمخواری کے پردے میں سنا جاتے ہیں مجھکو	پھر ہر دم پرسش حال دل بیمار کیسی ہے

تسلیم

تسلیم - منشی محمد کبیر خاں خلف امیر الدین نبیرۂ بدو خاں سرغنۂ افاغنۂ رامپور - جوان وجیہہ بردبار - متحمل مزاج اور خوش خلق تھے - نظم و نثر انشا پردازی میں طاق - شعر فہمی اور سخن سنجی میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے - علوم و فنون سے بقدر ضرورت ماہر تھے فکر رسا و فہم ذکا کی امداد سے کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے - سو برس سے اوپر ہوئے کہ جب قدرت اللہ شوق نے اپنا تذکرہ مرتب کیا تو آپ کا عالم

شباب تھا۔ کلام اُس تذکرہ سے منتخب کرکے درج کیا جاتا ہے۔ انتخاب سے اربابِ فہم پر ظاہر ہو جائیگا کہ شعر بھی بُرا نہیں کہتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

اگر مدعا ہے مرا خوں بہانا
تو پھر کس لیے ڈھونڈتے ہو بہانا

ہوا سب کا تسلیم دشمن نہ تو بھی
کبھو دوست جانے نجانا نجانا

ولے اے بختِ سیہ پھر یہ ستم کیا ہو گیا
وہ جو سوتا تھا بغل میں رات میری سو گیا

مصروف ہے ازبس کہ تری وصف و ثنا کا
ہے فکرِ عدم کام دلِ ہیچمدان کا

وہاں آسنے ادا کی یہاں ہم ہو گئے تمام
سچ ہے کہ مرد مرتے ہیں تسلیم آن پر

رکھے ہے بسکہ وہ دلدار مجھ سے دل میں غبار
بجا ہے نامہ گر اُسکو لکھوں بخطِ غبار

مہرِ سکوت لب پر مثلِ نگیں ہے میرے
اب قدرداں سخن کے تسلیم کم رہے ہیں

ہمیں کیا واعظا اندیشے سے محشر کے ڈراتا ہے
گلی میں اُسکی ہو رہتے ہیں ایسے شور و شر لاکھوں

غیروں کے تو گھر جا جا تم باتیں بناتے ہو
پھر یہاں جو آتے ہو کچھ اور بن آتے ہو

منظور اُٹھانا ہے میرا ہی مگر صاحب
غیروں کو جو تم ہر دم پاس اپنے بلاتے ہو

قطعہ

انصاف بھلا کیجے کس طرح سے بنے تم سے
اس طور سے ہر اک پر غصہ میں جو آتے ہو

گر بات کہی سیدھی تو ہوتے ہو ٹیڑھے تم
اور کاش کے ٹیڑھا ہو تو سیدھی سُناتے ہو

بھلا یہ کس نبی کا معجزہ تھا منصفو دیکھو
کہ دروازہ پہ جسکے ہوں کھڑے پیغامبر لاکھوں

ہمنشیں مت تنگ کر مجھکو عبث
بات ہے کچھ اُس دہاں کی گو مگو

ابتو اپنی جان سے تسلیم ہم
دل اُٹھا بیٹھے ہیں ہونا ہو سو ہو

تاب و توان و صبرِ دلِ زار چل بسے
تھے اِس جہاں میں اپنے جو غمخوار چل بسے

لختِ جگر جو پلکوں پہ رہتے تھے ہر گھڑی
اِن پلٹنوں کے ہائے وہ سالار چل بسے

وہ جو قصے ہمیں سُنا کرتے تھے ہم طوفانِ نوح
سو وہ اک پل میں دکھایا دیدۂ غمناک نے

پھر تو اُس آشنا کُش کی ولا یا تو نہ جاتا ہے
مجھے اِس سادگی پہ تیری ناداں رحم آتا ہے

اسی منہ سے مسیحا اُسکا ردکش ہو گا منہ دیکھو
وہ اک ٹھوکر سے سو مردوں کو دم دم میں جلاتا ہے

آفت جاں کچھ نہ اک ابرو کی وہ شمشیر ہے
کج نگاہی بھی تو جیسے بازگشتی تیر ہے

ہاتھ سے اِن سیم بدنوں کے دِلا سیماب وار
کشتہ ہو جانا ہی حق میں تیرے اب اکسیر ہے

کھڑا ہو بات تو سن لی مری ٹک او میاں بانکے
پڑا لیجے کہاں تک پاؤں کہ اِس تیرے دربان کے

کیا ہے دیکھنے کو دِل نے اُس محبوب کے روزن
نہ بخیہ زخم کو سینہ کے اے جراح تو ٹانکے

حال اپنا کیا کہوں ہمدم کہ اُسکے ہجر میں
خون دل پیتے رہے اور روبرو غم کھاتے رہے

ملگیا تھا رات تو خلوت میں وہ تنہا پر آہ
کچھ تو شرمایا وہ اور کچھ ہم بھی شرماتے رہے

کچھ تو اُس شوخ نے دلمیں لیا ہو جان مجھے
اسقدر جان کے ہوتا ہے جو انجان مجھے

اگر وہ وحشی رم خوردہ میرا رام ہو جاوے
تو پھر کیا اس دلِ بیتاب کو آرام ہو جاوے

جو وقت نزع ہی اے تسلیم وہ خود کام آ جاوے
تو اس ناکام کا پھر اک نگہ میں کام ہو جاوے

تسلیم

تسلیم۔ حاتم خاں قوم سے افغان اور رامپور رہیل کھنڈ کے رؤسا میں سے تھے علی بخش خاں کی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور خوش کلام سخن ور تھے قبل از غدر حیات تھے۔ یہ چند شعر ان کے ہیں۔

شباب گیسوئے مشکیں کے عشق میں گذرا
پھرا کیا میں خطا میں تمام شب بہکا

کچھ اِسکے حق میں بلا ہونگے وہ لبِ میگوں
یہ بات کیا ہے کہ تسلیم بے سبب بہکا

پہلے اسے غنچۂ گل منہ تو ذرا بنوا لے
کیجیو پھر دہن یار سے نسبت پیدا

کہربا کا ہے کو اِس طرح سے تنکے چنتا
تیرے دیوانے کی کرتا جو نہ رنگت پیدا

تسلیم

تسلیم۔ مولانا ابو البیان محمد سلیم الدین احمد نارنولی مصنف حدیقۃ المذہب جو مطبع یوسفی الور میں ۱۳۰۵ ہجری میں چھپی ہے۔ نہایت طباع اور ذہین شخص تھے۔ استعداد علمی عالمانہ تھی۔ مسدس حالی کے جواب میں ایک مسدس بھی لکھا ہے۔ ریاست ہائے الور اور جے پور میں تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ دریغا حسرتا۔ سے ہے فاضل اہل عصر
۱۳۱۲ ۱۸۹۴ع

یہ دونو تاریخیں آپکی وفات کی ہیں۔ ۶۰ برس کی عمر میں بمقام نارنول انتقال کیا۔

مرا ایمان اسے کافر تری نازک ادا لی پر ۔۔۔ کہ تقوی کھودیا تسلیم سے مرد مسلماں کا
دیکھا ہو جسنے وصل وہی جانے ہجر کو ۔۔۔ اپنی تو ساری عمر کٹی انتظار میں
انھیں سرگراں مجکو شاکی رکھا ۔۔۔ برا ہو تمنائے دشوار کا

از مسدس

اجابت کو پہنچیں یہ دونوں دعائیں ۔۔۔ ہوئیں گرچہ اور ہو رہی ہیں خطائیں
بلائیں یہ امت پہ آئیں نہ آئیں ۔۔۔ نہ بدلیں نہ بدلیں گی شرعی بنائیں

قیامت کے ڈھب میں غضب کے فسوں ہیں
مگر اہل امت وہی جوں کے توں ہیں

گر ایسا نہ ہوتا ازل میں مقدر ۔۔۔ کہ ڈوبے گی امت گناہوں میں اکثر
تو ہرگز دعا یوں نہ کرتے پیمبر ۔۔۔ ہر اک بات کا اک محل ہے مقرر

اسی کے لئے عافیت کی دعا ہے
جسے کوئی بیمار ہے جانگزا ہے

سو یہ حالت اب اہل اسلام کی ہے ۔۔۔ مسلمانی ان میں فقط نام کی ہے
نہ رغبت شریعت کے احکام کی ہے ۔۔۔ نہ کچھ فکر آغاز و انجام کی ہے

نہ شرم نبی ہے نہ خوف خدا ہے
غم نفس ہے اتباع ہوا ہے

تسلیم

تسلیم۔ سخنور دہلی مرحوم منشی انوارحسین تسلیم سہسوانی خلف منشی اقتشام الدین مدت مدید تک منشی نول کشور کے مطبع سے متوسل رہے شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد رشید تھے۔ آپ فن سخن میں مشاہیر سے تھے۔ تاریخ گوئی میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ ان کی مثال کم نظر آتی ہے۔ چنانچہ انواع و اقسام کی صنائع و بدائع سے آپکی تاریخیں مملو ہوتی تھیں۔ ان کے شاگردوں میں راجہ کشن کمار وقار رئیس سہسوار بلا ری بڑے خوش کلام ہیں۔

حضرت تسلیم کی عزیز زندگی کا بڑا حصّہ اُنھیں کی سرکار میں گذرا۔ اُنکی تصنیف سے ذیل تاریخ مثنوی سعدین المخلص تسلیم۔ چھپکر شایع ہو چکی ہیں اور راقم کے کتب خانہ میں موجود ہیں مگر ابھی دیوان شایع نہیں ہوا ہے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ عاشقانہ اور تشبیہ دونو طرزیں ملی جلی ہیں سادگی اور صفائی بھی موجود ہے۔ اِن کے پختہ مشق اور مشاق سخنور ہونے میں کسکو کلام ہوسکتا ہے۔ فارسی بھی کہتے تھے۔ تاج المدائح فن صنائع و بدایع میں فارسی زبان میں مدح نواب کلب علیخاں بہادر والئے رامپور میں اور مثنوی تاج الکلام مدح نواب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال میں لکھی ہیں۔ ۶و۷ سال ہوئے عالم ضعیفی میں انتقال کیا۔ ۲۱۔ رجب سنہ ۱۲۳۴ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۲ شوال سنہ ۱۳۲۹ہجری روز دوشنبہ کو وفات پائی خورشید علی انکا تاریخی نام ہے۔ افسوس باوجود انتہا درجہ کی کوشش کے صرف اسی قدر کلام ملا ملاحظہ ہو۔

ہے مومیا شکستہ دلوں کو شکستِ زلف
مشکل کشائے جوشِ جنوں بند و بستِ زلف

ایک ایک حلقہ بنتا ہے حلقہ کمند کا
ہے فتح کا نشان سراسر شکستِ زلف

تسلیم کیئے یارسے اندھیر ہے یہ کیا
عشقت سپہر و کیسرہ ما را بدستِ زلف

نکتہ داں ہوں کیوں کہوں اُسکا دہاں ملتا نہیں
نقطۂ نونِ دہن سے کیا نشاں ملتا نہیں

آفتابِ اوجِ شہرت بن نہیں سکتا ہے حُسن
جب تک اسکو کوئی رسوائے جہاں ملتا نہیں

گھل گیا اپنا بدن غم میں ترے اے شعلہ رو
مثلِ شمع سوختہ اک استخواں ملتا نہیں

پھیر دی جھاڑو یہ کیسی ہائے میرے باغ میں
آنکھ پر رکھنے کو تنکا اے خزاں ملتا نہیں

میرا فریادی سوال اور اُنکا شاکی ہے جواب
بے دہن دلبر سا مجھ سا بے زباں ملتا نہیں

رنگ جمنے کا نہیں تسلیم اس گلزار میں
ہمصفیروں سے میرا طرز بیاں ملتا نہیں

مانند ابر اشک سے دامن بھگوئیں کیوں
اک بوند آبرو ہے اُسے ہم ڈبوئیں کیوں

یہ عشق نے کیا ناتواں مجھے
ہے رشتۂ حیات بھی بارِ گراں مجھے

بوسے کا نام سنکے چباتا ہے اپنے ہونٹ
میرا یہ منہ کہ وصل کی دے وہ زباں مجھے

دیکھا جو اُس نے تختۂ نرگس میں آئینہ
لاکھ آنکھوں میں دکھائی دیں دو پتلیاں مجھے

یہ پھیکے عذر ہے تہ کرو اُٹھو چلو بیٹھو
اپنی سلامتی ہے تو سو دوستاں مجھے

داغِ فراقِ یار کے سر پر ہے قدم
مدت کے بعد ایک ملا میہماں مجھے

میرے وضو کو لاؤ شرابِ دو آتشہ
کرنی ہے آج بیعتِ پیرِ مغاں مجھے

سچ ہے مثل بھلائیگا بدلہ برائی سے
میں دوں دعائیں دیتے ہو تم گالیاں مجھے

کرتے ہیں یاد وہ کہ اجل نے کیا ہے یاد
آتی ہے آج ہچکیوں پر ہچکیاں مجھے

ہر معرکہ میں کھلتے ہیں جوہر کساں کے
مانندِ تیغ تیز ملی ہے زباں مجھے

حال یہ اُن کی انجمن میں ہے
ہر سخن معرضِ سخن میں ہے

درج نئی تازہ اوپچ وہ مری فریاد کی ہے
باغباں لوٹا ہے حالت بری صیاد کی ہے

شانِ محبوبی کی دشمن ہے رکھائی آپکی
دیکھو دیکھو چھوٹی ہوتی ہے بڑائی آپکی

باج لے تارِ نظر سے اور رگِ جاں سے خراج
آپ کی پتلی کمر نازک کلائی آپکی

ننگے ہوجاتے ہو بزمِ غیر میں پی کر شراب
خوب کھل کھیلی ہے اب تو پارسائی آپکی

یاد رکھو میں بھی اپنے نام کا تسلیم ہوں
گڑگڑا کر ہوگی منت کش رکھائی آپکی

تسلیم

تسلیم۔ لالہ دیبی پرشاد تسلیم فرخ آبادی ابن لالہ مادھو رام جوہر شاگرد سید اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی۔ قوم کے ویش اور بڑے نامی گرامی ساہوکار تھے۔ غدر کے بعد تک حیات تھے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی
اچھا یہ مرض ہے کہ دوا ہو نہیں سکتی

فریاد سے کیا فائدہ ہنگامِ مصیبت
کچھ آہ ضعیفی میں عصا ہو نہیں سکتی

تیرِ نگہِ یار سے کیوں دل کو بچائے
تسلیم سے ہرگز یہ خطا ہو نہیں سکتی

تسلیم

تسلیم۔ سخنور بہپایۂ قدسی و کلیم منشی امیر اللہ صاحب تسلیم خلف مولوی عبدالصمد مرحوم

اصل وطن فیض آباد ہے ۔ پہلے مدتوں لکھنؤ رہے اب عرصہ دراز سے متوسل سرکار رامپور ہیں مرزا اصغر علی خاں مرحوم نسیم دہلوی کے شاگرد رشید بلکہ فدائی ہیں۔ مدت ہوئی کہ آپ کا پہلا دیوان موسوم بہ نظم ارجمند چھپا تھا اس کے بعد دو دیوان اور مرتب کیے ہیں۔ مثنوی نالۂ تسلیم و دل و جان و صبح خنداں ان کی تصانیف سے مشتہر ہو چکی ہیں اس وقت نوے برس کے قریب عمر ہے۔ متاخرین شعرا میں آپ ہی جیسے دو ایک دم باقی رہ گئے ہیں سن ولادت کے بارہ میں آپ ارقام فرماتے ہیں کہ جس سال غازی الدین حیدر مسند نشین ہوئے ہیں پیدا ہوا اس حساب سے سنہ ۱۸۲۳ء سال ولادت سمجھنا چاہیے۔ نواب کلب علیخاں بہادر کی زندگی تک بہ آسایش بسر کی اس وقت تمام مشاہیر شعرائے ہند کا مجمع رامپور میں تھا اور باہم ایک دوسرے کو خوش نوایان سخن کے ساتھ زمزمہ سنجی کا لطف آتا تھا۔ آپ کے مسلم الثبوت استاد اور موجودہ شعرا میں نہایت بلند پایہ اور عالی رتبہ ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

راقم تذکرہ پر کمال عنایت فرماتے ہیں۔ اپنا دوسرا دیوان بھی عنایت کیا تھا۔ آپ کے شاگرد رامپور اور لکھنؤ میں بکثرت موجود ہیں جنھیں فی زماننا فضل الحسن حسرت موہانی و عرش مشہور ہیں۔ کلام کے متعلق خود دیوان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں "ہنوز نظر ثانی کی نوبت نہ آئی تھی اطمینان خاطر نے صورت نہ دکھائی تھی۔ دیوان مجزا تھا مجلد نہوا تھا کہ احباب دیکھنے کے واسطے لے جانے لگے۔ جزو نظم کا اٹھانے لگے جب مجھکو واپس دیے گئے تو میں نے صندوق میں رکھدیا۔ پھر مدت تک نہ دیکھا جب صاحبان مطبع نے واسطے طبع کے طلب فرمایا تب خیال آیا کہ ایک نظر دیکھ کر اطمینان دل حاصل کروں نقصانات کو نکالکر کامل کردوں۔ دیکھا تو جابجا سے ابتر پایا اکثر کمتر پایا۔ نہ معلوم یاروں کی بے پروائی سے تلف ہوا یا اپنا دیوان ناقص کامل کرنے کی غرض سے کلام چرالیا۔

ناچار پھر باقی ماندہ کو ردیف وار لکھا از سر نو رطب و یابس پھر ایک جگہ جمع کیا" اس

دوسرے دیوان کا نام آپنے نظم دل افروز رکھا ہے۔ کلام میں فصاحت بلاغت۔ متانت شوخی۔ کمال کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے۔ قوت متخیلہ و قوت ممیزہ دونو اعلیٰ درجہ کی زبردست عطا ہوئی ہیں۔ سر وقت طلب مضمون کو اس سادگی اور صفائی سے قلم بند فرماتے ہیں کہ اس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔

نہایت منکسر المزاج اور با وضع بزرگ ہیں۔ خوش نویسی میں بھی ید طولیٰ حاصل ہے ابتدا سے زمانہ میں یہی شغل رہتا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اسکے مشق جاری رہتی ہے۔ واقعی اس وقت آپکا دم مغتنمات روزگار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکے انفاس میں برکت دے۔ آپکا اصل وطن گو قصبہ بدیع السّرا عرف بدوسرائے مضافات دریاآباد میں ہے اور عمر شریف کا بہت سا حصّہ بھی لکھنؤ ہی میں بسر ہوا ہے مگر آپ کو اپنے اُستادِ والا نژاد حضرت نسیم دہلوی سے اسقدر عقیدت و ارادت ہے کہ ہمیشہ سے آپکی وضع بھی قدیم دہلی کے درباری لوگوں کی سی رہی اور دلّی کی تعریف بھی آپ ہمیشہ فرماتے رہتے ہیں چنانچہ آپکا قول ہے کہ "میں ہوں تسلیم شاگرد نسیم دہلوی ٭ مجکو طرز شاعران لکھنؤ سے کیا غرض" آپکے کلام کا رنگ بھی وہی ہے اور اکثر اوقات آپنے بالخصوص اہل دہلی کے رنگ میں غزلیں کہی ہیں اُستاد کو بھی آپکی شاگردی پر فخر تھا اور واجبی فخر تھا آپکے کلیات میں حضرت نسیم کی ایک تاریخ ہے جس سے اُستاد کا وہ اعلیٰ خیال صاف مترشح ہوتا ہے جو اپنے شاگرد کے متعلق اُنکے دل میں تھا تاریخ از نسیم دہلوی

چوں نظم نمود این فسانہ — تازہ گلبن زباغ تعلیم
گفتم نسیم سالِ تصنیف — قربان بجمال فکر تسلیم

کعبہ سے بتکدہ کو گیا بھی تو کیا ہوا — میں دیکھتا وہاں بھی تری شان ہی رہا
شانِ خدا جو دیکھ لی حُسن بتاں میں شیخ — اتنی سی بات میں میں گنہگار کیا ہوا
دم دیا ہے حرم و دیر میں کس کافر نے — کلمہ پڑھتے ہیں یہ سب گبر و مسلماں کس کا
جلوہ گر ہے کون کسکا کرتی ہے حسرت طواف — کعبۂ دل پر ہے عالم ہے بیت اللہ کا
شبنم گری تو سمجھے دیا آسماں نے غسل — خاک اُڑکے آپڑی تو ہمارا کفن ہوا
پھول سے ہر چرخ کا نظارا ہمیں کرنے نہ دیا — دامن دل گل اُمید سے بھرنے نہ دیا

ہٹ اُسکی رہ گئی یہ بڑی بات ہے مجھے
دل چیز کیا تھا ہاتھ سے اپنے گیا گیا

اب ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہو تم سوئے آسماں
بالیں پہ موت آگئی وقتِ دعا گیا

مایوس دادخواہِ ستم کیوں ہیں حشر میں
اللہ بھی بتوں کا طرفدار ہو گیا

کل سے گئے ہیں آج وہ آئینگے لیکن کیا کہوں
وہ ہی دن ہیں دلکو میں دل مجکو وہ پھر ہوگیا

کیونکر کہوں وہ فتنۂ محشر نہیں ملتا ؏
ملتا ہے مگر دل سے ستمگر نہیں ملتا

گیسو کی محبت میں سنبھلا ہی نہیں جاتا
اس پیچ سے کیا نکلوں نکلا ہی نہیں جاتا

دریائے محبت میں ڈوبا ہوں کچھ ایسا میں
ہرچند اُبھرتا ہوں اُبھرا ہی نہیں جاتا

دل ہوا زخمی جگر محروم پیکاں رہ گیا
ایک کا ارمان نکلا اک کا ارماں رہ گیا

پارسائی کیسی اے زاہد بتوں کے عشق میں
میں اسی کا شکر کرتا ہوں کہ ایماں رہ گیا

محتسب لذتِ مے سے نہیں واقف ورنہ
سر بازار لئے شیشہ و ساغر پھرتا

گلفشانی گریہ ہی سے شمع تربت کی مری
دیکھ لینا قبر پر پھولوں کا بستر ہوگیا

ہائے کیونکر نہ کروں میں گلہ محرومی کا
لاکھ ارمان تھے اور ایک بھی پورا نہوا

عمر بھر رشکِ عدو ساتھ تھا کہتا کیا حال
وہ ملا بھی کبھی تنہا تو میں تنہا نہ ہوا

پردۂ محمل تو اُٹھے دیدِ لیلےٰ کے لئے
ذرہ ذرہ چشمِ قیسِ ناتواں ہوجائیگا

شکر کر سرحلقۂ رنداں بادہ نوش ہے
اور کیا اے شیخ تو پیرِ مغاں ہوجائیگا

روز جانے سے یار بدظن تھا ؏
شوقِ دل دوستی کا دشمن تھا

شکر کرکے رہگئے زخمِ جگر
کہہ گئی قاتل زبانِ تیغ کیا

قطرۂ خوں بھی نہیں دل میں مرے
ہائے تر ہو گی زبانِ تیغ کیا

کچھ کہدو جھوٹ سچ کہ توقع بندھی رہے
توڑو نہ آسرا دلِ امیدوار کا ؏

قربان ہوگا اور کی بانکی ادا پہ کب
دل ہی نہیں رہا وہ ترے جاں نثار کا

تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو
کیا اعتبار وعدۂ بے اعتبار کا

ایسے خوش خوش چلے آتے ہیں حرم سے تسلیم
جیسے بت خانہ گئے تو خدا کا دیکھا

خاک ہونے سے خاک ہاتھ آیا
جب میں تیرا ہی نقش پا نہ ہوا

ہمنے کعبہ میں بھی نہ سجدہ کیا
جس جگہ تیرا نقش پا نہ ہوا

ق
برسوں لبیک خواں رہا تسلیم
حج کعبہ کبھی قضا نہ ہوا

پر خدا جانے بت پرستی میں
کیا مزا تھا کہ پارسا نہ ہوا

عیش و غم وادیِ غربت میں خدایا کیسا
دھوپ کیسی سرِ پر شور پہ سایہ کیسا

مرنے سے کیا ہمارے تمکو ملال ہوگا
وہ ہم نہیں پیارے جس کا ملال ہوگا

میں کیا کہوں تو تمکو پیارے ہیں کیوں ہوکے
مذہب میں کافروں کے یہ بھی حلال ہوگا

دل مرا تھا گر گیا گم ہو گیا جاتا رہا
غم تمھیں کاہے کا ہے جاتا رہا جاتا رہا

ڈھونڈھتا ہے روز و شب لیکر چراغ مہر و ماہ
کیا ترا اے آسمان پر جفا جاتا رہا

وعدہ جو کیا شام کو وقت سحر آئے
اس ماہ میں خورشید کا عالم نظر آیا

کیا خاک رکھا تھا دل پر شور نے باقی
جو اور جلانے نے مجھے داغ جگر آیا

اللہ رے ہمدردیِ یارانِ خرابات
خالی جو ہوا شیشۂ دل جام بھر آیا

جیتا ہوں نہیں جینے کی حسرت مجھے امید
مرجاؤں گا بالیں پہ مسیحا اگر آیا

آرام نہیں گردش ایام سے یکدم بھی
عالم مجھے فانوسِ خیالی نظر آیا

اے واعظ مسجد رہِ بتخانہ بتا دے
مستی میں نہیں ہوش کدھر تھا کدھر آیا

وہ کعبہ ولیکن جگہ صورت آئینہ تسلیم
حیرت کدۂ دہر میں جو کچھ نظر آیا

تسلیم بیاباں سے سوے خانہ پھروں کیا
کیا دل عاشق کی طرح میں بھی بھر آیا

خوب سمجھا ہوں کہ میرا ہی تماشا رہا لیل و نہار
رات بھر کرتے ہیں تو پیچھے ہیں دن بھر شمار

خوش ہیں سپیدی کفن کی اجلی آئی
سمجھا ہیں نہیں مرگ سے ساتھ گر بھی

گور میں تسلیم جس نے
اٹھ گیا پردۂ غفلت سمجھ کر

سزاوار ادب ہے کوئے قاتل ۱۳ اوڑانا خاک او بسمل سمجھ کر

وقتِ پیری سے اُڑی آخر ہوائے میکشی
شیخ بتخانہ میں جا بیٹھا مصلے چھوڑ کر

غنچہ بھی خاموش گل خنداں عنادل نعرہ زن
اُڑ گئی بادِ صبا اچھا شگوفہ چھوڑ کر

بوند بھر پانی کی بھی اُمید اپنے سے نہیں
دیکھ دریا چلدیا ساحل کو پیاسا چھوڑ کر

قسمت اپنی اپنی تن پڑا ہے بے کفن ابتک
جگہ دی آسماں نے خون کو قاتل کے دامن پر

میں عاشق ہوں بتوں کا کیا ملوں اب شیخ کعبہ سے
کہ بیعت کر چکا ہوں دیر میں دستِ برہمن پر

کون آیا تھا نہانے کو کہ جسکے ہجر میں
موجِ دریا سر پٹکتی ہے لبِ ساحل کے پاس

جتاتی ہے خموشی صورتِ شمع
کبھی دل کی نہیں آتی زباں تک

کیا خبر مجھکو خزاں کیا چیز ہے کیسی بہار
آنکھیں کھولیں ہیں اگر خانۂ صیاد میں

اور ہیں جنکو ہے شاگردی پر آتش کی تسلیم ناز
ہیں نسیمِ دہلوی کے کفش برداروں میں ہوں

تھک گئے ہم حسرتِ شوقِ شہادت کم نہیں
مجھسے دم لیلو اگر تیغِ ستم میں دم نہیں

وائے غفلت اب بھی امیدِ شفا یاروں کو ہے
دم دعائیں کر رہے ہیں اور مجھ میں دم نہیں

بیخودی کا ہو برا کیسے پشیماں آج ہیں
آپ آ کے آپ میں بدقسمتی سے ہم نہیں

سرسبز باغِ دہر میں اہلِ قلم نہیں
دیکھی ہری بھری کبھی شاخِ قلم نہیں

کیونکر کہوں کہ لطف بھی انکا ستم نہیں
کب آئے دیکھنے کو کہ جب مجھ میں دم نہیں

اسکی سحر اسکے زمانے میں شام ہے
فرقت کی شب بھی روزِ قیامت سے کم نہیں

کھنچتے ہیں آنکھ ملتے ہی دلہائے خلق کیوں
چارہ اگر نہیں ہے تمہاری نگاہ میں کچھ

واعظ خدا شناس نہ ہوگا تمام عمر
ابتک پڑا ہوا ہے حرام و حلال میں

وہ برق میں شوخی وہ لگاوٹ تھی ہوا میں
وہی شوخی ہے تو دیکھے تو ہے رنگ گھٹا میں

بستا ستم چرخ سے مشتاق ہے نکرنا
یہ بات تھی حسرت دلوں میں ہے یا رنگِ حنا میں

عقیدوں سے ہر دم لڑایا کرو آنکھیں
حسرت ہے ہر ابھی نگہ ہوش ربا میں

اللہ سے کہتا کہ حسینوں کو وفا دے
شکر کر شکر کہ میخانہ میں اے پیرِ مغاں
کون آنکھوں میں سمایا ہے کہ ہم کو ہر دم
صفتِ مردمکِ چشم ہیں گو خانہ نشیں
افسوس پڑ گئے ہیں کفِ پا میں آبلے
بھلائی کی آنکھوں سے جیب دیکھئے
قیامت کی ہے بیتابی سرشکِ چشم گریاں میں
وہ ہم طفلی سے میں ہوں آشنائے مرگ دوراں میں
بنی ہے یہ مرے دم پر کہیں پچھلے پہر آخر
نظر کر لے ستمگر ربط باہم اسکو کہتے ہیں
بھڑک اٹھی لگی دل کی ہجومِ اشکِ گریہ سے
شہیدانِ محبت کا نرالا سب سے کعبہ ہے
ہوا میں زندۂ جاوید ہو کر قتل اے قاتل
جھکا دو شرم سے عالم دکھا کر قدِ موزوں کا
چلو گھر خاک بھی ڈالو حنا کا خون ہوتا ہے
حسینوں سے بگڑنا اور دلکو داغ دیتا ہے
شہیدِ تیرِ قاتل ہوں مجھے کیوں غسل دیتے ہیں
بہت دیکھا سنا ہے ایک ہو تم دونوں عالم میں
نکل جاؤ نگا مثلِ نالۂ زنجیرِ زنداں سے
تہِ مدفن کھلی آنکھیں تو اس دنیا کو یہ سمجھے
ڈراتا کیوں ہے اے تسلیم واعظ مجکو دوزخ سے

تسلیم جو پاتا میں اثر اپنی دعا میں
ایک عالم کو ترا دستِ نگر دیکھتے ہیں
وہی صورت نظر آتی ہے جدھر دیکھتے ہیں
گھر میں بیٹھے ہوئے عالم کو نگر دیکھتے ہیں
آیا ہے بے وفا کبھی مجھ تک جو خواب میں
سوا اپنے کوئی بُرا ہی نہیں
کبھی پہلوئے مژگاں میں کبھی آغوشِ مژگاں میں
فلک نے مجکو پالا دامنِ شمشیرِ عریاں میں
اجل کو ڈھونڈھنے نکلا شبِ تاریک ہجراں میں
کہ پیکاں دل میں ہے دل ناز پرور ہے پیکاں میں
تماشا ہے مرا گھر جل رہا ہے چینِ یاراں میں
جھکائے سر ہیں محرابِ خمِ شمشیرِ عریاں میں
بجھی تھی کیا تری شمشیر موجِ آبِ حیواں میں
اٹھایا ہے بہت سروِ سہی نے سر گلستاں میں
کفِ افسوس ملتے ہو کھڑے گنجِ شہیداں میں
بہت روئی زلیخا بھیجکر یوسف کو زنداں میں
کہ میری جان نکلی ہے نہا کر آبِ پیکاں میں
نہ پریاں قاف میں ایسی نہ حوریں باغِ رضواں میں
چہرے بدلے مرا ہو گا تصورِ چشمِ وریاں میں
نظر آتی تھیں کچھ شکلیں ہمیں خوابِ پریشاں میں
مرا حصہ نہیں ہے کیا خدا کے فضل و احساں میں

لے چلے ہیں دشت سے کیوں اقربا سوئے وطن
اب تو مجکو وادیِ غربت بھی گھر سے کم نہیں

خاک عزت نہیں نوکر ہیں کریں کیا تسلیم
آٹھویں ساتویں دربار چلے جاتے ہیں

ہجومِ مستی ہی بیخودی ہے خمار جوشِ شباب میں ہوں
یہ دیکھنے کو کھلی ہیں آنکھیں وگرنہ بیہوش خواب میں ہوں

تماشے بحرِ جہاں کے دیکھوں فنا سے اتنی کہاں ہے فرصت
ہوا کی مانند کوئی دم گو اسیرِ قیدِ حباب میں ہوں

اتنی مدت گذری غربت میں کہ دل تک بھول کر
اب تو یارانِ وطن کی یاد بھی آتی نہیں

بادہ کش ہیں نہ کہونگا کبھی واعظ کو غلط
مے کا شیشہ وہ دھرا ہے تہِ منبر دیکھو

گردشِ بخت بہت دیکھ چکے اے تسلیم
چلکے میخانہ میں اب گردشِ ساغر دیکھو

دو پھول کے لیے بھی ترسا پڑے ہمیں
شمعِ سر مزار اگر گلفشاں نہ ہو

کرتے ہیں سجدے اس لیے دیر و حرم میں ہم
کیا جانیے وہ شوخ کہاں ہو کہاں نہ ہو

بلا سے وہ نہیں آتے ہیں یاد انکی تو آتی ہے
غنیمت جانتا ہوں میں شبِ تاریکِ ہجرانکو

لگا لی ہمنے یوں تسلیم حسرت وصلِ قاتل کی
لگایا ہے گلے سے تیغ کو سینے سے پیکاں کو

امانت جانکر اے داورِ محشر کلیجے سے
لگا رکھا ہے مینے آج تک قاتل کے پیکانکو

رلیں صبحِ وطن کی آرزوئیں خاک میں آکر
مبارکباد دے اے بیکسی شامِ غریباں کو

کعبے کا ارادہ کرکے نکلے تو ہیں گھر سے
آجائے وہ بت سامنے اس دم تو مزا ہو

طفلی سے جو بت شوخ ہو آفت کا بنا ہو
وہ فتنہ جوانی میں قیامت نہ کیا ہو

اب تمھیں کام مرے حالِ زبوں سے کیا ہے
جسطرح ہوتی ہے اوقات بسر ہونے دو

میرے ہر اشک سے عالم میں اک طوفان برپا ہے
طلسمِ تازہ ہے آغوش میں قطرہ کے دریا ہے

نہ پوچھو ماجرا داغِ جگر کا ہمنشیں مجھ سے
چراغِ طور ہے بے روغن و آتش کے جلتا ہے

نہ پوچھو کس پہ مرتا ہوں یہ منھ پھیر جو بیٹھے ہیں
انھیں پر جان جاتی ہے انھیں پر دم نکلتا ہے

وہ مجنوں ہوں کہ لطفِ وصل حاصل ہو جدائی میں / ہر اک تارِ نفس سے آتی بوئے زلفِ لیلیٰ ہے
شان اللہ کی تسلیم بھی بت خانے سے / آج کعبے کو چلے شیخ کے بہکانے سے
جی گیا ہجر میں اے مرگ ترے آنے سے / زندگانی نظر آئی مجھے مر جانے سے
نہ آئے تم پھری امید مجھ سے / سحر تک سے ٹلنے دیے کے لڑی ہے
میں شرم خاک کروں خرقۂ ریائی کی / کہ چھینٹ بھی نہیں زاہد میں پارسائی کی
ہزار بار رلائی ہے اور ہمیں سے شیخ / حرم میں بیٹھ کے لیتا ہے پارسائی کی
بخت برگشتہ سے اچھی بھی بری ہو جائے گی / دوستی جس سے کروں گا دشمنی ہو جائے گی
دیر کیا آنے میں ہے اے شورِ محشر آ کہیں / وہ گھڑی یارو کی تجھ سے دل لگی ہو جائیگی
دل ہے داغستاں ہزاروں داغ ہیں اے چارہ گر / ایک دو مٹنے سے ظالم کیا کمی ہو جائیگی
کیا جمالِ یار دیکھیں گے کہ موسیٰ کی طرح / دشمنِ نظارہ اپنی بیخودی ہو جائے گی
کہیں کیا دین و ایماں کیا ہے تسلیم سیہ رو کا / وہ اک عمرِ خراباتی ہے رندِ لاابالی ہے
اے جاں شبِ فراق کے صدمے نہ پوچھئے / یہ حال تھا کہ موت بھی بالیں سے ٹل گئی
دل چرا کر لے چلے ہو دیکھو یہ اچھا نہیں / منہ چھپاؤ لاکھ تم صورت ہے پہچانی ہوئی
اب آؤ یا نہ آؤ موت سے فقرہ نہیں چلتا / کہیں اے یار وقت آیا ہوا وعدوں سے ٹلتا ہے
لبوں تک آ کے پھر جاتی ہے جانِ منتظر میری / نہ وہ بے رحم آتا ہے نہ میرا دم نکلتا ہے
پیدا ہو سوزشِ دل کا کہ تنگ آیا جو سینے میں / دھواں بن کر خیالِ کاکلِ پرخم نکلتا ہے
یہ ترچھے ترے ناوک کا جب آتا ہے او قاتل / پئے تعظیم درد اٹھتا ہے تن سے دم نکلتا ہے
بدل جاتی ہے دو ساغر میں کیفیت طبیعت کی / فقیر آتا ہے میخانے سے بن کر جم نکلتا ہے
یارب نہ پڑے دل بتِ بدکیش کے پالے / یہ دوست نہ ہو دشمنِ کافر کے حوالے
آرام ہے معشوق کے ہاتھوں سے اذیت / گر داغ بھی دے چاہیے چھاتی سے لگا لے
سچا ہے اگر دعویٔ دل اے بتِ کافر / رکھ دیں اسے مسجد میں قسم کھا کے اٹھا لے

عزت یہ ملی برہنہ پائی سے جنوں میں
سر پر لئے پھرتے ہیں سب مجھے پاؤں کے چھالے

بے گور و کفن لاش غریبوں کی پڑی ہے
اے دامن صحرا اے جنوں تو ہی چھپالے

اُٹھکر مری بالیں سے وہ جاتے ہیں دم نزع
یا تو نہیں گھڑی بھر کوئی اللہ لگا لے

کیا رشک ہے کہتا نہیں اس سے دم رخصت
اللہ نگہبان ہو خالق کے حوالے

تسلیم کہیں وحشت نوردی کے شرف کو
ہیں تاج سر خار جنوں پاؤں کے چھالے

انتخاب قصیدہ در مدح نواب حامد علیخان صاحب والیٔ رام پور

فریدوں مرتبہ حامد علیخاں صاحبِ شوکت
کہ جس کا نقش پا ہے تاج فرق سنجر و قیصر

مجھے حیرت ہے دوں تشبیہ کس سے شان شوکت میں
نہ دارا شہ کا ہمرتبہ نہ ہمپایہ ہے اسکندر

بلندی پر جو آئے خاک اس کے اسپ جولاں کی
بنائے آسمان پیر کہکشاں و بدر کا اختر

نہیں ہیں نام کے بد کار بھی تقدیر سے بے غم
چھپا سختی میں معشوقوں کی ہے وزد حنا جا کر

مقابل اس شجاع دہر سے کیا فوج اعدا ہو
نکلتی ہے اجل بھی سایۂ شمشیر سے بچکر

برش دکھلائے دشمن کو اگر تیغ دو پیکر کی
نظر آئے نہ سر تن پر نہ سر پر آہنی مغفر

دم بخشش جو دیکھے در فشانی دست ہمت کی
خجالت سے مگا پھر جائے پانی ابر نیساں پر

گرائے اپنی نظروں سے جو اسکی ہمت والا
برنگ قطرۂ شبنم بنے بے آبرو گوہر

یہانتک عہد میں اسکے ستمگر مہر پیشہ ہیں
کہ شیر گرسنہ جیتا ہے غم روباہ کا کھا کر

چمن میں بھی پڑھا جاتا ہے خطبہ اسکی عظمت کا
خطیب خوش بیاں بلبل ہر شاخ نخل گل ممبر

تسلیم ـ جناب منشی رام سہائے صاحب تسلیم سابق ڈپٹی کلکٹر ضلع علی گڈھ ارشد تلامذہ مرزا حاتم علی بیگ مہر مغفور شاگرد رشید شیخ ناسخ مرحوم ان کے دو دیوان مسمی غنچۂ عمر ادو نغمۂ آرزو نظر سے گذرے ـ شعر اچھا کہتے تھے ـ زبان میں صفائی ـ بیان میں رنگینی اور طبیعت میں مشاقی پائی جاتی تھی ـ ۶۵ برس کے قریب اب آپ کا سن ہے

انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

آپس میں جھگڑتے ہیں عبث شیخ و برہمن
کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بتخانہ کسی کا

ڈھونڈے انسان تو وہ ہر خانہ و دل میں موجود
کعبہ کیسا مرے نزدیک کلیسا کیسا

وہ عندلیب ہوں گلشن سے جب بہار گئی
زمانہ آیا قفس سے مری رہائی کا

جوشِ وحشت میں یہ کچھ خاک اڑائی تسلیم
باد صرصر کے سر دوش پہ صحرا دیکھا

غم میں نہیں کھاتا ہوں تو خوشدل نہیں ہوتا
بے رنج مزا عیش کا حاصل نہیں ہوتا

کیوں نہ وحشت ہو نہوں کیونکر ہرے داغ جگر
موسمِ گل آگیا سرسبز گلشن ہو گیا

ہر روز تو میں یہ نہیں کہتا کہ آئیے
فرصت نہیں ہے آپکی بھی گاہ گاہ کیا

کسی نے سرو قدوں سے کہیں بھی پھل پایا
لگا کے دل کوئی تم سے نہال کیا ہو گا

طالبِ حق نہیں پابند کبھی مذہب کے
شیخ سمجھے جسے تسلیم برہمن نکلا

رہے گی حضرتِ واعظ کی آبرو کب تک
چھپے رہیں گے بغل میں خم و سبو کب تک

ہاتھ رکھکر مرے سینہ پہ وہ فرماتے ہیں
سچ بتا دے ہمیں اب درد جگر ہے کہ نہیں

گریۂ عاشقِ ناشاد پہ ہنس دیتے ہو
اے بتو کچھ تمھیں اللہ کا ڈر ہے کہ نہیں

یکساں ہوا نہیں چمنِ دہر کی کبھی
کچھ دن بہار کے ہیں تو کچھ دن خزاں کے ہیں

کیا کریں تم سے شکوۂ بیداد
اپنا یہ شیوہ یہ شعار نہیں

طور و موسیٰ کی حقیقت نہیں کس پر روشن
جلوۂ یار سے رہتے ہیں بجا ہوش کہیں

کوچہ تمہارا گنجِ شہیداں سے بڑھ گیا
بسمل تڑپ رہے ہیں کہیں نیم جاں کہیں

بیدادگر سے دل طلبِ داد کیا کرے
حاکم نہ داد رس ہو تو فریاد کیا کرے

اس آسماں نے خاک میں ہمکو ملا دیا
اب اور دیکھئے ستم ایجاد کیا کرے

کب نظر آئیگا شوخِ ماہ سیما دیکھئے
کب مرے طالع کا چمکے گا ستارا دیکھئے

نہ تو آئی خبر نہ یار آئے
کس طرح دل کو پھر قرار آئے

جوشِ گریہ نہیں ممکن دلِ مضطر رو کے
برق کیا بارشِ باراں کو تڑپ کر روکے

کیوں عبث گریہ و زاری میں ہے مصروف اے دل
کون دھو سکتا ہے تحریرِ مقدر رو کے

بحث اے ابر نہ کر ہم سے اگر ہم چاہیں
تو بہا دیں ابھی آنکھوں سے سمندر رو کے

اُٹھتے ہیں غضب شعلے مرے داغِ جگر سے
کیا کیجیے تدبیر لگی آگ جو گھر سے

گورِ تیرہ میں رہا تنہا نہ میں مرنے کے بعد
دفن میرے ساتھ میری دل کی حسرت ہو گئی

ایسے ہم عشق میں ہیں محو خبر یہ بھی نہیں
عیش کہتے ہیں کسے اور مصیبت کیا ہے

یہ وہ دولت ہے گدا کو بھی شہنشاہ کر دے
ہم سے پوچھے کوئی تسلیم قناعت کیا ہے

حالِ دل سن کے مرا کہتے ہیں کس ناز سے وہ
اپنی عادت ہے کہ جو ذکر سنا بھول گئے

تسلیم

تسلیم۔ جناب منشی بالگوبند صاحب تسلیم۔ ممبر میونسپل بورڈ و سرکٹ بورڈ اناؤ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ چند اشعار پیشِ کشِ ناظرین ہیں

خطا میری سراسر ہے نہیں تیری خطا مطلق
نہ دیتا دل اگر تجھکو تو بربادی کیا کرتا

محبت میں تری اُس نے نہ کیا کیا سختیاں جھیلیں
نہ دیتا جان اے شیریں تو پھر فرہاد کیا کرتا

مثالِ نقشِ پا جب تھا فرطِ ناتوانی سے
مرے پاؤں میں بیڑی ڈال کر حداد کیا کرتا

تسلیم

تسلیم۔ منشی تسلیم حسین کیرت پور کے رہنے والے مرزا داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد اور موزوں طبع شاعر ہیں۔ کلام سے ظاہر ہے کہ ابھی شاعری کی ابتدا ہے اگر مشق جاری رہی تو خاصا کہنے لگیں گے۔ کچھ اشعار انتخاباً درج ذیل ہیں۔

لاکھ تدبیر کرے کوئی تو کیا ہوتا ہے
غیر ممکن ہے ترا وصل میسر ہوتا

گردشِ چرخِ ستمگر کا عبث ہے شکوہ
تیری قسمت میں دلِ زار ہے مضطر ہونا

ہائے کہنا وہ کسی کا دمِ رخصت مجھ سے
کہے دیتا ہوں جدائی میں نہ مضطر ہونا

رنج و غم سہتے سہتے ہائے ستم
ہو گیا دل ہمارا پتھر کا

رہے آباد میکدہ واعظ
ذکر کر تو نہ حوضِ کوثر کا

دکھاؤں کیا تجھے کیا فائدہ کچھ ہو نہیں سکتا
نہیں ہے چارہ اگر زخم جگر تدبیر کے قابل

نہ وہ آنا نہ وہ جانا نہ وہ رسم الفت
نہ تمھاری وہ محبت کی نظر دیکھتے ہیں

نہ وہ شوخی نہ شرارت نہ ادائیں پہلی
کچھ عجب طور نئی شام و سحر رکھتے ہیں

تسنیم

تسنیم ۔ منشی محی الدین حسین خاں تسنیم ۔ نواب سپہدار جنگ بہادر رئیس مدراس کے خویش نواب کرناٹک سے قرابت دار اور مولانا کوثر خیرآبادی کے شاگرد رشید ہیں ۔ ان کے بزرگ مدراس کے قدیم شرفا میں تھے اب یہ عرصے سے دکن میں سکونت پذیر اور وہاں کے کالج میں پروفیسری کے عہدے پر ممتاز ہیں شعر اچھا کہتے ہیں ۔ مذاق صحیح اور عمدہ مضمون کی طرف خیال کی رسائی ہے کلام میں بات پیدا ہوتی ہے زبان صاف اور بندش چست ہے سنا ہے کہ جناب فصاحت سے بھی مشورہ لیا ہے سن شریف ۴۵ برس کے قریب ہے سرکار نظام سے کچھ منصب بھی پاتے ہیں مشاق اور زود گو ہیں ۔ زندہ دل خوش مزاج ۔ خوش خلق آدمی ہیں ۔ ترتیب تذکرہ جلد دوم کے زمانہ میں جو کلام انھوں نے ارسال کیا تھا اسکا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

دیدۂ اشکبار کیا کہنا
ابر ہے شرمسار کیا کہنا

تیر تیری نگاہ اے ظالم
ہو گیا دل کے پار کیا کہنا

گھٹ گھٹ کے اسیران قفس کیوں نہ فنا ہوں
رستہ نہیں رکھتا قفس تنگ ہوا کا

یوں موسم شباب ہمارا گذر گیا
گویا چڑھا ہوا کوئی دریا اتر گیا

ہمسر تھے رخ سے پھول کیا ذبح انکو کیوں
گلشن میں بلبلوں کا بھلا کیا قصور تھا

وہ آئینہ رو چھپ کے کہتا ہے کہو کچھ ہم
ایسا مجھے سکتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

اس آنکھ نے کیا عجب اعجاز بزم میں
ہر ایک جانتا ہے اشارہ ادھر ہوا

تیر کے پر چھپکیا اے ناوک فگن دل سے کے ہوا
زخم سوزاں قلب کے ٹھنڈے نہ ہو جائیں گے کیا

دور دنیا میں غم دونی کے کب نعمت کی امید
غم نہ کھائیں گے اگر اب ہم تو پھر کھائیں گے کیا

پہلو میں میرے دل کا ٹھہرنا محال ہے
حالت یہ ہے کہ آج گیا اور کل گیا

میدانِ حشر ہوئی کس کے خون کی پُرسش
ذرا سا ہو گیا چہرہ مرے ستمگر کا

چاند سی صورت کا دلبر جنکے پہلو میں رہے
پوچھئے اُن خوش نصیبوں سے مزا برسات کا

شکایت روح یوں کرتی ہے ہو کر غرقِ عصیاں میں
مجھے اے قالبِ خاکی نہ یوں برباد کرنا تھا

ملا کیا خوب ثمرہ گلشنِ جنت بنانے کا
تجھے دعوائے خدائی کا نہ اے شدّاد کرنا تھا

منہ چھپائے ہوئے میخانے سے جاتے ہیں وہ شیخ
میکشو ہیں یہ بڑے مرشدِ کامل لینا

پکار کر یہ تجلّی کسی سے کہتی ہے
جلا کے سرمہ جسے کوہِ طور ہم نے کیا

ہیں سمنے لیلےٰ کو بے وفا جو کہا
آپ کیوں ہوگئے خفا صاحب

زعفراں زار ہے یا آنکھوں میں سرسوں پھولی
کس لئے ہنستا ہے دیوانہ ترا آپ ہی آپ

بعد مرنے کے بھی صیاد کا یہ خوف رہا
روح گلزار میں بلبل کی چھپی بو ہو کر

دونوں کو بچاتا ہوں ترے تیرِ نظر سے
اک ہاتھ مرا دل پہ ہے اک ہاتھ جگر پر

بہت موج ہے دریائے الفت
الٰہی اس سے ہوں میں پار کیونکر

شبِ وصلت حجاب و شوق کا جھگڑا نہ طے ہوتا
نکرتی فیصلہ گر دخترِ رز درمیاں ہو کر

اگرچہ روشن ہیں ہزاروں قبرِ منعم پہ چراغ
فائدہ کیا گھر تو ہے تاریک ہیں باہر چراغ

شیشۂ ایک بوند لہو کی شہ آبلہ ہو
ہیں کیا بتاؤں تمکو مری جان کیا ہے دل

طلب کرتے ہی فوراً دے دیا دل
یہ میرا حوصلہ ہے یہ مرا دل

چرایا کس نے کس کا نام لوں میں
میرے پہلو میں پاتے آپ یا دل

گناہگار ہوں عاصی ہوں شرمسار ہوں میں
ترے کرم کا الٰہی امیدوار ہوں میں

مجھے رسوا کرینگے گرد کیوں غمخوار بیٹھے ہیں
اِدھر دو چار بیٹھے ہیں اُدھر دو چار بیٹھے ہیں

اٹھیں گے تو دھواں بنکر اُٹھیں گے خاک سے اپنی
کہ ہم دھونی رمائے تیرے در پر یار بیٹھے ہیں

دو نور رخسار ماہ پارے ہیں
گورے گورے ہیں پیارے پیارے ہیں

جنوں کا ایسا اب تک جوش ہے فصلِ بہار میں
کہ پرزے پرزے خود جیب و گریباں ہو جاتے ہیں

ہوائے آہِ بلبل کسقدر ہے تند و تیز اے دل
سب اوراقِ گلِ گلشن پریشاں ہو جاتے ہیں

قیامت میں جو لپٹی شوق میں دامن سے قاتل کے
اُسے یہ بدگمانی ہے کہ ہم فریاد کرتے ہیں

ہر جگہ عشق دکھاتا ہے نیا رنگ اپنا
سر میں درد آنکھ میں آنسو ہے تمنا دل میں

نچوڑوں میں تو اک عالم ہو سیراب
لڑائے ابر تر دامن سے دامن

ترے تیرِ نگہ کو اے ستمگر تو
کلیجے سے لگایا چاہتا ہوں تو

بہت پُر درد ہے میری کہانی
تجھے ظالم سُنایا چاہتا ہوں

تمنا اپنے ملنے کی تم اُنکے دل میں رہنے دو
یونہی غیروں کو برسوں سعی لاحاصل میں رہنے دو

نہ یہ کچھ سُننے والی ہے نہ یہ کچھ کہنے والی ہے
کروں تصویر سے باتیں تو کوئی بدگماں کیوں ہو

وہ ہنس ہنس کر مجھی سے پوچھتے ہیں
ہمارے چاہنے والے تمہیں ہو

اگر کرے حاصل ضیا روئے دلبر آئینہ
حُسن کی اقلیم کو کر لے مسخر آئینہ

ہاتھ سے رکھتا نہیں وہ شوخ دم بھر آئینہ
مجھ میں اسمیں بن گیا سدِ سکندر آئینہ

کب چھپائے سے بھلا چھپتی ہے صورت عشق کی
دیدۂ تر آئینہ ہے دامن تر آئینہ

سحرِ حیرت چل گیا دونو پہ یکساں حُسن کا
وہ ہیں آئینہ سے ششدر اُن سے ششدر آئینہ

جنابِ شیخ ہیں یا حضرتِ زاہد ہیں یا رندو
چھپائے مُنہ چلا آتا ہے کوئی سوئے میخانہ

پرستش گاہ دونوں ہیں نہیں کچھ فرق دونوں میں
جو بتخانہ ہے وہ کعبہ جو کعبہ ہے وہ بتخانہ

دلِ مضطرب جگر کے جگر دل کے سامنے
بسمل تڑپ رہا ہے یہ بسمل کے سامنے

بیٹھایا وہیں دردِ دل سنتے ہمیں تو
جو ہم تیری محفل سے اُٹھکر چلے

میں سخت جاں ہوں وہ سنگِ دل ہے کسی طرف سے کمی نہ ہوگی
چھری سے رگ رگ کٹے وہ لاکھ دیگا پہ قطع شہ رگ مری نہ ہوگی

شبِ وصل اُنکی شرم اور میری حیرت اک تماشہ تھی
اودھر تھا بے خبر میں بھی اُدھر تھے سرنگوں وہ بھی

بلا سے دل مگر میری طرح وقف جنوں ہو بھی
بلا سے سر مگر سنگ ستم سے غرق خوں ہو بھی

ہجر کی شب خوف سے ایمان نکلنے کے لئے
جان میری جسم میں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

تو کہا کرتا تھا اکثر ایک بھی ڈرتا نہیں ہو
تیرے در پر دیکھ یہ کس کی ہے لاش آئی ہوئی

مئے گلفام ہیں ہم تو تجھے کیا زاہد
ہمنے مانا کہ گنہگار ہیں کس کے اسکے

وہم یہ ہے کہ نہ ٹھوکر سے کہیں جی اٹھے
لاش کرتا نہیں پامال ستمگار مری

ہے خوشی کی طرح غم بھی بے ثبات
کرلے یوں دل شاد کیوں کیسی کہی ہو

عالم وحدت میں ہم گمنام تھے
باعث شہرت یہ کثرت ہو گئی ہو

خلوت یار میں بیگانے کا آنا کیسا
سر دھنا شمع نے جس وقت ہوا بھی آئی

کیا قتل اور چھپے میرے ہی دل میں
غضب کا ڈر قیامت کے نڈر بھی

میں کب سے سینچتا ہوں نخل امید
کبھی یارب یہ ہوگا بارور بھی ہو

وہ میری محنت جانی ذبح کے وقت
کسی کا تھک کے یہ کہنا کہ مر بھی

سات پردوں میں وہ رہتے ہیں مگر وادرشوق
بند آنکھوں سے کیا انکا نظارا ہمنے

خون سے میرے سرخ ہے دامن
جلد دھلوائیے خدا کے لئے

زلف الجھی تو آپ بھی الجھے ہو
بال سلجھائیے خدا کے لئے

قتل کرکے مجھے قاتل ہی ٹپکے نہیں اشک
چشم جوہر سے لہو رونے لگا خنجر بھی

عاصیوں کو دیکھکر کہتے ہیں زاہد حشر میں
جوش پر ہے ابر رحمت دیکھئے کیسی بنے

تشفیؔ

تشفی ۔ منشی محمد چاند صاحب حیدرآبادی شاگرد سید منتخب الدین تجلی زمانۂ حال کے نومشق کہنے والوں میں ہیں ۔ یہ کلام کا رنگ ہے ۔

منتظر ہے خنجر زبادہ کش بے چین ہیں
شیخ جی چلئے در میخانہ کب سے باز ہے

مجھ سے کہتے ہیں اشارہ کرکے دشمن کی طرف
میرا عاشق گر کوئی ہے تو یہی جانباز ہے

کہتے ہیں وہ سچ کہو تمکو مرے سر کی قسم
ہم سے جو پوشیدہ ہوا ایسا بھی کوئی راز ہے

تشنہ

تشنہ - منشی محمد علی نام باشندہ دہلی - پہلے اُستاد ذوق کے شاگرد تھے اِن کی وفات کے بعد حکیم آغا جان عیش سے مشورہ لیتے رہے - بڑے خوش فکر وارفتہ مزاج درویش وضع شخص تھے - کبھی لباس زیبِ بدن کرتے کبھی عریانی کو اپنا لباس بے تکلف قرار دیتے اِنکا ذہن بہت رسا تھا اور حافظہ اِس بلا کا تھا کہ صدہا غزلیں نوکِ زبان تھیں گویا آپ مجسم اپنا دیوان تھے - اپنے سوا اور لوگوں کا کلام بھی بہت یاد تھا شراب بکثرت پیتے تھے اور اکثر اُسکے نشہ میں بدمست و مخمور رہا کرتے تھے ۱۲۸۲ھ سے دو سال تک میرٹھ - سہارنپور ٹپیالہ - امرتسر - لاہور - ملتان کی سیر کی - پھر ۱۲۸۴ھ میں دلّی چلے گئے - دیوان ذوق کے بارے میں انکا بیان تھا کہ متفرق مطلعوں میں کئی مطلع شاہ نصیر اور کئی مطلع معروف اور تحریر وغیرہ کے لکھے گئے ہیں ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی - اِن کی تاریخ وفات اِس جملہ سے - "وا تشنہ شرابِ ابد کا" نکلتی ہے - بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ پورب میں انتقال کیا - مگر حضرتِ ظہیر مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ الور میں وفات پائی - سنا ہے کہ اِن میں یہ بڑا عیب تھا کہ اپنے ہمعصروں کا کلام بے تکلف اپنے نام سے پڑھ دیتے تھے - چنانچہ اپنے اُستاد بھائی حضرت داغ کے کلام پر بہت ہاتھ صاف کیا جیسا کہ اِن کے مندرجہ کلام سے معلوم ہوگا - بہرحال ان کے مشاق سخن سنج ہونے میں کسی کو کلام نہیں - شعر بہت اچھا کہتے تھے - روزمرّہ زبان پر اچھا عبور تھا - اِن کی غزلیں اِن کی حیات میں بھی رائج ہو گئی تھیں اور اکثر اربابِ طرب کی زبانوں پر چڑھکر مجالس کی رونق دوبالا کرتی تھیں اِن کے کلام میں اکثر ایسے بلند پایہ اور عدیم النظیر اشعار پائے جاتے ہیں جس سے انکا رتبۂ اُستادی مسلّم ہوتا ہے - آپ حضرتِ داغ آذر ظہیر وغیرہ کے ہم مشق و ہم صحبت تھے انتخاب کلام ملاحظہ ہو -

ٹھنڈا چراغ ہوگیا پیری میں عمر کا	تھا رات بھر دیئے کا اُجالا سحر نہ تھا
جبتک کہ اُسکی زلفِ مسلسل کا تھا نہ دور	اندھیر تھا جہاں میں مگر اسقدر نہ تھا

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا
ملک الموت کو بھی غش مرے شامل آیا

کہدو پروانے سے اب نالۂ بلبل سیکھے
شمع گل ہوگئی جو وہ رونقِ محفل آیا

حوصلہ دیکھا ہمارے زخمِ دامن دار کا
لال منہ کر دیا قاتل تری تلوار کا

وہ تشنہ دہن ہوں کہ دمِ ذبح بھی میرا
آبِ دمِ خنجر سے گلو تر نہیں ہوتا

پھانسی گلے میں دی ہے تو دی تارِ زلف کی
میرے لئے نہ کر تو ستمگر رسن خراب

گر تشنہ چھوٹتا نہ ہمارا وطن تو پھر
اسطرح پھرتے کاہیکو ہم بے وطن خراب

کہا ہمنے کہ اے جانِ جہاں ہم تم پہ مرتے ہیں
تو فرمایا کہ مجھپر آپ کچھ احسان کرتے ہیں

کبھی یہ دل تماشا گاہِ صد عیش و مسرت تھا
اب اسمیں حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہیں

الٰہی خیر کچھ بدخبر سننے میں آتی ہے
جو آتا ہے وہ کہتا ہے تمہارا ذکر کرتے ہیں

جہاں میں ایک تو ہم ہیں کہ تنگ آئے ہیں جینے سے
اور ایک خضر و مسیحا ہیں کہ اس جینے پہ مرتے ہیں

الٰہی دیدہ و دل تو نہ ٹھہرے رہگذر ٹھہرے
کبھی حسرت گذرتی ہے کبھی ارماں گذرتے ہیں

طبیعت کی روانی ایک سی رہتی ہے یاں تشنہ
وہ دریا ہیں کہ جو چڑھتے ہیں پھر دم میں اترتے ہیں

کیا کہا پھر بھی کہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں
پھر یہ کیا ہے خمِ گیسو میں اگر کچھ بھی نہیں

جذبۂ دل سے کیا ہائے اثر کچھ بھی نہیں
ہم یہاں مرتے ہیں اور انکو خبر کچھ بھی نہیں

اک جفا تیری نہیں کچھ بھی مگر ہے سب کچھ
اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تمکو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

شمع بھی گل بھی ہے بلبل بھی ہے پروانہ بھی
رات کی رات یہ سب کچھ ہیں سحر کچھ بھی نہیں

حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

شمع مغرور نہو بزم فروزی پہ بہت
رات بھر کی یہ تجلی ہے سحر کچھ بھی نہیں

نیستی کی ہے مجھے کوچۂ ہستی میں تلاش
سیر کرتا ہوں ادھر کی کہ جدھر کچھ بھی نہیں

لامکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے
بیکسی میں تو ادھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں

ایک آنسو بھی اثر جب نہ کرے اے تشنہ
فائدہ رونے سے اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

کان سے کیجے پروے لگا دیجے ترے والان میں
گھر میں اپنے رہیے اور سنئے تری آواز کو

نہ دل زلفوں سے چھوٹا اور نہ تم زلفیں بنانے سے
یہ وہ جنجال ہے جس سے نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

نہ اترا مفلسی میں بھی نشہ دولت کا اے تشنہ
گدائی کو بھی ہم نکلے تو لیکر جام جم نکلے

تمھاری ہمکو خبر کیا کہ ایک مدت سے
یہ بے خبر ہیں کہ اپنی خبر نہیں رکھتے

نہوں وہ لب جو کھلیں شکوۂ جفا کے لئے
وہ ٹوٹیں ہاتھ جو اٹھیں کبھی دعا کے لئے

ہوئی تھی ایسی کہاں کی صفائی اُس بت سے
کہ آسماں نے عوض خاک میں ملا کے لئے

دو رخی گوٹ ہے رضائی کی
طرز ٹپکے ہے آشنائی کی

میری گردن بھی ہے اور تیغ بھی جلاد کی ہے
موت کی دیر ہے یا آپکے ارشاد کی ہے

سب میں ایک ایک صفت گلشن ایجاد کی ہے
قد بڑا سرو کا چوٹی بڑی شمشاد کی ہے

کون فریاد کرے کون دم الفت کا بھرے
آہ تاثیر سے خالی دل ناشاد کی ہے

آبرو رکھ لے خدا وقت شہادت اپنی
نیت قتل بری طرح سے جلاد کی ہے

دید گل ہوگی اسیری میں نصیب بلبل
منتظر فصل بہار آمد صیاد کی ہے

شعلہ رخسار کوئی اور ہے وہ جلوۂ نور
حور کے سامنے کیا اصل پریزاد کی ہے

شعر برجستہ ہوئے جس میں تو پھر اے تشنہ
طرح کیا خوب نکالی کسی استاد کی ہے

انتخاب از شہر آشوب

عجیب کوچہ رشک جنان تھا دہلی کا
خطاب خطۂ ہندوستاں تھا دہلی کا

دماغ برسر ہفت آسماں تھا دہلی کا
بہشت کہتے ہیں جسکو مکاں تھا دہلی کا

غضب ہے اُسکو کوئی شادماں نہ دیکھ سکا

زمیں نہ دیکھ سکی آسماں نہ دیکھ سکا

یہاں کی خاک میں کیفیت ابر باراں کی — یہاں کے آب میں تاثیر آب حیواں کی
یہاں کی بادِ بہاری ہوا زمستاں کی — یہاں کی آگ میں گرمی تھی شعلہ رویاں کی

ہر ایک شخص کے حق میں یہ شہر اچھا تھا
مریض عشق کے بھی واسطے مسیحا تھا

یہ لوگ کہنے لگے آگ اِس وطن کو لگے — نظر نہ ایسی الٰہی کسی چمن کو لگے
سُنائے اہلِ سخن صاحبِ سخن کو لگے — جو ایک تار بھی باقی ہو تو کفن کو لگے

تمام شہر تلنگوں نے آ کے لوٹ لیا
مثل ہے بھوکوں کو ننگوں نے آ کے لوٹ لیا

رہی نہ جنس محبت کی اب خریداری — جو یوسف آئیں تو تو بھی گرم بازاری
اُٹھائے کون حسینوں کی ناز برداری — لگائے دِل کوئی۔ جان کس کو ہے بھاری

بقول شخص عجب مُلکِ حُسن بستی ہے
کہ دل سی چیز یہاں کوڑیوں کو سستی ہے

کوئی کہے کہ تپِ غم کی بسکہ شدت ہے — چڑھا ہوا ہے بخار آجکل یہ نوبت ہے
تو یوں کہیں کہ ہمیں آپ ہی حرارت ہے — تم اپنا کام کرو جاؤ تم کو صحت ہے

مریض جا کے کرے کیا کہ طعن کرتے ہیں
طبیب اپنا مرض خود بیان کرتے ہیں

تشنہ ۔ حافظ محمد یوسف خاں۔ بلند شہر کے رہنے والے اور نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے قدیم شاگردوں میں سے تھے۔ ان کی ولادت ایک پٹھان سپاہی پیشہ گھرانے میں بمقام مالاگڑھ ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ سوداگری کرتے رہے پھر ایک برس کے قریب حضرت داغ کے پاس دکن میں قیام رہا۔ دیوان کئی برس ہوئے چھپا تھا۔ علم سے کچھ گو

کافی بہرہ نہ تھا مگر مشاق اچھے تھے اور شعر خاصا صاف کہتے تھے۔ آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ ان کے بیٹے ضمیر الدین ضمیر استاد ظہیر کے شاگرد ہیں سنہ ۱۹ء میں بعالم ضعیفی انتقال کیا۔ یہ آپکا کلام ہے۔

دلمیں ہے یہ پوچھوں اُس سے جا کر ۔ کیا تجھکو ملا مجھے ستا کر
اتنا نہ ستا کہ بہر دل زار ۔ فریاد کرے کسی سے جا کر
کہتے ہیں چل کہ تو ہی تو اک جاں نثار ہے ۔ تیرا ہی دل جہاں سے سوا بیقرار ہے
مصیبت میں دل ہی ہوا جب نہ اپنا ۔ کسی اور کا کیا بھروسہ کریں گے
ملو تو صورت آئینہ صاف ہو کے ملو ۔ مزہ نہیں ہے دلوں میں اگر غبار رہے
ہر چیز کو ہے نشو و نما تیرے کرم سے ۔ خالق ترے انعام بیاں ہونگے نہ ہم سے
دنیا میں مزہ زیست کا ہے یاد صنم سے ۔ اے ناصح ناداں نہ اُلجھا سمیں تو ہم سے
اسپر بھی تو تقدیر کا لکھا نہیں ملتا ۔ رگڑا ہی ہے جبیں ہمنے ترے نقش قدم سے
وعدہ پہ قسم سو چکے کھا، مرے آگے ۔ جھوٹے ٹھہر جاؤ کہیں جھوٹی قسم سے
اے تشنہ کہاں ذوق کہاں مومن و غالب ۔ اِس فن کا فقط نام ہے اب داغ کے دم سے

تشنہ۔ سید الطاف حسین تشنہ فریدآبادی۔ پہلے الطاف تخلص کرتے تھے۔ اب تشنہ تخلص کرتے ہیں۔

مرگ تشنہ پہ اک جہاں رویا ۔ اُسی ظالم کی چشم تر نہ ہوئی
عاشقوں کے جان و دل پر پھر قیامت آگئی ۔ پھر تمہاری چال سے فتنے بپا ہونے لگے
کیوں کسیکو منہ لگایا تھا مری جاں آپنے ۔ بوسہ لینے پر جو آپ اپنے خفا ہونے لگے
تشنۂ ناشاد پھرتے ہو جگر تھامے ہوئے ۔ پھر نہ کہنا ہم کسی پر کیوں فدا ہونے لگے

تشہیر۔ مرزا اسمعیل بیگ ساکن شاہجہان آباد۔ جوان نیک نہاد اور شریف زادے تھے حضرت مومن خاں کے شاگرد و رشید غلام مولیٰ قلق سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے چو صہ

ہوا انتقال کیا یہ چند شعران سے یادگار ہیں۔

مرے سینے کی آہ آتشیں بھی برق ہی گویا	کہ اک دم میں یہاں پھونکا تو اک پل میں ملک پہونچا
کیا خاک نشیمن کوئی گلشن میں بنائے	گل خوش ہیں اگر ہے تو صیاد غضب ہے
خوبان جہاں یاد رہے تمکو بھی یہ بات	تشہیر بھی کمبخت اک آزاد غضب ہے

تصدق — منشی تصدق حسین خاں ولد قاسم علیخاں باشندۂ لکھنؤ مولوی محمد بخش شہید کے شاگرد تھے۔

گویا ڈھلی ہیں نور کے سانچے میں اے قمر	ہیں شمع طور یا ہیں تمھاری کلائیاں
کہتے ہیں ناز سے یہ تصدق سے اپنے وہ	نازک ہیں شاخ گل سے ہماری کلائیاں

تصور — میر فضل علی صاحب غالباً نواح لکھنؤ کے باشندے تلمذ کی کیفیت معلوم نہیں کہ کس سے تھا۔ ایک غزل کے چند شعر حاضر ہیں۔

کھلا جو ڑا مہک پھیلی وہ زلف عنبریں نکلی	ہوئی خون ناف آہو میں یہ بو مشک چیں نکلی
اجل عاشق کے دم کیواسطے صورت بدلتی ہی	کہیں شیریں کسی جا لیلیٰ پردہ نشیں نکلی
نمک پاش جراحت ہیں سخن شیریں ادا تیرے	جو پوچھا پھر بھی آؤگے ہہم ہاں کہے نہیں نکلی
گراں سر تن کو تھا کاٹا گلا احسان ہے قاتل	دہان زخم خنداں سے صدائے آفریں نکلی

تصور — منشی سید احسان تصور۔ سادات زیدیہ مقیم بنکوڑا کے ایک شریف خاندان کی یادگار حیدر حسین خاں کے بیٹے اور حضرت جرات کے تلامذہ میں مشہور تھے۔ جناب شیفتہ نے انکا نام حیدر حسین لکھا ہے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت زندہ و سلامت موجود تھے ۱۲۴۸ھ تک زندہ تھے۔ فیلن صاحب نے اپنے تذکرہ میں انکا نام حیدر علی لکھا ہے معاملہ خوب کہتے تھے مہذب متین با علم نوجوان تھے ایک قلمی بیاض میں آپکا کچھ کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

ناصح تو کبھی بت سے تو جا آنکھ لڑا دیکھ	سن میری نصیحت یہ تک اسکا بھی مزا دیکھ

کیا اسکے تصور میں تری بن گئی صورت — لے آئینہ تمثال اپنی تصور تو ذرا دیکھ

دیکھے جو تری چشم سیہ مست کو اک بار — پھر حشر تلک وہ کبھی ہشیار نہووے

لے گئے یوں تیرے کوچے سے تصور کو لوگ — جیوں اٹھاویں کسی بدمست کو میخانے سے

شب ہم جو ذکر ہجراں وصل میں ہونے لگے — وہ ادھر رونے لگے اور ہم ادھر رونے لگے

مجھے بیتاب آتے دیکھکر کوچے میں یوں بولا — بھلا کیوں دوڑ دوڑ آتا ہے یہ کیا اسکی شامت ہے

تصور گرم جوشی یار کی مجکو رلاوے گی — بہت گرمی کا ہونا مینھ برسنے کی علامت ہے

رونا کوئی موقوف کریں ہیں مری آنکھیں — جب تک نہ تسلی کو دل آئے جگر آئے

صدمۂ غم متصل جب تیرے مائل پر رہے — ہاتھ اس مضطر کا ہر دم کیوں نہ پھر دل پر رہے

لگ جائے تصور کے گلے آکے وہ بت آج — اللہ کرے اسکی یہ امید بر آئے

تصور ـ منشی نبی بخش تصور خلف میر تاج الدین ۔ شاہ نصیر مرحوم کے تولے سے تھے ۱۲۶۰ھ میں عین عالم شباب میں درد گردہ میں مبتلا ہوکر انتقال کیا حالت نزع میں اپنا دیوان چاک کرڈالا تھا ۔ سید حسن رسول نما کے احاطہ میں دفن ہوئے ۔ نہایت ستودہ خصال پاک طینت خوش وضع نوجوان تھے کچھ اشعار منتخب درج ذیل ہیں ۔

ہم بھی مثال آئینہ ہیں تجھسے سینہ صاف — دل سے ترے غبار اگر دور ہوگیا

کیا کیا خیال دلمیں گذرنے لگے جو آج — دروازہ اسکا شام سے معمور ہوگیا

اسکے خیال زلف میں کچھ سوجھتا نہیں — آنکھوں میں اپنے دن شب دیجور ہوگیا

کس نے کہا تھا تجھسے تصور کہ اس سے مل — دل اپنا دیکے آپ تو مجبور ہوگیا

عشق بازی اے تصور کھیل لڑکوں کا نہیں — جان کا اسمیں بچانا کام ہے ہشیار کا

خواب کا کیا بس چلے اس دیدۂ بیدار پر — چور کوئی تے نہیں دیکھا کبھی ہشیار پر

اسکی باتوں نے زباں کے کردیئے ٹکڑے سکم — لے گئی سبقت زبان یار بھی تلوار پر

آبلوں نے پاؤں کے پانی چڑھایا اسقدر — تشنگی سے پڑگئے کانٹے زبان خار پر

تصور - عالیجناب کنور فتح بہادر مرحوم مغفور رئیس و تعلقہ دار کوڑا جہان آباد ضلع فتحپور ہنسوا - عالی جناب راے لال بہادر مرحوم کے پوتے اور جانشین تھے جن کے مورث اعلیٰ شاہان اودھ کے ہاں مناصب جلیلہ پر ممتاز اور معتمد رامیہ تھے یہ نوجوان امیرزادہ حسن صورت میں بے مثل حسن سیرت میں فرد - خوش خلق - خوش رو، طباع اور ہونہار تھا خالق حقیقی نے جملہ صفات حسنہ اسکی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں - سیرچشم مسافر نواز با مروت اور خندہ پیشانی رئیس زادہ تھا - افسوس کہ عین عنفوان شباب میں بعمر۲۲ سال چمن ہستی سے دیکھتے دیکھتے بوے گل کی طرح ہوا ہو گیا طبیعت میں موزونی اور مضمون آفرینی خداداد تھی - افسوس ہے کہ اس نونہال گلزار معانی کو قضا نے اس سن تک پہنچنے نہ دیا کہ یہ اپنے اعجاز کلام سے چار دانگ ہند میں غلغلہ ڈالدیتا اس عمر میں یہ کلام گویا ماں کے پیٹ سے شاعری کی بے بہا قابلیت ساتھ لیکر نکلے تھے - نغزگوئی اور معانی میں نئے نئے پہلو نکالنا انکا حصہ تھا - آغا ظفر علی بیگ شاعر دہلوی سے جو اس زمانے میں انہیں کی سرکار کے دعاگو تھے کلام میں مشورہ کیا کرتے تھے - نثر بھی شگفتہ لکھتے تھے نظم کا انداز دلفریب محاورات کا اسلوب جانفزا ہے - فی الجملہ انکا کلام ایک تصویر دلربا ہے - دیکھئے اور حسن صورت و معانی کی داد دیجئے - ہاے جانثار آہ کنور بہادر تصور ۱۱ سمت ۱۹۵۴ تاریخ وفات ہے - اب کلام ملاحظہ ہو -

دیکھتے دیکھتے نذر دہیں

فدا ہونے لگی تو یہ ہر اک مہوش کے ارماں پر
بجھائی شمع اُف اُف کرکے اور جلتے ہوے سیدھے
نظر میں پھرنے لگتی ہیں ہری تاروں بھری راتیں
کہیں پھر بن سنور کے جاؤگے معلوم ہوتا ہے
رسیلے پن کہاں سرشار ہی بیخود ہے وحشی ہے

ہمسے نازک حباب کیا ہو گا

گھٹا بنکر چلا ہے ابر رحمت پھر گلستاں پر
تاسف کرنے یوں آتے ہیں وہ گور غریباں پر
لپٹ جب کھل کے آپڑتی ہیں اس کافر کی افشاں پر
قسم ہے بدگماں ہوتے ہیں ہم اس نازو ساماں پر
تری آنکھوں سے جادو کر دیا چشم غزالاں پر

بھلا ہو ناتوانی کا اسی نے کچھ رہائی کی / کہ آخر سایہ بنکر چڑھ گیا دیوار زنداں پر

کن انکھیوں سے اِدھر وہ دیکھکر ہنسنا قیامت تھا / گری ہیں چپکے چپکے بجلیاں کیا دل و جاں پر

قضا آئی اور پھر گئی ہاتھ مل کر / سنبھالا مجھے دردِ دل نے سنبھل کر

نہ پوچھے کوئی خیر قسمت ہماری / ہمیں خاک ہونا ہے اک روز جل کر

نہ پوچھو کہ کیوں آگئے ہیں دل بلا ہے / ہمیں کھینچ لایا یہ ظالم مچل کر

میں صورت کو دیکھا کیا دل ندارد / ستم ڈھا گیا مجھپہ وہ چال چل کر

تصویر

تصویر۔ صاحب طرز دلپذیر میاں غلام احمد تصویر عرف میاں بتن دہلوی علمی استعداد کچھ نہ تھی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ محض اُمّی تھے مگر طبیعت کی موزونی خداداد بات ہے ع

پروردگار جسکو یہ نعمت عطا کرے

فکر کی بلندی اور براقی طبع نے اس فطری موزونی کو اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ تصویر اور میاں توقیر دونو میاں تنویر کے شاگرد تھے مگر کثرتِ مشق نے تھوڑے ہی عرصہ میں اُستاد اور شاگرد کے کلام میں اندھیرے اُجالے کا فرق دکھا دیا۔ بعض غزلوں کی اصلاح پر اُستاد سے شکر رنجی ہو گئی اور پھر حضرتِ ذوق کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ تلمذ حاصل کیا اور آخر تک اُنہیں کی شاگردی کا دم بھرتے رہے۔ دہلی میں زمانہ نامساعد کی مجبوریوں سے غدر سے پہلے نیچہ بندی کر کے گذر اوقات کرتے تھے۔ اس کے بعد مہاراجہ شودان سنگھ کے وقت میں الور چلے گئے وہاں ایک روپیہ یومیہ اور دو بیٹے انکے مقرر ہو گئے یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت ظہیر۔ مجروح۔ تشنہ بھی مہاراجہ صاحب ممدوح کی قدردانی سے الور میں ملازم ہیں۔ کلام کا شہرت نہ پانا اور چیز ہے مگر جیسا ملکہ راسخہ اور مذاقِ سلیم اِن کے اشعار سے ظاہر ہے یہ بات بڑے بڑے جیّد عالموں کے کلام میں بھی نہیں پائی جاتی۔ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات ایسی نکلتی ہے کہ بیساختہ دل میں چٹکی لے لیتی ہے۔ تخیل کی پرواز اور معاملہ بندی کی پُر لطف چاشنی اور جا بجا

یاس و حسرت کی دلگداز تصویریں ایسے دلچسپ اور موثر پیرایہ میں کھینچی ہیں کہ بادیشاید۔ مضامین کی ندرت اور بندش کی چستی اُن کی قادر الکلامی کا بین ثبوت ہے سُنا ہے کہ جب مشاعروں میں غزل پڑھتے تھے تو اکثر اچھے اچھے مشّاق شاعروں کے ہوش اُڑ جاتے تھے۔ ابتدائے چند غزلوں میں رونق و بین بھی تخلص کیا تھا حق یہ ہے کہ انکا کلام بڑے بڑے استادوں کے کلام سے ٹکّر کھاتا ہے روزمرہ کی صفائی اور لطافت اور مضامین کی شوخی اور برجستگی قابلِ داد ہے۔ دیکھئے اور لطف اُٹھائیے ؎

مزاج اس سنگ در کا شانِ محبوبی سے برہم ہے
کبھی کیا میں نے بوسے لیا تھا حجر اسود کا

کچھ نہ بن آیا تو شب کو آپ آکر اپنے ظلم
سے بے مزہ رکھنے کو وہ میرے پشیماں ہی رہا

ہو چکا ٹھنڈا کبھی کا زخمی تیغ ستم
اے ستمگر ڈھونڈتا پر تو نمکداں ہی رہا

بات بھی کچھ پوچھنے کی تو ذکر دشمن کا کیا
وائے قسمت وہ کھلا بھی ہم سے تو کیونکر کھلا

فدا نا آشنائی پر تو ہیں لاکھوں دل و جاں سے
اگر وہ بت کسی کا آشنا ہوتا تو کیا ہوتا

صبر اسکی جانب سے ہے حسرت دیدار کا
بند جسنے کر دیا روزن تری دیوار کا

دل یہ بیٹھا تھا جو پھر دیکھا جگر کے پار تھا
دیکھنا کیا تو نے تیر نگاہ یار کا

کہتے ہو فرصت ہوئی ہمکو تو آئینگے ضرور
میری جاں یہ بھی کوئی انداز ہے اقرار کا

یہ نہیں بند قبا تیری کہ ہر اک کھول لے
کھولنا مشکل ہے میرے عقدۂ دشوار کا

بوسۂ لب میں جو ہے قند مکرر کا مزا
غور سے دیکھا تو سارا لطف ہے تکرار کا

اسکی اک ٹھوکر پہ سو ہنگامۂ محشر نثار
پوچھ مت تصویر عالم یار کی رفتار کا

کہاں میں اور کہاں تیرا دام عیاری
یہ اتفاق ہے صیاد آب و دانے کا

جو لب پہ آہ و فغاں ہو تو کچھ اثر بھی ہو
وگرنہ لطف نہیں شور و غل مچانے کا

ہزار طرح سے تڑپے بوقت ذبح مگر
نبایا ڈھب ترے پاؤں پہ لوٹ جانے کا

جو دل بھی دونگا تو سینے کی طرح سے ظالم
ہیں دل سی شئے کو نہیں خاک میں ملانے کا

بچا بچا کے جو رکھا تو دل کو کیا رکھا
مزا ہے جان پہ الفت میں کھیل جانے کا

خدا دکھائے نہ دشمن کو انتظار کی رات
قضا سے ہمکو تو شکوہ ہے بھول جانے کا

وہ نیچی نیچی نگاہیں وہ بھولی بھولی شکل
جو سر پہ دیکھو تو ہے خون اک زمانے کا

تمہاری شکل سے نفرت ہے یا حیا تصویر
کھلا نہ بھید ہمیں ان کے منہ چھپانے کا

سوئے وہ شب وصل عدو کیوں نہ سحر تک
جھونکا ہے مری آہ بھی اک باد سحر کا

دے بازوئے نازک کو ذرا اور بھی تکلیف
قاتل ترا بسمل ہے ادھر کا نہ ادھر کا

کس ناز سے کہتے ہیں وہ اکثر شب وعدہ
ہم آئے کہاں اور ارادہ تھا کدھر کا

اے دیدۂ خونبار ذرا اور بھی ہمت
کچھ رنگ تو پیدا ہے مرے خون جگر کا

ایسا ترے فراق میں بیمار ہو گیا
میں چارہ گر کی جان کو آزار ہو گیا

وہ اگر کھنچنے لگا تجھ سے تو وہ معشوق ہے
تو تو اے تصویر عاشق ہے تجھے کیا ہو گیا

جب کہا میں نے کہ کب تک دور سے دیکھا کروں
اک ادا سے ہنس کے فرمایا کہ دیکھا جائیگا

زلف کو چھیڑا تو اک انداز سے بولا وہ شوخ
پاس جب بیٹھو گے تم چپکا نہ بیٹھا جائیگا

صرفہ نہیں نمک کا تو پھر سوچتے ہو کیا
بسمل ابھی تو آپ کا ٹھنڈا نہیں ہوا

بیٹھے وہیں سے کہتے ہیں چنگا یہ مریض
آکر خبر تو پوچھتے اتنا نہیں ہوا

بوسہ تو اسکا حضرت دل تمنے لے لیا
لیکن تمہارے حق میں یہ اچھا نہیں ہوا

وہ تو لحد بھی میری پامال کر گئے تھے
پر نقش پا نے انکے کچھ نشان بنایا

تصویر عاشقوں کا کیا پوچھتا ہے مسکن
روز ازل سے ہمکو بے خانماں بنایا

تمنا تھی کہ وہ ضد سے پلائے بادۂ گلگوں
فقط دعوی کیا تھا اسلئے پرہیزگاری کا

وہ غش اچھا تھا میرا سر تو تھا اس گل کی زانو پر
ہوا میری ہی اوپر وار بھی ہوشیاری کا

دیکھکر قاتل کو آتے جان تن میں آگئی
کوئی تجھسا نظر نہیں آتا
میکشوں کے مزار پر روتے
ہر ولیں میں غبار بنا جسکے واسطے
کہتا ہے مجھ سے نزع میں کہ اپنا حال دل
تو نے جس جا پہ قدم رکھکے اٹھایا ظالم
جاں بلب تھا تو عیادت کو بھی آجاتے تھے
۔ لگا ہاتھ پہ ٹھوکر تو لگا جا ظالم
اسکو کہتے ہیں وفادار کہ دیکھا تو نے
خواب گہ سے اٹھتے ہی آیا جو یاں وہ مست ناز
سر جھکاتے ہیں بھوؤں کو تان کر
سر اٹھاؤ ہو چکی بس سرکشی
اس کے عارض ہیں وہ گل رنگین
آزاد ہو کے عشق میں اک نازنیں کے ہم
اے آسمان تو بھی ستم میں کمی نہ کر
سوئیں گے جا کے چین سے زیر زمیں بھی ہم
یہ جنازہ ترے تصویر دل افگار کا ہے
اللہ رے ربط غیر سے ترک لحد بھر
وہ کونسی جفا ہے کہ جو تم نے کی نہیں
اک اک کو جانتا ہے وہ عیار بزم میں
جلوہ کو اسکے دیکھ کے کچھ غش سا آگیا

قتل ہونیکی خوشی میں خون اپنا بڑھ گیا
دل کسی اور پر نہیں آتا
کوئی بجز ابر تر نہیں آتا
سر پہ ہے وہ میری خاک سے دامن کشاں ہر ایک
جاتا کہ لب ہلانیکی طاقت کہاں ہے اب
رہ گیا نقش قدم چشم تمنا ہو کر
میں تو لو اور برا ہو گیا اچھا ہو کر
کاش اٹھ جائے جنازہ مرا ہلکا ہو کر
مٹ گیا در پہ ترے نقش کف پا ہو کر
دلیں کیا کیا شک گئے زلف پریشاں دیکھکر
یہ اشارہ ہے کہ قرباں جان کر
اب تو سن جاؤ خدا کو مان کر
منفعل جس سے ہوں گلاب کے پھول
قشقہ سے خوب پاک ہوئے کفر و دیں کے ہم
یاں بھی یہی ہے جیسے کہ اب تو نہیں کہ ہم
آرام پائیں گے دل مضطر کہیں بھی ہم
ساتھ جانا تو تجھے چاہئے دو چار قدم
دل میں ترا خیال بھی تنہا رہا نہیں
وہ کونسا ستم ہے جو ہنسنے سہا نہیں
پر جانتا نہیں تو ہمیں جانتا نہیں
اسکا پتہ ملا تو پھر اپنا پتا نہیں

کس کا رقیب کیسی وفا اے دلِ حزیں
دل سے لیکے پھر کسی کا بھی وہ آشنا نہیں

دے سرو قد نہ اُٹھ کے تو تعظیم غیر کی
بیٹھے بٹھائے دیکھ یہ فتنہ اُٹھا نہیں

کہیں نہ اُن سے چرانی پڑیں مجھے آنکھیں
خدا کے واسطے اے چشم اشکبار نہیں

حریصِ لذت آزار میں ہی ہوں سچ ہے
خدانخواستہ تم تو ستم شعار نہیں

ایسا بھی تفرقہ نہ پڑے اے خدا کہیں ہو
مدت سے ہم کہیں ہیں دل مبتلا کہیں

اک برق تھی کہ کوند گئی بے شوخیاں
وہ خود کہیں ہیں اور ہے آوازِ پا کہیں

کعبہ تو کعبہ دیر میں سجدے کروں ہزار
پر آشنا ہو وہ بتِ ناآشنا کہیں

تصویر میں تو غش ہوں نقاہت پہ آپکی
ہو رند بادہ خوار کہیں پارسا کہیں

خدا ہی جانے یہ تو نگہ میں سحر ہے کیا
قیامت ہوتی ہے برپا جدھر کو دیکھتے ہیں

یہ ہے وہ دشتِ محبت کہ اے دلِ ناداں
یہیں تو ٹھوکریں کھاتے خضر کو دیکھتے ہیں

بگڑ جاتا ہے از بس تند خو وہ باتوں باتوں میں
ہم اسکے دلکو رکھتے ہیں دم تقریر باتوں میں

قفس میں رشک سے صیاد میں کیا کیا تڑپتا ہوں
کوئی دم توڑتا ہے جب ترے نخچیر ہاتوں میں

جو اس حسرت سے ہر دم تو کفِ افسوس ملتا ہے
وہ دامن آگیا تھا کیا تری تصویر ہاتوں میں

رکھتا ہے اِس روش سے وہ اندر چمن کے پاؤں
گل چومتے ہیں اُس بتِ غنچہ دہن کے پاؤں

کوچہ میں لیکے جاتے ہیں اس تیغ زن کی پاؤں
دشمن سنے ہیں ہائے یہ سارے بدن کے پاؤں

آنکھیں ہزاروں پھوٹتے ہیں ہو کے آبلے
سر اس گلی میں ٹھوکریں کھاتے ہیں تنکے پاؤں

راہِ طلب میں اسکے یہ کہتا ہے دل مرا
اے کاش ہوتے بدلے سر کے عضو تن کے پاؤں

بے اختیار ہو کے لئے چوم دوڑ کے
مجنوں نے دیکھکر مرے باہر کفن کے پاؤں

قطع و برید دامنِ صحرا کا شغل ہے
رستے میں کام ہاتھ کا مجھ بیوطن کے پاؤں

عصمت کی ہنسی یہ ہیں جیسی ہے پا ملک
لیکن نہ رکھا شمع نے باہر لگن کے پاؤں

سوزشِ دل ستائی کیوں داغ جگر دکھائی کیوں
دیکھو عشق ہو جسے موت سے دم چرائے کیوں

عاشق زار میں نہیں مجھ پہ نثار بھی نہیں تو
مجھکو یہ انفعال ہے میں نے ستم اٹھائے کیوں

جوہر عشق ہے یہی ٹکڑے ہو جیب و آستین
جسکو جنوں سے ننگ ہو عشق کی خاک اڑائے کیوں

مل چکی ہم ظلم کے ماروں کی داد
گر وہ آئے حشر کے میداں میں

کرتے ہو باتیں در و دیوار سے
آج ہو تصویر کس کے دھیاں میں

ہوا خوش چھیڑ کر جسے نہ کوئی رند مشرب کو
پڑھی ہمنے نمازیں محتسب کی بے وضو برسوں

سمجھا ہمیں جہاں میں جو پیدا حسیں ہو
پھر کیونکہ ہم پہ نازِ جہاں آفریں نہ ہو

دے بیٹھے ہائے تجھ سے بت بدگماں کو دل
ہمسا بھی کوئی دشمنِ ایماں و دیں نہ ہو

تصویر مجھ پہ جاں بھی دیدے گا ایک دن
ہمکو تو اعتبار ہے تمکو نہیں نہ ہو

کہو کیں تھیں تم میں یہ شوخیاں کہو کب تھیں تم میں یہ گرمیاں
کبھی آپ سے بھی تھی حیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی آکے مجھسے جھپٹ گئے کبھی پاس سے میرے ہٹ گئے
وہ وفور راست کے نشہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

میں اٹھا جو جانے کو پاس سے مجھے دیکھ دیکھ کے پاس سے
وہ ادا سے کہنا نجا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شمع بزمِ غیر وہ تھا روئے روشن رات کو
دن بنا دیتی تھی آہِ شعلہ افگن رات کو

قیس نے جنگل کیا تھا ہوسے روشن رات کو
وادیِ ایمن بنایا نجد کا بن رات کو

رات کو جاتا ہوں تو کہتا ہے دن کو آئیو
دنکو جاتا ہوں تو کہتا ہے وہ پرفن رات کو

بے وفاؤں سے بھی وفا تصویر
یہ نہ خوش آئی تیری خو مجھکو

ایسی وفا بھی ظلم ہے مجھ خستہ تن کے ساتھ
جانِ حزیں گئی نہ دلِ پرمحن کے ساتھ

بوسہ اگر دیا بھی تو دیں گالیاں ہزار
آئے وہ راستی پہ بھی اک بانکپن کے ساتھ

جیتے پھرے تو آئینگے کعبہ کو زاہدا
ابتو چلے ہیں دیر کو اک برہمن کے ساتھ

عاشق زمانہ ہوتا ہے لیکن نہ اس طرح
کرتی ہیں ہمکو ذبح تری کم نگاہیاں
دشمن ہی کو بیٹھے جو مرے پاس سے اُٹھے
تم وہ ہو سنگدل کہ تمھیں سے خبر نہ لی
عاشق کے ذبح کر نہیں ایسا ہے اضطراب
برچھی تری نگاہ کی پہلو میں کیا لگی
دامن پہ وہ رکھے نہ رکھے دلربا لگی
سنتے کہا عدو پہ تو عاشق ہی ہو گیا
بس بس خرام ناز کہ محشر ہوا بپا
ہر رات ہمکو رہتی ہیں اختر شماریاں
مقرر آج کچھ دشمن ہی اسمیں ساز ٹھیرا ہے
کیا ہے ظلم جب تینے کوئی الفت کے پردہ میں
عداوت تو نہیں خلق خدا سے اس ستمگر کو
الٰہی عشق بھی آلہ ہے کیا انساں بنانے کا
تم آئے تو غنیمت ہے نہ آئے تو شکایت کیا
مقرر غیر کے زانو پہ لی اُس شوخ نے ٹیکی
جلانا تھا جسے اُسکو جلایا ایک ٹھوکر میں
محتسب آتا ہے تو آئینہ و ہم مستونکے پاس
یہ نہ کیجئے ہم کسی سے کے آشنا ہرگز نہیں
نہ آئے گر چہ نہیں جان جا کر آنے کی
یہاں تلک میں بنا پارسا کہ اُس بت نے

اے دل کبھی تو جانب سود و ضرر تو دیکھ
گر دیکھتا ہے یار تو بھر کر نظر تو دیکھ
اس سے تو نہیں کوئی ستم اور زیادہ
جبتک کہ میرے سر پہ قیامت گذر نہ لی
ظالم ذرا بھی تو نے چھری تیز کر نہ لی
پہلو سے دلمیں دل سے کلیجہ میں جا لگی
لیکن ہماری خاک ٹھکانے سے آ لگی
سنکر کہا کہ آپ ہی کی بددعا لگی
لیتے تمھاری چال سے خلق خدا لگی
ہر روز اپنے حق میں تو روز حساب ہے
جو دم بھر بھی مرے پہلو میں وہ دمباز ٹھیرا ہے
کبھی وہ ناز ٹھیرا ہے کبھی انداز ٹھیرا ہے
تڑپنے میں ذرا بسمل کے اسکا دل بہلتا ہے
کوئی عاشق ہو یا مجنوں یہاں سینے میں تو جلتا ہے
محبت میں کسی کا کب کسی پر زور چلتا ہے
ہمارے دلکو کوئی آج چٹکی میں مسلتا ہے
خرام ناز کے پردہ میں ظالم چال چلتا ہے
شیشہ و ساغر کو کیوں ہو کر ہراساں توڑیئے
یوں نہ امیدیں ہماری آخر سحاب توڑیئے
قضا بھی پھر نہیں اک بار آ کے آنے کی
عدو سے شرط پہ ہی ہے پلا کے آنے کی

کئے ہی ڈالتی ہے قتل ذبح سے پہلے
یہ جی میں ہے کہ کروں بند دست وہ شب وصل
گلہ نہ کر سکے تا کشتۂ جفا کوئی
کسے ہو غم دوری اگر فرقت میں دم نکلے
عبث ہے دم خفا ہیں ہم کہاں ہے دم کہ دم نکلے
وفا کی ہم نے تم سے اور ملتے غیر سے اب تک
کس خوشی سے مرے آقا نے لٹائے رنگترے
کل سے کچھ گرمی سی تھی ساقی شراب ناب سے
حور و غلماں جانکر تکتی تھی مہرویونکو خلق
وہ کہیں جسوقت پیتا تھا کہیں شیشے کا جام شراب
اگر اک لے لیا بوسہ خطا اسکو نہیں کہتے
تمنا جو نہ رکھتا ہو چھپائے وہ نظر کس سے
تمہیں سے ہے دوستی امیر یہاں نہ نظر کس سے
کہا دشمن سے کچھ ہنس ہنس کے اور مجھ سے لگا کہنے
ہمیں تو شام عیش و صبح غم یکساں نظر آئی
ہمیں تو آزمائش ہی محبت سے پر اتنی تھی
کیا مجھی پہ ہجر محبت بھی نہ
سیکھ کر ہر کام میں ہے ناکامی
عدم کی راہ تو نزدیک ہے گلی سے تری
تجھکو تو قبر کی تاریکی سے زاہد نہ ڈرا
مجھکو وہاں بلائیے یا آپ آئیے

ادا وہ ناز سے خنجر اٹھا کے آنے کی
رہے نہ راہ کہیں سے حیا کے آنے کی
یہ طرز خوب ہے سرمہ لگا کے آنے کی
دم ہی تک سب بکھیڑا ہے جو دم نکلے تو غم نکلے
جسے سمجھا ہے غم ارمان ہے غم ہو تو غم نکلے
طریق عشق سے باہر نہ تم نکلے نہ ہم نکلے
باغ موتی ڈونگری میں رنگ لائی رنگترے
ہو گئی فرصت ابھی اک دو جو کھائے رنگترے
لوٹنے کیا باغ جنت سے یہ آئے رنگترے
باغ میں کل اسے پریرو کام آئے رنگترے
محبت کہتے ہیں ترک حیا اسکو نہیں کہتے
اسے شادی و غم کیسا اسے سود و ضرر کس سے
اشارے ہوتے ہیں ہر دم ادھر کس سے ادھر کس سے
ہمیں کرتی تھی کس سے بات اور کی بھولکر کس سے
خدا جانے ترا وعدہ تھا شب کس سے سحر کس سے
سر تو جلاد انشا تھا تری شمشیر اپنی تھی
بات کرنے میں آنکھ بھر آئی
آہ بھی لب پہ بے اثر آئی
ہے کچھ جو تاب و تواں جان زار میں ہے
ہجر کی شب سے زیادہ ہے بلا اور کوئی
اپنی تو ہے وصال تمنا کسی کو

مقرر ولمیں اس ظالم کی کچھ پوشیدہ الفت ہے
لبوں پر سکے دشمن کی شکایت آہی جاتی ہے

ہجر کی شب تو سحر ہو یارب
وہ نہ آیا تو قیامت ہی سہی

جان بیکار تو اپنی نہ گئی
اے ستمگر تری شہرت ہی سہی

مجھسے اتنا بھی نہ پوچھے صاحب
آپ پر میری طبیعت ہی سہی

جذبۂ دل نہیں لایا تمکو
آپ کی خیر عنایت ہی سہی

کفن کی سفیدی سے ثابت ہوا
شب ہجر اپنی سحر ہو گئی

عجب سحر دیکھا تری آنکھ میں
کہ ملتے ہی تاب و تواں لے گئی

کیا خبر تھی جب طبیعت مبتلا ہو جائیگی
اُن کی آنکھوں میں جو ہے شوخی حیا ہو جائیگی

حالِ دل بھی کھو نگا چارہ گرو
ہوئی فرصت جو دیدۂ ترسے کو

اُٹھتے ہیں تعظیم کو سنتے درو دیوار سے
آپ کیا آئے مرے گھر میں قیامت آگئی

کچھ مزہ شورِ تبسم نے تمھارے ہی دیا
یوں تو زخموں پہ بہت ہمنے نمکداں لوٹے

یہ بھی کوئی ہنسی ہے کہ رخصت کا لیکے نام
سو بار بیٹھے بیٹھے ہیں تم اُٹھ چکے ہو

کیا پوچھتے ہو خاک میں کس نے ملا دیا
جو کچھ کیا سو آپکے دل کے غبار نے

آج کی شب نہ خفا ہو ترے قرباں ہم سے
کل تو لیوے ہی گی بدلا شبِ ہجراں ہم سے

کون موسیٰ تھا کہاں طور کسے غش آیا
ایک یہ بھی تھی مری جان شرارت تیری

عالم کی اک اُمید پہ گذرے ہے جہاں میں
رکھتا ہے کوئی رات کے ارماں کوئی دن کے

تصویر تو اتنا غمِ الفت سے نہ گھبرا
یہ رنج بھی دنیا میں ہیں ناداں کوئی دن کے

تعشق

تعشق ۔ ادیب نامور حکیم سید محمد دہلوی تعشق ہے پرانے دہلی کالج میں سو روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر فارسی و عربی کے مدرس تھے۔ آخر عمر میں شعر گوئی ترک کر دی تھی پھر بھی شوق کا یہ عالم تھا کہ اچھا شعر سنکر بیتاب ہو جاتے تھے۔ حکیم عزت اللہ عشق کے داماد اور شاگرد تھے۔ ۷۵ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۸۵۴ء میں انتقال کیا۔ جمیع علوم مشرقی میں

معلومات تام حاصل تھیں۔ اور فن طب میں مولوی رشید الدین خاں اور حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے شاگرد رشید تھے۔ اور معالجات میں خوب دخل تھا تھا۔ طبیعت میں انحصار غضب کا تھا۔ ان کو ہمہ دانی کا دعویٰ تھا اور فی الحقیقت جامع الکمالات انسان تھے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

تجکو اس میری آہ و زاری پر
رحم اے فتنہ گر نہیں آتا

وعدۂ شام تو کیا ہے ولے
کچھ وہ آتا نظر نہیں آتا

تیرے بیمار کا ہے یہ عالم
ہوش دو دو پہر نہیں آتا

'تو اے پیماں شکن وعدہ پہ کسدن میرے گھر آیا
سدا سنتے رہے یونہی کہ شام آیا سحر آیا

کہوں کیا حال اے گلرو تری فرقت میں آنکھوں سے
کبھی خوں نابۂ دل ٹپکا کبھی لخت جگر آیا

سامنے دیکھو آتا ہے تعشق وہ کون
باری کہا تو ہوا خوش دل محزوں تیرا

سنتا ہی نہیں بلبل بیدل کی جو گل آہ
کیا تو نے شگوفہ یہ صبا کان میں چھوڑا

حضرت دل اسکے کوچہ میں نہ جایا کیجیے
کہہ چکے اپنی طرف سے آگے ہیں مختار آپ

کہتے نہ تھے تعشق جاؤ نہ اس گلی میں
آئے نہ واں سے دیکھا خوار و تباہ ہوکر

رویا کیا سحر تک میں رشک سے عزیزو
سنتے سنا جو اسکو غیروں سے انجمن میں

ہوتے ہیں وصلے ٹکڑے آتا ہے یاد جبدم
کچھ چپکے چپکے کہنا اسکا لب و دہن میں

کس پری سے ہے تعشق گر مجھے نہیں اندنوں
پھر فزوں ہمکو نظر آتی ہے وحشت آپکی

تجکو لیجائے وہاں یا اسکو لے آئے یہاں
میں تو حیراں ہوں دلا تو ہی بتا کیا کیجیے

خواب میں تجکو دیکھے کیوں کر
تیرے بن نیند کس کو آتی ہے

تعشق۔ سخنور نازک خیال ناظم خوش مقال سرمایۂ ناز و موجب افتخار لکھنؤ جناب سید مرزا صاحب لکھنوی خلف الرشید محمد مرزا انس و برادر حقیقی سید حسین مرزا عشق شیخ ناسخ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ شاعر نہایت قابل اور نازک خیال سخنور اور مرثیہ گوئی میں خصوصاً شہرۂ آفاق تھے۔ نازک خیال

تعشق

کے ساتھ زبان کی لطافت اور مضمون کی نفاست قابل داد تھی آپ کا کلام بہت پرتاثیر اور درد سے لبریز ہے مرثیہ گوئی میں آپ کا ایک خاص رنگ تھا سوز وگداز جس قدر ان کے کلام میں ہے لکھنؤ کے کسی اُستاد کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ پختہ کلامی اور متانت غضب کی تھی۔ مشاہدات دینوی وجذبات حسن وعشق سے اسقدر واقفیت تھی کہ مضامین کے ذریعہ واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے اور ایسے دلفریب پیرایہ میں مضمون باندھتے تھے کہ بیساختہ داد دینے کو جی چاہتا تھا۔ لیکن آپ کے کلام نے جیسی چاہیئے شہرت نہ پائی۔ غالباً اسکا باعث یہ ہی کہ خود جناب نقشؔ مرثیہ گوئی کے مقابلہ میں غزل گوئی کو ہیچ سمجھتے رہے۔ اور کبھی اسکے ذریعہ سے عزت ناموری میں قدم رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی راقم تذکرہ نے جس محنت وجانفشانی سے یہ مختصر مجموعۂ کلام مرتب کیا ہی اس سے کچھ دل ہی خوب واقف ہے جس حالت میں کہ مرحوم کے قریبی اعزا اور شاگرد باوجود بار بار تقاضوں کے اُن کے کلام کی اشاعت پر تیار نہیں تو غیروں کے تغافل اور تساہل کا کیا گلہ ہوسکتا ہے لکھنؤ کے قابل قدر رسالہ معیار میں جو عالم خواب کے مشاعروں کی دلچسپ کیفیت لکھی ہے اُسکے معاینہ سے پایا جاتا ہے کہ جناب نقشؔ کس پایہ کے شاعر تھے۔ مورخ مذکور کا دعویٰ ہے کہ اکیلے نقشؔ کے بھروسے پر حضرات لکھنؤ جملہ شعرائے ماضی وحال واساتذۂ دہلی کے کلام کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ بہرحال اسمیں شک نہیں کہ جسقدر درد واثر سید صاحب مرحوم کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ ہمنے لکھنؤ کے کسی استاد کے کلام میں نہیں دیکھا۔ آپ ایک عرصہ دراز تک کربلا میں مقیم رہے پھر ہندوستان چلے آئے اور یہیں لکھنؤ میں ۱۵ برس ہوئے انتقال کیا۔ مراثی کے دو مجلد آپ کی تصنیف سے مشتہر ہوچکے ہیں۔

آپ کا حال اور کلام کاتب کو نقل کیلئے دیا جاچکا تھا کہ رسالہ معیار اگست ۱۹۰۹ء میں موصول ہوا اور اسمیں آپ کا مجموعۂ کلام (۰ ۴ صفحہ) جو اڈیٹر معیار نے بڑی کوشش سے دستیاب کر کے شایع کیا ہے نظر پڑا۔ چونکہ ہمیں ان کے کلام سے خاص رغبت تھی بڑے شوق سے اُس مجموعہ کا مطالعہ کیا اور اپنے مذاق کے موافق کچھ اشعار اور منتخب کر کے داخل انتخاب کئے

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جدت خیال اور تازگی مضامین کیطرف آپ کی طبیعت کا خاص رجحان تھا۔ چنانچہ جہاں کہیں کوئی نیا مضمون صاف زبان میں نکل آیا ہے وہ فی الواقع قابلِ داد ہے۔ لیکن باوجود کہنہ مشقی کے ۵۵ غزلیات کے مختصر مجموعے میں بھی ایسے اشعار کی تعداد بمقابلہ دیگر مستند اساتذۂ دہلی بہت کم ہے۔ حیرت ہے کہ اہالیانِ معیار نے کس بنا پر ایسے پُرزور الفاظ میں جناب تعشق کے متعلق بحث چھیڑکر اہلِ دہلی کی دل آزاری پر کمر باندھی۔ ہمارا منشا ہرگز اس مضمون پر قلم اٹھانیکا نہ تھا مگر چونکہ معیار میں مکرر سہ کرر یہ چیلنج دیا گیا لہٰذا مجبوراً اسکی تردید کی زحمت اٹھانی پڑی۔ افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معیار خود اپنے مشتہرہ اصول کی پابندی سے انحراف فرماتے ہیں اور کلمۂ حق کے اعلان میں بے باکی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے تو اکثر موزوں طبع نوجوانوں کے کلام میں بھی ایک دو شعر ہر غزل میں اچھے نکل آتے ہیں۔ اندریں صورت اگر جنابِ تعشق جیسے مستند کہنہ مشق اُستاد کے ہاں اگر ہر غزل میں چار پانچ شعر نفاست خیال و لطافت زبان کے لحاظ سے ممتاز نکل آئے تو کچھ جائے عجب نہیں۔ البتہ حیرت ہے تو یہ کہ کیوں پوری غزل مرصع نہیں ہوئی جیسا کہ اُن کے طرفداروں کی پرجوش تحریروں سے ہمیں یقین ہوتا چلا تھا۔ ہم نے ارادتاً سست اشعار کا انتخاب درج تذکرہ نہیں کیا اور صرف اپنے مذاق کے موجب جن اشعار کو اچھا سمجھا ہے انھیں کو لیا ہے۔ بہرحال اس امر میں ہمیں ضرور اڈیٹر صاحب معیار سے اتفاق ہے کہ جناب تعشق خوش گویانِ لکھنؤ میں مسلّم کامل تھے۔ اور وہاں کے کسی اُستاد کے کلام میں وہ دلآویزی نہیں پائی جاتی جو مندرجہ ذیل کلام کا خاص حصہ ہے۔

وہ پھیرے تھا منہ تو بیچ میں ہورہا تھا	خدا جانے ہنستا تھا یا رو رہا تھا تو
شبِ ہجر تھی اور میں رو رہا تھا	کوئی جاگتا تھا کوئی سو رہا تھا تو
دبے پاؤں آئی گئی صبح محشر	کہ جاگا شبِ ہجر کا سو رہا تھا تو
یہاں دل وہاں تُو دیئے تھے ستارے	شبِ وصل آخر تھی میں رو رہا تھا تو

شہیدوں کے لاشے تھے بے غسلِ میت
مگر اپنے خنجر کو وہ دھو رہا تھا

بدلتا تھا میں دردِ دل سے جو پہلو
زمانہ ادھر کا اُدھر ہو رہا تھا

میں باغ میں ہوں طالبِ دیدار کسی کا
گل پہ ہے نظر دھیان میں رخسار کسی کا

گھبراتے ہیں وہ نزع جب آجاتی ہے آدھی
دیتا ہے ہوا زخمِ دلِ زار کسی کا

دیکھ آؤ کہ بیمار تمہارا تو نہیں ہے
رکھا ہے جنازہ سرِ بازار کسی کا

شبِ وصل تھی خواب اے صبحِ فرقت
ابھی میرے زانو پہ تھا سر کسی کا

اُنس ہے خانۂ صیاد سے گلشن کیسا
ناز پروردِ قفس ہوں میں نشیمن کیسا

اپنی آزردہ دلی بعدِ فنا کام آئی
ڈھیریاں گردِ کدورت کی ہیں مدفن کیسا

کہہ دیا بس کہ تری آہ میں تاثیر نہیں
یہ نہ دیکھا کہ یہ سینے میں ہے روزن کیسا

جل گئے صورتِ پروانہ تپِ عشق سے ہم
پھینک دے لاش اٹھا کر کوئی مدفن کیسا

کچھ نہ کچھ گورِ غریباں پر بھی ساماں ہو گیا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا

کیا معاذ اللہ مری وحشت نے پھیلائے ہیں پاؤں
راہ برسوں کی مرا چاکِ گریباں ہو گیا

دل ہے مردہ خلد میں جانے سے کیا ہو جائیگا
ہم جہاں ہونگے وہ گھر ماتم کدہ ہو جائیگا

ناز پرور ہے ذرا بھی دل سے بگڑینگے جو آپ
یہ بھی اپنی زندگانی سے خفا ہو جائیگا

جمع ہیں محفل میں سب مجھ سے خفا ہوتے ہو کیوں
پھر کے بیٹھونگا اگر میں بھی تو کیا ہو جائیگا

عشق کی وہ شورشیں وہ ولولہ جاتا رہا
اک جوانی کیا گئی سب حوصلہ جاتا رہا

گاہ وحشت میں ہنساتا تھا رلاتا تھا کبھی
دل نہیں جاتا رہا اک مشغلہ جاتا رہا

اے جنوں بیڑی پنہاتے تھے ہم انکو ہر برس
تب سے منت پڑ گئی وہ سلسلہ جاتا رہا

جو ہے وہ مردہ نظر آتا ہے اسکے عشق میں
ہستی و ملکِ عدم کا فاصلہ جاتا رہا

بچ گئے حضور آپ سوتے تھے غافل
پکارا کیا رات بھر دل کسی کا

جنازے کے ہمراہ آتا ہے قاتل
جھکائے ہوئے سر کو قاتل کسی کا

یوں تو حرفِ خطِ تقدیر نہیں مٹنے کا
آپ کے در پہ ارادہ ہے جبیں سائی کا

دل جو مر جائے ارا تو کرے کون آہیں
ہو گیا جاگنے والا شبِ تنہائی کا

تھا کبھی وورا اسیرانِ قفس اے صیاد
تلاش یار کا تھا دھیان کل تک
ہوا ترکِ محبت پر نہ راضی مگر
کشاں کشاں مرا لاشہ تو لے گئے احباب
کیا تصور ہے کہ ہوں ہر وقت ہم پہلوئے دوست
وائے حسرت کس طرح وہ قتل کرتے ہیں مجھے
ظلم اٹھاتا ہوں مگر شکوہ میں کر سکتا نہیں
خونِ ناحق کا عوض آخر ہوا کس حسن سے
قتل کر لیں اپنی اپنے کام میں تھے حسن و عشق
دل کے معاملہ میں نہ ہو دخل غیر کو
خبر کسی کو ضعیفوں کے قتل کی نہ ہوئی
ترے مریضِ محبت نے قبر کی آباد
ہاتھ اٹھا کر یہ تو تم کو یہ دیتا ہے دعا
کل نہ ہم ہونگے مسیحا نہ یہ بیماریِ دل
بال بال آپکی زلفوں کی بنے گا جو زبان
غربت میں پسند آتی ہے واماندگی اپنی
پڑ گئی کیا نگہِ مست ترے ساقی کی
یاد کیں نشہ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کس کی
ہر طرف حشر میں جھنکار ہے زنجیروں کی
کبھی تو شہیدوں کی قبروں پہ آؤ
گریگا زمیں پہ نہ خونِ شہیداں
جو ہے گھر کے اندر وہی گھر کے باہر
وہ کھڑے ہنستے ہیں میری لاش پر

اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیا
ہمیں ہے اپنے دل کی جستجو آج
رہی تا دیر دل سے گفتگو آج
نکل کے رہ گئی قالب سے کرا ہیں روح
ہر گلِ داغِ جگر سے آ رہی ہے بوئے دوست
غیر چہرے سے ہٹاتے جاتے ہیں گیسوئے دوست
جسقدر دل سخت ہے اتنی ہی نازک خوئے دوست
نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوئے دوست
اسکی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں سوئے دوست
لینا جو ہو تو لیجئے اپنی نگاہ پر
ہم ایک قطرۂ خوں تھے زبانِ خنجر پر
عجب طرح کی اداسی ہے آج بستر پر
عمر بھر حسن رہے زیبِ کنارِ عارض
آج بس اور ہے تکلیف پرستاریِ دل
نہ گنے جائیں گے ایام گرفتاریِ دل
ہم آپ چھو لیتے ہیں کانٹے کفِ پا میں
لڑکھڑاتے ہوئے میخوار چلے آتے ہیں
غش سمجھے اسے دلِ بیمار چلے آتے ہیں
اُن کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں
یہ سب گھر تمہارے بسائے ہوئے ہیں
عبث آپ دامن اٹھائے ہوئے ہیں
وہ آنکھوں میں دل میں سمائے ہوئے ہیں
ہم تو سنتے تھے کہ نیند آتی نہیں

لاش پر بھی آئے منہ ڈھانکے ہوئے
تلاش شب وصل میں پھر رہا ہوں
دور سے دیکھ کے تمکو کوئی جی بھرتا ہے
لطف دکھلا نہ کسی چیز کا انکے سوا
کور ہو جاؤں مگر عشق میں رونیکو نہ روک
سینکڑوں شیشۂ دل بادہ کشوں کے ٹوٹے
قدم اہل زمیں آنکھوں سے رو رو کر لگاتے ہیں
نہیں تسکین ہوتی ایک جا پر کوئے جاناں میں
چھڑا لینے کی اب تو پوچھتے پھرتے ہیں تدبیریں
جگر جل جل کے دیتے ہیں دعائیں شعلہ رویوں کو
دو ہرے پردے ہوں چھپاؤں تمہیں ایسا دلبر
شام کو حسن چرا لیا تھا کہ بناتے ہیں وہ بال
کہدے قاتل کو نئی طرز جفا پیدا کروں
مجھ سے لاکھوں خاک کے پتلے بنا سکتا ہے تو
کھوتے ہو زلف میں دل اندھے ہو کہیں نہیں
آہیں ہیں اور آنسوؤں میں ہے مقابلہ
بجلی گرائی آہ کی یا ذبح ہو گئے
چلا گھر سے وہ بے پردہ حسن اللہ رے کشش دل کی
دل وحشی قیامت کا ہے وحشت خیز و [illegible]
[illegible] کے [illegible] گشت بنا یا جسم لاغر کو
ہمیں [illegible] لگے ملیں [illegible]
قفس میں [illegible] ہے اسیرو تمہیں اور کی سودا
[illegible] شب فرقت میں سو جاتا ہوں

بدگمانی آپ کی جاتی نہیں
مرا آپ دیوانہ پن دیکھتے ہیں کہ
کر رہی ہیں فقط ایام گذاری آنکھیں
آئیں تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں
ناصحا دل سے زیادہ نہیں پیاری آنکھیں
محتسب ہیں زیادہ وہ خماری آنکھیں
نکل آتا ہے پانی جس جگہ ٹھوکر لگاتے ہیں
گدائے حسن موقع دیکھ کر بستر لگاتے ہیں
کبھی یہ فکر تھی ہمکو کہ دل کیونکر لگاتے ہیں
رہیں ٹھنڈے دل انکے آگ جو گھر گھر لگاتے ہیں
دل کلیجے میں سما جائے کلیجہ دل میں
رات بھر آج خیال آئے ہیں کیا کیا دل میں
خود قضا کی جان جائے وہ ادا پیدا کروں
میں کہاں سے ایک تیرا سا خدا پیدا کروں
پس جب یہاں نہیں تو یہ جانو کہیں نہیں
اب آج آسمان نہیں یا یہ زمیں نہیں
صیاد اب کے سال نہیں یا ہمیں نہیں
عجب قطرہ ہے جو کھینچے لئے جاتا ہے دریا کو
بغل میں تیرے دیوانے نے [illegible] صحرا کو
بہشت سے [illegible] ہوا کا [illegible] بستر کو
جو تم پہن کے [illegible] لباس [illegible] ہو
لگائے فصل بہاری کی آس بیٹھے ہو
چٹکیاں لے کے جگاتا ہے مرا دل مجھکو

عنبر بھر بھر غنیر ہیں آخر ہیں پھر اپنے اپنے
یاد کرتا ہے ترے پاس مرا دل مجھکو

سرشت میں ہے نزاکت حیا ہے خو تیری
نکل سکی نہ کبھی پیرہن سے بو تیری

عدم سے دہر میں آنا کسے گوارا تھا
کشاں کشاں مجھے لائی ہے آرزو تیری

مرا پیام صبا میرے گل سے کہدینا
چلی گئی ہے مجھے بیہوش کرکے بو تیری

ہوا ہے چھوٹ کے تجھسے دلا یہ حال اپنا
جگر پہ ہاتھ ہے ہر سمت جستجو تیری

تمام رات رہا دل سے ذکر خنجر ترا
گلا کیا ہو تو شاہد ہے آرزو تیری

صبح کے پہچاننے والو نہیں رسوائی ہوئی
شب کی خبریں دے رہی ہے آنکھ شرمائی ہوئی

بڑھ گیا شاید اسیران قفس کا اختلاج
باغ میں باد صبا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

قبر میں تو کوئی دم آرام لینے دے مجھے
بس دل مضطر اڑی جاتی ہے نیند آئی ہوئی

کان میں شاید صدائے آہ مجنوں آگئی
نجد کو لیلی چلی جاتی ہے گھبرائی ہوئی

اٹھتے جاتے ہیں بزم عالم سے
آنے والے تمھاری محفل کے

داغ دل گھٹ رہے ہیں پیری میں
بجھ رہے ہیں چراغ محفل کے

دعوئے صبر ہو گیا باطل
درد نے ہوش کھو دئیے دل کے

نجد سے جانب لیلی جو ہوا آتی ہے
دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

مر کے بدنام کیا نام محبت میں نے
منہ پہ پھیر ڈالدو کوئی کہ حیا آتی ہے

مجکو مل جاتی ہے اپنے دل زخمی کی خبر
ٹوٹتا ہے کوئی ٹانکا تو صدا آتی ہے

آئے ہیں کون سے عاشق کے گلے ملکر حضور
آپ سے آج مجھے بوئے وفا آتی ہے

وصل میں شام سے منہ ڈھانپ کے سونا کیسا
نیند بن کر تری آنکھوں میں حیا آتی ہے

کہتے ہو کیوں ہے تعشق ترے منہ پر زردی
ہجر میں نیند کہاں ہے یاد لقا آتی ہے

چھوٹ جائیں ہم عذاب ہجر سے
اب تو ایسی کوئی صورت کیجئے

اسقدر نایاب دنیا میں محبت ہو گئی
چشمۂ آب بقا چشم مروت ہو گئی

اب تو یہ طول شب فرقت سے حالت ہو گئی
دل سے رو رو کر امید وصل رخصت ہو گئی

عمر بھر چھانی جو خاک اس در کی یہ حاصل ہوا
ایک تربت کی جگہ مجکو عنایت ہو گئی

آنسو بھر آئے دیکھ کے بادل بھرے ہوئے
خالی ہوئے جو آنکھوں کے بادل بھرے ہوئے
چمکی جو جوش میں مرے وحشی کی برقِ آہ
کھینچو نہ میرے سینے سے اے قاتل جہاں
وحشت سرا سے در میں آیا نہ پھر کوئی
دلِ مجنوں میں کیا برائی تھی تو
رات بھر مطلق نہ آئی نیند ایسا جی لگا
موسم گل ہو گیا آمادہ جانے کے لئے
بجھ رہے ہیں داغِ دل تربت میں جانے کیلئے
ہوں وہ بلبل جب گرا صیاد میرا آشیاں
قدردانی آپ کی ہم ناتواں کیا روئیں گے
بیخ غنچہ و نکو ہوا ایسے ہوئے برباد ستم
حشر کو کہتے اُٹھے خوابیدہ کان کوئے دوست
دکھیلوں میں آخری دیدار آنکھیں کھول کر
دل جگر میں ہو گئے ناسور کیا جی خوش ہوا
باغباں کیا کیا مرے وہم ہیں تنکو باغ میں
تھا وہ پروانہ کہ رو دی شمع جسکو رات بھر
دستِ نرگس سے گرا ہے دل مرا جیسے مثلِ گل
ہم بہل جاتے وہ زندہ جو ہوتا آج قیس
یوں نہ آئے ایک دن لاشے پہ آج آئے حضور
زخم سے جرّاح ہے اس سنگدل کی تیغ کے
باغ میں پھول گئے رونق آئی سواری آپ کی
... فانی را آپ کی نوبت شماری آپ کی

صیقل کے ساتھ زخم جگر کے ہرے ہوئے
گلزار و کوہ و شہر و بیاباں بھرے ہوئے
بیٹھے ہیں آشیانوں میں طائر ڈرے ہوئے
تم کیا کرو گے تیر لہو میں بھرے ہوئے
ایسے گئے یہاں سے مسافر اٹھے ہوئے
تجھکو لیلیٰ جو فکر محمل سے ہے
صبح تک باتیں سنیں ہم نے دل ناشاد کی
اور جگہ ڈھونڈا کئے ہم آشیانے کیلئے
روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لئے
برق دوڑی ہاتھ پھیلا کر اٹھانے کے لئے
دل میں طاقت چاہیے آنسو بہانے کیلئے
قبر پر آئے بگولے خاک اڑانے کیلئے
کیا مزے کی نیند میں آئے جگانے کیلئے
آپ آتے ہیں قبر میں شانہ ہلانے کے لئے
اور دو آنکھیں ملیں آنسو بہانے کے لئے
برق جگنو بن گئی ہے آشیانے کے لئے
صبح کو آئی صبا لاشہ اٹھانے کے لئے
فصل گل دوڑی ہے آنکھوں سے اٹھانے کیلئے
دو گھڑی دل بیٹھتے روئے رلانے کے لئے
کچھ بہانہ ڈھونڈتے تھے آپ آنے کے لئے
آئیو منہ پھیر کر ٹال کے لگانے کے لئے
کس قدر رنگوں سے بازو بہاری آپ کی
... دل سے نہ جاوے کبھی یہ بہار آپ کی

سے بے یقیں باہم گلے ملنے کو اُٹھیں سوئے شوق
میکدو میں لوٹے جاتے ہیں ہم لڑ لڑ کے جام
آج کس پر رحم آیا کس کو روتے ہیں حضور
جفا وہ کرتے ہیں اے دل وفا کئے جا تو
چراغ داغ میں دن سے جلائے بیٹھا ہوں
گیا شباب پھر اترا رہا تعلقِ عشق
فراقِ یار میں پھرتے ہیں پوچھتے ہوئے ہم
نسیم کوچۂ جاناں میں جلد پہنچا دے
تمام رات وہ سکتے ہیں کروٹیں لے کر
یاد ایام کہ ہم رتبۂ رضواں ہم تھے
دھجیاں جیب کی ہاتھوں میں ہیں آج اے وحشت
جان لی گیسوؤں نے الفتِ رُخ میں آخر
قفسِ تنگ میں گھٹ گھٹ کے نہ مرتے کیونکر
دل کے دینے میں تامل ہمیں ہوتا کیونکر
شعلۂ حسن سے تھا وہ دل اپنا اے دل
دیتے پھرتے تھے حسینوں کی گلی میں آواز
طوقِ منت کے گلے میں تھے وہ دن یاد کرو
ڈوبتے جاتے تھے رہ رہ کے تعشق تارے
دور سے جو آج مدت بعد چار آنکھیں ہوئیں
سینکے افشاں بام پر آئے جو اے رشکِ ماہ
شبِ وصال وہ بسر رکھ کے جیب پہ سوئے تھے
جھنجھلا کے مجھکو ذبح تو صیاد نے کیا
وہاں لُٹتے نہیں سایۂ پردے ہوا ہوں دفن میں جب سے

ہو اگر تصویر بھی یکجا ہماری آپ کی
مفسدہ پرواز ہے چشمِ خماری آپ کی
ہے نصیبِ دشمناں آواز بھاری آپ کی
نہ مضطرب ہو یونہی رسم و راہ ہوتی ہے
سُنا ہے جو شبِ فرقت سیاہ ہوتی ہے
دل و جگر میں تپک گاہ گاہ ہوتی ہے
اثر جو رکھتی ہے کیسی وہ آہ ہوتی ہے
کہ مشتِ خاک ہماری تباہ ہوتی ہے
جگر کے پار تعشق کی آہ ہوتی ہے
باغبانِ چمنِ محفلِ جاناں ہم تھے
جامہ زیبوں سے کبھی دست بہ گریباں ہم تھے
کافروں نے ہمیں مارا کہ مسلماں ہم تھے
نازپروردۂ آغوشِ گلستاں ہم تھے
یہ حسینوں کی امانت تھی نگہباں ہم تھے
آگ دنیا میں نہ آئی تھی کہ سوزاں ہم تھے
کبھی آئینہ فروشِ دلِ حیراں ہم تھے
میتر اس عہد میں بھی چاک گریباں ہم تھے
مثلِ ابر آخرِ شبِ وصل میں گریاں ہم تھے
آبدیدہ ہو کے کچھ باہم اشارے ہو گئے
چاندنی میلی ہوئی بے نور تارے ہو گئے
تڑپ رہا ہوں وہ تکیہ گلے لگائے ہوئے
اب رو رہا ہے منہ کو قفس پر دھرے ہوئے
یہی ضد ہے کہ گھر میں اُڑ کے خاک آئی نیا ہر کی

یہاں اُترتا ہے داغ سے پیالہ	تھرتھری جسمِ آفتاب تن سے ہے
ہل رہے ہیں تمام جز و بدن	کسقدر رب بے قراری دل ہے

تیرے در کی زمین کیا کہنا ہو
ہجر میں رونے کو بیٹھے تھے اب اُٹھ سکتے نہیں
خفا نہ ہو جو تمہاری گلی میں دفن ہوئے
درد چھپتا نہیں انسان سے کہے یا نہ کہے
ہے دفن ہونے کو لاشہ تمہارے گریاں کا
بھری ہیں نشہ سے ایسی وہ نرگسی آنکھیں
ایسی والہ ور حسینوں کی پلک ہوتی ہے
برگِ گل میں کوئی کانٹا نہ چھپا ہو صیاد
دل سے منہ پھیرتی ہیں تاب و توانی موجیں
یاد آتے ہیں جو گیسو تو چمک جاتے ہیں داغ
اے مسیحا تو نے جس دن سے توجہ چھوڑ دی
پونچھ کر دانتوں کی مستی ہنسنے فرمانے لگے
آخر ان جادو بھری آنکھوں نے میری جان لی
دل سوختہ تھے چاہنے والو نہیں تمہارے
ملتے ہی لبِ یار سے لب دل نکل آیا
نہ اُٹھے پھر کبھی راتوں کے بیدار اسطرح سوئے
نہ بجھنے پائے ہم ہاتھ قبر میں بھی داغ سوزاں سے
کسی دل کو غم و اندوہ سے فرصت نہیں دیتا
ہیں یہ سرشار قناعت رفتگاں آنکھیں ہیں بند
ہیں وہی ناز جو تھے عاشق رفتار کے ساتھ
مجھ سے کیا پوچھتے ہو داغ ہیں دل میں کتنے
جھک جائے تو ذرا تو گلے سے لگائیں ہم
ہم وہ ضعیف تھے کہ ہزار آندھیاں چلیں
نقشِ پا تعویذ تربت سے کیجئے ہو

یہ جگہ تو لحد کے قابل ہے
کیسے آنسو تھے کہ ساری دل کی طاقت لے گئے
ہزار بار سب آئے ہم ایک بار آئے
کب برلے دہنِ زخم زباں لازم ہے
مگر زمین کی مٹی خراب ہوتی ہے
کہ جیسے جام میں مملو شراب ہوتی ہے
سانس لینے سے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے
ہم اسیروں کے کلیجے میں کھٹک ہوتی ہے
حسن کی ناز کے جانب سے کمک ہوتی ہے
شب یلدا میں ستاروں کی جھلک ہوتی ہے
تیرے بیماروں کو اُمید شفا جاتی رہی
سینے تارے نکل آئے گھٹا جاتی رہی
بات تیری اے لبِ معجز نما جاتی رہی
لیکن سبب گرمیِ بازار ہمیں سے تھے
مارا جسے عیسیٰ نے وہ بیمار ہمیں سے تھے
مگر کروٹ بدلوانے کو آئی صبحِ محشر کی
کہ رنگت سانولی ہو جائیگی خورشید محشر کی
قسم کھائی ہے گردوں نے زمین کو زیر کی
دیکھے جسکو وہ ایک دو گز کفن میں مرے
میرے تابوت کے ہمراہ سوار آتا ہے
تمکو ایام جدائی کا شمار آتا ہے
پیدا ہوئے ہیں ہاتھ ہمارے مزار سے
اُٹھا گیا نہ ایک دن اپنے غبار سے
جاں نثاروں پر عنایت کیجئے

تعشق

تعشق - راجہ تعشق حسین خاں تعشق ساکن مانک پور ضلع اللہ آباد شاگرد نواب احمد حسین خاں جوش - خوش فکر ہونے کے علاوہ زبان بھی صاف تھی - مذاق ستھرا اور کلام عیوب سے پاک ہے - سیدھا سیدھا صاف صاف خوب کہتے ہیں - دیوان مطبوعہ کا انتخاب درج ذیل ہے -

گرایا چاہ میں یوسف کو بھائیوں نے تو کیا
غلام ہو کے اُسے بادشاہ ہونا تھا

آیا نہ کبھی فاتحہ خوانی کو وہ گلرو
سبزہ شہ لحد کا ہوا پامال ہمارا

حب سے اس عالم فانی میں ہوئے ہم پیدا
کشور دل میں اُسی دن سے ہوا غم پیدا

مے الفت سے رہتی ہے یہاں تک بیخودی ساقی
نظر آتا نہیں کچھ فرق ہمکو دوست و دشمن میں

نقد دل لوگ لئے پھرتے ہیں بازاروں میں
اک جہاں ہے مرے یوسف کے خریداروں میں

جس گھڑی نظر سے نے وہ مستور آنکھیں ہو گئیں
عاشق ناشاد کی بے نور آنکھیں ہو گئیں

سینے کہا اگر رُخ انور دکھائیے
بولا وہ شوخ طاقت دیدار بھی تو ہو

رازق ما رزق بے منت و بد
کوشش اسے پائے ہوس نے سود ہے

تشنہ لب ہیں آب تیغ سفاک ہم
سیر کر آب دم شمشیر سے

بھولے سے بھی گر آپ ہمیں یاد کرینگے
قدمونپہ تصدق دل ناشاد کریں گے

جب سے نہیں ہے تو بُت بے پیر سامنے
رہتی ہے رات دن تری تصویر سامنے

تفتہ - سخنور ہمپایہ طالب و کلیم - منشی ہرگوپال صاحب تفتہ الملقب بہ میرزا تفتہ حضرت غالب مرحوم کے عزیز ترین اور ارشد ترین شاگرد تھے - فارسی کلام آپکا اس پایہ کا ہوتا تھا کہ جسے سنکر اہل زبان ستائش کرتے تھے - ہمیشہ فارسی کہتے رہے - اردو کی طرف کبھی توجہ نہ ہوئی سنہ ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور زیادہ حصہ عمر کا اپنے وطن سکندر آباد نواح دہلی میں گذار دیا ۴ مجلد کلام فارسی میں جسمیں ہزاروں غزلیں - ظہوری - قنبری صائب - حافظ - عرفی - خسرو - جامی کی ہم طرح زمینوں میں ہیں - ان سے یادگار ہیں -

مرزا غالب کو اِن سے ولی اُنس ہی نہ تھا بلکہ اُنھیں اپنا سرمایہ نازش سمجھتے تھے اور ہمیشہ عزیزداری کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ مرزا تفتہ کا لقب انہیں نے عنایت کیا تھا۔ اُردوے معلی میں اکثر خطوط اُنکے نام کے موجود ہیں۔ عالمِ ضعیفی میں مرزا کی وفات کے دس برس بعد انتقال کیا۔ اِن کے اُردو کلام میں صرف حضرت غالب کی تاریخ وفات دستیاب ہوئی ہے جسے ہم تبرکاً درج ذیل کرتے ہیں۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جسکے فیض سے	ہم سے ہزار ہیچمداں نامور ہوئے
فیض و کمال صدق و صفا اور حسن و عشق	چھ لفظ اسکے مرتے ہی سب بے پا و سر ہوئے

تفتہ۔ قاضی محمد شمس الضحیٰ تفتہ۔ قاضی پوری حضرت داغ کے شاگرد ہیں۔ اب احقر تخلص کرتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہوسکے۔ یہ چند اُنکے ہیں۔

ہے درد ہمارے دلمیں یا دُکھ	صدقہ سب کچھ ہے آپ ہی کا
جسا دو آنکھوں کا کہہ رہا ہے	کیا پوچھئے سحر ساحری کا
کچھ نہ سوجھا اُس بتِ نازک ادا کو دیکھکر	رہ گئے سکتے میں ہم شانِ خدا کو دیکھکر
ہمساز مانتے ہیں کوئی پایالِ غم نہیں	مجھ پر ہوا نہ ہو کوئی ایسا ستم نہیں
جینے کی کیوں دعائیں وہ کرتے ہیں نزع میں	اللہ میرے آپ سے مجھے تابِ ستم نہیں
حضرت دل گیا آپ کو اس میں کیا	کہ اب سے ہی تیغ جی سوجھتی ہے
نازک مزاج آپسا دیکھا نہیں کہیں	بیٹھے بٹھائے روٹھ گئے بات کیا ہوئی

تفتہ۔ مولوی بدرالدین خاں مفتی سابق مدار المہام ریاست بھوپال۔ آپ مفتی سلطان حسن صاحب سب جج مرحوم رئیس بانس بریلی کے خلف الرشید ہیں۔ تحصیل علمی کے بعد آپنے بھوپال میں ملازمت اختیار کی اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے صدر المہام کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ نواب شاہجہاں بیگم کے انتقال کے بعد آپنے ملازمت ترک کردی اب اپنے وطن میں بہ قیام پذیر ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گذریں۔ اُن کا انتخاب

حاضر ہے۔

لذت ہے غم عشق کی بیداد و جفا میں
صحبت ہے مری درد میں ہے درد شفا میں

اس کوچے کی پاؤں اٹھانیکی ہو ہمت
دل پر ہیں مرے آبلہ چھالے کف پا میں

ان شوخ نگاہوں کا تو گھر ہے دل بیتاب
بیٹھے ہیں کہاں جا کے وہ آغوش حیا میں

الٰہی سوز پنہاں کو لگے آگ
جلایا دل کو آہوں کے شرر سے

لگے کیا خاک حوروں میں طبیعت
بشر کا دل بہلتا ہے بشر سے

نہ دیکھا آتے جاتے تیر کوئی
دل تفتہ ہوا زخمی کدھر سے

تفضل ۔ سید تفضل حسین صاحب تفضل مقیم قصبہ برست ضلع پانی پت کرنال شاگرد مرزا صابر صاحب بہادر زیادہ حال معلوم نہیں کلام کا نمونہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

میں اپنے شیشۂ دل میں اتاروں تصویر
تمہیں ذرا بھی تصور میں گرفتار رہے

خمیدگی کبھی لازم نہیں تو اضع میں
کہ موج صورت سیماب بیقرار رہے

پڑا یہ صبر مرے اضطراب کا ان پر
کہ وہ بھی طبع کی شوخی سے بیقرار رہے

تفضل اپنی نظر مرہم جگر ہو جائے
گر اپنی آنکھ کی پتلی بشکل یار رہے

تفکر ۔ منشی میاں خاں محرر منصفی باشندۂ سنبل مرادآباد حضرت آغا شاغل دہلوی کے بھی برادر داغ سے فن سخن میں استفادہ حاصل کیا

جو بلائیں تری اے زلف دوتا لیتی ہیں
ان کو سودا ہے کہ سر آپ بلا لیتے ہیں

دست نازک میں وہ کیوں تیغ جفا لیتے ہیں
ہم تو خود مول جو بکتی ہو قضا لیتے ہیں

اور کیا ہے ہو مہمان کی خاطر داری
تیر آتا ہے تو پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

کچھ ضرورت بھی ہے عادت سے بھی کچھ ہیں مجبور
وعدہ بھی کرتے ہیں مہندی بھی لگا لیتے ہیں

لاکھ بن بن کے دکھائے یہ عروس دنیا
کب یہ مفت بھی مردان خدا لیتے ہیں

تقی ۔ منشی محمد تقی خاں لکھنوی ۔ خلف بہادر خاں آپ کو خواجہ وزیر سے تلمذ تھا اور

قبل از غدر کانپور میں سکونت پذیر تھے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے۔

مست دل پر خوں مری آنکھوں نے بہیں گے	اب پتلیاں دیکھیں گی تماشہ مرے دل کا
خون رونے سے سب راز نہاں ہو گیا ظاہر	فاش آنکھوں نے آخر کیا پردہ مرے دل کا
فریاد کروں آہ تقی کس سے میں جا کر	پُر درد ہے افسوس ہے قصہ مرے دل کا
شیشہ ٹوٹا تو برابر ہی مرا دل ٹوٹا	ٹھیس ساغر کو لگی درد ہوا آنکھو نہیں
نہ کھاؤ زہر سے مجکو خدا را سے حور	مان کہنا مرا سر سے نہ لگا آنکھو نہیں

تقی - ابو الکلام مولوی محمد تقی صاحب تقی۔ شعلہ مرحوم کے شاگرد حیدر آباد کے رہنے والے اور کتب خانۂ آصفیہ کے مہتمم ہیں۔

جھلک دکھائی سامنے آئے سرک گئے	عاشق کو ہر طرح سے وہ ترسائے جاتے ہیں
وعدہ تو روز ہوتا ہے آتے نہیں کبھی	عاشق کو انتظار میں تڑپائے جاتے ہیں
آپکے کہنے سے آجاتا ہے مجکو تو یقیں	بات لیکن آپ کی سچی کوئی ہوتی نہیں
غم مری قسمت کا ہے اغیار کو کیونکر ہے	ان کو غم ہوتا نہیں مجکو خوشی ہوتی نہیں
واعظا تیری نصیحت کا ہوا کچھ بھی اثر	بات کوئی کبھی رندوں نے تری مانی ہے

تقی - نواب بنے صاحب لکھنوی۔ آجکل کے شعرا میں ہیں۔ جو چند شعر نظر سے گذرے ان سے پایا جاتا ہے کہ آپ کا مذاق پاکیزہ ہے اور مضمون نکالنے کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ جناب نشتر سے تلمذ ہے اور رسالہ معیار کی کمیٹی کے ممبر ہیں آپکے کلام کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

خوں بہانا ہے جو دعوے سے کسی دلگیر کا	وہ اُٹھے ہیں آج قبضہ چوم کر شمشیر کا
مشق نظارہ نے اتنا جذب تو پیدا کیا	صفحۂ دل پر ہے نقشہ آپ کی تصویر کا
دیکھنے والوں کی نظروں کو کیا ہے مضطرب	رنگ اتنا شوخ ہے ظالم تری تصویر کا
شام ہونا غم فرقت میں سحر ہو جانا	یوں مری عمر دو روزہ کا بسر ہو جانا

رُوح کر دیتا ہے تحلیل یہ وہ صدمہ ہے	دلِ ناشاد کا ناکامِ اثر ہو جانا
آج بیمارِ محبت کی بُری حالت ہے	ہو مناسب تو کسی وقت اِدھر ہو جانا
تیرا آنا ہے مرے واسطے اُمیدِ حیات	تیرا جانا مرے مرنے کی خبر ہو جانا
ناتوانی شبِ فرقت میں بڑھی ہے اتنی	میری کروٹ کا بدلنا ہے سحر ہو جانا
آنے والی ہے قیامت یہ خبر دیتا ہے	آپ کا گورِ غریباں سے گذر ہو جانا

تکلف

تکلف ۔ مرزا اکبر علی بیگ شاگرد مولوی سید محمد جعفر صاحب آسان کانپوری کانپور کے ضلع میں کسی تھانہ میں محکمہ پولیس میں محرر تھے۔ اور اس طرح سخن طرازی کرتے ہیں۔

کس جا پہ ترا ڈھونڈنے والا نہیں جاتا	کعبے نہیں جاتا کہ کلیسا نہیں جاتا
گانے سے اُسکے آتشِ الفت بھڑک اُٹھی	جل جل گئے ہیں شعلۂ حسنِ صدا سے ہم
خفا نہ ہو جو کیا میں نے ظلم کا شکوہ	چلو وہ یونہی سہی تم کو جفا نہیں آتی
کیا جو بوسہ طلب اُس نے سر جھکا کے کہا	تمھیں یہ کہتے ہوئے کچھ حیا نہیں آتی

تلسی

تلسی ۔ بابا تلسی داس گسائیں سرجو پاری برہمن تھے۔ اُن کی ماں کا نام ہُلسی اور باپ کا نام آتما رام تھا۔ اُن کے والدین نے روزِ پیدائش ہی سے اِن کو علیحدہ چھوڑ دیا تھا بعض مورخوں کا قول ہے انکی پیدائش سمت ۱۵۸۳ میں ہوئی بعض کا خیال ہے کہ سمت ۱۵۸۹ بکرمی کا جنم ہے اِن کی تعلیم و تربیت و تحصیل علم کی بابت بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کے گرو نرسنگھ داس تھے بعض کا بیان ہے جگن ناتھ داس سے انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ اول انکی شادی دین بندھو پاٹھک کی لڑکی رتناولی سے ہوئی تھی جس کے بطن سے تارک نام ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

مشہور روایت ہے کہ تلسی داس جی جوانی کی عمر میں نہایت اوباش اور بدچلن تھے

چنانچہ ایک عورت رامامی سے آشنائی تھی جو سرجو پار رہتی تھی۔ تلسی داس کا دستور تھا کہ ہر روز رات کو اپنی معشوقہ کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایکدفعہ دریا بہت چڑھا ہوا تھا اور کشتی بھی موجود نہ تھی اتفاقاً ایک مردہ لاش بہی ہوئی جا رہی تھی۔ تلسی داس نشۂ عشق میں سرشار تھے بیتابانہ اسی پر بیٹھ گئے اور دریا سے پار ہو گئے جب اپنی آشنا کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا اور ایک سانپ لٹک رہا تھا تلسی داس نے خیال کیا کہ رسہ ہے اسکو پکڑ کر بالاخانہ پر چڑھ گئے اور اس عورت سے ملاقات کی۔ معشوقۂ طناز نے دریافت کیا کہ تلسی آج تم کیونکر یہاں آئے۔ تلسی داس بولے کہ تم نے جو کمند میرے لئے لٹکا رکھی تھی اُسکو پکڑ کر آگیا جب اس عورت نے جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سانپ تھا چنانچہ تلسی داس کی سچی محبت کو دیکھکر اس عورت نے ذیل کا دوہا پڑھا۔

دوہا

دھک دھک تو ہے پران پیارے (محبت)		چام - ہاڑ - امی - نرس - ہمارے (چمڑا، عضو، نکمے)
ایسو من جو لاگت رامئی		تو سدھرت تیرے سب کامئی

یہ سنکر تلسی داس مہاراج کے دلمیں گیان کی چوٹ لگی اور اسی روز سے عشق حقیقی کی طرف رجوع ہوئے ہر چند ان کی آشنا نے ٹالنا چاہا مگر آپ یہ کہکر چلے آئے۔

دوہا

تلسی داس کہے مان گلانئی (افسردہ)		ہے ست ہے ست نیہ تب بانی (محبت)
بورے ترت موکھ کی نا ئیں		گئے کاش بچ بھون گسائیں
کہیں ایک رگھناتھ سنگ باندھو جٹا سر کیس		ہمتو چاکھا پریم رس پتنی کے اپدیش

جب سے تلسی داس زاہد و خدا پرست لوگوں کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور اکثر آزادانہ پھرا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چترکوٹ میں تلسی داس نے ہنومان جی مہاراج سے ملاقات کی اور انہوں نے ان کو شاعری کی قدرت عطا کی سمت ۱۶۳۱ بکرمی میں آپ نے رامائین کی تصنیف

شروع کی جو مہاراجہ رامچندر جی کے تاریخی واقعات کی مستند کتاب ہونے کے علاوہ اپنی شیریں زبانی اور موزونی میں ایک خاص اہمیت اور دلکشی رکھتی ہے۔ علمی۔ اخلاقی موحدانہ مضامین مصرعہ مصرعہ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ انکا لطف کچھ وہی زبانیں جانتی ہیں جو بھاشا کی چاٹ سے آشنا ہیں۔ الغرض تلسی داس اپنے زمانہ کے متقی پرہیزگار خداشناس۔ نیک مرد۔ صاحب کشف وکرامات گذرے ہیں۔ جہانگیر کے زمانے میں جس وقت وبائے طاعون پھیلی تھی اگرہ میں کسی عورت کا خاوند مر گیا چنانچہ وہ اس وقت کے دستور کے موافق ستی ہونے کے لیے جاتی تھی۔ اتفاقاً راستہ میں مہاراج تلسی داس مل گئے اس عورت نے ان کو دیکھکر ڈنڈوت کی مہاراج تلسی داس نے دعا دی کہ تیرا سہاگ بنا رہے۔ اس پر اس عورت نے رو کر کہا کہ مہاراج یہ کیونکر ہو سکتا ہے میرا خاوند تو فوت ہو گیا۔ اور میں ستی ہونے کو جاتی ہوں یہ سنکر مہاراج تلسی داس اسکے ہمراہ گئے اور اسکے خاوند کو دوبارہ زندہ کر دیا جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو بادشاہ وقت نے ان کے مذہبی عقائد سے ناراض ہو کر قید کر دیا کہتے ہیں کہ ہزاروں بندر قید خانہ توڑنے کو آموجود ہوئے اور بادشاہ نے متعجب ہو کر ان کو رہا کر دیا اور مزید عنایت کا اقرار کیا۔

ان کی سکونت کی بابت بھی مورخوں نے مختلف خیال ظاہر کیے ہیں۔ لیکن ان کا خاص وطن راجاپور ضلع باندا تھا۔ جو خود ان کے ہی دوہے سے ثابت ہے۔

دوہا

راجاپور جمنا کے تیرہ	تلسی جہاں بسے من ہیرہ

تلسی داس کا زمانہ اکبر و جہانگیر کے عہد حکومت میں تھا چنانچہ آپ کی اکبر کے وزیر خانخاناں سے بہت دوستی تھی اور خانخاناں بھی ان کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا چنانچہ ایک دفعہ ایک برہمن جسکی لڑکی کنواری تھی اور شادی کے اخراجات کی استطاعت نہ رکھتا تھا۔ مہاراج

تلسی داس سے سفارش کا خواہاں ہوا چنانچہ آپ نے دوہے کا ایک مصرعہ لکھکر اُسے وزیر موصوف کی خدمت میں بھیجدیا۔ مصرعہ یہ تھا ؎

سُرتیہ نرتیہ ناگ یہ سب چاہت رس ہوے

خانخاناں نے اس غریب برہمن کی امداد کی اور دوسری مصرعہ حسب ذیل لکھدیا جس سے خانخاناں کی طبیعت کا مذاق ظاہر ہوتا ہے۔

گود لئے ہلسی[۱] پھرت تلسی سون سُت ہوے

مہاراج تلسی داس کو رامچندر جی مہاراج کا عشق تھا اور ہمیشہ ان کی ہی پوجا سیوا کیا کرتے تھے دوسرے دیوتاؤں کے سامنے سجدہ کرنا کفر خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ متھرا جی گئے تو ہر طرف رادھا کرشن رادھا کرشن لوگوں کو رٹتے سُنا تو آپ نے بیساختہ فرمایا۔

دوہا

رادھے رادھے رٹت ہیں آک ڈھاک اور کریر	تلسی یا برج بھوم میں کہا رام سے بیر

یہ سُنکے لوگوں نے کہا مہاراج آپ کیسے مہاتما ہیں کہ بہاری جی کے درشن تک نہیں کرتے یہ بھی تو پرماتما کا اوتار ہیں۔ چنانچہ جب آپ بندرابن گئے تو فی البدیہہ یہ دوہا کہا۔

دوہا

کیا کہوں چھب آپ کی بھلے بنے ہو ناتھ	تلسی مستک جب نوائے دھرو دھنش شر ہاتھ

کہتے ہیں سری کرشن جی مہاراج نے اپنے تصور کے مطابق ان کو رامچندر جی کے روپ میں درشن دیئے جیسا اس دوہے سے ثابت ہوتا ہے۔

دوہا

مُرلی مکٹ دوو اکے دھرو دھنش شر ہاتھ	تلسی لکھ رچ داس کی کرشن بھئے رگھناتھ

آپ کی وفات سمت ۱۶۸۰ بکرمی میں واقعہ ہوئی۔ تاریخ وفات کسی بھاشا کے شاعر نے اسطرح کہی ہے۔

۱؎ مہاراج تلسی داس کی ماں کا نام تھا۔

سمت سولہ سو اسی (سمت ۱۶۸۰) اسی برن کے تیر	ساون سکلا ستمی تلسی تجے سریر

تلسی داس اکثر متھرا بندرابن۔ کورکشیتر۔ پریاگ۔ چترکوٹ جگناتھ کی جاترا میں مصروف رہتے تھے۔ بندرابن میں سبھاجی سے جو اس وقت میں سنسکرت زبان کے فاضل تھے ملاقات کی۔ ان کی تصنیفات رامائن کے علاوہ سبنے پترکا اور گیتا بلی ہے۔ آپ کے اکثر دوہے اور چوپائیاں زبان زد خلایق ہیں جن میں مضمون کی بلندی۔ تشبیہات و استعارہ کی خوبی کے علاوہ بے ساختہ پن بھی پایا جاتا ہے۔ آپ کے اشعار تصوف و پند و نصایح سے مملو ہیں شعرائے ہند میں انکا رتبہ فردوسی اور میر تقی کے برابر بلکہ ان سے بھی افضل سمجھا جاتا ہے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

دوہے

تلسی اس سنسار میں آئے سبھی ملائے	ملا سنگھ مارے نہیں انمل مارے گائے
تلسی میٹھے بچن سے سکھ اپجت چہوں اور	بسی کرن یہ منتر ہے تج دے بچن کٹھور
کاگا کا سا لیت ہے کوئل کا کو دیت	میٹھا بچن سنائے کے جگ اپنا کر لیت
تلسی اس سنسار میں وہی بھیو سمرتھ	اک کنچن دو کچن پر جو نہ پسارے ہتھ
تلسی سیدھی چال سے پیادہ ہوئے وزیر	فرضی شاہ نہ ہو سکے گت ٹیڑھی تاثیر
تلسی آہ غریب کی کبھی نہ خالی جائے	مرے چام کے سانس سے لوہا بھسم ہو جائے
کرم کنڈل کر گئے تلسی جہاں جہاں جائے	سرتیا ساگر کوپ جل بوند نہ ادھک سمائے
دو ڈو کوس ہزار ہے لکشمی پاس	بے کرپا رگھناتھ کے ملے نہ تلسی داس
تلسی اپنے رام کو ریجھ بھجو کہ کھیج	کھیت پڑے سے جم جائیگا الٹا سیدھا بیج
پریت سکھ لوائے سے جب ہے سکی کان	جہاں گانٹھ تہاں رس نہیں یہی پریت کی بان
تات سورگ اپبرگ سکھ دھریئے تلک اک انگ	تلے تا سے سکل مل جو سکھ لو ست سنگ
ایک گھڑی آدھی گھڑی اور آدھی کی آدھ	تلسی سنگت سادھ کی ہرے کوٹ اپرادھ

دیکھو پیت کی ریت بھل چل پہ سرس بکاسے
سیوک کرے پد پنن سے سکھ سوں صاحب ہوے
کام کرودھ لوبھ آدھ مدھ پربل موہ کی دھار
سیچو یہ سگرو جو پہ یہ بولیں سبے آس
تلسی ریکھا کرم کی میٹ سکت نہیں رام
پہونچا ہیں اسکے بیٹھی سنکر کھاسے
ایک بھروسے رام کے سگئے پا پاپ بھر پوٹھ
اوت سے پہرکی نہیں یہ نہیں سینے
ہر کا آسے اور کرسے چلت تو اٹی سیس
پایسے پایاسے کرکے سیلے اسات
تلسی اپنے رام کو کیوں نہ سیچے نیت نکھ

کپٹ کٹائی پرپت ہے بکٹ ہوے اس جاسے
تلسی پرپیت کی ریت لکھ سو کوئی سراہیں سوسے
تن من ائی وارن دکھ دما یار و پی نا ر
راج دھرم تنو پین کرہو آ بیگ ہی ناس
سیٹے تو اچچ ہمن پہ سمجھ کرسے ہس کام
جو بکری میں پیں کرسے سچ ہی ماری جاسے
بیسے نارکنارکو اپنے کی اوٹ
تلسی تھال نہ جاسیے کنچن برسے مینہ
تلسی لیسے منتر سے ملئے لیوسے بیس
تلسی داس غریب کی کوئی نہ پوچھے بات
آو دانت میں ایک سے جیسے نو کا آنکھ

اس دوہے میں نازک خیالی - بلند پروازی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے خدا کی ذات کو کثرت سے وحدت میں دکھاتے ہیں - یعنی جس طرح نو کے عدد کو چاہے جس قدر پھیلا کر جمع کیا جاسے تو نو ہی نوربتے ہیں - اسی طرح قادر مطلق کی ذات یا وجود ہزار رنگ میں ہے جلوہ گر ہو مگر ہے ایک ہی -

چوپائی

آ اسشت کی مہی بڑائی
شیام گور گرم کرن و کہی نہ جائی
سندرت چت کرہیں بھلائی
گراں نین بن بانی

فرماتے ہیں رامچندر جی سرو چھمن کو ہم کیونکر بیان کرسکتے ہیں جن آنکھوں سے دیکھا ہے انکی زبان نہیں ہے اور زبان سے آنکھیں نہیں ہیں جو دیکھ کر بیان کرسکیں -

انتیا مکالم سوس گرسے ٹو
کنول بیکن سرشت ہیں جیسے

تمکیں

تمکین ۔ میاں صلاح الدین دہلوی ۔ شاہ حاتم کے ہمعصر اور شعرائے قدیم میں سے تھے طبیعت تعلقات دنیوی سے آزاد تھی اور فقیرانہ وضع رکھتے تھے ایک قلمی تذکرے سے انکا کلام منتخب ہوکر درج ذیل ہے ۔

عشق اور حسن کو جس روز کہ ایجاد کیا
نامہ کا میرے لیکر اس سے جواب پھرنا
سیکھے کیا ورد دل بلبل گلوں سے

مجھکو دیوانہ کیا تجھکو پریزاد کیا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا
اڑا دیتے ہیں اسکی بات ہنس کر

تمکیں

تمکین ۔ میر ہدایت علی متوطن قصبہ کندرکی ضلع مرادآباد نہایت ذہین اور طباع اور علوم و فنون عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے خوشنویسی میں بھی ید طولےٰ حاصل تھا چنانچہ اکثر خطوط استادانہ نہایت عمدگی سے لکھتے تھے ۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی ۔ فارسی شعر اکثر اور ریختہ بہت کم کہتے تھے متقی پرہیزگار و ادیب کامل تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت یعنی بارہویں صدی کے آخر تک زندہ تھے چند شعر انہیں کے تذکرے سے انتخاب کرکے درج کیے جاتے ہیں جن سے تلاش الفاظ و مضامین اور رنگیں بیانی کا پتہ چلتا ہے ملاحظہ ہوں ۔

وہ حسین یوسف کنعاں ہے دوسرا
پھر شورش جنوں ہے نیا چاک کیا کروں
مشہور ہے دوسرا کا دلا کوچۂ ستم
پرسش شب کے رستے کی ہے جگر جگہ وہ سے
اس عرصۂ جہاں میں تڑپے ہے اشک میاں
دل خزیں ہے مثل غنچۂ شگفتہ تو جیسا اگرچہ ہیں
لیتا ہے تنگ گر اس بچ کی گیا تو تمکین کا جگر گیا ہے
اب نہ وہ بلبل ہے نہ گلزار کیا تھا کیا ہوا

اسکے مقابلہ کوئی انساں ہے دوسرا؟
واں اس سے دوسرا نہ گریباں ہے دوسرا
تڑپی ہے ایک وہ اپنے تو بیجاں ہے دوسرا
تمکین کو ہے یار شبستاں ہے دوسرا
خنداں اگر ہے ایک تو گریاں ہے دوسرا
گر سکے کوچہ میں کاش لیجائے صبا تو غبار میرا
وہ چھپا اسکے سبب میرا قرار اور اختیار میرا
کچھ نہیں آتا نظر بجز غبار کیا تھا کیا ہوا

کیا کہوں شب ہمنشیں جاتا رہا سامانِ عیش
گردشِ افلاک سے اکبار کیا تھا کیا ہوا

نہ وہ ساقی رہی نہ مینا ہے نہ ساغر ہے نہ مُل
نے بغل میں یارِ گل رخسار کیا تھا کیا ہوا

پیش ازیں رکھتے تھے تمکین ہم اُسے آغوش میں
اب میسر بھی نہیں دیدار کیا تھا کیا ہوا

بیداد و جفا و ستم و جور و عداوت
کیجے گا کہاں تک بھلا دیکھیں تو ہم اچھا

کیا ہے سبب جو اُسکے ہے کوچہ کی لال خاک
کی اُسنے عاشقوں کی مگر پائمال خاک

میں وہ شہیدِ تیغِ نگہ ہوں کہ ہے میاں
مجھ مشتِ استخواں کی برنگِ گلال خاک

ہووے رسائی اس لبِ نازک تلک مجھے
لیجائے اے خدا کوئی میری کلال خاک

آج تو کچھ سلام بھی لیتے نہیں ہو خیر ہے
جاتے ہو اسطرح چلے جیسے کہ آشنا نہیں

چین جبیں ہو آج آپ اُٹھ کھڑے ایسے جلد کیوں
واسطہ وجہ کیا سبب کیئے تو کچھ کہا نہیں

لوگے کیا اب تو نہ دل ہے نہ جگر رکھتے ہیں
قصد آنے کا تو اب یارِ دگر رکھتے ہیں

افعی ہے شب ہے مشک ہے یا تو کیا ہے یہ
زلفِ سیہ ہے یا کوئی کالی بلا ہے یہ

مصحف ہے گل ہے صبح ہے یا ہے یہ رُو تیرا
شمس الضحیٰ ہے یا کہیں بدرِ جیٰ ہے یہ

تمکیں غزل کا کہنا ترا ایسی طرز سے
ظاہر ہے یہ کہ خوبیٔ ذہنِ رسا ہے یہ

دین و دل و شکیب گئے اِک نگاہ میں
ہمسے سلوک واہ یہ کیا یار کر چلے

جب سے صورت تری آنکھوں میں مری پھرتی ہے
سارے عالم سے مجھے بیخبری رہتی ہے

دور میں تیرے زبس خون کا بازار ہے گرم
اک نہ اِک نعش ترے گھر میں پڑی رہتی ہے

کسطرح بھولے نہ تمکین بھلا دنیا و دین
اِسکو ہر وقت میاں یاد تری رہتی ہے

جو تاب عارض سے تیرے شرماکے قرص مہراب سحاب میں ہے
قیاس کرنا اسی کے اوپر کہ ماہ پھر کس حساب میں ہے

زباں سے بولا ہوں تو قسم لو نہ آنکھ اُٹھا کر میں اس کو دیکھا
نہیں یہ معلوم کیا سبب ہے جو آپ ہی آپ ہی عتاب میں ہے

نقاب اُٹھاؤ نہ رو دکھاؤ نہ حال پوچھو نہ پاس آؤ
تمھارے ہاتھوں سے ان دنوں تو بچارا تمکیں عذاب میں ہے

غیر سے یہ اختلاط اور ہم سے خالی پیار واہ	بس ہوئی معلوم ہمکو قدردانی آپکی

تمکین ۔ میر سعادت علی تمکین ۔ انکا اصلی وطن پٹنہ تھا مگر یہ خود غدر سے کئی سال پیشتر دہلی آرہے تھے اس وقت آپ کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی طبیعت میں ظرافت اور کلام میں شوخی پائی جاتی ہے ۔ زبان بھی صاف ہے یہ انکا کلام ہے ۔

درد و غم رنج و اضطراب و قلق	حال کیجے بیان تو کس کس کا
کان دکھ کر بات غیر کی سُنا کرتے ہو تم	کاش کہ ہم بھی ہوتے تمسے صورت آشنا
گرنشہ سے بھی نگہ میں تری ہو	مے کی پینے کی احتیاج نہیں
نام تمکیں ہوا تو کیا ہمدم	راتدن بیقرار رہتا ہوں
مہر والفت کا ثمر ہے مہر و الفت دہر میں	پر محبت سے مری تم اور دشمن ہوگئے

تمکین ۔ بخت مل خلف الصدق پنڈت چھمی رام صاحب فدا ۔ دہلی کے رہنے والے تھے جو کچھ کہتے تھے اپنے والد بزرگوار کو دکھا لیتے تھے ۱۸۴۵ء میں زندہ تھے یہ بیت اشعار انکے ہیں ۔

مشتاق قدم بوسی ہے ہر خار بیاباں	لائی ہے دلا یہ تری شوریدہ سری رنگ
خونبخت جگر گر سد راہ اشک آنکھوں میں	تو ڈوبیں طائران سدرہ تا منقار پانی میں
جب سے کافروہ کیتلی نظر آئیں آنکھیں	ہم نے ہرگز نہ کبھی بت سے لڑائیں آنکھیں

تمکین ۔ محمد یوسف تمکین دہلوی ۔ دہلی کے سرکاری مدرسہ میں تعلیم پائی تھی صاحب طبع مستقیم و ذہن سلیم شوخ مزاج ظریف تھے سنہ ۱۲۶۳ھ میں مدرسی کی تحصیل سے فارغ ہو کر سند تکمیل فارسی و خوش اطواری حاصل کی ۔ مذاق سخن اچھا تھا ۔ انتخاباً چند شعر درج ذیل ہیں ۔

تھا دم لبوں پہ اور کبھی لب پہ آہ تھی	فرقت کی رات کیا مری حالت تباہ تھی

دوزخ بھی جس سے مانگتا ہر دم پناہ تھا
کس دل جلے کی بار خدایا یہ آہ تھی

ہوتے ہی شام دام الم میں پھنس گیا
تھی شام یا خدا کہ وہ زلف سیاہ تھی

قطعہ

خانہ خراب ہو جو ترا عشق سے بچا
آئین کونسا تھا یہ کیا رسم و راہ تھی

تو نے جو میرے دلکو صنم خانہ کر دیا
رہتا خدا تھا جس میں یہ وہ بارگاہ تھی

محشر میں کیونکہ جلوۂ دیدار دیکھتا
آنکھوں کے سامنے تری زلف سیاہ تھی

تمکین کو ایک نگاہ میں دیوانہ کر لیا
جادو فریب آہ یہ کس کی نگاہ تھی

تمکین

تمکین - مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع ... خلف مولوی غلام رسول خاں بہادر متخلص بہ تحسین صدر الصدور ڈھاکہ ضلع ... کے رہنے والے بڑے ظریف شخص تھے۔ بیشتر ریختی کہتے تھے۔ مولانا ناسخ صاحب سخن شعرا کے دوستوں میں سے تھے۔ اور خاصہ کہہ لیتے تھے ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔ یہ اشعار ان کے ہیں۔

لن ترانی کے سوا اسکی زباں پہ کچھ نہیں
اس ستمگر نے سنا ہے جب سے قصہ طور کا

کوے جاناں کم نہیں کعبے سے عاشق کیلئے
وہ حق سے کم نہیں دیدار رخ نیکوے دوست

لاف کرتی ہے اب اس چشم سے بیمار نرگس
کہیں ان آنکھوں کے آگے ہے بھلا کیا نرگس

مہرباں ہمیشہ بھی ہے اور جفا کار بھی ہے
لطف اور پیار بھی ہے غصہ و تکرار بھی ہے

تمکین

تمکین - محمد حسن نام تمکین تخلص ابن حکیم مولوی عظیم الدین صاحب ہیں۔ مولد و مسکن قصبہ بچھراوں ضلع مرادآباد۔ بڑے خوش مزاج اور لطیفہ سنج آدمی ہیں عمر ۴۰ سال سے کم ہے۔ مولوی نجم الدین صاحب برق مرادآبادی سے تلمذ ہے۔ ایک زمانے میں ان کو شاعری کا بہت شوق تھا ہر وقت شعر و سخن کے جلسے رہتے تھے۔ اب صدمات و علائق دنیوی کے سبب سے اس طرف توجہ کم ہو گئی ہے۔ اور شعر کہنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ دو تین سال ہوئے ریاست رامپور میں ملازم تھے۔ مگر نوکری چھوڑ کر وطن چلے آئے اور زمینداری کا شغل رکھتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سے چند اشعار بطور نمونہ پیشکش ہیں۔

تمھارا ذکر کیا تھا تم جو بگڑے
کہیں کی بات تھی قصہ کہیں کا

دوستی میں تری دشمن ہے زمانہ اپنا
آفتِ جان ہوا دل کا لگانا اپنا

اپنی قسمت سے بدل ڈالوں میں قسمت کسکی
چھین کر دوں دلِ مضطر تجھے راحت کسکی

آپ بھی جلتے ہیں اور جان بھی جاتی ہے ابھی
سخت مشکل میں ہوں پہلے کروں رخصت کسکی

یہی انداز ستم اوس نے بنا رکھا ہے
غیر کو میرے جلانے کو بٹھا رکھا ہے

تمکین ۔ منشی فضل حق تمکین دہلوی باشندۂ چیلی قبر دہلی۔ کاپی نویسی کرتے تھے اور ۱۸۷۵ء میں حیات سے تھے زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

بام پر شب جلوہ گر وہ غیرتِ مہتاب تھا
دیکھ کر اسکو قمر مثلِ کتاں بیتاب تھا

جب تصور میں ترے رویا میں آیا قوت لب
اشک جو آنکھوں سے ٹپکا گوہرِ نایاب تھا

ہستی ہے اپنی تو تیرا وصل اے دریائے حسن
دل تڑپتا ہجر میں جوں ماہیِ بے آب تھا

میل تیرا ہو ہے اے جانِ من ربط قدیم
تجکو لیلی کہتے تھے مجنوں مرا القاب تھا

دین و ایماں صبر و طاقت کھو دیا سب عشق میں
کلبۂ تمکین میں یارو بس یہی اسباب تھا

جو صحرا کو ہم نکلے جوشِ جنوں میں
تو کانٹوں کو لیتے قدم دیکھتے ہیں

کہا میں نے یہ اس سے کہ نالہ لقا سنا تو نے دو دو کانوں سے لگ کہ
وے میرے فسانۂ غم کو ذرا کبھی کان لگا کے سنا ہی نہیں

تمنا ۔ محمد اسحاق خاں مرحوم تمنا۔ متوطن گجرات۔ احسن اللہ خان بیان مختار کار سرکار مرزا شگفتہ بخت مقیم بنارس کے ہم زلف تھے۔ بڑے عاشق مزاج اور آزاد منش آدمی تھے ہمیشہ نازنینانِ پری چہرہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ عالم شباب میں انتقال کیا۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

جس کے غم میں ہم کبھی آرام سے واقف نہیں
کیا غضب ہے کہ وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

شبِ فراق کی سختی تمام کٹ جاوے
جو صبح تو مرے آکر گلے لپٹ جاوے

اپنی تو یہ صورت ہے کہ جوں بلبل تصویر تڑپ رہا ہے کوئی خستہ جاں زمیں کے تلے	پرواز کی طاقت نہیں اور پاس چمن[1] ہے اُٹھے ہے زلزلہ جو سر زباں زمیں کے تلے

تمنّا — تمنّا۔ جمیل الدین تمنّا متوطن شیخ پورہ من محالات ضلع فرخ آباد از شاگردان رشید نظام الدین ممنون۔ جوان وجیہ۔ جمیل نجیب۔ خوش اخلاق۔ یہ آپکا کلام ہے۔

محو صید مرغ دل از بس وہ صید انداز ہے پا بگل حیرت سے ہے سرو گلستاں راست کہ	پنجۂ مژگاں جسکا چنگل شہباز ہے۔ کس قیامت قد کا یاں تمری خرام ناز ہے
نہ اُٹھا گو حیا آیا منہ میں پانی اُسکے شبنم نے	ہوا بیہوش بیاں تک دیکھکر غنچہ دہن تیرا

تمنّا — تمنّا۔ امیر والاشان نواب سید علی حسین خاں تمنّا عرف نواب دولہ بہادر خلف میر حسین علی رضوی۔ نسب میں عالی قدر اور نواب معتمد الدولہ بہادر وزیر اودھ کے حقیقی خواہر زادہ اور داماد تھے اوہنیں کے ہمراہ لکھنؤ سے کانپور تشریف لائے اور یہیں بود و باش اختیار کی۔ شیخ امام بخش ناسخ سے تلمذ تھا۔ اِنکے پوتے کا بیان ہے کہ صاحب دیوان تھے۔ اور قصیدوں میں ذوق اور سودا کا انداز ہے۔ ۲۷ صفر ۱۲۸۰ھ چھہتر برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ راقم کی نظر سے چند غزلیں گذریں انکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ساتھ دیتا ہے کون پیری میں یارب برا ہو پیر سُئے خانہ خراب کا تا حشر اب نہوگی ملاقات آپ سے	گوشت نے استخواں کو چھوڑ دیا محتاج بال بال ہوا ہے خضاب کا رخصت ہوا یہ کہہ کے زمانہ شباب کا
کیا اثر تھا جذبۂ دل میں کہ بعد قتل بھی تمنّا ہے یہی سو قتل جھکے وہ ذبح کرتے ہیں حشر تک روئیں گے احباب تمنّا مجھکو	تیر سینے سے اگر نکلا تو پیکاں چھوڑ کر بڑھا کر ہاتھ دونوں ڈالدے قاتل کی گردن میں یاد آئے گی جو آشفتہ بیانی میری

[1] یہ شعر حالت نزع میں کہا تھا ۱۲

حضرتِ نوح بھی گھبرا کے دعائیں کرتے ۔۔۔ دیکھ لیتے جو کبھی اشک فشانی میری
آیا جو وہ مسیح نفس بہرِ فاتحہ ۔۔۔ قالب میں جان پڑ گئی خشتِ مزار کے

تمنا

تمنا۔ منشی مسیح الدین باشندۂ کلکتہ۔ منشی اسیر مرحوم کے نواسے اور حضرتِ وحشت کے شاگردوں میں سے تھے ۱۲۸۵ھ ہجری میں نواح کلکتے میں مختاری کرتے تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

گر لپیٹتا تو کبھی خواب میں مصحفِ رو ۔۔۔ تنِ عریاں پہ مرے جامۂ قرآں ہوتا
جب وہ مہتابی پہ رخسار دکھا دیتے ہیں ۔۔۔ چرخ پر ماہ کو خورشید بنا دیتے ہیں
دھوئے مہندی لبِ دریا تو اگر ہاتوں سے ۔۔۔ جائے ماہی ہو سمندر کا مکان پانی میں
حکمِ قانون شفائے مرضِ غم ہے یہی ۔۔۔ بوسۂ لب دلِ بیمار کا درماں ہووے

تمنا

تمنا۔ کسی خوش فکر باشندۂ لکھنؤ کا تخلص ہے۔ جب ترتیب تذکرہ سخن شعراء کے وقت ٹیابرج کلکتہ میں واجد علی شاہ کی سرکار میں بسر اوقات کرتے تھے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

جو اس طرف سے گذر ہوا ہے تو قبرِ عاشق بھی آ کے دیکھو
نگاہِ حسرت سے گر نہ دیکھو بلا سے تیوری چڑھا کے دیکھو
صبا یہ کہنا خدا بچائے فقط ہیں اب آخری سنبھالے
گذرتے ہیں ناز اُٹھانے والے جو دیکھنا ہے تو آ کے دیکھو

غنودگی بھی ہے کچھ ہچکیاں بھی آتی ہیں ۔۔۔ یقین ہے اجل آئیگی آج خواب کے ساتھ

سفر بہ سرعت ہوا ہے جہاں سے کوئی کیسے بڑھ کے کارواں سے
قدم اُٹھائے چلو یہاں سے کہ یہ جگہ ہے روا روی کی
کھلے ہیں سب زخم خوں چکیدہ برنگِ گلہائے نو رسیدہ
تمام اعضا ہیں گو بریدہ مگر نہ عادت گئی ہنسی کی

تمنا

تمنا۔ صاحب عالم میرزا غیاث الدین تمنا گورگانی خلفِ شاہزادہ مرزا شمس الدین ابن

حضرت فردوس منزل عالی گوہر محمد جلال الدین شاہ عالم بادشاہ۔ حافظ قطب الدین صاحب مشیر کے شاگرد رشید تھے۔ لارڈ لیک نے جو شاہ عالم بادشاہ کی اولاد کیواسطے سات ہزار آٹھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ شاہی تنخواہ سے علیحدہ مقرر فرمائی تھی وہ انگریزی خزانہ سے وصول ہو کر آپکے والد صاحب کے مکان پر تقسیم ہوا کرتی تھی ۱۸۵۷ء کے بعد مرزا صاحب موصوف نے سات ہزار آٹھ سو روپیہ ماہوار سابقہ تنخواہ جاری ہونے کے واسطے بہت کوشش کی لیکن ناکامیاب رہے پھر مجبور ہو کر حج کے لئے تشریف لیگئے ۱۲۳۲ھ میں قلعہ معلی کے اندر پیدا ہوئے اور تہتر برس زندہ رہکر ۱۳۰۵ھ میں حج سے واپسی کے ۱۲ روز بعد دہلی میں انتقال فرمایا حضرت سلطان جی کی باولی کے اوپر اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے ۱۲۸۱ھ میں انہوں نے ایک منظوم تاریخ لکھی جس کا تاریخی نام بزم انتخاب ہے اور اس میں کل شاہان خاندان مغلیہ کا حال درج ہے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ انکی اولاد دہلی میں موجود ہے۔

جو آنکھ چرا کے تھے لگے کرنے اشارے	ہو ہو گی ابھی آہ کی تاثیر ہوئی کیا
تھامے ہوئے دل بیٹھے ہو کیوں آج تمنا	کل دل پہ جو رکھتے تھے وہ تصویر ہوئی کیا
نہیں دردِ دل کے سنانے کی طاقت	لبوں کو نہیں ہے ہلانے کی طاقت
بیتابیوں کا حال تمنا نہ پوچھئے	دل لے گیا ہے ایک طرحدار کیا کہیں
قتل منظور ہے تو بسم اللہ	آؤ امیدوار میں بھی ہوں
یار کی تصویر سے غم مٹ رہا ہے ہجر کا	رات دن چھٹتی نہیں تصویر اپنے ہاتھ سے

تمنا۔ مرزا مغل جان خوش باش آگرہ۔ راجہ بلوان سنگھ معزول راجہ کاشی مقیم آگرہ کے مصاحب تھے۔ وہاں شاعری کا رات دن چرچا رہتا تھا۔ شدہ شدہ یہ بھی شعر کہنے لگے۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر لکھنوی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ یہ انکا کلام ہے۔ تمنا

بغل میں میکشوں کی ہیں شراب ناب کے شیشے	لئے بیٹھے ہیں پریوں کو یہاں میخوار پہلو میں

جامِ سفال پرتوِ مے سے دمک گئے	پرتوِ سے آفتاب کے ذرے چمک گئے

تمنا ۔ تمنا ۔ منشی رام سہائے تمنا لکھنوی ۔ فارسی اردو بھاکھا ہر سہ زبانوں کی تحصیل عالمانہ درجہ کی تھی اور تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے طبیعت میں موزونی خداداد ہے ۔ منشی تمنا کے بھائی دوارکا پرشاد افق اور منشی ماتا پرشاد نیساں بھی بڑے صاحب استعداد سخنور اور طبیعت وار آدمی ہیں ۱۵ ۔ ۱۶ کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں ابتدائے ملازمت سے سررشتہ تعلیم میں منسلک ہیں ۔ مدتوں اودھ میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس رہے اکثر اطراف ہند کی سیر کی ہے ۔ ریاستوں میں بہت پھرے ہیں ۔ ان کی تصانیف سے افضل التواریخ شاہانِ اودھ کے حالات میں قابلِ ذکر ہے ۔ ایک غزل ملی اُس میں سے چند شعر حاضر ہیں ۔

بتوں سے ہم دل لگا چکے ہیں سب اُن کی سختی اُٹھا چکے ہیں
ہم آپ خود کو مٹا چکے ہیں کہ سل پہ شیشہ گرا چکے ہیں

خمارِ دیرینہ جوش پر ہے پلا دے اے ساقیا کدھر ہے
ہماری بھی کچھ تجھے خبر ہے کہ ہم بھی محفل میں آ چکے ہیں

وہ جانِ جاں ہیں تو ہم ہیں بیجاں وہ شاہِ خوباں ہم اُن پہ قرباں
اگر لئے ہیں وہ تیغِ براں تو ہم بھی گردن جھکا چکے ہیں

عجیب دنیا کا حال دیکھا کمال ہی کو زوال دیکھا
اُنھیں کو اب پُر ملال دیکھا جو لطف و راحت اُٹھا چکے ہیں

جو عشق بازی میں ہم ہیں یکتا وہ حسن میں فرد ہیں تمنا
اُنھوں نے ہمکو بھی آزمایا ہم اُن کو بھی آزما چکے ہیں

تمنا ۔ تمنا ۔ مولوی محمد حسین تمنا باشندۂ مرادآباد ۱۸۹۷ء میں دیوان شایع کیا تھا معمولی شاعر ہیں ۔ یہ کلام کالبِ لباب ہے ۔

بشکلِ وحدتِ حق تو نہ ہو اے کافر کیش
جو ہر الفت نے بڑے دھوکے ہیں کھائے ہیں

نقشِ توحید ہے عالم تری یکتائی کا
ہم یگانہ جانتے تھے جسکو وہ بیگانہ تھا

پھنسا قیدِ عشق میں جب سے دل مجھے ہر بلا سے چھٹا دیا
نہیں بھاتی اب مجھے کچھ غذا ترے غم نے ایسا مزا دیا

قدر الفت کی نہ کچھ دلبر نے پُرفن سمجھا
یہ مرض تھا عین صحت جو طلبِ یار رہتا
ہوئے ہیں آپ جو بیگانہ آشنا ہو کر
شغل ہو گا دلِ پُر شور کے بہلانے کو
کو سو طرح کے رنج و بلا میں پھنسا رہے

سینے کی دوستی اور وہ مجھے دشمن سمجھا
مجھے غم ہی جو ہمی تھا جو وہ غمگسار ہوتا
بتائیے کہ سینے درد کیوں دوا ہو کر
پابزنجیر کرو زلف کے دیوانے کو
دل کا یہی مزا ہے کہیں مبتلا رہے

تمنا — **تمنا** ۔ مولوی سید احمد حسین صاحب تمنا ۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی ۔ باوجود کوشش حالات دستیاب نہیں ہوئے ۔ اب کلام ملاحظہ ہو ۔

یارب شبِ فراق کٹے تیغ ناز سے
سرگرم چشم ناز نہیں چشم سرمہ گیں
کجباز یئے فلک کا تماشا دکھائیگا
دارِ جزا میں بھی وہ طلب ہو بروزِ حشر
کشتِ امید غیر ہے پژمردہ دیکھ لے

قسمت میں اسکے لکھدے گلا بیگناہ کا
جادو جگا رہی ہے فریبِ نگاہ کا
گھونگٹ میں بانکپن ترے ترچھی نگاہ کا
جس زندگی نے ساتھ دیا ہے نگاہ کا
ظالم بڑا اثر ہے تمنا کی آہ کا

تمنا — **تمنا** ۔ منشی جیبدی لال صاحب کاکوروی تلمذ جناب مولانا سید طاہر علی فرخ آبادی سشتہ تعلیم میں عرصہ سے ملازم ہیں ۔ طبیعت شوخ اور اس فن کے مناسب پائی ہے علمی استعداد بھی خاصی ہے ۔ ۲۲ ۔ ۲۴ برس کی عمر ہے اپنے استاد کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں یہ کلام کا نمونہ ہے ۔

کٹ گیا سروِ چمن جب قدِ جاناں دیکھا
جل گیا مہرِ فلک جب رخِ تاباں دیکھا

پھنس گیا دامِ مصیبت میں نہ مانا کہنا
اپنی تلوار کے صدقے میں دیا خلعتِ سرخ
بول اٹھی قبر کہ کس طرح سمائی ہوگی
مٹے ہو ں نکو مٹا تا رہا تو اے گردوں
لکھی اگر تھی نصیبوں میں میرے پامالی
یہ سرکشی کا نتیجہ تھا باغِ عالم میں
شبِ فراق میں کہتا ہے درد اٹھ اٹھ کر
جھیلے کوئی کب تک یہ بھلا غمِ شبِ فرقت
مونس یہ ہمیشہ کی ہے وہ چار پہر کی
سن سن کے جو گھبرائے محبت کا فسانہ
روٹھا ہے مرے دل سے تصور بھی تمہارا
یہی حسرت ہے دمِ نزع کہ آئے کوئی
سوزشِ دل نہ ہوئی کم تو کہا اشکوں نے
وہ باتیں کب سنیں گے واعظوں کی
چھٹائے گا زمیں کوچے جاناں
یہ کیا ستم ہے کہ آتا نہیں تمہیں کو رحم
چھپاؤں کیا جگر و دل کو تیرِ قاتل سے
جو دل جلاتے ہیں کہتے نہیں ہیں دلکا حال
لگا کر سینہ و دل پر خدنگِ ناز وہ بولے
کہاں سے آئی ہے اشکو تمہیں خون کی سرخی
چھپا کے جیسے یہ باتیں الگ کرنا

عشقِ گیسو کا ثمر اے دلِ ناداں دیکھا
مجکو جلاد نے مقتل میں جو عریاں دیکھا
ساتھ میرے جو ہجومِ غم و حرماں دیکھا
ستم نیا کوئی دشمن کی جان پہ نہ کیا
خدا نے کس لیے اُس بت کا سنگِ در نہ کیا
خدا نے سرو کو دنیا میں با ثمر نہ کیا
یہی مزا ہے حسینوں کی آشنائی کا
سے طے ہو یہ بکھیڑا جو چھٹے دم شبِ فرقت
بہتر ہے شبِ وصل سے تا ہم شبِ فرقت
کیوں اُس سے کہیں قصۂ غم ہم شبِ فرقت
سینے میں نہ کیونکر ہو خفا دم شبِ فرقت
آخری وقت ہے دیدار دکھائے کوئی
آگ بھڑکی ہوئی کس طرح بجھائے کوئی
جو بیت رکھتے ہیں پیمبر ان کی
نہ تھی اُمید ایسی آسماں سے
اجل بھی روتی ہے بیمارِ خستہ جاں کیلئے
کہ جان تک مری حاضر ہے میہماں کیلئے
مثالِ شمع کے کافی ہے رہ رواں کیلئے
تمہاری حسرتوں کی اب صفائی ہوتی جاتی ہے
ہوئی نہیں جو تمنائے دل لہو میری
ملیں کلیم تو اُن سے ہو گفتگو میری

بتوں کا ظلم یہانتک ہیں ہم اُٹھائے ہوئے
کہ دل تو دل ہے جگر بھی ہے چوٹ کھائے ہوئے

سمجھ لیا ہے جو نیچی نگاہ کا بسمل
ادا سے اور وہ بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

وفا جو آج ہی وعدہ کرو تو کیا ہو جائے
یہ کوئی فرض ہے محشر ہی جب بپا ہو جائے

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دل کوئی سے ایسا
کہ جسکو پیسیں تو پستے ہی وہ حنا ہو جائے

تمنّا۔ شیخ محمود تمنّا باشندہ سورت بمبئی حضرت داغ دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے شعر اچھا کہتے تھے طبیعت میں شوخی خداداد ہے۔ بندش و زبان بھی خاصی ہے سُنا ہے کہ سنہ ۱۹۰۴ء میں انتقال کر گئے۔

عبث کہتے ہیں کہ ہم آپ پہ دم دیتے ہیں
ہیں یہ سب کہنے کی باتیں تمہیں وہم ہوئے ہیں

دام گیسو میں نہ ہمکو قید کر
ہم تو بندے ہیں ترے بے دام کے

آہ میں اسواسطے کرتا نہیں
رہ نہ جاؤ تم کلیجہ تھام کے

جنابِ شیخ رندوں سے عبث ہر دم اُلجھتے ہیں
کسی دن دیکھنا اِن کی بڑی گت ہونیوالی ہے

وہ کس واسطے صاف ہوتے نہ مجھ سے
رقیبوں کا حال آئینہ ہو رہا ہے

بیمروت بے وفا بیداد گر
نام کیا کیا آپ نے پیدا کئے

تمنّا۔ منشی محمد سعید الدین صدیقی پیشکار صدر نظامت ٹونک مولانا ظہیر کے تلامذہ سے ہیں۔ روہتک کے رہنے والے ہیں۔ علمی استعداد اوسط درجے کی ہے۔ یہ چند شعر اِن کے ہیں۔

مہرباں جس پہ ہوئے دشنام سے کھولی زباں
یہ اداؤں میں ادا تمنے نئی ایجاد کی

لوٹنے والے بہت ہیں نوجوانی کی بہار
بات کیوں پوچھوگے اب اس عاشق ناشاد کی

برچھیاں پڑتی ہیں پیہم متصل پڑتے ہیں تیر
خوب دعوت ہو رہی ہے اس دل ناشاد کی

تمنّا۔ سید نورالدین حسین تخلص سید شاہ ظہور الدین حسین مرحوم۔ سید شاہ عطا حسین فانی مرحوم اِن کے نانا تھے۔ وطن اصلی عظیم آباد پٹنہ ہے۔ اب گیا میں سکونت ہے [illegible]

میں پیدا ہوئے اور اپنی ننھیال میں تعلیم و تربیت پائی، انگریزی اُردو فارسی جانتے ہیں۔ چند سال سرکار انگریزی کی ملازمت بھی کی ہے۔ حضرت اکبر ابو العلائی دانا پوری آپ کے پھوپا ہیں اور اُنہیں سے مشورہ سخن بھی ہے۔ یہ کلام ہے۔

ہو گئی ضعف سے اِن روزوں وہ حالت میری
ناتوانی بھی کھڑی تکتی ہے صورت میری

آئے نظر جمالِ حقیقت مجاز میں
اُٹھیں جو اپنی آنکھوں سے پردے حجاب کے

وہ شہسوار معرکۂ عاشقی ہیں ہم
لیتے ہیں کام ابلقِ لیل و نہار سے

تمیز تمیز۔ منشی کالی رائے تمیز۔ ابن لالہ دیبی پرشاد عزیز متوطن فتح گڈھ۔

آمد یہ صحنِ باغ میں کس گلبدن کی ہے
جو رُوحِ باغ باغ نسیم چمن کی ہے

اچھے وہ ہیں جو مر کے تیری خاکِ راہ ہوں
مٹی خراب طالبِ گور و کفن کی ہے

تمیز تمیز۔ سید اکبر علی صاحب تمیز۔ بریلوی شاگرد نواب عاشور علی خانصاحب بہادر مرحوم لکھنوی سنہ ۱۲۷۰ ہجری کے گلدستہ شعرا لکھنو اور بریلی کے رسالوں میں اِن کی غزلیں نظر سے گذریں۔ کلام بامزا اور دلنشیں ہے۔ مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ بندش اور زبان لایقِ تعریف ہیں۔ مشاق بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کیوں نہو۔ آخر ایک مشہور سخن سنج اور سخن فہم سے فیض پایا تھا۔ یہ اُن کے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہے۔ ۲۰ برس کے قریب گذرے انتقال فرمایا۔

آفتابِ حشر کی گرمی سے اُسکو خوف کیا
ہو گیا جو دفن اُسکے سایۂ دیوار میں

دم نہیں باقی ہے چشمِ طالبِ دیدار میں
ہے ضیاءِ طور کس کے شعلۂ رخسار میں

دیدۂ انصاف سے دیکھے اگر اوجِ زمیں
خاک ہو کر آسماں رہجائے کوئے یار میں

ناتواں ہوں زلف چھو لینے کی یہ تعزیر ہو
سایۂ گیسو کی میرے پاؤں میں زنجیر ہو

جان دیکر مول لیں ایسی اگر تقصیر ہو
میری گردن خم ہو اُن کے ہاتھ میں شمشیر ہو

یا خدا اُسکو بدل دینا تو ظلم و جور سے
رحم جو قاتل کے دل میں کچھ دمِ تکبیر ہو

منہ میں لیتا ہے زبانِ شمع کو ہر ساس | کیوں نہ عیاشوں کی صورت عادتِ گلگیر ہو
جتنی گردن کی رگیں ہیں جان بنجائیں اگر | یوں تو شاید قیدِ مرغِ جوہرِ شمشیر ہو
نہ ملے بتوں سے مگر خوفِ کردگار رہے | وہ آدمی ہے جو غفلت میں ہوشیار رہے
ہوں دل میں زخمِ جگر میرا داغدار رہے | اسی روش سے شگفتہ یہ لالہ زار رہے
فراقِ یار میں ایسا نحیف و زار رہے | کہ نوکِ خار سے دلمیں بھی ایک خار رہے
کمر کے عشق نے ایسا کیا تھا کاہیدہ | کہ بعدِ مرگ نہ ہم قابلِ مزار رہے
نہ میری لاش کو عریاں کبھی فلک دیکھے | اسی طرح سے پڑی چادرِ غبار رہے
چمن میں کھیلگا ہولی کل آکے وہ قاتل | صراحیوں میں گلوں کی مئے بہار رہے
ہوا کے دیکھنے کا اب فقط بہانا ہے | ہمیشہ میرا اُڑاتے یوں ہی غبار رہے
جنابِ دل بھی عجب چیز ہے تعال اللہ | ہمیشہ حسرتِ مردہ کا یہ مزار رہے
بتوں کے حکم کی تعمیل کب ہوئی ہمسے | ستم یہ ہے کہ خدا سے بھی شرمسار رہے
ہماری کیا ہے حقیقت کہ ہیں ذلیل و حقیر | رگڑتے سر تری چوکھٹ پہ تاجدار رہے
وہ بیوفا ہیں یہ گل عمر بھر نہ پوچھیں بات | کہ ورڈ جانے صدقے اگر ہزار رہے
نصیب وصل رہا ایک حور کا جب تک | تیزؔ ہاتو نہیں وہ خلد کے انار رہے
بڑھ کے ہے جرم گنہ گار سے رحمت کسکی | حشر میں صاف نہ کہدونگا خدا سے پہلے

تیزؔ - منشی غلام احمد تیزؔ - نواب مرزا خانصاحب داغؔ دہلوی کے شاگرد اور رامپور کے رہنے والے تھے - مدت سے ریاستِ حیدرآباد میں کسی محکمہ میں ملازم تھے - طبیعت کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہے - چلبلی طبیعت اور شوخ زبان پائی ہے - مذاق شستہ ہے - اُستاد کے رنگ کا تتبع کرتے ہیں - زیادہ حال معلوم نہو سکا - صرف اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں ۴۳ برس کی عمر تھی - یہ اُنکا کلام ہے -

لو ٹوٹ تو تمیز ہے بیچارہ سنے وطن | اللہ کے سوا نہیں کوئی غریب کا

گالیاں کھانے کا لپکا بھی بُرا ہوتا ہے
ہمنے کل آپ سے چھیڑا جو خفا یار نہ تھا

لوگ کس طرح سے کرتے ہیں خدا کو راضی
مجھ سے تو اک بتِ کافر بھی منایا نہ گیا

کوئی آئے کوئی جائے کچھ کسی سے ضد نہیں
ہے فقط میرا ہی دشمن پاسبانِ کوئے دوست

اے قیامت تُو تو ہے فتنے اُٹھانے کیلئے
تجھسے اُٹھنے کے نہیں افتادگانِ کوئے دوست

نذر دینے جو گیا میں دلِ شیدا لے کر
بوسے لیں جاؤ بھی تم آئے ہو یہ کیا لیکر

رکھ گیا تھام کے ہاتھوں سے کلیجا اپنا
جس حسیں نے تری تصویر کو دیکھا لے کر

شکوۂ جور و جفا پر یہ مجھے فرماتے ہیں
جاؤ بھی آئے ہو کیا مفت کا جھگڑا لے کر

اُن کے آنیکی خوشی میں میں ہوا شادیِ مرگ
آئے تھے موت کو ہمراہ مسیحا لے کر

اچھے منصف ہو کہ لے خواب میں بوسہ کوئی
اور بدنام کرو نام ہمارا لے کر

تم پہ قربان یہی لفظ ہیں قیمت دل کی
پھر اُسی ناز سے کہ دو کہ کریں کیا لے کر

شرم آتی ہے مجھے اسلئے مرنے سے تمیز
جاؤں کیا پیشِ خدا بُت کی تمنا لے کر

مقتل میں بعد قتل بھی ہے قتل کی ہوس
پھرتی ہے روح یار کے خنجر کے آس پاس

سامنے اُس نے بلایا ہے مجھے بہرِ تعذیر
کام آئیں تو کچھ آخر کو خطائیں آئیں

وصل میں ہجر کا غم ہجر میں ملنے کی اُمید
کون کہتا ہے جُدائی سے وصال اچھا ہے

سُنکے اوصافِ جناں طنز سے فرماتے ہیں
آپ جائیں وہیں حور و نکا جمال اچھا ہے

ہجر کی رات بُری روزِ وصال اچھا ہے
بلکہ جس سال میں یہ دن ہے وہ سال اچھا ہے

کھول کر گور میں منہ کو مرے فرماتے ہیں
اب تو آرام سے تو سو ترا حال اچھا ہے

تمیز ۔ نواب احمد علی خاں مغفور رہ بہادر گڈھ کی ریاست جو دہلی سے بارہ کوس جانب شمال واقع ہے ۔ ان کے خاندان میں چلی آتی تھی ۔ غدر ۵۷ء سے چند سال پیشتر نواب امیر علیخاں کی حرکات ناشائستہ کے باعث وہ علاقہ نواب بہادر جنگ خاں کے تحت حکومت میں آ گیا اور کسی قدر پنشن بطور مدد معاش اہالیان خاندان معزول کی مقرر ہو گئی ۔ چنانچہ ان کو بھی وظیفہ

[illegible]

متا تھا۔ اُنھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ خلیق اور نیک نہاد شریف زادہ تھے۔ بہ نسبت غزل مرثیہ وسلام کا زیادہ شوق تھا۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

اب تو زمیں یہ بگڑی ہے محشر ہی کیوں نہ ہو	جنبش کرینگے اُن کے نہ پر آستان سے ہم
کس کے رخشِ گرم سے پامال میری خاک ہے	آجتک روئیدگی جو قبر پر ہوتی نہیں
جذبِ دل سے لائیے کسطرح اُسکو کھینچکر	آہ میں تاثیر اپنے اسقدر ہوتی نہیں

تمیز۔ منشی تاج الدین حسین تمیز۔ باشندہ کانپور شاگرد مولانا انعام کانپوری موزوں طبع اور خوش فکر آدمی ہیں۔ کچھ کلام نظر سے گذرا اُسکا انتخاب پیش کش ہے۔

نالِ ہجر سے آگاہ کر دیا تمکو	اب آنے اور نہ آنے کا اختیار رہا
جفا نہ ترک کرو تم وفا نہ چھوڑیں ہم	چلو یہ ہی سہی اب سے یہی قرار رہا
لکھا ہے نور کے خط سے نقابِ روئے یار پہ	چمکتی ہے تو گرتی ہے یہ بجلی خرمنِ جاں پر
تمیز اچھا اثر ہے عشق میں اُس ماہ پیکر کے	کہ ہر جامہ کتاں بنتا ہے اپنے جسمِ عریاں پر
اے دل نظر کو دیکھ کہاں تیرے کہاں گئی	ہمت کو سوجھتی ہے کچھ اس سے بھی دور کی
یہ کہہ کے اُن کے سامنے دل میں نے رکھ دیا	دیکھو تو اسمیں شکل ہے کس رشکِ حور کی

تنویر

تنویر۔ میر کاظم حسین ابن میر اکبر علی مقبل مرثیہ گو۔ فیض آباد کے رہنے والے اور آصف الدولہ بہادر کی سرکار میں وارد تھے۔ جناب رشک لکھنوی کے شاگرد اور صاحبِ دیوان گذرے ہیں یہ اُن کے اشعار ہیں۔

بوسے لوں بلائیں لوں گلے لپٹوں کہ دیکھوں	کل چار پہر رات سہے ارمان ہزاروں
جل جل کے مرا خرمنِ ہستی نہ کیوں ہو خاک	بجلی گرائی تو نے شرارت کی آنکھ سے

تنویر

تنویر دہلوی۔ سخنور خوش تقریر منشی نوازش حسین خاں تنویر۔ دہلوی خواص حضرت ابو ظفر بہادر شاہ ثانی۔ شعر گوئی میں کہنہ مشاق تھے۔ غدر کے بعد مہاراجہ ٹہوہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ بڑے پُر گو تھے۔ اِن کے چار دیوان اِن کے بیٹے عشرت خاں نے

نے چھپوا دیے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت بہادر شاہ ذوق کی وفات کے بعد ان کو اپنی غزل دکھاتے تھے۔ مگر راقم کے زعم میں یہ دعویٰ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اس بیان کے برعکس تذکرۂ گلستانِ سخن سے پایا جاتا ہے کہ خود اپنے کلام میں بادشاہ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ اور یہ امر قرینِ قیاس بھی ہے۔ تنویر مرحوم کے شاگردوں میں مہاراجہ رتھوہ متخلص بہ تصویر اور پنڈت امرناتھ آشفتہ مشہور ہوئے۔ سنہ ۱۲۸۹ھ میں بعمر ساٹھ سال بمقام نیپال انتقال کیا۔ آخر عمر میں دہلی چھوڑ کر وہیں جا بسے تھے۔ یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہے مسیحائی کرتی چیز ناز
اُن لبوں سے ہمیں جواب ملا

الٰہی دل کو دیا تھا جو سنے عشقِ صنم
تو دل پہ مجھ کو دیا اختیار بھی ہوتا

بہلاتی نزاکت نہ اُسے گر دمِ رفتار
پامال یہ دل زیرِ قدم ہو ہی چکا تھا

یہ نجانا تھا ہمیں کو آئے گا آزار یہ
سُنتے تھے ہم عشق بھی ہے نام اِک آزار کا

ق

جان کر دلیں سب مجھے اپنا مریضِ تپِ غم
کہتا لوگوں سے بظاہر بتِ عیّار ہے کیا

رنگِ رُخ زرد ہے تر چشم ہے لب پر دمِ سرد
پوچھنا اُس سے کہ اِس شخص کو آزار ہے کیا

توڑے گا مجھ سے کے شیشۂ دل
یہ کوئی ساغر و سبو نہ ہوا

سے لیکے توڑتے ہیں یہ یارب پرائے دل
کیوں ایسے نازنینوں کے پتھر بنائے دل

قاصد نے میرے خط کو جو کر نے دیا نہ چاک
بولے وہ آج تیرے ہی پُرزے اُڑائیں ہم

تیغِ نگہ سے وہ لبِ جاں بخش کہتے ہیں
جسکو کرے تو قتل اُسی کو جلائیں ہم

دل کو کیا یار کے پیکان سے لئے بیٹھے ہیں
صاحبِ خانہ کو مہمان لئے بیٹھے ہیں

حُسن بھی ہائے رے کیا چیز ہے اللہ اللہ
دل کو پریوں کے یہ انسان لئے بیٹھے ہیں

خاک ناصح کی سُنوں جان تو قابو میں نہیں
دل وہ غارتگرِ ایمان لئے بیٹھے ہیں

یہ تم ہی ہو کہ خواہشِ بوسہ پہ ہاں نہ کی
تم جان تک بھی مانگو تو ہم سے نہیں نہ ہو

سلتے ہیں لب نہ ضعف سے اُٹھ سکتے ہاتھ ہیں
کیا کیا شکایتیں ہیں اثر کو دعا کے ساتھ

جو کہا اُسنے وہ سے گئے ہی بنی
صوفیوں کو بھی سے پیئے ہی بنی

نہیں جل کے مرنا مزے سے ہے خالی
کہ پروانہ اُسکا مزہ جانتا ہے

کچھ بھی الفت کی جس میں بُو ہو گی
درد آمیز گفتگو ہو گی

رکن کا بیمارِ محبت کیا جن کو اللہ
بدشگونی ہے خبر پوچھنی بیماروں کی

عشق بازی سے یہ ہرگز نہ پھرا پر نہ پھرا
آخرش اِس دلِ بیتاب کو ہم رو بیٹھے

ل سے بھی مجھ سے کھٹکتے رہے ہر بار یہ تو
خار نکلا خلش خار ابھی باقی ہے

ہیں نیمجاں ہزاروں ہزاروں ہی مر گئے
وہ نیمچہ کا کام نگاہوں سے کر گئے

لیجاؤ تم اِسی کو نہ مجھپر کرو ستم
آیا تو تم پہ یہ دلِ خانہ خراب ہے

داغ دل کو لگا دیا کس نے
یہ شگوفہ کھلا دیا کس نے

آج وہ کچھ رُکے رُکے سے ہیں
عشق میرا جتا دیا کس نے

زخم بھرتا ہی نہیں جس کا کبھو
وہ نگاہِ یار کی تلوار ہے۔

رنگت یہ شوخ ترے ہاتھ کیا لگی
لاکھوں دلوں کو پیس دیا جب حنا لگی

بے خبر جان سے ہے لب پر ترے شیدائی کی
او مسیحا ہے قسم تجھکو مسیحائی کی

تنویر۔ حاجی سید نظیر حسین تعلقدار اہمالو خلفِ اکبر داروغہ میر واجد علی تسخیر مرحوم۔ فنِ سخن میں حضرت حکیم لکھنوی سے استفادہ کیا تھا۔ لکھنؤ کے عائدین شہر میں شمار ہوتے تھے۔ چند سال ہوئے ۵۰ سال کی عمر میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ شعر گوئی کی طرف رغبت کم تھی۔ دو تین غزلیں بہم پہونچیں ان کا انتخاب درج ہے۔

بوسے کے مانگنے پہ نہ مجرم بنائیے
کیا بات ہے بتائیے اسمیں گناہ کی

سچ تو یہ ہے کچھ نہیں صاحب ترے دل کا قصور
کہہ رہی تھی خود طبیعت تمہیں آنیکے لئے

آتشِ فرقت سے جل اُٹھا جو سینے میں جگر
اشک نکلے آنکھ سے اُسکے بجھانیکے لئے

گناہگارانِ عشق و الفت کی کیوں نہ ہر دم فزوں ہو وحشت
نہیں ہے زلفِ سیاہ اسکی یہ ایک پھانسی لٹک رہی ہے

تنہا

تنہا - شیخ محمد صدیق تنہا دہلوی شاگرد رشید شیخ غلام ہمدانی مصحفی - اصل اُن کی شرفائے دہلی سے تھی اور وہیں پیدا ہوئے - اپنے وقت کے دیگر باکمالوں کیطرح دہلی کو خیرباد کہکر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی اور مصحفی کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوئے - خوش خلقی - سلیم الطبعی اور رنگین مزاجی کے اوصاف کے علاوہ قدامت پرستی اِن کا خاص شیوہ تھا - چنانچہ تمام عمر لکھنؤ میں رہے پھر بھی دہلی کی زبان اور قدیم رنگ نہ چھوڑا - بعض تذکرہ نویسوں کا قول ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی اوائل عمر میں اِن سے مشورۂ سخن کرتے تھے ۱۲۲۲؁ ہجری میں لکھنؤ جاتے تھے کہ راہ میں ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا - ناسخ نے اُن کی وفات کی تاریخ کہی ع

آج تنہا گیا دنیا سے عدم کو تنہا

مصحفی کو اپنے عزیز شاگرد کی وفات کا سخت رنج ہوا - صاحبِ دیوان گذرے ہیں - اسمیں اکثر مقامات پر قدیم زبان کا تتبع کیا ہے - اور فارسی ترکیبوں کے ترجمے بہت استعمال کئے ہیں - اگرچہ دلدادگان طرز ناسخ و آتش نے انہیں بالکل فراموش کر دیا - مگر اس سے اِن کی مشاقی و استادی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا - مصحفی کے شاگردوں میں آتش کے بعد ان کا نمبر سمجھنا چاہئے - دیوان فارسی کے علاوہ آپ کا کلیات ۱۲۲۲؁ ہجری کا لکھا ہوا جس میں ۸۰ صفحہ پر غزلیات کے علاوہ ایک مثنوی - چند مخمس - اور ۲۵ رباعیاں درج ہیں - راقم کے کتب خانے میں موجود ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو -

ہو کر جدا وہ سب سے جب ہم سے آملیگا تو	البتہ اپنے دل کو تب کچھ مزا ملے گا
گو قافلے سے یارو تنہا رہا ہے پیچھے	ون تو ابھی بہت ہے کیا ڈر ہے جا ملیگا

مذکور لے چلا تھا شب ہمنشیں کسیکا — جی میں خیال گذرا میرے وہیں کسیکا
تنہا رکھیں توقع کس بات کی کسی سے — ہاں سچ تو یہ ہے بھائی کوئی نہیں کسیکا
ناامیدانہ قفس میں کہہ رہی تھی عندلیب — پھر بھی آوے گی مری دیوارِ گلشن زیر پا
زنجیر کی حاجت نہ اُنھیں قید کی حاجت — الفت تری جن لوگوں کو ہے سلسلۂ پا
ہووے گا کوئی لطف و عنایت کا دوانا — تنہا ہے فقط آپ کی صورت کا دوانا

لے ہاتھ میں ٹک دامن کو اُٹھا ہے یہ بھی کوئی چلنے کی ادا
خاک اسکی تو یوں برباد نہ دے جو راہ میں تیری خاک ہوا

وہ میرا شعلہ خو آتش کا پرکالہ ببھوکا ہے — کہ جسکو دیکھکر ہوتا ہے دل بیتاب آتش کا
لگا دی آگ ساقی نے لنڈھا کر شیشۂ مے کو — بہایا اُسنے شب محفل میں کیا سیلاب آتش کا
پاتا نہیں اُسکے تئیں اب آپ میں کوئی — کیا جانئے تنہا نے کدھر دھیان لگایا
تنہا کہوں کیا کیوں مرے اِس دلکو لگی چُپ — خاموش مری جان کہ ہے سب سے بھلی چپ
کرنے لگی بلبل کہیں کل گل کا جو شکوہ — ہو تند وہیں بادِ صبا بول اُٹھی چُپ
کس کا ہے سفر باغ سے گریاں ہے جو شبنم — حیران ہر اِک نخل ہے ہر ایک کلی چپ
ان روزوں میں صدمہ ہے یہ کچھ دلکو کہ ہمدم — روتا ہوں میں پہروں جو ہوا ایک گھڑی چُپ
ہمسے کرتے ہو عیاں غیروں کی یاری آن کر — رہگئی ہے آپ کی یہ دوستداری آن کر
غنچے سے دکھا منہ کو چھپا لیتے ہیں جو لوگ — قربان میں اُن لوگوں کے کیا لوگ ہیں وہ لوگ
یہ جی میں ہے کہ لوں تجھسے اُٹھا دل — نہیں سکتے میں میرے پر مرا دل
ہجوم عاشقاں تھا اُس گلی میں — یہ کہتا تھا ہر اِک ہے ہے مرا دل
کدھر کو جاؤں اور کس سے کہوں ہائے — ابھی پہلو میں تھا میرے مرا دل
خفا رہنے سے کیا حاصل ہے تنہا — نہیں سکتے میں گو تیرے ترا دل
ادھر بھی یا کبھی دیکھو تو اے جانِ تغافل — گھٹ جائیگی اسمیں نہ تری شانِ تغافل

کیا اُس سے کہے خاک کوئی حالِ دل اپنا
رہتا ہو جو مت سرِ گریبانِ تغافل

سر لپٹے کرم پر تو نگہ اے ہمہ الطاف
ہر چند گنہگار ہے شایانِ تغافل

سے یہی جی میں کہ لیجے لبِ دلدار سے کام
کام سے کام ہے ہمکو نہیں تکرار سے کام

یہ تو فرمائیے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
آپ بیوجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں

دل بھی کیا جنسِ زبوں ہے کہ خریدار اسکے
لیتے ہیں پر اسے سوجائے دکھا لیتے ہیں

بازارِ دہر میں ہوں میں وہ جنسِ نا قبول
جسکو کبھی نہ لیوے خریدار ہاتھ میں

افسوس کی جگہ ہے یہ تنہا کہ چھٹ گیا
ہاتھ اُسکا آکے میرے کئی بار ہاتھ میں

اندنوں چاک ہے پیراہنِ گل اے تنہا
ہم کوئی اپنے گریبان کو سِلا سکتے ہیں

بدنام تا نہو تو ے ہمنے تیری خاطر
بدتا میاں سبھوں کی سر پر اُٹھائیاں ہیں

تم تو فرماتے ہو کہ گھر جاویں
ہمسکو کہدو کہ ہم کدھر جاویں

خانۂ آباد چھوڑ تیری گلی
ہم کس اُجڑے ہوئے نگر جاویں

چشم تر گورِ غریباں پہ نہ کی
ابرِ رحمت اسے کیا کہتے ہیں۔

باز کب آتی ہے غارت پہ جو چھوٹی وہ آنکھ
شہر کے شہر ہی جبتک کہ نہ لوٹے وہ آنکھ

یاد آتے ہیں پھر ہمکو ایامِ گرفتاری
پھر جوشِ جنوں لایا پیغامِ گرفتاری

ساقی نے دیا تھا جو معلوم نہیں مجکو
جامِ مئے گلگوں تھا یا جامِ گرفتاری

کیوں دام و قفس لادے صیاد اگر سمجھے
صیاد کی الفت ہے خود دامِ گرفتاری

نے رنجِ قفس دیکھا نہ دام کا غم سے نے
کہئے تو ہمیں کیئے ناکامِ گرفتاری

جو ہیں ترے زندانی بہتر وہ سمجھتے ہیں
آرامِ رہائی سے آلامِ گرفتاری

زلفوں سے تری جوں توں باندھا ہے آخر
ہر چند یہ دل تڑپا ہنگامِ گرفتاری

گھبراؤں جو اے تنہا تقدیر یہ کہتی ہے
بے صبر نہو تنہا اے خامِ گرفتاری

دیکھ اسکو جو اُڑ جاتے ہیں اوسان ہمارے
نکلیں کہو کس طرح پھر ارمان ہمارے

کیا تجھ سے کہوں جی میں یہ حسرت رہی تنہا	شب آ کے وہ ٹھیرے بھی نہ اک آن ہمارے
میں جور و جفا تو منا کر یہ مجھے وہ یوں بولا	کہئے کیا کرتے جو مت کو نہ ستاتا کوئی
حشر میں کس لئے ہمراہ لپٹکے پھرتے	اپنا منہ ہم سے یہاں گر نہ چھپاتا کوئی
غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی دانائی تری	میں ہوا رسوا تو کیا ہوگی نہ رسوائی تری
گر چاک عالم پہ ہے بیداد تیرے ہاتھ سے	وہ نگر جو میں کروں فریاد تیرے ہاتھ سے
پھر ہمیں سوئے چمن شوق اسیری سے لگیا	جب ہوئے صیاد ہم آزاد تیرے ہاتھ سے
نہ حور میں وہ لطافت ہے نے پری پہ ہے	عجب طرح کی بہار اندنوں کسی پہ ہے
کہا جو میں نے کہ ہے کیا جواب نہیں آتے	تو بولا وہ کہ یہ موقوف اپنے جی پہ ہے
دغا نہ کر اب ہو یار شاد مصحفی تنہا	یہ ہوش باش کہ عالم روا روی پہ ہے
ہے جی میں اسکی کاکل پر خم کو دیکھئے	اس آرزو کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے
پلکوں کا ہے ارادہ کہ ارجن کو مار ڈال	اور وہ نگاہ کہتی ہے رستم کو دیکھئے
لیکھے سو دم آہ دلے لب تک آنے لگی	ناتوانی بھی ہمیں زور اپنا دکھلانے لگی
کچھ شعر پہ موقوف نہیں سنتے ہو تنہا	گر بات بھی کہئے تو بس انسان کے آگے
اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہوگئی	روبرو غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تری

تنہا

تنہا۔ سعد اللہ خاں نام حکیم میر قدرت اللہ خاں کی صحبت میں شوق شعر گوئی کا پیدا ہوا اور کبھی قاسم اور کبھی نثار اللہ فراق سے اصلاح سخن لی۔ افسوس عالم جوانی میں اس دار فانی سے رحلت کی یہ دو شعر ان کے یادگار ہیں۔

دم بدم پیارے ترے عاشق کا عالم اور ہے	دیکھے سے دیکھی تو اسکو وہ کوئی دم اور ہے
دست کوئی ہو دوسرے گریباں گیر قاتل کا مرے	قتل کا اپنے نہیں ہر غم مجھے غم اور ہے

تنہا

تنہا۔ شیخ عوض علی تنہا۔ سپاہی منش اور آزاد آدمی تھے۔ طبیعت ظریف پائی تھی۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ ان کا کلام ہے۔

کیا بلا پھونکی ہے سوزِ عشق سینے میں مرے
آہ کا شعلہ جو نکلے ہے سو آتش بار ہے

ان بتوں کو کیا ادا تو نے عنایت کی خدا
جو نگہ ترچھی پڑی برچھی سی دل کے پار ہے

تھا یہی پیغام وقتِ نزع تنہا یار سے
اب قیامت پر ہمارا وعدۂ دیدار ہے

تنہا

تنہا ۔ منشی سید کفایت علی خلف میر الٰہی بخش صاحب باشندہ میرٹھ ۔ لیاقت خدا داد میں یگانہ دہر و فرید عصر تھے ۔ فارسی سے خوب ماہر تھے ۔ عربی سے بھی ناواقف نہ تھے یہ اشعار آنجناب کی انتہائی لیاقت کا نمونہ ہیں ۔ ابتدائی عمر سے نوکری کے سلسلہ میں ڈگری اول محکمہ انسداد ٹھگی و ڈکیتی یعنی گیرائی کے محافظ دفتر و میر منشی بارہ برس تک رہے ۔ بعد میں پنجاب میں ضلع کے سرشتہ دار رہے پھر دہلی میں سنہ ۱۸۶۲ء سے سنہ ۱۸۶۹ء تک میر منشی و سپرنٹنڈنٹ کمشنری رہے ۔ ۳۳ سال کی ملازمت کے بعد سنہ ۱۸۶۹ء میں پنشن لی یکم اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ء کو انتقال فرمایا ۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر سے اصلاح لیا کرتے تھے ان کے بڑے صاحبزادے منشی احمد حسین فرقانی فارسی کے زبردست ادیب گذرے ہیں ۔ منشی کرار حسین روحانی ان کے پوتے فی الحال کمشنری الہ آباد میں سرشتہ دار ہیں ۔ جناب تنہا کے کلام میں پختگی و متانت غضب کی ہے ۔ اور تلاش مضمون بھی اچھی ہے ۔ اور شوخی بلحاظ اعتدال کلام سے ٹپکتی ہے ۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو ۔

غم نہیں اپنے دم نکلنے کا
خوف ہے اُن کے جی دہلنے کا

دونوں مانوس ہیں یہ آپس میں
دل سے پیکاں نہیں نکلنے کا

خدنگِ ناز ستمگر جو میہماں ہوتا
ہر ایک عضوِ بدن اپنا میزباں ہوتا

بہار میں جو خیالِ غمِ خزاں ہوتا
تو شاخِ گل پہ نہ بلبل کا آشیاں ہوتا

سبک روانِ عدم کتنا جلد چلتے ہیں
زمیں پہ نقشِ قدم کا نہیں نشاں ہوتا

بہشت و حور کو بھولے سے بھی نہ کرتا یاد
جو کوئے یار میں زاہد ترا مکاں ہوتا

کعبہ کی راہ چھوڑ کے تیر اکدھر گیا
نیت کہاں کی باندھی تھی تنہا کہاں گیا

سکتے ہیں تیر اقامت پُر نور دیکھکر
اسکو بھی کیا تمھاری کمر کی تلاش ہے
مدت ہوئی کہ تاب وتواں کوچ کر گئے
دولت شبِ وصال کی سب خاک ہوگئی
قربان ایسی مرگ پہ کیجے حیات کو
تنہا یہ بعد مرگ برستی ہے بیکسی
کرتے کرجور وظلم کا غمزہ کی تاب لا
شب محتسب نشہ میں ہر رندِ میکدہ
باراں سے جوشِ رحمتِ حق آشکار ہے
کثرت گنہ کی روزِ جزا کام آگئی
واعظا شرم گنہ سے ہمکو حاصل ہو ثواب
مستی میں سرِ سجدۂ شکرانہ ہے کیسا
مینائے مئے سرخ میں جلوہ ہے پری کا
عاقبت لیگئی تنہا کو حضورِ جاناں
وحشتِ غربت میں جو تھا بے سر وساماں کل تک
گھر میں تنہا کے وہ آئے تو یہ کہتے آئے
ہوا ہے مژدۂ پیغام وصل شادیِ مرگ
قد وہ کہ جس کے آگے ہو سروِ چمن خراب
قامت ورخ یاد آئیگا کسی کا اس گھڑی
رات ساقی نے دکھایا میکشوں کو معجزہ
چشم طوفاں بار کرتی ہے یہ شور

طوبے تو ہے یہ سایۂ طوبیٰ کدھر گیا
مدت سے کچھ خبر نہیں عنقا کدھر گیا
باقی ہے دم وہ شام گیا یا سحر گیا
وقتِ سحر جو پاس سے وہ سیمبر گیا
نعشِ شہیدِ ناز پہ وہ نوحہ گر گیا
گریاں کب اسکی قبر پہ بھی ابرِ تر گیا
شکوہ نہ لب پہ اے دلِ خانہ خراب لا
بولا شراب لا کوئی بولا کباب لا
سب میکدہ میں شور ہے ساقی شراب لا
بولا نہ کوئی محتسب سے کہ اپنا حساب لا
اس بُرا کہنے سے تیرا کیا بھلا ہو جائیگا
بدمست ہیں ہشیار یہ میخانہ ہے کیسا
میخانہ میں ساقی یہ ترے خانہ ہے کیسا
ہمنے یہ معجزۂ کثرتِ عصیاں دیکھا
آج مہمان ہے وہ اے گورِ غریباں تیرا
اب تو آباد ہوا خانۂ ویراں تیرا
شبِ وصال سے پہلے مرا وصال ہوا
کاکل وہ جسکی بو سے ہو مشکِ ختن خراب
جب سوا نیزہ پہ ہوگا روزِ محشر آفتاب
کر دیا پرتو سے رخ کے اپنے ساغر آفتاب
دیکھنا اے جوشِ دریا میں بھی ہوں

بڑھ چلا تشبیہ قدِ یار سے بُو
سرو کہتا ہے کہ طوبیٰ میں بھی ہوں

سادہ لوحوں کا نہ کیجے سامنا
کہ ندے آئینہ تجھسا میں بھی ہوں

آپ ہیں گر بے و مثال و بے نظیر
بیکس و بے یار تنہا میں بھی ہوں

وہ بات بات میں کہتے ہیں بار بار نہیں
یہ لطف ہے مجھے اُن کا بھی اعتبار نہیں

کب وہ الطاف و کرم کرتے ہیں
جور کرتے ہیں ستم کرتے ہیں

تو وہ ساقی ہے کہ شیشے سے کے
گردن آگے ترے خم کرتے ہیں

موے پر بھی نہ مجھے حیف صد حیف
کدھر آئے تھے جاتے ہیں کہاں کو

دل نکل جائے نہ کیوں خانۂ تن سے سرِ شام
عاشق زلف ہے کرتا ہے سفر راتوں کو

ہوں وہ افسردہ کہ گلزارِ خلیل بھی
جانتا ہوں میں عذاب النار کو

کفر سے اسلام اتنا ہے قریب
سُبحہ سے رشتہ ہے جوں زنار کو

بے خودی مسجد میں ہم کو لے گئی
ورنہ جاتے خانۂ خمار کو

کب تک دکھائیگا مجھے تیغ جفا کے ہاتھ
قصہ تمام کر کہیں قاتل لگا کے ہاتھ

ہے دلمیں لکھ کے برگِ گل تو یہ حالِ دل
اس نازنیں کو بھیجئے بادِ صبا کے ہاتھ

گم ہو گیا ہے ہاتھوں ہی ہاتھوں میں دل مرا
دیکھو خدا کے واسطے دزدِ حنا کے ہاتھ

فائدہ کس لئے کیوں اسکی دوا ہوتی ہے
کہیں بیمارِ محبت کو شفا ہوتی ہے

دیکھو خمخانہ پہ کیا ابر گھرا آتا ہے
شکر ہے مستوں کی مقبول دعا ہوتی ہے

کم نصیبی کا بیاں کیا کروں اللہ اللہ
حسرتِ دیدِ صنم روز سوا ہوتی ہے

ہے غبار اُنکے بھی دلمیں تو صفائی ہوگی
خاک سے آئینہ کو دم بھر میں جلا ہوتی ہے

جانتا بھی نہیں ابتک تو وہ شوخِ کمسن
کس کو کہتے ہیں جفا کیسی وفا ہوتی ہے

رخنۂ در کے قریں وہ شوخ پُرفن چاہیے
دیدۂ بیدار اپنا چاہئے روزن چاہیے

فصل گل ہے اے جنوں عریانیِ تن چاہیے
نے گریباں چاہیے مجکو نہ دامن چاہیے

توڑتا پھرتا ہے شیشے میکشوں سے چھیڑ ہے | محتسب اس ریش پر تجکو لڑکپن چاہیے
میرا مطلب اور ہے کہتا ہے تو کچھ اور ہی | میرے سمجھانے کو ناصح تجھ سا کودن چاہیے
خوبیِ قسمت یہی ہے اب کسکا شکوہ کیجیے | دوست سمجھیں کسکو کہنا کس کو دشمن چاہیے
وعدہ تمہارا وعدۂ فردا سے جا ملا | پیغام آ بارل کے اجل کے پیام سے
کھانے کو غم ہے پیتے ہیں یہ خونِ دل مدام | کیا غم ہے فاقہ مستوں کو ماہِ صیام سے
عشق بازی نے عجب لطف دکھایا ہمکو | دین و دل ہار چکے نوبتِ جاں بازی ہے
کمظرف ہیں جو کہتے ہیں ہم پی سکے ساقیا | منہ بند اپنا رکھتے ہیں شیشے شراب کے
خط سے لفافہ کھل گیا واں حسنِ یار کا | مشتاق ہم رہے یہاں خط کے جواب کے
جس نے دیکھا ہے تجھے وہ بیدم ہے | چشمِ بد دور اب تو عالم ہے
دستِ گستاخ کا نہ پوچھو حال | کچھ یہ واقف ہے کچھ یہ محرم ہے
آتی ہے راہِ کعبہ میں ہر گام پر صدا | اول طوافِ کوچۂ جاناں ضرور ہے
تنہا کو بھولیے نہ کبھی وقتِ مے کشی | بزمِ طرب میں یادِ محباں ضرور ہے
بجائے سیب تو سیبِ ذقن کو دیکھ لیا | دکھاؤ کچھ مجھے جاناں انار کے بدلے
یہی ہے مشقِ جفا و ستم تو سن لینا | وفا و مہر کے انداز یار کے بدلے
دل میں ہے ذکرِ قیامت کیجیے | یعنی وصفِ قد و قامت کیجیے
ہے وفا یہ کہ تو جفا نہ کرے | ہے جفا یہ کہ تو وفا نہ کرے
غمزہ کیا ناز کس کو کہتے ہیں بو | ہے ادا یہ کہ تو ادا نہ کرے
کیا ظلم ہے کہ کہتے ہیں وہ تجکو دیکھکر | تقصیر ہو نہ ہو اسے تعزیر چاہیے
خوب ہم مو شگافیاں کرتے ہو | نظر آتی اگر کمر کوئی ہو
یاں دار سے عیسیٰ کو بلا رب علا لی | کیونکر نہ عدو پست ہوں قسمت کے دھنی سے
کہتا ہے وہ بت پان کو دانتوں سے دبا کر | یوں لعل کنا کرتے ہیں ہیرے کی کنی سے

تھا بیاضِ گردنِ لیلےٰ سے دریں حسن و عشق	قیس کو طفلی میں کچھ مطلب نہ تھا اُستاد سے
محتسب کیسا مچلتا ہے تو میخانے میں	جا کے مسجد میں تو یوں پانوں پسارے ہوتے
لائی اُڑا کے نکہتِ گیسوئے عنبریں	ابتو دماغ عرش پہ بادِ صبا کا ہے

تنہا۔ نواب محمد شیر علی خاں بہادر تنہا رئیس مراد آباد مہندی علی خاں ذکی مرحوم مراد آبادی کے شاگرد تھے۔ معمر و سن رسیدہ بزرگ تھے۔ ستر سال سے زیادہ عمر پا کر حال ہی میں انتقال کیا۔ زبان۔ بندش۔ فصاحت۔ روز مرہ۔ غرض ہر طرح انکا کلام اچھا ہے پرانے مشاق تھے۔ اکثر نعتیہ غزلیں کہا کرتے تھے۔ دیوان بھی مرتب ہو گیا ہے۔ عاشقانہ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

چھٹیں نبضیں یاد آگیا جب چھوڑنا	جھٹک کے وہ شوخی سے دامن کسیکا
بہت پانوں پھیلائے اے اشک تو نے	مگر ہاتھ آیا نہ دامن کسیکا
کھنچ گیا یار تک نگاہ کے ساتھ	ناتوانی ترا گلہ نہ رہا
نالہ نغمہ ہے اُسکی محفل کا	رقص ہے بیقراریٔ دل کا
اُٹھاتا ہے تصور پردہ اور حیرت گراتی ہے	جو محوِ یار ہو جائے کشاکش درمیاں کیوں ہو
رہے چھیڑا اس فرہ کی نیشتر سے	لہو بہتا رہے زخمِ جگر سے

تنہا۔ میر لطف علی باشندۂ مدراس۔ فن شاعری میں حضرت فصیح الملک نواب داغ دہلوی کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ موجودہ زمانہ کے معمولی موزوں طبع شاعروں میں ہیں۔

تیر کھا کھینچا کہ تن سے رُوح اپنی کھنچ گئی	اے ستمگر زیست ہی کا سب مزا جاتا رہا
وصل کی شب پوچھتے ہیں مسکرا کر ناز سے	وہ تڑپنا لوٹنا کیوں آپ کا جاتا رہا
جب کہا میں نے کہ میں ہجر میں مر جاؤنگا	ہنسکے بولے کہ بلا سے مجھے پروا کیا ہے

توانا

توانا۔ منشی سید اکرام علی خلف سید سبحان علی۔ باشندہ فتحپور ہسوا۔ آپ کو پہلے تو نگر سنگھ عاشق سے تلمذ رہا جو مرزا قتیل کے نامور شاگردوں میں تھے۔ اس زمانہ میں

آپ ناتواں تخلص کرتے تھے۔ جب حضرت ناسخ الہ آباد گئے تو آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور غزل اصلاح کے لئے پیش کی اُنھوں نے ناتواں کی جگہ توانا تخلص عنایت کیا۔ کلام ملاحظہ ہو۔

روندیو اگر ہماری خاک مدفن زیر پا	ہاتھ اُٹھا کر ہم دعا دیں گے کہ دشمن زیر پا
چل سکی کانٹوں سے کچھ مطلق نہ قیس زار کی	لاکھ صحرا نے بچھایا اپنا دامن زیر پا
قرب اعلےٰ سے حصولِ رفعتِ اسفل نہ ہو	گل کو سب رکھتے ہیں سر پر کاہِ گلشن زیر پا
نازکی دیکھو کہ رکھتا ہے قدم جب خاک پر	تار بخیہ کو سمجھتا ہے وہ سوزن زیر پا
جس کی تنگی سے توانا دم خفا ہوتا رہا	لاغری سے گر پڑا وہ طوقِ گردن زیر پا

توفیق ۔ صدر نشین وسادۂ عز و تمکین۔ شاہزادہ سلطان محمد بشیر الدین خلف الصدق سلطان شکر اللہ فرزند خاص حضرت ٹیپو سلطان والیِ میسور۔ سرنگا پٹن ۱۷۹۹ء میں جب ٹیپو سلطان جنگ میسور میں بمقابلہ افواج فرنگ دادِ شجاعت و مردانگی دیکر شہید ہوئے اور انکا ملک قبضہ سرکار کمپنی میں آیا تو شاہزادہ شکر اللہ معہ دیگر برادران و عزیزان چندے قلعہ ویلور میں زیرِ حفاظت سرکار انگلشیہ نظر بند رہے۔ اتفاق سے چند سال بعد فتنہ و فساد کی آگ وہاں بھڑک اٹھی اور باغیوں نے شہزادہ شکر اللہ کو اپنا سردار مقرر کرکے چند انگریزی افسروں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ حکام انگریزی نے بکمال حکمت عملی اس فساد کی آگ کو ٹھنڈا کیا اور ٹیپو سلطان مرحوم کے لواحقین کا اس ملک میں قیام خلاف مصلحت تصور کرکے سب کو کلکتہ بھیجدیا اور ٹالی گنج کو انکا جائے سکونت قرار دیا۔ خدا کے فضل سے حضرت توفیق اپنے والد ماجد کی مانند علم و فضل و اخلاق حمیدہ اور صفات برگزیدہ رکھتے تھے اور نکتہ سنجی اور موزونی طبع میں فخر خاندان تھے۔ تاریخ خوب کہتے تھے۔ انکے نام متعدد خطوط اسد اللہ خان غالب کی اُردوئے معلےٰ میں موجود ہیں۔ غالب کے دوستانہ تعلقات ان کے ساتھ مربوط تھے۔ نظم و نثر فارسی اُردو دونوں میں دستگاہ تھی چنانچہ دیوان تہرکی

توفیق

تقریظ و تاریخ خوب کہی ہے۔ ایک مہربان نے کلام بھیجنے کا پختہ وعدہ کیا تھا۔ مگر باوجود تقاضا ارسال نہ کیا۔ بدرجہ مجبوری صرف اندراج حال پر قناعت کی۔ سلطان بشیر الدین کی زندگی کا بڑا حصہ کلکتہ میں بسر ہوا۔ اور وہیں ۱۸۷۰ء کے قریب انتقال کیا۔

توفیق

توفیق ۔ امیر الملک والاجاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر توفیق مرحوم شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال۔ ان کے والد سید اولاد حسن قنوج کے معمولی لوگوں میں تھے ۱۲۴۸ہجری سالِ ولادت تھا۔ صغر سنی میں دہلی جاکر تعلیم پائی۔ اور علامہ دہر مفتی محمد صدر الدین خاں آزردہ کے شاگرد ہوئے۔ مفتی صاحب نے معقول و منقول فقہ و اصول بکمال توجہ پڑھائی۔ ۱۲۷۰ہجری میں دہلی سے بھوپال گئے اور نواب سکندر بیگم صاحبہ کی سرکار میں منشی گری پر مامور ہوئے۔ پھر بعض وجوہ سے انکا تعلق ریاست بھوپال سے قطع ہوگیا۔ چند سال بعد منشی جمال الدین خان مدار المہام بھوپال کی لڑکی سے انکا نکاح ہوگیا۔ اسکے بعد مہتمم مدارس ریاست و افسر مدرسہ سلیمانیہ ہوئے۔ جب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مسند نشین ہوئیں ان کو خدمت میر منشی گری پر ممتاز فرمایا۔ اور یہاں تک انکا عروج جاہ و اعزاز مد نظر ہوا کہ ۱۲۸۸ہجری میں بحالت بیوگی بیگم صاحبہ نے ان سے نکاح کرلیا۔ دربار قیصری منعقدہ ۱۸۷۷ء میں سرکار انگلشیہ سے خطاب امیر الملک والاجاہ ملا اور سترہ ضرب توپ کی سلامی مقرر ہوئی۔ بجائے رئیسہ منتظم ریاست ہوئے۔ ان کی قدردانی اور ہنر پروری سے علوم و فنون مشرقی کے اکثر باکمال بھوپال میں جمع ہوئے۔ نواب صاحب مرحوم نہایت زبردست محدثوں اور عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ ڈیڑھ سو کے قریب مختلف علوم و فنون میں کتابیں تصنیف اور تالیف فرمائی تھیں۔ ان کتابوں کی ہزارہا جلدیں مفت تقسیم ہوئیں۔ عربی فارسی میں نواب اور اردو میں توفیق تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں اکثر اور اردو میں کمتر فکر سخن فرماتے تھے۔ تذکرہ شمع انجمن شعرائے فارسی کے حال میں ان سے یادگار ہے۔ آخر عمر میں بیرنگی یعنی

ایجنٹ گورنر جنرل متعینہ سیہور سے ناچاقی ہو جانے کے باعث نواب موصوف انتظام معاملات ریاست سے دستکشی پر مجبور ہوئے۔ اور بحکم گورنمنٹ سلامی القاب اور خطابات سے محروم کئے گئے۔ بیگم صاحبہ ان کی اولاد سے بہت مانوس تھیں بیش قرار مواجب کے علاوہ اور لکھوکھا روپیہ کا سلوک اُنکے ساتھ کیا۔ ان کے دونو صاحبزادے نور الحسن خاں اور علی حسین خاں جو جمال الدین خانصاحب وزیر بھوپال کی لڑکی کے بطن سے ہیں۔ بعد وفات نواب شاہجہاں بیگم لکھنؤ چلے آئے ہیں سنہ ۱۸۹۵ء میں نواب صاحب نے عالم بقا کی راہ لی۔ اردو کے چند شعر حاضر کئے جاتے ہیں۔

باتوں باتوں میں کچھ ایسی بات اُسنے چھیڑ دی — کہتے کہتے وہ لبِ حرفِ مدعا جاتا رہا
ڈرو خدا سے کوئی اور کھیل کھیلو تم — بہت برا ہے مریجان مشغلہ دل کا
بلاتے ہیں تو مبارک تمھیں پرائے توفیق — زیادہ حد سے نہ بڑھ جائے حوصلہ دل کا
اللہ ہی طبیب ہے مجھ دردمند کا — عاشق ہوا ہے وہ مرے بند بند کا
توفیق کس خوشی سے جلاتے ہیں مہ جبان — وہ جو نہ دیکھ سکتے تھے جلنا سپند کا
برپا کریں نہ فتنہ کوئی دیکھئے آس پاس — بیٹھے ہیں پاس حسرت و غم مل کے آس پاس
دیکھ بدمست سے مجھے مار کے ٹھوکر بولے — ہم تو مستوں کو بھی ہشیار بنا لیتے ہیں
حضرت ناصح دل اُس بیدرد کو دوں یا نہ دوں — آپ تو کہئے کہ اسمیں آپ کی کیا راے ہے
عبث رقیب کی تعریف مجھسے کرتے ہو — یہی نہ کہدو کہ اُٹھ جاؤ میری محفل سے
جب کہتے ہیں ہم حشر میں فریاد کرینگے — سنتا ہے کہ ہم بھی تری امداد کریں گے

توفیق

توفیق ۔ جناب مولوی سید جلال الدین صاحب اہلکار دفتر صدر مجلسی سرکار عالی حیدرآباد کے رہنے والے اور دور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ رسالوں میں آپ کی چند غزلیں نظر سے گذریں۔ کچھ شعر منتخب ہو کر درج ہوئے۔ شگفتہ طبیعت پائی ہے۔ مذاق شستہ ہے

لاکھ محبوسِ قفس کر تو مجھے اے صیاد — میں نکل جاؤنگا فریادِ عنادل کی طرح

حسرت اسے جذب کہ لیلی ہو سوار محمل — قیس ہو ساتھ غبار پس محمل کی طرح
اشک رہتے ہیں رواں نالہ ادا ہو کہ نہ ہو — قافلہ راہی منزل ہے ندا ہو کہ نہ ہو
تپش قلب کو تحریک نفس سے مطلب — شعلہ زن رہتی ہے یہ آگ ہوا ہو کہ نہ ہو
چونک اٹھیں یا نہ اٹھیں خواب عدم سے مردے — یوں چلو تم تو کہو حشر بپا ہو کہ نہ ہو
بے سبب چارہ گروں کو نہیں تشویش علاج — دل کا ارماں ہی نکل جائے شفا ہو کہ نہ ہو
ایذائے قید سہہ نہیں سکتے نسیم خرام — مٹھی میں بند ہو نہیں سکتی ہوا کبھی

توقیر

توقیر۔ مولوی عبدالقادر توقیر متوطن پنجاب مقیم دہلی۔ استعداد علمی اگرچہ کم تھی مگر شاعری سے طبیعت کو بیحد لگاؤ تھا۔ بڑے وجیہ خوش مزاج شکیل طبیعت دار ذکی نوجوان تھے۔ حضرت داغ ظہیر انور کے ہم مشق و ہم صحبت تھے۔ اکثر فکر رسا کی اعانت سے مضامین نازک اور عالی کی تلاش میں سرگرم رہتے تھے۔ اوائل مشق میں چند غزلیں میاں تنویر کو دکھائیں۔ پھر حضرت ذوق کی خدمت میں آئے اور انکی وفات کے دو تین مہینے بعد سنہ ۱۲۷۲ ہجری میں ناشاد و نامراد جہان فانی سے عالم بقا کی طرف سفر کیا ۲۵۔ ۲۶ سال کی عمر پائی۔

توقیر دل رسیدہ پھر آوارہ ہو گیا — کس نے سنا دیا اسے مژدہ بہار کا
واں نمک کا بھی صرفہ ہے توقیر — زخم کھانے کا کچھ مزا دیکھا
گر آئے جوش پہ دریا مرے اشک ندامت کا — تو کیونکر پانی پانی دل نہ ہو پھر ابر رحمت کا
مجکو کیوں دیکھا بت ناآشنا کو دیکھکر — ناصحو دیکھو کہ کچھ کہنا خدا کو دیکھکر
انتظار نامہ بر میں اسقدر بے ہوش ہوں — جان تن میں آ گئی پیک قضا کو دیکھکر
جو یار مجھسے پوچھتا ہے ماجرائے دل — سینے پہ ہاتھ دھر کے یہ کہتا ہوں ہائے دل
زخمی تری نگاہ کے آخر کو مر گئے — کہہ کہہ کے ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل
ہم تو خاطر سے تری غیروں کو بھی تعظیم دیں — رشک پھر کہتا ہے بیٹھو اپنی یہ عادت نہیں
بتوں کو چاہنا اور حضرت توقیر یہ صورت — بظاہر تو نظر آتے ہو تم مرد مسلماں سے

توقیر

توقیر ۔ لالہ نرائنداس خلف لالہ پھول چند باشندہ فرخ آباد ۔ منشی سید اسمٰعیل حسین منیر کے فیض تلمذ سے بہرہ ور اور ۱۲۷۴ھ میں حیات ستے ۔ طبیعت کا رنگ مفصلہ ذیل اشعار سے آشکار ہے ۔

آئینے سے بھی ہے وہ چند صفا ہاتھوں میں
منہ نظر آتا ہے اسے ماہ لقا ہاتھوں میں

سلطنت ملتی ہے چھوتا ہے جسے وہ محسن
طائر رنگ حنا ہے کہ ہما ہاتھوں میں

سونا چھلوں کا گلا جاتا ہے آتش مزاج
گرمیاں اور دکھاتی ہے حنا ہاتھوں میں

عرق چہرۂ دلدار کو پونچھا توقیر
ہمنے عطر گل فردوس ملا ہاتھوں میں

توقیر

توقیر ۔ میر عبد العلی نام ۔ قنوج کے رہنے والے اور رشک لکھنوی کے شاگرد تھے غدر سے پیشتر پٹنے میں بود و باش اختیار کر لی تھی ۔ مرثیہ تحت لفظ خوب پڑھتے تھے ۔ آدمی با مذاق و صاحب دل تھے ۔ عطر سازی کا پیشہ کیا کرتے تھے ۱۳۰۲ھ میں ساٹھ باسٹھ برس کی عمر تھی یہ ان کے اشعار ہیں ۔

جب سے طوفاں خیز میرا دیدۂ تر ہو گیا
مردم آبی کے رہنے کیلئے گھر ہو گیا

آج روشن اُس قمر سے کیا مرا گھر ہو گیا
نور چشم مہر و مہ ہر روزن در ہو گیا

رنگیں جو میت پروانہ بے غسل و کفن
شمع کا منہ آنسوؤں سے بزم میں تر ہو گیا

شک نہیں اسمیں اشد الموت ہے انتظار
آج اُنکے وعدۂ فردا سے محشر ہو گیا

مژدہ باد اے مرگ ناکامی ہوا قصہ تمام
جسکے ہم عاشق تھے وہ عاشق کسی پر ہو گیا

ناتوانی سے نکلنا جان کا مشکل ہوا
کشتی عمر رواں کا ضعف لنگر ہو گیا

توقیر

توقیر ۔ شیخ ارادت اللہ صاحب رئیس قنوج فرخ آباد کے ضلع میں تروا ایک چھوٹی سی جاگیر اُسکے سالہا سال منتظم رہے ۔ شعر و سخن سے بھی اُنس تھا چنانچہ یہ اُن کے نتائج افکار کا خلاصہ ہے ۔

ہے سامنا اجل کا قیامت ہے قہر ہے
کچھ دل لگی نہیں ہے جو تم سے لگائے دل

کرتا نہیں بھولے سے کبھی یاد ہماری
کیا شاد ہو پھر خاطرِ ناشاد ہماری

مرقد کی مرے آکے اُڑا لو نہ تم اب خاک
مٹی نہ کرو مفت میں برباد ہماری

صنم جو رام ہوا ہے خدا خدا کر کے
دل و جگر کروں صدقے جدا جدا کر کے

تمہاری بے نقابی سے قمر نے داغ کھایا ہے
رخِ انور سے کیوں اے مہروش پردہ اٹھایا ہے

دکھائے گی اسے نیچا کبھی آہِ دلِ عاشق
کہ اس پیرِ فلک نے اب بہت کچھ سر اٹھایا ہے

ازل ہی میں ستم مجھپر تمہارے ہاتھ لکھا تھا
کسی سے خامۂ قدرت کا لکھا بھی مٹایا ہے

غم و رنج و الم درد و تمنا یاس و حسرت کو
شبِ تنہائی میں اپنا انہیں مونس بنایا ہے

توقیر

توقیر ۔ جناب سید باقر حسین توقیر دہلوی ۔ شاگرد حضرتِ داغ دہلوی مرحوم ۔ کلام خاص ہے رسمی شاعر ہیں ۔ کوئی خاص بات قابلِ تشریح ان کے کلام میں نہیں ہے یہ ان کے اشعار ہیں ۔

ہمکو دنیا سے ترے لطف و کرم نے کھویا
گھر کہاں اُن کا جو دل میں ترے گھر رکھتے ہیں

گالیوں پر اِسے کھولیں آمادہ ہیں پئے قتل
یہ دہن رکھتے ہیں دلبر نہ کمر رکھتے ہیں

آپ کے پاس نزاکت نے کیا ہے خاموش
ورنہ نالے مرے آفت کا اثر رکھتے ہیں

چاہنے والوں سے غافل نہیں رہتے معشوق
بے خبر بن کے یہ عاشق کی خبر رکھتے ہیں

توقیر

توقیر ۔ نواب احمد مرزا خانصاحب خلف نواب مرزا محمد جعفر خانصاحب مرحوم نبیرہ نواب حیدر بیگ خانصاحب مغفور عرف چھٹن صاحب المتخلص بہ توقیر لکھنوی از تلامذہ حکیم سید علی ضامن صاحب متخلص بہ شوق خلف جناب رشک شاگرد شیخ ناسخ مرحوم ۔ آپ دور موجودہ کے شاعر ہیں اور یہ آپکے کلام کا انتخاب ہے ۔

تارے گن گن کے وہ آنکھوں میں سحر ہو جانا
کیا کہیں ہجر کی راتوں کا بسر ہو جانا

مجھ سے کرتی ہے اشارہ وہ لگاوٹ کی نظر
کہ دکھاؤں میں ترے دل کا ادھر ہو جانا

حشر لانے کو ہے توقیر تری میت پر
بے خبر کو ترے مرنے کی خبر ہو جانا

کیوں فلک دور میں تیرے کبھی ایسا بھی ہوا
کہ شبِ ہجر کی ممکن ہو سحر ہو جانا

دل سے راضی ہوں فلک ہیں کے سُرمہ کردے
شرط ہے آپ کے منظورِ نظر ہو جانا

سیر کو آتے ہیں بیمارِ محبت کی وہ روز
ہے بڑا اِتو مرے واسطے اچھا ہونا

داغِ دل بعدِ فنا سینہ میں روشن ہو کر
ضَو دکھاتا ہے چراغِ تہِ دامن ہو کر

وصل کی آس میں یا یاس میں دم نکلا ہے
شمعِ تربت مری بُجھ جائیگی روشن ہو کر

باغ میں غیر سے پھر ہنسکے رُلاتے ہو مجھے
خار دیتے ہو گلو غیرتِ گلشن ہو کر

خوف ہے مجھ کو قیامت نہ کہیں آجائے
کعبۂ دل میں بُت آتے ہیں برہمن ہو کر

سوزِ دل کی یہ مرے ہوتی ہے دیکھو توقیر
شمع کا نام ہوا بزم میں روشن ہو کر

قلم سے شیخ کے نکلے کہ ہے حرام نہیں
یہ دستخط نہ کرا لوں تو رند نام نہیں

پری جمال کو نظروں میں شیخ پی پی کر
یہ کہہ رہا ہے کہ بنتِ العنب حرام نہیں

قتل میں میرے نہ ہو کچھ شرکتِ خونِ رقیب
دوسرا خنجر منگالیں آپ تو احساں کریں

دل کے ٹکڑے کر دیئے حاضر ہیں عشقِ حبیب
ہم غریب و بے نوا کیا خاطرِ مہماں کریں

ملا بے مانگے گو رزق آسیا کو
مگر اسپر بھی گردش میں سبد کی

تونگر — منشی عبد العلی مرحوم خلف میاں مسکین۔ علمی استعداد معقول تھی۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ کے عہدِ دولت میں ترقی پاکر میر منشی ریاست کے عہدہ گرامی پر ممتاز ہوئے۔

نواب شاہجہاں بیگم کے دورانِ حکومت میں بھی مورد عنایات رہے اور مشاہرہ میں بھی ترقی ہوئی مگر شومئ طالع سے بہ سبب کبرِ سنی دماغ میں ضعف آگیا اور عملیات سفلی و منتوں خوانی کی طرف توجہ مائل ہوگئی۔ انجام کار سرکار کے حکم سے خارج از ریاست کئے گئے تذکرہ فرح بخش سے کلام انتخاب ہوکر درج کیا گیا۔

دیکھئے ہر دم نہ اپنا روئے روشن آپ میں
ہو جئے ہر دم نہ صاحب آتش افگن آپ میں

کیوں نیند کر رکھے تھے شب اُس مہ لقا کے ہاتھ
قابو چلا تو باندھو نگا میں بھی حنا کے ہاتھ

ہالے کی شکل گردِ رخِ ماہوش ہوئی — انگڑائی کی جو یار نے دونو ملا کے ہاتھ

تھانیسری

تھانیسری - شاہ امام بخش نام - یہ بزرگ درویش صفت اور نیک نہاد تھے شبانہ روز اپنی اوقات اوراد و یادِ حق میں گذارتے تھے سلسلۂ قادریہ میں کسی بزرگ سے بیعت تھے - مسٹر ایف فیلن صاحب نے اِن کا تخلص تھانیسری لکھا ہے اور کہتے ہیں کہ گاہ گاہ بطور خود شعر موحدانہ اسکی طبع سے ٹپک پڑتا تھا ۱۲۸۰ھ ہجری میں موجود تھے - یہ انکے اشعار ہیں -

اِس جہاں میں اُس جہاں میں کون ہے — ہر نہاں میں ہر عیاں میں کون ہے
ہے جو دکھلاتا تجلی دم بدم — ہر جمالِ دلبراں میں کون ہے
تو کہے میں گفتگو سے پاک ہوں — پس یہ گویا ہر زباں میں کون ہے
لوگ کہتے ہیں خدا ہے لامکاں — پھر زمین و آسماں میں کون ہے

تہور

تہور - میرزا غلام فخر الدین تہور برادر حقیقی مرزا قادر بخش صابر - اصلاح سخن حضرت احسان اور حکیم مومن خاں سے لیتے تھے - عنوانِ شباب میں غدر سے آٹھ دس سال پیشتر قضا کی یہ ان کے اشعار ہیں -

ناصحا پند و نصیحت تو نہ کر محفل میں — یہاں مرے ساتھ کوئی اور بھی رسوا ہوگا
اب ہے کیا باقی جو ہے کاوش تری در جستجو — چاک دامن ہو گیا ٹکڑے گریباں ہو گیا
پھر خدا لائے اُسے یا دشمن بخیر — کیا تہور بے تکلف یار تھا
رشکِ دشمن کا سبب عشق میں کیا ہے ناصح — امتحاں کیجئے مشفق کہیں شیدا ہو کر
لے آئے وہ ذرا خط کا جواب اُس سے کسی ڈھب — افسوس کہ قاصد سے اب اتنا نہیں ہوتا

تہور - منشی تہور علی خاں - عدالت فوجداری کانپور میں مختاری کرتے ہیں - اور شاگرد جناب آسماں سے تلمذ ہے - دو تین غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر ہے

اپنے تلووں سے مَل کے دل میرا — کہتے ہیں کیسا پائمال ہوا

شب فراق کی حالت نہ پوچھئے مجھ سے ۔۔۔ میں کیا بتاؤں کہ کس درجہ بیقرار رہا
اور بھڑکے گی تیمور ہو نہ گریاں اسقدر ۔۔۔ آتش دل کو کبھی آنسو بجھا سکے نہیں

تیمور

تیمور۔ مرزا اسعادت سلطان تیمور گورگانی خلفت مرزا قادر بخش موزوں برادر نسبتی مرزا قادر بخش صابر اوائل میں حضرت احسان کے شاگرد تھے۔ بعد میں مرزا صابر سے مستفید ہوئے عرصہ ہوا کہ انتقال کر گئے۔

اس سادہ مزاجی پہ بھی مرتے ہیں ہزاروں ۔۔۔ اللہ رے عالم ترے بے ساختہ پن کا
روتا ہوں اپنی بے پروبالی پہ باغباں ۔۔۔ فصل خزاں میں بلبل بے پر کو دیکھ کر
ضبط نالہ کیا تو جان گئی ۔۔۔ اپنا گویا میں آپ قاتل ہوں

ث

ثابت

ثابت ۔ اجابت خاں یا اصالت خاں ان کا نام تھا۔ عظیم آباد کے رہنے والے اور مرزا محمد قدوی کے شاگردوں میں تھے۔ اپنے زمانہ میں علم استادی بلند کرتے تھے طبقہ دوم کے آخر شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہ اشعار ان کے درج کئے جاتے ہیں

وقت مرنیکے مرے پاس وہ موجود ہوا	اپنے ہی جی کا زیاں اپنے لئے سود ہوا
مجمر سینہ میں دن رات پڑا جلتا ہے	آہ ثابت یہ ترا دل ہوا عود ہوا
مصرع کبھو جو آہ کا موزوں کروں ہوں میں	مژگان نو سپہر کا دل خوں کروں ہوں میں

ثابت

ثابت ۔ منشی مہر علی۔ اصلی وطن بڑہانہ ضلع مظفرنگر تھا مگر یہ خود قبل از غدر دہلی میں بود و باش رکھتے تھے۔ حافظہ اچھا تھا۔ اور اساتذہ قدیم مثل سودا اور میر درد کے ہزارہا شعر از بر تھے۔ دہلی میں رہ کر استعداد علمی کے علاوہ فکر سخن میں بھی سلیقہ معقول پیدا کیا کلام ملاحظہ ہو۔

دیکھا مجھے تو ہو کے خفا غیر سے کہا	اس بزم میں ہر ایک کو آنا نہ چاہیے
کھل جائیگا وہاں کس و ناکس پہ راز عشق	اے دل اس اضطراب سے جانا نہ چاہیے

ثابت

ثابت ۔ ثابت شیخ ثابت علی ولد شیخ محمد علی ۱۲۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸۵۴ء میں راجہ بھرت پور کی سرکار میں معتمد اور بہ تقریب سرانجام کار اپنے ولی نعمت کے دہلی میں وارد تھے۔ گاہ گاہ شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ اور خاصہ کہتے تھے۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

آنے کی کسی کے کیا سنی ہے	جاں لب پہ ٹھہر گئی ہے آکر
کہتے ہیں وہ بیوفا اب آیا	کہنے ہی کی بات ہے سنا کر
ثابت کا ہے حال غیر کل سے	تم بھی اسے دیکھ آؤ جا کر

ثابت

ثابت - شاہزادہ میرزا معزالدین ثابت مرحوم خلف الصدق حضرت شاہ عالم بادشاہ و برادر حقیقی مرزا احسن بخت احسن - حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان کے شاگرد رشید تھے - قلعہ معلی میں اکثر شاہزادے انکے شاگردی سے ممتاز تھے آپنے - اپنے استاد کا دیوان مرتب کیا تھا جو راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے - خود بھی موزوں طبع شاعر اور صاحب دیوان تھے جسکا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے - اچھا کہنے والوں میں تھے - زبان صاف پاکیزہ اور معاملہ کے شعر خوب کہتے تھے - اوائل عہد بہادر شاہ میں انتقال فرمایا - یہ ان کا کلام ہے -

آفریں دلکو ترے ثابت وگرنہ بار عشق
لے زمیں سے اُٹھ سکا نے آسماں سے اُٹھ سکا

شبنم کی طرح اس چمن دہر میں ثابت
جز گریہ ہمیں اور تو کچھ کام نہ آیا

ق

زیور گل کو لگا اگ یہ مالن سے کہا
میرا طرہ میرا گہنا میرا گجرا نہ بنا

پھول عاشق کے ہوں اور پھولوں کا گہنا پہنو
دست دیا پھول گئے پھولوں کا گہنا نہ بنا

خوبرو تیری نہیں ہے کچھ فقط گفتار خوب
رخ پری کا کل دھواں بالا بلا رفتار خوب

تھا قلق اور سے لت داری رات
مجکو روتے کٹی ہے ساری رات

سینے کل اس سے کہا دلمیں مرورد ہے آج
ہاتھ سینے پہ مرے رکھکے کہا کیا باعث

یوں کہا اسنے کہ ثابت سے مجھے پیغام نہ بھیج
مجھکو بدنام نہ کر نامہ مرے نام نہ بھیج

لگا یا تیر جو تمنے فقط کلیجے میں
ہر ایک عضو ہے میرا جدا جدا لگید

چکور آسا فدا ہے کیوں تو روشنائے درخشان مہوشاں پر
قدم رکھیں ہیں وہ کب زمیں پر دماغ انکا ہے آسماں پر

یہ سب سمجھتے نہیں اس سبب سے ہے زیست مری
لوگ کہتے ہیں نکالو کسی تدبیر سے تیر

ہاتھ زنجیر طلائی ہیں جو اُٹھا بوسے لے
کیا بلا ہے سبب تجھے ثابت مری زنجیر نہ توڑ

انصاف سے ہے کہ تجنب اس ابرو ہوا میں
کس طرح سے ہو ساقی گلفام فراموش

دستِ جنوں کو یوں ہے گریباں سے اختلاط — دامن کو جیسے خارِ بیاباں سے اختلاط

پھر دبستاں نے دل کا ستانا کیا شروع — پھر آہ بزمِ غیر میں جانا کیا شروع

آہ گر پردہ نشیں وہ بتِ گلفام نہو — دیر میں کفر نہو کعبے میں اسلام نہو

رقص میں وہ نازنیں جسوقت گرمِ ناز ہو — نازِ خوباں چاہیئے پھر فرشِ پا انداز ہو

اسقدر اے بے مروت محبت سے استغنا تجھے — جان دینی تھی مجھے پر دل نہ دینا تھا تجھے

تجکو شاباش تصور کے مصور دل پر — لکھدے اُس عالمِ تصویر کی تصویر مجھے

کیا جو دوستی میں تو نے ہمسے کری فریب — کوئی ایسی نہیں کرتا مری جاں اپنے دشمن سے

کہدو اُس چشم سے پرہیز کر اُس سے مدام — تیرے بیمار کی جاں باعثِ پرہیز چلی

اُدھر ہے بادہ پیما بزم میں باہمدگر کوئی — ادھر پیتا ہے اپنا دمبدم خونِ جگر کوئی

برہمن کافر و دیندار سبکو بھا گیا ایسا — خدائی میں اُسی بت کا جپے ہے نام ہر کوئی

جی ہی جاتا جو تیرے لب پہ مسیحا میرے — مرتے مرتے نگہِ عاشقِ بسمل پڑتی

مت دکھا اے برقِ خرمن سوز طراری مجھے — آتشِ الفت کی ہے درکار چنگاری مجھے

کیا دن پھریں ہمارے گر وہ پھر سفر سے — لیل و نہار جنکے ہم دیکھنے کو ترسے

زلفوں کا جبکہ سودا دل کو ہوا وہ بولے — اپنا تو روزگار بھی خالی نہیں ہنر سے

دلِ پرداغ کو تپک سے کہا — چیز یاں داغدار کیوں آوے

ق

اکیلا دیکھکر کل میں نے اُسکو جان کر پوچھا — ہمارا جانا بوجھا یا کوئی انجان جاتا ہے

ٹھٹھک کر مسکرا کر یوں کہا ہٹ جا ارے ظالم — ترے سرکی قسم کوئی بھی پہچان جاتا ہے

ثابتؔ

ثابت ۔ منشی سید تفضل حسین لکھنوی ابن سید مہدی حسین ابن میر زین العابدین عرف میر مغل رسالدار عہد امجد علیشاہ بادشاہ اودھ) آپ کے حقیقی نانا سید محمد رضا ظہیر مرحوم شاعر مرثیہ گو ارشد تلامذہ مرزا دبیر مغفور سے تھے ۔ آپ کی ولادت ۱۵ رجب ۱۲۷۵ھ ہجری بروز جمعہ کو ہوئی (نظیر حسن تاریخی نام ہے) اردو ۔ فارسی ۔ عربی ۔ انگریزی وناگری کی

زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں سنہ ۱۸۸۳ء میں ریاست کوٹہ میں اولاً محرری جیل پر ملازم رہے۔ پھر ناظر عدالت صدر دیوانی کوٹہ مقرر ہوئے۔ اب سر رشتہ دار عدالت سیشن جج ہیں۔ غزل گوئی میں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم سے اور مرثیہ گوئی میں مرزا محمد جعفر صاحب اَوج لکھنوی سے تلمذ رکھتے ہیں سنہ ۱۳۱۱ ہجری میں زیارت کربلا و نجف اشرف وغیرہ سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ آپ کا سفر نامہ منظوم موسوم بہ ریاضِ فکر چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ ایک میلاد منظوم اور بہت سے سلام و مرثیے و رباعیات موجود ہیں۔ باقی عاشقانہ کلام اکثر گلدستہ جات و اخبارات وغیرہ میں چھپتا رہتا ہے۔ دیوان چھپوانے کا کبھی خیال نہیں کیا۔ ورنہ کافی مصالحہ موجود ہے۔ ۶۰ سال کے قریب سن ہے۔ شعر بہت اچھا کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی بھی ہے۔ جو کلام آپ نے عنایت کیا مع کلام بہم رسیدہ سابق کا چیدہ انتخاب حاضر کیا جاتا ہے۔

شبِ فرقت میں نیند آئے بھلا کیا / گذرتے ہیں تصور دل میں کیا کیا
تمھارے نازِ بیجا کیا ہیں اے جان / اٹھا لیں ہم تو سر پر آسماں تک
نمازِ فرضِ زاہد نے قضا کی / عجب شوخی ہے کافر کی ادا میں
حسرتیں جب یاس سے دست و گریباں ہو گئیں / مشکلیں جتنی بڑی تھیں سب وہ آساں ہو گئیں
ایک عالم ہے یہاں ویرانۂ دل عمر بھر / بستیاں کتنی بسیں اور کتنی ویراں ہو گئیں
خاک پاتی عطرِ گل جنکی۔ عرق جنکا گلاب / کیوں فلک وہ صورتیں مٹی میں پنہاں ہو گئیں
ہر خوشی کا باغ عالم میں تباہی ہے مآل / کھلکھلا کر جب ہنسیں کلیاں پریشاں ہو گئیں
صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں / کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں
زندگانی سے کہیں بہتر ہے اُس عاشق کو موت / تیری زلفیں جسکے ماتم میں پریشاں ہو گئیں
گر کے مجھ دل سوز سے الفت جدا ہونے لگے / آگ بھڑکا کے جگر کی تم ہوا ہونے لگے
یا رب یہ کون چٹکیاں لیتا ہے بار بار / پہلو میں یار ہے کہ دلِ بیقرار ہے۔

سب مجھے دل لینے دے اُس جانِ جان سے
عمر بھر کاتب اعمال رہے ہیں ہمدم
خدا جانے کوئی ارمان ہے یا تیر کا پیکاں
پچھلا پہر ہے چونک تغافل کے خواب سے
دلِ ثابت تھا جب ثابت نہ آتا تھا نظر کچھ بھی
غرور و کبر سے نفرت ہے ضد خوشامد سے
کسی ہنر کا تو کیا ذکر فن کرے ثابت
دلِ سوا تجکو مجھے تیرے سوا کیا چاہئے
احباب کے جلسوں کا جو سودائی ہے
ثابت۔ یہ موت کا تعجب کیسا
پھل پائیں گے جو تخم کرم بو دیں گے
جنکے لئے چھوڑتا ہے مال او منعم

حیا دم بھر کو اُٹھ جا درمیاں سے
دیکھئے حشر میں دیتے ہیں گواہی کیسی
یہ حالت ہے کہ جیسے دل کوئی سینہ میں ملتا ہے
پہرہ بدل رہا ہے بڑھاپا شباب سے
جو ٹوٹا شیشۂ دل سینکڑوں ہی جامِ جم نکلے
پسند آئی سلامت روی کی چال مجھے
کہ نقص میں بھی نہ حاصل ہوا کمال مجھے
تجھکو آئینہ۔ مجھے آئینہ سیما چاہئے
رباعی کچھ یاد بھی تجھے قبر کی تنہائی ہے
مرنا جینے کی علت غائی ہے۔
" مرقد میں یہ پھول بن کے خوشبو دیں گے
مرنے پہ وہ مٹی بھی نہ تجکو دیں گے

ثاقب ثاقب۔ منشی شہاب الدین خاں ساکن قصبہ سیوہارہ۔ درویش توکل پیشہ شاعر پُر گو اور خوش تقریر اور اُستاد نامور شاہ مبارک آبرو کے عقیدتمند و شاگرد تھے کبھی کبھی سراج الدین علیخان آرزو سے بھی مشورہ کر لیتے تھے۔ احمد شاہ ابدالی اور عالمگیر ثانی کے عہد میں زندہ تھے ایک پُرانے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جس وقت افاغنہ دُرّانی نے مرہٹوں سے شکست پائی اسی زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔ پُرگوئی کے باعث ایک ضخیم دیوان مرتب ہو گیا تھا۔ مگر ترتیب تذکرہ کے وقت صرف چند شعر دستیاب ہوئے جنکا انتخاب درج ذیل ہے فیلن صاحب نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر بھی لکھا ہے۔ صرف نام میں غلطی کی ہے یعنی شمس الدین لکھا ہے۔ ورنہ بقیہ حالات وہی ہیں جو یہاں درج ہیں۔

مر گئے تو بھی کچھ نہ پوچھی بات
لب پہ ثاقب کا یار سکتے ہیں ؟

ثاقب کی نعش اور قاتل نے آ پکارا
یہ کون مرگیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

مجھسے بیدل کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اے مصور اسکے تئیں دلگیر کھینچا چاہیے

اک نگہ ترچھی ہی سے ہوتا ہے بس عالم کا کام
تجکو کاہیکو میاں شمشیر کھینچا چاہیے

ثاقب - مرزا مہدی ولد مرزا انور علی بیگ - استاد نواب محسن الدولہ - باشندہ لکھنؤ - شیخ ناسخ مغفور کے شاگرد تھے - صاحب دیوان گذرے ہیں - اُن کے شاگردوں میں آغا علی شمس نامور ہوئے - یہ اُن کا کلام ہے :-

ذکر بوسے کا جو آیا تو پڑا گال پہ نیل
مانگنا ظلم ہوا تاب نہ لایا عارض

کس نے بوسے لئے کیوں آج ہو مرجھائے ہوئے
گل افسردہ کی صورت ہے تمہارا عارض

ہو گیا بار نگہ سے تیرا نیلا عارض
کس نے دیکھا ہے بتا دے کوئی ایسا عارض

شجر طور جو قامت ہے تو ہے رخ شعلۂ طور
اے بت نور خدا کا ہے تمہارا عارض

مدح تیرے حسن کی کرتی زبان حال سے
رکھتی گویائی اگر تصویر پشت آئینہ

نہ کیونکر صاف ہوں بعد شہادت میں ستمگر سے
غبار دل - قاتل نے دھویا آب خنجر سے

ہوا محبوس میں جسدم جنوں نے پاؤں پھیلائے
روانہ کشتی وحشت ہوئی بیڑی کے لنگر سے

قیامت قامت دلدار کے مضمون کہتے ہیں
نہیں کم آفتابی داغ سے خورشید محشر سے

نہیں چشم توقع عہدگان عہد سے ثاقب
کسی نے پیاس اپنی کب بجھائی آب گوہر سے

ثاقب - نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب مرحوم مہین پور عالی جناب نواب ضیاء الدین احمد خان صاحب والی لوہارو رئیس اعظم دہلی - مرزا نوشہ غالب مرحوم کے سسرال کے رشتے سے بھتیجے اور فن شعر میں شاگرد رشید تھے - چھوٹی سی عمر میں اپنی ذاتی علم و فضل اور خوش اخلاقی کی وجہ سے اچھا نام پایا تھا اور حکام وقت کی طرف سے آنریری مجسٹریٹی دہلی کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز تھے - صاف صاف عاشقانہ رنگ میں جسمیں کچھ تصوف اور اخلاق کی بھی چاشنی ہوتی تھی اچھا کہتے تھے - کلام میں درد اور مزا ہے - مرزا غالب نہیں

بہت عزیز رکھتے تھے۔ استعداد علمی بھی معقول تھی۔ افسوس کہ عین عالم شباب میں ۹۔اپریل ۱۸۶۹ء مطابق ششم محرم الحرام ۱۲۸۶ھ ہجری یوم دوشنبہ بعارضۂ تپ واسہال ہنگام سپہر انتقال کیا اور حسب وصیت درگاہ قدم شریف میں اپنے عم مرحوم نواب شمس الدین احمد خاں کے پہلو میں دفن ہوئے ۲۹ سال کی عمر پائی مرزا باقر علی بیگ سالک نے تاریخ کہی ؎

از صدمۂ مرگ ثاقب والا جاہ
ہر سو شنت صدائے نالہائے جاں کاہ

تاریخ وفات او چنیں سالک گفت
روز ششم مہ محرم صد آہ
۱۲۸۶ھ

آپ نے چار صاحبزادے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ صاحبزادوں کو میراث پدری کے علاوہ شاعری بھی ارث میں ملی ہے۔

کیوں وعدہ کرو بے خبر آجاؤ کسی وقت
ہوں وصل کا خواہاں نہیں مشتاق خبر کا

اُس عصر میں کہتے تھے اسے پیار سے طوفان
بچپن کا ہے یہ نام مرے دیدۂ تر کا

ہر شخص کا دل شہر میں کھنچتا ہے ادھر کو
پوچھے کوئی کیوں اور سے رستہ ترے گھر کا

گھر بیاباں میں بنایا نہیں ہم نے لیکن
جس کو گھر سمجھے ہوئے تھے وہ بیاباں نکلا

وہی جگہ دیر میں ثاقب کو سمجھ کر سکش تو
وہ عدوئے بت و بتخانہ مسلماں نکلا

لاتے زباں کو کام میں کرتے وہ ہم سے بات
مجبور رہ گئے کہ سرے سے وہاں نہ تھا

سمجھے ہوئے تھے قبر کو ہم کنج عافیت
دیکھا تو یاں بھی امن و اماں کا مکاں نہ تھا

گرمی میں دل کو کھول کے بند قبا کہا
شکر خدا کہ ثاقب آشفتہ یاں نہ تھا

جو اس سے پہلے تھا یہ وہی خاکداں ہے اب
یارب وہ خاکیوں کی کرامت کہاں ہے اب

اسفندیار نامور اجاسپ کیا ہوئے
سننے کو ایک تذکرۂ ہفت خواں ہے اب

دیکھا ہے کس نے موسیٰ و فرعون کو یہاں
ہاں رود نیل روئے زمیں پر رواں ہے اب

نے بت گری نہ بت شکنی قصہ مختصر
صنعت آزر و خلیل کا مذکور یاں ہے اب

نفی وجود غیر ہے ثابت طریق حق
آثار کی نمود بھی وہم و گماں ہے اب

کیوں ویسے آدمی نہیں آتے ہیں بروے کار
آخر وہی زمیں ہے وہی آسماں ہے اب

ہیں ظلم و معدلت کی حکایات اور بس
حجاج ہے جہاں میں نہ نوشیرواں ہے اب

ضرب المثل ہے لیلی و مجنوں کا حسن و عشق
اسکا نہ کچھ پتا ہے نہ اسکا نشاں ہے اب

کیا کہہ رہا ہوں میں کہ یہ ہے اور وہ نہیں
توحید کے خلاف ہے جو کچھ بیاں ہے اب

ہم قوتِ جذبِ دل دکھائیں
اور پھر وہ ہمارے گھر نہ آئیں

آتے نہیں یاں اگر نہ آئیں
اے کاش مجھے وہاں بلائیں

کیا چیر کے سینہ دل دکھائیں
کچھ حال سنو تو ہم سنائیں

ہم سینہ سپر کیے کھڑے ہیں
وہ شوق سے خنجر آزمائیں

جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف
افسوس وہ دلربا ادائیں

اے بخت کہاں تلک برائی
اے چرخ کہاں تلک جفائیں

(ق)

کل میں نے کہا کہ بندہ پرور
چہرے سے نقاب آپ اٹھائیں

کہتے ہیں ادا شناس باہم
اچھا ہو جو رخ تو کیوں چھپائیں

بوسے روداد موسیٰ و طور
سن لی ہو تو دیکھنے کو آئیں

بسم اللہ ہم اٹھائیں پردہ
پر اُن سے کہو کہ تاب لائیں

شاید کہ ہے گرم نالہ ثاقب
چلتی ہیں شرر فشاں ہوائیں

خبر کس کو گرچہ گھائل ہوئے ہیں
محبت میں ہم جملہ تن دل ہوئے ہیں

نہیں عقل سے عشق خالی کہ اسمیں
بڑے تجربے ہمکو حاصل ہوئے ہیں

تمنا نہیں ہمکو پروانگی کی
وہ اب غیر کی شمع محفل ہوئے ہیں

غلط فہم ہیں عاشقانِ مجازی
کہ محوِ تماشائے محمل ہوئے ہیں

رہیں سگے گرفتار صورت پرستی
اگر حسنِ معنے سے غافل ہوئے ہیں

نہ بیٹھیں نہوں قتل انصاف یہ ہے
کہ ہم خود بدآموزِ قاتل ہوئے ہیں

ہمیں ذوقِ صحرا نوردی سے ہے ثاقب
نہ سمجھو کہ جو پائے منزل ہوئے ہیں

دل کا سودا ہے خفا ہونیکی کچھ بات نہیں
گفتگو رہتی ہے بائع کو خریدار کے ساتھ

دانہ پانی کی خبر لینے کی توفیق نہیں
کھیلنا جانتے ہیں مرغِ گرفتار کے ساتھ

چیر کے سینے کو دل دیکھتے ہیں قتل کے بعد
اک چھری تیز لگی رہتی ہے تلوار کے ساتھ

خواہش وصل میں ثاقب کی کوئی دیکھے سیر
کچھ دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اشعار کے ساتھ

رنجش سے گر کہا ہو تو ایماں نہو نصیب
کافر بتوں کو کہتے ہیں عشاق پیار سے

ڈرتے ہیں وہ جہاں نظر آتا ہے گردباد
سہمے ہوئے ہیں کیا مرے مشتِ غبار سے

فکرِ وصال و ہجر کا صدمہ اٹھائیے
اس چند روزہ زیست میں کیا کیا اٹھائیے

بے لطف زندگی سے تو مرنا ہی خوب ہے
کیا فائدہ کہ نازِ مسیحا اٹھائیے

آؤ نہ آؤ ہم بھی ہیں خوگر شکیب کے
جی چاہتا ہے ذوقِ تمنا اٹھائیے

رکھتے ہیں لوگ خلوتِ دشمن کا اہتمام
بے پردگی میں پردہ سے پردہ اٹھائیے

یہاں بھی مژہ کو حسرتِ طوفانِ نوح ہے
ہاں بزم سے اٹھائیے اچھا اٹھائیے

بیٹھے ہیں ہم تو اب دلِ بے آرزو لیے
وہ دن گئے کہ داغِ تمنا اٹھائیے

ثاقب وہ ضبطِ عشق کو سمجھے ہیں بے غمی
یہ روئیے کہ شورشِ دریا اٹھائیے

اے کہن سال فلک دشمنِ جانِ دہلی
کیا ترے ہاتھ لگا کھو کے نشانِ دہلی

حیف صد حیف کہ دی شاہجہانی تعمیر
وائے صد وائے مٹی شوکت و شانِ دہلی

چاندنی چوک ور یہ نہ قلعہ پھر کیونکر
دلی والوں کو ہو جنت پہ گمانِ دہلی

اہلِ دلی نہ کریں بخت کا شکوہ کیونکر
بخت خاں جی ہوئے جب باج ستانِ دہلی

چاندنی چوک بگڑ کر وہ بنا از سر نو
کہ کہیں گے ہم اُسے بخت جوانِ دہلی

چوک کے باغ میں وہ رنگ ہے آرایش کا
کہ قسم کھائیے ہے فردوس بجانِ دہلی

اہلِ ایراں یہ غزل سنکے کہیں گے بیشک
بود ثاقب مگر از اہلِ زبانِ دہلی

اک بوند اثرناک نہ اسے چشم تر آئی ہرگز نہ مری تجھ سے کچھ امید بر آئی
سینہ تو مرا چاک کیا اور ہوئے برہم جب نوبتِ نظارہ دردِ جگر آئی
ہے بند درِ حجرہ مگر یار کے گھر کا جو زلف کی بو تجھ میں نہ بادِ سحر آئی
دم باقی ہے تدبیر کریں لانے کی اسکے احباب ابھی سے نہ کریں نوحہ سرائی
چپ بیٹھے ہیں کچھ کرتے نہیں بات کسی سے ثاقب کے مگر مرنے کی ان کو خبر آئی

ثاقب ۔ عالیجناب شیوپرشاد مہاراجہ جے گوپال سنگھ ثاقب رئیس سندیلہ مصاحبِ خاص حضرتِ سلطان عالم واجد علی شاہ و داروغہ سرکار صاحب عالم جنرل مرزا فریدوں قدر خلف ارشد شاہ اودھ ۔ راجہ درگا پرشاد تعلقہ دار سندیلہ کے نزدیکی قرابت دار اور زبانِ فارسی سے بخوبی ماہر تھے ۔ نظم و نثر دونوں میں مہارت تامہ حاصل تھی ۔ حضرتِ سلطان عالم کی ان پر خاص نظرِ عنایت تھی ۔ آپ سندیلہ کے معزز کایستھ خاندان کے رکن تھے شاہانِ اودھ کی سرکار میں اسکے بزرگ مراتبِ جلیلہ پر سرفراز تھے ۔ چنانچہ یہ خود بھی بپاس حقوق خدمتگزاری بعد انتزاعِ سلطنت بادشاہ کے ہمراہ ہوئے اور برسوں وطن سے دور مٹیابرج میں قیام پذیر رہے اگرچہ آپ کو مشاہرہ قلیل ملتا تھا مگر صرف یہی ایک امر کہ آپ کو حضرت جہاں پناہ نے مہاراجہ کا خطاب عنایت کیا اس بات کا کامل ثبوت ہے کہ ان کی کسقدر وقعت مرکوز خاطر اقدس تھی ۔ ریختہ کم کہتے تھے جس زمانے میں داغ صاحب کلکتے گئے آپ بھی مشاعروں میں شریک رہے ۔ چند شعر حاضر ہیں ۔

عشق میں بجز بیخودی عاشق کو حاصل کیا ہوا پوچھتا ہے اسنے رہ رہکے مرا دل کیا ہوا
کاہش بیجا اٹھانے کھو کے نقد عقل و ہوش عشقبازی کرکے اے دل اور حاصل کیا ہوا
حق تو یہ ہے دین و دنیا کی نہیں پروا کچھ ان بتوں کے عشق میں دل اپنا مائل کیا ہوا

ثاقب ۔ **ثاقب** ۔ جناب مولوی نجم الدین صاحب سیوہاری مولف سیرۃ الشافعی و رسوم جاہلیت آپکے والد کا نام محمد بخش تھا جو سیوہارہ ضلع بجنور کے باشندے تھے ۱۲۹۵ھ آپکا سال

ولادت ہے۔ عربی فارسی کی استعداد اچھی ہے مدرسہ دیوبند کے سند یافتہ ہیں۔ اب کئی برس سے مطبع رفاہ عام لاہور میں ملازم ہیں۔ فن سخن میں کبھی کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ موزونی طبع ہی مصلح ہو جاتی ہے۔ زبان کی تحقیق کا بھی شوق ہے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے

تو مہ آسمان ہے گویا	تجھ سے روشن جہان ہے گویا
جس زمیں پر ہے نقش پا تیرا	وہ زمیں آسمان ہے گویا
یوں تو دنیا میں اور بھی ہیں حسیں	تو حسینوں کی جان ہے گویا
روٹھنا بات بات پر ہر دم	دلربائی کی شان ہے گویا
دل تم نے لے لیا بہت اچھا کیا مگر	دل لیکے میری جان۔ دل آزار کیوں ہوئے

ثاقب

ثاقب۔ منشی محمد نواز ثاقب۔ آپ کو حضرت احسان شاہجہانپوری سے تلمذ رہا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں رسالہ گلچین گورکھپور کے دفتر میں ملازم تھے۔ خوش گو ہیں اور راجہ صاحب محمود آباد کے سرکار میں ملازم ہیں۔ یہ چند شعر اُن کے طبعزاد ہیں۔

لذت درد محبت نہ طبیبو پوچھو	کیوں دوا کرتے ہو تم درد جگر ہونے دو
جہاں کہے جسے اچھا وہی بشر اچھا	بُرا وہی ہے زمانہ جسے بُرا سمجھے
عجیب بے سر و پا ہے کلام واعظ کا	نہ ابتدا کوئی سمجھے نہ انتہا سمجھے

ثاقب

ثاقب۔ مولانا نجم الدین احمد ثاقب بدایونی المخاطب بہ پہلوان سخن۔ آپ مولوی جمیل الدین احمد وکیل بدایونی کے صاحبزادہ ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ عربی فارسی کی متعدد کتب اور فقہ۔ تفسیر۔ معقول منقول میں بھی آپ کی کافی استعداد ہے۔ سن شعور ہی سے شعر گوئی کا مذاق آپ کی طبیعت میں ہو گیا۔ ۱۸۸۹ء میں آپ گوالیار گئے۔ وہاں آپکے ماموں مولوی غلام غوث وحید سررشتہ تعلیم میں ملازم تھے اور چونکہ آپ کو فن سخن سے ایک خاص رغبت تھی ان کے فیضان صحبت سے یہ بھی شعر کہنے لگے اور رفتہ رفتہ مشق کے ساتھ طبیعت کی امنگیں ترقی کرنے لگیں۔

آخر انہی کے اشارے سے دو ایک غزلیں حضرت داغؔ کی خدمت میں بھیجیں اور شاگرد ہو گئے۔ گوالیار میں کچھ عرصے قیام کے بعد اٹہ میں جہاں آپ کے والد وکالت کرتے تھے چلے گئے وہاں سے تلاش معاش میں رامپور۔ دہلی۔ ریاست ہائے راجپوتانہ میں چکر لگا کر آخر کار بڑودہ پہنچے۔ اور میر احتشام علی خاں جاؔدو رئیس بڑودہ کے مصاحب ہو گئے۔ انہی کے کسی کام کے انجام دہی کے لئے ٹونک گئے اور وہاں پہنچکر حضرت ظہیرؔ دہلوی کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور ہو کر زیادہ نام پایا حتیٰ کہ اب خود اُستاد مانے جاتے ہیں۔ راقم کی پہلے سنہ ۱۹۰۱ء میں بمقام دہلی ملاقات ہوئی پھر سنہ ۱۹۰۲ء ماہ جولائی اگست میں دورانِ قیام بمبئی اکثر ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہتے تھے۔ پستہ قامت۔ زندہ دل حد درجے خلیق پابند وضع اور ملنسار شخص ہیں۔ آپ کی طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے اکثر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اچھے مضامین کی تلاش الفاظ کا مناسب اور برمحل استعمال آپ کے کلام کا خاص جوہر ہے۔ زبان پر آپ کو حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ طبیعت میں روانی اور خیالات کی تازگی قابل تعریف ہے۔ نہایت زود گو اور پُرجوش کلام شاعر ہیں۔ تذکرہ خمخانۂ جاوید کی جو تقریظ آپ نے ارقام فرمائی ہے وہ آپکی حیرت انگیز قدرت و مشاقیِ فن کا قابلِ قدر نمونہ ہے۔ کوئی خاص وقت فکرِ سخن کا معین نہیں ہر وقت طبیعت حاضر رہتی ہے۔ اُستاد ظہیرؔ انہیں بہت چاہتے ہیں۔ اور ان پر ناز کرتے ہیں۔ بارہا ایک ایک دن میں دو دو سو شعر کہنے کی نوبت آچکی ہے ایک دفعہ ٹونک میں کئی ماہ سے علیل اور صاحبِ فراش تھے آپ کے کسی تیماردار نے چند شعر محسنؔ کاکوروی کے قصیدہ نعتیہ کے پڑھے۔ اسی حالت میں آپ نے دو دن کے اندر تین سو شعر کا قصیدہ اُسی زمین میں کہہ ڈالا حضرت ظہیرؔ نے بھی سُنا تو بیحد متعجب ہوئے۔ اور سخت ممانعت کی کیونکہ آپکی حالت واقعی خراب تھی۔ پہلوانِ سخن کا خطاب بھی انہیں کا دیا ہوا ہے جبکی وقعت اس لحاظ سے کہ اقلیم سخن کے سچے فرمانروا حضرت ظہیرؔ کا عطیہ ہے۔ اور بھی گران قدر ہے

مولانا ثاقب اب پندرہ برس سے زیادہ تر بمبئی اور بڑودہ میں رہتے ہیں۔ ٹونک۔ احمد آباد۔ بڑودہ بمبئی میں اکثر موزوں طبع آپ کے شاگرد ہیں جنمیں حضرت جاوید۔ ناصر قابلِ ذکر ہیں۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

میں وہ سالک ہوں کہ مسجودِ ملائک ٹھیرا
بن گیا نورِ ازل داغ جبیں سائی کا

مدام دست بکار اور دل بیار رہا
وہ مست ہوں کہ جو غفلت میں ہوشیار رہا

ملا نہ مل کے رہیگا وہ فتنۂ دوراں
ہُوا نہ ہو کے کسیکا یہ روزگار رہا

شہیدِ ناز کے دل کی رہی سہی حسرت
مٹاتے جاؤ یہ کیا دو قدم مزار رہا

تری وہ آنکھ کہ چوری نہ چھپ سکی اپنی
مرا یہ دل کہ خدائی کا رازدار رہا

تمام عمر رہی اسپہ آسماں کی نظر
جو دو گھڑی بھی کوئی آپ سے دوچار رہا

جان و دل پہلو بہ پہلو اُن کا پیکاں لیچلا
میزباں کے گھر کی رونق ایک مہماں لیچلا

دل کو فتر و ملنیں نگاہِ ناز کے آنا نہ تھا
چلتے چلتے سر پہ کن اچھوں کا احساں لیچلا

میں چراغِ صبح تھا ظالم کہ تیری بزم سے
چشم گریاں سینہ بریاں دم پریشاں لیچلا

پھر خبر لینا کنکھیوں سے ذرا اے مستِ ناز
پھر چُرا کر زخمِ دل سے کوئی پیکاں لیچلا

غنچہ غنچہ سے ہلانے کے لیئے وحشی ترا
چاکِ دل چاکِ جگر چاکِ گریباں لیچلا

غلط الزام ہے جرمِ شکایت ہائے دشمن کا
کہ فرطِ لاغری سے ہے خموشی نام شیون کا

تصور رخنہ پیدا سازِ خلوت گاہ دشمن ہے
کہ چشمِ دور میں ہے تماشا چشمِ روزن کا

رفتہ رفتہ گوشۂ دامن بنا دامانِ چشم
خوابِ مرگِ طفلِ اشک آخر یقینی ہو گیا

وہ سینہ طور بنیگا وہ چشمِ شوق کلیم
کہ جبکے سامنے تو بے نقاب آ لے گا

یہ کہہ رہی ہے تری چشمِ شوخ کی گردش
کہ اب کوئی نہ کوئی انقلاب لے گا

غربت پسند وہ ہوں کہ مضطر وطن میں تھا
آوارہ شکلِ بوئے گُلِ تر وطن میں تھا

قسمت پھری نہ گردشِ پا کے جنوں کیساتھ
گویا سفر میں ہم تھے مقید وطن میں تھا

سخت جاں ہو کے آبرو کھوئی ... آبِ خنجر میں ڈوب مرنا تھا
دور سے آئے تھے جنابِ کلیم ... بے خودی کچھ تو پاس کرنا تھا
شانِ رحمت حساب سے پہلے ... تجکو عصیاں سے در گذرنا تھا
ایسی ہیں دستبردِ خزاں سے سخن کے پھول ... مہماں ہیں کوئی دن کے چمن میں چمن کے پھول
محوِ بہارِ حسنِ دل آرا ہوں اسقدر ... ہر خارِ دشت سامنے آتا ہے بن کے پھول
اے شبِ ہجر جا نہیں ہوتی عمر دراز ... رہ نہ جائے کوئی دکھ درد کا پہلو دل میں
رکھیو آہستہ قدم اے فتنۂ پُر شورِ حشر ... سو رہے ہیں کشتۂ نازِ بتاں زیرِ زمیں
جانفزا کس درجہ ہے سیرِ عدم آباد بھی ... جا رہا ہے جان دے دے کر جہاں زیرِ زمیں
نگاہیں اُنکا پیمانہ ادائیں جان کا بدلہ ... جو کچھ لیتے ہیں وہ قیمت چکا کر مول لیتے ہیں
ٹھکانا ایسی قسمت کا کہ تکیے ہیں فقیروں کے ... زمیں دو گز بھی مر مر کر تونگر مول لیتے ہیں
بنا رندو تمکو بہکانیکی واعظ آج ڈالیں گے ... کہ خشتِ خم سے تعمیرِ ممبر مول لیتے ہیں
کوئی گاہک ملے تو بیچتے ہیں جوہرِ ذاتی ... کوئی بیچے تو ہم اے دل مقدر مول لیتے ہیں
غلط ہے مفت کی پیتے ہیں کسدن حضرتِ واعظ ... مگر ہاں عیش کے وعدہ پر اکثر مول لیتے ہیں
ترہی تصویر کا اترا ہوا آئینہ ہے شاید ... جسے ہم جانکر بختِ سکندر مول لیتے ہیں
متاعِ جانِ عاشق کی ہے قیمت اسقدر ہلکی ... نگاہوں کے اشاروں میں ستمگر مول لیتے ہیں
ہمارے دام تو کھوٹے نہیں ہے آکاسہ گر پھر کیوں ... وہی چھوٹا نکلتا ہے جو ساغر مول لیتے ہیں
عزیزوں سے زیادہ سنگدل ہے کون دنیا میں ... کہ ہمتو جان دیتے ہیں وہ پتھر مول لیتے ہیں
ہوا ہے کس کا پردہ فاش یارب آج غربت میں ... کہ تارِ دامنِ یوسف رفوگر مول لیتے ہیں
ایسی باتیں میرے ساقی کی ہیں چکنی چپڑی ... شیخ و واعظ کے بھی ایمان پھسل جاتے ہیں
بھولی باتوں میں ہے ان شعلہ رخوں کی وہ اثر ... دل تو کیا چیز ہے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
توبہ توبہ ہے نہ مستوں کی نہ پیماں پیماں ... بدلیاں دیکھ کے سب عہد بدل جاتے ہیں

محفل سے جہاں میں کوئی خطا رہ گئی نہ ہو
اے رحمتِ خدا ترے حق میں کمی نہ ہو

بیٹھکر سینے میں اور پردہ نشیں یہ چھیڑ چھاڑ
دلکا چاہا کیوں ہوا آنکھوں کا چاہا کیوں نہ ہو

آپ ہیں جب میں نہیں تو مجھ سے پردہ کیا ضرور
تم بھری محفل میں اپنے آپ رسوا کیوں نہ ہو

دل لیا تھا مجھ سے کن شرطوں پہ اے بندہ نواز
اب خدا لگتی کہو آخر تقاضا کیوں نہ ہو

اور ہی عالم نظر آیا جہاں جھپکی پلک
عاقبت بیں آنکھ میں دنیا تماشا کیوں نہ ہو

چار دن جینے کی خاطر کون لے احسانِ غیر
توبہ توبہ وہ لبِ جاں بخشِ عیسیٰ کیوں نہ ہو

نام لیوا تو ظہیر و داغ کا ثاقب بھی ہے
وہ برا ہو یا بھلا ہو چاہے جیسا کیوں نہ ہو

مکافاتِ شکایتہائے بختِ نارسا تم ہو
دلِ نادیدہ شکلِ مدعا کے مدعا تم ہو

ہجومِ ناامیدی سے نہ وہ ڈالی پردۂ غفلت
سمجھتا ہوں اُسے بھی خواب۔ گر جلوہ نما تم ہو

ہوں تری خو سے تلون کہ کسی کل نہیں چین
جان دوبھر بھی ہے مرنا بھی ہے مشکل مجھکو

شکوۂ ہجر نہ تھا تذکرۂ وصلِ عدو
گالیاں دینے لگے کیوں سرِ محفل مجھکو

سخت جاں میں نہیں تم خنجرِ بے آب نہیں
منہ عبث موڑ لیا دیکھ کے بسمل مجھکو

میں غیر ہوں غیر کو نہ چاہو
جو عہد کیا ہے وہ نبا ہو

تم دل میں ہو دل مری بغل میں
کس طرح کہوں کہ بیوفا ہو

جب جان کہا تو ہنس کے بولے
ہاں صاف نہ کہدو بے وفا ہو

کہتے ہیں تمہاری جان میں ہوں
کیوں جان سے اسقدر خفا ہو

ثاقب یہی حسن شاعری ہے
مضمون زبان میں ادا ہو

شبِ غم کیا کہوں یادِ خرامِ ناز کیا لائی
مری تقدیر کے سوتے ہوئے فتنے جگا لائی

کھلے گی ان کے فتنوں کی دکاں بازارِ محشر میں
خدا ہے گر کہیں سے کچھ رقم مل جائے بالائی

یونہی کیا کم تھی میری آہِ سوزاں جی جلانے کو
وہاں جاکر لگی ہیں اور یہ ظالم لگا لائی

صبا کچھ خاک میری بھی پڑی تھی کوئے قاتل میں
ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول دیکھوں کیا اڑا لائی

قیامت پر یقیں ہے کچھ اجل سے کچھ بھروسا تھا
وہ آئینگی تو کیا لائے گی یہ آئی تو کیا لائی

وہ خود پردے میں کب بیٹھے وہ خود پردے سے کب نکلے
نظر تک شوخیاں لائیں مرے دل تک صبا لائی

جسکے دل میں ایک تیری یاد ہے
دونوں عالم سے وہی آزاد ہے

قید سے ظالم بھی کب آزاد ہے
دامِ فکرِ صید میں صیاد ہے

خود مسیحا برسرِ بیداد ہے
اے اجل فریاد ہے فریاد ہے

صلح کل ایسی کسی کی یاد ہے
دوست دشمن سب کا دل آباد ہے

اپنے منہ سے آپ کہدیں نامراد
یہ مرادِ عاشقِ ناشاد ہے

مانا کہ آپ ہیں ستم ایجادیوں میں فرد
اچھا جو کوئی چال نئی آسماں سے چلے

جھونکوں میں آہِ سرد کے دم ہو گیا فنا
دوشِ نسیمِ صبح پہ ہم ناتواں چلے

خود نمائی بھی قیامت ہے خود آرائی بھی
تم بھی حیرت میں ہو سکتے ہیں تماشائی بھی

وصل میں چھیڑ دیا قصۂ دشمن ہم نے
اب جماہی بھی انھیں آئیگی انگڑائی بھی

مذہب عشق میں کہتے ہیں جسے مجبوری
دوسرا نام اسی کا ہے شکیبائی بھی

تیری آنکھوں میں وہ مستی ہے کہ ملتے ہی نظر
بن گئی ساغرِ مے چشمِ تمنائی بھی

وہ نیچی نیچی نگاہوں میں کیا نہیں کرتے
حیا کے پتلے ہیں لیکن حیا نہیں کرتے

بُرائی پر تو زمانے کو کر لیا اپنا
بھلے کو آپ کسی کا بھلا نہیں کرتے

طریقِ عشق سے واقف نہ تھا مگر منصور
سمجھنے والے تو منہ سے کہا نہیں کرتے

عدو کے دل میں کہاں ہیں تمھارے تیرِ ادا
خطا معاف یہ ناوک خطا نہیں کرتے

امید رحمت و شرمِ گناہ و خوفِ خدا
جو رند کرتے ہیں وہ پارسا نہیں کرتے

ہم اور کچھ نہیں کرتے قصور کرتے ہیں
رقیب کرتے ہیں کیا کچھ خطا نہیں کرتے

یہ حال اپنا ہوا غیر ہجر میں ثاقب
کہ غیر مرنے کی بھی ہم دعا نہیں کرتے

بوالہوس کی رسمِ الفت اور ہے
بندہ پرور میری حسرت اور ہے

جگ ہنسائی کی محبت اور ہے
مٹ چکے سب نقشے تیری راہ میں

عاشقی حضرت سلامت اور ہے
اک تھکی ماندی قیامت اور ہے

ثاقب

ثاقب ۔ مرزا ذاکر حسین صاحب قزلباش لکھنوی ۔ دور موجودہ کے ایک طبیعتدار، خوش فکر شاعر ہیں ۔ باوجود تلاشِ مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے ۔ معائنۂ کلام سے پایا جاتا ہے کہ فکر رسا ہے ۔ زبان صاف ستھری اور بندش چست ہے ۔ ہر شعر میں بات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ کلام بہ رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے

گل و بلبل کی تباہی پہ خدا رحم کرے
دو گھڑی مل کے نہ بیٹھے تھے کہ صیاد آیا

درازیِ دامنِ محشر کی بھی معلوم ہو جاتی
اگر کچھ اور بڑھتا حوصلہ چاکِ گریباں کا

محبت کا سبق پڑھ کر ہوئی دیوانگی حاصل
کتابِ عشق کی تھا حاشیہ چاکِ گریباں کا

الفت کی آگ جب سے ہوئی ہمکنار دل
ہنستے ہیں برقِ طور پہ کیا کیا شرارِ دل

کیوں روئے بیخودی پہ برسنے لگا ہے نور
کس کی تجلیاں ہوئیں آئینہ دارِ دل

کرتا ہے ضبطِ آہ کو رخصت جگر کا درد
آخر ہے آج صحبتِ صبر و قرارِ دل

مرنا ترے فراق میں سہل اے صنم نہیں
یہ شکلِ انتظار ہے آنکھوں میں دم نہیں

اس یاوری بخت کے قربان اے کریم
وہ میری نبض دیکھتے ہیں مجھ میں دم نہیں

کہاں کہاں ہے ترا عشق رنگ لائے ہوئے
شفق کے خون میں ہے شامِ غم نہائے ہوئے

ہوائے عشق تھی یا صرصرِ فنا یا رب
چراغ کس نے بجھائے ترے جلائے ہوئے

جگر کے زخم کا اور داغِ دل کا حال نہ پوچھ
یہی ہیں عشق و محبت کے گل کھلائے ہوئے

سینہ میں اب مٹے ہوئے دل کا پتہ کہاں
اک داغ ہے کہ نقشِ تمنا کہیں جسے

کیا ہست و بودِ قطرہ و موج و حبابِ بحر
مجموعۂ خیال ہے دریا کہیں جسے

سینے میں نیشِ غم کے مزے لے رہا ہے دل
رگ رگ میں وہ خلش ہے کہ کانٹا کہیں جسے

اب علاجِ زخم دامندار رہنے دیجئے
تیر کو سینے میں تا سوفار رہنے دیجئے

وصل کی دے کر زباں اتنی پشیمانی ہے کیوں
اب تو جو کچھ ہو چکا اقرار رہنے دیجئے

ایک زباں ہیں سب علاج دردِ دل کے باب میں
جو ہے کہتا ہے اسے بیمار رہنے دیجئے

وحدت و کثرت کا میں قائل نہیں اے اہلِ دیں
بندۂ عشقِ بتِ پندار رہنے دیجئے

یادگارِ عشق ہے یہ صحبتِ تیغ و جگر
اور دم بھر حلق پر تلوار رہنے دیجئے

رو لیے جب تک نہ آئے ثاقبِ دردِ دل
آنکھ کو جب تک رہے خونبار رہنے دیجئے

ثاقب　ثاقب - مولانا مولوی محمد نواب خاں - نواب احمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ والے کے حال کو زمانۂ نابالغی میں آپ فارسی اردو پڑھایا کرتے تھے - اب بھی اُسی ریاست کے دُعاگو ہیں - گاہ گاہ اپنے آقا کی فرمایش سے فکرِ سخن بھی کر لیتے ہیں - مالیر کوٹلہ کے مشاعروں میں چند غزلیں پڑھی تھیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے -

رباعی

عاشق تو ہیں لیکن نہیں ہرجائی ہم
سنتے ہیں بگوشِ دل فغانِ بلبل
ہیں جنسِ غم و درد کے سودائی ہم
ہیں درد بھرے دل کے شیدائی ہم

کسیکو جان بھی دیدیجئے یہ خواہشِ دل ہے
ہم آمادہ ہیں مرنے پر اجل کہتی ہے مشکل ہے

اشاروں سے ہوئے طالب جب وہ دل کو کہا میں نے
یہی لے لیجئے لے دیکھے اپنے پاس اک دل ہے

ابھی بیٹھا ہی تھا محفل میں میں آکر کہ بول اُٹھے
اُٹھا دو اس کو بارِ خاطرِ اربابِ محفل ہے

بھلا مرہم سے کیا اے چارہ گر ہو زخمِ دل اچھا
یہ دل اپنا نگاہِ یار کے پیکاں سے بسمل ہے

بندھا ہے تارِ گیسو میں پھنسا ہے پیچ کاکل میں
بلائیں دل کی گردیدہ بلاؤں پر یہ مائل ہے

ثاقب　ثاقب - شیخ غلام محمد شہاب الدین نام خلف شیخ حافظ سلام الدین تا در بنیرہ نواب حاجی محمد خاں مرحوم مدار المہام مارواڑ آپ کا خاندان اجمیر میں معزز و موقر مانا جاتا ہے - ابھی عنفوانِ شباب ہے اور تحصیلِ علم میں مشغول ہیں حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کے رشید شاگرد نواب عبداللہ خاں مطلب مرحوم آپکے حقیقی ماموں تھے - شعر و سخن سے ذوق ہے - مگر غزل گوئی کی طرف اسقدر رجحان نہیں جس قدر اخلاقی نظموں سے دلچسپی ہے - ہنگام ترتیبِ تذکرہ کچھ کلام خود ارسال کیا ان میں سے چند شعر حاضر

سے کئے جاتے ہیں۔

میکدہ میں دیکھ کر شغلِ حریفانہ مرا　　خُم سے کچھ سرگوشیاں کرتا تھا پیمانہ مرا
شیشے میں خیالی صورتیں ہیں جلوہ گر　　رشکِ بزمِ سلیماں ہے پری خانہ مرا
روکتا درباں مگر شب کو بحسنِ اتفاق　　بھیس از راہِ تفنن تھا فقیرانہ مرا
دل سے الفت میں نہ کی اپنی خرابی پہ نظر　　حسرتِ تعمیر سے ہے پاک کاشانہ مرا
سب کو نخلِ وادیٔ ایمن کا دیتا ہے نشاں　　پتّا پتّا ڈالی ڈالی ہر شجر اجمیر کا
نہیں ہے دعویٔ الفت مگر میں کہتا ہوں　　زباں پہ نام ترا بار بار آتا ہے

ثاقب

ثاقب ۔ مولانا سید محمود حسن دہلوی خلف سید محمد یحییٰ خاں خلف نواب سید محمود خاں۔ آپ سادات کرام اور شرفائے دہلی میں سے ہیں۔ آپ کے حقیقی چچا سید محمد ذکریا خاں صاحب زکی غالب مرحوم کے رشید شاگرد اور صوبہ شمال مغرب میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ کے بزرگوں کا وطن نیشاپور ہے وہاں سے شاہ جہاں کے وقت میں کشمیر آئے اور کچھ عرصے بعد دہلی آکر دربار میں خدمات شایستہ پر مقرر ہوئے۔ آپ کے نانا میر سید علی سادات عرب سرائے دہلی میں موقر و ممتاز بزرگ تھے۔ سید محمود حسن صاحب دہلی میں پیدا ہوئے سنہ ۱۸۸۵ء تک ۶ برس اپنے چچا کے زیر سایہ الہ آباد میں تعلیم پائی۔ جب انکی تبدیلی کے باعث دہلی واپس آئے تو اگرچہ عمر ۱۰ برس سے زائد نہ تھی مگر ذہن میں لیاقت اور معلومات کا اچھا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ یہاں ایک ایکسال عربی سکول میں تعلیم پانے کے بعد انگریزی تعلیم سے بد دلی پیدا ہو گئی اور سیاحت کا شوق دامنگیر ہوا راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں دو تین سال پھرتے رہے اور سنہ ۹۰ء میں کوٹہ کی ریاست میں ملازمت اختیار کر لی۔ چند ہی روز بعد قانونی دستگاہ بہم پہونچا کر منظوری ریاست وہاں وکالت شروع کر دی۔ چونکہ زبان میں طلاقت اور ذہن میں رسائی اور جودت خوب نمایاں تھی وکالت میں اچھی کامیابی حاصل کی۔ معاش کی طرف سے اطمینان ہو جانے پر شاعری کی طرف توجہ کی ابتدا میں مولوی سید افضل حسین صاحب ثابت لکھنوی سے اصلاحِ سخن لیتے رہے پھر بذریعہ مکاتبت اپنے چچا جناب زکی سے مشورہ کرتے رہے اور

اُن کی وفات تک یہ مشغلہ زوروں پر رہا۔ کچھ کلام نقل تذکرہ کے ہنگام ارسال کیا اُسکا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ زبان صاف شستہ اور اُسمیں جابجا استعارات و ندرتِ بندش و اسلوب بیان سے تکلفات پیدا کرتے ہیں۔ شعر میں بات پیدا کرتے ہیں۔ اخلاقی مضامین لکھنے کا بھی شوق ہے۔ آدمی لئیق اور شریف اور باوضع ہیں۔ فنِ سخن سے اچھی دل بستگی ہے۔ اکثر احبابِ صحبت میں یہی چرچا رہتا ہے اب کلام ملاحظہ ہو۔

میں قیدی ہوں ازل سے عشق و نازِ حسنِ خوباں کا
لگا رہتا ہے پہرہ پاس دور و ریخ ارماں کا

مجھے شیدا سمجھتے ہیں وہ اپنے روئے تاباں کا
تماشا دیکھتا ہوں خود میں اپنی چشمِ حیراں کا

ادھر بھی ہو نگاہِ لطف ساقی
دلِ ناشاد کو بھی شاد کرنا

کہیں اہلِ وفا کا ذکر تو ہو
میں دیکھونگا نہ مجھکو یاد کرنا

ہمیں کیا خبر تھی کہ کیا کیجئے گا
وفا کیجئے گا جفا کیجئے گا

دمِ قتل یہ تو ذرا کیجئے گا
نکل جائے دم وہ ادا کیجئے گا

وفا اُٹھ گئی اب زمانہ سے ثاقب
جو دل دیجئے گا خطا کیجئے گا

ثاقب بس اب تو گوشۂ عزلت میں بیٹھ رہ
مطلب کا اس زمانہ میں یارانہ رہ گیا

بقا میری اُسے منظور کب تھی قتل کیوں کرتا
لکھی تھی میری عمرِ جاوداں شمشیرِ قاتل پر

کام بن بن کے بگڑ جاتے ہیں یوں سب اپنے
بحرِ تدبیر میں گویا یہ حباب آتے ہیں

عالمِ زیست میں ملتی ہی نہیں غم سے نجات
کیا عدم سے ہم اُٹھانے کو عذاب آتے ہیں

کب نہیں آتے ہیں وہ جذبۂ دل سے کھنچ کر
جب تڑپتا ہے دلِ خانہ خراب آتے ہیں

خوف کرتے ہیں کسی کا نہ حذر کرتے ہیں
اہلِ دل عشق میں مردانہ بسر کرتے ہیں

تھے کبھی گلشنِ ہستی کے یہی گل لالہ
جنکو پنہاں تہِ خاک آج بشر کرتے ہیں

طعنۂ غیر نہیں ہیں کہ جنہیں سن نہ سکو
ہم فقط تذکرۂ دردِ جگر کرتے ہیں

دل میں ہے آئینہ رویوں کا تصور ہر دم
عمر ہم عالمِ حیرت میں بسر کرتے ہیں

آہ و زاری کیا کروں میں دادخواہی کیا کروں
کون سنتا ہے بیان اپنی تباہی کیا کروں

کس بنا پر میں کروں شکوہ الٰہی کیا کروں
دل ہی میرا کچھ نہیں دیتا گواہی کیا کروں

جب فقیری میں ہی قابو سے نکل جاتا ہے دل
میری شامت آئی ہے میں لیکے شاہی کیا کروں

دل کمربستہ وفا پر وہ جفا پر مستعد
جان پر ہے سخت آفت یا الٰہی کیا کروں

بے سر و ساماں ہوں ثاقب اور مجھکو ایک دن
جانبِ مُلکِ عدم ہونا ہے راہی کیا کروں

نیم جاں کرکے تم عاشق کو کدھر جاتے ہو
رقصِ بسمل کا ذرا ٹھیرو تماشا دیکھو

بزمِ اعدا میں بھی جانباز نظر آئیں گے
تم اُٹھا کر تو نقابِ رُخِ زیبا دیکھو

کیا غضب تم نے کیا حسرتِ دل چھیڑ دیا
سب طرح بکھری ہے وہ زلفِ چلیپا دیکھو

شکر کے بعد شکایت ہے زباں پر ثاقب
یہ طریقہ نہیں تسلیم و رضا کا دیکھو

ہوا انجم و مہر و مہِ انور سے زیادہ
دو چار سے کیا تم تو ہو اکثر سے زیادہ

حسرت مری نکلی مگر ایسی کہ نہ نکلی
وہ آئے بھی تو ٹھیرے نہ دم بھر سے زیادہ

زنجیرِ زلف سے جو رہا ہیں وہ اور ہیں
عاشق کہیں نکلتے ہیں اس پیچ و تاب سے

اللہ رے جذبۂ کششِ عشق و شوقِ حُسن
منصور ایک بات میں نکلا حجاب سے

گر سوزِ دل نہو تو مزا کیا ہے عشق کا
لذت پھلوں میں ہے تپشِ آفتاب سے

رکھا ہے کیا تاسف و افسوس کے سوا
دُنیا بھی کم نہیں ہے وجودِ سراب سے

کونسا دل ہے نہ جس میں تری الفت ہوگی
کونسا گل ہے نہ جس میں تری نکہت ہوگی

چار ہوتے ہی گئے نذر دل و جان ہم نے
شاید اُس شوخ کی آنکھوں میں کرامت ہوگی

حاصلِ جور و جفا لطفِ بقائے ابدی
تیرے شیدا کو نہ کیوں مرنے کی حسرت ہوگی

ذاتِ مطلق کے فدائی سے سروکار ہی کیا
ہوگی جنکے لئے اے یار قیامت ہوگی

رات دن فکرِ حسینانِ جہاں رہتی ہے
تمکو ثاقب کبھی ان جھگڑوں سے فرصت ہوگی

واقعی قہرِ خدا عشقِ بتاں ہوتا ہے
دردِ دل دشمنِ دیں آفتِ جاں ہوتا ہے

وائے وارفتگیِ دل کہ تصوّر میں بھی
وہ یہاں ہوتے ہیں۔ لیکن یہ وہاں ہوتا ہے

چشمِ گریاں دلِ بریاں متحیّر بے خود
اہلِ باطن کا یہ تغیر یہ نشاں ہوتا ہے

چشمِ حیرت چاہیئے ذوقِ تماشا چاہیئے
اُسکا شیدا ہر نفس محوِ تجلّے چاہیئے

سر میں سودا چاہیئے۔ دل میں تمنّا چاہیئے
عشق کو کچھ آسرا۔ کوئی سہارا چاہیئے

درد و رنج و یاس و ہجر و داغ و سودا چاہیئے
ایک الفت کے لئے ساماں کیا کیا چاہیئے

کشتۂ نازِ تغافل ہوں جنازے کو مرے
آرزوؤں کا کفن حسرت کا کاندھا چاہیئے

چشمِ عالم ہے طلسمِ نقشِ حیرت لاکلام
ہر دم اس میں سیکہ آئینہ سا چاہیئے

ہم بھی ہیں قدرت سے تیرے لطف کے اُمیدوار
ساقیِ فیاض ادھر بھی جامِ صہبا چاہیئے

اللہ اللہ سازگاری سوزِ حسن و عشق کی
ورنہ پروانہ کو کیوں اُلٹی تمنّا چاہیئے

امتحانِ عاشق و اغیار کیا دشوار ہے
پردہ سے باہر ذرا وہ روئے زیبا چاہیئے

اُن کی شرمِ بےمحل نے کردیا خونِ سوال
کاش اتنا ہی وہ ظالم پوچھتا کیا چاہیئے

کب تلک آخر یہ جوانی ثاقبِ عشرت گزیں
ابتو اے مردِ خدا کچھ فکرِ عقبیٰ چاہیئے

ثروت

ثروت - نواب بخش اللہ خاں مرحوم خلف الرشید وزیر صاحب تدبیر نواب عماد الملک غازی الدین خاں وزیر احمد شاہ عالمگیر ثانی - خوش جوان قابل - صاحب اخلاق و مروت اور رسائی ذہن اور عالی ہمتی کے باعث اقران و اماثل میں ممتاز تھے کبھی کبھی باقتضائے موزونی طبع زبان اُردو میں شعر بھی کہا کرتے تھے قدرت اللہ شوق کا بیان ہے کہ صاحب دیوان تھے جو کچھ کلام نظر سے گذرا اس میں سے تبرکاً چند شعر یہاں انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

اداؤ ناز شوخی میں ہے وہ آتش کا پرکالا
نگہ برقِ درخشاں اور رو آتش کا پرکالہ

ترا چلنا ٹھہرنا دیکھنا مڑ مڑ کے اے ظالم
جسے دیکھو سو ہے سب مو بمو آتش کا پرکالہ

نہوا اس شمع رو سے ہر گھڑی ثروت تو ہم محفل
غضب ہے وہ ستمگر شعلہ خو آتش کا پرکالا

صنم کی بزم میں جو مے کا جام چلتا ہے
تو یہاں بھی خونِ جگر پی کے کام چلتا ہے

ثروت

ثروت - جناب نواب احمد علیخاں صاحب عرف پتن صاحب رئیس لکھنو توپ دروازہ شاگرد جناب نواب بندہ علی خاں زیبا مرحوم لکھنوی موزوں طبع سخن اور لکھنو کے ایک قدیم معزز خاندان کے رکن ہیں انجمن معیار میں یہ بھی شریک ہیں - مذاق سلیم اور طبیعت شگفتہ پائی ہے - حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئے - مجبورًا اندراج انتخاب کلام پر اکتفا کی گئی -

سوزِ پنہاں سے مرے سینے میں دل کیا جل گیا
خانۂ حسرت پھنکا قصرِ تمنا جل گیا

تیری کاکل یاد آئی پڑ گیا اک دل میں داغ
رات ہوتے ہی چراغ اے ماہ سیما جل گیا

کس جنوں دوست کا دم اے شبِ ہجراں نکلا
شب کے پردے سے جو دن چاک گریباں نکلا

وجہ تسکیں کی ترے تیر کا پیکاں نکلا
ہم جسے درد سمجھتے تھے وہ درماں نکلا

سننے والے رو رہے تھے دل ہر اک غمخانہ تھا
اک مرقع رنج و ماتم کا مرا افسانہ تھا

کہونگا روزِ محشر کس لئے قاتل سے پرسش ہو
جفا دل کو پسند آئی جفا کو دل پسند آیا

کچھ ایسے اسکے سامنے جاتے رہے حواس
جو خاص مدعا تھا وہی دل میں رہ گیا

آنے دیا نہ لب پہ ترے رعبِ حسن نے
جو کچھ سوال تھا دلِ سائل میں رہ گیا

لیلی وہ خاکِ دشت بھی ہے یہ غبارِ قیس
جو کچھ لپٹ کے پردۂ محمل میں رہ گیا

دردِ اظہار بھی کرنے سے ہوئی کچھ نہ کمی
آہ کرنا شبِ غم وجہ تسلی نہ ہوا

زندہ کرتا تو کسی اور ادا پر مرتا
فکر کیا گر لبِ قاتل لبِ عیسیٰ نہ ہوا

لاکھ چاہا نہ کیا اس نے مرض کا درماں
اور مری جان بھی دینے پہ وہ راضی نہ ہوا

سینہ کو خانۂ ماتم تھا ازل سے بننا
تھا مرے دل کو تمناؤں کا گھر ہو جانا

فاتحہ پڑھتے نہیں گر قبر کو ٹھکرا ہی دو
پاس کچھ تو چاہیئے وارفتۂ رفتار کا

غم ہو عریانی کا کیا قاتل شہید و نکو تہے
ہے بہت بہرِ کفن دامن تری تلوار کا

بیٹھ جاتا ہوں پسِ دیوار قصر اے یار اگر
ضد سے ہٹ جاتا ہے سایہ بھی تری دیوار کا

سامنے قاتل کے کیا جائے کوئی مشتاقِ دید
تشنۂ خوں ہے وہ اپنے تشنۂ دیدار کا

وعدہ بے درد کو آنے کا اگر یاد آیا
درد بن کر مرے دل میں ستم ایجاد آیا

آنکھیں خود بند ہوئیں سو گئے غافل ہو کر
اسقدر چین تہ خنجر جلاد آیا

گلو ہے غیرت خورشید پیرے ماہ تاباں کا
سحر ہو شب کو کھل جائے اگر تکمہ گریباں کا

دل پر خوں کی جانب ہے اشارہ چشم جاناں کا
قبائے سرخ میں یہ خوب ہے تکمہ گریباں کا

جنوں میں چاک ہونا تو گریباں کا کہاں ممکن
نہ ٹوٹا ناتوانی سے کبھی تکمہ گریباں کا

لئے جاتا ہے مجھ دیوانہ کا تو خط چلا ہے قاصد
گریباں پھاڑ دے یا کھول دے تکمہ گریباں کا

گریباں کھلتے ہی راز جنوں سب ہو گئے افشا
کلید قفل وحشت تھا مگر تکمہ گریباں کا

یہ شوق ذبح ہے اللہ اکبر دیکھ او قاتل
کہ بیٹھا ہوں میں خود کھولے ہوئے تکمہ گریباں کا

جس طرح قبر میں جی چاہے لٹا دیں احباب
رخ رہے کا طرف کوچۂ دلبر اپنا

ہو برا ایسے خودی الفت کا ہو
دل کا جو راز تھا زباں پر تھا

نالہ کش تھا در جاناں پہ ہوا دل خاموش
لو جرس ہو گیا جا کر سر منزل خاموش

سب کو پروانہ بنایا ہے بنے ہیں خود شمع
کیا تماشا ہے کہ محفل کی ہے محفل خاموش

حال ایذائے جراحت ہے تڑپنے سے عیاں
گو مثال دہن زخم ہے بسمل خاموش

پوچھنے بیٹھے ہیں تصویر سے وہ حال عاشقاں
آج ضد ہے مجھ سے باتیں یہ بے جان کریں

آئینہ ہے ہاتھ میں حالت تغیر کی یہ ہے
جو نظر میں تھی ابھی دیکھا تو وہ صورت نہیں

زخم وہ رکھتے ہیں گل ہو گا نہ گلزاروں میں
سیر کو آؤ کسی روز دل انگاروں میں

ہے اسی چرخ و زمیں میں دل پروانہ اپنا
ڈھونڈوں ذروں میں آ ہی کہ اسے تاروں میں

اس آئینہ میں ہمکو عکس ہی بنکر نظر آجا
کہ رکھکر سامنے دل طالب دیدار بیٹھے ہیں

ابھی دل سامنے انکے نہ لیجانا کہیں ثروت
ابھی الجھی ہے زلف آئینہ سے بیزار بیٹھے ہیں

سمجھتا ہوں جو کشور الفت میں بس نہیں
عہد انقلاب ہے کہ جن میں کوئی دادرس نہیں

ٹکرا کے سر کو مر گئے یا توڑیں تیلیاں
صیاد دیا ہم آج نہیں یا قفس نہیں

خنجر تو میرے حال پہ روتا ہے اشکِ خوں
لازم ہے اس طرح مجھے صیاد قید رکھ
نگاہوں کا وفادار دو کی وقتِ واپسیں عالم
جو کچھ ہے دعویٰ سنگیں دلی کا چاہا چھڑاؤں میں

اللہ رے سنگ دل تجھے آتا ترس نہیں
سمجھوں میں آشیانہ ہے میرا قفس نہیں
ٹھہر کر تم مری بالیں پہ دم بھر دیکھتے جاؤ
جگر کا زخم اگر تم ہو ستمگر دیکھتے جاؤ

کیونکر محبت انکی مرے دل کو بار ہو
عرض اپنا حال آہ میں نالے میں کر چکا

کس طرح گل کو رنگ بھلا ناگوار ہو
اب کس طرح کہوں جو تمہیں اعتبار ہو

گونگی ہو کیوں زباں مری ایسی دعا کرو
ستم وہ کون سا ہے یاد جو تجھکو نہیں ظالم
دکھیں گے دستِ نازک گر رہے بانکے ستمگر کے
ہوئے پژمردہ یہ کس نے نگاہِ گرم سے دیکھا
کسی صورت سے میری مشکل آساں ہو نہیں سکتی
یہ کس پر غیظ آیا تھا جو سرخ آنکھوں کے ڈورے ہیں
نگاہِ شوق تو بیتاب شامِ وصل سے ہے ثروت
کہتے ہیں وہ ہماری طرف کیوں نگاہ کی تو
عادت رحم بھی دکھلائیے ستم کی خو بھی
بیٹھکر وصف نقابِ رخِ روشن چھیڑا
اٹھ بھی گئے پہلو سے وہ یاں ہوش نہیں ہے
عشاق کو تھا ناز بہت صبر پر اپنے
دوائے زخمِ دل کیوں چارہ گر کی

نا آشنائے حرفِ شکایت ہی کیوں نہ ہو
جہاں ہو تو کہیں پھر اس زمیں پر آسماں کیوں ہو
ندامت ہو گی لے شوقِ شہادت پھر مجھے مر کے
ابھی تو پھول تازہ تھے مری تربت کی چادر کے
کہ میں ہوں سخت جاں اور ہاتھ نازک ہیں ستمگر کے
نگہ کی تیغ سے آئے ہو کس کے دل کا خوں کر کے
حیا کا حکم ہے آنچل نہ سینے سے ذرا سرکے
لو بس ہم اس خطا پہ گنہگار ہو گئے
ہنسکے پاس اپنے بٹھایا تھا رلا کے اٹھے
حالِ دل ہم ابھی کہنے بھی نہ پائے کہ اٹھے
رکھا نہ کہیں کا مجھے اس بے خبری نے
چھڑا دیا ظالم تری بے داد گری نے
نشانی مٹ گئی تیرِ نظر کی

چلے کیونکر کوئی تدبیر میری
مزاج یار ہے تقدیر میری

لا چکے جوابِ نامہ قاصد کہ جا چکیں ہم
پیغامِ آ رہے ہیں اب وہ بیدم اجل کے

مجھ تک آتے آتے دیکھوں نیتِ ساقی ہو کیا
میکشو اب تک تو رنگِ دورِ محفل ایک ہے

نہو رستہ تو پھر کیونکر مکینِ قصرِ غم نکلے
کوئی دلکا ہمارے پھوڑ دے چھالا تو دم نکلے

رگیں لپٹی ہیں اے قاتل نشانی جانکر تیری
نکل آئے مرا دل بھی اگر تیرِ ستم نکلے

فلک سے خاک برسی ہوگیا عالم میں سناٹا
خدا جانے جنوں کے جوش میں کسطرح ہم نکلے

خشک ہوگا پھول بُو رہ جائے گی
دل مرے گا آرزو رہ جائے گی

ہم جو پہلے قتل اے قاتل ہوئے
حسرتِ مرگِ عدو رہ جائے گی

سینہ پر زانوئے قاتل ہے گلے پر تیغ تیز
دل کو جو اسوقت راحت ہے کبھی ایسی نہ تھی

آستاں پر دیدیا اُسنے جبیں سائی کا حکم
مہر کی اللہ نے قسمت کبھی ایسی نہ تھی

ثروت - حکیم سید محمد اطہر الدین حسن خلف مولوی امیر الدین متوطن تالگرام ضلع فرخ آباد - عربی وفارسی میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں - اور مدرسہ آرہ سے علم حدیث کی تکمیل کی سند حاصل کرچکے ہیں - فن طب میں آپ فرخ آباد کے نامور طبیب حکیم اصغر حسین صاحب کے شاگرد ہیں - کئی سال تک کانپور - اجمیر میں مطب کرنے کے بعد اب آپ اندور میں قیام فرما ہیں - ابتدائے سن شعور سے آپ کو شعر گوئی کا شوق ہے - ذہن میں رسائی اور تخیل میں بلند پروازی پائی جاتی ہے - دس بارہ غزلیں نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے - چستیِ بندش - صفائی زبان - اور اُسکے ساتھ تلاش مضمون سب خوبیاں ان کے کلام میں بدرجۂ مناسب موجود ہیں -

بٹھا لو بزم میں ہم کو بھی صدقہ اُٹھتے جوبن کا
تمھارے دوست ہیں ہم واسطہ دیتے ہیں دشمن کا

تم اپنی دوستی اور دشمنی کی جانچ خود کر لو
کہ میرے دوست بنکر تذکرہ کرتے ہو دشمن کا

پتلی ہماری آنکھ کہیں ٹھیرتی نہیں
دیکھو تو ایک کھیل ہے یہ بھی نگاہ کا

باتوں میں ہم اشاروں میں کرتے ہیں وہ مطیع
جادو یہاں زباں کا وہاں ہے نگاہ کا

فراقِ یار میں رحمت خدا کی چشمِ گریاں پر
تواترِ اشک باراں ریز کا طوفاں ہے طوفاں پر

بجا ہے گر کہیں جمشید تختِ سرخوشی تجھکو
جھکی ہیں گردنیں شیشوں کی ساقی تیرے فرماں پر

ہوا ہے کون دیوانوں میں آرایش پسند ایسا
کہ اُلّو کر رہے ہیں خضر دامانِ بیاباں پر

بڑی مشکل سے یہ نعمت ملی ہے دستِ دلبر سے
گلے ملتا ہے میرا خونِ ناحق آبِ خنجر سے

علاجِ زخمِ بسمل میں بھی سفّاکی رہی شاملِ
جراحت پر مرے مرہم لگایا آبِ خنجر سے

کسے تشبیہ دوں یارب دو ابرِ دیدۂ تر سے
نہ ساون اسقدر برسے نہ بھادوں اسقدر برسے

پریشاں دل ہوں ایسا گردشِ چرخِ ستمگر سے
مجھے دورانِ سر ہوتا ہے ساقی دورِ ساغر سے

اگر شوقِ شہادت میں کوئی بیہوش ہوتا ہے
اُٹھا لیتے ہیں وہ دیدیکے چھینٹے آبِ خنجر سے

بتوں کی یاد جسنے پائی اپنے گوشۂ دل میں
یہ سمجھو اُس نے سب کچھ پالیا اللہ کے گھر سے

کیا ہے مفلسوں کے منہ نے شرمندہ اسے ایسا
نہ ہرگز دور ہوگی منعموں زردی رُخِ زر سے

کھلی وصفِ دہانِ تنگ جاناں میں زباں میری
طبیعت نکتہ داں ہوکر ہوئی ہے غیب داں میری

ہوا جو غرق بحرِ عشق میں وہ کب نکلتا ہے
کہیں دریائے بے پایاں کا ڈوبا بھی اچھلتا ہے

دلِ عشاق کی کیا اصل ہے او فتنۂ دوراں
قیامت جس سے پس جاتی ہے تو وہ چال چلتا ہے

نہالِ قدِ جاناں میں ثمر نامِ خدا نکلے
ذرا دیکھے کوئی آکر تماشا سرو پھلتا ہے

غیر اپنی ہی جب جما بیٹھے
میری الفت کا نقش کیا بیٹھے

وہ جو اُٹھے تو درد بھی اُٹھا ؤ
درد بیٹھا جو وہ ذرا بیٹھے

مرنے والے کو دیکھ تو آؤ
تم یہاں کر رہے ہو کیا بیٹھے

لگا تیغِ انداز کیا دیکھتا ہے
مری بے گناہی خدا دیکھتا ہے

ہماری محبت تمہاری عداوت
خدا جانتا ہے خدا دیکھتا ہے

خدا جانے میں اُس میں کیا دیکھتا ہوں
خدا جانے وہ مجھ میں کیا دیکھتا ہے

جدائی میں اے موت آجا کہ رُو رُو
بہت دیر سے راستہ دیکھتا ہے

بڑھ گئی کس درجہ حیرانی مری
شکل ظالم نے نہ پہچانی مری

سیکھی آئینے نے حیرانی مری
لے اُڑی کاکل پریشانی مری

لئے بیٹھے ہیں زانو پر سرِ جانباز مقتل میں * لہو کچھ ڈرتے ڈرتے دھو رہے ہیں آبِ خنجر سے

ثریا

ثریا۔ منشی سید امیر علی متوطن قصبہ گوپامئو من مضافات اودھ۔ ۱۲۷۱ھ میں شباب کا عالم اور تحصیل و تکمیل علم طب کی طرف متوجہ تھے۔ گاہے گاہے شعر کہنے کا بھی اتفاق ہو جاتا تھا یہ ان کے اشعار ہیں۔

جھوٹے وعدے بھی یاں غنیمت ہیں ۔۔۔ اسمیں تسکین کچھ تو ہوتی ہے
ہرزۂ بوالہوس پہ دھیان نکر ۔۔۔ جھوٹے موتی سدا پروتی ہے

ثریا

ثریا۔ والا جاہ آسمان قدر سید اسد علی مرزا بہادر ثریا خلف الرشید امیر الامرا نواب منصور علی خاں بہادر نواب ناظم بنگال و بہار و خورد نواب ناظم مرشدآباد مرحوم۔ آپ کی تعلیم اپنے برادر والا قدر نواب میر حسین علیخاں نواب بہادر مرشدآباد کے ساتھ انگلستان میں ہوئی۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر ہندوستان آئے تو زیادہ تر کلکتہ اور مرشدآباد میں قیام رہا۔ ہزار روپیہ ماہوار کا وثیقہ آپ کو سرکار سے ملتا تھا۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا یہ کلام کا انتخاب ہے۔

میری وفا اور اُنکی جفا ہے عجیب راز ۔۔۔ ہے دادرس کوئی نہ کوئی دادخواہ ہے
ہونٹوں پہ جان آئی ہے ہجر حبیب میں ۔۔۔ اب حال انتہا سے زیادہ تباہ ہے
ٹھوکر لگا کے قُم کہے گر غیرت مسیح ۔۔۔ لبیک کہہ کے آؤں میں باہر مزار سے
ہزاروں آندھیاں آئیں پس مرگ ۔۔۔ نہ اُٹھی خاک پر مجھ ناتواں کی
مٹایا اس طرح آخر فلک نے ۔۔۔ نہ رکھی خاک تک مجھ بے نشاں کی
یہاں رہتا ہے جلوہ نور حق کا ۔۔۔ جگہ دل میں نہیں عشق بتاں کی

ثریا

ثریا۔ عالی جناب شاہزادہ ثریا قدر مرزا محمد تقی علی بہادر المتخلص بہ ثریا ابن عالی جناب مستطاب معلی القاب ہز ہائینس شاہزادہ عالم و عالمیان یادگار اودھ پرنس سلیمان قدر مرزا محمد حسن علی بہادر دام اللہ اقبالہٗ برادر زادہ و خویش سلطان عالم حضرت محمد واجد علی شاہ جنت آرامگاہ۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں راقم تذکرہ سے بمقام لکھنؤ ملاقات ہوئی تھی۔ ۳۸ - ۳۹ سال کی عمر ہے دربار گورنری میں آپکا چھٹا نمبر ہے آپ کو سن طفولیت سے ہی ہر علم و ہنر کا شوق رہا کئی زبانیں جانتے ہیں اور صنعت و حرفت میں بھی

مہارت ہے ہر فن میں دستگاہ ہے۔ مصوری نقاشی خوش نویسی فنِ سپہ گری اور نظم و نثر میں اچھا ملکہ ہے۔ مرثیہ۔ واسوخت۔ قصائد۔ غزل وغیرہ جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں علاوہ ازیں علم ہیئت و ہندسہ۔ نصائح و فلاسفی وغیرہ سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کا ذہن رسا و جودتِ طبع خداداد ہے۔ فنِ شعر کا مذاق وراثتاً ملا ہے۔ اکثر مشاعرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ زبان صاف روزمرہ سلیس نشست الفاظ مرغوب ہے۔ اکثر دشوار و سنگلاخ زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے جس سے ان کی مشاقی ظاہر ہے۔ ایک رسالہ آپ کے کلام کا شایع ہو چکا ہے۔ اسمیں سے چند شعر اپنے مذاق کے بموجب انتخاب کرکے پیش کرتے ہیں۔

کیا لطف روئے یار پہ ہے زلفِ یار کا
صبحِ حلب میں عکس ہے شامِ تتار کا

تیرے زانو پہ سر ہے اب ہے دشوار
مری جاں ہوش میں آنا کسی کا

جو منظور جانا ہی تھا غیر کے گھر
عبث پھر ہمیں تھا بلانا کسی کا

مانگا ابرو کا جو بوسہ تو کہا کھینچ کے تیغ
پھر تو فرمائیے کیا آپ نے ارشاد کیا؟

آشیاں کس جا بنائے اپنا بلبل شاخ پر
جا نہیں ملتی لدے ہیں اسقدر گل شاخ پر

صحنِ گلشن سے نکل جانے تو دو صیاد کو
عندلیبو پھر چہکنا بے تامل شاخ پر

اے ثریا محو تھے نظارۂ گل میں ہزار
ہاتھ سے صیاد کے جو کھا گئی پھل شاخ پر

ضیائے حسن کے تھے پہلے تو حجاب میں تیر
اٹھی نقاب گرے قلبِ آفتاب میں تیر

سوال بوسہ مژگاں پہ وہ کمان ابرو
لگا ہی بیٹھا نظر کا مجھے جواب میں تیر

ترا جو مصحفِ رخ چوما اسے کمان ابرو
گناہ اڑ گئے ہیں بن کے اس ثواب میں تیر

زہے نصیب کہ وہ قتل کرکے ہاتھ دھوئیں
عوض حنا کے مرا خوں لگائے بیٹھے ہیں

پھر بعد میرے دیکھنا پچھتاؤ گے ضرور
عاشق ملیگا مجھسا کوئی عمر بھر نہیں

جو وہ شاہِ خوبی ہمارا نہیں ہے
اگر سلطنت ہو گوارا نہیں ہے

ادھر صبر کا مجھکو یارا نہیں ہے
ادھر وصل اُن کو گوارا نہیں ہے

چمکتا ہے افشاں کا تیری جو ذرّہ
فلک پر کوئی ایسا تارا نہیں ہے

بجز وعدۂ وصل جاناں ہمارا
کوئی زندگی کا سہارا نہیں ہے

جو دی چھیڑ کیا اوسکا دعویٰ وہ بولے
ہمارا ہے اب دل تمہارا نہیں ہے

میں اوروں کو چاہوں یہ ہے بدگمانی
جہاں میں کوئی تم سے پیارا نہیں ہے

کہا میں نے غیروں سے ملئے نہ صاحب
تو بولے تمہارا اجارہ نہیں ہے

آپ جو چاہے کہہ لیجئے اپنی جا پر
یہ نہ غیروں میں کیا کیجئے بدنام مجھے

یاد ہے عارض و گیسو کی ترے آٹھ پہر
کیا کہوں کٹتے ہیں کیونکر سحر و شام مجھے

غضب کی وہ بلا پُرپیچ زلفِ عنبریں نکلی
پھنسا جو دل تو پھر صورت رہائی کی نہیں نکلی

گدا کے پاؤں کی کھا کھا کے ٹھوکر فرقِ شاہاں سے
بھری تھی زیست میں جو نخوتِ تاج و نگیں نکلی

نہیں تن پر کسی جا زخم گوشتہ سراپا ہوں
وہ پُر جوہر تری تیغِ نگاہ سرمگیں نکلی

اٹھا بارِ امانت لے ثریا جز بشر کس سے
یہ مشتِ خاک رازِ حق تعالیٰ کی امیں نکلی

نہیں ہے یہ گرد بادِ صحرا ز بسکہ تھا زندگی میں شیدا
تلاش لیلیٰ میں بعد مُردن بھی روحِ مجنوں بھٹک رہی ہے

خزاں گئی پھر بہار آئی وے اب تو صیاد دے رہائی
کہ بہرِ نظارۂ گلستاں قفس میں بلبل بلک رہی ہے

ثمر۔ مرزا علی خلف مرزا جعفر علی لکھنوی۔ آپ کو شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے تلمذ تھا۔ غدر تک حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں بقول صاحبِ تذکرہ سراپا سخن صاحبِ دیوان تھے۔ طبیعت کی مشاقی مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔ مشکل زمینوں میں بھی صاف اشعار نکال کر اپنا زورِ طبع دکھایا ہے۔

سب پڑھتے ہیں تربت پہ ترے کشتہ کی الحمد
رکھتے نہیں تم قبرِ وفا کوش پہ انگشت

آنکھوں سے ملتے ملتے جو اُس سیمتن کے پاؤں
آتے جو ہاتھ چومتے اُس گلبدن کے پاؤں

کوئے صنم سے جانا نہووے کبھی نصیب
ہو جائیں یا الٰہی مرے لاکھ من کے پاؤں

حد سے ہیں گذری یار کی وعدہ خلافیاں
پوجیں گے آج اُس بتِ پیماں شکن کے پاؤں

غمزے سے تڑپے ہے کوئی عشوہ سے مرگیا
چلتے ہیں کس طرح ترے ناز و ادا کے ہاتھ

رخسارِ یار پر ہے وہ ہر آج دستِ غیر
کیا گنجِ شایگاں ہے لگا اک گدا کے ہاتھ

ثمر۔ منشی احمد سعید خاں ثمر خلفِ سعد اللہ خاں۔ غدر سے پیشتر شاہجہان آباد میں رہتے تھے۔ اور حال معلوم نہو سکا۔ یہ اُنکے شعر ہیں۔

نگاہِ مست سے ساقی کی یہ سرور ہوا
کہ دل سے حسرتِ مے کا خمار دور ہوا

مثالِ آئینہ ہے کھلی حقیقتِ حسن
کہ ہمکو دیکھ کے اپنا بھی غرور ہوا

وہ سمجھتا تھا حسن اپنا مجھکو آئینہ سمجھ
اور میں خوش تھا کہ بارے مہرباں مجھپر ہوا

تھا تامل امتحانِ عشق کے قابل ہے کون
بل بے ہمت اس ضعیفی میں گماں مجھپر ہوا

نگاہِ گرم کا تیرے ہے کچھ اثر الٹا
کہ غیر پر پڑی اور دل جلا دیا میرا

خلشِ مژہ کی نہتی کم کہ میرے زخمو نپر
تبسمِ لبِ دلبر نمک فشاں ہوتا

ثمر۔ نواب مرزا مہدی علیخاں صاحب۔ منصور نگر لکھنو کے ایک شریف خاندان کے ممبر ہیں۔ تلمذ کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کس سے ہے۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

ہمیں سودا نہیں جو اُسکے کوچے سے کہیں جائیں
مبارک قیس کو یہ رات دن پھرنا بیاباں کا

حشر میں عاشقِ مظلوم کا خونِ ناحق
ہاتھ میں تھامے ہوئے دامنِ جلاد آیا

مرگ ہے جملہ عناصر کا جدا ہو جانا
زندگی ہے جسے کہتے ہیں فنا ہو جانا

قاتل نے کی نہ میرے تڑپنے کی سیر ہائے
یہ درد مرتے دم دلِ بسمل میں رہگیا

حالِ مسافرانِ عدم کچھ نہ پوچھئے
لٹ کر متاع پہلی ہی منزل میں رہگیا

کہتی ہے شمعِ بزم جلوں یا کہ خاک ہوں
وہ نامراد ہوں کہ کسیکو الم نہیں

ستمگر جب کوئی تازہ ستم ایجاد کرتے ہیں
تو بہر امتحاں پہلے ہمیں کو یاد کرتے ہیں

ہم خوشی سے جان دیدیں آبرو قرباں کریں
دل وہی کچھ بھی جو یہ غارتگرِ ایماں کریں

ابروئے پُر خم کی جنبش کا فقط ہے انتظار
آپ اشارہ کیجئے ہم جان کو قرباں کریں

دم پر بنی ہے اور کچھ آزار بھی نہیں
بیمار عشق سا کوئی بیمار بھی نہیں

ملتے ہی نظر رنگ بدل جاتا ہے دل کا
اس آنکھ کے پردے میں کوئی شعبدہ گر ہے

ثمر - منشی اودھ بہاری لال صاحب ثمر - لکھنؤ کے رہنے والے اور قوم کے کایستھ ہیں - کسی سرکاری مدرسہ میں معلم ہیں - ۴۰ برس کے قریب سن اور یہ کلام کا رنگ ہے -

کیوں نہو مجھکو جستجو تیری
دل میں رہتی ہے آرزو تیری

رہ رہ کے دیکھتا ہے ترچھی نظر سے مجھکو
خنجر لگا رہا ہے قاتل سنبھل سنبھل کر

وہ شۂ حسن ہیں عشاق ہیں ناچیز فقیر
اس سبب سے انہیں بھاتی نہیں سنگت انکی

ثمر - جناب خواجہ نقیر محمد صاحب رئیس ڈھاکہ خوشش کہنے والوں میں ہیں - اور حضرت داغ دہلوی کے شاگرد جناب نسیم دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں -

جس سے جی چاہے دل لگائیں آپ
دوست دشمن کو آزمائیں آپ

ہو چکی دید حضرت موسیٰ سے
ہوش میں لے جناب آئیں آپ

حال روشن ہو لن ترانی کا
رُخ سے پردہ اگر اٹھائیں آپ

ثنا - میر شمس الدین ثنا - اصل وطن کشمیر تھا مگر یہ عظیم آباد میں رہا کرتے تھے - اور حضرت مشتاق کے شاگرد تھے - زیادہ حال معلوم نہو سکا - آخر اٹھارویں صدی میں زندہ و سلامت موجود تھے -

شب فرقت میں تیری نالہ و زاری ہے اور میں ہوں -
جھپکتی پل نہیں آنکھیں ہیں بیداری ہے اور میں ہوں
چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

ثنا - منشی ثنار الله خان فرخ آبادی - بڑے طباع اور ذہین شخص تھے - مرزا غالب ذوق و مومن کے روشناس اور شیخ ناسخ لکھنوی کے شاگردوں میں تھے - آپ عرصہ تک مرزا

سخاوت علی بیگ ضیا خلف مرزا حاتم علی بیگ مہر کی تحصیلداری ایٹہ کے زمانہ میں اُن کے پاس ایٹہ میں رہے ۔ یہ ۱۸۵۳ء کا ذکر ہے ۔ کچھ اشعار اُن کے لکھے جاتے ہیں ۔

یہ توڑ وقت گریہ کیا سیل اشک نے ۔ دیوار قہقہہ کو جو دیکھا تو ڈر ہوا

رہائی پاکے اُڑے ہم صفیر سوئے چمن ۔ ہم ایک رہ گئے تکتے قفس تہ و بالا

بن گئی میری شب ہجر تری زلف دراز ۔ وصل کی رات سمٹ کر ہوئی جوڑا سر یہ

جلنا ہوا ایک دم کا تو میں صبر بھی کروں ۔ آٹھوں پہر سلگتا ہے چولھے میں جا کے دل

دل عشق میں گیا دل شیدا کو کیا کریں ۔ ہم ہو چکے تمام تمنا کو کیا کریں

اوڑہیں بچھائیں پھونکیں جلائیں بتا جنوں ۔ صحرا میں ایک دامن صحرا کو کیا کریں

سناں پکڑی جگر نے اور بٹھایا دل نے پیکاں کو ۔ غرض دونوں نے رکھا اپنے گھر میں میہماں کو

جب تپ دوری جلا کر خاک کردے گی ہمیں ۔ آہ پھر چولھے میں ڈالیں گے تری تاثیر کو

کھاتا ہے چرخیاں مرے نالوں کے سامنے ۔ پیل فلک کو رکھ لیا بھالوں کے سامنے

ثواب ۔ میر سعادت علی مرحوم خلف میر شہاب الدین دہلوی اصلی وطن شاہجہان آباد تھا ۔ مگر اُن کے بڑے بھائی بہ تقریب ملازمت لکھنؤ میں مقیم تھے ۔ اسلئے ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی ۔ احباب خوش مذاق کے فیض صحبت سے شعر کا بھی شوق ہو گیا ۔ ابھی زیادہ مشق کی نوبت نہ آئی تھی کہ بھائی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور فکر معاش نے فارغ البالی کا مزہ کھو دیا ۔ کچھ عرصے اطراف و جوانب میں سفر کا اتفاق ہوا پھر چند سال دکن میں ایام گذاری کی ۱۲۶۰ھ کے قریب جمعیت خاطر بہم پہونچا کر کرنال میں مستقلاً سکونت اختیار کی ۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے ۔ ثواب

کبھی ہے مردگان غم پہ احسان معجز قم کا ۔ کبھی حق نمک ہے زخم دل پر اُس تبسم کا

ترے غم کی بدولت آگ یہ دل میں بھڑکتی ہے ۔ کہ گر اک آہ کھینچوں آب ہو زہرہ جہنم کا

تپ دوری سے شعلے استخواں سے یوں نکلتے ہیں ۔ پگھلتے جیسے ثواب آتش سے پارہ پارہ مرہم کا

ج

جادو۔ نواب میر احتشام علی خاں صاحب بہادر خلف اکبر وجانشین نواب میر ابراہیم علیخاں صاحب بہادر متوفا مرحوم ریاست بڑودہ گائکواڑ کے درجہ اول کے سردار ہیں۔ آپ نقوی سودودی سادات میں ہیں۔ آپکے اجداد کا وطن قصبہ سہسوان ضلع بدایوں قسمت روہیلکھنڈ متعلقہ ممالک متحدہ ہے۔ مگر اب عرصہ سے بڑودہ ہی میں قیام ہے۔ آپکے والد مہاراجہ بڑودہ کے مصاحب اعلےٰ تھے۔ اُن کے اسلاف کو سرکار بڑودہ سے ایک معقول جاگیر عطا ہوئی تھی۔ جسپر آجتک جناب جادو متصرف ہیں۔ حضرت جادو ۵ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ کو بڑودہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً کچھ کلام اپنے والد کو دکھایا بعد ازاں سال ہاسال ثاقب بدایونی سے اصلاح لیتے رہے۔ پھر تیمنًا وتبرکًا چند غزلیں حضرت ظہیر دہلوی کی خدمت میں پیش کیں صاحب دیوان ہیں۔ مگر ہنوز دیوان طبع نہیں ہوا ہے۔ آپکے مورث میر سرفراز علی خانصاحب بہادر سہسوان سے اول بڑودہ میں آئے اور درجہ اول کی سرداری پر بہ جلد وبڑے بڑے اہم کارہائے ریاست کی انجام دہی کے فائز ہوئے۔ اُس وقت سے ابتک برابر ریاست میں سے وہی اعزاز ومراعات حاصل ہیں اور برٹش گورنمنٹ میں بھی ریاست کی مثل اعزاز ہے۔

ان کی عمر اس وقت ۴۰-۴۲ سال کے قریب ہے۔ مہاراجہ صاحب بڑودہ کی مصاحبت میں یہ بھی رہ چکے ہیں۔ کلام نہایت پاکیزہ۔ خیال بلند۔ تلاش اعلےٰ۔ بندش چست۔ زبان صاف اور ستھری ہے۔ طبیعت میں شوخی بھی بقدر ضرورت ومناسب ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں کہتے ہیں اور ایک حد تک اُس میں کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

کوئی دیکھے تو عالم میرے جذبِ شوقِ پنہاں کا ہوا ہے روکنا دشوار اب ناوک کو پیکاں کا

قیامت جوششِ وحشت کی ہے ہنگامہ آرائی کہ صبحِ روزِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

تنِ عریاں کو خارِ دشت سے پیوند ہی کر دے
تنِ مجروحِ بسمل کی وہ دعوت کرنیوالے ہیں
نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی سننے والا ہے
اُڑے پھرتے ہیں ہم دوشِ صبا پر چار سو جادو
تو ہی مرگِ ناگہاں مشکل مری آسان کر
منہ مرا حیرت سے تکتے ہیں سرِ بزمِ عدو
وصل میں بھی لی نہ کروٹ میرے بختِ خفتہ نے
کوئے جاناں پاس ہے واماندہ میں ہوں اے صبا
مرتے مرتے میرے سر پہ بارِ احساں دھر دیا
آئے ہیں ہنگامہ ہائے کوئے دلبر دیکھکر
ہے مزارِ کشتۂ نازِ بتِ محشر خرام
حسرتِ دیدار پوری سخت جانی سے ہوئی
ہو گئے بیتاب تم تو سنتے ہی ذکرِ عدو
کھل نہ جائے پردۂ عشقِ بتِ پردہ نشیں
ہو نہ پھر آہِ رسا نے کچھ اثر پیدا کیا
ہے یہ مشکل کہ وفادار و نگاہ دستور نہیں
عشقِ پنہانِ عدو باعثِ رسوائی ہے
لیگئی لوٹ کے رونق مرے گھر کی شبِ وصل
دل سے آجائے زباں تک نہیں ممکن واعظ
وہ سنیں کان لگا کر یہ کہاں ممکن ہے
میں وہ ہوں موردِ گردشِ بادۂ حرماں ساقی

ٹھکانے ہی لگا دے نہ لے جنوں ٹکڑا گریباں کا
مزہ جب ہے کہ زخموں سے ہو شستہ پھیکا نمکداں کا
ہماری بیکسی سے ہے آئینہ گورِ غریباں کا
ہماری لاغری میں ہے اثر تختِ سلیماں کا
چین سے سو جائیں ہم تربت میں چادر تان کر
دیکھنا انجان وہ بنتے ہیں کیسے جان کر
سونے والے سو رہے منہ پر دوپٹہ تان کر
اب تو مشتِ خاک پر تو ہی ذرا احسان کر
آئے بالیں پر گھڑی ساعت کا مہماں جان کر
خاک جی بہلیگا سیرِ روزِ محشر دیکھکر
پاؤں رکھتا اس طرف اے شورِ محشر دیکھکر
دیر تک تڑپا کیے سوئے ستمگر دیکھکر
ورنہ دل دیتے ہیں سب آئینہ پیکر دیکھکر
اشک ریزی ہجر میں اے دیدۂ تر دیکھکر
ورنہ کیوں مضطر ہیں وہ جادو کو مضطر دیکھکر
ورنہ میں ہجر میں مرنے سے بھی مجبور نہیں
وجہ شہرت ہے وہی بات جو مشہور نہیں
کہ رخِ صبحِ جدائی پہ ذرا نور نہیں
الفتِ پردہ نشیں آرزوئے حور نہیں
میرا افسانۂ غم غیر کا مذکور نہیں
کہ مرے زخم کی قسمت میں بھی انگور نہیں

میں وہ ہوں کشتۂ یاس و تمنا میرے ماتم میں ❊ کسی کے دامنِ شمشیر سے زخموں نے منہ ڈھانکا

محبت وعدۂ فردا پہ غضب ہے جادو	وہ یہ کہتے ہیں قیامت بھی تو کچھ دور نہیں
مٹنے میں بھی آپ کا پتا ہوں	میں کوئے عدو میں نقش پا ہوں
محفل میں نگاہ کب ہے اون پر	اوروں کی نظر کو دیکھتا ہوں
آنکھوں میں بسی ہے شکل وحدت	آئینہ میں اُن کو دیکھتا ہوں
مجبوری عشق صلح کُل ہے	دشمن سے بھی دوستی نباہوں
جادو ہمہ اُدعی سے ہے کام	مومن میں اپنے وقت کا ہوں
عشق کو پردہ دری حسن کی منظور بھی ہو	ورنہ موسیٰ ہوں وہی اور وہی طور بھی ہو
سخن عقرب سے کھلا صاف یہ مضموں یعنی	وہ رہے دل میں جو نزدیک بھی ہو دور بھی ہو
رہ کے ہر شے میں نہاں ہو نہیں سکتی ظاہر	جتنے مختار ہو تم اُتنے ہی مجبور بھی ہو
کیف ہر نشۂ عرفاں کا دو چنداں واعظ	تیری تسبیح میں گر دانۂ انگور بھی ہو
کوئی دیکھے نظر اہل نظر سے جلوہ	آپ ناظر بھی ہو تم آپ ہی منظور بھی ہو
شہرت پردہ نشینی ہوئی شکل عنقا	تم جو نظروں سے ہو معدوم تو مشہور بھی ہو
کب ہوا رشک سے اظہار تمنا منظور	کب گوارا ہے زباں سے ترا مذکور بھی ہو
لن ترانی سے غرض جلوۂ جاناں کو نہیں	دیکھنے والوں کی آنکھوں میں اگر نور بھی ہو
قابل دید ہے حسرت بھی تمہاری جادو	دور منزل سے ہو اور ضعف سے مجبور بھی ہو
زیب و زینت سے اُنہیں فرصت نہیں ہر آئینہ	رات بھر ہے روئے دشمن اور دن بھر آئینہ
شکل خوبان جہاں رہتی ہے ہر دم دلنشیں	کچھ عجب رکھتا ہے خوبی اسکندر آئینہ
شکل خوب و زشت ہے اُس میں ہویدا صاف صاف	حق نمائی کا مگر رکھتا ہے جوہر آئینہ
معرکہ ٹھہرا ہے قاتل سخت جانی سے ضرور	خوں ٹپکتا ہے جو چشم جوہر شمشیر سے
اب بھی جذب سوز پنہاں کا مرے قائل نہیں	آب تک تو کھنچ گئی قاتل تری شمشیر سے
خوف ہے یہ ضعف کے آزار سے	دب نہ جاؤں سایۂ دیوار سے

بے صفائی اُن پر درسے کھلتی نہیں ٭ آئینہ دار ہے جلا کس سے مرا زنگ

شاد ہوتے خواب میں دیدار سے
آنکھ لڑتی طالعِ بیدار سے

اب تو گر پڑتی ہے اٹھ اٹھ کر نظر
تھک گیا ہوں انتظارِ یار سے

کیوں نہو اسے جاؔدوئے نازک خیال
طرزِ مومن ہے عیاں اشعار سے

کچھ اس انداز سے دیکھا کہ رحم آ ہی گیا اُن کو
مری خوش قسمتی میری نگاہِ واپسیں نکلی

ہزاروں رنگ بدلے حادثاتِ دہر نے لیکن
نہ سر سے آسماں سرکا نہ پاؤں سے زمیں نکلی

کسیکا وصل کی شب ناز سے منہ پھیر کر کہنا
کسیکے دل کی حسرت اب بھی نکلی یا نہیں نکلی

قضا آئی جو فرقت میں ہوئیں سب مشکلیں آساں
کہ حسرت بن کے سینے سے مری جانِ حزیں نکلی

ہوئی جب آنکھ سے باہر دلِ بسمل میں جا بیٹھی
نگاہِ نازِ قاتل بھی عجب پردہ نشیں نکلی

بنایا آسماں اوجِ مضامیں سے اُسے جاؔدو
زمانے میں نئی جب شعر کی کوئی زمیں نکلی

سرِ محفل نہ دیکھو تم کنکھیوں سے مری جانب
کہیں رکھدیں نہ تم پر کوئی تہمت رکھنے والے

جادو

جاؔدو۔ منشی محمد رکن الدین جاؔدو دہلوی خلف خان بہادر مولوی محمد انوار الحق مرحوم سابق میر منشی رزیڈنسی راجپوتانہ۔ پہلے اپنے چچا ادیب مرحوم کے شاگرد اور تاؔوان تخلص کرتے تھے۔ پھر حضرتِ داغؔ دہلوی مرحوم کے شاگرد ہو گئے۔ علمی استعداد کافی ہے۔ مزاج میں وارفتگی زیادہ ہے۔ ریاست بھرتپور میں نائب میر منشی تھے۔ پھر ترک روزگار کر کے دہلی چلے آئے۔ اب سُنا ہے کہ پھر اپنی قدیم ملازمت پر بحال ہو گئے ہیں۔ جوان تیز طبع اور مزاج میں ظرافت خلقی ہے۔ مولانا عبد الحق محدث دہلوی کے خاندان سے ہیں۔ اپنے والد کے ہمراہ راجپوتانہ کی اکثر ریاستوں کی سیر کی ہے۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے۔

سمجھ لو اپنے دل میں پوچھنا کیا
ہماری آرزو کیا مدعا کیا

ہو جان، کو گر ایک مصیبت تو رو دیجے
دل بھی یہاں رہا تو ترے اختیار کا

بوجہ آسماں نہیں گردش میں رات دن
اسپر پڑا ہے صبر کسی بے قرار کا

وے کے دل آپکو اے جان چلے آتے ہیں	بیچکر دین مسلمان چلے آتے ہیں
کس کو دیکھ کے ہیں کیا قتل لگے ہاتھ کہ وہ	ہاتھ ملتے ہیں پشیمان چلے آتے ہیں
دیکھکر مجھکو وہ کہتے ہیں یہی ہیں جادو	یہ جو چلتے ہوئے انسان چلے آتے ہیں
عدو کو بٹھکر پہلو میں میرے یاد کرتے ہیں	کبھی وہ شاد کرتے ہیں کبھی ناشاد کرتے ہیں
دلنواز آپ تو فرمایئے کیا دیتے ہیں	دل انھیں کا ہے کہ دل اہلِ وفا دیتے ہیں
مرِ مٹا تیرا تصور بھی ہمارے دل پہ	مٹنے والے وہ بلا ہیں کہ مٹا دیتے ہیں
زندہ رہجاتے ہیں جی جاتے ہیں مرنے والے	معجزے تیرے مسیحا کو جلا دیتے ہیں
وہ سینکے نوکِ مژگاں کی کہاں اب چھیڑ چھاڑ	ڈہونڈہتے ہیں زخم کوئی نیش زن ملتا نہیں
تم نہیں پہلو میں کیا دل نے بھی کی پہلو تہی	تم نہیں ملتے تو دل بھی جانِ من ملتا نہیں
ہائے کیا ناشاد ہے جادو کہ جسکو بعدِ مرگ	عشق کی سرکار سے گور و کفن ملتا نہیں
جادو اب اغنیائے زمانہ کا ہے یہ حال	دیتے نہیں فقیر کو ٹکڑا اٹھا کے ہاتھ
سنتا ہوں کہ مہمان وہ بتِ غیر کے گھر ہے	پتھر پڑیں اس پر کہ دعا کا یہ اثر ہے
بالیں پہ سراسیمہ کوئی رشکِ قمر ہے	او بے خبری تجھکو بتا کچھ بھی خبر ہے

رہے کمبخت کیا ٹھکانے سے	بن گئی دلپر دل لگانے سے
وہ انوکھا جو ہے زمانے سے	روٹھتا ہے مرے منانے سے
کیا زمانہ ہے دوستی کا تری	دشمنی ہو گئی زمانے سے

جور میں بھی ترے اک چیز ہے لذت والی	لطف کا جس میں مزا ہو وہ ستم اچھا ہے
کھوٹے داموں بھی نہ لوں دولتِ دنیا ہرگز	کہ درم سے مجھے یہ داغِ درم اچھا ہے
اُن کو دعویٰ تو ہے سمجھا نہیں دنیا میں کوئی	لیکر آئینہ جو دیکھیں گے تو حیراں ہونگے

جادو

جادو ۔ منشی تہور حسین صاحب جادو ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی طبیعت خداداد آغاز شباب سے شعر و سخن کی طرف متوجہ رہی ہے۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت جلال لکھنوی

م کاہیدہ اس قدر ہوں غمِ ہجرِ یار میں ٭ ڈہونڈے مجھے قضا تو نہ آؤں قضا کے ہاتھ ٭ یارب رہے ہوں دستِ دعا اسقدر دراز ٭ میں چھین لوں فلک سے اثر کو بڑہا کے ہاتھ

کی شاگردی کا فخر حاصل کیا اُسی وقت سے تصنیفہ فوج ریاست رامپور میں ملازم رہے خدمت کار منصبی سے جسوقت فرصت ملتی تھی غزل گوئی میں مصروف رہتے تھے۔ بہت سا کلام جمع ہوگیا تھا پندرہ سولہ سال کا زمانہ ہوا کہ ایک پیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضر ہوکر مرید ہوگئے۔ ان کے فیض صحبت سے زیادہ فرصت کا وقت یاد الٰہی میں صرف ہوتا ہے۔ یہانتک فقر کی جانب طبیعت راغب ہوئی کہ فوج کی ملازمت سے دست بردار ہوگئے۔ رات دن گوشۂ تنہائی میں یادِ خدا کرتے رہتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ مجموعہ تصنیف تلف ہوگیا۔ دس بارہ سال سے ایک مصرع بھی کہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ دو سال ہوئے کہ احباب کے مجبور کرنے سے کبھی کبھی غزل کہہ لیتے ہیں ورنہ ہر دم ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں دنیوی ساز و سامان سے تنفر ہے گیروا کرتا گیروا تہبند زیب تن رہتا ہے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نمایاں حسن کرتا ہے تو مجھکو کیوں رلاتے ہو
مہر روشن چھپا دیگا برسنا ابر باراں کا

اڑائیں دھجیاں جب پیرہن کی دست وحشت نے
غبار کوئے جاناں نے تن عریاں پہ ڈھانکا

تصور نے ترے ظالم یہانتک تفرقہ ڈالا
کہ ملنا ہوگیا دشوار اب مژگاں سے مژگاں کا

خیال یار بچا تھا اگر ایذا رسانی سے
دلِ مجروح میں تارِ نفس کا کیوں دیا ٹانکا

کسی فن میں تو کامل ہو بقول آتش کے اے جادو
نشاں رہتا نہیں ہے نام رہجاتا ہے انساں کا

اللہ ری لاغری کہ مرا جسم ناتواں
حد گمان و وہم سے باہر نکل گیا

نامہ ہو تھا لیا تھا کہ جادو زباں کٹی
اچھا ہوا کچھ اور نہ منہ سے نکل گیا

روئے جاناں کا تصور بنگیا انوار صبح
راتدن حاصل ہے آنکھوں کو مری دیدار صبح

اپنا اپنا بخت ہے اب دیکھو جاتا ہے کہاں
شام کا وعدہ ہے مجھ سے غیر سے اقرار صبح

داغِ دل جلتا ہے دوزخ کا نمونہ ہو کر
چشم تر نے نہ بجھایا اسے دریا ہو کر

دیکھیے کیسا ہی رونا ہے تو آنسو میرے
ایکدن غرق کریں گے مجھے دریا ہو کر

جس اذیت کا نہ دنیا میں ٹھکانا ہو کہیں
دل میں آ بیٹھے مرے میری تمنا ہو کر

آنکھیں تلووں سے ملیں میری زباں کاٹی گئی
حالِ غمگیں حالِ خستہ ایک ہے پھر فرق ہے
نیک و بد جادو کسی کا دیکھتا ہے کس لئے
فریاد آہ کے در سب بند ہو گئے ہیں
بیہوشیِ جنوں میں یہ بھی خبر نہیں ہے
عشقِ بتاں کے صدمے ہو رونکی آرزو میں
نہ بیٹھو تھک کے اے جادو اُڑاؤ خاک جنگل کی
درد دل یوں ہے مرے نالۂ شبگیر کے ساتھ
رہ گیا قتل کا ارمان دلِ قاتل میں جو
روح قالب سے تو پہلو سے مرا دل نکلے
فقر وہ چیز ہے جادو کہ گلیم درویش
کہا جب وصل ہو ممکن کوئی تدبیر ایسی ہے
جیسے تو آئینہ میں دیکھ کر ہے محوِ نظارہ
تنِ لاغر کو میرے دیکھ کر کہتا ہے وہ ظالم
کوئی سر ٹھوکروں میں ہے کسی کا سر ہے زانو پر
اُس خاکِ رہگذر میں میں ناتواں پڑا ہوں
دلکو قرار ہے نہ جگر کو قرار ہے
ترے مژگاں کے زخمی ایک حالت پر نہ ہیں دیکھے
بنا کر آئینہ تو دلکو اپنے دید یا میں نے
اسی کا نام عاشق ہے تلاش یار میں برسوں
مری آنکھوں سے ٹپکی خون ہو کر آرزو دل کی

کون دنیا میں فغاں کرتا نہیں روتا نہیں
زخمِ دل ہنستا ہے اکثر میں کبھی ہنستا نہیں
جب سے تجھے اچھا برا اپنا نظر آتا نہیں
ضبطِ فغاں کی مہریں میری زبان پر ہیں
بیٹھے ہیں ہم زمیں پر یا آسمان پر ہیں
دونوں جہاں کے جھگڑے اس ایک جان پر ہیں
کرو کچھ دشت پیمائی ابھی بیدست و پا کیوں ہو
جیسے لپٹی ہوئی زنجیر ہو زنجیر کے ساتھ
بسمل ناز کا دم کھنچ گیا شمشیر کے ساتھ
تیری شمشیر کے ہمراہ ترے تیر کے ساتھ
ہمسری کرتی ہے وہ شالۂ کشمیر کے ساتھ
وہ بولے تیرا منہ ایسا تری تقدیر ایسی ہے
مرے چشمِ تصور میں بھی اک تصویر ایسی ہے
مرے نقشِ کفِ پا میں بھی اک تحریر ایسی ہے
نصیب ایسا کسی کا ہے کوئی تقدیر ایسی ہے
نقشِ قدم کی صورت ہر اک مٹا رہا ہے
یارب یہ کس بلا کی شبِ انتظار ہے
ہزاروں نیم جاں دیکھے ہزاروں جاں بلب دیکھے
تماشا اسکی قدرت کا وہ دیکھے یا نہ اب دیکھے
کرے مثلِ فلک چکر نہ دن دیکھے نہ شب دیکھے
تری الفت سے مٹی میں ملا دی آبرو دل کی

رفاقت اسکو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے ۔۔۔ رہی دلمیں کبھی دل سے نہ نکلی آرزو دل کی

جالب

جالب ۔ منشی سید بشارت علی دہلوی ۔ انگریزی اور فارسی میں بھی کافی استعداد رکھتے ہیں ۔ بڑے ذہین اور طبیعت دار شخص ہیں ۔ اخباری دنیا میں خاصی شہرت حاصل ہے ۔ مدرسہ چھوڑنے کے بعد سے مضمون نگاری کا مشغلہ ہے ۔ پیسہ اخبار ۔ اودھ اخبار ۔ روزانہ دہلی ۔ وطن ۔ وکیل ۔ شریف ۔ مخزن ۔ متعدد اخباروں میں اڈیٹری کر چکے ہیں ۔ مگر کسی جگہ جمکر نہیں رہتے اس فن میں آپ کو خاصہ ملکہ ہے ۔ نظم کیطرف توجہ کم ہے ۔ آپ کو حضرت داغ دہلوی سے تلمذ حاصل ہے اور ایکمرتبہ چند ماہ اُن کی خدمت میں دکن میں بھی رہے ہیں ۔ اب ۴۰ سال کی عمر ہے اور امرتسر میں کسی اخبار کے اڈیٹر ہیں چند غزلیں نظر سے گذریں انکا انتخاب حاضر ہے ۔

کسی عاشق پہ جب بیداد کرنا ۔۔۔ ہمیں بھی او ستمگر یاد کرنا

وارفتہ جو کسی کی کمر اور دہاں کے ہیں ۔۔۔ اُنکو خبر نہیں کہ کہاں ہیں کہاں کے ہیں

جنت کا حال کھلگیا دورِ شراب سے ۔۔۔ اُس میکدے میں ندی سارے جہاں کے ہیں

ہم کچھ ہلک نہیں جو مریں حور و خلد پر ۔۔۔ ایک بُت پہ جان دیتے ہیں ہندوستاں کے ہیں

اے عندلیب تو نے کہاں سے اڑا لئے ۔۔۔ یہ رنگ میرے نالۂ آتش فشاں کے ہیں

اُن سے اُمیدِ وفا بالکل فضول ہے ۔۔۔ اور اپنی تاب و تب سب بے فائدہ

حالِ دل کہنے پہ یہ پایا جواب ۔۔۔ بس زیادہ بک بک ناب سب بے فائدہ

اپنے بیماروں کو مرجانے بھی دے ۔۔۔ تم ہوئے عیسیٰ لقب سب بے فائدہ

جالب اب گستاخ ہی بنجاؤ تم ۔۔۔ لیسے کمسن کا ادب سب بے فائدہ

جالب خدا کیواسطے اس پھیر میں نہ آ ۔۔۔ زلفوں میں پھنسکے دلکا نکلنا محال ہے

چھوڑ دے خود نمائیاں اتنی ۔۔۔ کہیں تجھکو نظر نہو جائے

اپنا مرنا بھی میں قبول کروں ۔۔۔ غیر کا تُو اگر نہو جائے

زلف و ابرو بھی یہ ہیں ہمدم	کہیں آپس میں شر نہ ہو جائے

جان

جان ۔ جان علی جانؔ ۔ قرابتدار نواب بیرم خاں مغفور امیر عہد احمد شاہ بادشاہ ۔ میر تقی میر کے شاگرد تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ ایک شعر ملا درج کیا گیا ۔

ذکر اُس زلف کی درازی کا	صبح سے تا بہ شام ہوتا ہے

جان ۔ اشرف خاں جانؔ ۔ شاگرد شیخ غلام ہمدانی مصحفی ۔ غازی الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ میں رہتے تھے ۔ دیوان مرتب ہو گیا تھا مگر اُسنے شہرت نہ پائی ۔

دل دیکے تجھ کو یار ترا یار میں ہوا	البتہ یہ خطا ہے گنہگار میں ہوا
مانند شمع نور سے روشن خدا کرے	کاٹا جو تو نے سر تو سبکسار میں ہوا
اے داغ سینہ باعث شہرہ ہوا ہے تو	مانند لالہ سب میں نمودار میں ہوا
ہر ہر قدم پہ پیسیگا دلکو مرے وہ شوخ	آفت ہوئی کہ مائل رفتار میں ہوا
نظارہ اُسکا کرتے ہی حیرت سی ہو گئی	دروازہ سے وہ نکلا تو دیوار میں ہوا
آنکھوں نے تیرے باغ میں رنگ کر دیا	نرگس کو جا کے دیکھا تو بیمار میں ہوا
بوسے لئے نشے میں لب سرخ رنگ کے	غافل ہوا وہ شوخ تو ہشیار میں ہوا
اے جاں مرے قریب کر تو دیکھ تو ذرا	بیگانہ ہو کے محرم اسرار میں ہوا

جان

جان ۔ جان عالم خاں لکھنوی خلف نواب منور خاں مغفور ۔ برادر خرد نواب روشن الدولہ ظفر خاں فن سخن میں میر سوز مرحوم سے اصلاح لیتے تھے ۔ نثر بھی خوب لکھتے تھے ۔ فی الجملہ علوم عربیہ سے واقف تھے ۔ خط نستعلیق و شکستہ میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ یہ اُن کے اشعار ہیں ۔

چھوڑ عارض دل نے گھیرا زلف مشکیں فام کا	صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو
لگا خوبان نوخط سے یہ ملنے کو	گھسیٹا پھرے ہے مجھے کانٹوں میں دل لئے
اُس سنگدل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی	دُور از اثر سدا رہی ہمت تیری آہ کی
بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے	جوں تابداں میں شیشۂ رنگیں دھرے ہوئے

جان صاحب

جان صاحب۔ میر یار علی ولد میر امن۔ شاگرد نواب عاشور علی خاں لکھنوی۔ لکھنؤ انکا اصلی وطن تھا مگر آخر عمر میں بسبب ملازمت زیادہ تر رامپور میں رہے۔ زندہ دل۔ خندہ پیشانی مرنج مرنجان آزاد منش شخص تھے۔ فن شعر کا ہر ایک شایق۔ ان کے نام اور طرز کلام سے واقف ہے کہنے کو اور بھی لوگوں نے اس کوچے میں طبع آزمائیاں کیں مگر جو نام انہوں نے پایا وہ اور کسیکو حاصل نہوا۔ دراصل سعادت یار خاں رنگین اور سید انشا اس طرز کے موجد تھے۔ مگر انہوں نے جو کچھ کہا تفنن طبع کے لئے۔ برخلاف انکے جان صاحب نے اپنی تمام عمر اسی خاص صنف میں بسر کر دی اور اپنی خاص روش میں استادی کا رنگ پیدا کیا جیسا کہتے اچھا تھے پڑھتے بھی خوب تھے۔ سنا گیا ہے کہ مشاعروں میں زنانہ لباس سے شریک ہوتے تھے۔ اور پڑھنے میں وہ وہ ناز آفرینیاں کرتے تھے کہ سامعین ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بنجاتے تھے۔

۱۸۴۷ء میں ہر چند کہ لکھنؤ آباد اور شاہی برقرار تھی جان صاحب بتلاش معاش دہلی آئے اور یہاں سے پھر بھوپال پہونچے۔ مگر ناکام رہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ لکھنؤ جیسے شہر میں جہاں شاہی میں ہُن برستا تھا انہیں معاش کی طرف سے کبھی دلجمعی حاصل نہیں ہوئی اسے شومی تقدیر کہو خواہ ناقدری فن۔ ۱۲۹۰ھ میں ۶۳ برس کی عمر تھی اور رامپور میں نواب کلب علی خاں کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ ۸۰ برس سے زیادہ عمر پاکر انتقال کیا۔ مستورات کے رسم و رواج۔ خیالات اور جذبات سے خوب واقف تھے۔ اور اکثر ایسے ہی مضامین نظم کرتے تھے۔ عورتوں کے روزمرہ اور محاورات میں حیرت انگیز دسترس حاصل تھی۔ ان کے اشعار مخرب اخلاق و خلاف تہذیب مضامین سے مملو ہیں اسی وجہ سے اب ایک عرصہ سے انکا کلام چھپنے کی ممانعت ہوگئی ہے۔ عرصہ ہوا دو دیوان چھپے تھے ان میں سے کچھ اشعار منتخب درج کئے جاتے ہیں جو دائرہ تہذیب سے خارج نہیں۔

خصم دو جو رونکالے ہوا چوسر کا پانسہ ہے	بدی جس سے کریگا سامنا ہوویگا ذلت کا
اگر دوزخ نہوتا قدر کرتا کون جنت کی	ہے رتبہ سُوم کی جنّت سے حاتم کی سخاوت کا

پڑہائی کیوں زلیخا مولوی صاحب نے یوسف کو
نہ پھینکا ڈھیلا نہ کھنکار سے چُپ چپ چلے آئے
کھُلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
پہ دل مسوس کے چپ بھی رہا نہیں جاتا

کیا خانہ خراب اُسکو دکھایا کوچہ الفت کا
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا
سر پہ جو کوئی چاہنے والا نہیں ہوتا
گلا جو کرتی ہوں چاہت کا ہے مزہ جاتا

ہے منافع جو مسئلہ سے سوا
مرگئی سوت مگر غم نہیں بھولا مجھکو

سُود کھانا بھی اب حلال ہوا
جانصاحب نہ کبھی دل سے یہ کانٹا نکلا

اُسکے قربان دو آنکھوں سے جو چار آنکھیں دیں
مرزا مقیم سینکڑوں آتے ہیں جوہری

کرتی مضمون ہوں آنوکی دُعا سے پیدا
گوہر نے گھر کو جوہری بازار کردیا

کہے میں دیتی ہوں لاڈو خانم قسم خدا کی یہ دیکھ لینا
نکال لونگی میں دونو دیدے کیا کبھی سے جواب شارا

چھوٹے دیور سے مرے پردا کیا
باجی صاحب آدہی تم نے کیا کیا

بکتی جو مولی میری دادا وہت رو یا کو
ایک ایک نقطہ پہ راجی لڑتے ہیں مردو کے
تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسیکے گھر سے
قبر میں روح کو صدمہ مرے ہوگا مرزا
کیا سخی اگلا زمانہ[ل] تھا پر اصفیار کو

مرنے پہ کھُلی الفت ناشاد بہت رویا
محفل مشاعرہ کی اکھاڑا ہے بھیم کا کو
اور رہجاؤ یوا آجکا دن آجکی رات
سوت بچوں پہ اگر ہوگی خفا میرے بعد
لاکھ توڑے دیدے اک لاکھ کی زنجیر

تو دیکھ دولھا کو ساس ننندوں کے آگے گھونگھٹ اُٹھا اُٹھا کر
نئی نویلی دولھن ہے بچی ابھی تو دو چار دن جیا کر
نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا
بنایا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تُنے ڈھاکر

کیا زمانہ بُرا ہے اچھی بی
کوئی کرتا نہیں کسیکا پاس

ل نواب آصف الدولہ کی فیاضی کی طرف اشارہ ہے

یہ حسن سے کہیں گاہک مردونکو خوب دیکھا
جتوا شرافت کے جوہر میں تکلیف سے کب
جان سُولی پہ رہے گی مری بہتیا منصور
کچھ نہیں نرگس کو مرزا تن بدن کانپنے ہوش
برسوں بچی کو نہیں پیار کبھو کرتے ہیں
جوجو نہیں اُٹھائی تھیں مینے اُٹھالیاں
میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ
تِل نہیں مانگ میں زنانی کے بڑ
آنکھ لڑتے ہی ہو گئی عاشق
سید اکل کھڑے ہیں پوا کائنات میں
اُٹھاتی جاکے عدالت میں ہیں بڑی روٹ
تم نہ آئیں دل بہت تڑپا ہمارا رات کو بو
جانصاحب میں نہوتے دونگی بچی کو سوار
یہ ورثہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی
ہے خدا کی شان وہ افضل النسا خانم بنے
روز پھر آتی ہے لونڈی مری جاکر خالی
کمال منہ کا نوالا نہیں ہے بی نعمت
کیا ریختی کہکے کیا نام ہے پیدا
ہنستے بچے کو رُلا دیتے ہیں کیا خو ہے بری
کرونگی دھوم سے شادی برابسنت تو ٹھہری ہے
یہ بات سچ ہے جسے جس سے پیار ہوتا ہے

یوسف بنا رہے گا بی بی غلام کب تک
زنگ میں لاکھ ہو چھپتی نہیں تلوار اصیل
بدنظر وہ ہیں نہ رکھونگی طرحدار اصیل
کام پر دیدہ وہ لگے کیا دل لگا ہے یار میں
پیار بھی کرتے ہیں تو کان میں تھو کرتے ہیں
بس بس زبان روکو ندو مجھکو گالیاں
بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں
یہ کنہیا کھڑا ہے گوکل میں بڑ
موہنی تھی موئے کے کاجل میں
لیکن سمائی سبکی ہے شیخوں کی ذات میں
دوگانا کام تو جھوٹے گواہ کرتے ہیں
ذکر ای گوئیاں رہا کیا تمہارا رات کو
ونکو کیا سوتی تھی لائے ہو سواری رات کو
دوچار بڑے اپنے ہوں دوچار تمہارے
پھبتی بہن کی گلیوں میں جو رکھنی فالے
بھاڑ میں جائے کرایہ وہ کریں گھرخالی
خمیر پسینے کا بارہ برس میں اُٹھتا ہے
اے جان ترا عیب بھی بہتر ہے ہنر سے
لے کھلائی دے دے باز آئی میں انکے پیار سے
گلہا ہے مراد منجھلی بھابی کی گلہری ہے
وہ لاکھ جان سے اُسپر نثار ہوتا ہے

بہو تم ہو خسر کا مال جو ہے وہ تمہارا ہے
امانی جان سے کے اسمیں خصم کا کیا اجارہ ہے

انتخاب دیوان دوم

نرالا ہی نظر آیا اُٹھا پردہ جو غفلت کا
تماشہ گاہِ عالم میں تماشا اُسکی قدرت کا

نکھٹو وہ نکلتا ہے خصم جسکو بتاتی ہوں
کسیکے پاس روٹی ہے نہ کپڑا میری قسمت کا

سوکن نے پائجامہ پہنا ہے گلبدن کا
پھولو نہیں تل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

سیدھا بنایا جائے بانکا جو ٹیڑھی بولے
شاہی میں لطف تھا کچھ اسے بنّو بانکپن کا

وحشی کو رام کرکے ایسی کتھا سُنائی
ہر دم دوگانہ کلمہ پڑھتی ہے برہمن کا

بتاؤں لوٹکا وہ چھوڑ دیں رنڈی کو خود بہنا
تم اپنی بائیں لٹ پچھٹنے لگے جبدھم گھن دہنا

صبر ہمکو کیا ہو شیر یں شیر ہے کچا پیا
دنکو جو روٹی ملی دھڑکا رہا پھر رات کو

کہیں دیدے گھٹنوں کے آگے نہ آلے
قسم چھوٹی سچی نہ کھا رہی دوگانا

وہ شور مار رنڈی ہوں نہ گور دسنے ڈری ہیں
بھگدڑ میں قدم شہر سے باہر نہ نکالا

قسمت کا مری پھیر رہا دم کے مرے ساتھ
اِس راہ کا خالق نے بھی چکّر نہ نکالا

بیٹی ہی نہیں کہنے میں وہ غیر کا بچہ
سچ پوچھو تو کیا زور ہو دا ماد پہ اپنا

سہرے دیکھے ہو چکے بچوں کے بیچے آ ہوا
کوئی باقی ہی نہیں دلمیں مرے ارمان اب

اعمال نامہ میرا فرشتوں نے کھو دیا
صد شکر ہو گا حشر میں کیونکر حساب اب

بے ماں کے ضد اُٹھاتے نہیں زینہار باپ
جورو کے مُنہ سے کرتے ہیں بچوں کو پیار باپ

بنّو مثل یہ سچ ہے پسنہاری ماں بھلی
بہتر نہیں ہے ہو جو تونگر ہزار باپ

دل مُوا پیار جسے کرتا ہے کہتا ہے اُسے
اپنے ہاتھوں سے ہے خالق نے بنائی صورت

ایک دم بھر کے تو جینے کا بھروسہ ہی نہیں
کرتے حاکم ہیں لوا قید کی میعاد عبث

اُڑیں یہ مرغ کبوتر بٹیر کنکوے لے
اُٹھے حرام میں پیسہ تو پائے کیا محتاج

خدا کو پیارے ہیں سید سے بھی اور ہیں ٹھیٹھ کو بھی
جو ایک تیر کو بخشا تو اک کماں کو شرف

ہزار ریختی گو جان منہ چڑھائیں مرا ئو
ملیگا ایسا نہ اُن کے فرشتہ خاں کو شرف

بنا سپاہی موا بیچا تھا تل شکرے
خدا کی شان یہ پیدل کے کرارے ڈھنگ

لالوں کی لال ہوں میں دو نو جگہہ وطن میں
سسرال ہے بدخشاں میکہ مرا یمن میں

ریختی پڑھکے بڑھاپے میں مٹکتا ہے بوا
جان صاحب کی اجی دیکھو حماقت نہ گئی

جاوید

جاوید۔ حکیم عبد النبی خاں خلف سید نور خاں حسین اور نیک طینت شخص تھے۔ حضرت امیر شکوہ آبادی مرحوم کے شاگرد اور فن طب میں دستگاہ رکھتے تھے سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے۔

راس و چپ بیٹھے ہوئے ہیں غیر بزم عیش میں
دل مرا ٹھیرے کہاں خالی نہیں پہلوئے دوست

خموشی اس لئے دیوانگی میں ہمنے حاصل کی
خدا جانے وہ کیا پوچھے ہمارے منہ سے کیا نکلے

حضرت جاوید عشق چشم مست اچھا نہیں
خاک میں ملجائے گی یہ پارسائی آپ کی

جاوید

جاوید۔ مولوی سید محمد کاظم۔ لکھنوی شاگرد رشید و اُستاذ زادہ خورشید لکھنوی مرحوم۔ سید محمد جعفر السید مرحوم کے بیٹے ہیں۔ ان کے خاندان میں اکثر بزرگوں نے درجہ اجتہاد پایا ہے یہ بھی علمی استعداد زبردست رکھتے ہیں۔ اشعار سے کہنہ مشقی اور پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ عیوب سے آپکا کلام پاک ہوتا ہے۔ عمری وغیرہ کہنے کا بھی شوق ہے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے۔

بنی تھی رہگذر میں قبر کیوں پامال ہونے کو
کوئی کس منہ سے اب شکوہ کرے اُس آفت جانکا

اُداسی چارہ گر کے منہ پہ جب آتی ہوئی دیکھی
میں سمجھا یہ کہ لوٹا زخم کا میرے کوئی ٹانکا

کفن سے پہنے ہوئے خود چاندنی آئے مرے گھر میں
خدا عالم نہ دکھلائے شب مہتاب ہجراں کا

سنا ہے مرکے باتیں خوب ہوتی ہیں فرشتوں سے
لحد جب بند ہوتی ہے تو دل کھلتا ہے انساں کا

جلا شباب میں جو دل بجھا وہ پیری میں
چراغ صبح تھا اب اسکا اعتبار نہ تھا

کسے غرض تھی کہ روتا ہمارے ماتم میں
کوئی لحد پہ بجز شمع اشکبار نہ تھا

ہزار بار رکھا ہاتھ اُسنے سینے پر ہو ہو
کہ میرے دم کے نکلنے کا اعتبار نہ تھا

حد سے افزوں ہے یہ کہکر میں بھی اک مشکل میں تھا
تیر سینے میں ہے گر یہاں تو راحت دوں اُسے

حالِ دُنیا پوچھتے ہیں اہلِ محشر تو سُنیں
اُٹھا ہیں دستِ نازک سے وہ خنجر ذبح ہوتا ہوں

خدا محفوظ رکھے سینکڑوں وسواس آتے ہیں
درِ جاناں پہ آ کر حسرتیں بھی مر گئیں دل بھی

کہیں ایسا نہو مر جاؤں نہیں حسرت ہی حسرت ہیں
نہ جانے وصل میں کیا تھا ہوا ہے ہجر میں کیا

مر کے دکھلایا کہ اسکا نام ہے انجامِ عشق
عبث دلوں نہیں کدورت کو دوست رکھتے ہیں

لیے ستمگروں سے بڑا انتقام بلہ کو
مردہ وہ حسرتیں ہیں جو تھیں غمگسارِ دل کو

تصور سے دلِ ناشاد اپنا شاد کرتے ہیں
ہماری عمرِ آخر کٹ گئی ساری اسیری میں

کون کہتا ہے کیا تھا تمنے وعدہ وصل کا
پروانہ غم میں شمع تھی رنج و ملال میں

پھر شرمگیں نگہ سے ادھر دیکھ لے ذرا
اسکو ہماری فکر نہ کچھ ہمکو اسکی فکر

دل میں کبھی تو آنکھو نہیں رہتے ہو تم کبھی
مرنے کی اک اُمید پہ جی جائیں بے نصیب

پانی کی اور رائے ہوا کا کچھ اور حکم تو

سب ہی پرور داتنا تھا کہ میرے دلمیں تھا
خود نکل کر یہ مسکے میں بھی کسیکے دل میں تھا

مرنے جینے کا مزہ سب کوچۂ قاتل میں تھا
میں کروں امتحاں انکا وہ کریں امتحاں میرا

یہ ہنس ہنس کے وہ دیکھیں زخمِ قلبِ خونچکاں میرا
پہنچکر آج منزل پر لُٹا ہے کارواں میرا

جو لینا ہو تو لے لو سب سے پہلے امتحاں میرا
جو پھول کل تھے وہ کانٹے ہیں آج بستر پر

کام کہتے ہیں جسے وہ کر گئے ناکامِ عشق
یہ آئینہ ہیں بھلا کب غبار کے قابل

ہمنے شباب میں بھی نہ دیکھی بہارِ دل
ویراں ہے مثلِ گورِ غریباں مزارِ دل

جنھیں تم بھولجاتے ہو وہ تمکو یاد کرتے ہیں
یہی سنتی چلی آئی کہ اب آزاد کرتے ہیں

عذر مجکو کچھ نہیں جھوٹی قسم کھاتے ہو کیوں
دو نو غریب رات کو تھے ایک حال میں

فرق آنجائے گا تری حسن و جمال میں
دل اپنے حال میں ہے تو ہم اپنے حال میں

اب میں ہوں بیقرار کہ تم بے قرار ہو
تم بھی کسی کے غم میں اگر سوگوار ہو

اب کس طرف سفینۂ عمرِ رواں چلے

جاہ - راجہ جنگ بہادر خاں کے۔سی۔آئی۔ای۔ راجہ نان پارہ اودہ۔طبقہ تعلقہ داران اودہ میں بڑے ممتاز اور مقتدر رئیس گذرے ہیں۔ اپنی بیدار مغزی ہوشیاری اور خوش انتظامی سے ریاست کے ہر صیغے میں نمایاں ترقیاں کیں۔ رعایا اور حکام دونوں کو خوش رکھا۔ ۱۳۱۴ھ میں آپ کا دوسرا دیوان چھپا تھا اُسمیں سے چند شعر انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں۔ غزلوں کی نسبت دوہے اور ٹھمری کہنے کا زیادہ شوق تھا۔ آدمی فقیر دوست۔ سادہ مزاج اور خلیق تھے۔ ۱۸۹۱ء میں انتقال کیا۔ مال و جنس کے علاوہ ایک کروڑ روپیہ نقد خزانہ میں اپنے جانشین صاحبزادے کیلئے چھوڑا۔ اب اُنکا بھی انتقال ہو گیا اور ریاست زیر انتظام کورٹ آف وارڈ ہے۔

سُرمہ بنا ہے کوہ تجلی حُسن سے
سوزِ فراق آتشِ رخسار یار نے
بسمل تڑپ تڑپ کے یہ کہتا ہے شوق میں
ہیں حسینانِ جہاں سامنے سب تیرے خجل
ہو قریبِ رگِ جاں گو ہو نہاں نظروں سے

کیا رنگِ ناز طور پر اسے جاں دکھا دیا
تو عشق کی لگا کے مجھے کیوں جلا دیا
اک ہاتھ اور کیوں نہ ستمگر لگا دیا تو
چہرۂ حور کہوں یا رُخِ پُر نور کہوں
اس ادا سے تمہیں نزدیک کہوں دور کہوں

جاہ - نواب سید بنیاد حسین خاں جاہ رئیس اعظم کانپور۔ آپ نواب سید احمد حسین خاں سالک مغفور کے فرزند رشید اور نواب معتمد الدولہ وزیر غازی الدین حیدر اول بادشاہ اودہ کی اولاد امجاد سے ہیں چنانچہ شاہ موصوف نے جو وثیقہ اولاد نواب معتمد الدولہ کے لیے مقرر فرمایا تھا اُس سلسلہ میں زائد از ایک ہزار روپیہ ماہوار آپ کو بھی وثیقہ ملتا ہے۔ اسکے علاوہ زمینداری و دیگر جائداد بھی معقول آپکے ورثہ میں آئی ہے۔ علوم متعارفہ میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔ فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے مستفید ہیں۔ پہلے وقر تخلص فرماتے تھے۔ اب جاہ تخلص کرتے ہیں۔ ماہ صیام ۱۲۸۰ھ آپ کا سال ولادت ہے۔ آپ کی تصانیف سے دو دیوان شایع ہو چکے ہیں۔ اور بیاض نوحہ جات۔ اقتباس الانوار بطور کشکول اور کتاب حدیثین بھی چھپ گئی ہیں۔ شعر شاعری کا شبانہ روز مشغلہ رہتا ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کا مذاق شاعری نہایت صحیح و شستہ ہے۔ عادات و اخلاق میں بھی اپنے بزرگان

محتشم کے قدم بہ قدم ہیں اور رؤسائے قدیم کی ایک عمدہ یادگار۔ اب کئی سال سے مرثیہ گوئی کا بھی شوق ہے۔ کئی برس سے اب اکثر لکھنؤ میں قیام رہتا ہے۔ کلام فصاحت التیام کا انتخاب ملاحظہ ہو

شام سے وصل میں جاگا جو مقدر اپنا — صبح تک یار کے زانو پہ رہا سر اپنا

حیا جائے تو نکلے دل سے ارماں وصلِ جاناں کا — یہ قیدی منہ لگا کرتا ہے زنداں میں نگہباں کا

لہو میں لوٹتے ہیں کشتگانِ خنجرِ الفت — عروسِ مرگ غازہ ملتی ہے خونِ شہیداں کا

متاعِ حسن کی میزاں ہیں آنکھیں عشق بازوں کی — انھیں پلوں میں سونا تلتا ہے رخسارِ جاناں کا

عدم کا راہ رو اب راستے میں رک نہیں سکتا — کفن پایا کہ پروانہ ملا شہرِ خموشاں کا

دمِ رخصت کہاں الفت گئی تھی یاد کر ظالم — جھٹک دینا وہ ہاتھوں کا چھڑا لینا وہ داماں کا

بتوں کی ہے یہ گلی جاہ دیکھ بھال کے چل — سنبھل کے چل دلِ بیتاب کو سنبھال کے چل

نقاب ڈال کے چل چال کچھ سنبھال کے چل — ارے یہ عرصۂ محشر ہے دیکھ بھال کے چل

رخسارِ گلرخوں کے بھی قدرتِ خدا کی ہیں — کیا کیا کھلے ہیں گل چمنِ کائنات میں

شیریں زباں ہو تم نہیں زیبا ہیں گالیاں — کیوں دو کسی کو زہر ملا کر نبات میں

حوروں سے کم نہیں ہیں حسینانِ دہر بھی — جنت کے پھول ہیں چمنِ کائنات میں

دلہائے داغدار کو دے زلف میں جگہ — روشن چراغ ہوں ترے گیسو کی رات میں

جو تڑپائے گا فرقت میں دلِ اندوہگیں مجھ کو — اگل دیگی دفینہ کی طرح فوراً زمیں مجھ کو

بینا نہیں ہے چشمِ بصارت اگر نہ ہو — آنکھیں ہیں دیکھنے کی جو نورِ نظر نہ ہو

آفت کا سامنا تھا بڑی خیر ہو گئی — دل جا چکا تھا بیچ میں چلمن اگر نہ ہو

ظلم کی عادت بڑھی جور و جفا کی خو بڑھی — مشقِ سفاکی بڑھے ہے جتنا ستمگر تو بڑھے

کچھ راستے ملتے جو اشارہ کریں حضور — تیغِ نظر چلے تو چھٹے بھیڑ راہ کی

ہجر میں دے نہ سکا ساتھ ہمارا کوئی — دل جگر دونوں میں نکلا نہیں اپنا کوئی

عاشقوں ہی پہ ہے سارا زور تیرا اے جنوں — قیس دیوانہ ہوا لیلیٰ نہ دیوانی ہوئی

آپ کے جاتے ہی پھر رخصت ہوا صبر و قرار
پھر شکستِ رنگ کی رخ پر بحالی ہو گئی
جب ہوئے گویا لبِ رنگیں بڑھا حسنِ کلام
غازۂ روئے سخن ہونٹوں کی لالی ہو گئی
یاد میں اُس مہروش کے ہجر میں کیں گریاں
لیلیٔ شب دھوپ کھا کر اور کالی ہو گئی
سامنے اس روئے روشن کی بنایا جب فروغ
ایسی سمٹی چاندنی چاندی کی تھالی ہو گئی

جاہ

جاہ ۔ جناب سکندر جاہ صاحب لکھنوی تلمیذ جناب ثاقب بدایونی ۔ حالات باوجود کوشش دستیاب نہیں ہوئے ۔ کلام بہم رسیدہ سے چند شعر منتخب ہو کر درج ہوئے ۔

ساقی ترے کرم کو بہت دیر ہو گئی
لینا خبر کہ نشہ مے ہے اُتار پر
اللہ رے نازِ حسن تری بے نیازیاں
دو پھول بھی چڑھانے نہ آئے مزار پر
ہمارا مال وہ ایک ایک کنکر مول لیتے ہیں
کبھی دل مول لیتے ہیں کبھی سر مول لیتے ہیں
خدا کی یاد میں فانی کہاں ہیں حضرتِ زاہد
یہ حورانِ جناں ہستی مٹا کر مول لیتے ہیں
خدا حافظ ہے ان عشاق کا بازارِ اُلفت میں
بتوں کا حسن ایماں تک مٹا کر مول لیتے ہیں
ہمنشیں چھیڑ کے گذرے ہوئے افسانے کو
اور دیوانہ بنا دیتے ہیں دیوانے کو
تجھ پہ قربان جو ہوتے مجھے دیکھا سرِ بزم
شمع جل جل کے جلانے لگی پروانے کو
عمر بھر ناصحِ نافہم جو سمجھائے گا
راہ پر لا نہ سکے گا ترے دیوانے کو
آ گئے اس دلِ مضطر کے کہے میں ہر بار
ہم یگانہ ہی سمجھتے رہے بیگانے کو
مر نہ جاؤں کہیں گھٹ گھٹ کے قفس میں صیاد
کب سے بے چین ہوں گلشن کی ہوا کھانے کو
دیکھو ہو جائے نہ محفل میں قیامت برپا
کچھ ہنسی کھیل نہ سمجھو مرے تڑپانے کو
بیطرح سر مرے نالوں نے اٹھا رکھا ہے
کیا فلک سے ہے کوئی تازہ بلا آنے کو
محتسب دیدۂ بد بیں سے جو دیکھے اے جاہ
اپنی آنکھوں میں چھپا لوں ابھی میخانے کو
رشکِ اغیار کی اک عمر خلش مٹ نہ سکی
یہ وہ کانٹے ہیں کہ سینے سے نکالے نہ گئے
بیکسی کہتی ہے سنسان ہو کی لحد پر اے جاہ
کچھ بھی دنیا سے یہ حسرت کے سوا لے نہ گئے

جدت

جدت ۔ منشی محمد عزیز الرحمن خاں نام ۔ جدت تخلص ۔ آفریدی سپاہ خیل پٹھان وطن فرخ آباد ۔ خلف الصدق محمد عبد الرحمن خانصاحب ہیڈ کلرک و مترجم عدالت ججی فتحگڈھ ضلع فرخ آباد ۔ چونکہ ان کے والد ماجد حضرت پیران پیر دستگیر کے بدل معتقد اور نیاز گیارہویں کے پابند تھے اس واسطے اِن کا تاریخ گیارہ ماہ پیران پیر کو پیدا ہونا خاندان میں نہایت مبارک خیال کیا گیا ۔

آپ شاعری میں حضرتِ داغ دہلوی کے شاگرد ہیں ۔ ذیل کے ناول اُنکی تصانیف سے ہیں جن میں سے چند طبع ہو چکے ہیں ۔ ماہ کامل ۔ بدر ۔ میاں بی بی کا مکالمہ ۔ رشیدؔ ا ۔ مجیدؔ ا وغیرہ وغیرہ ۔ مدت تک اخبار انیس ہند میرٹھ ۔ اودھ پنچ ۔ لاہور پنچ ۔ آگرہ پنچ وغیرہ کی نامہ نگاری کے ہیں ۔ ذیل کا منتخب کلام اُن کی جولانی طبع کا نمونہ ہے ۔

قتل مجھکو بے خطا بیجا کیا ۔۔۔ یہ تو کہئے آپ نے پھر کیا کیا
کوسا کاٹا گالیاں دیں آپ نے ۔۔۔ میں نے جھوٹوں بھی کبھی شکوا کیا

مرض عشق کا بیمار جو اچھا ہوگا ۔۔۔ لب جاں بخش سے اعجاز مسیحا ہوگا
تم ملو غیر سے میں تم سے ملوں خوب کہی ۔۔۔ کوئی تم سا ہی اگر ہوگا تو ایسا ہوگا

میں نے پوچھا جو مزاج اُنکا تو یہ فرمایا ۔۔۔ آپ کی جان کو ہر وقت دعا کرتے ہیں
منہ کو آنچل سے چھپاتے ہیں حیا کرتے ہیں ۔۔۔ کوئی پوچھے تو بھلا آپ یہ کیا کرتے ہیں
واعظا کون ہے تو ہمکو ڈراتا کیوں ہے ۔۔۔ جس کے بندے ہیں اُسی کی تو خطا کرتے ہیں
اُن کی آمد کی خبر جب سے سنی ہے قاصد ۔۔۔ رات دن بیٹھے ہوئے در کو تکا کرتے ہیں

جو دیکھا گیسوئے پُر شکن کو تو عالم پیچ و تاب میں ہوں ۔۔۔ نکیلی پلکوں نے چھانا تن کو جلا کے قہر و عذاب میں ہوں
نہ جان و تن کی خبر ہے مجھکو نہ فکر درد جگر ہے مجھکو ۔۔۔ یہ بیخودی کا اثر ہے مجھکو کہ جیسے شغل شراب میں ہوں

رہا وعدوں پہ کیوں اپنے نہ ستا ہم کو ۔۔۔ ادہر تو دیکھئے آنکھیں ملا کے

ستائیگی ہماری آہ جانی ۔۔۔ جلیں گے آپ بھی ہمکو جلا کے
سنی جو رنج فرقت کی کہانی ۔۔۔ بہت روئے گلے مجھکو لگا کے

سوال وصل پر بولے وہ جدت
دغا کرتے نہیں گھر میں بلا کے

چالیں چلتے ہیں نئی حشر اٹھانے کے لئے
تربت عاشق ناشاد مٹانے کے لئے

سن کے یہ مژدۂ جاں بخش ہوا شادی مرگ
کہ وہ آئیں گے جنازے کو اٹھانے کے لئے

آپ کی خاکِ قدم کاش مجھے مل جائے
سرمۂ دیدۂ بے خواب بنانے کے لئے

ہائے رے حسرتِ دیدار کہ مرتے مرتے
آنکھ اغماض رہا شکل دکھانے کے لئے

چال اٹکھیلیوں کی چلتی ہوئی آئی بہار
نیند سے سبزۂ خفتہ کو جگانے کے لئے

جدت ۔ جناب مسعود رضا ساکن ۔ مدد پور ۔ بھاگل پور ۔ معلوم نہیں کہ تلمذ کس سے ہے ۔ اشعار ذیل سے پایا جاتا ہے کہ طبیعت دار شخص ہیں اور روزمرہ زبان پر اچھی دسترس ہے ۔

یہ ڈھٹائی نہیں تو پھر کیا ہے
کج ادائی نہیں تو پھر کیا ہے

ہمسے نفرت ہے غیر سے الفت
میرزائی نہیں تو پھر کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور تم بیزار
یہ رکھائی نہیں تو پھر کیا ہے

میں کشیدہ ہوں تم کشیدہ ہو
یہ لڑائی نہیں تو پھر کیا ہے

اُس کے در تک نہ پہونچے گے جدت
جب رسائی نہیں تو پھر کیا ہے

جدت ۔ مستری محمد ابراہیم مقیم شملہ شاگرد شوکت میرٹھی ۔ شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں ۔ استعارہ بندی کی طرف زیادہ میلان ہے ۔ یہ کلام کا رنگ ہے ۔

دل مسکن حبیب تھا دل کا نشاں نہ تھا
حیرت کا ہے مقام مکیں تھا مکاں نہ تھا

کس کی چشم مست نے دل پر چلائی تیغِ ناز
زخم کے انگور میں بھی ہے مزہ انگور کا

شیخ صاحب گر مئے انگور پینا ہے حرام
کس نے جائز کر دیا کھانا تمہیں انگور کا ؟

یہ کہا دل نے کہ میں بھی ساتھ اسی کے جاؤنگا
لے کے خط مجھ سے جو رخصت نامہ بر ہونے لگا

وہ مجھکو قتل کرکے یہ کہتا ہے غیر سے
چکھو تو تم بھی خنجرِ فولاد کا مزہ

سینے میں یادِ دوست ہو اور دم لبوں پہ ہو
ایسی اگر ہو یاد تو ہے یاد کا مزہ

انساں ہے مبتلائے ہوس روح کا ہے قول
مشکل ہے تیرا چھوٹنا دنیا کے جال سے

جدید ۔ منشی سید محمد مہدی صاحب جدید لکھنوی آپ حضرت تعشق مرحوم کے حقیقی بھتیجے اور جناب محمد مرزا انس کے پوتے ہیں ۔ گویا خاندانی شاعر و مرثیہ گو ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری سال ولادت ہے ۔ تیرہ سال کی عمر سے شعر کہتے ہیں ۔ پڑھتے بھی خوب ہیں ۔ محرم کے زمانہ میں حسب معمول خاندان اکثر بیرونجات میں جاتے ہیں ۔ چنانچہ اب کئی سال سے دکن تشریف لیجاتے ہیں ۔ حضور نظام کی خدمت میں بھی باریاب ہو چکے ہیں ۔ مذاق سخن بہت شستہ اور درست ہے ۔ مشق سخن کا پوچھنا ہی کیا ۔ رہی غزل گوئی وہ مرثیہ کے مقابلہ میں کیا چیز ہے ۔ آپ کی زباندانی کی تعریف فضول ہے کیونکہ وہ ان کے خاندان کا حصہ ہے ۔ اسکے علاوہ نزاکت خیال اور مضمون آفرینی بھی آپ کے کلام میں موجود ہے ۔ بہرحال ان کا کلام ہر طرح پاکیزہ اور ستھرا ہے ۔ سن شریف ۴۰ سال کے قریب ہے ۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں جناب تعشق سے تلمذ ہے اور اب تو آپ لکھنؤ میں خود استاد مانے جاتے ہیں ۔

دل ہوا خوں جو ترے تیر کا پیکاں نکلا
طرفہ ماتم ہوا جب گھر سے یہ مہماں نکلا

وہ نہ آئے مرے لاشہ پہ بھی اللہ کرے
یہ تو کہنے میں نہ آئے کوئی ارماں نکلا

حسن وہ جنس ہے ہر ایک جگہ ہوتی ہے قدر
سبب رونق زنداں مہ کنعاں نکلا

ہم نے حسرت سے نظر کی دل مایوس کی سمت
جب سنا یہ کہ کسی کا کوئی ارماں نکلا

لے زہے جوش جنوں آفت رسے اسیری کی ہوس
دم بھی نکلا تو قریب در زنداں نکلا

قاتل نہ تو نے ستم سے تڑپنے کی سیر کی
جو کچھ تھا حوصلہ دل بسمل میں رہ گیا

اسکی نگاہ ناز میں تیزی زیادہ ہو
اک تیر تھا کہ آکے مرے دل میں رہ گیا

دریا گھٹا یہ دیکھ کے اس بحر حسن کو
دھبہ سا ایک دامن ساحل میں رہ گیا

دنیا میں گرچہ میں نہ رہا تو نہیں سہی
ذکر وفا تو یار کی محفل میں رہ گیا

آخر کسی سے راہ محبت نہ طے ہوئی
ہر ایک تھک کے عشق کی منزل میں رہ گیا

عمر سب نفس کی طاعت میں بسر کی ہم نے
ہائے افسوس کبھی دن نہ خدا یاد آیا

دل کو تاراج کیا تو نے قیامت کر دی
تیرا ارماں بھی تھا اسمیں ترا راز بھی تھا

ضبط وحشت کا ہے دشوار ذرا حضرتِ قیس
مختصر کی بات نہیں آبلہ پا ہو جانا ہے

وہ یہ کہتے ہوئے آتے ہیں مری لاش کیساتھ
چاہیئے حقِ محبت سے ادا ہو جانا ہے

ایسا ہے یار حسنِ رخ لاجواب کا
دریا میں ایک پھول پڑا ہے گلاب کا

جاتے ہیں اس خیال سے خود لیکے اپنا خط
ہم انتظار کر نہ سکیں گے جواب کا

عشق میں خاطر سبھوں کی چاہیئے یکساں کریں
دل کے سو ٹکڑے برائے ناوکِ مژگاں کریں

زخم میرے دلِ سوزاں کے سے جاتے ہیں
سب جلے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دیئے جاتے ہیں

اب خبر لیجئے لاش اٹھتی ہے مجبور ہوں میں
سب مجھے آپکے کوچے سے لئے جاتے ہیں

موت سو مرتبہ آ آکے پلٹ جاتی ہے
الٹی سانسیں ترے بیمار لئے جاتے ہیں

ظلم سے اپنے پشیمان ہوا وہ سفاک
آج ٹانکے مرے زخموں میں دیئے جاتے ہیں

اسیرانِ کہن اس ڈر سے کب فریاد کرتے ہیں
کہیں گے آپ یہ سب شکوہ بیداد کرتے ہیں

ترے آنے کا ذکر اوبانیٔ بیداد کرتے ہیں
یہ باتیں بہرِ تسکینِ دلِ ناشاد کرتے ہیں

جہاں میں عاشق و معشوق لاکھ چھوٹتے ہیں
کہیں جو رشتۂ الفت ہیں وہ بھی ٹوٹتے ہیں

مثال نشہ سے نشۂ جوانی تھا
گیا شباب تو اب ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں

رباعی

والی کو یہاں کے شاد و خرم رکھیں
اسلام کا ہے ملک دعا مانگ جدید
دشمن کو سدا ذلیل و برباد رکھیں
محشر تک اسکو حیدرآباد رکھیں

آزمانے کوئی سوزِ عشق کی تاثیر کو
آبلے پڑ جائیں گر چھو لے مری تصویر کو

یہ نالہ پوچھتا ہے مجھ حزیں سے
ملا دوں آسمانوں کو زمیں سے

تیرے بیمار بگڑتے ہیں برا مانتے ہیں
اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حال اچھا ہے

ہے نئی ضد کہ پریشان کرینگے گیسو
جب سنیں گے کہ دلِ بیمار کا حال اچھا ہے

بجا ہے اب جو کہیں لوگ اُن کو ہرجائی — تمام خلق کی آنکھوں میں ہیں سمائے ہوئے
نہ اُٹھتی ایک سے تکلیف مرے لاش اُٹھانیکی — ہوئیں جب بند آنکھیں کیفیت دیکھی زمانے کی
فکر میں بیٹھے ہیں در پر مری لاش آئی ہے — دل سے فرماتے ہیں کیسی مری رسوائی ہے
پھول گر ہو جائیں یہ خوش قسمتی — آپ کانٹے میرے حق میں بو چکے

جدید - جناب محمد امیر صاحب بلگرامی شاگرد جناب مرزا حاتم علی صاحب مہر ۱۸۹۰ء تک حیات تھے - باوجود تلاش زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

عشق کی جب پر عنایت ہو گئی — ہوش زائل عقل رخصت ہو گئی
کیا نظر آیا اُنہیں آئینے میں — کس کو دیکھا کیسی حیرت ہو گئی
خواب میں آیا نظر اُنکا جمال — عین ہشیاری یہ غفلت ہو گئی
کس پری رو پر ہوئے عاشق جدید — کیا ہوا کیوں زرد صورت ہو گئی

جذب - میر عزت اللہ عرف میر بھکاری - مقیم دہلی - بریلی کے معززین میں تھے - علوم رسمی سے آگاہ اور اکثر فنون سے واقف تھے - سرکار کمپنی کی طرف سے عہدۂ جاسوسی پر مقرر تھے اور اسی ذریعے سے سیر و سیاحت میں مصروف رہتے تھے - وسط ایشیا کے نواح میں بخارا کے قریب مارے گئے طبیعت موزوں پائی تھی شعر و سخن کی طرف توجہ تھی - یہ اشعار اُنکے ہیں -

واں صفائی و خود نمائی ہے — یاں مری جان کی صفائی ہے
اے فلک مجھ سے اتنی بے مہری — یہ ترے دل میں کیا سمائی ہے
یاں ہوئے ہم تو جاں بحق تسلیم — واں ابھی عشق آزمائی ہے
جو کہ حلقہ بگوش نتھ کے ہیں — ناک میں اُن کی جان آئی ہے
جذب چل دیکھ آستانۂ یار — ہم ہیں اور اُس کی جبہ سائی ہے

جذب - مولوی عابد حسین صاحب جذب شاگرد منشی جلیل احمد صاحب وجد سلیم المذاق اور طباع شاعر تھے - کلام سے مشاقی ٹپکتی ہے - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - یہ اشعار اُنکے ہیں -

تا زیست تیری سمت خیالِ بشر نہ تھا
تو تھا جدھر گماں بھی کسی کا اُدھر نہ تھا

تیرے سوا کسی کا مرے دل میں گھر نہ تھا
انسان کیا بلا ہے پری کا گزر نہ تھا

ساقی یہاں تو شیشہ و ساغر کا ذکر کیا
خُم کا یہ حال ہے اِدھر آیا اُدھر نہ تھا

اِس سے تو گو تنک بھی نہ چھپا چھپٹا مرا
دشمن تھا جان کا مرے دردِ جگر نہ تھا

مرتے ہی میرے جا کے ملو گے رقیب سے
ان قدموں کی قسم یہ گماں آپ پر نہ تھا

جب تک عزیز جان تھی ہر چیز کا تھا خوف
مرنے پہ باندھتے ہی کمر کچھ خطر نہ تھا

کس زندگی پہ جذبؔ اکڑتے تھے صبح شام
جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر نہ تھا

جذبؔ - حکیم علی حافظ جذب باشندہ حکیم آباد - دورِ موجودہ کے شاعر ہیں - چند شعر درج کیے جاتے ہیں -

گرنہ تھا گھر میں چراغ اپنے تو اچھا نہ سہی
داغ ہی سینے میں ہوتا کہ اُجالا ہوتا

جذبؔ کیوں ناز حسینوں کے اُٹھانے پڑتے
دل ہی قابو میں جو اے حضرتِ والا ہوتا

دل آجائے تو اعلیٰ اور ادنیٰ سب برابر ہیں
جو بجز و ہو وہ کیا دیکھے بلندی کیسی پستی ہے

چل اے دل ہم بھی کچھ سودا کریں بازارِ خوباں میں
سُنا ہے آجکل جنسِ محبت خوب سستی ہے

نہ تو پھولوں کی چادر ہے نہ کوئی شمع ہے روشن
مزارِ بیکساں پر کس قدر حسرت برستی ہے

جراتؔ - مرزا مغل خلف عبد الباقی خاں ابن حمید الدین خاں ساکن نیچہ - مرزا رفیع السودا کے شاگردوں میں سے تھے - زندہ دل - شیریں گفتار اور نہایت قابل شخص تھے - بریلی میں انتقال کیا - زمانۂ وفات صحیح معلوم نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ سنہ ۱۸۴۳ء میں مر چکے تھے - یہ اُن کا کلام ہے -

بھلا تو جھ سے تو کہہ کیا ہوا تجھے اے دل
جو اس طرح سے تو رہتا ہے بیکے لال پڑا

نپٹ ہی حال پریشاں ہے آج سنبل کا
چمن میں آہ یہ کس زلف کا ہے بال پڑا

کیوں نہ ہو ویں جان و دل سے ہم نثارِ آئینہ
عکس ہے مکھڑے کا تیرے ہم کنارِ آئینہ

روبرو ہوتے ہی مفتوں کر لیا اُس شوخ کو	دیکھیو ٹک غور سے جرأت تو کارِ آئینہ
غیروں کا گر میں شکوہ یارو کروں عبث ہے	سو دشمنوں کا دشمن دل ہے یہ پاس میرے
جوں برگِ گل جھڑے ہیں گلشن میں زیرِ گلبن	لختِ جگر پڑے ہیں یوں آس پاس میرے

جرأت

جرأت ۔ یحییٰ امان عرف قلندر بخش ۔ اکبر آبادی مشہور ہیں مگر اُنکے باپ حافظ امان خاص دہلی کے رہنے والے تھے تمام تذکروں میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان کا سلسلہ رائے امان عہدہ دار محمد شاہ سے ملتا ہے ۔ دہلی میں گھنٹہ گھر کے قریب رائے امان کا کوچہ اُنہیں کا بنایا ہوا ہے ۔ جرأت جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے ۔ فن شعر کے علاوہ نجوم اور موسیقی میں اچھی دسترس حاصل تھی ستار خوب بجاتے تھے ۔ میاں جرأت ۱۲۱۵ھ میں دہلی سے لکھنؤ پہنچے اور مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہِ عالم ثانی کی سرکار میں ملازم ہوگئے ۔ وہاں میر انشاء اللہ خاں اور مصحفی سے اکثر صحبتیں رہتی تھیں ۔ ایک مرتبہ تنخواہ میں دیر ہوئی حسن طلب میں ایک غزل کا مقطع کہا ؎

جرأت اب بندہ ہے تنخواہ تو کہتے ہیں یہ ہم	کہ خدا دیوے نہ جبتک تو سلیماں کب دے

فارسی کا ترجمہ ہے "تا خدا ندہد سلیماں کی دہد" پھر کچھ عرصے بعد نواب حافظ رحمت خاں کے بیٹے نواب محبت خاں کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک ہو گئے ۔ اُسوقت میں یہ شعر کہا ؎

بسکہ گلچیں سے تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے	ہو گئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

جناب جرأت کے واقعات زندگی میں یہ قابل افسوس واقعہ ہے کہ عین جوانی میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے ۔ بعض کا یہ قول ہے کہ یہ حادثہ چیچک سے ہوا ۔ بعض مشہور کرتے ہیں کہ پہلے یہ اندھے نہ تھے بعض موقعوں پر شوخیِ طبع کے اقتضا سے مشقیہ اندھے بنے پھر دیکھتے دیکھتے فی الواقع نابینا ہو گئے ۔ اگرچہ بصارت ظاہری سے معذور تھے ۔ مگر رنگین اور پُرلطف مضامین خوب سوجھتے تھے ۔ اُس زمانہ کے لوگوں نے جو اُن کے حالات لکھے ہیں اُن سے پایا جاتا ہے کہ ان کے اور ان کے ہم عصر شعرا انشا قتیل وغیرہ کی امرا ایسی قدر کرتے تھے کہ گھر بیٹھے رزق پاتے تھے ۔ آج ایک امیر کے ہاں ہیں دو دن دوسرے امیر وہیں آئے اور اپنے

ساتھ سوار کرا کر لے گئے۔ چار پانچ دن وہاں رہے کوئی اور رئیس آگئے وہ لے گئے۔ جہاں جاتے ضروری عیش و آرام سے زیادہ عیش کے سامان مہیا ہوتے۔ رات دن قہقہے چہچہوں میں وقت گزارتے بلبل و طوطی کی طرح جلسے بہ جلسے تھے ان کا کلام خاص جو ہر معاملہ بندی ہے جسنے انکی حیات ہی میں انکا نام خوب چمکا دیا۔ عاشقی کے راز و نیاز اور کوچہ عشق کی راہوں سے باخبر تھے۔ اسی سے جو کچھ زبان قلم سے نکلتا تھا دلوں میں گھر کر لیتا تھا۔ کلام صاف شستہ بندش چست۔ ان کے اشعار سر تا سر چہچہے کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ اور پھر مزا یہ کہ لطف محاورہ کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ باوجود کم علمی کے فن شعر کا ایسا ملکہ راسخہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے معرکوں میں کبھی کسی ہمعصر سے دب کر نہیں رہے۔ بلکہ بیشتر تو یہی ہوا کہ میدان ان کے ہاتھ رہا۔ ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا۔ شیخ ناسخ نے انتقال کی تاریخ کہی ؎

جب میاں جرأت کا باغ دہر سے	گلشن فردوس میں جانا ہوا
مصرع تاریخ ناسخ نے کہا	ہائے ہندوستان کا شاعر موا ۱۲۲۵ھ

غزلگوئی میں میاں جرأت میر تقی میر کی طرز کے معتقد تھے اور ان کی فصاحت و سادگی پر انہوں نے اپنی شوخی اور بانکپن کا حاشیہ ایسا چڑھایا کہ جسنے پسند عام اور شہرت دوام کا تمغہ حاصل کر لیا انکی حیات ہی میں کلام کی دہوم مچ گئی۔ بازاروں میں لوگ شعر پڑھتے پھرتے تھے اور خاص علمی صحبتوں میں بھی اکثر اشعار شوق سے پڑھتے اور سنے جاتے تھے ان کی طرز خاص انہیں کا ایجاد ہے۔ ان سے تین ضخیم دیوان یادگار رہے۔ راقم تذکرہ کے کتب خانہ میں جو انکی تصانیف کا ذخیرہ ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ ایک ضخیم کلیات کامل ۱۴۰۰ صفحہ کا دوسرا کلیات نہایت خوشخط اور صحیح نواب جھجر کے کتب خانہ کا قریب ۱۰۰۰ صفحہ کا اور اسی طرح ۳ نسخے اور متفرق عمائد کے کتب خانوں کے موجود ہیں۔

حضرت جرأت کی زندہ دلی اور ہر دلعزیزی کے لطائف اور ظرائف اکثر لوگوں کے زبانزد ہیں اسلئے یہاں صرف ضروری حالات کے اندراج پر اکتفا کیا گیا۔

انتخاب کلام جرأت

شمع ساں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
ہوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

تجھکو ہم اسلیے کہتے تھے کوئی دم مت جا
جل بسے ہم نہ ترے چلتے ہی چلتے دیکھا

اس کا بیمار نہ نکلا کبھی گھر سے جرأت
گھر سے تابوت ہی آخر کو نکلتے دیکھا

جستجو میں دل کے بہلانیکی جی کھونا پڑا
جو ہنسی کی بات تھی اسکا ہمیں رونا پڑا

کوئی دل مانگے تھا۔ تو کہتے تھے ہم منہ دھو رکھو
سو یہ کہتے کہتے اب انکو نسے منہ دھونا پڑا

دل کے لگجاتے ہی جی تن سے ہمارے نکلا
جی لگانیکا تھا ارمان سو بارے نکلا

غرق ہو بحرِ محبت میں جو ہے طالب پار
کہ نہ موتی کبھی دریا کے کنارے نکلا

اب گذارا نہیں اس شوخ کے در پر اپنا
جسکے گھر کو یہ سمجھتے تھے کہ ہے گھر اپنا

پوچھو نہ کچھ سبب مرے حالِ تباہ کا
الفت کا ہے ثمر یہ نتیجہ ہے چاہ کا

بتر سے مریضِ غم کی زباں پر نہیں کچھ اور
ایک تار بندھ گیا ہے مگر آہ آہ کا

تشبیہ کس مزے سے ہیں لذت کو اسکی دو لب
کچھ دل ہی جانتا ہے مزا دل کی چاہ کا

مت یہ گھبرا کر کہو اب یاں سے بندا جائیگا
کوئی مرجائیگا صاحب آپکا کیا جائیگا

رات کیا کیا مجھے ملال نہ تھا
خواب کا تو کہیں خیال نہ تھا

بزم میں کل نگہِ مست سے اسکی یارو
کون ایسا نظر آیا کہ جو مدہوش نہ تھا

چین کیا پوچھنا ہستی میں خاک
جو یہاں آیا مکدر ہی گیا

غمِ فراق سے جرأت نہ اسقدر گھبرا
کہ وصل صبح نہیں ہے تو شام ہو ویگا

گرمی سے رخ کی یوں دلِ دیوانہ جلگیا
شعلے سے جیسے شمع کے پروانہ جل گیا

لکھتے ہی سوزِ غم نہ فقط خامہ جل گیا
لو حرفِ نامہ بر بھی معہ نامہ جل گیا

مرگیا کل ہی جرأتِ بیمار
تو عیادت کو اسکی آج آیا

لگتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
آنکھوں کو پڑ گیا ہے مزا انتظار کا

چشم وا کرتے ہی نرگس کی طرح کملائیے
چمن دہر کا کچھ ہمنے نظارا نہ کیا

کوئی جہاں میں مجھکو بھی منہ لگاتا آہ
برنگ نے مرے نالوں میں گر اثر ہوتا

فصل گل گرچہ ہزار آئی پر اپنا جرأت
دل پژمردہ نہ جوں غنچۂ تصویر کھلا

کس گھڑی سے وہ ہمیں در پہ نظر آیا تھا
سر پٹکتے ہیں پڑے ہم پس دیوار اپنا

لب ساغر سے ملا مست لب گلگوں اپنا
غنچہ ساں رشک سے کب تک میں پیوں خون اپنا

کیا پیغام آکے یہ تو نے صبا دیا
مثل چراغ صبح جو دل کو بجھا دیا

گر لگی آتش ہجر سے دل و جگر کو کیا ہوا
اشک بے ترکیوں تھم رہے ہیں چشم تر کو کیا ہوا

یہی کہتا ہوں جب سے اے جرأت
کوچۂ یار مجھ سے چھوٹ گیا

کس بیاباں میں آہ لائے نصیب
گل و گلزار مجھ سے چھوٹ گیا

جوں حباب اس بحر میں ہستی کی لگتے ہی ہوا
ٹکڑے ٹکڑے سو جگہ سے اپنا پیراہن ہوا

چین اس دلکو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

گو پھول پھول کر اب تو دیکھتی ہے بلبل
گلشن کا پر نظارا معلوم ہو رہیگا

اور تو کیا مشغلے ہیں ہجر میں تیرے مگر
دل کی بیتابی سے سو سو بار اٹھنا بیٹھنا

اسکی اک آواز تو سن لیویں آ کے بیٹھے
گر میسر ہو پس دیوار اٹھنا بیٹھنا

جام مے کی نہیں اب ہمکو طلب اے ساقی
بس تری آنکھ دکھانے ہی نے بیہوش کیا

کیوں ہو حیران سے کیا آئینہ دیکھا پیارے
کچھ تو بولو کہ تمہیں کسنے خاموش کیا

بھری ہے حسرت دیدار دل میں دم ہے آنکھوں میں
خدا کیواسطے جلدی اب آ بیداد گر آنا

گئے وہ دن کہ واں جاتے تھے اور پردہ اٹھاتے تھے
میسر اب نہیں چوری چھپے بھی بات کر آنا

کون دیکھیگا بھلا اس میں ہے رسوائی کیا
خواب میں آنے کی بھی تمنے قسم کھائی کیا

اب بھی اے ساقی گلفام ہمیں بھول گیا
سبکو بھر بھر کے دیئے جام ہمیں بھول گیا

جب تلک دل نہ لیا تھا تو کبھی آتا تھا
دل کے لیتے ہی وہ خود کام ہمیں بھول گیا

کوئی ایسی نہ شب گذری جو ٹوٹے تار رونیکا
ہوا ہے شمع ساں جب سے مجھے آزار رونیکا

سبھی باغِ جہاں میں مثلِ گل خنداں ہیں پر ہنستا
فلک نے شبنم آسا ایک ہمیں کو کار رونیکا

یہی رونا ہے گر منظور جرأت
تو بینائی سے تو معذور ہوگا

یاد ہیں کا ہو رہے گا یا عدم کو جائیگا
پھر نہیں پھرنے کا اس کوچے میں اب جو جائیگا

گلشنِ گیتی میں جو آوے گا کیا پاویگا یاں
غنچہ ساں کچھ اور اپنی گانٹھ کا کھو جائیگا

رو برو ہے سوزِ غم کے یوں تنِ لاغر مرا
حال جو شعلے کے آگے ہو خس و خاشاک کا

گر کرے پروازِ اوجِ عرش پر جرأت تو کیا
خاک میں ملجائیگا آخر یہ پتلا خاک کا

گر وہ آئینہ پاتا ہے جیسا دیکھ لو تم
حسن یہ آپ کا مجھ خاک بسر سے چمکا کو

صبح ہوتے ہی جو وہ غائب ہوا مہتاب سا
وصل کی یہ رات تھی یا میں نے دیکھا خواب سا

یہ سوادِ شہر اور ایسا کہاں حسنِ ملیح
شش جہت میں ملک دیکھا ہی نہیں پنجاب سا

شعلۂ برق و شرر کو میں نے دیکھا پر کوئی
بیقراری میں نہ دیکھا اس دلِ بیتاب سا

رخ جو پردے سے وہ رشکِ قمر کا نکلا
نہیں معلوم کہ چھپا نہ کدھر کا نکلا تو

زلف و رخ کی جو گیا یاد میں دل کھو جرأت
شام تک بھی نہ پھر آہ سحر کا نکلا۔

کیا خلل آپس میں یہ اسے شوخ پُرفن کر دیا
دلکو میرا اور مجھکو دل کا دشمن کر دیا

دل جو غم کھایا کیا وہ غم مجھے کھاتا رہا
جب تلک جیتا رہا میں دل سے دکھ پاتا رہا

کیا خزاں نے رنگ گلشن کا یہ بلبل کر دیا
ہوتے ہی روشن چراغِ گل کو بے گل کر دیا

برہم کبھی قاصد سے وہ محبوب نہ ہوتا
گر نامہ ہمارا اسے مکتوب نہ ہوتا

خوبانِ جہاں کی ہے ترے حسن سے خوبی
تو خوب نہ ہوتا تو کوئی خوب نہ ہوتا

شمع ساں جینے کی زبان و دراز
اسکا قصہ ہی مختصر دیکھا

ہم اسیرانِ قفس کیا کہیں خاموش ہیں کیوں
رہ گئی اپنی جاں لب پہ یاد صیاد تجھکو کیا

نکلے ہے بیخودی ہی کا کلمہ زباں سے
نالہ بھی نہ ہم یاد وہ کسانئیں ہو گیا

خجل ہوں باغباں سے میں نہالِ خشک ہوں ایسا
نہ بیٹھا کوئی سایہ میں نہ کچھ مجھسے ثمر پایا

مجھو نہ سمجھو تن پہ میرے پھکتا ہے دھواں
دل نہیں پہلو میں اک دہکے ہے انگارا پڑا

پر وہ مست نشہ سے اٹھتا نہ زنہار
مجھ میں اوسان نہیں رہنے کا

گل کو کیا روتی ہے تو اے بلبل
یہ گلستاں نہیں رہنے کا جز

سینے میں آج نالۂ دل کی صدا نہیں
ہے ہے قفس سے مرغِ خوش آہنگ اڑ گیا

وہی سمجھے گا میرے زخمِ دل کو
جگر پر جسکے اک ناسور ہوگا

ہستی ہے جوں حباب یہ کم غافلو کو آہ
کتنا کچھ اعتبار ہے بے اعتبار کا

آوارہ یوں ہوا کہ صبا اور نسیم نے
پایا کہیں نہ کھوج ہمارے غبار کا

جز حسرت اب اسکے اثنیہ بالکل ہوئی جو یاس
احوال کیا کہوں دلِ امیدوار کا

رتبہ گل بازی کا دلا کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا

کلمہ پھرے ترا جسے دیکھے تو بھر نظر
کافر اثر یہ ہے تری کافر نگاہ کا ہو

سوزِ دل سے حال یہ تھا شب یہ غمناک کا
صبح بستر پر جو دیکھا ڈھیر تھا اک خاک کا

نزع میں بھی تری صورت کو نہ دیکھا افسوس
مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا

بسکہ لکھی تھی ہیں حالت دلِ گم گشتہ کی
کھو کے قاصد ہر اک مکتوب کہیں بیٹھ رہا

کیا اس گھر میں جو جا سینے میں گریہ وزاری کا
آگئی صبر اسکی جان پر اس بیقراری کا

کی کشمکشی جو سینے نے سہی تو کیا کہیں
شعلے اٹھے یہ دل سے کہ سینہ جل گیا

نہ پوچھ حقیقت یعقوب پوچھو کنعاں میں
بغیر یوسفِ مصری جو کارواں پہنچا

پھر کبھو سوتے میں بوسہ کیوں لیا تونے بھلا
گو نہ تہمت پر مزا کیا ہے اس بہتان کا

ادھڑ جاتے ہیں ٹانکے سینۂ زخمِ جگر کے سب
تصور جبکہ گذرے ہے کسیکے مسکرانے کا

خدا جانے کریگا چاک کس کسکا گریباں ہمکو
ادا سے انکا چلنے میں اٹھا لینا یہ داماں کا

یہ وفا کی سینے لیتے مجھے کہتے ہیں بیوفا ہو
مری بندگی سے صاحب یہ ملا خطاب الٹا

نہ آیا اس فلک کو اور کچھ آیا تو یہ آیا
گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روزِ ہجراں کا

ق
عزیزو کیا حقیقت پوچھتے تم ہو گے جرأت کی
عجب احوال دیکھا ہم نے کل اس خانہ ویراں کا

بڑھے تھے موئے سرتاپا لباسِ تن تھا عریانی
بچھایا بستر اتھا خاک پر خارِ مغیلاں کا

کبھی اُٹھ دوڑتا تھا گاہ کانٹوں پہ وہ لوٹے تھا
نہ تھا کچھ ہوش اس وحشی کو اپنے جسم اور جاں کا

نہ کرتا تھا کسی سے بات لیکن اک یہی مطلع
ہوا اور دِ زباں تھا اس مریضِ دردِ ہجراں کا

کچھ ایسا کر گیا بیہوش جانا مجھ کو جاناں کا
نہ جی کو ہوش ہے دل کا نہ دل کو ہوش ہے جاں کا

جگر سے نکلے ہیں شعلے سرشک آنکھوں سے
چلے یہ لے کے کہاں کاروانِ آتش و آب

بلائیں ہاتھوں سے لینے جو لیں تمہاری رات
بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

شبِ فراق کٹے کس طرح سے اے جرأت
یہ رات وہ ہے کہ کہتے ہیں جس کو بھاری رات

بلبل سنے نہ کیونکہ قفس میں چمن کی بات
آوارۂ وطن کو لگے خوش وطن کی بات

سر دیجے راہِ عشق میں پر منہ نہ موڑیے
پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

چلی آتی ہے ناداں صبحِ پیری
جوانی کی گنوا مت بے خبر رات

دل لڑا جس سے ہے آنکھیں بھی لڑاؤ اس شوخ سے
ہم سے کرتے ہو لگاوٹ کے اشارات عبث

فردا یہاں سے کوچ ہے بس ہم نے شب کی شب
جوں شبنم اس چمن میں کیا ہے قیام آج

مرہم پذیر کون ہے گھاؤ جو نہیں
ہر ایک زخمِ تیغِ زباں کا نہیں علاج

دل کو اے عشق سوئے زلفِ سیہ فام نہ بھیج
رہزنوں میں تو مسافر کو سرِ شام نہ بھیج

بھڑکے ہے آتشِ غم یاں اپنے تن کے اندر
ہر دم نئی تپش ہے داغِ کہن کے اندر

گردش سے طالعوں کی جوں مردمانِ دیدہ
گویا ہے شامِ غربت صبحِ وطن کے اندر

یہ سوزِ عشق سے ہے تپش اپنی جان پہ
اک آہ کی تو پڑ گئے چھالے زبان پہ

کیا جانے کیا لائے فلک پیکرِ گل پہ
پوچھے نہیں روتی ہے شبنم سرِ گل پہ

ہم اس طرح رہے یارانِ رفتگاں سے دور
غریب جوں کوئی رہ جائے کارواں سے دور

شامِ فرقت یا الٰہی یہ کدھر سے آگئی — مر چلے ہم اس بلائے ناگہاں کو دیکھ کر
گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو — کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر
اگرچہ اور بھی ہیں خوبرو پر حُسن کا تیرے — جہاں میں شور ہے ایسا نمک ہے تیرے چہرے پر
وہ ہنس ہنس کے کافر مری چشمِ تر پر — نمک چھڑکے ہے زخم ہائے جگر پر
آتشکدہ میں دہر کے رہ سرنگوں کہ یاں — جوں شمع سر اُٹھاتے ہی لگتی ہے سر کو آگ
جل کے آغازِ شبِ وصل ہی میں خاک ہوئے — شکلِ پروانہ ہوا اپنا یہ انجامِ وصال
ہے یہ مشکل کہ ملیں اُس بتِ مغرور سے ہم — دوسرے تیسرے دیکھ آتے ہیں ٹک دور سے ہم

مثلِ آئینہ باصفا ہیں ہم — دیکھنے ہی کے آشنا ہیں ہم
دل کے ہاتھوں نے اے میاں جرأت — زندگانی سے بھی خفا ہیں ہم

نقشِ پا تیرے برنگِ گل نظر آئے مجھے — یہ حنا ہے یا رنگے ہیں خونِ بلبل سے قدم

ہے یہ اُس کے نقاب کا عالم — ماہ پر جوں سحاب کا عالم

ایکدن کا ہو جو رونا تو کہیں جرأت ہم — یاں تو روتے ہی کٹے زیست کے ایام تمام
کیا کہیں فرقت میں تری آہ اے آرامِ جاں — کن دکھوں سے کاٹتے ہیں آہ ساری رات ہم
اک نالہ کھینچ بلبلِ مسکین رہ گئی — گلچین چمن سے لے گئے گل توڑ کر تمام
کل واقفِ کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات — جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم
ق
کیا جانئے کمبخت نے کیا مجھ پہ کیا سحر — جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم
خیالِ خواب کہاں سوزِ غم سے جلتے ہیں — تمام رات پڑے کروٹیں بدلتے ہیں
رکھیں ہیں سوختۂ عشق سوزشِ ازلی — کچھ آجکل سے نہیں سوزِ غم سے جلتے ہیں
ق
بسانِ اخگر و برق و شرار و شمع و چراغ — یہ دل جلے تو نصیبوں کے جلے بلتے ہیں
دخترِ رز کی ہے جو کچھ عشوہ گری شیشے میں — کسنے اس ناز سے دیکھی ہے پری شیشے میں
ہو کے آزردہ جو وہ ہم سے پرے پھرتے ہیں — ہاتھ ہم اپنے کلیجے پہ دھرے پھرتے ہیں

خانہ پرورِ قفس ہم ہیں اسیر اے صیاد
تو بتا دے ہمیں پرواز کسے کہتے ہیں

بعد مرنے کے مری لاش پہ لانا اسکو
ابھی مت پوچھ کہ اعجاز کسے کہتے ہیں

ناتوانی پہ کچھ اپنا زور چلتا ہی نہیں
دل پہ سو صدمے ہیں لیکن دم نکلتا ہی نہیں

اُسکے شمع حسن سے دل تھا منور اب تو آہ
ایک مدت سے چراغ اس گھر میں جلتا ہی نہیں

قدم میں ناتواں جب اُسکے کوچے سے اٹھاتا ہوں
تو شکلِ نقش پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

دل ہی اس کافر کا پتھر ہو تو کوئی کیا کرے
ورنہ ایسی آہِ سوزاں بے اثر میری نہیں

اب تو دن رات کے رونے کی بدولت او اے
پانی پی پی کے لگے کوسنے ہمسائے ہمیں

ایک گھر میں بھی کبھی ملکے نہیں بیٹھے ہیں
ہم کہیں بیٹھتے ہیں آپ کہیں بیٹھتے ہیں

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں
تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں

کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ
چشم حسرت سے کہاں تک دمبدم دیکھا کریں

عجب درد فرقت سے غم دیکھتے ہیں
نہ سنتے تھے کانوں سو ہم دیکھتے ہیں

آنے کی خبر سنے اُن کے لیکن
آتا نہیں اعتبار دل کو

عبث انگڑائیاں لے لیکے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو کچھ ہے سو رہو گر نیند آئی ہو

ایسے بیدردوں کے مجھکو دام میں لایا ہے چرخ
کوئی تو کہتا ہے اسکے توڑ کر پر چھوڑ دو

ق

اور کوئی بیدرد یوں کہتا ہے بیدردی سے آہ
جو تماشا دیکھنا ہے ذبح کر کر چھوڑ دو

میں کہا دیکھی ہے میں نے خواب میں آکے یار
دوستو مجھ سے کہو اس خواب کی تعبیر کو

ق

آہ اس مذکور کو سنتا تھا وہ قاتل کہیں
آن پہنچا سر پہ میرے کھینچکر شمشیر کو

جی دیا ہمنے تو پہلے ہی ترے ناز کے ساتھ
اپنا انجام ہوا عشق کے آغاز کے ساتھ

گئے دنیا سے الفت میں ثمر دیکھا تو اتنا کچھ
جلا دل آہ میں ہمنے اثر دیکھا تو اتنا کچھ

قیس و فرہاد کی تھی ایک ہی منزل لیکن
وہ بیاباں کی گیا راہ وہ کہسار کی راہ

نہ وہ دن ہیں نہ وہ راتیں نہ وہ چرچے نہ وہ باتیں
کسے اس گلشنِ دل کی ہمارے سیر خوش آوے

پتنگ دل کے جو ہاتھوں نے تھامیں جیز سر
مت پوچھ اشک میرے یوہیں ہیں تسلسل

کلیدِ آہ سے قفلِ لبِ خاموش کھلجاوے
چڑھا اک سا غم سے کچھ تو آنکھوں میں لگا کہنے

احوال کچھ نہ پوچھ کہ کل نبض پر مری
کیجو فغاں تو عندلیب نالہ و پرخراش سے

جب چلے حسرت بھرے کوچے سے ہم دلدار کے
تجکو منظور ہے سیرِ شبِ مہتاب تو پی

نہ مطرب ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے
کہ غیر از داغِ حسرت یاں کوئی گل ہے نہ لالا ہے

ہوئے جدا نہ موئے پر بھی ہاتھ سینے سے
یہ ہار موتیوں کا اے آستیں نہ ٹوٹے

تو بستہ ہے پھر جو اپنے دلمیں جوش کھلجاوے
پیئے اور ایک دو پیالے تو وہ بیہوش کھلجاوے

رکھتے ہی ہاتھ چھوٹ گئیں نبضیں طبیب کی
صورتِ گل ہزار دل اپنے ہوں پاش پاش سے

رو دئے ہم کیا کیا گلے ملکر در و دیوار سے
گر زیادہ نہیں اک جام مئے ناب تو پی

نہ ہمدم کوئی ہے نہ اب ہمنشیں ہے
نہیں آہ و زاری یہ بیوجہ جرأت

بُرے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے
گرفتار شاید ترا دل کہیں ہے

چھوڑا گلزار سے دُور اور پر بلبل کترے
نقدِ دل کھو کے جو بیتابیٔ الفت پائی

تو نے اس باعثِ دم بھرنے کی مہلت پائی
وصل کے دن بھی میں کانپ اٹھتا ہوں بیٹھے بیٹھے

پختہ مغزانِ جنوں میں آپ کو کہتا ہے تو

اے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے
بس غنیمت ہے بڑی ہمنے یہ دولت پائی

اے صبا ہمنے تو اتنی بھی نہ مہلت پائی
یاد آتے ہیں وہ صدمے جو شبِ ہجراں کے

ہم تو دیوانے ہیں جرأت اس خیالِ خام کے

ہم بھی اس باغِ جہاں میں شب کی شب مہماں ہیں
مثلِ شبنم صبح کو گریہ کناں اُٹھ جائیں گے

ق

تھا جی میں یہ کہ تجھ سے بگڑ جائیے اسلئے
پر کیا کہوں کہ اپنا سا منہ لیکے رہ گیا

میں نے کہا کہ غیر سے پھر تم میاں ملے
آنکھیں ملا کے جو یہ کہا اُسنے ہاں ملے

دُور چھوڑا ہمیں گلشن سے یہ رونکی ہے جا | کہ سزاوار اسیری بھی نہ ہم ہائے ہوئے
دلِ وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنیکی | دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی
چاہ کی چتون مری آنکھ اُسکی شرمائی ہوئی | تاڑلی محفل میں سب نے سخت رسوائی ہوئی
اُس پردہ نشیں سے کوئی کس شکل بر آئے | جو خواب میں بھی آئے تو مُنہ ڈھانک کر آئے
چھوڑا اپنے گرفتاروں کو صیاد سمجھ کر | جاتی نہ رہے جان رہائی میں کسیکی
جی خاک میں ملایا تمہارے فراق نے | اچھا غرض سلوک کیا ہے آپ نے
ہے کسکا جگر جسپہ یہ بیداد کروگے | لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے
بھلا پھر اُسکے اُٹھانے میں کیوں نہ دیر لگے | کسی کی موت لیکے جو انتظار میں آئے
نہ پوچھ مجھسے وہ عالم کہ صبح نیند سے اُٹھ | جب انکھڑیوں کو وہ ملتے ہوئے خمار میں آئے
سرسری اُسنے ملاقات ہے گاہے گاہے | صحبتِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے
رونے میں اور آتشِ الفت بھڑک اُٹھی | اب اس لگی کا دل سے بجھانا محال ہے
غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہے | ہے اسی عالم میں لیکن اس کا عالم اور ہے
غم سے گھٹنا یہ مرا سب میں بڑھاتا ہے تجھے | جو مجھے دیکھتا ہے دیکھنے جاتا ہے تجھے

جرأت

جرأت ۔ پیر محمد مراد آبادی۔ مرغ نامہ آپ کی تصنیف سے مشہور و معروف ہے پس اک شعر آپ کا ملا جو تبرکاً درج کیا جاتا ہے ۔

بس اے قاصد تری معلوم ہوئی لسّانی | رو بروئے داد وسکی زباں کو بھی ہلایا نہ گیا

جرّار

جرّار ۔ مرزا حسین بیگ جرّار باشندہ فیض آباد شاگرد رشید تدبیر الدولہ منشی اسیر لکھنوی فن سپہ گری کا شوق تھا مرد قانع اور آزاد منش تھے ۔ عربی فارسی کی استعداد اچھی تھی۔ فن سخن کے دلدادہ اور اپنے اُستاد سے نہایت الفت رکھتے تھے ۔ انکی وفات کے بعد انکی وصیت کے بموجب حضرت اسیر نے جملہ کلام نظر ثانی فرما کر ۱۲۹۰ھ میں چھپوا دیا ۔ دیوان میں سے کچھ اشعار منتخب ہو کر حوالۂ قلم ہوئے ۔ رسائی فکر اور خوش گوئی کلام سے ہویدا ہے

اسیرانِ قفس جب ہو گئے بیدست و پا چھوڑا ۔ کتر کر بال و پر صیاد گر چھوڑا تو کیا چھوڑا

ہمیں جب تاب و طاقت روح کیونکر جسم میں ٹھیرے ۔ شکستِ بادشہ ہے فوج نے جب مورچہ چھوڑا

خیال پر مظلوم کے ظالم کو کب آتا ہے رحم ۔ نالۂ بلبل سے دل دکھتا نہیں صیاد کا

خفا صیاد و گل آزردہ گلچیں دشمنِ جاں ہے ۔ اب آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا انجام بلبل کا

شیخ عمامہ و جبہ جو پہنکر آئے ۔ ہنس پڑے رند کہ ہولی کا تماشا آیا

کوئی اتنا تو پوچھے نزع میں جاکر سکندر سے ۔ کہ چھوڑا گھر میں کیا ہمراہ اپنے لیچلا کیا کیا

برآئی کچھ تری امید اے شیریں جو دنیا میں ۔ تو تجھکو اے شیریں لازم ہے قبر کوہکن ہونا

بہار آئی ہے ایک عالم نظر آتا ہے گلشن پر ۔ جوانانِ چمن نازاں ہیں کیا کیا اپنے جوبن پر

عشقِ گل سے ہے عجب رفعت و شانِ بلبل ۔ تختہ ہے تختۂ گل آہ نشانِ بلبل

جان صدقے کرے سرو قد مو پہ وارے بلبل ۔ خون کیونکر سرِ قاتل سے اُتارے بلبل

ہوا چھریوں سے اپنوں ہی کے مجروح ۔ شہیدِ تیزیِ تیغِ زباں ہوں

گل سے نہ کام ہمکو غنچے سے اس چمن میں ۔ بوئے وفا ہو جس میں اُس دلکو ڈھونڈتے ہیں

زہر ہے آبِ بقا عشق کے بیماروں کو ۔ دمِ عیسیٰ ہے دمِ تیغ دل افگاروں کو

عوض نیکی کا نیکی ہے بدی کا ہے بدی بدلا ۔ مثل ہے دودھ کا ہے دودھ اور پانی کا پانی ہے

مریضِ عشق کیا قبر کے مردے جلا دیتے ۔ جو کہکر قم باذنی آپ اک ٹھوکر لگا بیٹھے

جوشِ جنوں نے رنگ اُڑا لے بہار کے ۔ داغوں نے گل چراغ کئے لالہ زار کے

زاہد اگر ہے طالبِ جامِ مئے طہور ۔ کھلوا دے مے سے روزے کسی بادہ خوار کے

بلبلو نہیں شور ہیں باہم مبارکباد کے ۔ کیا بہار آئی پھرے دن گلشنِ ایجاد کے

ذرۂ ہیچمداں کو خورشید سے کیا ہمسری ۔ کیوں نہوں حیراں صدقے حضرتِ اُستاد کے

جوہری ۔ منشی محمد ابراہیم خاں تلمیذ حبیب کنتوری ۔ حیدرآباد دکن کے رہنے والے اور دور موجودہ کے ایک موزوں طبع شاعر ہیں ۔ نسیمِ دکن میں چند غزلیں نظر سے گذریں اُنکا

انتخاب حاضر ہے۔

طاقت نہیں جو صدمۂ فرقت اُٹھاؤں میں	بس اب ملادے خاک میں آسماں کہیں
ناصح کو سوزِ آتشِ فرقت کی کیا خبر	دوزخ جلے جو دیکھ لے یہ گریباں کہیں
الفت ہوئی ہے جب سے کسی رشکِ ماہ سے	سینکتے ہیں آسمان مری دودِ آہ سے
تڑپے نہ کس طرح صفتِ برق دل مرا	بسمل ہوا ہے یہ تری تیغ نگاہ سے

جعفر۔ میر جعفر زٹل۔ ان کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک صاحبِ مذاق آپ کی یاوہ گوئی سے واقف ہے اور اگرچہ ان کا کلام اس پایہ کا نہیں ہے کہ اس تذکرے میں اسے جگہ دیجائے مگر صرف اسلئے کہ اردو کے ایک مشہور اور ابتدائی شاعر تھے اسلئے ان کا ذکر نہ کرنا ہمارے التزام کے خلاف ہوتا۔ یہ بزرگ نارنول کے سادات سے تھے زٹل گوئی کے سوا کسی قسم کی شاعری کو پسند نفرماتے تھے۔ چنانچہ انکا یہ مقولہ تھا کہ اگر میں کوشش کر کے مہذب اور عمدہ شعر کہوں تو بھی سعدی شیرازی یا فردوسی نہیں بن سکتا اس لئے زٹل کہونگا کہ تمام عالم میں مشہور ہو جاؤں۔ ایک مدت تک شاہزادہ معظم محمد اعظم شاہ بہادر کی سرکار میں بزمرۂ خواصان ملازم رہے۔ ان کے زٹل کہنے کا یہ امر دستور تھا کہ جب کسی کے گھر جاتے تو ایک کاغذ پر صاحبِ مکان کی تعریف لکھتے اور ایک پر ہجو۔ اگر وہاں جا کر ان کا مطلب پورا ہو جاتا اور صاحبِ خانہ خوش اخلاقی سے ملتا تو وہ تعریف کا کاغذ دیتے۔ اور اگر کہیں اسکے برعکس معاملہ ہوتا تو پھر کیا تھا وہی ہجو لکھی لکھائی تیار ہوتی۔ اُنکے حوالے کر کے اپنی راہ لیتے۔ ان کا کلیات یادگار ہے مگر غیر مطبوعہ۔ مشہور ہے کہ جب عالمگیر بادشاہ کا انتقال ہوا اور آپکے قدیم محسن اعظم شاہ تخت نشین ہوئے۔ اکثر شعرا دربار نے سکے کہے اور پیش کئے مگر کوئی پسند خاطر والا نہ ہوا۔ میر جعفر نے فی البدیہہ سکہ دربار تصنیف کر کے پڑھا جسپر خلعتِ فاخرہ و فیل مع ایک لاکھ روپیہ انعام بادشاہ نے عنایت کیا اور خاص وعام نے داد دی۔ وہ سکہ یہ ہے ؎

نگین سلیماں کتابندہ بود — ہمیں اسم اعظم بروکندہ بود

دربار سے واپسی کے وقت وہ تمام روپیہ جو انعام میں ملا تھا راستہ میں فقرا اور مساکین کو تقسیم کر دیا۔ جب فیلبان نے کہا کہ مجھے حضور نے کچھ عنایت نہیں کیا ہاتھی اُسے دیکر گھر چلے گئے۔ تمام و کمال اُن کا کلام ہجو و فحش سے بھرا ہوا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں فارسی کا مذاق بکثرت تھا اس لیئے زیادہ حصہ ان کے فحش کلام کا بھی اس زبان میں ہے مگر اکثر الفاظ و اسما اُردو کے اس میں شامل ہیں چند اشعار اُن کے لکھے جاتے ہیں جو فحش و بیہودگی سے پاک ہیں۔ آپ نے بادشاہ جمجاہ فرخ سیر کا سکہ جلوس بھی نظم کیا ہے جو ذیل میں درج ہے۔ سکہ کیا ہے۔ اُن کے خلقی تمسخر کا نمونہ ہے۔

سکہ زدبر گندم و موٹھ و مٹر — بادشاہ طسمہ کش فرخ سیر
یہ جعفر زٹلی نے کیا کیا — کہ کبھی کو دل سے کھینیا کیا

کشتی جعفر زٹلی در بھنور افتادہ است — ڈگمگو ڈگمگو می کند در یک توجہ پار کن
کھکر لگا دیوار کو کہ جعفر اب کیا کیجیے — خطرہ پڑا بازار کو کہ جعفر اب کیا کیجیے
گھوڑا تو تیرا لنگ ہے کوئی نہ تیرے سنگ ہے — چلنا پڑا بازار کو کہ جعفر اب کیا کیجیے

جعفر۔ مرزا جعفر بخت بہادر جعفر نبیرہ برادر مرزا قادر بخش صاحب بہادر صابر گورگانی ۱۸۷۲ء میں حیات تھے اور بنارس میں رہتے تھے۔ فن سخن میں غالباً اپنے نامور بزرگ حضرت صابر سے مشورہ لیتے تھے۔ چند غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ نظر سے گذریں اُنکا انتخاب حاضر ہے کلام سے پایا جاتا ہے کہ تلاش مضمون الفاظ اچھی اور بندش چست ہے۔

نشہ میں راحت ملی ہر جام پر انکار میں — لطف دونا ہو گیا ساقی تری تکرار میں
سرد ہو کر ہر شرر رہتا ہے سوئی کی ڈلی — حسن پرستی ہے ہماری آہ آتشبار میں
عیسئی مریم کی یہ مرہم لفس ہنجائیگی — میرا دم آئیگا گر قاتل تری تلوار میں
ناخن وحشت نے جعفر ہیکد عریاں کر دیا — تار تک باقی نہ رکھا زخم و دامن دار میں

روز جب واں سے گمانِ جرم پر تعزیر ہو
کوئی کوچہ شہر میں آباد اسکا سا نہ ہو
چشم نے دیکھا تمہیں رونا تھا پر یہ کہو
پہلے بھیڑے وصل پیچھے مجھکو گردن مارنا
نامہ بر بہر خدا اتنا نکر تو اضطراب
اپنے مطلب پر تجھے پھیرا کروں وزرات میں
اُٹھکے جانے کو ہوئیں طیار اسے جعفر وہاں

کیا عجب اثبات بھی مری تقصیر ہو
پاس پاس ایسا ہمارا خانۂ زنجیر ہو
دل جو ہے بیتاب اُسکی کس طرح تدبیر ہو
کچھ تو کہنے کے لئے ثابت مری تقصیر ہو
ایسی جلدی حالِ دل کیونکر انہیں تحریر ہو
تیری گردش میرے قبضہ میں جو اے تقدیر ہو
وصل پر راضی جو مجھسے وہ بتِ بے پیر ہو

ہم انکے شوقِ غمزہ میں مدام خوار رہے
نہاں جو سینے میں کچھ سوزِ عشق یار رہے
پسِ فنا بھی عدو کے لئے مرے غم میں
الٰہی مرکے جیوں لاکھ بار مرنے کو
ہم ایسے قاتلِ عالم سے کیوں ملیں جعفر

جگر میں اپنے چبھے خار خار رہے
جگر پہ آبلوں سے صورتِ انار رہے
شبِ وصال بھی آئے تو سوگوار رہے
کہ آرزوئے دلِ قاتل کی برقرار رہے
جو کچھ بھی اپنی طبیعت پہ اختیار رہے

جعفر۔ نواب جعفر حسین صاحب المعروف بہ اعظن صاحب لکھنوی باوجود تلاش آپکے حالات دریافت نہوسکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

نکالا برہمن نے دیر سے واعظ نے مسجد سے
نہ کعبہ مجھکو خوش آیا نہ دیر برہمن مجھکو
جسے دیکھو نظر آتا ہے محویت کے عالم میں
رقیبوں نکے لئے ہے قبر کی جا انکے کوچے میں

محبت تیری کافر دشمنِ دنیا و دیں نکلی
مرے مرقد کے قابل کوئے جاناں کی زمیں نکلی
پری نکلی کہ شیشے سے شراب آتشیں نکلی
ہمارے دفن کرنے کو نہ تھوڑی سی زمیں نکلی

جعفر۔ نواب جعفر حسین خاں بہادر مخاطب بہ نواب صف افگن جنگ بہادر۔ آپ ریاست حیدرآباد دکن کے جاگیردار اور منصبدار ہیں اور وہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

اک دم میں پاش پاش ہوا وہ بہ رنگِ گل
اے آسماں وہ نہ بدلجائے ڈر یہ ہے
اُٹھنے کا قصد یار نے پہلو سے جب کیا
جس دل پہ تیغِ ناز کا اک وار چل گیا
کچھ ڈر نہیں جو ہم سے زمانہ بدل گیا
دل میرا اُن کے قدموں پہ گر کے مچل گیا

جعفر

جعفر۔ صاحبزادہ جعفر علی خانصاحب خلف اصغر نواب ابراہیم علی خانصاحب مرحوم فرمانروائے مالیر کوٹلہ۔ رئیس حال نواب احمد علیخاں کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ نے چیف کالج لاہور میں تعلیم پائی ہے۔ اب ۲۲ برس کی عمر ہے۔ ریاست سے ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر ہے آپ کی شادی پٹیالہ (حیات پورہ ضلع علیگڈھ) کے ایک معزز خاندان میں ہوئی ہے۔ شعر و سخن کا نیا نیا شوق ہے کچھ غزلیں ہنگام ترتیب تذکرہ موصول ہوئیں اُنکا انتخاب حاضر ہے۔

جو بات ہے خیر میں وہ کیا شر میں نہیں
جعفر تو خدا کو گوشۂ دل میں ٹٹول
الٰہی خیر ایسی آفتوں میں زیست مشکل ہے
نہ بیٹھے چین آتا ہے نہ لیٹے چین آتا ہے
کچھ اس انداز سے دیکھا کہ اب تڑپا نہیں جاتا
جوانی جا رہی ہے ولولے سب مٹتے جاتے ہیں
وہ لیتے نوک کی ہیں دل کو رکھ کر نوکِ خنجر پر
مسل کر رکھ دو لکو چٹکی میں تنک کر ناز سے بولے

رباعی

کیا چیز ہے جو قبضہ و اور میں نہیں
باہر تجھے کیا ملیگا جو گھر میں نہیں
اُدھر لاکھوں ادائیں ہیں اِدھر تنہا مرا دل ہے
کچھ اس انداز پر اے ہمنشیں بیتاب دل ہے
نگاہِ نازِ قاتل بھی ادب آموزِ بسمل ہے
شکستِ رنگ پیغامِ وداعِ حسرتِ دل ہے
کہ جس دل پر اچھلتے تھے بہت تم کیا یہی دل ہے
بہت غمزہ نکالا تھا مرا دل ہے مرا دل ہے

سمجھ لیں گے وہ خود ہی انتہائے شوقِ وصلت کو
تم اتنا کہد و اسے جعفر کہ میرے پاس بھی دل ہے

جعفری

جعفری۔ دہلوی۔ میر باقر علی مرحوم جعفری۔ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی اور ملک الشعرا میر قمر الدین منت کے خلفِ اصغر تھے۔ فنِ سخن میں اپنے بھائی سے مشورہ کرتے تھے ۱۲۴۷ھ میں سفر مکہ کی راہ میں انتقال کیا۔ یہ انکے اشعار ہیں۔

آرام وعدہ کی شب اک دم کبھو نہ آیا
آیا نہ چین دل کو جب تک کہ تو نہ آیا

اس نالۂ رسا کی دیکھو دراز دستی
کب دامنِ مسیحا یہ جا کے چھو نہ آیا

کہیں جمع گر ہو گیا دُود دل کا
تو اک روز چرخِ فلیم ہو گا

نہ خوباں سے دل جعفری دیجیو اتنا
کہاں تک کہتا ہوں بدنام ہو گا تُو

سب سے مٹے نقشِ خیالاتِ جہاں بعدِ فنا
داغِ الفت ایک زیبِ صفحۂ دل رہ گیا

تیغ یوں دل میں خیالِ نگہِ یار نہ کھینچ
ناخدا ترس تو کعبے میں تو تلوار نہ کھینچ

تو ہے گر عرش پہ نالہ بھی نہیں تجھ سے کم
آپ کو دور لئے اے آہِ شرربار نہ کھینچ

بے سرو پا چمن و دشت میں عالم کے نہ پھر
نازِ ہر گل نہ اُٹھا منتِ ہر خار نہ کھینچ

جعفری

جعفری ۔ شیخ جعفر علی جعفری متوطن دادری۔ نواح دہلی میں نواب جھجر کے ملازم اور قصبۂ دادری کے قاضی زادوں میں تھے غدر سے پیشتر حیات تھے۔

الٰہی ہر گھڑی ہر زخمِ دل سے خوں ٹپکتا ہے
شہیدِ ناز ہوں میں آہ کس دستِ حنائی کا

اے دل خیالِ زلفِ بتاں کیونکہ چھوڑ دوں
وحشی ہوں اور پاؤں میں زنجیر بھی نہیں

شق جا بجا سے ہو گئی اک دم میں سب زمیں
تڑپا جو تیرا کشتۂ الفت مزار میں

مہ گئے اس جستجو میں سینکڑوں خانہ خراب
جعفری عشقِ بتانِ ہند کا گھر دور ہے

جگر

جگر ۔ نواب سید بہادر علی خاں صاحب لکھنوی۔ آپ لکھنؤ کے ایک شریف خاندان کے رکن ہیں اور حضرت جلال لکھنوی کے نامور شاگرد ہیں۔ فنِ سخن سے طبیعت کو قدرتی مناسبت ہے۔ بندش صاف سلجھی ہوئی اور تلاشِ مضمون اچھی ہے۔ شعر کے حسن و قبح سے خوب ماہر ہیں۔ ہر شعر میں کوئی بات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کلام منتخب ملاحظہ ہو۔

غش کسی کو آ گیا کوئی گرا دل تھام کر
ایک ہی جلوے میں یہ عالم تھا نہ ہم یار کا

اسکے زانو پہ جو سر ہے ہوش میں آتا نہیں
بیخودی میں کہہ رہا ہوں کام میں ہشیار کا

سوئے در آنکھیں مری تھیں دیکھ کر بولا وہ شوخ
مرنے والا شوق دل میں لے گیا دیدار کا

مرنے جینے کے لئے کافی ہے مجکو اے صنم
تیرے کوچے کی زمیں سایہ تری دیوار کا

توڑ ڈالیں بیڑیاں یہ جوشِ وحشت بڑھ گیا
قید میں لیلیٰ نہ اکدن تیرا دیوانہ رہا

اسکو کہتے ہیں محبت نام اسکا ہے وفا
خاک ہوکر بھی قریبِ شمع پروانہ رہا

نہ نکلی مرتے دم بھی دید کی حسرت نہ بھولوں گا
ٹھہر جانا وہ آنکھوں میں نکلکر جسم سے جاں کا

جنوں کا جوش نہ تھا موسمِ بہار نہ تھا
مگر کب اپنا گریبان تار تار نہ تھا

رُکا تھا آنکھوں میں دم تمنے آکے دیکھ لیا
نہ کہنا اب کہ تجھے میرا انتظار نہ تھا

جب نظر شیخ کو وہ شوخ پری زاد آیا
پھر نہ تسبیح نہ توبہ نہ خدا یاد آیا

قتل بے قتل کئے ہو گئے سب محفل میں
اس ادا سے وہ مرا بانیِ بیداد آیا

قبر پر میری وہ آتا ہے خدا خیر کرے
کیا کوئی تازہ ستم اور اسے یاد آیا

ہجر میں نالۂ دل میرا جو دمساز بھی تھا
رازِ دل کہتے کہ افشا ہی غماز بھی تھا

جسکا افشا ہوا اس وحشتِ دل سے کے بقول
عشق اُس پردہ نشیں کا تھا مرا راز بھی تھا

کونسی چیز نہ دلکش تھی مرے دلبر کی
غمزہ بھی ناز بھی تھا عشوہ بھی انداز بھی تھا

وہ مست تھے کہ بنے ہیں ہماری خاک کے جام
خُم شراب ہے گنبد ہمارے مدفن کا

اے چرخ ستا کر ہمیں تو شاد نہ ہو گا
کچھ تیرا بھلا اے ستم ایجاد نہ ہو گا

ہم جسے سمجھے تھے مہماں وہ مہماں نہ رہا
بن گیا سینے میں دل یار کا پیکاں نہ رہا

وہیں جائے نہیں منظور جو میرا ہونا
ہو رہے اس دلِ شیدا کو ہے جسکا ہونا

کہتا ہوں دیکھ کے پہلو میں عدو کے اسکو
ہائے کیا چیز ہے تقدیر کا اچھا ہونا

جفا سے کیا اُسے اندیشہ جی نے
دیا دل آپ کو قاتل سمجھکر

جفا و ہم وفا اپنی نہ چھوڑیں
یہی ہیں عہد و پیماں درمیاں میں

مرکے اپنا فیصلہ خود اے شبِ ہجراں کریں
عشق کی سب مشکلیں ہم آپ ہی آساں کریں

دل سنبھالیں جان کو ٹھہرائیں یا تھامیں جگر
ایک ہم آفت زدہ کیا کیا شبِ ہجراں کریں

ساتھ غیروں کے عیادت کو مری آتے ہو کیوں
جو نہ سمجھے ناصحو پھر اسکو سمجھاتے ہو کیوں
تمکو ہم سے ہے اگر بیتابیٔ دل کا گلا
سمجھے ہیں دل کے دینے کا انجام موت ہے
عبث پھراتا ہے رندوں کے سر کو اے واعظ
بس آنسو آنکھوں میں بھر لاؤ لیکے ٹھنڈی سانس
محبت اس سے کرنا جان کو روگ اک لگانا ہے
زمین کوئے جاناں عاشقوں کی قدر لازم ہے

کوئی دم کا میہماں ہوں مجکو تڑپاتے ہو کیوں
ساتھ دیوانے کے دیوانے بنے جاتے ہو کیوں
ہمکو تم سے یہ شکایت ہے کہ یاد آتے ہو کیوں
موجود ہوتا اے شبِ ہجراں ابھی سے ہیں
اگر درست ہے نیت تو مے حرام نہیں
ہمارے قتل کا کچھ اور انتقام نہیں
مگر تیری خوشی ہم اسے دلِ ناداں کرتے ہیں
کہ یہ برباد ہو ہو کر تجھے آباد کرتے ہیں

مجکو سنا کے غیر سے اس شوخ نے کہا
دونوں کا فیصلہ ہے ترے ایک تیر میں

ہمکو قرار آئے جو تو بیقرار ہو
بیتاب پھر نہ دل نہ جگر بیقرار ہو

غور سے دیکھو تو ہر جا جلوۂ جانانہ ہے
شیخ جی وہ ایک ساغر لیکے ساقی سے پیو
ہیں گواہی میں اُدھر روزِ جزا نازِ غرور
ایک مدت سے لبالب ہو رہا ہے اے جگر
وہ رکھکر ہاتھ سینے پر تڑپ کو دل کی کھو دینگے
کسی نے یہ اشارے ہیں کسی کی شمع [illegible]
چلا ہے کوئی جاناں میں تو اے دل یہ بتاتا جا
دل و جگر میں ہے جھگڑا تمہارے پیکاں پر
اثر دل کا تڑپنا کچھ نہ کچھ دکھلا ہی دیتا ہے
یقیں اپنی محبت کا نہیں آتا اگر ان کو
راحت زمانہ بھر کی مصیبت کو جان لے

آنکھ اگر ہو ایک زاہد کعبہ و بت خانہ ہے
کیوں تکلف کرتے ہو یہ صحبتِ رندانہ ہے
اس طرف اک دل ہے وہ بھی بیخود و دیوانہ ہے
بس چھلکنے کو ہماری عمر کا پیمانہ ہے
ہمارا دل ز خود رفتہ ہے اسکو کیا خبر ہوگی
کہ تیری زیست بھی گھل گھل کے جل جل کر بسر ہوگی
ہمارے مرنے جینے کی تجھے کیونکر خبر ہوگی
کسی کا ہو رہے یہ کچھ تو فیصلہ ہو جائے
تماشا بن گئے خود رقصِ بسمل دیکھنے والے
تو سینہ چاک کرکے دیکھ لیں دل دیکھنے والے
تیرا کہا جو اے دلِ شیدا کرے کوئی

جگر

جگر۔ نواب مرزا محمد عباس علیخاں بہادر معروف بہ مرزا بہادر رئیس لکھنو خلف میرزا محمد آغا علیخاں بہادر ناظم عہد شاہی۔ تحصیل علم کے بعد اپنے آبائی رسوخ کے ذریعے سے اودہ کی سول سروس میں نامزد ہوگئے تھے۔ اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے ڈپٹی کمشنری کے عہدے پر پہنچے پھر اپنے والد کی وفات کے بعد پنشن لے کر خانہ نشین ہوگئے اب ۵۵-۵۶ سال کے قریب عمر ہے اور لکھنو میں بکمال فارغ البالی بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور وہاں کے عمائد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی خوبی بندش کی عمدگی خیال کی بلندی طبیعت کی شوخی۔ مذاق کی شستگی کے علاوہ ان کے کلام میں ایک خاص بات یہ ہے کہ بیان کا طریقہ نہایت دلچسپ ہے۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔

تمہارے رخ پہ دلِ زار کب نثار نہ تھا — تمہاری یاد میں کس دن یہ بیقرار نہ تھا

شکوہ کریں ہم کس سے بھلا بےخبری کا — سایہ بھی تو ملتا نہیں اُس رشکِ پری کا

ہشیار ہو موقع نہیں بیدادگری کا — اب وقت مریضوں سے نہیں بےخبری کا

رُخ زرد ہیں لب خشک ہیں نمناک ہیں آنکھیں — یہ حال پتہ دیتا ہے دردِ جگری کا

مصروف رہے آپ مرے کام میں تا دفن — کیونکر ہو ادا شکر یہ اس دردِ سری کا

سمجھا ہو تغافل کو جو اک حسن کی زینت — اُس سے جگر کیا ہو گلہ بےخبری کا

صاف ظاہر ہے مرے گھر کا بیاباں ہونا — تم چلے آؤ تو آساں ہے گلستاں ہونا

اس سے بہتر کوئی تدبیر رہائی کی نہیں — دیکھے دل زلف کو پھر سلسلہ جنباں ہونا

شعلہ رو بن کے ہوئے زینتِ محفل شب کو — خوب آتا ہے انہیں شمع شبستاں ہونا

چھوڑ دو چارہ گرو مجھکو خدا پر اب تم — غیر ممکن ہے مرے درد کا درماں ہونا

میری تقدیر میں لکھا تھا یہی روزِ ازل — دیکھے دل آپ کو یوں بے سر و ساماں ہونا

مشکلیں سب ہوئیں آسان جگر کی صد شکر — ایک باقی ہے فقط مرگ کا آساں ہونا

نتیجہ زندگانی کا ہے کچھ دنیا میں کر جانا — خیال موت بیجا ہے وہ جب آئے تو مر جانا

غضب ہے اُس ستمگر نے نہ اپنی بات تک پوچھی
دل وجاں دین وایماں جسکو ہمنے عمر بھر جانا

بڑی مشکل سے اتنا قرب تجھ سے آج حاصل ہے
ہماری ذبح میں ظالم کہیں جلدی نہ کر جانا

جان تو پہلے ہی نذرِ روئے زیبا ہو چکی
اب فدا کیا آپ پر اپنا تنِ بیجاں کریں

ہماری نظروں میں جب سے وہ ہیں سمائے ہوئے
ہم اپنی آنکھوں کو عالم سے ہیں چھپائے ہوئے

حجاب قتل پہ میرے ابھی ادھر دیکھو
ذرا سی بات پہ کیوں ہو نظر جھکائے ہوئے

اٹھائیں تیغ تو وہ دستِ نازنیں سے کہیں
اسی اُمید پہ ہم سر کو ہیں جھکائے ہوئے

بنائے یا کہ بگاڑے خدا ہیں قدرت ہے
ہمیں بنائینگے وہ کیا جو ہیں بنائے ہوئے

نہ مسرت ہمیں اچھی نہ ملال اچھا ہے
آپ راضی رہیں جس میں وہی حال اچھا ہے

جب ادہر دیکھتا ہے درد جگر بڑھتا ہے
دشمنِ جاں ہے تری شوخ نگاہی کیسی

کہتے ہو غیر سے ملنے کی شہادت کیا ہے
اپنی آنکھوں ہی سے دیکھا تو گواہی کیسی

رخِ روشن پہ تیرے یوں دلِ دیوانہ آتا ہے
کہ جیسے شمع کی جانب کوئی پروانہ آتا ہے

سنبھالے سے کہیں مچلا ہوا دل بھی سنبھلتا ہے
بھلا کب راہ پر کہنے سے یہ دیوانہ آتا ہے

مجھے وہ دیکھکر محفل سے یہ کہتے ہوئے اُٹھے
جگر ہے نام جسکا لو وہی دیوانہ آتا ہے

جلال

جلال - مولوی جلال الدین صاحب جلال ساکن قدیم لکھنو شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ مرحوم - آپ کی عمر کا بڑا حصہ بنارس میں گذرا - ۱۸۶۵ء میں زندہ وسلامت موجود تھے - طبّاع اور خوش کلام سخنور تھے - یہ آپکے اشعار ہیں -

کیوں الجھتا ہے یہ مجھ سے زاہدِ صورت پرست
مل گیا یاں رشتۂ تارِ نفس زنّار میں

جذبِ لذت سے یہ محو روئے جاناں ہو گئی
لب ہمارے جسکے بوسہ دیکے رخسار میں

ترا جام مے ہو گیا آفتاب
شب بزم عشرت سحر ہو گئی

ضیا اپنے عارض کی دیکھی جو رات
جھجک کر یہ بولے سحر ہو گئی

کھلے صبحدم اُن کی چوٹی کے ہار
معطر نسیمِ سحر ہو گئی

ضیا جو اُڑی اُنکے عارض کی رات / فلک پر پہونچ کر قمر ہو گئی
میں بوسے پہ اُنسے جو رد ٹھا رہا / تو شب جھگڑوں میں بسر ہو گئی
لبوں سے وہ لب ملکے کہنے لگے / جلال اب تو بولو سحر ہو گئی

جلال

جلال - ان صاحب کا نام معلوم نہیں نہ زیادہ حال کھلا۔ فیض آباد کے رہنے والے اور طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

تنگ احوال ہے اب تو ترے شیدائی کا / آکے ٹک دیکھ تماشا تو تماشائی کا
اب تلک بازار میں بیٹھے ہیں جسکی دید کو / کیوں نہ آیا آہ کیا سوجھی یہ اُس بےدید کو
دل دیا مفت اب اُس آئینہ رو کو افسوس / میں تو حیراں ہوں جلال اس تری دانائی پر
ایک عالم ہو خریدار نہ کیوں سو جی سے / بیٹھے جب کہ وہ یوسف سر بازار لگے
کیا ہوا میں نے جو ٹک جانب ابرو دیکھا / اتنی سی بات پہ تم کھینچنے تلوار لگے

جلال

جلال - سرآمد شعرائے باکمال حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ولد حکیم اصغر علی لکھنوی شاگرد رشید رشک و برق لکھنوی سادات عظام میں سے ہیں اور خاندان میں کئی پشت سے طبابت کا سلسلہ جاری ہے۔ ان کے والد اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے اور اُن کے دادا سید حسین علیخاں صاحب مرحوم حکیم شفائی خانصاحب مرحوم کے فن طب میں شاگرد تھے اور شفاخانۂ شاہی لکھنو میں ملازم تھے اُسی سلسلے سے ان کے والد کو پنشن ملا کی اور ان کے انتقال کے بعد جناب جلال کے منجھلے بھائی حکیم سید ثامن علی صاحب کو نصف پنشن یعنی پندرہ (۱۵) روپیہ ماہوار مقرر ہوئی اِس وقت آپ کا دم غنیمت اور یادگار سلف سمجھا جاتا ہے اور واقعی اساتذۂ متاخرین اور گلشن رام پور کے نامی شعرا میں ایک حضرت جلال ہی باقی ہیں۔ خدا ان کے انفاس میں برکت دے۔ سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں سید ضامن علیصاحب پیدا ہوئے پل آہنی کے اُس طرف لکھنو میں ایک مشہور محلہ ہے جس کا نام پار ہے اُن کے بزرگ اُس محلہ میں رہتے تھے اور وہی ان کا مولد ہے ۱۸۵۷ء میں اُس مکان کو چھوڑنا پڑا

کیونکہ اُس محلہ کے بہت سے مکانات بالکل منہدم اور تباہ ہو گئے۔ بقول مرزا محمد جعفر صاحب اوج سلمہ اللہ تعالےٰ ؎

یہ ہوا کیسی چلی اس تنگنائے دہر میں	شہر جنگل ہو گئے آباد یاں بن ہو گئیں

سید ضامن علیصاحب نے نواب آصف الدولہ کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔ لیکن شاعری کے شوق نے کتب درسیہ کی تکمیل نہونے دی۔ میبذی تک عربی پڑھی اور فارسی کی درسیات بجائے خود دیکھی۔ جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی رسالہ معیار جلد ا نمبر ۲ میں ان کی شاگردی کا حال اسطرح رقم فرماتے ہیں۔

"وہ حکیم صاحب ہمیشہ سے فنا فی الشعر رہے۔ کوئی شوق سوا اسکے ہوا ہی نہیں۔ ابتدا میں امیر علیخاں ہلال شاگرد رشک کو اپنا کلام دکھایا وہ عرصہ تک اصلاح دیتے رہے چونکہ ان میں قابلیت اور مناسبت فطری موجود تھی چند ہی غزلوں کے بعد اُنکی طبیعت میں ایک رنگ جداگانہ پیدا ہو گیا۔ جب ہلال نے انکے کلام اور اپنی اصلاح کا اندازہ کر لیا تو خود انہیں میر علی اوسط صاحب کے پاس لے گئے اور اُن کا شاگرد کرا دیا۔ یہ مدت تک اُن کے زیر اصلاح رہے۔ اتفاق سے اُن کو سفر عراق پیش آیا۔ ہنوز ان کا کلام محتاج اصلاح تھا اسلیئے اُنھوں نے فتح الدولہ برق سے مشورہ کرنا شروع کیا"

سید ضامن علیصاحب جلال کی شوخی طبیعت اور مشق نے آپکے کلام کو شہرت دی اور اُس صحبت میں شریک ہونے لگے جو خواجہ اسد آفتاب الدولہ قلق کے مکان پر ہر ہفتہ کو ہوا کرتی تھی۔ اس میں بڑے بڑے مشاہیر مثل شیخ امداد علی بحر و شیخ امان علی سحر و اسیر۔ امیر و سید ہادی علی بتجو د شریک ہوتے تھے۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی اس صحبت کا فوٹو اس طرح کھینچتے ہیں۔

"وہ حکیم صاحب (یعنی حکیم سید ضامن علیصاحب جلال) بھی اس صحبت کے جزو اعظم تھے اس بزم میں یہ سب شاعر جن کا اوپر ذکر آچکا ہے) اپنا اپنا کلام پڑھتے اور جہاں کسی سے لغزش

لغزش ہوتی تھی فوراً اعتراض ہوتا تھا اور اُس پر بحث کی جاتی تھی۔ مگر انصاف پسند شعرا باہم ایسے شیر و شکر تھے کہ کسی ایرا دو اعتراض پر شکر رنجی نہ ہوتی تھی۔ پہلے یہی صحبت خاص مصاحب منزل میں ہوا کرتی تھی۔ پھر آفتاب الدولہ قلق کے مکان پر آٹھ سات برس برابر رہی اُس کے بعد منشی مظفر علی صاحب اسیر نے اس صحبت کو اپنے مکان پر منعقد کیا۔ اس زمانے میں حکیم صاحب رامپور چلے گئے "

سنہ ۱۲۷۲ ہجری میں نواب یوسف علی خاں صاحب والی رامپور نے جناب جلال کو طلب کیا اور اُن کی بہت قدر و منزلت کی لیکن نواب صاحب کی عمر نے وفا نہ کی اور حکیم صاحب کے پہنچنے سے دو مہینے بعد اُن کا انتقال ہوگیا۔ اور نواب کلب علیخاں مسند نشین ہوئے جنکی قدردانی و سخن فہمی نے بڑے بڑے شاعروں کو رامپور کھینچ لیا اور روزانہ مشاعرے ہونے لگے حکیم صاحب بھی اُن جلسوں کے جزو اعظم تھے۔ حضرت جلال خلد آشیان نواب کلب علیخاں کے آخر عہد تک رامپور میں قیام پذیر رہے۔ لکھنؤ اور دلّی اُجڑ کر رامپور میں اہل کمال و اہل فن کا مجمع تھا اور نواب خلد آشیاں کی زندگی تک وہ گلزار ہرا بھرا رہا۔ اُس چمن کے ایک پھول آپ بھی ہیں۔ مدت تک بزمرۂ شعرائے عالی قدر ممتاز رہے۔ حضرت امیر مینائی اور حضرت داغ دہلوی مرحوم و مغفور اور حضرت جلال مدظلہ میں اکثر صحبتیں گرم رہتی تھیں اور ان تینوں صاحبوں میں ایک خاص خلوص و محبت کا برتاؤ جاری تھا۔ ان تینوں صاحبوں کی ہم طرح غزلیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ تینوں اپنے اپنے رنگ میں پختہ۔ تینوں اپنے اپنے خیال میں راسخ۔ ان صاحبوں کی یک جہتی اور ہم مشقی ناسخ و آتش و آباد کے زمانے کو یاد دلاتی ہے کہ جس طرح اُنکی غزلیں ہم طرح ہیں اسی طرح اکثر ان کی غزلیں ایک ہی قافیہ ردیف میں موجود ہیں۔ اور سب پر طرّہ یہ کہ آپس میں ربط و اتحاد اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اکثر ایک ہی جگہ اور ایک ہی صحبت میں تینوں نے غزل کہی۔ کوئی قافیہ کوئی نکال لے گیا۔ کوئی مضمون کسی کا حصہ ہو گیا۔ کسی زمین میں کسی کی غزل بڑھ گئی حضرت جلال کے مسلم الثبوت استاد ہونے میں کسکو کلام

ہوسکتا ہے۔ علمی قابلیت کے علاوہ آپ اس فنِ خاص میں محققانہ اور مجتہدانہ رتبہ رکھتے ہیں اور تمام اصنافِ سخن پر قدرت حاصل ہے ہر رنگ میں آپ کا کلام موجود ہے۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی کسی جگہ عاشقانہ رنگ ہے تو کہیں محض معاملہ بندی ہے۔ اگرچہ یہ بات کم و بیش سب شعرا میں ہوتی ہے کہ زمین کی مجبوری یا قافیہ کی رعایت سے جہاں جو موقع آتا ہے وہاں اُس رنگ میں وہ کہے بغیر نہیں رہتا۔ مگر اُنکے ہاں یہ بات بالتخصیص پائی جاتی ہے۔

حضرت داغ کو حیدرآباد تشریف لیجانے کے بعد اُنکی جدائی کا کمال افسوس و رنج تھا چنانچہ ایک مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

اے داغ ہے وطن سے بہت دُور لکھنؤ		ملتے امیر احمد و سید جلال سے	

داغ مرحوم کے خاندانِ شاعری کی زندہ یادگاری خاص ٹکسالی لکھنوی زبان کے سکے اسی فرمانروائے اقلیمِ سخن کے حکم سے جاری ہوتے ہیں۔ آپکے فیضانِ سخن سے کامیاب ہو نیوالے جابجا ہندوستان میں موجود ہیں منجملہ اُنکے یاس لکھنوی اور احسان شاہجہانپوری۔ ضیا دہلوی جناب انگلہ رئیس اجی گڈھ اور جناب سیف سربرآوردہ شاعر اور صاحبِ دیوان ہیں۔ آپ کی تالیف و تصنیف سے اردو ادب میں کئی مفید رسالے مثل دستور الفصحا۔ افادۂ تاریخ منتخب الشعرا۔ منتخب القواعد شائع ہوچکے ہیں۔ اور چار دیوان غزلوں قصیدوں کے چھپ چکے ہیں۔ سرمایۂ زبان اردو (لغت) بھی آپکی ایک قابل قدر تالیف ہے۔

بعد انتقال نواب خلد آشیاں آپ کی پنشن سرکار رامپور سے بند ہوگئی تھی۔ اب سنا گیا ہے کہ چند سال سے پھر موجودہ نواب صاحب رامپور نے وہ پنشن جاری فرما دی ہے۔ پیرانہ سالی و امراضِ لاحقہ کیوجہ سے آپ کئی برس سے خانہ نشین ہیں۔ ریاست نانگرول کاٹھیاواڑ کے قدردان رئیس کے اصرار پر آپ کئی برس وہاں بھی قیام فرما رہے۔ آپکی عمر اس وقت (۱۳۲۵ھ ہجری) قریب پچھتر برس کے ہے۔ لیکن طبیعت کی شوخی جوانی کا رنگ دکھاتی ہے اس کیفیت کو خود یوں بیان فرماتے ہیں ؎

	بت پرستی جلال پھرتی ہیں		نادم او سبندۂ خدا نہ ہوا

آپکا حال کاتب کو دیا جا چکا تھا کہ آپکی وفات حسرت آیات کی خبر لکھنؤ سے آئی۔ آپکے صاحبزادے حکیم سید مہدی کمالؔ فنِ سخن میں معقول مہارت رکھتے ہیں۔ فی الحال نواب صاحب بہادر والیٔ رامپور کی مصاحبت میں ہیں۔ تذکرہ "خمخانۂ جاوید" کی جلد اول کے آخر میں جناب جلالؔ و جناب کمالؔ دونوں کے قطعات تاریخ طبع ہو چکے ہیں۔ جناب جلال نے بعمر ۷۰ سال بتاریخ ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۰۹ء انتقال فرمایا۔ انکے مرنے سے بزمِ سخن کی رہی سہی رونق بھی خاک میں مل گئی۔ اب انکے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

(انتخاب دیوانِ اول)

کوئے جاناں سے نہ پھر کر دلِ ناشاد آیا
بے مروت کو نہیں بھول کے بھی یاد آیا

طاقت نے سنبھالا نہ تحمل نے دمِ ہجر
سب دعوی ہی کرتے تھے کوئی کام نہ آیا

ہم تھوڑے ہی سے جرم پہ شرمائے ہیں کیا کیا
اک جرعۂ مے پی کے عرق آئے ہیں کیا کیا

لکھنے جو لگے یار کو ہم شوقِ ملاقات
پہلوئے دلِ بیتاب نے بتلائے ہیں کیا کیا

نہ خوفِ آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا
بڑا کلیجہ ہے ان دل دکھانے والوں کا

پائی راحت ترے خنجر ہی کے نیچے قاتل
پھر جو ٹھہرا تو یہیں کچھ دلِ بسمل ٹھہرا

خاص ہم پردہ جو کرتے ہیں
یہ بھی پہلو ہے مہربانی کا

اہلِ دل کے لیے راحت نہیں اس سے بڑھ کر
جنکو سمجھا ہے وہ بیدرد دکھانا دل کا

بتو سچ ہے مری سنتا خدا کیا؟
کہ میں ناچیز کیا میری دعا کیا؟

آیا نہ تا زبانِ قلم حرفِ مدعا
دل ہی میں تھا کہ یاس نے مجھکو مٹا دیا

کہہ کے وہ اٹھ گئے کہ مشکل ہے
سہل کرنا تمھاری مشکل کا

دل کسی کے عشق میں اچھا ہوا جاتا رہا
داغ تھا اک مٹ گیا اک درد تھا جاتا رہا

کیا تم سے کہیں کہ مر کے پچھتائے
کیا لطف اٹھا سکے زندگی کا

مل گئی خاک میں سر جو اٹھا اٹھ نہ سکی
تیری ٹھوکر نے قیامت کو سنبھلنے نہ دیا

بہت ہے نالے اپنے اگر بے اثر ہیں — ہنسے تو دل کسیکا دُکھایا نجائے گا

(ر) مدت کے بعد منہ سے لگی ہے جو چھوٹ کر — توبہ بھی مئے پہ گرتی ہے کیا ٹوٹ ٹوٹ کر

(ک) فلک تیرے جگر کے داغ ہیں ہم — مٹائے جا مٹانا ہے جہاں تک

(ن) مجھ سے سیدھا مری تقدیر کو ہو لینے دو — پھر بتادوں گا کہ یوں ترچھی نظر کرتے ہیں

اندازۂ طلب سے دیا بڑھ کے جب دیا — کم حوصلہ یہاں ہیں وہاں کچھ کمی نہیں

صنم کی بے نیازی کہہ رہی ہے — نہیں کچھ فرق بندے میں خدا میں

(و) رندوں کی مذمت سے تجھے فائدہ زاہد؟ — نیکوں کو نہ بد کہہ کے گنہگار خدا ہو

سو بار دل سے جاؤ چلے آؤ لاکھ بار — تم ہو یہ کوئی نکلی ہوئی آرزو نہ ہو

یہ ہوا آکے تری بزم میں حاصل مجکو — دل گیا ہیں کھو کے دو عالم سے چلا دل مجکو

غیروں کو تو پلائی ہے ہم پہ چھڑک ہی دے — ساقی بچی کھچی جو سبو میں شراب ہو

(ی) کہتی ہے جلتی ہوئی شمع یہ پروانے سے — کچھ لگی دل کی جو بجھتی ہے تو جل جانے سے

رہ کے میرے دل میں راحت کو پریشانی ہوئی — خواب کو گھر کر کے آنکھوں میں پشیمانی ہوئی

بولا وہ صنم حشر میں سُنکر مری فریاد — اللہ سے ڈرتا نہیں یہ کتنا نڈر ہے

اب یہاں کہتے ہیں کیوں ہاتھ ترا رکھا ہے — دل تو ہم لے گئے اب سینے میں کیا رکھا ہے

نظارہ محو کر دیتا ہے حُسنِ حیرت افزا کا — حسینوں کا تماشائی تماشا ہو ہی جاتا ہے

نہو برہم جو بوسے اجازت لیلیا میں نے — چلو جانے دو بیتابی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے

دلاسے اُس دردِ رسیدہ کی بھی تنہائی پہ — بیکسی پوچھتی ہو جس سے کہ حال اچھا ہے

آپ کسی سے یہ کہیں گے کہ کہیں رنج ہی ہے — شاد ہونے کی تمنا میں تو ناشاد رہے

کعبہ ہو بتکدہ ہو عرش بریں ہو دل ہو — جو مکان جلوہ گہِ یار رہے آباد رہے

سوتے ہیں تغافل سے کبھی دیر سے اٹھے گی — ہنگامۂ محشر کو جگانے ہیں ہمارے

ہنسی روکی گئی اُسسے نہ مجھ سے تھم سکے آنسو — برابر ایک سی دونوں طرف بے اختیاری تھی

قلق دل کا دعا کو کارگر ہونے نہیں دیتا
دعا جب مضطرب ہو تو اثر پھر اس میں کیا ٹھہرے

کھول کر بال پریشان نہ کر روح کو تو
او مرے سوگ کے پردے میں سنورنیوالے

(انتخاب دیوان دوم)

بھیجا خط کا تھا پیام اجل
انتظار جواب نے مارا

جب رو چکا میں دل کی جلن اور بڑھ گئی
بجلی چمک کے دھوپ جہاں مینہ برس گیا

رخ پر کبھی نمود ہوا رنگ بن کے عشق
بو ہو کے پیرہن میں کبھی اپنے بس گیا

فرقت میں درد ایک میرا ہمنشیں رہا
اٹھ کر کبھی کھڑا ہوا تو یہیں کا یہیں رہا

غیر اپنوں نے بنایا جلوہ گاہ یار میں
آنکھ نامحرم ہوئی جس دن سے دل محرم ہوا

چھپا کیونکر ہے قاتل کسی پیکان کا تیر سے
لگا جو تیر آ کے ہو گیا جزو بدن اپنا

کوئی دامن جنوں میں کھینچتا ہے آستیں کوئی
اتار لیتے ہیں خار بیاباں پیرہن اپنا

دیدنی تھی نزع میں اپنی نگاہ یاس بھی
یار سا پلے دید تک محو تماشا ہو گیا

گر پڑا یوں تھام کر دل کو میں انکے سامنے
وہ بھی یہ کہتے ہوئے دوڑے اسے کیا ہو گیا

(د) اپنا جسے یہ شیخ و برہمن نہ کر سکے
آیا ہے ہمکو وہ بت بیگانہ خو پسند

(ر) ہنس کے بولا یا وہ بولے جو شب سے اختلاط
بھول جاتے ہیں ہم ایسے خواب اکثر دیکھکر

ہنستا رہا جو حال دل پاش پاش پر
کیا روئیگا وہ کشتۂ حسرت کی لاش پر

آرزو ہے کہ بلا کر اسے دل میں رکھیے
صاحب خانہ جو بن جاتا ہے مہماں ہو کر

نزع میں اس لیئے کھولے ہوئے بال آئے ہیں
روح عاشق کی جو نکلے تو پریشاں ہو کر

قتل عالم کو کیا پھر وہ نہ ٹھہرے قاتل
بھولے بن کر کہیں چھوٹے کہیں ناداں ہو کر

(ض) نہ دیکھنے پائے آنکھ انکو اگر اٹھے بھی نقاب عارض
ہوئی نگاہ انکی اتنی کثرت کہ بن گئی خود حجاب عارض

کہاں یہ سنبل چمن میں کہاں یہ نکہت گل چمن میں
انہیں کا گیسو مثال گیسو انہیں کا عارض جواب عارض

اٹھے جو سوتے میں لطف وصل کا جب تم اٹھا دو وصال کی شب
حیا کا پردہ قمر کی چلمن چھپا ہے دیدہ نقاب عارض

(ن)
بانکپن تیرا کسی اور ستمگر میں نہیں — تجھ میں جو نوک ہے قاتل ترے خنجر میں نہیں
اللہ رے تیرگی کہ بہ رنگِ شبِ فراق — تارے گنا کیا ہوں میں روزِ سیاہ میں
نقشِ قدم پکارتے ہیں راہِ عشق میں — مٹ جائیں جو چلے جسے نام و نشاں کے ہیں
دیکھے ہیں ایک ہی سے تغیر مآل میں — معشوق کے مزاج میں عاشق کے حال میں
حیران سے ہیں دونوں کسی کے خیال میں — آنکھ اپنے رنگ میں ہے تو دل اپنے حال میں
کونسا دام نہاں شیخ کے جامہ میں نہیں — پیچ ایسا بھی کوئی ہے کہ عمامے میں نہیں

(و)
حشر میں چھپ نہ سکا حسرتِ دیدار کا راز — آنکھ کم بخت سے پہچان گئے تم مجھکو
نہ کیجے جائیں جس سے بیٹھکر پہلو میں داغِ دل — وہ میرا کیوں بنے دلسوز مجھ پر مہرباں کیوں ہو
تجھسا بھی یار دلبرِ بیگانہ تو نہیں — اپنا کرے ہزار کوئی تجھکو تو نہ ہو
اللہ رے بیخودی کہ وہ پہلو میں بیٹھکر — لیجائیں دل نکال کے ہمکو خبر نہ ہو
وہ رنج کیا کہ جس سے نہ راحت ہو عشق میں — وہ درد کیا جو دل کی تڑپ کی دوا نہ ہو
معشوق ہی نہیں ہے جو عاشق سے بے سبب — تیور نہ بدلے روٹھ نہ جائے خفا نہ ہو
کیا رشک ہو کہ ہجر میں خود چاہتے ہیں ہم — نالہ بھی گوشِ یار تک اپنا رسا نہ ہو
دکھایا اسنے جلوہ اور کسی نے کچھ نہیں دیکھا — گواہی اسکی دینی ہوگی چلکر میری حیرت کو

(ی)
نجات ہوگئی ناصح سے عمر بھر کے لیے — اسی کو بھیج دیا یار کی خبر کے لیے
ڈھونڈھ دیتے ہیں اس بت کو کہیں سے آکے شیخ — تم خدا ترس بنتے اک کام ہمارا کرتے
شغل گر ڈھونڈھتے ہو جی کے بہلانے کے لیے — دل میں آ بیٹھو کلیجہ مرا ملنے کے لیے

سوچ کر رنج دیجئے دل کو — اس میں پہلو ہیں میری راحت کے

بے نشاں ہوسکے ہیں کبھی اپنے تمہاری شہرت — تم مٹاتے ہو ہم نام تمہارا کرتے
[illegible] تڑپ کے [illegible] عشق تمام ہوتا ہے — تمہاری بے ستم [illegible] ہی کا نام ہوتا ہے
آنکھوں میں جگہ کی [illegible] ادھر آگئے — دل [illegible] ہم [illegible] ہی تیر نظر آگئے

میری تڑپ نے یار کی شوخی نے بزم میں
تصویر کھینچ دی ہے سوال و جواب کی

تیرے سب ناز ہیں گو زندہ ہی کرنے والے
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنے والے

کافر و مومن جسے دونوں نہ اپنا کر سکیں
برہمن محبکو بت بیگانہ اب چاہیئے

کہتا ہے یہ دل جب سے گیا ہے کہیں قاصد
کیا ہو گئے ہیں تم جو کچھ اچھی خبر آئے

میکدے کی خاک تک سے ڈلیئے یہ دلمیں ہے
کس خرابات کی مٹی اپنی آب و گل میں ہے

ہم کعبہ میں آ کر یہ دعا کرتے ہیں اے شیخ
جنت سے نکلیے کوئی اللہ کے گھر سے

لو بند کئے لیتے ہیں ہم دیدۂ مشتاق
اب دیکھیں تو آ جاتے ہو تم دلمیں کدھر سے

خواب غفلت ہی سے بہتر کہ ہم آغوش ہے یار
آنکھ کھلنے پہ یہ سامان رہے یا نہ رہے

میخانہ پوچھتا تھا کہ میں خانۂ خدا
بہکا کے لاتے حضرت زاہد کدھر مجھے

قدموں سے ہم لگے ہوئے تھے یا جدا ہوئے
مہندی سے تھے انکی پاؤں کی ایڑیاں پا ہوئے

لو جی سکتے جو آ کے کہا تم نے مر کہیں
اچھی گھڑی سے کوسنے ہمکو دعا ہوئے

(انتخاب دیوان سوم)

غم دلدار جب آتا ہے دل خوش ہو کے کہتا ہے
مرا سرمایۂ عیش و نشاط زندگی آیا

سنبھالا درد نے فرقت میں دلکو بھی جگر کو بھی
ادھر گھبرا کے جا نکلا ادھر مضطر کبھی آیا

کیا تھی کسی کی تیر نظر کچھ نہ پوچھئے
اک تیر تھا کلیجے کے جو پار ہی رہا

کیا نیند ہوشیار تھی اس کی شب وصال
سو بھی گیا وہ فتنہ تو بیدار ہی رہا

پوچھتے کیا ہو کہ کیا چیز ہے آنا دل کا
دین و دنیا سے اسے کہتے ہیں جانا دل کا

بولے ہنس کر جو کہا رو کے فسانہ دل کا
دل لگی سمجھے تھے کیا آپ لگانا دل کا

عشق میں ہم یہ نصیحت کئے رکھتے ہیں جلال
رازداں کوئی نہ تم بھید بتانا دل کا

وہ دل کیا جان بھی لیکر کہیں گے
کہ تو کیا اور تیرا حوصلا کیا؟

عدو کو خوش ہمیں ناشاد رکھنا
ذرا اے چرخ اس کو یاد رکھنا

مرا دل لیجئے تم بھول لے تو بھولے
ستم ہے بوسہ دے کر یاد رکھنا

بندوبست اپنا کیا خاک اُنکے گھر میں غیر نے
یَیں نہیں میرا خیال آتا رہا جاتا رہا

اگلے معشوقوں کا ذکر آیا جو اس بیمہر سے
ہنسکے بولا اب وہ دستورِ وفا جاتا رہا

کوئی ایسی بھی جفا ہے کہ ادا اُسمیں نہیں
لطف ہم سے کوئی پوچھے تری بیدادوں کا

دونوں آنکھیں ہیں جلال اشک فشاں فرقت میں
ایک ساون کا سماں رکھتی ہے اک بھادوں کا

مجھے جان دیکے اتنی بخدا خوشی نہ ہوتی
مرے مرنے کا ذرا بھی جو تمہیں ملال ہوتا

سرگرم شوقِ دید ہے پھر کوئی طور پر
تم بھی جلے کو اور جلاتے تو خوب تھا

عاشق سے اگر دور ہی رکھنا تھا الٰہی (ر)
جنت میں نہ رکھا اسے کیوں حور بنا کر

الگ دل کے داغوں سے ہیں دل کی پھانسیں
یہ نکلے ہیں کانٹے گلستاں سے بچکر

جل بجھا وہ اور یہ جلتی رہی
شمع سے کیا کر گیا پروانہ چال

وہ جو آئے میں ز خود رفتہ ہوا
چل گیا یہاں سے صاحب خانہ چال

دم مرا کہتا ہے لے نکلوں گا اک دن اپنے ساتھ (ن)
ہیں تمھاری حسرتِ دل کے مددگار ہمیں تمھیں

بچاتے ہیں تمھیں الزام سے تم پہ جو مرتے ہیں
ادا پر جان دیتے ہیں قضا کا نام کرتے ہیں

دیئے جائیں وہ ہمکو گالیاں جھوٹا کہے جائیں
ہماری تو یہ خو ہی بوسے لیکر کرتے ہیں

غمخوار بھی ہو حضرتِ دل جاں نثار بھی (و)
سب کچھ ہو جان کا مری لیکن عذاب ہو

درد دل کا ہے ترقی پہ اگر ہونے دو
جاؤ تم حال مرا نوعِ دگر ہونے دو

بگڑے کوئی اوروں سے بنے جان پہ اپنی
عاشق ہی کے سر آتی ہے آفت ہو کسی کی

اکیلے کا کہیں دو سرکشوں سے زور چلتا ہے
دوپٹہ لاکھ سینے پر سنبھالو کب سنبھلتا ہے

مار ڈالا مرے بے پردہ ہونے والے
ابتو منہ کھولدے منہ ڈھانک کے رونیوالے

دل نے طوفان محبت میں اُٹھائے کیا کیا
خضر ہی ٹھیرے مرے ناؤ ڈبونیوالے

خوبرویوں کے بگڑنے میں بھی ہیں لاکھ بناؤ
کہیں اچھوں کی کوئی بات بُری ہوتی ہے

آئے شب وعدہ کوئی اور آ کے پلٹ جائے
یوں بھی کسی کم بخت کی قسمت نہ الٹ جائے

سی ہیں سگے گریبان کو سہم - یہ تو بتا دو
کسطرح رفو اس میں ہو دل تم سے جو پھٹ جائے

کھنچکے ملتے ہیں۔ مگر وہ ہم سے ملتے ہیں ضرور
کیا شک اے جذبِ محبت تری تاثیر میں ہے

اِک گلا غیر کا جس میں ہے وہ دستِ نازک
ایک گردن مری جو طوقِ گلو گیر میں ہے

(انتخاب دیوانِ چہارم)

دلبری کی تو ادائیں تھیں انوکھی اُن کی
جاں ستانی کا بھی انداز نرالا ہوتا

شرم کو آپ کی اللہ سلامت رکھے
شوخیوں نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

سامنے میرے حیا نے انھیں آنے نہ دیا
خاک میں نیچی نگاہوں سے ملانے نہ دیا

مرنے دیتی نہیں امیدِ وصالِ جاناں
دل کے آنے نے کہیں جان سے جانے نہ دیا

اِک قدم جانا جنھیں دشوار تھا
شوق لیکر سیکڑوں منزل گیا

رہتا ہے کلیجے میں نہاں دردِ محبت
یہ چوٹ وہ ہے جسکو ابھرنا نہیں آتا

کیوں حشر کے فریادیوں سے ڈرتے ہو اتنا
کیا ظلم بھی تم کر کے مکرنا نہیں آتا

کلیجہ کوئی تھام کر رہ گیا ہے
اُدھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا

فلک ڈرتے ہوئے تھے حبابوں کی صورت
دکھائیگی جو چشمِ تر دیکھ لینا

تماشا مری بیقراری کا آکر
شب وعدہ تم رات بھر دیکھ لینا

اُسکی سی کہنے لگے دیکھئے ناصح اُسے آپ
جانیئے جانیئے بس حضرتِ من دیکھ لیا

صدقے دلِ ستم زدہ کی آن بان پر
تیور نہ بگڑے بن گئی گو اُسکی جان پر

جب آتے ہیں تڑپنے کوئی قاتل سے نکلتے ہیں
جگر تھامے سنبھالے دل کو بسمل سے نکلتے ہیں

دکھلا اُنکے ایک آنسو بھی کھینچیں ہم نے لاکھ آہیں
دھوئیں کیا بے اثر اپنے مجھے دل سے نکلتے ہیں

عشق جس دل میں ہو کیونکر نہ شرر اس سے اُٹھیں
چوٹ کھا کر جو نہ دے آگ وہ پتھر ہی نہیں

ہمہ تن آرزو و شوق و تمنا میں ہوں
لاکھ جھگڑے ہیں مرے ساتھ وہ تنہا میں ہوں

پوچھنا میرا کہ لی کس نے جگر میں چٹکی
اُس دل آزار کا شوخی سے یہ کہنا میں ہوں

پوچھ تو جاتے ہیں آپ آکے کبھی میرا مزاج
اپنا بیمار ہی رکھیے یوہیں اچھا ہیں ہوں

جلا کر رکھتی ہے اُمید وصل اے ہمنشیں برسوں
رہے گو جاں بلب عاشق مگر مرتا نہیں برسوں

نہ جیتے جی ملی راحت نہ بعد مرگ اُلفت میں
فلک کی کیا شکایت ہمکو بیبا کی نہیں برسوں

نہ دینا تھا نہ بوسے لب بلب ہو کر دیئے اُسنے
اِسی اُمید میں لب پر رہی جانِ حزیں برسوں

ہمنے مانا مرنے والوں کو قضا آتی نہیں
کیا تمہیں بھی جان لینے کی ادا آتی نہیں

ہجر کی شب ہو گئی گویا ہر آفت کی سپر
اِس بلا کے خوف سے کوئی بلا آتی نہیں

کونسا دل ہے کہ جس دلمیں نہیں گھر اُن کا
سب کے مہمان بھی ہیں پھر کہیں جاتے بھی نہیں

لن ترانی جو ہے سرِ طور تو موسیٰ ہی سے ہے
ہم جو ایسے نہیں سُنتے تو سناتے بھی نہیں

سوال سُنکے مرا چپ ہی کچھ جواب نہیں
یہ کیا کہ ہاں ہے نہ او شوخ بیحجاب نہیں

جو پوچھا وصل میں محجوب کیوں اے دلربا تم ہو؟
تو شوخی سے وہ بول اُٹھے کہ کتنے بیحیا تم ہو

کسیکا آکے میت پر ہماری ناز سے کہنا
کہو بیگانہ خو نا آشنا اب ہم ہیں یا تم ہو

تیغ ادا کو دیکھو دل کی سپر کو دیکھو
تیرِ نگہ کو دیکھو میرے جگر کو دیکھو

دیکھو نہ آئینے میں اپنی نظر کو دیکھو
حالت ہے کیا ہماری پہلے اِدھر کو دیکھو

روزِ سیہ سے پھر سے انساں پناہ مانگے
بدتر ہے شامِ غم سے رنگِ سحر کو دیکھو

نالہ کھنچتا ہے تو اک دل میں چمک ہوتی ہے
اشک رکتے ہیں تو آنکھوں میں کھٹک ہوتی ہے

جلال آتا ہے کب کوئی پسِ مرگ
اجل بھی دوست ہے بس جیتے جی کی

لازم ہے چشم و دل کو تدبیر اپنی اپنی
پھر عشق جو دکھلائے تقدیر اپنی اپنی

نامہ مجھے وہ بھیجیں پہنچے مرے عدو کو
لکھتا یہ اپنا اپنا تقدیر اپنی اپنی

عاشق کے سامنے دمِ آخر تو آیئے
پردہ اُٹھائیے ملک الموت ہٹ گئے

مرض ہے یا قضا کیا جانے کیا ہے؟
یہ دردِ لا دوا کیا جانے کیا ہے؟

[illegible]

نہیں معلوم کیا کہتی ہے غیرت / تقاضا شوق کا کیا جانے کیا ہے؟

جلال **جلال** - مولوی سید الٰہی بخش عرف ملا جلال عظیم آبادی۔ آپ پٹنہ کے سادات عظام سے تھے اور حضرت داغ دہلوی کے تلامذہ رشید میں آپ کا شمار تھا۔ فارسی زبان میں آپکی لیاقت قابل امتثال تھی اور اس زبان میں شعر بھی خوب کہتے تھے۔ اردو کی طرف توجہ بہت کم تھی۔ محض پاس خاطر احباب سے کبھی ایک آدھ غزل کہہ لیتے تھے۔ سالہا سال بمبئی اور حیدرآباد دکن میں اپنے استاد کی خدمت میں رہے اردو کلام میں بھی صفائی اور شوخی کے علاوہ مضمون کی حلاوت ایک خاص مزہ دیتی ہے۔ بندش بھی بہت چست طرز بیان کا سلیقہ اچھا تھا ۴۲ برس کی عمر میں اوائل سنہ ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔ کلام پراگندہ ہو گیا بصد دشواری چند غزلیں بہم پہنچیں اُن کا انتخاب درج ذیل ہے فقیرانہ روش اختیار کر رکھی تھی۔

نہ کیونکر دل ہمہ اشتیاق ہو ہر بار نشتر کا / مرا غنچہ از نشتر اور ہیں غمخوار نشتر کا
تپاں رہتا ہے دل سینے میں پہلو میں جگر مضطر / کہیں آزار خنجر کا کہیں آزار نشتر کا
ترے قدموں کی ٹھکرائی ہوئی ہے / کرے تجھ سے قیامت سامنا کیا
قیامت ہی کے دن وہ پاک ہوگا / جو کچھ جھگڑا ہے رند و پارسا میں
دم رخصت رہی جاتی ہیں افسوس / تمنائیں دل درد آشنا میں
کبتک غم فراق کا صدمہ سہا کرے / اب بیقرار یہ دل بے اختیار ہے
رہروان رہ تسلیم تھکے ہیں ہر چند / پھر یہ ہمت کہ کمربستہ ہیں چلنے کیلئے

جلیس **جلیس** - نواب سید محمد مہدی علیخان بہادر الموسوی نیشاپوری مرحوم خلف نواب سید علی نقی خان بہادر صمصام الدولہ ناصر الملک شوکت جنگ متخلص بہ عمی و ناصر۔ جناب جلیس ۱۲۴۵ھ میں بمقام لکھنو پیدا ہوئے اور ۲۶ ذی الحجہ سنہ ۱۳۰۱ھ میں بعارضۂ فالج وہیں انتقال فرمایا۔ اور نورباڑی مدفن خاندانِ نیشاپور میں پیوند زمین ہوئے۔ آپ کو شیخ امام بخش ناسخ مرحوم سے تلمذ تھا۔ آپکے صاحبزادے نواب سید عسکری مرزا خاں بلیغ اور سید محمد جعفر خان

ریاض لکھنو میں موجود ہیں۔ کلام باوجود تلاش نہ مل سکا صرف چند شعر ملے وہ حاضر ہیں۔

خود بخود آپ جو تشریف مرے گھر لائے	آگیا آج یہ اے جانِ جہاں کیا دل میں
ربط غیروں سے ہے منظور کہ ہے صاحب	سچ بتا دیجئے جو کچھ ہے ارادہ دل میں
یکتائی کا دعوی تجھے اے یار بجا ہے	تجھسا کوئی دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا ہے
زاہد بخدا ہوں میں دل وجاں سے تصدق	دیکھا نہیں اُس بت کا اگر نام سُنا ہے

جلیس

جلیس - محمد جلیس آپ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں آپکا عالم شباب تھا اور اکثر رباعیاں کہا کرتے تھے۔ جو کلام نظر سے گذرا اس میں سے یہ رباعی منتخب ہو کر درج کی جاتی ہے۔

غیروں کو دکھا کے یہ رنگیلی آنکھیں	کیوں کرتے ہو ہم پہ نیلی پیلی آنکھیں
جیدھر یہ پھریں کریں ہیں قتل مردم	آفت ہیں غضب تری کٹیلی آنکھیں

جلیس

جلیس منشی سید ابو محمد لکھنوی خلف الصدق جناب سلیس و نبیرہ میر انیس۔ غزل اور مرثیہ گوئی دونوں میں جناب پیارے صاحب رشید سے اصلاح لیتے ہیں۔ زبان صاف اور فصیح۔ بندش چست مضمون بلند الغرض تمام خوبیاں آپکے کلام میں موجود ہیں مسودہ کاتب کے پاس جاچکا تھا کہ رسالہ معیار سے آپکے بیوقت انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ جناب جلیس بڑے بامذاق اور دوست پرست شخص تھے آپنے بعارضۂ یرقان ۲۴ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ کو انتقال کیا اور اپنے دادا میر انیس کے پہلو میں دفن ہوئے۔ گذشتہ تین چار سال میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ انکے خاندان کے عقیدتمندوں کو ان سے بڑی امیدیں تھیں مگر سب پر انکی بیوقت وفات سے پانی پھر گیا۔ مشفقی و محبی مسٹر حامد علیخاں صاحب نے ازراہ عنایت چند غزلیں ارسال کیں ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہیں۔

تھا میں اِس حالت میں دیکھا جسنے وہ غمناک تھا	صبح محشر کا گریباں تا بہ دامن چاک تھا
ہجر میں ہر طرح کا سامانِ راحت تھا بہم	تو جو پہلو میں نہ تھا اے بیوفا سب خاک تھا

سیر گلشن میں نہ آیا کچھ تمہیں عاشق کا دھیان
جن کو تم صد برگ سمجھے ہو دلِ صد چاک تھا

بہار آئی ہے دل مائل ہوا وحشت کے ساماں پہ
نظر میری کبھی زنجیر پر ہے گاہ زنداں پر

نظر بدلی بل آیا گیسوؤں میں خشم ہوئی ابرو
جوانی آئی واں یاں آفتیں آئیں دل و جاں پر

سراپا سوختہ ہوں کشتۂ برقِ تبسم ہوں
جلا جاتا ہے کیونکر ہاتھ رکھوں قلبِ لرزاں پہ

ہوئے ہیں قید جیسے عاشقِ چشمِ بتاں تیرے
ہیں اک عالم کی آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں پر

ہوئے ہیں غیر کے نقشِ قدم سبیل فنا مجکو
ٹھہر سکتا نہیں دم بھر زمینِ کوئے جاناں پہ

جفا کس لطف سے کرتا ہے مجھ پر چارہ گر میرے
نظر ہے زخمِ دل پہ ہاتھ ظالم کا نمکداں پہ

اسیری میں بھی مجکو دھیان ہے دل کی تسلی کا
کہ نقشہ کھینچتا ہوں زلف کا دیوارِ زنداں پر

جلیس اچھی نہیں ہے خوش بیانی بزمِ عالم میں
کہ یہ باتیں گراں ہیں دوست و دشمن کے دل و جاں پر

کیا مر کے بھی الفت کے نام کو روشن
چراغِ گورِ غریباں بنی وفا میری

مجھے غرور ہے اس کا کہ دل ہے سینے میں
انھیں ہے ناز بہت زلف ہے رسا میری

خموش رہ نہیں سکتا قفس میں کوئی گھڑی
پسندِ خاطرِ صیاد ہے صدا میری

کسی جگہ پہ ہے بلبل کہیں ہے پروانہ
نئی ہے عالمِ نیرنگ میں وفا میری

تمہارے مصحفِ رخسار میں ہے یہ تحریر
کہ چاہیے دلِ بیمار کو تو امیری

اسکو کہتے ہیں کشش یہ جذب کی تاثیر ہے
ایک ہی جا قلب میں سوفار و نوکِ تیر ہے

صبح ہوتے ہوتے جلکر خاک ہو جائینگے ہم
آج اے دل قصدِ ضبطِ نالۂ شبگیر ہے

بیکلی ہے کھینچکر صحرائے وحشت کیطرف
آپکے دیوانے کو موجِ ہوا زنجیر ہے

یہ بھلا کوئی غزل گوئی کی صورت ہے جلیس
دل ہمارا رنج و غم کی آجکل تصویر ہے

دعا قبول نہیں ہم سے عشق بازوں کی
جو بندے بت کے ہیں سنتا نہیں خدا انکی

نور پھیلا ہے نقاب الٹے ہوئے بیٹھے ہو تم
چاندنی شرما رہی ہے بام پر آتے ہوئے

گدائے عشق سمجھ کے ذرا نگاہ سے
زکوٰۃ حسن کی بوسہ خدا کی راہ سے

قتل سے محروم ہوں میں ضعف کی تاثیر سے
تشنہ کامان محبت پر انھیں رحم آ گیا
کیا تعجب ہے جو حسن و عشق کی تاثیر سے

سو قدم پر اڑ کے گرتا ہوں ہوائے تیر سے
سب کے دل ٹھنڈے کیئے آب دم شمشیر سے
دوست کو آواز کیئے دوست کی تصویر سے

جلیس
جلیس - منشی محمد حسین - قصبہ مچھلی شہر ضلع جونپور کے باشندے اور حضرت احسان شاہجہانپوری کے شاگردوں میں درجۂ امتیازی رکھتے ہیں - چند سال ہوئے "بہار سخن" نامی ایک پرچہ بھی جاری کیا تھا جو چند ماہ نکلکر بند ہو گیا فارسی استعداد معقول اور طبیعت کا رنگ یہ ہے -

دل پستے ہیں جس چال میں وہ لغزش پا ہے
گھونگھٹ میں تڑپتی ہے ان آنکھوں کی شرارت
بتوں پر جان جاتی ہے حسینوں پہ فدا دل ہے
دل مجروح کو تڑپا دیا بلبل کے نغموں نے
صراحی سے نہ کچھ مطلب نہ مینا کی مجھے خواہش
قیامت میں جلیس اب ان بتوں کو کیا کریں رسوا

ساقی تری رفتار میں مستانہ ادا ہے
بے چین وہ ارمان بھرے دل کے لیئے ہے
مری مٹی میں خاک کشتگان عشق کا دل ہے
نمک پاش جراحت باغ میں شور عنادل ہے
یہاں خون تمنا سے لبالب ساغر دل ہے
کسی سے کیا کہیں کیونکر مرے ہیں کون قاتل ہے

جلیل
جلیل - منشی علی مرزا صاحب جلیل - باوجود تلاش آپ کا حال اسیقدر معلوم ہوا کہ آپ زمانہ غدر میں لکھنؤ میں زندہ سلامت موجود تھے - یہ آپ کا کلام ہے -

غیر ممکن ہے کہ اسکو دم محشر دیکھیں
کل کا پتلا ہوں اشاروں سے نگہ کے مجھکو
چشم ساقی میں مروت کا ذرا نام نہیں
ہے عجب تاثیر عشق ابروے خمدار کی
چین سے سوئے نہ کیونکر رات بھر وہ مست ناز
وا ہوئیں غفلت سے آنکھیں دیکھکر موئے سفید

جو نہ دیکھا ہو اُسے آنکھ سے کیونکر دیکھیں
جسطرف آپکا جی چاہے پھرا کر دیکھیں
کیا ندیدوں کی طرح جانب ساغر دیکھیں
در دبھی اُٹھ کر دکھاتا ہے چمک تلوار کی
لے گیا ہے نیند میرے دیدۂ بیدار کی
صبح ہوتے ہی دکانیں کھلتی ہیں بازار کی

جلیل
جلیل - شاعر بیبدل فاضل نبیل فخر زمن حافظ جلیل حسن خلف مولوی حافظ عبدالکریم صاحب

مانکپور کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد رشید و جانشین مشہور ہیں۔ قریب ۴۰ سال کے عمر ہے۔ نہایت متین و مہذب اور خاموش آدمی ہیں۔ ۲۰ برس کی عمر میں منشی صاحب کے شاگرد ہوئے عرصۂ دراز تک بلکہ منشی صاحب کے آخر زمانے تک دفتر امیر اللغات کے سکرٹری رہے۔ اپنے بزرگ استاد کے ہمراہ حیدرآباد دکن گئے اور بعد انتقال حضرت امیر مینائی مرحوم آج تک وہیں اقامت پذیر ہیں۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیشکار و مدار المہام حیدرآباد دکن کی سرکار سے سو روپیہ وظیفہ پاتے ہیں۔ اور اکثر حیدرآباد کے نومشق شعرا آپ سے فن سخن میں مستفید ہوتے ہیں۔ منشی صاحب کی وفات کے بعد مرحوم کے بعض تلامذہ نامی مثل حضرت ریاض، مضطر، وسیم۔ وغیرہ نے جناب جلیل کو منشی صاحب کا جانشین قرار دیا۔ چنانچہ اب وہ اسی لقب سے لکھے جاتے ہیں اور اکثر تلامذۂ حضرت آپ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ فارسی کی استعداد زبردست ہے اور عروض و قوافی میں خاص دخل رکھتے ہیں۔ الغرض شاعری کے متعلق جتنی معلومات ضروری ہیں آپ ان سے بخوبی بہرہ ور ہیں۔ کلام کا پایہ نہایت بلند ہے ساری استادانہ ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سادگی بیان و صفائی زبان کے ساتھ ساتھ بلند پروازی اور نازک خیالی دو متضاد صفتیں آپکے کلام میں جمع ہوئی ہیں جو بہت ہی کم کسی کے کلام میں ہوا کرتی ہیں۔ اشعار میں بانکپن کے ساتھ ایک خاص مزہ ہے جو سامع کے دل کو اپنے جادوانہ اثر سے تڑپا دیتا ہے۔ اگرچہ ان کے اکثر اشعار رعایت لفظی اور محاورہ بندی سے باہر نہیں ہوتے مگر بندش کی چستی اور بیان کی سلاست اس نامطبوع رنگ کو نہایت دلچسپ بنا دیتی ہے اور بے اختیار منہ سے تعریف نکلتی ہے۔ آجکل دنیائے شاعری میں آپ امتیازی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور حقیقت میں اسی قابل ہیں۔ مذاق سخن نہایت پاکیزہ اور ستھرا ہے جسکی جلا نے انکی خداداد طبیعت کو اور بھی چمکا دیا ہے۔ حضرت امیر نے جسقدر انکے کلام کی تہذیب اور اصلاح میں محنت کی اس سے بہت زیادہ اس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا۔ بلاغت متانت

خوش مذاقی۔ شوخی۔ مضامین عالی کی بلند پروازی ان میں سے کونسی شے ہے جسکی بالتصریح تعریف کی جائے یہ سبھی کچھ ہے اور اپنے اپنے محل اور موقعہ پر ان میں سے ہر چیز کا بقدرِ ضرورت ایک مناسب طریقہ سے صرف ہے۔ اکثر اشعار انکے ناخن بدل زن اور لذتِ عشق چشیدہ دلوں کو تڑپا دینے والے نظر آئے۔ آپکی طبیعت ہمہ گیر اور ہمہ گو واقع ہوئی ہے۔ نیکدلی اور انکسار منشی صاحب کے فیضانِ صحبت کا اثر ہے اور غالبًا اسی ایک صفت نے اُنھیں منشی صاحب کا جائز جانشین بنوا دیا۔ ایک دفعہ راقم تذکرہ کو آپنے تحریر فرمایا کہ "کوئی امتیاز خاندانی علمی وعملی ایسا نہیں ہے جو قابلِ ذکر ہو سوائے اسکے کہ حضرت امیر مینائی قدس سرہٗ کی خدمت میں مدتِ دراز تک رہنے کا اتفاق ہوا ہے ؎ جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد • وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"۔ جو ان صالح اور پابند مذہب ہیں۔ خدا انکی عمر میں برکت دے اور اُس رتبہ شاعری کو پہنچائے جو انکے استادِ مرحوم کو حاصل تھا۔ اصنافِ سخن پر وہی قدرت اور قبضہ حاصل ہو۔ آپ کا دیوان ابھی شائع نہیں ہوا مگر غزلیں برابر رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ رسالہ محبوب الکلام جو مہاراجہ مدار المہام کی زیر سرپرستی شائع ہوتا ہے اُسکا اہتمام آپ ہی سے متعلق ہے۔ باعتبار قدردانی فن یہ امر قابلِ مسرت ہے کہ کامل دس سال کی استادی کے بعد اوائل سنہ رواں ۱۹۱۱ء میں حضور نظام نے مہاراجہ مدار المہام کی پُر زور سفارش پر آپکی قدر افزائی فرمائی اور آپ زمرۂ شعرائے دربار میں محسوب ہوکر اب پانچسو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے ہیں۔ جناب امیر کے صاحبزادے منشی لطیف احمد اختر کا بھی جن کا ذکر خیر جلد اول میں آچکا ہے اسی سلسلے میں چار سو روپیہ ماہواری منصب پر تقرر ہوا ہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

بیوفا یار باد خانہ ہوا	دل ہوا دل کا مدعا نہ ہوا
لوٹ ہیں غنچے بھی آن پتلی دل	مسکرا کر جسکو دیکھا کھل گیا
ہائے کیا لذت بھری تھی تیغ ناز	زخم روتے ہیں کدھر قاتل گیا

بتوں کو چھوڑ کے نام خدا لگے رٹنے
جلیل آج یہ دل میں تمہارے آ گیا

بلبل کی بہار میں نہ پوچھو
منہ چومتی ہے کلی کلی کا

درد والے کو دہڑتے ہیں پرائی آگ میں
تو جو اٹھی شمع سے پروانہ جل کر رہ گیا

کچھ سجھا نہ ہمنے کب چمکی تری برقِ جمال
اسقدر جانا کہ دل پہلو میں جل کر رہ گیا

جب ترے عشق کا پھندہ مری گردن میں رہا
پھر برابر ہے قفس میں کہ نشیمن میں رہا

کبھی اِس گُل کا لیا بوسہ کبھی اُس گل کا
اے جنوں مشغلہ اپنا یہی گلشن میں رہا

صبح ہوتے ہی ہُوا جامہ دری میں مصروف
ہائے وہ ہاتھ جو شب بھر تیری گردن میں رہا

لوگ آرام کی خاطر رہے دُنیا میں خراب
اور آرام چھپا گوشۂ مدفن میں رہا

پھول بنکر مرے اشعار بٹے یاروں میں
داغ بنکر مرا مضموں دلِ دشمن میں رہا

چاک دامانِ یوسف تو کوئی بات نہ تھی
ہائے وہ چاک زلیخا کے جو دامن میں رہا

دونوں خواہاں کہ تری تیغ مری ہو کے رہے
مرتے مرتے یہی جھگڑا سرو گردن میں رہا

قیس و فرہاد کا بھرتے رہے بہروپ جلیل
یہی سودا تھا یہی کھیل لڑکپن میں رہا

مانگے جائینگے تجھکو تجھ سے ہم
منہ میں جبتک زبان ہے گویا

مژہ کی پھانس چبھنے سے مزا پورا نہیں آتا
یہ بڑھکر تیر ہوتی۔ تیر دل کے پار ہو جاتا

یہاں تو ہے غرض اِس سے کہ جینے کا سہارا ہو
وہ ملتے یا نہ ملتے وصل کا اقرار ہو جاتا

ترے جلوے سے غش آتا نہیں موقوف موسیٰ پر
یہ وہ مے ہے کہ جو پیتا وہی سرشار ہو جاتا

کیا چالکر نے مجھے بسمل تو کیا تعریف ناوک کی
تری چٹکی میں رہتا اور دل کے پار ہو جاتا

ہمارا طائرِ دل مرغِ دست آموز ایسا ہے
جو تم چمکارتے چٹکی بجاتے پار ہو جاتا

تم وہاں پان ہو نہیں موقع حجاب کا
کیوں پوچھتا لو پھول سے منہ پر نقاب کا

آتے ہی سبزہ باغ دکھ کر ہوا ہوا
جھونکا تھا اک صبا کا زمانہ شباب کا

تصویر اُن کی سارے مرقع کی جان ہے
گویا چمن میں پھول کھلا ہے گلاب کا

اُس برق وش کو تو کہیں دم بھر نہیں قرار
بچپن کہاں تک اُن کی اُمنگوں کو روکتا
دل نے کیا ہے فتنۂ محشر سے مشورہ
اللہ اللہ کوئے جاناں کی زمیں ہے وہ زمیں
پرتوِ رخ کا تماشا جلوہ گہہ میں دیکھئے
ستم ہے مبتلائے عشق ہو جانا جواں ہو کر
ستم ڈھاتے ہیں تیرِ ناز دل میں میہماں ہو کر
یہی عالم ہے گر جوشِ جنوں میں خاک اڑائیگا
حسیں ہیں اُنکو ہر صورت سے اپنا کام کرجانا
ہستی و عدم دونوں ہمارے ہی تو گھر ہیں
سکے جاتے ہیں قاتل کی ادا پر
ہماری ہے خطا یا پیارے مُنہ کی
تو سلامت ترے انداز پہ مرنیوالے
موت ہے مفت میں بدنام حقیقت یہ ہے
آج سُنتے ہیں وہ اپنا مدعا کہنے کو ہیں
وہ زبانِ تیغ سے کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
پا کے اُن کو بڑھ گئی ہے اور بھی کچھ آرزو
ساری دُنیا جانتی ہے جیسے ہیں حضرت جلیل
بہار ہے ترے کشتوں کی سادہ رنگی پر
دوہائی ضبط کی آنسو پئے نہیں جاتے
بالاتے آسماں ہیں زمیں پر ہمیں نہیں

کس پر پڑے گا صبر مرے اضطراب کا
آخر کو رنگ چھوٹ ہی نکلا شباب کا
تو خاکِ راہِ دوست ہو میں خاکِ پائے دوست
سیکڑوں بیٹھے ہیں گھر چھوڑے جہاں میری طرح
لوٹتی پھرتی ہیں ہر سو بجلیاں میری طرح
ہمارے باغِ ہستی میں بہار آئی خزاں ہو کر
رہے تو دردِ دل ہو کر جو نکلے تو فغاں ہو کر
زمیں بھی سر پہ اک دن آرہیگی آسماں ہو کر
بگڑ کر مسکرا کر گرم ہو کر مہرباں ہو کر
اُس گھر میں سب چلے جائینگے اِس گھر سے نکل کر
کہیں منہ پھر نہ زخموں کے سیئے جائیں
جو کہتا ہے مرے بوسے لیئے جائیں
موت کا بھی کہیں احسان لیا کرتے ہیں
دل جو لیتے ہیں وہی جان لیا کرتے ہیں
کون جانے دل میں کیا ہے مُنہ پہ کیا کہتے ہیں
ہم لبِ زخمِ جگر سے مرحبا کہنے کو ہیں
کل تھے کیا کہنے کو ہم اور آج کیا کہنے کو ہیں
جان دیتے ہیں بتوں پر پارسا کہنے کو ہیں
کوئی چراغ کوئی گل سرِ مزار نہیں
بھرے ہوئے مرے وہ جام چھلکے جاتے ہیں
راحت ہے جس کا نام وہ اے دل کہیں نہیں

کعبہ ہو یا کہ دیر ہو گلشن ہو یا بہشت
شوخی کا وصل میں جو ارادہ ہوا کچھ اور
لو جوانی آگئی اب خیر جانوں کی نہیں
نصیب سے کہیں مرنا کسی پہ ہوتا ہے
اسے بھی آپکے ہونٹوں کا پڑ گیا چسکا
یہ پاک صاف ہمیں ہیں کہ ہے تو دامن تر
گنہ گنہ نہ رہا اتنی بادہ نوشی کی
ہجوم چار طرف سے ہے اب نگاہوں کا
کیا خوب ہوا حشر گنہگاروں کا واعظ!
گل و بلبل ہنسیں بولیں صبا سے بھی ہو سرگوشی
ادھر وہ پیار سے مدفن پہ میرے ہاتھ رکھے ہیں
خدا آباد رکھے کوچۂ قاتل میں ہے امن ایسا
تمھیں جانو کہاں چھپ چھپ کے تم راتوں کو جاتے ہو
خوشی یا رشک تو جب ہو کہ مجکو ہوش ہو اس کا
ادھر دیکھا جو وقتِ گریہ فوراً تھم گئے آنسو
بہار آئی ہے نکھرے ہیں عروسانِ چمن کیا کیا
ہمیں الزام دیتے ہو کہ ہم پر کیوں خفا تم ہو
بجا ہے تم نے تڑپایا ہمیں یونہیں تڑپتا ہوں
بگڑ کر جان کیوں لیتے ہو صاحب یوں بھی ضرور جانی ہے
آنچل وہ منہ پہ ڈالکے چلنا حیا کے ساتھ
اب وار تم کرو نہ کرو اختیار ہے

جو بات کوئے یار میں ہے وہ کہیں نہیں
کس ناز سے حیا نے پکارا نہیں نہیں
وہ اُٹھا فتنہ جسے تم بھی دبا سکتے نہیں
مزہ جو اس میں ہے وہ عمرِ جاوداں میں نہیں
ہزار چھوڑئیے چھٹنے کی اب شراب نہیں
نچوڑئیے تو کہیں بوند بھر شراب نہیں
اب ایک شغل ہے کچھ لذتِ شراب نہیں
نقاب اُٹھ گئی پھر بھی وہ بے نقاب نہیں
سب آگ میں ڈالے گئے رند آتش تر میں
ہمیں سے سب کھٹکتے ہیں ہمیں ہیں خار گلشن میں
ادھر میں بارِ احساں سے دبا جاتا ہوں مدفن میں
ہزاروں پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں مدفن میں
تمھارے نقشِ پا کچھ کہہ رہے ہیں کوئے دشمن میں
مرے پہلو میں وہ بیٹھے ہیں یا آغوشِ دشمن میں
کسی نے سی دیا تارِ نظر سے چشمِ گریاں کو
جلیل اسوقت چلنا چاہیئے سیرِ گلستاں کو
ہماری آنکھ سے دیکھو تو ہو معلوم کیا تم ہو
تمھارے تیر ہیں کچھ بے خطا کچھ بخطا تم ہو
خفا ہونے کو میرا دم ہے کیا کم جو خفا تم ہو
سایہ کو دیکھکر وہ جھجکنا حیا کے ساتھ
تلوار کھینچنا ہی غضب تھا ادا کے ساتھ

رنگِ حنا میں ایسی تڑپ ہوتی ہے کہاں
غمزے ہزار ہا ہیں وہاں ایک دو نہیں
شوخی نے کر دیا ہے بہت دن سے بے حجاب
ہم دکھا دیں تجھے زاہد کہ بُت کیسے ہیں
رہن سے شیخ کی پگڑی کو کیا رندوں نے
کہوں کیونکر کہ الفت میں کوئی حسرت نہیں نکلی
جنوں کی جب ہوئی آمد بڑے سب شوق [...]
نہ پوچھو رات میری کیسی گزری بس یہ عالم تھا
فلک کو دیکھتے ہم رہ گئے نکلے جو وہ گھر سے
ہائے کیا کوچہ ہے کیا دلکش فضا ہے کیا ہوا
اتنی جلدی اٹھ گئے کیوں میں بھی تو تیار تھا
پانی آنکھوں میں بھرا ہے آگ ہے دل میں بھری

چھپا ہے تم نے دل بھی کسی کا حنا کے ساتھ
کچھ شوخیوں کے ساتھ ہیں کچھ ہیں حیا کے ساتھ
اب وہ فقط نباہ رہے ہیں حیا کے ساتھ
تو دکھاتے ہیں حوروں کی یہ صورت کیسی
اب جو وہ مانگتے ہیں کہتے ہیں حضرت کیسی
مرے پہلو سے دل نکلا مری جانِ حزیں نکلی
چلا دامن ادھر سے اس طرف سے آستیں نکلی
کہ اب آیا کلیجہ منہ کو اب جانِ حزیں نکلی
یہ عالم تھا کہ اب پاؤں کے نیچے سے زمیں نکلی
بیقراری بیٹھنے دیتی تو دم بھر بیٹھتے
دیکھ لیتے دم نکلتا اور دم بھر بیٹھتے
سچ وہ کہتے ہیں کہ ہم آتے تو کیونکر بیٹھتے

بگاڑا اس آنکھ کا ہے جس قدر ہے
نہ تھی تلوار الفت کی نظر تھی

ابھی پہلے پہل اُن سے لڑی ہے
کہ جی اٹھتا ہوں جب مجھ پر پڑی ہے

میں ڈر رہا ہوں تمھاری نشیلی آنکھوں سے
نقاب کہتی ہے میں پردۂ قیامت ہوں
بتوں کو پوچھتے گذری ہے شرم آئیگی

کہ لوٹ لیں نہ کسی روز کچھ پلا کے مجھے
اگر یقین نہ ہو دیکھ لو اٹھا کے مجھے
جلیل لے نہ چلو سامنے خدا کے مجھے

ہنسی ہوگی جو کوئی دیکھ لے گا

جلیل آنسو تو پونچھو چشمِ تر سے

ایک دن بھی تو نہ اپنی رات نورانی ہوئی
رات کو چھپ کر نکل جاتی ہے میری آنکھ سے
شانے پر بکھری ہوئی زلف اک خوشی کی [...]

ہمکو کیا ملے مہ جبیں گر چاند پیشانی ہوئی
سیر دیکھو انہیں بھی کم بخت سیلانی ہوئی
ہاں کسی کے دل پہ چھائی اور پریشانی ہوئی

وہ خود ہی لوٹ ہے صورت کچھ ایسی بھولی بھالی ہے
جب اُس نے آرسی دیکھی ہے آنکھوں سے لگالی ہے

لطافت سے مرا محبوب تصویر خیالی ہے
وہ پہلو میں ہے اور پہلو مرا خالی کا خالی ہے

دیکھو تو میکدے پہ ذرا اُس کا جھومنا
رندوں سے بھی بڑھی ہوئی مستی گھٹا کی ہے

کیا خوبصورت آنکھ ہے قربان جائیے
شوخی بھی لاڈلی ہے تو پیاری حیا کی ہے

مار ڈالا مسکرا کر ناز سے
ہاں مری جاں پھر اُسی انداز سے

لاکھوں فتنوں کا ہے گویا جاگنا
ایک اُٹھنا اُن کا خواب ناز سے

درد دل پہلے تو وہ سنتے نہ تھے
اب یہ کہتے ہیں ذرا آواز سے

پھر وہی وہ تھے وہاں اور کچھ نہ تھا
جس طرف دیکھا نگاہ ناز سے

مٹ گئے شکوے جب اُس نے اے جلیل
ڈال دیں باہیں گلے میں ناز سے

ترے آنسوؤں میں جو ہوتا اثر
یہ دن کیوں ہم سے چشم تر دیکھتے

رات دل سے مرے اس درد کے نالے نکلے
گھر سے اپنے وہ کلیجے کو سنبھالے نکلے

پھر سر چرخ دھواں دھار گھٹائیں آئیں
پھر ہوا کھانے حسیں گیسوؤں والے نکلے

ناز و انداز نے تنہا اُنھیں چلنے نہ دیا
ساتھ سب گوشۂ دامن کو سنبھالے نکلے

جو نہ مشتاق تھے وہ بھی ہوئے مشتاق جمال
منہ پہ آنچل وہ اس انداز سے ڈالے نکلے

ہائے رخصت کی وہ ساعت وہ اُداسی گھر کی
ہم سنبھالے اُنھیں وہ ہم کو سنبھالے نکلے

نگاہ پھیر لی محو جمال کر کے مجھے
ستم ہے چھوڑ گئے وہ حلال کر کے مجھے

نہ تھا خیال کہ دیتا ہے بے طلب وہ کریم
ہوئی ہے کیسی خجالت سوال کر کے مجھے

جلیل شفقت استاد ہائے کیا کہیے
گئے تو شاعر نازک خیال کر کے مجھے

اُس نے دیدار قیامت پہ اُٹھا رکھا ہے
ہائے نالوں سے قیامت بھی اُٹھائی نہ گئی

سامنے تیغ کے مقتل میں نہ ٹھہرے اغیار
منہ کی کھایا کیے منہ پہ کبھی کھائی نہ گئی

تیغ اُٹھتی جو تمھی منہ پہ ہی مارا ہوتا
جان من تم سے نظر بھی تو اُٹھائی نہ گئی

مجنوں ذرا نظر تو جما دے لگے سامنے
محمل میں جو نہیں وہی محمل کے سامنے

ناقہ چلا ہے نجد کو لیلیٰ کی ہے دعا
پردہ اُٹھے تو قیس ہو محمل کے سامنے

لایا نصیب ناوکِ قاتل کے سامنے
آیا ہمارے دل کا کیا دل کے سامنے

کیا بات ہے شگفتہ دلی ہو جسے نصیب
جنت کی کچھ بساط نہیں دل کے سامنے

کہتا ہے نور چہرے کا چھنکر نقاب سے
ہلکا سا ابر ہے مہِ کامل کے سامنے

آپئے دل لیجئے ہیں کب چُراتا ہوں لطف
آپ بھی آنکھوں پہ پھیری آپ کا ارشاد بھی

چُپ نہ رہتے تو کیا کرتے تمہارے دادخواہ
لب پہ ہر دم آتے آتے تھک گئی فریاد بھی

آفت میں یا دلے تصور سیرِ گلشن ہو وہی
ہم کفِ صیاد میں ہیں قید بھی آزاد بھی

اب ترس کھانا نہ کھانا انکا ہے قسمت کے ہاتھ
دیکھی صورت ہماری چُن چکے فریاد بھی

ہائے کیا حسرت کدہ تھا دل ہمارا اے جلیل
ہو گیا دو روز میں آباد بھی برباد بھی

خوشی دل میں نہیں ہے تو سرور آنکھوں میں خاک آئے
پیالی کیا بھرے جب خیر سے شیشہ ہی خالی ہے

تجلّی تری سیر دکھلا گئی
سرِ طور موسیٰ کو تڑپا گئی

میسر نہ جب شامیانہ ہوا
اُداسی مری گور پر چھا گئی

شبِ غم جو کی خواب کی آرزو
مرے بدلے قسمت کو نیند آ گئی

شبیہ غیر لیکر دیکھنا تو دیکھ سکتا ہوں
قیامت ہے یہ سننا پیار کرلینے کے قابل ہے

کیا انکار دل دینے میں تو وہ چھپ کر بولے
فقط یہ دیکھتے تھے ہم کہ کتنا آپ کا دل ہے

اے شمع مری طرح تجھے چاہیئے جلنا
اُٹھے جو دھواں دل سے تو اونچا ہو سر سے

آنکھوں میں کون آکے الٰہی نکل گیا
کس کی تلاش میں مرے اشکِ رواں چلے

کتنی ہی دیر رہ سکے وہ جانے کا نام لیں
کہتا ہے دل یہی کہ ابھی سے کہاں چلے

رگ رگ میں ہیں بھرے ہوئے نشتر بجائے خوں
پوچھو مرے جلیل سے ترچھی نگاہ کے

جلوہ ترا تھا یا کوئے داروئے بیہوشی
کتنے نقاب اُٹھتے ہی بیہوش ہو گئے

اتنے سے دل کو دی ہے وہ اللہ نے تڑپ
چاہے تو مجھ کو عرش پہ رکھ دے اچھال کے

عبث یہ فکر مجھیں ہے کہ کون ساتھ چلے
اٹھو گے تم تو قیامت نہ اٹھ کھڑی ہوگی

محبت سے جو پیش آؤ تو دل پر کیوں نہ ہو قبضہ
یہ وہ جادو ہے جس سے غیر اپنا ہو ہی جاتا ہے

چن چن کے غیر قتل ہوئے مٹ گئی خلش
کانٹے ہٹائے تم نے محبت کی راہ سے

منہ کے مزے کو ہے یہ فقط اپنی میکشی
دل میں ہزار بار ہے توبہ گناہ سے

ہم کیا کہیں کسی سے کہ دیکھا ہے کیا وہاں
نکلے ہیں ہوش کھو کے تری جلوہ گاہ سے

بھیدی نے گھر کے دل کا پتا دیدیا تجھے
میری نگاہ مل گئی تیری نگاہ سے

جان جاتی ہے کبھی تو بلا سے جائے
انکو اس بات کی ضد ہے کہ مری بات رہے

نامہ ابھی لکھا نہیں قاصد گیا نہیں
لیکن امید و یاس میں جھگڑا ابھی سے ہے

پامال جسکی ہے وہی چلکر اٹھائیں گے
خود اٹھ کھڑی ہو اتنی قیامت نہیں رہی

آنچل جو ڈھلا شانے سے وہ تننے نہ سنبھلا
مچلے ہوئے دل کو کوئی کس طرح سنبھالے

یہاں تو خواب کا آنا خیال میں بھی نہیں
ہمارے خواب میں آنیکی تم نے خوب کہی

فیض صبا یہ ہے کہ جو گذری قریب سے
کچھ پھول جھڑ گئے دہن عندلیب سے

کیا دیکھ لیا قیس نے کہتا ہے جو سب سے
لیلیٰ مری آنکھوں میں ہے محمل میں نہیں ہے

فتویٰ دیا ہے مفتی ابر بہار نے
توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے

رکی رکی جو چھری دست نازنیں میں رہی
تڑپ تڑپ کے تمنا دل حزیں میں رہی

عجب لطف سے کٹتی ہے تیغ قاتل کی
کبھی کمر میں کبھی دست نازنیں میں رہی

یہ تعظیم اللہ اللہ اس صنم کی
جھکی پڑتی ہیں محرابیں حرم کی

انھیں عادت نہیں لذت ستم کی
ادھر شمشیر ادھر تقدیر چمکی

جمال **جمال** سید علی شمس جمال قادری عرف شاہ مرشد علی بغدادی شاگرد جلال لکھنوی شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں اور موزوں طبع شاعر ہیں۔ زبان۔ بندش۔ ترکیب بیان سب چیز پختہ

مجموعی اچھی ہیں- یہ کلام کا انتخاب ہے -

دوا سے دردِ محبت یہاں دو چند ہوا
مسیح خود مرے پاس آ کے دردمند ہوا

کسی صنم کی نہ پروا رہی خدا کی قسم
یہ بے نیاز تمھارا نیازمند ہوا

حسن اے خدا بتوں کو جو تو نے دیا دیا
ایسے بتوں کا عشق مجھے کیوں بھلا دیا

الٰہی ہم تو نکلے بوستاں سے
نکالا جائے گلچیں بھی وہاں سے

خون سے میرے نکھرا ہوا ثابت اُن کا
جھوٹی مہندی نے یہ دی پکی گواہی کیسی

دل لُبھاتی ہے اُن آنکھوں کی سیاہی کیسی
موہنی رکھتی ہے وہ سحر نگاہی کیسی

جمیل

جمیل - نواب علی نقی خاں صاحب مرحوم عرف ننھے آغا صاحب خلف الرشید آغا برہان الدین حیدر موسوی نیشاپوری رئیس اعظم فیض آباد نصیر الدین حیدر اور محمد علیشاہ کے عہد میں لکھنؤ میں امیرانہ بسر کرتے اور بیش قرار وظیفہ پاتے تھے- خاندان شاہی سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے تفنن طبع کے طور پر شعر بھی کہہ لیتے تھے ایک قدیم بیاض سے یہ چند شعر منتخب ہوئے-

وہ نزع میں آئے ہیں کہ لینے دے کچھ اُن سے
للہ ذرا تھم جا اے دردِ جگر اتنا

ضعیفی میں تو ایسے ظلم کرتا ہے جوانوں پر
اگر اے پیرِ گردوں تو جواں ہوتا تو کیا ہوتا

جان لے گا کہ کرے گا دلِ جاناں میں اثر
کیا کرے گا یہ مرا دردِ جگر آج کی رات

جنوں تیری بدولت اسقدر صحرا نوردی کی
کہ دامن رہ گیا کانٹوں میں آخر دھجیاں ہو کر

جمیل اس کا سبب کیا ہے کہ آزردہ پھرے وہاں سے
گئے تھے کوچۂ قاتل کو تم تو شادماں ہو کر

نحیف فرقتِ جاناں نے کر دیا ایسا
قضا بھی پھر گئی سو بار آ کے بستر پر

اے نالۂ شبگیر دکھا حسنِ اثر آج
وہ چاند سا منہ خواب ہی میں آئے نظر آج

اندوہِ شبِ غم سے کبھی جان نہ بچتی
پہنچی نہ اگر پیکِ سحری میری خبر آج

کیوں خاک اُڑاتے ہوئے پھرتے ہیں بگولے
کس بے سر و ساماں کا ہے دنیا سے سفر آج

جب طلب کرتا ہوں بوسہ رخِ روشن کا جمیل
نیچی کر لیتا ہے شرما کے وہ دلدار آنکھیں

جمیل

جمیل جمیل الدین نام۔ شیخ پور انواح فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ خوش کلام اور اچھا کہنے والوں میں تھے میر احسان الدین محزوں کے شاگرد تھے اور بعض تذکرہ نویسوں کے قول کے بموجب میر نظام الدین ممنون سے بھی اصلاح لی تھی۔ جوان قابل۔ وجیہ۔ عاشق مزاج اور خوش اخلاق رند مشرب تھے۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں ان کا کلام نظر سے گزرا اس میں سے چند شعر انتخاب ہوکر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں بعض غزلوں میں تمنا تخلص بھی کرتے تھے۔

جبہہ سا دیکھ مجھے نقش قدم پر اپنے		سرگراں ہو کے کہا خاک پہ سر مار پڑا
رونا آتا ہے ہمیں دیکھ کے احوال جمیل		حالت نزع میں ہے کل سے وہ بیمار پڑا
نہ اٹھا گو چوایا منہ میں پانی اسکے شبنم نے		ہوا بیہوش یہاں تک دیکھ کر غنچہ دہن تیرا
آنکھوں کا اس پری کے پھڑکنا نجائیگا		وحشی ہیں یہ غزال بھڑکنا نجائیگا
بارش کو چشم تر کی کروں ضبط گو جمیل		بجلی کا آہ کی یہ کڑکنا نہ جائیگا
ہے یوں نظریں چرانا غیر سے ہو چار چشم		آپ سے ہمکو یہی ہے ای بت عیار چشم
مجھ صید مرغ دل از بس وہ صید انداز ہے		پنجۂ مژگاں جس کا چنگل شہباز ہے
پا بگل حیرت سے ہی سرو گلستاں رہتا ہے		کس قیامت قد کا یاں قمری خرام ناز ہے
اسکی فوج غمزہ سے ہر روز ہے یہ دو بدو		کچھ جمیل خستہ جاں بھی زور ہی جانباز ہے
شرمندہ اس مژہ سے فقط اب نہ تیر ہے		ابرو کے دور میں بھی کماں گوشہ گیر ہے
دامن سے لگ گیا ہے گر اسکی اے نسیم		مشت غبار اپنا جو رشک عبیر ہے
کاہیدہ اسقدر ہے یہ بیمار ہجر میں	ق	آتا جو دیکھنے کو صغیرہ کبیر ہے
بستر پہ جسم زار کو اسکے فتادہ دیکھ		لیجائے ہے گمان کہ تار حریر ہے

جمیل

جمیل۔ جمیل الدین جمیل ابن شیخ حفیظ الدین باشندۂ تھانیسر۔ یہ اشعار ایام نابالغی کے ہیں۔ حداثت سن کے سبب مضامین مسخر خیز ہیں۔ غدر سے پیشتر شہر دہلی میں تعلیم پاتے تھے بعد کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ چند شعر حاضر ہیں۔

پڑھا ہی لیتا اُٹھنگے پہ اُس ستمگر کو
جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

تو نے دیکھی ہیں غیر کی آنکھیں
تیری نظروں میں کب سمائینگے ہم

ق
کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجے
اِسی کیواسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنسکر لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں کچھ میں
کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں

لبِ لال اُس کا ہے مسی آلود
اور کچھ پان کی سی لالی ہے
لال تو ہے یہ سچ ہے یہ صُمٌ بکمٌ
چٹکی سرمہ کی اُسنے کھالی ہے

جمیل

جمیل منشی سید جمیل احمد جمیل ابن منشی سید امتیاز علی سہسوان ان کا وطن اور سنہ ۱۲۷۶ ہجری سال ولادت ہے۔ آپنے صہبا و تسلیم اور منیر شکوہ آبادی سے اُردو میں اور زبان فارسی میں افتخار الشعرا خان محمد خان شہیر تلمیذ غالب مرحوم سے مشق بہم پہنچائی بسبب ملازمت بھوپال آپکی عمر کا زیادہ تر حصہ رؤسا نامدار و والیۂ ریاست کی ثنا گستری میں بسر ہوا۔ چنانچہ بیشمار قصائد و قطعات اور مسدسات و ترکیب بند وغیرہ آپکی تصنیف سے ہیں اشعار میں زبان اور محاورہ کی صفائی کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ بندش اور اسلوب بیان کا سلیقہ بھی بُرا نہیں۔ یہ آپکے اشعار ہیں ❊

بارِ عصیاں نہ گُنہگار اُٹھا کر لیجائیں
لے خدا راہ میں لُٹ جائے یہ ساماں اُن کا

کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

کہتے ہیں وہ نگاہ کی زد پر جگر نہ ہو
کیا خوب واں تو تیغ ہو اور یاں سپر نہ ہو

یہ کاوشیں نہیں مژۂ سینہ دوز کی
دیکھو تو میرے دل میں کہیں نیشتر نہ ہو

اے جذبِ عشق بات نجائے شبِ فراق
ایسا نہ ہو ہم آہ کریں اور اثر نہ ہو

محشر میں کیوں یہ شور تظلم ہے ہر طرف
دیکھو کہیں یہاں بھی وہ بیداد گر نہ ہو

مجھکو دکھا کے غیر کو بوسہ نہ دیجیے
بیداد ہو ستم ہو مگر اسقدر نہ ہو

تیغ نگہ کا وار رہے کچھ دل لگی نہیں
کہہ دو کوئی جمیل سے سینہ سپر نہ ہو

بہت اس گل کے بلبل ہیں الجھتے کیوں نہیں اس سے / مجھی پر خار کھائے بیٹھے ہیں کانٹے بیاباں کے

دہشت عبث ہے خلق کو روزِ شمار کی / ہوگی سحر وہ میری شبِ انتظار کی

کیوں ناگوار ہمکو جفائیں ہوں یار کی / ہمدم یہی تو یار کی باتیں ہیں پیار کی

اچھی کہی کہ آپ نہ چاہا کریں ہمیں / گو یا کہ ہے یہ بات مرے اختیار کی

آخر چلے نہ آئے چلی شوخیوں کی کیا / دیکھی کشش ہمارے دلِ بیقرار کی

آنکھیں ہیں اور نظارۂ صیادِ گلعذار / حاصل ہے ہمکو سیرِ قفس میں بہار کی

شہرت ہو وصلِ غیر کی مجھ پر عتاب ہے / لیتے نہیں خبر نگہِ شرمسار کی

مجھسا گناہگار بھی بخشا گیا جمیل / کیا شانِ عفو ہے مرے آمرزگار کی

میری ہمدردی کا ثمرہ دیکھئے پائینگے کیا / بے اثر تدبیر ہوگی تو وہ شرمائیں گے کیا

ہوں میں ناکامِ ازل وہ میرے کام آئینگے کیا / دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا

زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا

ہاتھ باندھے اور جھکائے ہم رہیں سر کب تلک / بات ڈر ڈر کر کریں با دیدۂ تر کب تلک

تا کہیں ہمدم سنو گے کان دھر کر کب تلک / بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک

ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا؟

غیر سے سمجھے ہوئے ہیں وہ محبت کو گناہ / سیدھے سادے ہیں حقیقت پر نہیں انکی نگاہ

اسکو میں بھی مانتا ہوں ہیں وہ میرے خیرخواہ / حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ

پر کوئی اتنا تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

انکی ابرو دیکھی ہے شمشیر سے بھاگینگے کیوں / کھائی ہیں چوٹیں نظر کی تیر سے بھاگینگے کیوں

عاشقِ بدنام ہیں تشہیر سے بھاگینگے کیوں / خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں

ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

جمیل

جمیل - ان کا نام اور حال معلوم نہیں ہوا اتنا معلوم ہے ایک مولوی صاحب سندیلے کے رہنے والے

اور جناب سہر کے شاگردوں میں تھے ۱۳۰۳ ہجری میں موجود تھے یہ اُنکے اشعار ہیں +

گیسوئے یار سے دیکھے نہیں بڑھکر گیسو
سنبل باغ جناں سے بھی ہیں بہتر گیسو

اُلٹے لٹکائے گئے خوب ہوا خوب ہوا
دل کی عاشق سے لیا کرتے تھے اکثر گیسو

کون سا حسن خدا نے نہ دیا اُس بت کو
خال مشکیں خط شبرنگ معنبر گیسو

جمیل

جمیل۔ سید محمد سجاد صاحب لکھنوی۔ باوجود کوشش آپکے حالات دستیاب نہیں ہوئے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ دور موجودہ کے شاعر ہیں۔

یہ نزاکت دیکھنا کرتا ہوں جب بوسہ کا قصد
سرخ ہو جاتا ہے رنگ اُس شوخ کے رخسار کا

کروٹیں لاکھوں بدلتا ہوں پہ نیند آتی نہیں
رات بھر مجکو ستاتا ہے تصور یار کا

دیکھیں تو آپ آکے کہیں لالہ زار دل
دکھلا رہی ہے رنگ گلستاں بہار دل

سن کے نام وصل آخر اتنا شرماتے ہو کیوں
جان جان شکل عروس نو جھکے جاتے ہو کیوں

یہ بھی کہتے ہو کہ میرے کام کا بالکل نہیں
پھر مرا دل اپنی مٹھی میں لیئے جاتے ہو کیوں

جنوں کا جوش کم ہوتا ہے صحت ہوتی جاتی ہے
یہ خار دشت کار نشتر فصاد کرتے ہیں

جلوہ جو دیکھا طور پہ غش کھا کے گر پڑے
کھینچے کچھ اتو حضرت موسیٰ ہوس نہیں

مطمئن رہنا نہ اے غافل سرائے دہر میں
قبر ہے تیرا مکاں دنیا مسافر خانہ ہے

جمیل

جمیل۔ منشی محمد حسین صاحب جمیل مرحوم۔ آپ ضلع میرٹھ کے باشندے تھے۔ مگر بسبب ملازمت عرصہ دراز تک ملتان میں سکونت پذیر رہے آپ وہاں کی کسی عدالت میں نقل نویس اور مثل خواں تھے۔ کئی برس ہوئے چالیس بیالیس برس کے سن میں انتقال کیا حضرت فراغ دہلوی سے آپ کو فن سخن میں تلمذ تھا نعت کہنے کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ عاشقانہ اور نعتیہ دونوں دیوان آپکے شائع ہو چکے ہیں۔

اُٹھانا بار محبت محال کیسا ہے؟
نہ سوچے پہلے سے اسکا مآل کیسا ہے

تقدیر دیکھئے ابھی دکھلائے کیا مجھے
خود بیوفا ہیں کہتے ہیں وہ بیوفا مجھے

کبھی سرپہ کبھی کاندھے پہ کبھی سینے پر	اک طلسمات کا عالم ہے دوپٹہ کیا ہے

جمیل

جمیل - جناب میر تراب علی صاحب خلف میر ریاست علی مرحوم سابق مہتمم باورچیخانہ نیازات سرکار عالی نظام - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں - خلاصۂ کلام ملاحظہ ہو

ترا جمال میں دیکھوں یہ مجھ میں تاب نہیں	حسین لاکھوں ہیں لیکن ترا جواب نہیں
بھروسہ کرکے کرم ہی پہ تیری آئے مولا	گناہ اتنے کیئے ہیں کہ کچھ حساب نہیں
ہمارے خط کو جو دیکھا تو بولے قاصد سے	جواب یہ ہے کہ اسکا کوئی جواب نہیں
بعد مردن بھی تمھاری جستجو درکار ہے	مٹ گئے پھر بھی تمھاری آرزو درکار ہے
جسپہ دنیا لوٹ ہے جمیل کہ ہے حسن ملیح	اُس پہ مرتا ہوں اُسی کی آرزو درکار ہے

جنگ

جنگ منشی جنگ بہادر صاحب جنگ شہر میرٹھ کے رہنے والے خاندانی شخص تھے - عدالت کلکٹری و محکمۂ بندوبست میں عرصہ تک ناظر رہے سرکاری ملازمت سے قطع تعلق کرنے کے بعد مشہور اخبار انیس ہند کی اڈیٹری کا کام قابلیت سے انجام دیا - کسیکی شاگردی نہیں کی - آپ کو انگریزی و فارسی میں بھی کچھ دسترس تھی سخن سنجی - حاضر جوابی ان کا خاص حصہ تھا - ۶ - اپریل ۱۹۰۸ء کو پورے پچاس سال کی عمر میں بمقام لاہور دنیائے فانی کو خیرباد کہا - آپکی تصنیف و تالیف سے کئی کتب مثل چمنستان دلچسپ - چمنستان معرفت و چمنستان صحت وغیرہ شائع ہو چکی ہیں آپکے دو صاحبزادے شاد و رنگ موجود ہیں - کلام کا نمونہ درج ذیل ہیں -

سُن کے آمد کی خبریاں بیخودی طاری ہوئی	اُنکے آنے نے مرے جانیکا ساماں کر دیا
دل میں حسرت کا ہے خوں ڈھیر ہے ارمانوں کا	کیا بُرا حال ہوا ہے مرے مہمانوں کا
خون ارماں کا شب وصل بھی کیا کیا نہ ہوا	دل مرا غنچۂ تصویر تھا - گویا نہ ہوا
پاس الفت رہا مجنوں کو بیاباں میں بھی	آہوئے چشم کوئی آہوئے صحرا نہ ہوا
جگر میں گیا دل سے پیکاں نکل کر	اُٹھا درد بھی ساتھ پہلو بدل کر

مرے ساتھ ہے انقلاب زمانہ
بدل دونگا دنیا کو کروٹ بدل کر

پڑی ہے اوس نالوں سے مرے بلبل کے شیون پر
گرا دو مسکرا کر برق تم پھولوں کے خرمن پر

جنوں - **جنوں** - شاہ غلام مرتضیٰ متخلص بہ جنوں متوطن عظیم آباد پٹنہ ہمعصر مرزا رفیع السودا مہذب صورت پاکیزہ سیرت نہایت خوش مذاق - اکثر فنوں میں قابل اور کامل - بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے مگر مشق سخن میں وہی انہماک تھا - نواب مصطفیٰ خان شیفتہ لکھتے ہیں کہ ان کا وطن الہ آباد تھا اور زہد و تقوی میں مشہور تھے - دیوان ریختہ بھی مرتب کیا تھا انتخاب درج کیا جاتا ہے

کب ماہ اس نمک میں ہمسنگ ہے تمہارا
حقا کہ حسن یوسف پاسنگ ہے تمہارا

آنکھیں بھی چڑھ رہی ہیں منہ بھی اُتر رہا ہے
کچھ رنگ ان دنوں میں بیرنگ ہے تمہارا

مجھ گریباں چاک کو تو اُس کا دامن گیر کر
اِس طرح نقشہ اُتار اُسکی مری تصویر کا

مرشد کامل ہے درد عشق ہر مذہب کے بیچ
میں تو کافر ہوں اگر قائل نہوں اِس پیر کا

وہ آنکھ دے کہ جس سے دیکھیں جمال تیرا
یارب جنوں کے منہ پر اِس در کو باز کرنا

پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر سے پہنچا
تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا

طوف با صدق و صفا کیجے دل آگاہ کا
میرے مذہب میں یہی ہے حج بیت اللہ کا

مرتا ہوں غمگساری جواب نہیں تو پھر کب
اے یار مجھ سے یاری جواب نہیں تو پھر کب

اے جنوں مصرع ترا سودا کے ہے زنجیر پا
قید سے تیری نہیں ہو نکلے اب آزاد ہم

دشمن جاں ہو گئی آخر یہ بینائی مجھے
جو بلا کہتے سو ان آنکھوں نے دکھلائی مجھے

تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا
کہ مٹے وہ آتشہ طاق پر جو دھری تھی وہیں دھری رہی

جنوں - **جنوں** - فخر الاسلام نام دہلی کے مشائخ میں سے تھے اور میر ممنون دہلوی کی شاگردی سے بہرہ یاب تھے - ایک شعر اُن کا ملا اور قابل درج تذکرہ معلوم ہوا -

اٹھی جو شرم تو دونوں ہی دل سے مل نکلے
بجز حجاب یہاں کچھ نہ تھا جو مل نکلے

جنوں - **جنوں** - نواب سراج الدولہ علی محمد خان بہادر سردار جنگ مرحوم رئیس اعظم فیض آباد خلف

نواب محتشم الدولہ مدبر الملک مرزا باقر علی خان بہادر فتح جنگ مرحوم۔ نواب فتح جنگ مرحوم کے والد ماجد نواب حسین علیخاں بہادر باشی بریلی اور روہیل کھنڈ کے صوبہ دار تھے۔ اور یہ خود نصیر الدین حیدر کے وزیر نواب روشن الدولہ کے داماد تھے۔ نواب سراج الدولہ نے اوائل مشق سخن میں خواجہ آتش سے اصلاح لی۔ آنکی وفات کے بعد حضرت اسیر لکھنوی کو اپنا کلام دکھایا۔ آپکی تصانیف سے دو دیوان چھپے ہوئے موجود ہیں۔ شعر خاصہ کہتے تھے تشبیہ اور استعارہ بندی (جس کا اُس زمانے میں زیادہ رواج تھا) کی پابندی آپکے کلام سے مترشح ہے رعایات لفظی کے اسیر تھے۔ نازکخیالی اور زبان کی طرف توجہ کم تھی۔ تاہم کلام میں صفائی اور پختگی پائی جاتی ہے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

حاجیو جاؤ مبارک تم کو کعبے کا سفر
خود مرے پہلو میں گھر موجود ہے اللہ کا

میں مسلماں تھا وہ شاید مجھے کافر سمجھا
مصحفِ رخ کو کبھی ہاتھ لگانے نہ دیا

راحت کی طلب گر دلِ ناشاد کرے گا
کیا جانے فلک کیا ستم ایجاد کرے گا

بوسے کے وعدے پر مرا دل یار لے گیا
یوسف کو مفت مول خریدار لے گیا

مرکر میں شوقِ ابروئے خمدار لے گیا
راہِ عدم میں خوف تھا تلوار لے گیا

کیا کیا خیالِ یار نے دھوکے نہیں دیئے
کس روز اُس پہ حور و پری کا نہ شک گیا

زندگی ہجر میں تھی موت سے بدتر تیری
اپنے جینے کی خدا سے میں دعا کیا کرتا

اگر اے آسمان کچھ بھی سرِ انصاف تو ہوتا
قبائے گل میں تارِ اشکِ بلبل سے رفو ہوتا

اسی مُنہ پر مسیحائی کا دعوی آپ کرتے ہیں
کہ بیمارِ غمِ ہجراں کا درماں ہو نہیں سکتا

زلفِ شب رنگ کو دکھلا کے وہ یہ کہتے ہیں
شب یہ بھاری ہے مرے ہجر کے بیماروں پہ

تکلیف دست و بازوئے نازک کو تا نہ ہو
ابرو خدا نے اُسکو دیئے ہیں بجائے تیغ

کیا کہوں وصل میں ہوتی ہے جو عاشق کو خوشی
حق بجانب ہے جو پر[illegible] ہوا شادی مرگ

آدہمکی اجل بھی ہوئی قاصد نہ پھرا
لب پہ جاں آئی وہ لایا ابھی پیغام نہیں

ظلم سے یار نے چھینا وہ دعا سے پہلے
دل مرا لے لیا دیدے کے دلا سے پہلے

ہاتھ کب آتا تھا مضمون دہن
یہ معمہ حل ہوا ادراک سے

شجر نکلا نہ کشت عشق میں تخم تمنا سے
خدا جانے کہ زیر خاک اس دانے پہ کیا گزری

شراب عید کے دن شوق سے پئیں زاہد
حرام تیسرے فاقے حلال ہوتا ہے

گالیاں دیکر سخی داتا نہ بنیئے مہرباں
دے تجئے گا مجکو وہ جو کچھ کہوں درکار ہے

حق تو یہ ہے کہ بہائم سے بھی وہ بدتر ہے
جس بشر کو کہ تمیز حق و باطل نہ رہے

نالے وہ پر اثر ہیں دل بیقرار کے
گلشن میں ہوش اڑتے ہیں سنکر ہزار کے

غلغلہ ہے فیض ساقی کا چلاوے میکشو
میکدے سنتے ہیں ان روزوں دھرم سالے ہوئے

بے سبب ہیں وہ اگر روٹھ کے جا بیٹھے
گر کے قدموں پہ منالیں گے منانے والے

نہ ہوگی حور کے زانو سے بھی مومن کو یہ راحت
ملی راحت ہمارے سر کو جو خشت سر خم سے

خاموش ترے سامنے غنچہ کا دہاں ہے
حسرت سے تیری آنکھوں کو نرگس نگراں ہے

جائے حیرت جلوۂ معبود ہے
چشم سے پنہاں ہے پھر موجود ہے

(انتخاب از جلد دوم)

نکرتا گر فلک مجبور اسکو
خدا جانے یہ بندہ کیا نہ کرتا

میں اسکی خود نمائی کا ہوں کشتہ میری تربت پر
لگا وجائے سنگ قبر آئینہ سکندر کا

گو ضبط سے میں کچھ نہ کہوں چہرے سے مرے
جو اس پہ قلق ہے وہ نہاں ہو نہ سکیگا

کیا عالم کے چشموں میں تجکو ڈھونڈکر پیدا
نہ تیری سی ہوئیں آنکھیں نہ میری سی نظر پیدا

عشق لب جاں بخش میں ہونٹوں پہ رہا دم
اعجاز مسیحا مرے کچھ کام نہ آیا

کیوں نہ ہو اسکی اداؤں سے مرا کام تمام
نہ لیا شرم سے عاشق کا کبھی نام تمام

بظاہر گو کہ ہم صورت بیزار رہتے ہیں
بکار خویش دیوانے ترے ہشیار رہتے ہیں

کس لیئے حشر یہ برپا ہے قیامت کیوں ہے
قم باذنی وہ کہیں ہوش میں ہم آتے ہیں

کھایا جنوں نے تیر نگہ کس کا راہ میں	جو دل پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں
خط دیکھے نامہ بر سے بھی پہلے روانہ ہو	کچھ شوق دل کا سب سے جدا کارخانہ ہے
کیا خوف ہمکو گرمی خورشید حشر سے	سر پر ترا سحاب کرم شامیانہ ہے
شکوہ تیرا کروں معاذ اللہ	میری جانب سے یہ گماں نہ رہے
وطن کی سمت گئے چھوٹ کے قافلے والے	میں پا شکستہ تڑپتا ہوں کارواں کے لئے
جو کہ تقدیر میں تھے رنج و محن دیکھ چکے	کیسے کیسے ستم چرخ کہن دیکھ چکے
باغباں سیر کو آئے تھے بس اب جاتے ہیں	جلوۂ حسن عروسان چمن دیکھ چکے

جنون

جنون۔ میر فضل علی دہلوی شاگرد میر امانی اسد و شیخ ولی اللہ محب۔ پہلے مست تخلص کرتے تھے۔ محرم الحرام میں کتاب خوانی کیا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

دیکھا سرائے سینہ کو لے کر چراغ دل	دل سوز ایک بھی نہ ملا غیر داغ دل
باندھ کر تلوار جب آیا نظر میرے تئیں	ہو گئی معلوم قاتل کی کمر میرے تئیں
ہوں میں وہ شہباز جسکی سیرگہ تھا لامکاں	عشق نے تیرے کیا بے بال و پر میرے تئیں
یار سے کہیو یہ قاصد کہ جو آنا ہے تو آ	ہم نجائیں چلے دنیا سے یہ ارمان رہے

جنون

جنوں۔ میر مہدی خلف میر عباس عرف میر منڈل فیض آبادی مقیم لکھنو میر رضی رہا کے چھوٹے بھائی اور رشک لکھنوی کے شاگرد تھے یہ اُنکے اشعار ہیں۔

گویا کہ گھڑی نور کی رکھی ہے کمر میں	ایسی ہے منور تری ای رشک قمر ناف
کسی کے تارے نہیں دیکھے چاند ہیں اب تک	تمھارا چاند سا چہرہ ہے اور ستارے گال
رخسار دونوں مہر ہیں ابرو ہلال ہیں	گر مانگ کہکشاں ہے تو ماہ مبیں جبیں
گو وصل یار تھا پہ لڑائی نہیں گئی	میری اور اسکی خوب لڑی رات بھر زباں

جنون

جنوں۔ سید رحمت علی صاحب جنون بریلوی شاگرد حکیم نیاز احمد خان صاحب ہوش۔ آپ شیعہ مذہب تھے اور سنہ ۱۲۷۴ھ میں بریلی میں موجود تھے شعر خوب کہتے تھے اور وہاں کے شاعروں

میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چند غزلیں نظر سے گزریں اُن کا انتخاب حاضر ہے۔

جبتک نہ ہاتھ شربتِ دیدار آئیگا
تجھکو بخار اے دلِ بیمار آئیگا

ابرو کے پاس خواب میں دیکھی ہے چشمِ مست
تعبیر یہ ہے کعبہ میں میخوار آئے گا

تیرِ نگاہِ یار کا چھیڑوں گا ذکر میں
لیتا ہوا جو نوک کی سوفار آئیگا

دہانِ زخم کو بوسہ تو خنجر کا میسر ہو
خدا کیواسطے قاتل لگا اک اور بھی چرکا

ہوکے بسمل بھی محبت تیغِ قاتل کی رہی
ہر دہانِ زخم نے بوسہ لیا تلوار کا

دید کے قابل ہے زخم اُن کا کہ وقتِ ذبح وہ
پانی ٹپکاتے ہیں میرے حلق میں تلوار کا

مرگ کے بعد ہوا خانۂ تربت پُرنور
شمع کا کام کیا داغ نے روشن ہوکر

جان دی مر مر کے ہم نے حسرتِ دیدار میں
خاکِ سرمہ بن کے پہنچی کیوں نہ چشمِ یار میں

کیوں نہیں لیتی مریضِ ہجر کی آکر خبر
موت کو بھی موت آئی کیا فراقِ یار میں

عشق نے برباد کردی حسن کی دولت جنوں
کوڑیوں کے مول یوسف بک گیا بازار میں

اے صنم یہ نہ سمجھنا کہ ہیں ہم خانہ بدوش
اب خدا چاہے تو لیں ترے گھر کرتے ہیں

یہ لیے بیٹھا رہے کے ناشتے ہیں نہیں ورنہ ہم داغ
آسماں سے جو کبھی خواہشِ زر کرتے ہیں

ذبح کرتے ہیں اگر قاتل سے کچھ تاخیر ہو
ہر رگِ گردن ہماری قتل کو شمشیر ہو

بعدِ مردن بھی اگر آوارگی یوں ہی رہی
خاک اپنی دیکھیے کس کس کے دامنگیر ہو

کوئی تو زلفوں کو چھیڑے گالیاں ہم پر پڑیں
ہم گنہگاروں میں ٹھیریں غیر سے تقصیر ہو

نامہ بر دیتا ہے دھوکا میں نہ مانونگا کبھی
سر قلم کردوں جو اسکے ہاتھ کی تحریر ہو

تمہارے کوچے میں پاتے ہیں ہم پتا دلکا
اگر بہشتی میں لیا ہو تو اب عطا ہو جائے

فنا کے بعد پریشانیاں نہ اپنی گئیں
ہوا چمن میں رہے دشت میں غبار رہے

وہ چشم مست سے دیکھے کبھی جو ایک نظر
تو میں تو کیا ہوں کہ زاہد کو بھی خمار رہے

[illegible]
[illegible]

جنون

جنون شیخ محسن علی صاحب عرف کلن متخلص بہ جنون متوطن بنارس شاگرد مرزا صاحب بر گورگانی - ان کا صرف اسقدر حال معلوم ہوا ہے کہ ۱۲۴۸ھ میں زندہ تھے - فن شعر میں اپنے استاد کی روش کے پیرو تھے - اب کلام ملاحظہ ہو -

تجھ سے وہ تدبیر ہو جس میں سب آئے پیشتر ۔ متصل ہو تدبیر ہو تقریر ہو تحریر ہو

جرم پر بوسہ کے حکم قتل ہے بے منصفی ۔ جسکی ہو جیسی خطا ویسی اسے تعزیر ہو

ہوتی ہے الفت سے الفت کس طرح نکلا کوئی ۔ وحشت وحشت میں جو اک خار دامنگیر ہو

کچھ تو ہوگی دل کو تسکین ہجر میں یوں ہی سہی ۔ بھیجدو اپنی ہمارے پاس گر تصویر ہو

ق

مجھے یہ قسمت تھا عشق دل سے پسند ۔ کہ تا کسی کی کسی سے نہ کم بہا رہے

پتنگ لالہ دل و سینہ و جگر پہ مرے ۔ مدام داغ جدائی کے چھپا رہے

دیدیا کیا مسیحا نے دوا سے پہلے ۔ کر شفا کیسی گئی جان قضا سے پہلے

زلف کو چھونے نہ پائے تھے کہ پہنی زنجیر ۔ خوب تقصیر ملی ہمکو خطا سے پہلے

کبھی عیسیٰ کا میں طالب ہوں کبھی قاتل کا ۔ دیکھوں کون آئے مرے پاس قضا سے پہلے

نزع کے دم ملک الموت سے جھگڑا ہو پڑا ۔ آپ آئیں جو مرے پاس قضا سے پہلے

کیا ترے ابروئے پرخم سے مقابل ہوگا ۔ ماہ نو بحث تو لے ناخن پا سے پہلے

پر لگیں پاؤں کے بدلے جو بلائے وہ یار ۔ اے جنوں اڑ کے ابھی جاؤں ہوا سے پہلے

مجھے نفع کرتی محبت مگر ۔ تری بے نیازی ضرر ہو گئی

جنون

جنون - عالیجناب خان بہادر قاضی عبدالجلیل صاحب جنون تلمیذ جناب مرزا اسد اللہ خان غالب رئیس اعظم بریلی انکے بزرگ شاہان مغلیہ کے عروج سلطنت کے زمانے میں مصر سے دہلی میں آئے بادشاہ وقت نے بہت قدر و منزلت کی اور ہمیشہ مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے کبھی مختلف شہروں کے صوبہ رہے کبھی سفارت کا معزز اور نازک کام انجام دیا پھر بالش بریلی کے قاضی رہے - شاہان دہلی و صوبۂ اودھ میں جو اہم ہوا

اور نزاعات ہوجاتے وہ سب اِنکے توسط سے طے ہوتے تھے جسکے صلے میں خطابات وجاگیریں وخلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہوتے رہے۔جب رہیل کھنڈ فتح ہوا تو نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک نے اپنے شقّہ میں ایک بیش بہا سند عطا فرمائی۔ اوائل ورنگلشیم میں بھی آپ نہایت باوقر و بارسوخ رہے ٭

قاضی صاحب ممدوح ۱۲۵۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے ۱۸ برس کی عمر میں فارسی وعربی کی تکمیل کی۔مختلف علوم عربیہ میں مہارت بدرجۂ کمال تھی۔آپ کو مرزا نوشہ غالب مرحوم سے تلمذ تھا۔مرزا کو اپنے لائق شاگرد سے مہر مفرط تھی اُنکے ہر ہر خط کے ایک ایک فقرہ سے محبت ٹپکتی تھی۔کہیں لکھتے ہیں "آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے" کسی جگہ ارقام ہے "اگر قوتِ ناطقہ پر کچھ بھی تصرّف باقی ہوتا تو آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ۔اور آپکے کلام کی تعریف میں ایک رباعی کہتا" تاریخ گوئی میں بھی ملکہ تھا افسوس کہ اپنا کلام سب تلف کردیا اُنکے احباب کی زبانوں پر یا مرزا نوشہ کے خطوط میں جو کچھ مِل سکا وہ جمع فرماکر شفیقی ومکرمی قاضی محمد خلیل صاحب نے عنایت کیا۔ درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جو حسین ہمکو ملا کافر و بیدیں ہی ملا
نہ ہوا خندۂ بیجا سے گوارا گُل کا
کہاں یہ تاب کہ آنکھیں ملا سکوں تجھ سے
دیکھکر اُس بت کو کیا کہیئے کہ کیا یاد آگیا
میں جو رخصت ہوکے اُن سے پھر گیا تو یوں کہا

جسکو دیکھا اُسے غارتگرِ ایماں دیکھا
ہم نہ کہتے تھے نکر سیرِ گلستاں دیکھا
کہ اک نگہ میں دگرگوں ہے حال محفل کا
ہمکو اُسکی بے نیازی سے خدا یاد آگیا
کیوں گئے کیوں گئے کیا بھولے تھے کیا یاد آگیا

ہے ہر شام ہی سے بھاری رات
سر سے ہی تھا گلہ جور و تغافل ایجان
کیجیے شکوہ دمِ تیغ نگہ کا کیونکر
سامنے سے یوں نکل جاتے ہیں وہ

ہائے کیسی کٹے گی ساری رات
تم پشیماں مگر ہو مجکو پشیماں ہو کر
کہ مرے تن پہ کوئی زخم نمودار نہیں
اُن سے گویا کچھ شناسائی نہیں

اُنھوں نے آئینہ دیکھا تو مَیں نے مُنہ اُن کا
بیمارِ عشق کو نہ لگا ہاتھ اے طبیب
بس ہی لطف و عنایت ستم و جور رہی ہو
گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھ پر
تاب و طاقت نے دیا فرقتِ جاناں میں جواب
گالیاں کھا کے رہوں چُپ یہی بات اچھی ہی
آیا نہ اُن کو تفرقۂ جان و دل پسند
حواس ہوش بجا واں نہیں تو یاں بھی نہیں
کچھ دردِ سر نہیں ہی کہ اچھا ہو وے ہو
غم تو ہے کہ نہیں حال کا پرساں کوئی
آگ میں ڈال دیئے پر یوں نہ جلایا کیجے
بارِ غم ناز نہیں ہے کہ اُٹھایا کیجے
گر بگڑتا ہوں تو وہ اَور بناتا ہے مجھے
دل لیچکے تھے جان بھی اب آ کے لیچلے

ہو نہ موقوف جنبشِ مژگاں
ہجر میں کون تھا مرا ہمدرد
بک بے شوخی اُس نگاہِ ناز کی
ابھی خواہش ہے زخم کاری کی
کچھ ترے غم نے غمگساری کی
ایک برچھی سی جگر میں لگ گئی

جنون جنوں۔ مولوی محمد عمر جنوں ابن مولٰنا حاجی محمود میاں صاحب ساکن ریاست مانگرول صوبۂ کاٹھیاواڑ۔ آپ کی عمر اب پچاس برس کے قریب ہے شیخ محمد حسین میاں اور اُنکے بھائی جہانگیر میاں کے عہدِ ریاست میں اِنھوں نے اور انکی شاعری نے تربیت۔ اور پرورش پائی۔ یہ خود نواب صاحب مذکور سے اُستادزادگی کی خصوصیت رکھتے ہیں۔ نواب مرحوم کی ریاست اگرچہ مختصر تھی مگر نہایت بامروّت اور سیر چشم رئیس تھے اہل علم اور باکمال آدمیوں کے قدردان اور اُردو شاعری کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ چنانچہ اُنکی فیاضیوں کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ۔ حکیم ضامن علی جلال۔ منشی امیر اللہ تسلیم اور جناب شمشاد لکھنوی سے اُستادوں نے مانگرول جیسے دُور اُفتادہ مقام کو گاہ گاہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے رشکِ گلزار کیا اور وہاں اُردو شاعری کا چمن لگایا۔ نواب کے شوق اور مصاحبت کیوجہ سے جناب جنوں کو بھی اس فن کی طرف توجہ ہوئی آپنے حضرت جلال لکھنوی سے استفادہ کیا۔ حضرت تسلیم نے جب ان کا مختصر دیوان ملاحظہ

کیا تو تاریخ کہی ؁ زہے رفعتِ فکرِ استادِ فن ٭ جنوں زبان دان و شیریں سخن ٭
میلانِ خاطر صیغہ جوڈیشل کیطرف رہا اور ریاست میں موافق قانون برٹش عدالتوں میں وکالت کرتے رہے۔ علاوہ اسکے مہر منشی گری اور دیگر معزز عہدوں پر مامور رہے۔ بالفعل ریاست مذکور میں دیوانی جج و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ درجۂ اول کے معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ مگر اس سال اُن کے ممدوح گرامیقدر کا اچانک انتقال ہونیسے دل خستہ اور جگر فگار ہیں اور خود انھوں نے مصنفِ تذکرہ کو لکھا کہ "رئیس کیا رحلت کر گئے ہمکو بے موت مار گئے۔ لطفِ زندگی جاتا رہا۔ ابتو شاد باید زیستن نا شاد باید زیستن کا نقشہ ہو گیا"۔ اُنکا یہ کلام ہے

بتِ ترسا سمائے دل میں ایسا ہو نہیں سکتا ٭ خدا کا گھر جو ہوتا ہے کلیسا ہو نہیں سکتا
یہ دم دھاگے ہی انساں کو پھنسا لیتے ہیں ہم بارہا ٭ کسی معشوق کا اقرار سچا ہو نہیں سکتا
چلا لو اپنے کشتہ کو خرامِ ناز سے اُٹھو ٭ مسیحائی کا دعویٰ اور اتنا ہو نہیں سکتا
ذرا سینے پہ اپنا دستِ نازک رکھ کے پھر دیکھو ٭ غلط ہے عشق کا بیمار اچھا ہو نہیں سکتا
اُٹھا دو شرم کا برقع جو آئے ہو ہنسو بولو ٭ بھری ہے تم میں وہ شوخی کہ پردا ہو نہیں سکتا
نگاہِ ناز کا دلپر کچھ ایسا چل گیا جادو ٭ کہ اب تو وہ کسی پہلو سے سیدھا ہو نہیں سکتا
جنوں دیوانے ہو اُسکو جو تم اپنا سمجھتے ہو ٭ کسی کی اصل کیا ہے وہ کسیکا ہو نہیں سکتا
سینے میں جا کے دل ہی کو تاکا غضب کیا ٭ قرباں نگاہِ یار تری دیکھ بھال کے
چلنا وہ جھوم جھوم کے سینہ اُبھار کر ٭ انداز ہائے رے تری مستانہ چال کے
کسی کا نیچی نگاہوں سے مسکرا دینا ٭ سمجھنے والا سمجھتا ہے غیر کیا سمجھے
خفا نہ ہو جو لیا بوسہ چشمِ میگوں کا ٭ انھیں نے مست کیا ہے پلا پلا کے مجھے
ستاؤ جتنا جی چاہے مگر یہ بھی تو ظن رکھو ٭ وہی طرزِ جفا اچھی ہے جس میں کچھ ادا نکلے
ہماری وضعداری ہمکو اُف کرنے نہیں دیتی ٭ گلا گھونٹے وفا آ کر جو منہ سے کچھ گلا نکلے
ذرا سا وہ جیا نہ کا ٹکڑا تو آنے پھر ستا لینا ٭ کہ تیرے دل کا بھی اچھی طرح سے حوصلہ نکلے

خاک جا لپٹی کس کے دامن سے
کون گزرا یہ میرے مدفن سے

اک اشارے میں دل کو لے لینا
کوئی سیکھے تمھاری چتون سے

اُٹھے پہلو سے وہ جو وصل کی رات
جسم سے جی نکل گیا سن سے

مجکو رونا اُسی کا ہے ہمدم
میرے ہوتے ملیں وہ دشمن سے

جوّاد

جوّاد - سیّد جواد علی صاحب شاگرد ہنر و بقا غازی پوری - دور موجودہ کے شاعر ہیں - جو کلام نظر سے گزرا اُس کا خلاصہ حاضر ہے -

عیاں ہے سینے سے نور آفتاب داغِ ہجراں کا
کرن خورشید کی ہر تار ہی میرے گریباں کا

میسّر ہو نہ جبتک شربت دیدار جاناں کا
دوا بیکار ہے بچتا نہیں بیمار ہجراں کا

جو یاقوتِ لب رنگین کبھی اُس شوخ کے دیکھے
لہو ہو ہو کے بہ جاے جگر لعل بدخشاں کا

نہ شوق سیرِ گلشن ہے نہ ذوقِ دشت پیمائی
ترے وحشی کو خوش آیا ہی رہنا ایسے زنداں کا

اے ستمگار ہوا اب تو کلیجہ ٹھنڈا
لے تڑپ کر ہوا بسمل ترا قاتل خاموش

طے نہ جبتک ہو رہِ عشق رہے نالہ کشی
جرس دل ہو پہنچکر سر منزل خاموش

جوان

جوان - مرزا نعیم بیگ متخلص بہ جوان شاہ جہان آبادی باشندۂ کوچہ چیلاں دہلی ملازم خاص مرزا سلیمان شکوہ فن سخن میں حضرت مصحفی کے شاگرد تھے - آپ خوش رو و جیہ جوان تھے - طبع موزوں اور اس فن کے مناسب پائی تھی - جوانی میں لکھنو جا کر صاحب عالم کے ملازم ہوئے اور مصحفی اور انشا کے مطارحات میں شریک رہے -

پہلو میں دل اپنے کو بھی غمخوار نپایا
یہ خوبی قسمت کہ کوئی یار نپایا

از بسکہ ہوئی گرمی خورشید قیامت
کوچے میں ترے سایۂ دیوار نپایا

ظلم و ستم و جور سبھی ہمنے اُٹھائے
جب اور کوئی تجھسا طرح دار نپایا

ہم بیچتے آئینہ دل تیرے ہی ہاتھوں
پر ہمنے تجھے اس کا خریدار نپایا

جوان دونوں جو سیکھے اتنی ترکھائیاں ہیں
شاید کبھی نے کچھ کچھ باتیں سکھائیاں ہیں

اے عندلیب سچ کہہ کیا فصلِ گل پھر آئی	فوجِ جنوں کی ہم پر کیسی چڑھائیاں ہیں
کس بے ادب نے تم سے گل بازی آج کی ہو	آنکھیں تمہاری پیارے کیا سخت آئیاں ہیں
کیسکو اپنی سفارش کیواسطے اُس پاس	جو لیکے جاؤں تو اُس کا وہ آشنا نکلے

جوان

جوان۔ محب اللہ نام۔ دہلی کے رہنے والے میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے معلم گری کیا کرتے تھے اور فنِ طب سے بھی لگاؤ تھا۔ یہ اُنکے اشعار ہیں۔

تو بہت ہوگا پشیماں ہات اُس کا گر لگا	بکر میں تیرے دلا پھرتا ہے بازی گر لگا
حامی ہیں بدعتوں کے امیر و غریب سب	یارو یہ رہ گئے ہیں مسلمان آج کل
چشم و ابرو کا گرفتار نہ رکھتا صد شکر	عشق نے اپنی طرف راہ بتائی مجکو

جوان

جوان۔ بابو ہزاری لال صاحب جوان شاگرد منشی غلام حسین صاحب قدر ۱۸۶۸ء میں لکھنؤ میں موجود تھے اسکے سوا زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ یہ کلام ہے۔

ہم تم ستھے کوئی روزِ ازل رخنہ گر نہ تھا	انسان تو چیز کیا ہے ملک کا گزر نہ تھا
کیا کیا عذاب ہجر مری جان پر نہ تھا	تیرے بغیر گورسے کم مجکو گھر نہ تھا
پتھر کا تیرا دل ہے تو فولاد کا جگر	اسپر بھی میرا نام کوئی بے اثر نہ تھا
ہم چھپ کے پیتے کیوں رمضاں میں بھلا شراب	واعظ کا خوف کیا جو خدا ہی کا ڈر نہ تھا

جودت

جودت۔ صاحب عالم مرزا سکندر شاہ۔ آپ حضرت بہادر شاہ ثانی کے فرزند دوم مرزا شاہرخ بہادر کے رحجہ تمام مرشدزادوں میں لائق ترین اور جوہر قابل تھے صاحبزادے ہیں۔ پہلے میونسپل کمیٹی دہلی میں بعہدہ انسپکٹری گشت مامور تھے۔ پھر علی گڑھ محمڈن کالج میں بورڈنگ کے منتظم رہے۔ اب ۶۵ سال کے قریب عمر ہے۔ مرزا قادر بخش صابر مرحوم کے تلامذہ میں ہیں۔ زبان ٹکسالی اور اُسی چاردیواری کے اندر کی ہے جہاں سے نکل کر اُردوئے معلّی نے فروغ پایا۔ مذاقِ سخن بھی اچھا ہے۔ بندش چست اور سب طرح درست ہی مگر کم گو بہت ہیں۔ کبھی کبھی دوستوں کے اصرار سے طبع آزمائی کر لیتے ہیں

اپنے شوق سے کچھ نہیں کہتے۔ یہ اُن کے کلام کا انتخاب ہے ؂

جوشِ وحشت میں مرا پھر دلِ ناشاد آیا
کونسا دشت ہے باقی جو اِسے یاد آیا

میرے گریہ کا طوفاں ہی کہو یہ جوش میں دریا
حبابِ چشم ہے میرا کہ ہے سرپوش میں دریا

میری باتوں سے عدو محفل میں سب کٹ کٹ گئے
شکر ہے رنگِ بیاں غیروں کو خنجر ہو گیا

رکھتے ہیں اپنی نظر میں آپ عاشق کا قصور
جُرم اے جودت مرا مجھ سے بھی بڑھکر ہو گیا

یہ تو ہم پہلے ہی بس جان چکے تھے جی میں
عشق جب دل میں ہی پھر جان کا بچنا کیسا

دل لگی سمجھے ہوئے ہیں ابھی الفت کو غریب
دیکھنا ہوتا ہے دشوار نبھانا کیسا

عشق کی مجھ سے حقیقت کوئی پوچھے جودت
جان کھو بیٹھنا ہے دل کا لگانا کیسا

رواں آنکھوں سے اشکِ خوں مرے دن رات رہتے ہیں
لہو کا اک ہی دیکھا ہے اپنے جوش میں دریا

سب نے چھوڑا نہ چھوڑا پر غم نے
جان تک کی نہیں ہے کچھ پروا
اس رفاقت کو دیکھتے ہیں ہم
دل کی ہمت کو دیکھتے ہیں ہم

جان و دل آپ پہ قربان کئے بیٹھے ہیں
آپ ہم موت کا سامان کئے بیٹھے ہیں

ہزار دشمنِ جاں اپنا آسماں ہو جائے
سمجھ لوں اُس سے اگر کوئی مہرباں ہو جائے

جو سُن لے نام نہ لے پھر وہ عشق کا یارب
مرا فسانہ یہ عبرت کی داستاں ہو جائے

ق

دل میں مرے گھٹ گئی فغاں کی
اب خبر نہیں ہے آسماں کی
کھو دے نہ کبھی حقیقت اپنی
یہاں رہ کے خبر رکھی وہاں کی
نکلے جو خودی کے جال سے ہم
اور چھوڑ دی راہ این و آں کی
ہر وصف میں ذات ہی کو پایا
سب اُٹھ گئی دوئی درمیاں کی

وصل میں کیونکہ شکایت ہو ستم کی اُنکے
کل شبِ ہجر میں ہم اُسکے بھی خواہاں ہونگے

دیکھکر حسنِ صنم رام نہوں سے جودت
ایسے پکے تو بہت کم ہی مسلماں ہونگے

دل چھپے پھرتے ہیں زلفوں میں بھی معلوم نہیں
وہ ہیں بگڑے ہوئے یا زلف پریشاں ہے

افسوس ہے کہ ہمکو ملاقات بھی نصیب
دم آبرسے وقتِ واپسیں جودت نہیں ہوئی
اس تجاہل کے ہیں قربان کہ وہ رشکِ مسیح
آکے خود پوچھتا ہے درد کا درماں ہے جسے
کسکو نقاب اُلٹتے ہی حیرت نہیں ہوئی
لو حشر میں بھی اُنکو ندامت نہیں ہوئی

جودت
جودت - محمد شفیع جودت ساکن میرٹھ شاگرد مولانا شوکت - ۳۴ - ۳۵ برس کی عمر ہے اور علمی استعداد معقول حاصل ہے - کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے

ازل سے جو کہ کجرو ہیں کبھی سیدھے نہیں ہوتے
کھنچی شانہ ہیں لیکن نہ نکلا زلفِ پیچاں کا
خود سیہ بختی پہ اپنی کھاتے ہیں ہم پیچ و تاب
کیوں بلائیں کر پلٹتے ہیں ترے گیسو ہیں
ہر رنگ میں زاہدوں کے مکاری ہے
صورت میں خضاب کے سیہ کاری ہے
ہو کعبہ میں چوم کر نہ پتھر کو شیخ
تو جبہ کو یہ بات تہمت بھاری ہے

جودت
جودت - جناب سید فضل حسین عرف میر منشی صاحب - یہ آجکل کی شاعراور انجمن معیار کے ایک رکن ہیں - کلام میں شوخی اور طبیعت میں رنگینی ہے - چند غزلیں ملیں اُن کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے -

دفن کے وقت اقربا میں ذکر یا یوسانہ تھا
گور میں میں تھا - دہانِ گور پر افسانہ تھا
آپکی جب تک عنایت تھی عدو بھی دوست تھے
آپ جب برہم ہوئے ہر آشنا بیگانہ تھا
آج سبب ساقی محفل کل سی کیفیت نہ تھی
گو وہی شیشہ وہی مے تھی وہی پیمانہ تھا
پیاپے دورِ جامِ مے سرِ محفل پسند آیا
ترا لطف و کرم ساقی دریا دل پسند آیا
نہ تھی اُمید جبکی تم سے وہ الفاظ سنوائے
ہمیں بھی آج اپنا اضطرابِ دل پسند آیا
طلب ہے مجھ سراپا داغ کی اس بزمِ عشرت میں
یہ گلدستہ پئے آرائشِ محفل پسند آیا
خدا جانے وہ کیا سوچے ہیں کیا انجام ہونا ہے
ابھی اس دل سے نفرت تھی ابھی وہ دل پسند آیا
اللہ رے جذبِ شوقِ شہادت کہ وقتِ ذبح
خنجر لپٹ کے شہ رگِ بسمل میں رہ گیا
پھیلا ہوا ہے ہاتھ عبث طمع مال میں
جو کچھ ملا وہ کب کفِ سائل میں رہ گیا

جودت — **جودت** منشی جادو بیر سہائے متخلص بہ جودت ولد منشی بنواری لال صوفی ذات کاینتھ آپکا اصلی مسکن موضع مان پور شہر گیا سے ایک میل پورب ہے مگر اب چند سال سے گیا میں بود و باش اختیار کی ہے آپ عرصہ تک گورمنٹ پلیڈر گیا کے سرکاری محرر رہے آپکی عمر اسوقت یعنی ۱۹۰۸ء تک قریباً یکاون برس کے ہوگی سید فصیح الدین حشر اور حکیم عابد علی کوثر کے شاگرد ہیں۔ آپکی چند غزلیں جو دستیاب ہوئیں اُن کا انتخاب حاضر ہے

اُنکی آنکھوں پر چڑھے کیا دل کسی بیتاب کا	پنجۂ مژگاں سے قطرہ کب اُٹھا سیماب کا
آنکھ بھر آتی ہے جودت یاد میں اُس مست کی	دیکھتا ہوں جب بھرا ساغر شراب ناب کا
طور پر برق جو چمکی ہوئے موسیٰ بے ہوش	جلوۂ رخ کے سوا اس میں کوئی راز بھی تھا
کج ادائی نے تمھاری یہ اثر دکھلایا	پڑگئے زلفِ سیہ فام میں خم آپ سے آپ
اب وہی قاتل وہی سفاک ہیں خونریز ہیں	کانپ اُٹھتے تھے جو خونِ مرغِ بسمل دیکھکر
بحرِ ہستی میں تکرا ایام پیری کا ملال	لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قربِ ساحل دیکھکر
نشانِ نقشِ پای رفتگاں پایا نہ عالم میں	اُڑائی منزلوں کی خاک گردِ کارواں ہوکر
دمِ آخر تھی کیوں حیرت کی صورت چشمِ بسمل میں	نظر آتا تھا کیا آئینۂ شمشیرِ قاتل میں
نظر آیا جو نہ مقتل میں وہ قاتل مجکو	کر دیا شوقِ شہادت ہی نے بسمل مجکو
تمنا ہے قدمبوسی مبارک خاکساروں کو	کہ اب وہ روندتے ہیں مٹنے والوں کے مزاروں کو
عدو کو بھی ہے دعوی سرفروشی کا تو بہتر ہے	اُنھیں کو آزما لو پہلے پھر ہم جاں نثاروں کو

دیدۂ تر سے جو گل ورمان دل بیتاب کا ❊ اضطراب آئینہ سے ملکر رہا سیماب کا ❊

جودت — **جودت** منشی عبداللہ چاؤش حیدرآبادی۔ شاگرد منشی نادر علی برتر زیادہ حال معلوم نہوسکا۔ کلام حاضر ہے۔

کہنا کسیکا وصل میں یہ چھیڑ چھیڑ کر	ہوگا نصیب پھر نہ یہ دن دیکھنا کبھی
واعظ نصیحتوں سے تری فائدہ ہے کیا	یہ رند بھی ہوئے ہیں کہیں پارسا کبھی
دکھاوینگے تمھیں اک روز ہم فرق حق و باطل	یہ دعوی جسقدر ہے مدعی کا امتحاں تک ہے
پئے وصلِ صنم اب ہرچہ بادا باد دل میں ہے	کرونگا کوششیں میں کوششوں کی حد جہاں تک ہے

جوش — **جوش** - رحیم اللہ دہلوی عرف رحمو - بے پڑھے لکھے آدمی تھے مگر مبدء فیاض سے طبیعت موزوں عطا ہوئی تھی اُسی کی بدولت شعر و سخن میں اپنی فکر رسا کے جوہر دکھاتے تھے پہلے مرزا فدوی کے شاگرد ہوئے اُنکی وفات کے بعد مصحفی سے شرف تلمذ حاصل کیا - آزاد منش یار باش بے تکلف آدمی تھے اکثر ہولی کے زمانے میں دوسرے آزادوں کی تقلید میں جا بجا گلی گلی کوچے کوچے غزل خوانی کرتے پھرتے تھے سنہ ۱۲۹۳ھ میں بمقام دہلی موجود تھے یہ اُنکے اشعار ہیں

ظرفِ[لہ] پر اپنے نظر کر تو ابھی لڑکا ہے
مُنہ صراحی سے نہ او دلبر میخوار لگا

مَیں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا
بولا کہ ابے تیرا رونے ہی جنم گزرا

دریا مری آنکھوں سے نت جاری لہو کا ہے
بے درد تو کیا جانے کیا حال کسُو کا ہے

جوش — **جوش** - میر وارث علی مرحوم جوش شاگرد شیخ امام بخش ناسخ - اوائل اُنیسویں صدی میں لکھنؤ میں زندہ سلامت موجود تھے تذکرۂ سراپا سخن سے کلام تحت نقل ہوا ۱۲

کاکلِ شبگوں نہیں اے جانِ جاں بالائے سر
ہے چراغِ روئے روشن کا دھواں بالائے سر

ہم فقیروں کے ہوئے سلطنت سر میں شرآئے
گر ہما آکر لگائے آشیاں بالائے سر

تیر جو تیرا لگا ہے سر پہ او ناوک فگن
ہے دہانِ زخم میں گویا زباں بالائے سر

کیا خفا ہوتے ہیں سب کہتے ہیں نکل جاؤں کہاں
تو نے نالوں سے اُٹھایا ہے مکاں بالائے سر

جوشِ وحشت میں ہوا ای جوش یہ سودا ہمیں
پھاڑ کر دستار باندھیں دھجیاں بالائے سر

جوش — **جوش** - شیخ نیاز احمد معروف بہ اللہ دیا جوش - خواص مرزا فخرو ولیعہد حضرت ذوق کے عزیز ترین اور رشید شاگردوں میں تھے - کرانہ ضلع مظفر نگر اصلی وطن تھا مگر دہلی میں اقامت اختیار کی تھی - طباعی - ذہانت سخن فہمی اور نکتہ سنجی میں یگانۂ آفاق تھے سنہ ۱۲۷۱ھ میں بعمر ۷۵ سال انتقال کیا - شعر بہت خوب کہتے تھے اور از سرتاپا اُستاد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے - وہی زبان - وہی بندش - وہی لطف محاورہ غرض سارے اسلوب وہی تھے موت سے چند روز پہلے شاعری سے توبہ کی اور اپنا دیوان جلا دیا اُستاد

لہ بعض لوگ اس شعر کو صاحب میر الم خلف میر درد کا بتاتے ہیں ۱۲

ذوق نے جب یہ سُنا تو بیحد رنج کیا۔ کیونکہ تمام تلامذہ میں انھیں کو قابل ترین طباع سمجھتے تھے۔

کیوں غل ہے مری نعش پہ نوحے کی صدا کا
رونے کا نہیں وقت یہ ہے وقت دُعا کا

پُوچھے کوئی کیا مَیں نے بگاڑا تھا صبا کا
اُس کوچے میں اُسنے جو اُڑایا مرا خاکا

غش آگیا ہے سُنتے ہی ذکر اُسکی جفا کا
در پردہ مزا چکھتے ہیں ہم روزِ فنا کا

آنسو کا کوئی تار نظر آئے تو آئے
وحشت میں مرے تن پہ کہاں تار قبا کا

حاصل نہ ہوا وصل میں مقصود کہ مجکو
پاس اُن کا رہا اور اُنھیں پاس حیا کا

قطعہ

کہتے ہیں کہ یاروں نے طبیبوں کو بُلا کر
کل حال دکھایا ترے بیمارِ جفا کا

بیٹھا تھی وضعف سے یہ حال تھا اُس کا
سر پر نہ اُٹھا سکتا تھا احسان دوا کا

چلانے لگے ہے پھر جوشؔ خدا جانے کہ نذار
کیا حال ہے آج اُس ہدفِ تیرِ قضا کا

کیونکر وہ ہاتھ آئے کہ یاں زور و زر نہیں
لے دے کے ہے اک آہ سو اُس میں اثر نہیں

ہے ڈر یہی کہ تو نہ پشیماں ہو بعد قتل
ورنہ ہمیں تو مرنے کا کچھ اپنے ڈر نہیں

قسمت سے درد بھی تو ہوا ہمکو وہ نصیب
جس درد کا کہ چارہ نہیں چارہ گر نہیں

کیا کرتے ہم کہ دل ترا نازک ہے نازنیں
اچھا ہوا کہ نالے میں اپنے اثر نہیں

قسمت ہی میں نہیں ہے شہادت وگرنہ یہاں
وہ زخم کونسا ہے کہ جو کارگر نہیں

سجدے میں کیوں پڑا ہے ارے اُٹھ شراب پی
اے جوشؔ میکدہ ہے خدا کا یہ گھر نہیں

جوشؔ

جوشؔ۔ منشی نظام الدین خلف وجیہ الدین پنجابی۔ شگفتہ طبیعت پائی تھی۔ آپ علیگڈھ میں رہا کرتے تھے یہ اُنکے اشعار ہیں:۔

بار اُتارا ہے دوش سے سر کا
ہے یہ احساں تمھارے خنجر کا

ہے پرستش سنگ کی عشقِ بتاں میں بندگی
جاویں گر کعبہ تو پہلے سنگِ اسود چوم لیں

سر کو تو تیغ رکھ کے میرے
ثابت قدمی کا امتحاں لو

جوشؔ

جوشؔ۔ شاہ خلیل الدین احمد جوشؔ محرر رجسٹری ضلع مونگیر شاگرد نساخ خلف مولوی

شاہ محمد اصغر مرحوم باشندہ منگیر ضلع پٹنہ اور حضرت مخدوم شرف الدین احمد کی اولاد میں تھے ۱۲۸۵ھ میں موجود تھے یہ اُن کا کلام ہے ٭

لنترانی کی نہ لیں جوش سے کچھ یاد بھی ہے	اُسنے دیکھا نہیں پردے میں حضور آپکو کیا
ساری دنیا سے بے خبر پایا مرا خط لاکے دیے قاصد عدو کو	جسکو عالم میں باخبر دیکھا یہی تقدیر کا میرے لکھا ہے

جوشؔ - نواب احمد حسن خاں جوش معروف بہ اچھے صاحب خلف نواب محمد مقیم خاں بہادر مقیم ابن نواب محبت خاں محبتؔ خلف حافظ الملک نواب رحمت خاں والی روہیلکھنڈ نواب ظفریاب خاں راسخ مرحوم اور نواب عاشور علیخاں عاشور سے اصلاح لی تھی اِن کے دو دیوان مسمّٰی بہ گلدستۂ سخن معروف بہ بہارستان جوش اورچمنستانِ جوش اور ایک قصہ فسانۂ جوش نامی شائع ہو چکے ہیں اوائل عمر سے شاعری کا شوق اور ارباب کمال کی صحبت کا ذوق تھا طبیعت رسا تھی - عاشقانہ مضامین خوب باندھتے تھے گاہ گاہ فارسی میں بھی غزل کہہ لیتے تھے - اخیر عمر میں حضرت اسیر کے تلامذہ میں داخل ہوئے - کٹرۂ نواب محبت خاں لکھنؤ میں رہتے تھے ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے ۶۰ برس دنیا کی ہوا کھا کر لکھنؤ میں انتقال کیا - آپکے مطبوعہ کلام کا مکمل انتخاب درج ذیل ہے ملاحظہ ہو ٭

نازاں نہ ہو اس شکل پہ لو آئینہ دیکھو بلبل نے شاخ گل پہ نشیمن بنا لیا سچ کہتے ہیں کہ نام محبت کا ہے بُرا	کیا کہتے ہو تم میرا مقابل نہیں ملتا ہم نے بھی کوئے یار میں مسکن بنا لیا اُلفت جتا کے دوست کو دشمن بنا لیا
زباں دی مُنہ میں ہر اک چیز کا اُسکو مزا بخشا دامن حضرت یوسف کے اُڑ گئے پُرزے میکدے میں کل تو میرے ساتھ تھا شغلِ شراب	کہاں تک شکر ہو مجھسے ادا خالق کے احساں کا پاس عصمت تجھے اُس وقت زلیخا ہوا آج یہ شیخ مزوّر پارسا کیونکر ہوا

حسرتیں مُردہ دلوں کی کبھی زندہ ہوئیں
نام رکھا ہے عبث تم نے مسیحا اپنا
غیر ممکن ہے جو موقوف ہو رونا اے جوش
کِس نے دیکھا ہے کہ بہتا ہوا دریا ٹھیرا
لنترانی کیوں سنائی تو نے مجکو اے صنم
عاشقوں میں تھا ترے موسیٰ عمراں تیں تھا

تیغِ قاتل کو اے دلِ مجروح
دہنِ زخم سے دعا دینا
تشنۂ آبِ تیغ ہیں او ترک
تھوڑا پانی ہمیں پلا دینا
بیٹھنا تم نہ میری تربت پر
فاتحہ کو تو ہاتھ اُٹھا دینا
خضر گم کردہ راہ ہیں اے جوش
چاہیئے راستہ بتا دینا

لبِ میگوں کو ترے بادۂ احمر سمجھا
گردشِ چشم کو ہیں گردشِ ساغر سمجھا
ترک کر اے دل یہ ہر دم سوئے جاناں دیکھنا
مفت میں جاتی رہیگی ایک دن جاں دیکھنا
اُسکی آنکھیں لے گئیں دل سے مرے صبر و قرار
ہو گیا کیا خانۂ آباد ویراں دیکھنا

تم نے کیں مجھپہ جفائیں لاکھوں
میں نے پر ایک کا شکوہ نکیا
کیوں نہ یکتا اُسے کہتے سب نے
اپنا ثانی کوئی پیدا نہ کیا

دیکھکر قد کو ترے شمشاد ہو جاتا ہے پا بگل
روئے روشن کو ترے دیکھے تو ہو جا گل آب
ہجرِ ساقی میں وہ دریا میری آنکھوں سے بہا
آسماں جس میں نظر آیا مجھے مثلِ حباب
دل خون ہے اِس غم سے عقیقِ یمنی کا
دیکھا جو لبوں کو ترے اے غنچہ دہن سرخ

جا گا یہ دمِ ذبح معت رتہِ خنجر
تھا پیش نظر عارض و لب زیرِ تہِ خنجر
آئینہ زانو میں جو ابرو کا پڑا عکس
قاتل نظر آیا مجھے خنجر تہِ خنجر

کہہ رہا ہے یہ دہانِ زخم سے نخچیر پھر
کیا مزا ہے او کماں کش پھینک ادھر اک تیر پھر
جز غمِ عشق بنا کوئی نہ غمخوار اپنا
جز اجل کوئی عیادت کو نہ آیا سر پر
آج میخانے میں یہ غل کر رہے ہیں میفروش
بادۂ رنگیں بیاشامید تا وارید ہوش
بندے ہیں تیری ہی اچھے یا بُرے ہیں جیسے ہیں
شرم رکھ لے ہم گنہگاروں کی تو ہی پردہ پوش

کبھی کی یہ تو نکل جاتی تن سے فرقت میں
فقط تمہارے ہی آنے کی ہے یہ جان مشتاق

دورِ فلک نے ہمکو گو خاک میں ملایا
ہے قدرداں کے آگے وہی وقار اپنا

مجھ جاں بلب کے پاس سے جاتے ہو گھر کہاں
پھر تم کہاں یہ عاشقِ خستہ جگر کہاں

کہتے ہیں کیا حضور کہ آئیں گے وقتِ صبح
اس شب کو خاتمہ ہے ہمارا سحر کہاں

کس سے کہیں گے دل پہ جو آئینگی آفتیں
پہلو سے اُٹھ کے جاتے ہو اے سیمبر کہاں

اُس بت کے پاس دیر میں پہنچا دے گر مجھے
آنکھوں سے میں لگاؤں ابھی برہمن کے پاؤں

ہمیں خدا نے بنایا ہے بت پرستی کو
بتا تو شیخ ترا کیا گناہ کرتے ہیں

قضا ٹھہر جا مکاں کے باہر نہ قصد آنیکا تو یہاں کر
شفا ہی جنکی زباں کے اندر قریب اب وہ آ چکے ہیں

دلا نہ مایوس اسقدر ہو تڑپ تڑپ کر نہ جان تو کھو
ضرور آئیں گے آج شبکو قسم خدا کی وہ کھا چکے ہیں

نہ مرنے سے ڈرے ہم عشق کامل اسکو کہتے ہیں
تصدق تم پہ کردی جان تک ال سکو کہتے ہیں

پھر کس طرح یقین ہو کہ ہے دل سے دلکو راہ
مرتے ہیں جس پہ ہم اُسے مطلق خبر نہیں

ابر میں چاند گر نہ دیکھا ہو
رخ پہ زلفوں کو ڈال کر دیکھو

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے
جوش تم بھی کسی پہ مر دیکھو

دل و دنیا و دیں تو دے چکے اک جان باقی ہے
خدا کے واسطے ہاں اے بتو راضی ہیں ہم لیلو

پائیں گے مراد اپنی حسرتِ بیمار کبھی تو
نکلے گا وہ یوسف سرِ بازار کبھی تو

کام آئیں ہوا لے نفس سحر کے جھونکے
اُڑ جائے نقابِ رخِ دلدار کبھی تو

مر مر کے اگر شام تو رو رو کے سحر کی
یوں زندگی ہمنے تری دوری میں بسر کی

دل مائل زلف و رخ جانانہ ہوا ہے
سودائی ہے۔ نادان ہے۔ دیوانہ ہوا ہے

تیغ ابروے ہلالی سے جگر بسمل ہے
ناوک و عشوہ و انداز کا زخمی دل ہے

بندوں کے حرفِ عجز ہیں اللہ کو پسند
محجوب ہم جو منفعل ہو خطا کچھ نہ پوچھیے

رہو خوشی سے بتو اس کو اپنا گھر جانو
بنا ہے کعبۂ دل سا مکاں تمہارے لیے

تمھاری زلف کا بوسہ اگر لیتے تو ہم لیتے
یہ سودا سر کو اپنے بیچکر لیتے تو ہم لیتے

وہ ہاتھ لگائے کہ شہیدوں میں ہو شامل
عاشق ہیں تیرے آب دم تیغ کے پیاسے

صنعت رنگ حنا پر مجھے رشک آتا ہے
رنگ اپنا ترے ہاتھوں پہ جمارکھا ہے

مریضان رخ گیسو کو تیرے دیکھکر اے بت
کوئی کہتا ہے سایہ ہے کوئی کہتا ہے سکتا ہے

قیس سے کہدو کہ ہٹ جائے یہ لیلی کا ہے حکم
آسکے پاس نہ ہیں پردہ محمل کوئی

لخت جگر طعام ہے پانی ہے خون دل
اپنے مریض غم کی غذا کچھ نہ پوچھیے

اگر چشم حقیقت بین سے نظارہ کرے کوئی
نظر نور خدا حسن رخ اصنام ہیں کیے

چشم دل کھولکے نظارہ لیلی کر لے
قیس سے کہدو کہ سب پردہ محمل اٹھے

لو شمع کی جس رونق محفل سے لگی ہے
پروانہ ہو جاں اس پہ یہی دل سے لگی ہے

کسکی طاقت ہے کہ تیرا مدح خواں ہو اے کریم
آپ ہی حامد ہے تو اور آپ ہی محمود ہے

ان آنکھوں کی بدولت دل پہ آفت آہی جاتی ہے
نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آہی جاتی ہے

اگر حرص و ہوا سے باغ عالم سے جدا ہوتے
تو پھر کیا فرق تھا اے مشرکو بندے خدا ہوتے

قبر پہ میری گل تازہ چڑھانے آئے
اور یہ کام بجز باد سحر کس کا ہے۔

مرنے کے بعد چین سے سوئے ہی ہیں ہم
جبتک کہ زندگی رہی اندوہگیں رہے

شکل وہ نور کی اے زہرہ جبیں پائی ہے
چشم انجمن سے فلک تیرا تماشائی ہے

حسن کہتے ہیں اسے عشق اسے کہتے ہیں
آپ اپنا وہ صنم محو خود آرائی ہے

جوش۔ جناب منشی محمد عبد الکریم صاحب مقیم بمبئی شاگرد حضرت سہیل سورتی۔ دور موجودہ کے شاعر اور اس طرح سخن طرازی کرتے ہیں۔

آنکھ وہ ہے جسکو تیری جستجو درکار ہے
دل وہی ہے جسکو تیری آرزو درکار ہے

ہے محب درکار تجکو یا عدو درکار ہے
میرا تو کہنا یہی ہے مجکو تو درکار ہے

بیٹھے بیٹھائے ہیں ہی آگیا وقت نماز
حضرت واعظ کو اب ظرف وضو درکار ہے

جسکے نیچے خار ہوں وہ گل مرے کس کام کے | تیری سی خو مجکو تو تیری ہی بو درکار ہے
ناز ہو انداز ہو۔ شوخی ہو یکتائی بھی ہو | چار چیزیں جس میں ہوں وہ خوبرو درکار ہے

جوش ۔ منشی محمد جان کلرک دفتر اکزیمنر اجمیر شاگرد نواب عبداللہ خان مطلب مرحوم ۔

عاشق و معشوق کا شکوہ ہی کیا جھگڑا ہی کیا | تم گلے سے لگ گئے سارا گلہ جاتا رہا
اک نگاہ شوخ صبر و ہوش و طاقت لیگئی | لُٹ گئے جو کچھ ہمارے پاس تھا جاتا رہا
دل کا بھید اے جوش ہمپر کچھ نہ آخر تک کھلا | عمر بھر یہ تو یونہیں آتا رہا جاتا رہا

جوش ۔ محمد اسمٰعیل خان نام متوطن مانپورہ ضلع چھپرہ ۔ آپ مولانا مولوی منشی خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں آپکے والد کا نام محمد ولیداد خان صاحب ہے آپ کا آبائی پیشہ زمینداری ہے ۔ خوش فکر اور تیز طبیعت ہیں علاوہ ازیں حافظ قرآن بھی ہیں اور فارسی اور علوم عربی میں کامل دستگاہ حاصل ہے عمر ۲۳ سال ہے فی الحال لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں چند اشعار جو آپکے دستیاب ہوئے ہدیۂ ناظرین ہیں

نفس سرد سے اُلفت کا مداوا نہ ہوا | داغ دل مرہم کافور سے اچھا ہوا
یہ سُن کے کہ شیدا ہوں میں اک ماہ جبین پر | اترا کے وہ بولے کہ یہ مرتا ہے ہمیں پر
وصل کی رات بھی دھڑکن میں بسر ہوتی ہے | شام سے اُن کو یہ ضد ہے کہ سحر ہوتی ہے
ہمیں آنیکو کس منہ سے کہیں وصل کی شب | نہ دہن ہوتا ہے اِنکے نہ کمر ہوتی ہے

جوش ۔ نواب محی الدین علیخانصاحب ابن حکیم منصور علیخان صاحب جاگیردار آپکے دادا صاحب حکیم حاذق حکیم رضا علی خاں دہلی کے باشندے تھے بعد غدر یہاں تشریف لائے ۔ بعہد حکومت نواب ناصرالدولہ بہادر والی دکن موردِ الطاف سلطانی و خطاب و منصب و جاگیرات سے سرفراز ہوئے سلسلہ بسلسلہ یہ جاگیر بحال ہے ۔ فقیر منش با اخلاق شخص ہیں علم عربی و فارسی میں لایق اور فن شاعری سے زیادہ مذاق رکھتے ہیں اِس وقت ۲۸ سال کی عمر ہے اصلاح سخن نواب فصیح الملک داغ دہلوی سے لیتے تھے اُنکے

انتقال کے بعد حضرت ظہیر دہلوی کو کلام دکھاتے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو ؛

پیشِ حق جب حشر میں ہونا پڑا ۔۔۔ اشکِ غم سے منہ ہمیں دھونا پڑا

ساقی نے یوں تو سب کو دی اقسام کی شراب ۔۔۔ میرے لیئے تھی گردشِ ایام کی شراب
جب میکدے میں بیٹھیں گے واعظ ہیں گے جام ۔۔۔ ڈالیں گے ہم زمین پہ ترے نام کی شراب
کچھ ہم بھی جاذبِ الفت کا اثر پہچان جاتے ہیں ۔۔۔ نظر ملتے ہی اندازِ نظر پہچان جاتے ہیں
سحر ہیں داغِ دل اپنے منور ہوتے جاتے ہیں ۔۔۔ عیاں اشک کے پردے سے اختر ہوتے جاتے ہیں
زباں پر بلبلوں کی شور ہے اب کسکی آمد کا ۔۔۔ چمن میں پھول کیوں جامہ سے باہر ہوتے جاتے ہیں
بیساختہ دہن سے جو نالے نکل گئے ۔۔۔ گھر سے وہ اپنے دل کو سنبھالے نکل گئے
شوخیاں آنکھوں میں ہیں انکی قیامت دل میں ہے ۔۔۔ اک قیامت ظاہرا ہی اک قیامت دل میں ہے
ترے کوچے میں ایسے ضعف سے شوریدہ سر بیٹھے ۔۔۔ جگر کو تھام کر اُٹھے تو دل کو تھام کر بیٹھے
خبر کچھ بھی نہیں اے جوش تمکو اپنے عاشقی کی ۔۔۔ عجب حالت تمہاری ہے جدھر بیٹھے اُدھر بیٹھے

جوشش۔ جوشش تخلص۔ شیخ محمد روشن نام۔ آپ جسونت رائے ناگر کی اولاد پٹنہ کے باشندے اور طبقہ دوم کے آخر شعراء میں سے تھے۔ خوش لیاقتی آپ کی افزوں از تحریر ہے نظمِ ریختہ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور معنی بیگانہ سے طبیعت کو بیحد لگاؤ تھا چاشنی درد کی آپکے کلام سے ظاہر اور علمِ عروض سے بخوبی ماہر تھے آپنے حضرت میر درد کے کلام کا اتباع کیا اور اُس کو بخوبی نباہا۔ طرزِ سخن نہایت پسندیدہ و مرغوب اختیار کیا تھا۔ اسلوبِ بیان دلکش اور مؤثر ہے بندش نہایت صاف اور مضمون خوب نکالتے تھے انتخاب اُنکے دیوان کا یہ ہے ؛

کس طرح سے اوصاف ہو خلاق جہاں کا ۔۔۔ قدرت نہ قلم کی ہے نہ مقدور زباں کا
عاشق کو ہے کب جلوۂ معشوق کی طاقت ۔۔۔ مہتاب کو دیکھے۔ نہیں مقدور کتاں کا
عنقا کی طرح گو کہ نشاں وہ نہیں رکھتا ۔۔۔ ملتا ہے پتہ نام ہی سے اُسکے نشاں کا

پیتا ہے گر تو بادۂ عشرت سمجھ و لے
جوشش بڑا ہے ورد سر اسکے خمار کا

دیکھکر رنگ صنم تیری جفا کاری کا
کوہکن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا

چشم پرآب ہے۔ لب خشک دماغ آشفتہ
روز عالم ہے غرض دلکی گرفتاری کا

جی سیر ہیں گلزار کی تن کنج قفس ہیں
یہ صید گرفتار ادھر کا نہ ادھر کا

سر اسکی تیغ سے جب تک جدا نہ ہوویگا
کسی طرح سے حق اُس کا ادا نہ ہوویگا

دل و جگر ہی پہ آفت نہیں فقط جوشش
جو ہے یہی ترا رونا تو کیا نہ ہوویگا

ہم سا ہی وہ ہوگا سادگی ہیں
یا ور جو تری قسم کرے گا

جوشش مت رو دل و جگر کو
کس کا کس کا تو غم کرے گا

اُسکی آنکھوں کو دیکھیں سا اے جوشش
مست تو دیکھو شراب خواروں کا

ہے اس ادا کا تری ہوں دیوانہ
دیکھنا مجھکو اور چھپ جانا

اُسکی رنجش کا مجھے خوف عبث ہی جوشش
ہو چکا ہے وہ اسی طرح سے سو بار خفا

نہ چھوٹتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا

جیسا کہ دلپہ زخم ہے اُسکے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اس آب و رنگ کا

کل جو اُسے دیکھکر ہوگئے ہم بے خبر
ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا

مزا دکھاؤں تجھے تیری بیوفائی کا
اگر نہووے مجھے پاس آشنائی کا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں دیوانہ تھا
اُسکو لیلی ہی کے دروازے پہ مر جانا تھا

گر یو نہیں یہ دل در پئے آزار رہے گا
اک روز نہ اک روز مجھے مار رہے گا

کل بزم میں سب پر نگہ لطف و کرم تھی
اک میری طرف تو نے ستمگار نہ دیکھا

جز چشم بتاں میکدۂ دہر میں جوشش
ہمنے تو کسی مست کو ہشیار نہ دیکھا

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے
اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا

نگاہ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے
سلام اُسنے ہمارا لیا۔ لیا نہ لیا

کس سے ہوئی ہے دوستی ایسی کہ ان دنوں — آنا ہمارا دل پہ ترے شاق ہو گیا

لگا دی دل میں آگ ای آہ سوزاں کیا کیا تونے — جلا دیتا ہے اپنے ہاتھ سے بھی کوئی گھر اپنا

شب فرقت ہے بیتابی دل ہے درد پہلو میں — نظر آتا نہیں ہمکو تو بچنا تا سحر اپنا

غش آ گیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا — مجھ کو تو وصل یار میسر کہاں ہوا

ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا — میری طرح نہ کوئی تجھ کو یار چاہے گا

کوئی اس غمکدے میں اپنی غمخواری نہیں کرتا — دیا ہے ایک کو دل وہ بھی دلداری نہیں کرتا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نے جام کی صورت — رہی زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

دیکھتے ہم ہیں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے — خون کے پیاسے ہیں وہ اور تشنہ دیدار ہم

کرے ہیں جور کا شکوہ ترے ہی یار آپس میں — جہاں مل بیٹھتے ہیں آشنا دو چار آپس میں

ہجوم عاشقاں دیکھوں ہوں اپنے یار کے در پہ — مجھے چلتی نظر آتی ہے اب تلوار آپس میں

آج ہے عزم شکار اس کا یہ معلوم نہیں — خوف سے مر گئے یا صید حرم جیتے ہیں

بیکسی سے یہی گلہ ہے مجھے — تھام لیتی ہے دست قاتل کو

جی میں جس وقت کہ مضمون کمر آتا ہے — بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

رباعی

کچھ کام نہیں ہمیں وفا سے — تو ہاتھ نہ کھینچیو جفا سے

کل سب سے گلے ملے تم — تھے ہم بھی تو صورت آشنا سے

قطعہ

نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی میرا دشمن ہے — ایک یہ دل ہے غرض دوست ہی یا دشمن ہے

ایک دن کا ماجرا ہے میں گیا تھا سیر کو — دیکھتا کیا ہوں کہ جھگڑا بر سر بازار ہے

برہمن کہتا ہے بتخانے میں ہے ذات خدا — شیخ کہتا ہے غلط کعبہ ہی میں دلدار ہے

راہ میں جو شخص بول اٹھا سنتے ہی شیخ و برہمن — جانے دو اپنی طرف دیکھو یہ کیا تکرار ہے

ممکن نہیں کہ دیکھئے روئے شگفتگی — جبتک برنگ غنچہ گریباں نہ پھاڑیئے

جاہ و حشم کی خواہش دولت کی آرزو ہے — دو دن کی زندگانی بس پہ یہ جستجو ہے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے — جو کچھ ہے میرے دل میں میرے روبرو ہے
کہتا ہوں دردِ دل تو وہ کہتا ہے کیا مجھے — چپ رہیئے بس زیادہ نہ باتیں بنایئے
کشورِ عشق میں رسوا سربازار ہوئے — اُسکے ہاتھ آپ بکے جسکے خریدار ہوئے
دیکھا ہے جب سے زلف کو شانے کے ہاتھ میں — جوشش ہمارے دل کو عجب پیچ و تاب ہے
اے عشق نے مجھے خوار کیا۔ کیا کیا تُو نے — رسوا سربازار کیا۔ کیا کیا تو نے
اُس رخِ صاف کے آگے جو کوئی آتا ہے — آئینہ اپنا ہی مُنہ دیکھنے لگ جاتا ہے

رباعی

گر جان دے کوئی پر نہ اُس کے ہونگے — جی شوق سے لینگے اُس کا جسکے ہونگے
جوشش نہ رکھ ان بتوں سے اُمیدِ وفا — یہ کس کے ہوئے ہیں اور کسکے ہونگے

دل میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے — اِس میں سودائی کہے کوئی کہ دیوانہ مجھے

جوشش

جوشش۔ میر شجاعت علی جوشش مرحوم۔ میرزا حاتم علی بیگ مہر مرحوم کے دوستوں میں سے تھے۔ ایک تذکرہ میں ان کا نام دوست علی درج کیا گیا ہے یہ اُنکے شعر ہیں۔

اے چرخ بیکسی پہ ہماری نظر نہ کر — جو کچھ کہ تجھ سے ہو سکے تو درگزر نہ کر
پہنچا دے اُس گلی میں اگر تجھ سے ہو سکے — اِس خاک کو نسیم سحر دربدر نہ کر
اُس حسنِ صندلی کی ثنا اور تیرا مُنہ — دیوانہ کیوں ہوا ہے تو یہ دردِ سر نہ کر
جوشش یہ بستی رہنے کے قابل نہیں رہی — چپکا ہی چل یہاں سے کسیکو خبر نہ کر

جوگی

جوگی۔ بابو اللہ یار خان کے والد صوبہ دار میجر خان محمد صاحب۔ فوجی ملازمت کی وجہ سے اطرافِ دکن میں عرصہ تک مامور رہے۔ جوگی صاحب ۱۸۸۶ء میں بمقام پونا پیدا ہوئے مگر اُنھوں نے لاہور آکر ہوش سنبھالا اور لاہور کے اسلامیہ سکول میں انٹرنس تک تعلیم پائی۔ بعض شعراء و زباں داں اصحاب کی ہم بزمی سے شعرگوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اِس فن میں حضرت آغا شاعر دہلوی کے شاگرد ہیں۔ اگرچہ ابھی مبتدی اور نومشق ہیں مگر ذہنِ سلیم اور طبیعت رسا پائی ہے۔ کچھ عرصے سے گانے کی حفاظت

وحمایت میں ایک رسالہ گنوما نا کے نام سے جاری کیا ہے۔ فی الجملہ ایک خلیق کل اور آزاد خیال جوان ہیں۔ مندرجۂ ذیل اشعار اُنکی طبع رسا کا خاص انداز ظاہر کرتے ہیں۔

ساقی مدہوش ہیا محفل جما برسات کی ۔۔ جام بھر بھر کر پلا آئی گھٹا برسات کی
مُردے جی اُٹھتے ہیں جب ہے یہ فضا برسات کی ۔۔ روح کی تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی
زاہدوں کو قدر کیا ہوگی بھلا برسات کی ۔۔ پی کے تھوڑی سی کبھی دیکھیں فضا برسات کی
ہو برا وحشت کا اُسنے یار سے رکھا الگ ۔۔ اسکے جوگی جی نے بھی جنگل میں جا برسات کی

ہنسی ہنسی میں نہ برپا فساد ہو کوئی ۔۔ عدو سے کہدو زباں کو سنبھال کر بیٹھے
گزرتے بچ کے ہیں جوگی سے یہ خیال انھیں ۔۔ گدائے حسن ہے شاید سوال کر بیٹھے
اے فلک دیکھ مری آہِ رسا آئی ہے ۔۔ جان پر تیری زمین سے یہ بلا آئی ہے
آسماں کیا ہے مری آہِ رسا کے سامنے ۔۔ بلبلے کی کیا حقیقت ہے ہوا کے سامنے

کہتے ہیں مجھے اسیر زلف کوئی ۔۔ کہ یہ جوگی نہیں سپیرا ہے

جولان **جولان۔** بہادر علی شاہ جولاں۔ ساکن شاہجہاں آباد۔ دنیاداری کی حالت میں آپ کا نام رمضانی تھا۔ فن تیراندازی میں یگانۂ روزگار تھے یہ ایک شعر آپکا ملا کہ درج کیا جاتا ہے

کنج قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے ۔۔ اے ہمصفیرو چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

جولاں **جولاں۔** میر حسن علیخان نام ملک دکن کے رہنے والے اور طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ ہر ایک شخص سے بادب اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے یہ اُنکا کلام ہے

اب ایسی جام میں ساقی شراب ارغوانی بھر ۔۔ کہ جسکو دیکھکر زاہد کے منہ میں آئے پانی بھر
تری صورت ہی کیا کھینچے جو تو اس شوخ کی صورت ۔۔ ہمارے رو برو ہرگز تو ایسا دم نہ مانی بھر
ہوا ہے ابر ہے ہر سو گل و گلزار خنداں ہے ۔۔ صراحی میں تو اب ساقی شراب ارغوانی بھر

ایک قصیدے کی تمہید میں یہ چند اشعار ہیں۔

صبحدم گزرا مری خاطر میں ناگہ یہ خیال ۔۔ سیرِ گلشن کیجیے تا دور ہو دل کے ملال

جا کے میں سیر چمن میں یک بیک دیکھوں تو کیا — عارضِ گل پر ہیں بکھرے زلف سنبل کے بال
نرگسِ شہلا تھی اپنی چشمِ مخموری پہ مست — لالۂ حمرا دکھاتا تھا اسے اپنا جمال
اور لباسِ زعفرانی بر میں تھا صد برگ کے — اودے جوڑے پر تھا نافرماں کے حسنِ کمال

جولان

جولان۔ درویش وارستہ مزاج آزاد منش الف شاہ وطن بدایوں تھا لیکن بریلی اکثر رہتے تھے۔ جب عالم فقر اختیار کیا سیاحی میں مشغول رہنے لگے اور پھر پھرا کر آگرہ ضرور آتے تھے۔ فن سخن میں خواجہ آتش لکھنوی سے مستفیض تھی ۱۲۶۲ھ میں ۷۰ سال سے زیادہ عمر تھی آگرہ میں راہی ملکِ بقا ہوئے یہ اُن کا کلام ہے۔

ہم وہ ہیں صیدِ وفا کیش کہ خوں روتے ہیں — ٹوٹ جاتا ہے تڑپنے سے اگر دام اپنا
کیا بتائیں کہ ہے کہاں مسکن — کوئے قاتل میں رہا کرتے ہیں

اٹھایا ہے گلی سے اس پری رو کی اگر مجھکو — تو لے چل وحشتِ دل اب جدھر جا ہے ادھر مجھکو
ہر اک بسمل جو کشتوں کا ترے ہے زخم خنداں ہے — ترا کوچہ ہے لے سفاک عالم یا گلستاں ہے
معشوق پر بھی ہوتی ہے تاثیر چاہ کی — چٹکی کلی جو بلبلِ بیدل نے آہ کی
ترکِ الفت میں بھی منہ تجھ سے نہ موڑا ہم نے — آنا جانا تیرے کوچے کا نہ چھوڑا ہم نے
آپ نے عہد وفا باندھ کے توڑے سو بار — اس پہ بھی رشتۂ الفت کو نہ توڑا ہم نے
خاک سے واں کی ہوا چشمۂ زمزم پیدا — جس جگہ دامنِ تر اپنا نچوڑا ہم نے
توسنِ عمرِ رواں کا مری حافظ ہے خدا — لجۂ عشق میں ڈالا ہے یہ گھوڑا ہم نے
سینکڑوں رنج اٹھائے ہیں تو کہے جولاں — عشق کے نام سے اب کان مروڑا ہم نے

جوہر

جوہر۔ کوئی بزرگ بریلی کے باشندے اور اوائل انیسویں صدی میں حیات تھے ایک قدیم تذکرے میں آپ کا کچھ کلام نظر سے گزرا اس میں سے یہ دو شعر پسند آئے درجِ تذکرہ کئے گئے

ہے دستِ شانہ زلفِ بتِ خود پسند پر — یا یہ چڑھا ہے چور لپٹ کر کمند پر
تجھ بن ہے خراب زندگانی — دل پر ہے عذاب زندگانی

جوہر

جوہر۔ امیر خوشحال لالہ مادھورام کوٹھی وال خلف الرشید لالہ جواہر مل ساہوکار رئیس فرخ آباد
آپ کا خاندان شمالی ہند کے ساہوکاروں میں ایک نہایت برگزیدہ و باوقر گھرانہ سمجھا جاتا ہے آبائی تمول و فضیلت
علمی کیساتھ شعر بھی خوب کہتے۔ دن رات یہی ذکر و اذکار رہتے۔ عروض و قافیہ سے بخوبی ماہر۔ اور عجیب
و ثواب شعر سے باخبر۔ منشی اسمٰعیل حسین منیرؔ کے تلامذہ میں جوہر فرد اور خود استادانہ
قابلیت رکھتے تھے۔ کبھی کبھی بطور سیر و سیاحت دہلی و لکھنؤ و اکبر آباد وغیرہ گئے
اور وہاں مہینوں قیام کیا۔ ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری دہلی میں شامل ہوئے تھے۔ انکی
ذات والا صفات سے اکثر اہل ہنر کو فیض پہنچتا تھا۔ اشعار عجیب کیفیت آمیز ہوتے ہیں
جن کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کو لطف حاصل ہوتا ہے۔
اور دونوں کے دلوں پر برابر اثر پڑتا ہے۔ شعرا کے بڑے قدردان اور محسن تھے۔
چنانچہ منشی منیرؔ مرحوم بھی انھیں کیوجہ سے اکثر فرخ آباد میں رہے + بہادر شاہ کے آخر
زمانہ سلطنت میں مختار شاہی کا عہدہ بھی ان کے لیئے تجویز ہوا تھا۔ انکے کلام میں دلچسپی
و دلکشی ہونے کے علاوہ ہر شعر ناخن بدل ہے۔ انکی طرز خاص معاملہ گوئی ہے۔ اور
جدت سے خالی نہیں۔ زبان بہت صاف اور شستہ بے تکلف لکھتے ہیں۔ بہر حال انکے
مستند اور قادر الکلام شاعر ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔ اوائل چودھویں صدی ہجری
میں انتقال کیا۔ آپ کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ اب آپکے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

جن نگاہوں سے لیا ہے دل شیدا میرا
ڈھونڈھتا ہے انھیں تیروں کو کلیجا میرا

رات جاتی ہے مان لو کہنا!
دیر سے دل ہے بے قرار اپنا

مہ نو ابروئے پُرخم نگۂ برگشتہ
ہم نے پڑھا جسے دیکھا اُسے خنجر جانا

آتی ہے اُس کے کوچہ سے آواز دردناک
ہم ہوں کہ دل ہو کوئی تو دونوں میں مر گیا

تجھے تو دیکھ کے ہوتا ہے رنج اے جوہر
بتا تو عشق میں کس کے ترا یہ حال ہوا

کس کے دل شکستہ کے ماتم میں اے کریم
ابتک سیاہ پوش ہے کعبہ خلیل کا

بس چلو جاؤ۔ لگاوٹ نہ کرو۔ دیکھ لیا!
کوئی بیدرد زمانے میں نہ تم سا ہوگا

وصف لکھا ہے جو ابروئے بُتِ دلخواہ کا
میرے مطلع پر ہے دھوکا سبکو بسم اللہ کا

وصفِ حسنِ پاک کی تحریر سے اے شمع طور
صفحۂ دیواں میں ہے عالم تجلی گاہ کا

اخترِ اقبال جب چمکا کیا سجدہ تجھے
عرش کا تارا ہے ہر ذرہ تری درگاہ کا

تُو جو کاہیدوں کو غالب اہلِ رفعت پر کرے
پیس دے کوہِ گراں کو بوجھ برگِ کاہ کا

ہیں تری درگاہ میں ہمدوش فقر و سلطنت
مرتبہ یکساں نظر آیا گدا و شاہ کا

روز کہتے تھے "کبھی غیر کے گھر دیکھ لیا؟"
آج تو آنکھوں سے اے رشکِ قمر دیکھ لیا

آہوں سے آگ لگا دینگے دلِ دشمن میں
چھُپ کے رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لیا

ہمسے پردہ ہے کہیں چاندنی کی سیر میں ہے
کھُل گیا حال بس اے رشکِ قمر دیکھ لیا

کون سوتا ہے کسی ہجر میں نیند آتی ہے
خواب میں کس نے تمھیں ایک نظر دیکھ لیا

آنکھیں سلوادیں مگر ذوقِ تصور نہ گیا
گو نظر بند ہوئی تو بھی اُدھر دیکھ لیا

بچ گیا نقدِ دل اسکے تو نظر سے اسکی
آئیگا پھر بھی اگر چور نے گھر دیکھ لیا

ق

جب کہا میں نے نہیں کوئی چلو میرے گھر
خوب رستے میں اِدھر اور اُدھر دیکھ لیا

بولے چلنے میں نہیں عذر مجھے کچھ لیکن
خوف یہ ہے کسی مفسد نے اگر دیکھ لیا

زلفیں الجھی ہوئیں نیند آنکھوں میں بگڑی ہوئی صبح
باسی جوبن بھی ترا وقتِ سحر دیکھ لیا

اتنی سی بات پر آنکھیں نہ دکھاؤ صاحب
کیا خطا کی تمھیں جوہر نے اگر دیکھ لیا

کیا یاد کرکے روؤں کہ کیسا شباب تھا
کچھ بھی نہ تھا۔ ہوا تھی۔ کہانی تھی۔ خواب تھا

اب عطر بھی ملو تو تکلف کی بُو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

محمل نشیں جب آپ تھے لیلیٰ کے روپ میں
مجنوں کے بھیس میں کوئی خانہ خراب تھا

پیری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہینگے دن
وہ اَور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا

جوہر قصوروار خدا کا گناہگار
جو کچھ کہ تھا یہی دلِ خانہ خراب تھا

ذرہ سمجھ کے یوں نہ ملا مجھکو خاک میں
اے آسمان میں بھی کبھی آفتاب تھا

آزمان سب نکال لے دنیا ہے چار دن
باقی جو رہ گیا وہ پھر اے یار رہ گیا

کیا پوچھتا ہے ہجر کی شب کی مصیبتیں
اک شب نکل نکل کے دم اے یار رہ گیا

کیا پوچھتا ہے حال رہی دل کی دل ہی میں
کچھ کہتے کہتے نزع میں بیمار رہ گیا

مسلنوں نے بس میں رحمتِ حق کو بھی کر لیا
رندوں میں گھر کے ابرِ گہربار رہ گیا

کیوں مضطرب ہیں شام سے ای جوہر آج آپ
کھنچے تو کس گلی میں دلِ زار رہ گیا

ٹھہری جو وصل کی تو ہوئی صبح شام سے
بت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا

چنگ و رباب و مطرب و ساقی و جام مے
سب عیش ہیچ تھا جو تو ای جانِ جاں نہ تھا

کیا جانے کس کے دھوکے سے لپٹا لیا مجھے
کہہ دوں میں تیرے جی کی تو اسدم یہاں نہ تھا

کیونکر قسم پہ آج مجھے اعتبار آئے
کس دن خدا تمھارے مرے درمیاں نہ تھا

توڑا جو پھول بلبلِ شیدا کے سامنے
کیا تیرے دل میں درد کچھ ای باغباں نہ تھا

یاد آتے ہیں جوانی کے مزے پیری میں
قدرت اللہ کی تھا وہ بھی زمانہ کیسا؟

پھینکیے دل کی طرف تیرِ نظر بسم اللہ
دیکھیں تو آپ اڑاتے ہیں نشانہ کیسا؟

غیر ممکن ہے جو ٹھنڈا ہو کلیجہ ان سے
اور وہ آگ لگائیں گے بجھانا کیسا؟

آخر اک روز تو پیوند زمیں ہونا ہے
جامۂ زیست نیا اور پرانا کیسا؟

دھوپ میں جلتے ہیں غمخانوں کے سونیوالے
آگیا اے مرے اللہ زمانا کیسا؟

غیر کے دل کو مئے عشق سمجھ کر دینا
جام کم ظرف ہے منہ تک نہ کہیں بھر دینا

بیوفا ذات حسینوں کی ہے ای حضرتِ عشق
دل کو دینا تو ذرا سوچ سمجھکر دینا

مینہ برستا ہے ہوا چلتی ہے خوب اے ساقی
لے اڑے پیتے ہی ایسا کوئی ساغر دینا

کہتے پھرتے ہیں یہ کوچے میں ہر اک دل کے
خانہ برباد ہیں رہنے کو کوئی گھر دینا

دردِ سر کا نہ شبِ وصل چلے گا فقرہ
دم دلاسے یہ کسی اور کو جا کر دینا

یار بیٹھے ہیں محبت کے فقط اے ساقی
شیشہ جس دل سے اسی آنکھ سے ساغر دینا

یہ بھی ہے ڈھنگ کوئی بادہ کشی کا کیا خوب
یہ کسی اور کو منہ پھیر کے ساغر دینا

فریاد کرے کس سے گنہگار تمہارا
اللہ بھی حاکم بھی طرفدار تمہارا

پریوں کی تو کیا اصل جو حوریں نظر آئیں
دیکھے نہ ادھر طالب دیدار تمہارا

خورشید جو دن کو ہو تو مہتاب ہو شب کو
دنیا میں اجالا ہے سب اے یار تمہارا

حوروں کو تمنا ہے پری زادوں کو حسرت
ملتا ہے کسے سایۂ دیوار تمہارا

کعبہ کی تو کیا اصل ہے اس کوچے سے آگے
جنت ہو تو جائے نہ گنہگار تمہارا

دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا
سنتے ہیں مسیحا بھی ہے بیمار تمہارا

جوہر تمہیں نفرت ہے بہت بادہ کشی سے
برسات میں دیکھیں گے ہم انکار تمہارا

اسنے پھر کر بھی نہ دیکھا میں اسے دیکھا کیا
دے دیا دل راہ چلتے کو یہ میں نے کیا کیا

دیر و مسجد پہ نہیں موقوف کچھ اے غافلو
یار کو سجدے سے مطلب ہے کہیں سجدہ کیا

گل تو کیا خارِ وطن بھیجے نہ تحفے میں کبھی
دوستوں نے مجھ سے غربت میں سلوک اچھا کیا

کل خدا آگاہ ہے جیسا تمہارے واسطے
منتظر آنکھیں رہیں دل رات بھر تڑپا کیا

اے دلِ ناداں تجھے سمجھائے کوئی کس طرح
تو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا

رازِ الفت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے
بس چلا جب تک مرا منہ ڈھانپ کر رویا کیا

بار ہا الزام کیسا اے دلِ خانہ خراب
جو کیا تجھ سے تری قسمت نے اُسنے کیا کیا

دیوانہ و آوارہ و سرگشتہ و مجنون
القاب مجھے خط میں لکھے جاتے ہیں کیا کیا

اک رات کبھی چین سے سوئے نہ لپٹ کر
ہم نام ہی سنتے ہیں دلارام کسی کا

دیکھتے رہتے ہیں دن رات وہ اپنا جوبن
لوٹتا ہے مرے آئینہ مقابل ہو کر

حسن وہ شے ہے کہ گاہک ہے زمانہ جس کا
آنکھ ہر ایک کی پڑتی ہے طرحداروں پر

آتشِ گل سے مناسب ہے حذر اے بلبل
ہاتھ رکھتا ہے کوئی جان کے انگاروں پر

تیرے خط سبز و لب جاں بخش کی کیا بات
تا صبح تیرے ہجر میں ہم کروٹیں بدلا کیے
چار آنکھیں ہوتے ہی برچھی جگر پہ چل گئی
ہم سے چھپا کے آنکھ لڑا کے گئے تم کہاں
دیکھو ہماری آنکھ بھی اپنی نگاہ سے
معاذ اللہ اس آزردگی کا کیا ٹھکانا ہے
اسی پہ جان جاتی ہے جو پتلا ہے تلوّن کا
وہی خون شہید ناز اب پامال ہوتا ہے

وہ خضر کے ہمسر ہیں مسیحا کے برابر
رکھا ہے تکیہ رات بھر لگا ہے ادھر کبھی ادھر
بات کچھ منہ سے نہ نکلی رہ گئے ہم دیکھ کر
سب حال پوچھ لینگے تمہاری نظر سے ہم
تم کس نظر سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم
جو پوچھا یار سے کب تک نہ بولوگے کہا برسوں
تمہیں دشمن جاں مہرباں دو دن خفا برسوں
رہا جن کر جو تیرے ہاتھ میں رنگ حنا برسوں

کیوں نہ گھبرائیے قبر میں تنہا
وقت پر چھپ رہیں معاذ اللہ
تم جو آ جاؤ ایک دم کے لیے

رات دن جو رہا ہو یاروں میں
کہنے والے کہیں ہزاروں میں
جان پڑ جائے بے قراروں میں

وہی دن ہیں تو تو بیگانوں سے بدتر ہو گیا
اپنے مطلب کی محبت رہ گئی ہے آج کل

اب ہیں تیرا اے دل نا آشنا کوئی نہیں
کیا زمانہ ہے کسی کا اے خدا کوئی نہیں

پوچھئے گل شگفتہ کر کے بگڑتے ہیں
دل سنبھلے شہر حسن میں کیونکر
یوں نہیں ملنے کے وہ پھر کے گھر
نامہ بر نامہ بہ آتا ہے
کون جیتے تمہاری آنکھوں سے

یہ پری رو ہوا سے لڑتے ہیں
ٹوٹ ہوتی ہے ڈاکے پڑتے ہیں
چور کی گھات سے پکڑتے ہیں
ہاتھ کیا شرم سے پاؤں پڑتے ہیں
سادہ سے بھی یہ چور لڑتے ہیں

یہ جو اخلاط کیسی بہکی بہکی باتیں ہم سے کرتے ہیں
محبت کیجئے ظاہر نہ مجھ سے منہ زور گر آ
نہ آیا کرو اغیار کی الفت جتاتے ہیں

کہیں چھیڑ دیکھ مرا اب عشق کے فتنے اٹھتے ہیں
بڑے میرے نصیب اللہ پھر آپ آتے ہیں
وہ تم پر کیوں بھلا مرنے لگے تاؤ میں آتے ہیں

ہر اک موسم میں کشتِ آرزو سرسبز رہتی ہے
تردّدِ غیر کو ہوگا یہاں تو چین کرتے ہیں

یہ جوڑا کھولنا بھی پیچ سے خالی نہیں اُن کا
اُلجھ جاتا ہے دل جب بال شانوں پر بکھرتے ہیں

تکلّف کے یہ معنی ہیں سمجھ لو بے کہے دل کی
مزا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں

اپنی اپنی فصل میں ہر راگ دیتا ہے بہار
ہولی کا ہولی میں ساون کا مزا برسات میں

مینہ برستا ہے۔ گھٹا چھائی ہے چلتی ہے ہوا
ہائے کیا اندھیر ہے تم ہو جدا برسات میں

دیر کر رکھی ہے کیا ساقی پلا بھی دے شراب
کیسی ہے چھائی ہوئی اُودی گھٹا برسات میں

جھومتے آتے ہیں کیا ابرِ سیاہ
نشہ میں چور یہ متوالے ہیں

ناتوانی کے سبب لے وحشت
خار بھی میرے لئے بھالے ہیں

اِس طرح جھوم کے چلئے نہ حضور
سب کہینگے کہ یہ متوالے ہیں

شب وصال جو مطلب کی میں نے بات کہی
کہا کہ ہوش میں آ۔ کر شعور کی باتیں

دوشالہ ڈال کے لاشے پہ آتے ہیں منعم
ابھی نہیں گئیں اُن کی غرور کی باتیں

یہ نہ کہیئے عشق میں تجھ سا کوئی کامل نہیں
مہربانی آپ کی بندہ تو اس قابل نہیں

ڈھونڈ لینگے جب کوئی تم سا تبھی چین آئیگا
ہم بھی اپنی فکر میں رہتے ہیں کچھ غافل نہیں

تھی محبت یا نہ تھی اگلی نہ باتیں کیجیئے
رنج ہوگا مفت میں اب اِس سے کچھ حاصل نہیں

روز کی ایذا گئی۔ جھگڑا چکا قصّہ مٹا
وہ تمہارا دل نہیں اب وہ ہمارا دل نہیں

بندہ پرور ان کچی باتوں سے کچھ حاصل نہیں
یہ تو ہم بھی جانتے ہیں آپ کا وہ دل نہیں

وہ ہی دن ہیں یہ صنم ہوش رُبا ہوتے ہیں
کل کے ترشے ہوئے بُت آج خدا ہوتے ہیں

شوق سے پیجئے ہمراہ رقیبوں کے شراب
ہم چلے بزم سے کیوں آپ خفا ہوتے ہیں

دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
یہ وہ کعبہ ہے کہ بُت جس میں خدا ہوتے ہیں

جوہر اُلفت بھی ہے کیا چیز کہ سُن سُن کے حسین
دل میں خوش ہوتے ہیں ظاہر میں خفا ہوتے ہیں

میں نے جو یہ کہا تمہیں الفت مری نہیں
گردن جھکا کے ناز سے بولے کہ جی نہیں

تو جسکو چاہے خاک سے مسند نشیں کرے
ہے بیحساب فیض ترا کچھ کمی نہیں

چھوٹی سی عمر میں تمھیں بوسہ عزیز ہے
دیدو اسے بھی بات کچھ ایسی بڑی نہیں

للّٰہ اور بھی مے گلگوں کے جام دے
ساقی ابھی تو پیاس ہماری بجھی نہیں

ہیں صفائی میں برابر ترے زانو دونوں
نظر آتے ہیں ہمیں ایک سے پہلو دونوں

ضعف میں مجکو اٹھاتے نہیں وہ اپنے در سے
لے غم و یاس پکڑ لو مرے بازو دونوں

یہ جانتا ہوں مگر کیا کروں طبیعت کو
کہ مے حرام ہے لے واعظو حلال نہیں

پھانس کر دل کو دیا کرتی ہے جھٹکے لاکھوں
زلفِ پیچاں کو تری یاد ہیں لٹکے لاکھوں

کفر و دیں میں ہے خلش برہمن و شیخ سے بیچ
اس دوراہے میں مسافر کو ہیں کھٹکے لاکھوں

وصل بھی شعلہ رخوں کا نہیں جینے دیتا
جلتے ہیں شمع سے پروانے لپٹکے لاکھوں

شوقِ مے رندوں سے کچھ پوچھ نہ اے پیر مغاں
دل میں آتا ہی چڑھا جائیے مٹکے لاکھوں

زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاٹتے ہیں عشق میں
اے محبت بے بسی میں لوگ کیا کرتے نہیں

ہو گئے ہیں منفعل پر اب بھی غم کھاتے ہیں روز
آپکے بیمار پرہیز غذا کرتے نہیں

بھانپ ہی لینگے اشارہ سرِ محفل جو کیا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

کبھی آئے نہ عیادت کو مسیحا ہو کر
آپ ایسی ہی مریضوں کی خبر رکھتے ہیں

تجھسا کوئی جہان میں نازک بدن کہاں
یہ پنکھڑی سے ہونٹ یہ گل سا بدن کہاں

جوش و خروش ساتھ جوانی کے جا بسے
وہ موسم بہار وہ دیوانہ پن کہاں

اپنا دوپٹہ اسنے دیا مجکو بعد مرگ
ملتا ہے بے نصیب کو ایسا کفن کہاں

معشوقِ بے نمک کو کوئی پوچھتا نہیں
حسن ملیح کے ہیں نمک خوار سینکڑوں

بوسہ ملا کسے لب جاں بخشِ یار کا
اس آرزو میں مر گئے بیمار سینکڑوں

جسکو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گیا
دیکھے ہیں ہمنے عشق کے بیمار سینکڑوں

تنہا تو ہم کو ایک بھی ملنا محال ہے
ہمسے تمھیں جہاں میں ہیں ای یار سینکڑوں

جب موافق کبھی ہوتا ہے زمانہ اے دل
سنگ گر پڑے بھی نصیبوں سے ورم ہوتے ہیں

یوں محبت سے جو چاہے کوئی اپنا کر لے
جو ہمارا نہ ہو اُسکے کہیں ہم ہوتے ہیں

دوست دو چار نکلتے ہیں کہیں لاکھوں میں
جتنے ہوتے ہیں سوا اُتنے ہی کم ہوتے ہیں

اس میں کیا حرج ہے کہہ دیجیے آنکے سپنے
جھوٹے وعدوں سے بھی خوش آپکے ہم ہوتے ہیں

آج اے مرگ کھلی ہستیٔ موہوم کی اصل
کچھ سمجھتے تھے ہم اس شے کو مگر کچھ بھی نہیں

واہ اے ابر کرم واہ مرے دریا دل
ہر طرف آپ برستے ہیں ادھر کچھ بھی نہیں

وہ بھی کیا لوگ ہیں دنیا میں خدا کے بندے
جنکو دل توڑتے ہیں خوف و خطر کچھ بھی نہیں

کچھ نہیں ہے تو دوپٹے میں چھپاتے کیا ہو
پھر یہ کسواسطے پردہ ہے اگر کچھ بھی نہیں

تصور زلف کا ہے اور میں ہوں
بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں

بتوں کو کیوں دیا یہ قد و قامت
قیامت میں خدا ہے اور میں ہوں

قرآن رخ کے چھونے کی جو آرزو کریں
پہلے وہ آب دیدۂ تر سے وضو کریں

غافل یہ پاؤں توڑ کے بیٹھیں ترے فقیر
ملجائیگا کہیں نہ کہیں جستجو کریں

اپنی کہیں کہ اس دل خانہ خراب کی
تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں

منہ تک بھری ہے شیشۂ دل میں شراب عشق
رنگت چھپائیں اسکی کہ پوشیدہ بو کریں

اپنی خودی مٹائیں تو پائیں رہ وصال
کھوئیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں

پیر مغاں تو مست ہے آپ اپنے حال میں
کس سے سوال شیشہ و جام و سبو کریں

ملجائے زاہدوں کو اگر مفت کی شراب
اتنے بڑے ہیں پیٹ یہ خالی سبو کریں

دامن جدا ہے چاک گریباں جدا ہے چاک
کسکو سئیں بتائیے کسکو رفو کریں

دیکھنا کیا سحر ہے چشم فسوں پرداز میں
جسکو دیکھا ہیں ڈالا اک نگاہ ناز میں

لائیگی رنگ اپنی محبت کبھی ضرور
ایسی بھی بات ہے کہ ترے دل میں گھر نہ ہو

چبھتے ہیں خار دشت تو کہتی ہے بیکسی
حضرت کدھر ہے دھیان تمہارا یہ گھر نہ ہو

ہو گی ضرور صبح تری اے شبِ فراق
ہمکو نصیب دیکھئے ہو یا سحر نہ ہو

تیوری میں بل نہ ڈال چھری سے حلال کر
جوہر ترے نثار خفا اس سے تو نہ ہو

ق

اس شان سے وصل کی ہے خواہش
ایسا موقع بھی اے خدا ہو

بوسہ جو لیا جھجک کے بولے
دیکھو نہ کوئی دیکھتا ہو

دو دو وو ساغر ہوں دو دو شیشے
دُہرا دُہرا ہر ایک مزا ہو

بہکی بہکی ہوں اسکی باتیں
ساقی ساقی پکارتا ہو

بوسہ بوسہ میں مانگتا ہوں
اچھا اچھا وہ کہہ رہا ہو

سینہ سینے سے گال سے گال
زانو زانو تلے دبا ہو

نکھری نکھری ہو ساری محفل
ٹھنڈی ٹھنڈی وہاں ہوا ہو

مسکی مسکی ہو اس کی انگیا
شرما شرما کے ڈھانکتا ہو

اُجلی اُجلی سی چاندنی میں
گورا گورا بدن کھلا ہو

لپٹا لپٹا لوں اسکو جوہر
بس بس دیکھو وہ کہہ رہا ہو

نیند آنکھوں میں بھری ہے کہاں رات بھر رہے
کسکے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے

شب جیسی گزری دن بھی گزر جائیگا مرا
جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

جوہر ابھی سے توبہ ہے خیر ہے تمہیں
صحبت پریرخوں کی ہے دن ہیں شباب کے

کیا بتائیں مزاج کیسا ہے
ہم کہاں دل کہاں خدا جانے

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سبکو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

جسکے پامال ہیں کھائینگے اسی کی ٹھوکر
کہہ دیا ہٹ کے چل او فتنۂ محشر ہمسے

گلے لگا کے شبِ وصل کس ادا سے کہا
نہ ہوتی تجھ سے محبت تو پیار کیوں کرتے

کیا بتاؤں کس طرح دل آ گیا
کیا کہوں کیونکر محبت ہو گئی

کیا پوچھتے ہو حسرتِ دیدار بعد مرگ
تا چند منتظر مری آنکھوں میں دم رہے

میرے ہوتے نگہِ قہر رقیبوں کی طرف
دیکھئے دیکھئے یہ تیر خطا ہوتا ہے

بھولے پن میں بھی کسیکے نہیں ہوتے یہ حسیں
چھوٹے سے سن میں گھمنڈ اُنکو بڑا ہوتا ہے

جان لیکر پھر جلایا تھا تو لازم تھا وصال
کیا خبر تھی مجھکو دم دے کر خفا ہو جائینگے

غیروں سے تو فرصت تمھیں دن رات نہیں ہے
ہاں میرے لیئے وقتِ مُلاقات نہیں ہے

عاشق کے لیئے موت سے بہتر نہیں تدبیر
وہ شوق سے کوسیں یہ بُری بات نہیں ہے

خط لکھا یار نے رقیبوں کو
زندگی نے دیا جواب مجھے

ناوک ہیں راستی ہو۔ کجی ہو کمان میں
ٹیڑھی اگر بھویں ہوں تو سیدھی نظر رہے

کیا پُوچھتے ہو مجھ سے جانی مرے دلکی
معلوم مجھی کو ہے کہانی مرے دلکی

دریافت نکر اے بُتِ بیہوش مرا حال
ہے شیشۂ صد پارہ نشانی مرے دلکی

تڑپ رہا ہے دل اِک ناوکِ جفا کے لیئے
اُسی نگاہ سے پھر دیکھئے خدا کے لیئے

فرماتے ہیں کہ ہم ترے فقروں میں آ چکے
جو لوگ مُنہ سے کہتے ہیں وہ زہر کھا چکے

کیوں مزا دیکھ لیا دل کی کشش کا ہمنے
پھر کہو گے کہ ترے گھر میں ہیں زار چلے

اِتنا کوئی پُوچھے مرے قاتل سے خدارا
باقی کوئی اب اَور تو ارمان نہیں ہے

جوہر جوہر۔ منشی سیّد کاظم حسین صاحب جوہر لکھنوی ۱۸۸۲ء میں زیر سایۂ عاطفت سلطانِ عالم واجد علیشاہ مٹیا برج کلکتہ میں رہتے اور ماہتاب الدولہ سیّد علیجان خان درخشاں مصاحبِ شاہی سے فنِ شعر میں استفادہ کرتے تھے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ؂

شوخیاں مجنوں سے ایسی ناقۂ لیلیٰ ا نکر
ڈھونڈتا پھرتا ہے بیچارہ کہ محمل کیا ہوا

اِس مرتبہ ہے فقر کی دولت سے دل غنی
قاروں کے گنج کو بھی سمجھتا ہوں ال کب

صبح فرقت کا وہ دھڑکا ہے کہ دم پر ہے بنی
تیرے عاشق کا ہے دُنیا سے سفر وصل کی رات

ہیں لبِ جاں بخش کے بوسے نصیب
زندگانی کا مزا پاتی ہے روح

کیوں نہ تکلیف ہو کاجل سے تری آنکھوں کو / واقعی رات گراں ہوتی ہے بیماروں پر
اس قمر نے اپنے رخ پر تل بنایا تل کے پاس / دو ستارے یک بیک چمکے مہ کامل کے پاس
عاشق ابرو ہوں کوئی تیغ چلاکر نذر دوں / ہاتھ خالی جاؤں میں کیونکر ولا قاتل کے پاس
دیکھ تو پردہ اٹھا کر لیلیٔ ناقہ سوار / قیس خود رفتہ کھڑا ہی دیر سے محمل کے پاس
کھائی آخر کو در قاتل پہ تیغ آبدار / کشتیٔ عمر رواں ڈوبی مری ساحل کے پاس
زندگانی کا مزا تجھ سے ہے مہ رو میرے / فقر و فاقہ ہو تو ہو پاس ہو پر تو میرے

جوہر

جوہر۔ جناب مرزا احمد شاہ بیگ صاحب مراد آبادی قانونگو تحصیل ٹھاکردوارہ ضلع مراد آباد۔ آپ کو منشی انوار حسین صاحب تسلیم سے تلمذ رہا ہے۔ عمر اس وقت ۴۵ سال کے قریب ہے۔ تاریخ گوئی میں آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل ہے۔ غزل کہنے کا کم اتفاق ہوتا ہے۔ باوجود تلاش زیادہ کلام بہم نہ پہنچا۔ ناچار اسی قدر کلام پر اکتفا کیا گیا ؎

جما ہوا ایسا ہے مژگاں کا چشم دلبر پر / کہ ٹوٹے پڑتے ہوں جس طرح رند ساغر پر
بنا کر آئینہ خود بیں کیا حسینوں کو / ہزاروں خون ہوئے گردن سکندر پر
خدا کی شان ہے کوئی تو چین سے سوئے / کوئی تڑپتا رہے ساری رات بستر پر
نہ چھوڑ درد غم جاں فراغ بال مجھے / رلا رہے تو ہی الم میں شفیق حال مجھے
چہ ذقن کی ترے چاہ ہے مرے یوسف / غلام ہوں سر بازار بیچ ڈال مجھے
تمام کام کیا یاس و ناامیدی نے / امید وصل ذرا آن کر سنبھال مجھے
ہیں مغبچہ پہ فدا ہوں وہ دخت رز پہ نثار / ملے ہیں حضرت ناسخ شریک حال مجھے
وہ ساتھ غیر کو اپنے لگا کے لائے ہیں / ہوئی ہے ہجر سے بدتر شب وصال مجھے

جوہر

جوہر۔ منشی محمد سیف اللہ خاں۔ آپ اسلام آباد کے باشندے اور استادِ وقت منشی امیر اللہ تسلیم کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں۔ چند غزلیں نظر سے گزریں

اُن کا انتخاب حاضر ہے ؂

چارہ گر قہر کیا تو نے لگا کر مرہم	ہائے زخموں کو ذرا اور اُبھرنے نہ دیا
رکھتا نہیں ہے پاؤں زمیں پر غرور سے	اُس رشکِ حور کا ہے دماغ آسمان پر
حضرتِ عشق جو سچ پوچھئے ہیں قہر کی چیز	رنگ ہر رنگ میں اپنا یہ جما لیتے ہیں
خوش نگاہوں کا نگاہوں میں سمانا ہی غضب	دیکھتے دیکھتے دل صاف چُرا لیتے ہیں
ہاں حسن کے مضطرب کہیں وہ فتنہ گر نہ ہو	فریاد بھی وہ کیجئے جس میں اثر نہ ہو
دامِ اُلفت سے رہائی عمر بھر دشوار ہے	گو رہائی دے مجھے صیاد اپنے ہاتھ سے
قتل کرنے کے لئے کیا کم ہے یہ ترچھی نظر	رکھ دے اے قاتل خنجر فولاد اپنے ہاتھ سے

جوہر ۔ شفیقی و مکرمی حکیم معشوق علیصاحب شاہجہانپوری۔ وکیل درجۂ اول ریاست بھوپال آپ شاہجہاں پور روہیلکھنڈ کے ایک معزز خاندان کے رکن ہیں اور ایک عرصہ سے ریاست بھوپال میں سکونت پذیر ہیں۔ اور اپنی عالمانہ قابلیت و استعداد کے خیال سے جوہر قابل مانے جاتے ہیں معلومات علمی نہایت اچھی اور وسیع ہیں۔ اور فن سخن سے تو گویا عشق ہے۔ بھوپال میں شعر شاعری کا چرچا ان کے دم سے ہے۔ اکثر مشاعرے بھی کرتے رہتے ہیں۔ عنفوانِ شباب میں دہلی آکر نواب اسد اللہ خان غالب کے فیضِ صحبت سے بہرہ ور ہوئے تھے اور فخرِ تلمذ بھی حاصل کیا تھا۔ کئی ماہ تک اُن کی خدمت میں حاضر رہ کر اصلاح لی۔ نظم و نثر دونوں میں دستگاہِ کامل حاصل ہے۔ جدت پسند و معنی خیز طبیعت اس فن کے مناسب پائی ہے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور لطافت کا پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ سن شریف اب ۶۰ سال کے قریب ہے۔ سُنا ہے کہ اب حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں ملازم ہوگئے ہیں۔ راقم تذکرہ سے عرصہ سے رسل و رسائل کا سلسلہ جاری ہے مگر افسوس کہ باوجود متعدد اقراروں کے کلام ارسال نہیں کیا۔ ناچار جو کلام متفرق رسالوں میں نظر سے گزرا اُس کا انتخاب درجِ تذکرہ کیا گیا ؂

دیکھی کبھی خزاں کبھی موسم بہار کا
کیا اعتبار ہو چمن روزگار کا

بوئے وفا نہ رنگِ محبت گلوں میں ہے
بگڑا ہے نیل کیا چمن روزگار کا

یارب یہ سچ ہے بات کہ محشر کی صبح سے
دامن سِلا ہوا ہے شبِ انتظار کا

ساقی نہیں ہے ساغر و پیمانہ تو نہو
چُلّو ہی بھر دے آج تو مجھ بادہ خوار کا

جاں نکلی نہ فرقت کی اذیت سے شبِ ہجر
مر مر گئے ہم تا سحر ارمانِ قضا میں

کیا تجھ پہ تصدق کرے اے بادشہِ حُسن
جز نامِ خدا کچھ نہیں کجکولِ گدا میں

اِن ترچھی نگاہوں سے بچیگا کوئی کیونکر
ہے تیغِ قضا قبضۂ انداز و ادا میں

ٹھیری ہے بس اب لختِ جگر پہ بسر اپنی
ٹکڑے ہی دو چار ہیں کجکولِ گدا میں

حیراں نکیوں دیکھنے والے ہوں سرِ راہ
آئینے کی ضو ہے ترے نقشِ کفِ پا میں

کیا اور جفا کا کوئی ارمان ہے باقی
کیوں آئے ہیں وہ بزمِ عزائے شہدا میں

گردن پہ وہ رکھ رکھ کے اُٹھا لیتے ہیں خنجر
کچھ کچھ ہے محبت کی جھلک طرزِ جفا میں

برباد ہی گلشن پہ ہیں گل چاک گریباں
پیدا اثر درد ہے بُلبُلوں کی صدا میں

بارِ ستم و جور فقط دو سے نہ اُٹھایا
اِک میں ترے پامالوں میں ہوں ایک حنا ہے

آئی جو جوانی تو سکھاتی ہوئی آئی
یہ ناز۔ یہ انداز۔ یہ شوخی۔ یہ حیا ہے

ہمیں دے ساغرِ مے ہم سے لے دعا ساقی
کہ کام آئے گا تیرے لیا دیا ساقی

پڑینگے لینے کے دینے نہ مانگ قیمتِ مے
جو کوئی مستی میں تجھ سے اُلجھ پڑا ساقی

میکدے میں ساغر و مینا سے عمانی ہوئی
شیخ کی رندوں میں آکر آبرو پانی ہوئی

کیا لطافت ہے نہیں پڑتا ہے آئینہ میں عکس
سچ تو یہ ہے خِلقت اُس مہوش کی لاثانی ہوئی

کر گیا ہنگامِ آرایش اثر جادوئے حُسن
آنکھ سکتہ اور آئینہ کو حیرانی ہوئی

جو لہو پی پی کے رہتے تھے وہ اب پیتے ہیں پھول
فصلِ گل میں یہ مئے گلگوں کی ارزانی ہوئی

پھر بلا میں اِس دلِ بیتاب نے ڈالا مجھے
پھر کسی زلفِ شبگوں کا ہوا سودا مجھے

استخواں کیا خاک تک باقی نہیں ہے در ہیں	آسیائے چرخ نے اس طرح سے پیسا مجھے
دیکھنے والا ہوں میں بھی تو کسی خوش چشم کا	یوں نہ تو آنکھیں دکھا اے نرگس شہلا مجھے
خود بخود جوہر سے ملنے کو چلا آئے وہ شوخ	اے فسونگر ایسا کچھ بتلا دے اک ٹٹکا مجھے
مزا دیوانہ پن کا وادی وحشت میں جب آئے	نہ دامن خار سے چھوٹے نہ چھوٹے خار دامن سے

جوہر

جوہر شیخ محمد عبد العزیز ولد شیخ محمد عبد الرحمن۔ رئیس غازی پور ۱۲۸۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے دس برس کی عمر تھی کہ داغ یتیمی نصیب ہوا یعنی شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ موروثی قرضہ کی ادائگی میں جائداد نیلام ہو گئی۔ ۱۲ برس کی عمر تک غازی پور ہی میں تعلیم و تربیت پائی۔ پھر ۱۳۰۱ھ ہجری میں جون پور جا کر مولوی محمد محسن جون پوری اور مولوی ہادی حسن سے عربی و فارسی پڑھی۔ ورنیکلر اسکول سے مڈل کا امتحان بھی پاس کیا ہے۔ ہندی۔ ناگری۔ بنگلہ۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ اسی زمانے میں شاعری کا شوق ہوا۔ پہلے پہل غبار جون پوری سے مشورۂ سخن کیا۔ پھر ۱۳۱۰ھ ہجری میں حضرت امیر مینائی مغفور سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ فن عروض سے بھی واقف ہیں۔ ایک ضخیم غیر مطبوعہ دیوان آپ کا تیار ہے۔ اپنے قرب و جوار میں اچھے شاعر خیال کیے جاتے ہیں۔ اکثر جوان شائق سخن آپ کے شاگرد بھی ہیں۔ حافظہ اس بلا کا ہے کہ اساتذہ کے ہزارہا شعر ازبر ہیں۔ عاشق مزاج اور حسن پرست طبیعت پائی ہے مجموعۃً ان خاص جذبات کا اثر آپ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ عاشقانہ اور پر درد مضامین کے علاوہ زبان میں صفائی ہے اور طرز بیان بھی عمدہ ہے۔ وسیع الاخلاق ہر دلعزیز۔ بامذاق۔ منکسر المزاج۔ ذہین۔ حلیم۔ ملنسار۔ آزادی پسند۔ برجستہ گو اور گانے کے شائق ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے نہایت پابند و مستر و سوسائٹی کے بیٹھنے والوں میں ہیں۔ آپ کا خاندان غازی پور کے اعلیٰ طبقہ کے رؤسا میں شمار کیا جاتا ہے۔ انتخاب کلام درج کیا جاتا ہے۔

پریوں کا شیفتہ ہے جوہر نہ حور عین کا
روٹھی ہے یادِ جاناں اُجڑا ہے دل ہمارا
آرزوؤں کا لگا رہتا ہے میلا دل میں
کر دیا تیرِ مژہ نے ترے رخنہ دل میں
اے خوشی تو ہی بتا تجکو جگہ دوں کیونکر
پوچھ نہ حال منزلِ گیسوئے یار کا
کچھ دیر آپ اور رہیں جلوہ گاہ میں
واہ رے قاتل کی شان اللہ رے ترچھی نظر
حشر میں بھی ڈھونڈتے پھرتے ہیں منواکے سر
ڈھونڈتے ہیں وہ کہیں ملتا نہیں ہیرا مزار
پوشیدہ محبت کے کھلے راز ہمیں سے
وہ شوخ نظر دیکھ کے نرگس کو یہ بولا
بجلی کی تڑپ قابلِ تعریف ہے لیکن
رک رک کے دم ذبح پہ چلتی ہے گلے پر
چمکا کبھی وہ رخ کبھی زلفوں میں چھپ گیا
اب ہم ہیں اور ساقی و پیمانہ و شراب
نیرنگیاں ہیں جلوۂ قدرت کی ہر طرف
جور و جفا کے بعد پشیماں ہوئے جو تم
جوہر بتوں کے عشق میں سب کچھ ہوا مگر
کہہ رہا ہے سرِ محفل یہ کسی کا جلوہ
نازِ جبیں ہے اسی پہ ستم و جور بھی ہوں

دیوانہ ہے ازل سے اک شوخ مہ جبین کا
یہ رنگ ہے مکان کا وہ رنگ ہے مکین کا
دیکھ لو آکے کسی دن یہ تماشا دل میں
آرزو دل میں ہے غم دل میں تمنا دل میں
چھاؤنی چھائے پڑا ہے غمِ دنیا دل میں
رہزن تو سینکڑوں ہیں کوئی رہنما نہیں
کہتی ہے چشمِ شوق ابھی جی بھرا نہیں
ایک خنجر آنکھ میں ہے ایک خنجر ہاتھ میں
شیشہ ہے بغل میں اور ساغر ہاتھ میں
خشک ہوتی جاتی ہے پھولوں کی چادر ہاتھ میں
دنیا میں ہوا عشق کا آغاز ہمیں سے
ہاری ہے تو لڑ کر یہ نظر باز ہمیں سے
سیکھے ہیں تڑپنے کے یہ انداز ہمیں سے
تلوار بھی کرتی ہے تری ناز ہمیں سے
دن ہو گیا کبھی تو کبھی رات ہو گئی
توبہ تو تدبیر خراب بات ہو گئی
دنیا مری نظر میں طلسمات ہو گئی
اچھا کیا تلافیِ مافات ہو گئی
ایمان بچ گیا یہ بڑی بات ہو گئی
دل ہو پیارا تو مرے پاس نہ آئے کوئی
میں نہیں کوئی تو تجکو نہ ستائے کوئی

ہے پاس بھری آنکھوں میں چلتا ہوا جادو
آراستگی بزم ہے عشاق کے دم سے
جو بات ہر بسمل میں وہ قاتل میں نہیں ہے
جب ہم نہیں کچھ بھی تری محفل میں نہیں ہے

جوہر **جوہر** منشی جواہر سنگھ مقیم ریاست ریوان بندیل کھنڈ۔ آپ بریلی کے باشندے ہیں اور منشی موسیٰ حسین اختر سے تلمذ رکھتے ہیں۔

اللہ اللہ کس بلا کی ہے تری برقِ جمال
تا بہ نظارہ نہ لایا طور جل کر رہ گیا
خم بہ خم گیسوئے پیچاں کو ہٹئے جاتے ہیں کیوں
آپ کچھ فرمائیں تو یہ جال پھیلاتے ہیں کیوں
دل کے لیتے وقت تو اللہ ری بے باکیاں
اب سوالِ وصل سُنکر آپ شرماتے ہیں کیوں

جوہر **جوہر** منشی جواہر سنگھ جوہر خلف منشی بختاور سنگھ راقم ذی استعداد اور باکمال سخنور تھے۔ فارسی کی استعداد عالمانہ تھی اور شعر بھی اس زبان میں خوب کہتے تھے مولٰنا گل محمد خان ناطق سے تلمذ تھا۔ اردو میں خواجہ وزیر کے ارشد تلامذہ میں انھیں سمجھنا چاہیئے۔ آپ قوم کے کایستھ اور راجہ لالجی بہادر کے (جو سرکار امجد علیشاہ اور واجد علیشاہ میں سلطنتِ اودھ کے بخشی فوج تھے) حقیقی خواہرزادہ تھے۔ انتزاعِ سلطنتِ اودھ کے بعد جب وہ سلسلہ درہم و برہم ہوا تو مہاراجہ سر درگبجے سنگھ والیٔ بلرامپور نے ازراہِ قدردانی اپنے پاس بلا کر رکھا۔ اور رفقائے خاص میں داخل کیا۔ اور مدة العمر اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیا۔ تصوف اور وحدانیت کی طرف طبیعت کا خاص رجحان تھا۔ نہایت پُرگو اور خوش کلام سخنور تھے۔ آپ کی طبیعت کی آمد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پانچ دیوان آپ کی تصنیف سے شائع ہوئے جن میں سے دو مطبع نولکشور میں اور تین مطبع رفاہ عام سیالکوٹ میں چھپے ہیں۔ ایامِ ضعیفی میں دس بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

اصل مطلب ایک ہے آگاہ و نا آگاہ کا
ہے الکھہ کا ترجمہ عربی میں لفظ اللہ کا
دیکھئے جو بنیا ہوا انسان صنعت ربِّ حفیظ
طاقِ ابروئے بتاں گنبد ہے بسم اللہ کا

کسکو ہے اُسکے فروغِ شمعِ وحدت کی نظر ❊ ایک موسیٰ ہی تھا پروانہ تجلّی گاہ کا

پسندِ عاشقاں نغمہ ہے یہ درد و مصیبت کا ❊ کہ بزمِ عیش میں گاتے ہیں مضموں سوزِ فرقت کا

پری و حور ہیں ناجنس کیا لطف آدمیت کا ❊ بشر ہیں ہم بشر سے ہے مزہ اپنی طبیعت کا

خدا نے لذّتیں دنیا میں دیں تم بد سمجھتے ہو ❊ نتیجہ زاہدو اچھا نہیں کفرانِ نعمت کا

خدا کا بیٹا یا معشوق کہنا کفرِ مطلق ہے ❊ منزّہ سب سے ہے رتبہ خداوندِ حقیقت کا

اُلوہیت۔ فنا۔ تخلیق۔ شانیں خاص اُسکی ہیں ❊ پرستش کرتے ہیں ہم نام رکھکر اُسکی قدرت کا

صنم بھی اُسکے مظہر ہیں کروں سجدے نکیوں ہر ہر ❊ نظر آتا ہے جو کچھ ہے نمونہ اُسکی قدرت کا

ترے ہنسنے نے کردی عشرتِ صبحِ وطن پیدا ❊ دکھایا لطفِ مستی نے تری شامِ غریباں کا

نکالے جانے پر جنّت سے گرہی نسلِ آدم کی ❊ گذر ممکن نہیں اے شیخ پھر جنت میں انساں کا

منجّم کوئی ایسی رات ہوگی ❊ کہ آئے وہ مہِ کابل ہمارا

قصور اے شیخ دیں ثابت نہیں منصور و سرمد کا ❊ انا الحق حسنِ سنت ہے انا ہے میمِ احمد کا

جس جلوے نے تھا طور شرارت سے جلایا ❊ دیکھا جو تجھے مجکو وہ بار نظر آیا

دیکھا جو بڑھ کے شوق سے اک راہبر نہ تھا ❊ پہنچا وہاں میں خضر کا جس جا گذر نہ تھا

گردش سے آسماں کی کسی جا مفر نہ تھا ❊ کس سرزمیں پہ یہ فلکِ فتنہ گر نہ تھا

ہیں عشق سے وہ حُسن سے بیہوش دونوں تھے ❊ جو کچھ ہوا معاف کوئی باخبر نہ تھا

کیوں طاقِ کعبہ رخنۂ دیوارِ کعبہ ہے ❊ زاہد جو اُس کا تیرِ نظر کارگر نہ تھا

کچھ اور ہی مزہ ہے نئے شوق و ذوق کا ❊ جو لطف پہلے دن تھا وہ روزِ دگر نہ تھا

ٹھہرا وصال وعدۂ فردائے حشر پر ❊ دل کو یہاں تحمّلِ روزِ دگر نہ تھا

سوتے فتنہ کو جگانے کو ہوا تو پیدا ❊ کی تری آنکھوں نے کیفیتِ جادو پیدا

آفتِ جاں ہوا عالم کے لیئے تو پیدا ❊ کس بلا کے ہوئے چشم و رخ و گیسو پیدا

وہ جوانی کے مزے دلبرِ کم سن ہیں کہاں ❊ غنچہ جبتک کہ ہو گل نہ ہو خوشبو پیدا

بڑھ گئی اُسکی حقیقت جو ہوا وصل بحق ٭ جزو سے کل ہو گیا قطرے سے دریا ہو گیا ٭

جہاں سرسبز ہے کیفیت فصلِ بہاری ہے ٭ زمین و آسماں اک جام و مینا ہے زمرد کا

مست عاشق کو تری بوئے دہن کرتی ہے
ایک غنچے سے نہ ایسی ہوئی خوشبو پیدا
دونوں ہاتھوں سے بلائیں تری لیتا ہے چمن
چہرے پہ تیرے لئے یہ جبت نہیں ابرو پیدا
دل ابھی آپکے کوچے میں تڑپکر پہنچے
ہو جو پہلو سے نکل جانے کا پہلو پیدا
فیضِ انوارِ ازل جسکے ہیں ہوا اوّل سے
جملہ مخلوق سے پہلے ہوئے ہندو پیدا
شکل آئینہ گزر خلوتِ اصنام میں ہے
شکرِ خالق ہے کہ جوہرؔ ہوئے ہندو پیدا
دل مئے عشق سے مسرور ہوا خوب ہوا
جام خالی تھا یہ معمور ہوا خوب ہوا
خواب میں وصل سے مسرور ہوا خوب ہوا
کچھ تو بارے غمِ دل دور ہوا خوب ہوا
مجکو مارا تو نے اے بیدادگر اچھا کیا
قصۂ طولِ محبت مختصر اچھا کیا
یہ حسن و ناز نہ پریوں میں ہے نہ حوروں میں
خدا کی شان ہے پیدا کئے بشر کیا کیا
شراب و صحبتِ احباب و باغ و رقص و سرود
مدامِ عیش میں جو پہر ہوئی گزر کیا کیا
جلد لا ساغرِ الماس میں ساقی مئے لعل
موتی برساتا ہوا ابر گہربار آیا

تیرا عاشق یہ رند مست ہوا
شیخ ملحد پرست ہوا

شبِ فراق میں تن سے یہ دردمند اپنا
جدا جدا ہوا جاتا ہے بند بند اپنا
یکتائی پہ ہے ناز تو اتنا بھی رہے یاد
تم سا تمھیں تو تمکو بھی مجھ سا نہ ملیگا
جوہر سا کہیں ڈھونڈ نکالو تو بتا دیں
عاشق بھی ہو شاعر بھی ہو ایسا نہ ملیگا
بچھو سے لیں ہیں ہمصفیر بھی مجکو کہ تا قفس
مژدہ بھی کوئی لیکے نہ آیا بہار کا
خار کی طرح ملی باغِ جہاں میں تقدیر
جس سے لپٹوں وہ چھڑا لیتا ہے دامن اپنا
اللہ نے نکالا ضلالت سے شیخ کو
کعبہ سے رخ جانبِ کوئے بتاں کیا
جگانے صبح وہ بالیں پہ بے نقاب آیا
اٹھو بھی صبح ہوئی سر پہ آفتاب آیا
ہے بار جو شبنم کا بھی ہو پیرہن ان کا
نازک ہے چنبیلی سے بھی زیادہ بدن اُن کا
اک بوسہ لیکے عاشقِ شاد ماں ہو جائیگا
او بتِ گلفام کیا تیرا زیاں ہو جائیگا

ہر شیخ وشاب شکل کا دیوانہ ہوگیا
کعبہ تمھارے جانے سے بتخانہ ہوگیا

مجھے ان جھوٹے وعدوں پر یقین آئیگا کب آیا
ملیگا وہ قیامت میں تو سمجھونگا کہ اب آیا

ہم آئے عشقبازی کو تم آئے دلنوازی کو
کوئی اس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

کہا آئے کیا چلے ہیں نظر بھر کے دیکھ لوں
ٹھیرو کہ حوصلہ دلِ بسمل میں رہ گیا

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
فقط ایک حرفِ نکوئی رہے گا

خیالِ زلف سے ہے دیدۂ پُر آب میں سانپ
ترسے دکھانے کو یہ بند ہیں حباب میں سانپ

یہ عشقِ افعی گیسو کی دیکھئے تاثیر
کہ رات بھر نظر آتے ہیں مجکو خواب میں سانپ

ارغوانی شراب کا ہو دَور	آئی رندانِ بادہ خوار بسنت
ہوکے آیا ہے زرد پوش وہ گل	سر سے ہے پاؤں تک نثار بسنت

جوہر نہ بچے گا کوئی دنیا میں جان لو
موت از برائے عالم و عالم برائے موت

میرے مرض کا کچھ نہیں غیر از فنا علاج
دم لیجئے غم یہ جائیگا ہے اس کا کیا علاج

کثرت سے اختلاف کی ہیچ کس کو جانیئے
مصنوعی سب ہیں قصہ و دین و کتاب شرح

سب کھینچتے ہیں نالۂ گرم اسکے واسطے
اک شمع نے لگائی ہے یہ انجمن میں آگ

مانند شمع ہوگا مرا شعلہ پیرہن
مرنے پہ سوزِ دل سے لگیگی کفن میں آگ

کب کسی گلبن میں پھولے اسقدر یکبار گل
چشم گل۔ لب گل۔ جبین گل۔ گوش گل رخسار گل

صبر آہی جائیگا اے ناصحو!	تھک کے خود ہو جائیگا ناچار دل

دیکھنے کو دو ہیں آنکھیں در حقیقت ایک ہے نور
ایک ہی جلوہ ہے اس کا کافر و دیندار میں

غنچۂ لب ہے سے کیفیت لب جاں بخش جاناں میں
منتشر [illegible] لگ گئی آگ [illegible]

داد اس ظالم ستمگر سے کوئی کیا پائیگا خاک
دل کی [illegible] ہے تقدیر ہی [illegible]

بیمار عشق ہے [illegible]
مکاں [illegible] خود کو کیا سلام کریں

نالوں کا میرے رنگ اڑ آیا فغاں میں
بلبل کہیں [illegible] تیری زباں میں

بھڑکی گلوں سے آتشِ دل ہجر یار میں
پھک جائے باغ آگ لگے اس بہار میں

کچھ نہیں ماتم زدوں کو لطف سامانِ بہار
گل ہیں خنداں باغ میں شبنم ہے گریاں باغ میں

طوف در تیرا جو ہو گبر و مسلمان کو نصیب
بت پرستی چھوڑ دیں تربت پرستی چھوڑ دیں

حبذا شہر و دیار لکھنؤ
دیکھئے باغ و بہارِ لکھنؤ

پوچھتے ہیں مجکو یوں قاصد سے وہ
جوہر تحصیلدار لکھنؤ

جس کا عاشق ہوں سوا اسکے نہ دیکھوں غیر کو
باغ جنت میں بھی میں تنہا نہ جاؤں سیر کو

قیدِ آب و گل سے جوہر کہدو وہ آزاد ہے
چھوڑ و سجدہ کرنا اے خانہ پرستوں طاق کو

دیکھتا ہے صبحدم وہ مہرِ انور آئینہ
بن گیا ہے مطلع خورشید خاور آئینہ

گردشیں ہیں نام روزی سے زمانے کے لیئے
ہے امام سبحہ تک گردش میں دانے کے لیئے

سبحۂ صد دانہ میں اعدادِ حق پیدا نہیں
حق کو بھولا شیخ ناحق آٹھ دانے کے لیئے

غیب سے جوہر مدد ہوتی ہے ہمت چاہیئے
مستعد رہیئے مقدر آزمانے کے لیئے

جو ہے جری بحکمِ خدا لازوال ہے
شہباز ہے حرام کبوتر حلال ہے

جائز پس از صوم مئے پرتگال ہے
زاہد حرام تیسرے فاقے حلال ہے

گر نہو حاصل کسی سے مدعا بے دل نہو
آدمی کو ربِ اعلیٰ پر توکل چاہیئے

بوئے فرحت بھی تو پہنچے روشنی سے روح کو
قبرِ بلبل پر چراغِ روغنِ گل چاہیئے

وہ بادہ خوار ہوں پہنچوں گا جب لبِ کوثر
تو دینگے ساقیٔ کوثر بھی بھر کے جام مجھے

ہوں دونوں مستِ بادہ تو دونا سرور ہو
تم بھی پیو جو خاطرِ مہمان عزیز ہے

کہیں کیا جو فراقِ یار میں دم پر گزرتی ہے
ہمارا دل ہی واقف ہے جو کچھ ہم پر گزرتی ہے

الٰہی موت بہتر ہے جہاں میں نامرادی سے
مرادِ دل نہ حاصل ہو تو پھر کیا خاک جینا ہے

زیارت کو حسین آتے ہیں جوہر میرے مرقد پر
یہ مشہد ہے نجف ہے کربلا ہے یا مدینہ ہے

دل ناشگفتہ رہ گیا کوشش ہزار کی
اِس باغ میں ہوا ہی نہ آئی بہار کی

کیفیت اور ہے لبِ میگوں سے آب کی	ہے تیرے جھوٹے پانی میں مستی شراب کی

جوہر

جوہر- سید محمد جان جوہر خلف الرشید سید لال محمد صاحب خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ کے درگاہ شریف کے خدام میں شامل ہیں- اصلی وطن اجمیر ہے- حضرت اختر سہارنپوری تلمیذ مولٰنا ظہیر دہلوی کے خوشہ چین ہیں- اردو کے سوا علوم فارسی و عربی کی بھی تحصیل کی ہے ۲۷-۲۸ برس کی عمر ہے- کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو-

عیادت کو مری تم آئے تو احسان ہی کیا ہے	مصیبت میں خبر انسان کی انسان لیتے ہیں
اللہ رے حجاب کہ کہتے ہیں وصل میں	دیکھو ذرا کہ شمع کہیں دیکھتی نہ ہو
نہ رکھئے حشر پر جھگڑا نہ رکھئے	ہمارا فیصلہ جو ہو یہیں ہو
جس سے فتنے ہوں عیاں ایسی روش ہے کس کی	جس سے محشر ہو بپا ایسا چلن کس کا ہے

جوہر

جوہر- جناب سید محمد حسین صاحب زیدپوری- آپ زمانہ حال کے شعرا میں سے ہیں اور آپ کا کلام رسالۂ معیار میں شائع ہوتا ہے- باوجود تلاش زیادہ حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے- نمونہ کلام ملاحظہ ہو-

ہم بقائے ابدی اپنی فنا کو سمجھیں	ہو میسر جو غبارِ درِ جاناں ہونا
جبکہ اخفا ہے مری چشمِ تصور سے محال	پھر ہے بیکار ترا پردے میں پنہاں ہونا
ہے کئی دن سے یہی شغل مریضِ غم کا	آپ ہی سوچنا کچھ آپ ہی گریاں ہونا
جذبۂ عشق زلیخا میں جو ہوتی تاثیر	سہل تھا دامنِ یوسف کا گریباں ہونا
لے چلی بادِ صبا ساتھ مرا مشتِ غبار	کس گلستاں کی ہے قسمت میں بیاباں ہونا
لوگ حیرت میں ہیں یہ بیجاں ہے یا بیہوش ہے	آج نالہ کش ترا کچھ اس طرح خاموش ہے
سر ہے وہ سر جس میں سودائے وفا کا ہے وجود	دل ہے وہ دل جس میں الفت کا کسی کی جوش ہے
ہو بھلا تیرا لگا دے آج منہ سے خم کا خم	تشنہ لب مدت سے اے ساقی ترا مینوش ہے
بحرِ حسنِ یار میں پیدا ہے طوفانِ شباب	اک قیامت کا تلاطم ہے غضب کا جوش ہے

ہے کچھ ایسا ہم اسیرانِ چمن کا اشتیاق — ایک مدت سے قفس کھولے ہوئے آغوش ہے
ہم سمجھتے تھے ہمیں ہوئیں گے جوہر جاں نثار — کوچۂ قاتل میں اک عالم کفن بردوش ہے

جوہری

جوہری - لالہ مکند لال صاحب المتخلص بہ جوہری ساکن قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ (اودھ) آپ عرصۂ دراز سے حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں نائب مددگار ہیں۔ مذاقِ طبیعت اچھا ہے زبان شستہ ہے مشق بھی خاصی ہے۔ تلمذ کا حال معلوم نہیں کہ کس سے ہے۔ مگر صاحبِ دیوان ہیں۔ غزل کے علاوہ مصرع لگانے کا سلیقہ بھی خوب ہے۔ دیوانِ مطبوعہ نظر سے گزرا۔ اس کا انتخاب ملاحظہ ہو:

ہوش و خرد و تاب و تواں عشق سے بھاگے — ثابت قدم اس راہ میں اک دل نظر آیا
دل میں دفتر ہیں شکایت کے بھرے — منہ میرا آپ نہ کھلوائیے گا
رہے آباد میخانہ ہماری تو دعا یہ ہے — بسائیں دیر و کعبہ جا کے شیخ و برہمن اپنا
گلشنِ رضواں سے ہمکو سوئے دوست — نخلِ طوبیٰ ہے قدِ دلجوئے دوست
سمجھتا ہے جسے اے جوہری دوست — عدوئے جاں ہے اس سے دل سمجھ کر
کرنے لگے باتوں میں وہ اعجازِ مسیحی — لعلِ لبِ جاں بخش پہ مر جائے کے دن ہیں
بیوجہ زلزلہ نہیں اس سطحِ خاک کو — ہے دفن مضطرب کوئی زیرِ زمیں کہیں
نہ روح کا ہے بھروسہ نہ اعتبارِ بدن — ہوا حباب میں ہے یا حباب شیشے میں
دل تو جلتا ہے مگر آہ و فغاں کچھ بھی نہیں — آگ یہ کیسی لگی ہے کہ دھواں کچھ بھی نہیں
لگا کے وار وہ حیرت میں مجکو سکتا ہے — ہیں آنکی تیغ وہ میرے جگر کو دیکھتے ہیں
نہ آنکھیں چار کرو اک لطف ادھر دیکھو — ادھر نگاہ کرو ہم ادھر کو دیکھتے ہیں
مال و زر کیا [illegible] یاں تک رہے عشق کروں — یہاں قسمت سے ملا نہیں کیوں خواہش [illegible]
آپ کے امروز فردا میں ہوا فردا سے حشر — آج کیا پھر اعتبارِ وعدۂ فردا کروں
ہیں بات بات پہ آتے ہیں دم بدم سو سو — ہر ایک بات میں کرتے ہیں وہ قسم [illegible]

حالِ قیس و وامق و فرہاد پہ کیا منحصر — درد کا قصہ الم کی داستاں ہو کوئی ہو

مجھے تو صحبتِ مے سے ہے بیخودی مقصود — سرور ہو کہ نہ ہو کچھ خمار ہو کہ نہ ہو

تمہارے ہاتھوں سے برباد ہو جو خاک مری — تو اوج پہ مرا مشتِ غبار ہو کہ نہ ہو

یہ دل آئینہ حالِ جہاں ہے ہمکو دیتے ہیں — ہمیں اک جام سے وہ اسکے بدلے جامِ جم لیلو

مہر سے سوالِ وصل کا اُلٹا جواب ہے — غصہ ہے جھڑکیاں ہیں غضب ہے عتاب ہے

پُرخوں ہے دل تو چشم پُر آب ناب ہے — وہ شیشۂ شراب یہ جامِ شراب ہے

ربط ایسا ہو تو کس طرح نہ آرام ملے — گور کو سمجھوں میں تن گور مجھے جان سمجھے

جسم کو دل کو جگر کو نہ ہو کیوں روح عزیز — مالکِ خانہ بھی ہے سمجھو تو مہماں بھی ہے

وعدۂ یار گور جائے گا مر جائیں گے — ملک الموت سے کہدو کہ تقاضا کیا ہے

جگر سے دل سے بدن سے تو ہو چکی رخصت — لبوں پہ جاں ہے ترا انتظار باقی ہے

ہم نہ سرکش سے جھکیں وہ نہ جھکے گر پہلے — خم نہ ہو تیغ تو یاں جھکتا ہے کب سر پہلے

جوہری ۔ **جوہری**- لالہ شیو پرشاد صاحب رئیس فرخ آباد- آپ فرخ آباد کے ایک قدیم اور نامور گھرانے کے رکن ہیں- آپکے والد لالہ مادھو رام جوہر کو فنِ سخن میں خاص ملکہ حاصل تھا- منشی منیر شکوہ آبادی کے شاگرد رشید تھے- لالہ صاحب کو فنِ سخن اس طرح میراث میں ملا ہے- کچھ کلام نظر سے گذرا اُس میں سے چند شعر درج ذیل ہیں ٭

ہم کہیں کے نہ رہے ہائے دل آجانے سے — تھے جو اپنے نظر آنے لگے بیگانے سے

ہوش انکے بھی اُڑ جاتے ہیں پریزادوں سے — آج ناصح بھی نظر آتے ہیں دیوانے سے

واعظو ہمسے نہ کچھ اسکی حقیقت پوچھو — آئے ہیں نورِ خدا دیکھ کے بتخانے سے

تمہیں تدبیر نکالو کوئی صورت اسکی — دلِ بیتاب سمجھتا نہیں سمجھانے سے

جویا ۔ **جویا**- حسین علیخان ملیح آبادی- چکلادار- گویا کے ہمعصر تھے صاحبِ دیوان اور خاصہ کہتے تھے- تین شعر آپ کے نمونتاً درج ذیل کیئے جاتے ہیں ٭

کس طرح جا کے کوئی یار کے در پر بیٹھے
یار تو ایک طرف دیتے ہیں دربان اٹھا

صفائی قلب کی چاہے تو ہے ترکِ ہوس بہتر
ہتھیلی پر اگر ہو شمع تو ضبطِ نفس بہتر

بے گنہ سینکڑوں دل زلف نے پابند کیے
یہ تو اندھیر بہت آپ کی سرکار میں ہے

جویا

جویاؔ۔ نواب مہدی علیخان عرف چھمّن صاحب۔ رئیس لکھنؤ۔ آپ نواب بندہ علیخان زیبا مرحوم کے نامور شاگردوں میں ہیں۔ شعر گوئی کی اچھی مہارت حاصل۔ زبان۔ بندش ترکیب بیان سب اچھے ہیں۔ مضمون شگفتہ اور اسلوب بیان دل آویز ہے یہ اشعار اُن کے ہیں:

نحیف و زار گو ہو مثلِ مجنوں نام کر جانا
رہِ اُلفت سے مانند نگہ جویا۔ گزر جانا

حدودِ عشق تک دشوار تھی اپنی نظر جانا
پسند آتا نہ کیوں آغاز ہی میں ہمکو مر جانا

کسی کی تیغِ غم نے خوں کیا ہی جن کا مدت تک
بتا دے چارہ گر ممکن ہے اُن زخموں کا بھر جانا

ہر اک تارِ نفس سے رشتۂ اُلفت ہی وابستہ
دمِ آخر سرِ بالیں ذرا دم بھر ٹھہر جانا

پریشاں ہو گی کاکل غیظ آئینے پر آئے گا
دمِ زینت بُری ہے میرے مرنے کی خبر جانا

سوائے کم سنی کے اور اے قاتل سبب کیا ہی
کہ خود ہی ذبح کرنا خود ہی میرے خوں سے ڈر جانا

ابھی کم سِن ہو موئے زلف جس طرح ہیں رہنے دو
جوانی خود بتا دیگی انھیں آ کر سنور جانا

حیا پروردہ ہے قاتل کیوں نہ رکھوں ہاتھ سینے پر
نہیں اچھا کسی کے دیکھتے زخموں پر نظر جانا

سختیاں کیا کیا اُٹھائی ہیں بتوں کے عشق میں
لیکن ایسے سخت جاں ہیں ہم قضا آتی نہیں

کرینگے جبہہ سائی آستانِ یار پر جا کر
ضرور اک دن بتا دینگے لکھے کو ہم مقدر کے

ہے دمِ نزع نہ بالیں سے سرک او ظالم
اب گوارا نہیں دم بھر کی بھی فرقت تیری

زندگی میں بھلا نجات کہاں؟
مر کے چھوٹیں گے ہجر کے غم سے

سمجھتے تھے کہ نیند آ جاتی ہے ٹھنڈی ہواؤں میں
کسی کے ہجر میں دی جان آہ سرد بھر بھر کے

لطافت سے دکھلا رہا ہے نشۂ حسن شباب
سرخ ہیں آنکھیں بھی اُنکی چال بھی مستانہ ہے

مَے پرستی کر رہا ہوں کفر و ایماں چھوڑ کر	اُلفت اک ساقی سے ہے مذہب مرا رندانہ ہے

جہاندار

جہاندار۔ صاحب عالم و عالمیان میرزا جہاندار شاہ عرف میرزا جوان بخت ولی عہد حضرت شاہ عالم ثانی۔ بڑے سخی۔ خلیق۔ اور با مروّت شاہزادے تھے۔ جملہ علوم و فنون کے سرپرست اور قدردان تھے۔ دلیری اور جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ ایک روز شکارگاہ میں ہاتھی بگڑ گیا۔ چاہا کہ سونڈ سے پکڑ کر وار کرے۔ مگر شاہزادے نے مہلت نہ دی اور ایک ہی ضرب شمشیر خارا شگاف سے اس کا کام تمام کر دیا۔ علو العزمی بھی حد سے زیادہ تھی۔ دہلی سے نکلے تو تھوڑے ہی روز میں بیس تیس ہزار آدمیوں کی جمعیت لکھنؤ پہنچتے پہنچتے فراہم کر لی۔ جن دنوں میں کہ حضرت شاہ عالم صوبۂ بہار میں تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے آپ کو دلّی میں تخت نشین کر دیا۔ آٹھ دس سال تک کاروبار سلطنت کو نہایت فراست اور دانائی سے انجام دیتے رہے۔ بعد مراجعت حضرت شاہ عالم مرہٹوں کا تسلّط ہوا اور آپکے نائب شاہ جی کے ظلموں سے تنگ آ کر یہ دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور لکھنؤ پہنچے۔ نوّاب آصف الدّولہ نے آداب و خدمت گذاری کے تمام مراتب ادا کیئے۔ خواصے میں بیٹھنا۔ گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہنا۔ اور ایک اِک الائچی یا گلوری کی بخشش پر دس دس مرتبہ مجرہ گاہ سے آداب بجا لانا۔ برس روز قیام لکھنؤ کے بعد آپنے بنارس میں سکونت اختیار کی اور سرکار اودھ سے پچّیس ہزار روپیہ ماہوار بطور نذرانہ مقرر ہو گئے جسکے عوض میں انجام کار صوبۂ اودھ نے علاقہ سرکار انگریزی کے تفویض کر دیا۔ چنانچہ وارن ہیسٹنگز کے انتظام کے بموجب آپ کو خزانۂ انگریزی سے برابر پنشن ملتی رہی۔

فن شعر پر طبیعت اِس قدر مائل تھی کہ ہر ماہ میں دو مرتبہ اپنے دولتخانے پر بزم مشاعرہ منعقد فرماتے تھے اور شعرائے باکمال و با وقار کو اپنے چوبدار بھیج بھیج کر مشاعرے میں بلواتے تھے۔ پھر آنے والے مہمانوں کے ساتھ نہایت لُطف اور گرمجوشی سے پیش آتے تھے۔ سنہ ۱۲۰۱ ہجری میں آپنے انتقال فرمایا۔ انڈیا آفس لندن میں آپ کا وہ دیوان مسمّٰی بہ

"بیاضِ عنایت مرشدزادہ" جو ارن ہب سنگر کو آپ نے مرحمت فرمایا تھا موجود ہے۔ ایک تذکرہ بھی تصنیف کیا تھا۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ بنارس میں اب تک موجود ہے۔ تین صاحبزادے میرزا خرم بخت، میرزا شگفتہ بخت اور میرزا عالیقدر۔ آپکی یادگار رہے۔ انتخاب آپکے کلام کا یہ ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

مرگس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا / آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا

رعنائی تیری دیکھ کے اے سروِ باغِ حسن / جوں لالہ دل پہ کھاتے ہیں سب گلعذار داغ

آتش پہ میرے دل کی جہاندار جوں سپند / چاہوں جو ٹھیرے کر نہیں سکتا قرار داغ

رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں / بسانِ شمع رو رو کر چلے ہم

اکیلے بیٹھے ہم اب اک فوجِ غم ہے / ترے در سے مع لشکر چلے ہم

رہے در پر بتاں کے ہم جہاندار / خدا حافظ تمھارا گھر چلے ہم

ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سر اپنا دینا / تیرے کوچے میں جو اے شوخ قدم رکھتے ہیں

ترے عشق کے حب سے پالے پڑے ہیں / ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے ہیں

آخر گلی اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی / پہنچے وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو

کونسی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی / پر جفا جو تری ناحق کی لڑائی نہ گئی

قصہ ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے / وضع نالے کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی

چھوڑا ملاپ یار کا اغیار کے لیئے / ترکِ شمیمِ گل ہیں کیا خار کے لیئے

میرا دلِ فگار بھی کچھ گل سے کم نہیں / منظور ہو جو گوشۂ دستار کے لیئے

اس زلفِ عقدہ گیر کا اک تار اے صنم / بس ہے جہاں کے سبحہ و زنار کے لیئے

اس بت کا وصل غیروں کی قسمت میں تھا نصیب / تھا ہجر ایک آہ جہاندار کے لیئے

میں اور تری نصیحت مانوں یہ دخل کیا ہے / ناصح تو مجکو ناحق اب کیوں خفا کرے ہے

بیمارِ عشق جانبر اب تک کوئی ہوا ہے / تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے

پچھتائے گا تو اک دن سُنتا ہے اے جہاندار
دیتا تو ہے دل اُسکو لیکن بُرا کرے ہے

جہانگیر

جہانگیر۔ میر جہانگیر لکھنوی۔ اصل وطن ان کا دہلی تھا مگر اپنی عمر کا بڑا حصہ لکھنو میں گزارا اسی لیئے لکھنوی کہے جاتے ہیں۔ مرد شجاع اور دلیر تھے۔ فارسی اُردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ آرام و آسایش سے اپنی زندگی بسر کی۔ آخر عمر میں وطن پلٹے اور مرض مالیخولیا میں مبتلا ہو گئے۔ ایک روز مولانا شاہ عبدالعزیز کے وعظ میں میر شاہ علی کو جن کا تخلص درویش تھا زخمی کرنے کے باعث قید کئے گئے اور محبس ہی میں انتقال کر گئے۔ سنہ ۱۲۳۸ ہجری میں موجود تھے۔ یہ اُن کا کلام ہے۔

وہ کافر مرا درد کیا جانتا ہے
جو گزرے ہے مجھپر خدا جانتا ہے

محبت جسے کہتے ہیں وہ ہے مشکل
سو وہ ایسی باتوں کو کیا جانتا ہے

غم و درد و ہجراں سے واقف نہیں کچھ
یہ ناصح فقط مغز کھا جانتا ہے

یہانتک ہوا اس پر دل زار مفتوں
جو گالی بھی دے تو دعا جانتا ہے

ہنساتا ہے ہر اک کو وہ شوخ ظالم
جہانگیر کو ہی رُلا جانتا ہے

جہانگیر

جہانگیر۔ صاحب عالم و عالمیاں مرزا جہانگیر شاہ پسر دوئمی اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی۔ انکی والدہ نواب ممتاز محل ملکۂ دوران اور بادشاہ کی چہیتی بیگم تھیں اسی لیئے اکبر شاہ انکو بہت چاہتے تھے۔ انکی ولیعہدی کے لیئے بھی بہت کوشش کی گئی مگر ناکامیاب رہے یہ مرشد زادے بہت آوارہ مزاج اور خودسر تھے جب اپنی حرکات ناشائستہ کی پاداش میں نظربند ہو کر الہ آباد بھیجے گئے تھے تو انکی والدہ نواب ممتاز محل نے یہ منّت مانی تھی۔ کہ میرزا جہانگیر چھوٹ کر آئیں گے تو خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر پھولوں کا چھپر کھٹ اور غلاف چڑھاؤنگی۔ جب مرزا جہانگیر چھوٹ کر آئے تو انکی والدہ نے اپنی منت پوری کی بڑی دھوم سے چھپر کھٹ اور چھپر کھٹ میں پھول والوں نے اپنی ایجاد سے ایک پھولوں کا پنکھا بھی لٹکا دیا تھا حضرت خواجہ صاحب کے مزار پر چڑھایا۔ بادشاہ کی خوشی کے

سبب سے قلعہ کے لوگ اور شہر کی خلقت بھی جمع ہو گئی۔ گویا ایک بڑا بھاری میلا ہو گیا بادشاہ کو یہ میلا بہت پسند آیا۔ ہر برس ساون کے مہینے میں مقرر کر دیا۔ چنانچہ اب تک پھول والوں کا میلا دہلی میں ہر سال ہوتا ہے۔ میرزا جہانگیر تھوڑے دنوں کے بعد پھر اپنی بدکرداری کے باعث نظر بند ہو کر الہ آباد بھیجے گئے وہاں رات دن شراب میں مخمور رہتے تھے آخر کار ۱۸۳۲ء میں انتقال کیا۔ انکی والدہ نے نواب مختار الدولہ (سرسید احمد خان کے ماموں) کو الہ آباد بھیجکر لاش منگوائی اور حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ میں دفن کی۔ اس پر ایک نہایت خوبصورت محجر بنوا دیا۔ انھیں کے پہلو میں مرزا نیلی انکے چچا اور مرزا بابر انکے بھائی دفن ہیں۔ مرزا جہانگیر کی صرف ایک بیٹی تھی۔ وہ مرزا فخرو ولیعہد بہادر شاہ سے منسوب ہوئی۔ مرزا ابو بکر اسی کے بطن سے تھے۔ مندرجہ ذیل غزل انکے نام سے مشہور ہے۔

گر یار نہو ساقی پیمانہ ہوا تو کیا	معمور شرابوں سے میخانہ ہوا تو کیا
ہم عشق کے ہیں بندے مذہب نہیں واقف	گر کعبہ ہوا تو کیا بتخانہ ہوا تو کیا
جب درد نہو دلمیں کیا عشق مزہ دیوے	کہنے کو بھلا کوئی دیوانہ ہوا تو کیا
اس عشق کی آتش سے جلتے ہیں سبھی کوئی	گر شمع ہوئی تو کیا پروانہ ہوا تو کیا

جہانگیر

جہانگیر۔ سردار کبیر اسنگہ۔ آپکا وطن امرتسر اور ۱۸ دسمبر ۱۸۶۸ء تاریخ ولادت ہے آپکی ابتدائی تعلیم ایبٹ آباد ہزارہ میں ہوئی جہاں آپکے والد سردار بوٹا سنگہ ہیڈ ڈرافسمین تھے۔ کچھ عرصہ لاہور میں پڑھکر آخر ۱۸۹۳ء میں آپ رڑکی کالج سے امتحان سب انجینیری کی سند حاصل کی اور محکمہ تعمیرات میں ملازمت اختیار کی۔ میرٹھ۔ دہلی۔ مراد آباد۔ علیگڈھ۔ رامپور۔ گورکھپور میں کئی کئی سال رہے۔ اثنائے قیام میرٹھ میں حضرت بیان یزدانی سے رامپور میں حضرت امیر مینائی سے اور رڑکی میں پنڈت امراؤ سنگہ حباب شاگرد مرزا غالب سے خوب صحبتیں گرم رہیں۔ ۱۹۰۳ء میں سرکاری ملازمت ترک کر کے ریاست کشمیر

ہیں ملازم ہوئے۔ اب پھر پنجاب چلے آئے۔ اور ستلج سرکل ڈویژن کے صیغۂ آبپاشی میں سپروائزر ہیں۔ ۳۷ یا ۳۸ برس کی عمر ہے۔ آزاد منش زندہ دل نوجوان ہیں راقمِ تذکرہ کے ملاقاتیوں میں ہیں۔ شعر کہنے کا سلیقہ اچھا ہے۔ بندش چست۔ تراکیب درست مذاقِ سخن نفیس۔ کلام سے مشاقی کا پتہ چلتا ہے۔ مزاج میں شوخی و ظرافت خلقی ہے۔ ابتدائے مشق میں حضرت آزاد دہلوی کو چند غزلیں دکھائی تھیں۔ اسی سلسلۂ تلمذ کے باعث حضرت ذوقؔ مرحوم سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

شیخ کو کہتے تھے سب خشک مزاج
ہنسکے فرمایا جو کی وصل کی خواہش اُن سے

اُس کا دامن تو بہت تر نکلا
ہم سے جو نکلا اسی بات کا سائل نکلا

وحشت زدہ جہانگیر۔ اے شاہِ خوبرویاں
دیکھیں گے اُنکو داورِ محشر کے سامنے

ہوکر اسیرِ الفت تیرے حضور آیا
دینگے حساب جب ستمِ بے حساب کا

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا۔
وہ منہ پھیر لیتے ہیں انجان ہوکر

آفت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا
یہ ہیگا نگی! جان پہچان ہوکر؟

جہانگیر اور رام رنگی۔ الٰہی
نہیں گر ترے کھینچ لانے کے قابل

بنی کیا یہ اُسپر مسلمان ہوکر
یہ دل پھر ہے کس کام آنے کے قابل

جہانگیر اور مے سے پرہیز؟ بیشک
شیخ کو لیجا کے اک دن اپنا ضامن کر دیا

یہی بات ہے ان سینے کے قابل
عمر بھر پینے رہے ساقی سے لیکر وام ہم

کہیں بھولے ہی سے وہ شوخ نشانہ باندھے
ملکِ دل لٹنے دیا کرتے کچھ افسوس

ہم اِس اُمید میں نخچیر بنے پھرتے ہیں
نام کو ہم بھی جہانگیر بنے پھرتے ہیں

دیر و حرم میں شیخ و برہمن کے واسطے
ہم جن کو ڈھونڈتے ہیں وہ پتھر ہی اد رہیں

رازِ دل کر نہ فاش کہنا مان
چشمِ مشتاق کیا سمجھتی ہے

دیکھ چشمِ پُر آب کہتے ہیں
آپ جسکو نقاب کہتے ہیں

اب وہ کھل کھیلے ہیں خدا رکھے
کسکو شرم و حجاب کہتے ہیں
تو نے پی ہو کبھی تو بتلاؤں
شیخ اسکو شراب کہتے ہیں

حسن و شوخی ہیں غضب۔ مہر و وفا کا پتلا
آپ کے ڈھونڈا ہے وہ دلبر جسے کہتے ہیں

ساقی! مجھے بس تیری قسم اور نہ لوں گا
دو جام کی عادت تھی سو پلوا گئیں آنکھیں

کس طرح اے زہیں بچتے اکمل کہو تمہیں
کابل جہاں کے تجھ میں سمائے چلے گئے

میخانہ کوئی گھر تو جہانگیر کا نہیں
آئے دو جام اپنے اڑائے چلے گئے

ہیں ہتھکنڈوں سے حسینوں کے خوب واقف ہو
مجھے بھی ایسے ہی لوگوں سے کام رہتا ہے

سو یا پڑا ہے سبزۂ خودرو کے سایہ میں
اے لالہ رو یہ گور ہے تیرے شہید کی

بیکسی کو مری اللہ سلامت رکھے
یہ کسیکو مری تربت کا پتہ دیتی ہے

دیکھا کرو کسیکی طرف تم بھی پیار سے
گر چاہتے ہو تم کو نہ دیکھا کرے کوئی

حق بات پر بھی دار پہ منصور کھنچ گیا
مقدور کیا ہے عشق میں لب وا کرے کوئی

کہتے ہیں جان دینی تو ادنی سی بات ہے
پھر اور کس طرح انھیں چاہا کرے کوئی

اس جوانی میں لڑکپن کی ادا باقی ہے
ابتک آنکھوں میں وہی شرم و حیا باقی ہے

دل گیا۔ جان گئی۔ دین گیا۔ دنیا بھی
اب بھی لیکن وہ محبت کا مزا باقی ہے

بہت الفت جتانیکا مزہ کچھ تونے دل چکھا
گئی آئی ہوئی ان سے جو تھی صاحب سلامت بھی

رخ ہے رنگیں تو لب مسی آلود
تو تو سوسن بھی ہے گلاب بھی ہے

جہانگیر! گھبرا گئے ایسے جلدی
محبت ہے یہ کچھ حکومت نہیں ہے

وحشی بن بن کے گئے سوئے بیاباں کتنے
گھر محبت نے کئے آپ کی ویراں کتنے

یوں اگر ملتے ہیں اک طرح کی رسوائی ہے
خط کتابت کی بھی کیا تم نے قسم کھائی ہے

کوئی ایسا نہیں ملتا کہ ملائے اس سے
یوں تو اپنی بھی زمانے سے شناسائی ہے

کبھی وہ بھولی بھولی انکی صورت یاد آتی ہے
کبھی پھر وہ نگاہ مہر و الفت یاد آتی ہے

کبھی وہ چھیڑنا وہ مسکرانا یاد آتا ہے	کبھی شوخی کبھی انکی شرارت یاد آتی ہے
بتوں میں سب نیازی تھی ہم اپنے دمبہ ناز تھے	اب انکو دیکھ کر اللہ کی قدرت یاد آتی ہے
نہ تم میں دلبری تھی اور نہ جانبازی پہ ہم مائل	تمھاری سادگی۔ اپنی طبیعت یاد آتی ہے
طبیعت جوش پر تھی اور نصیبا اپنا یاور تھا	جہانگیر اب ہمیں وہ اپنی حالت یاد آتی ہے

جھمن

جھمن۔ جھمن ناتھ۔ قوم سے کایستھ اور دہلی کے قدیم باشندے تھے۔ انکے بزرگ ہمیشہ سرکار شاہی میں ملازم رہے۔ نواب امیر الامرا ضابطہ خان بہادر کی سرکار میں اسکے بڑے بھائی عہدۂ منشی گری پر مامور تھے۔ فنِ سخن میں لالہ جھمن ناتھ کی طبیعت نہایت موزوں و مناسب واقع ہوئی تھی۔ فارسی۔ اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا کرتے تھے۔ اور اکثر صنائع و بدائع میں شعر کہا کرتے تھے۔ اکثر غزلیں اور قطعے مدح امرا میں ذو بحرین کہے ہیں۔ بعضوں کی مدح ایسی کی ہے کہ ہر مصرع سے اگر ایک ایک حرف لیتے جاؤ تو نام ممدوح کا نکل آتا ہے۔ اور ہر مصرع سے تاریخ سال نکلتی ہے۔ اور کچھ غزلیں صنعت عاطلہ اور منقوطہ میں بھی کہی ہیں۔ بہار دانش کو بھی منظوم کیا ہے۔ افسوس ہے کہ با ایں ہمہ کمالِ فن نانِ شبینہ سے بھی محتاج تھے۔ راجہ اجیت سنگھ بہادر ہر چند چاہتے تھے کہ ان کا افلاس مبدل بفلاح ہو۔ مگر ان کی وارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے قبول نکیا۔ خلقۃً نہایت مسکین اور غریب نہاد طبیعت پائی تھی۔ کبھی کبھی اپنے اشعار خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کو بغرض اصلاح دکھا لیتے تھے۔ سنہ ۱۱۹۰ ہجری میں موجود تھے یہ ان کا کلام ہے۔

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا	قطعہ	اک آہ کھینچتے ہیں مرا دم نکل گیا
اشک ہوتے ہی تو کدا سقدر رسوا ہوا		یہ تو لڑکا حضرت مجنوں کا بھی باوا ہوا
یہاں مختار جو باجاہ آیا		برائے قتل خلق اللہ آیا
نہ تھے کچھ شاہ جی سلے نشاد حاجی		وہ نادر شاہ تھے پہ شاہ آیا

ہے مفتخر بسند والا گلاب رائے	یہ گاؤ تکیہ رکھے ہے لالہ گلاب رائے
سب چیز بست دے جو چڑھیں لوگ اُسکے گھر	بھر دیوے کف میں لولو لالا گلاب رائے
بلبل لڑیں ہیں محل اُسکی ہیں مدام	کیا لال بیٹاں سے یہ پالا گلاب رائے
مانگے جو کوئی موتی کا دانہ تو اُسکو پھر	دیتے ہیں اپنی سونے کی مالا گلاب رائے
شاباش اُسکی ماں کو جو ایسا جنا ہے پوت	جیوے وہ اُس کا کھیلنے والا گلاب رائے

جانکی

*جانکی - جانکی پرشاد ملیح آبادی - بختیار پوری - آپ کو فارسی سنسکرت اور بھاشا میں اچھی خاصی مہارت ہے - شعر بھی فارسی اُردو اور ہندی تینوں زبانوں میں کہتے ہیں - اِس وقت آپکی عمر ۹۰ سال کی ہے - حواسِ خمسہ میں ابتک کوئی فرق نہیں - گھر کے آسودہ ہیں - قوم کے کھتری اور نہایت خلیق و بامروت انسان ہیں - آپ کے تین شعر نمونتًا درج کیے جاتے ہیں -

زاہد تو کس گھمنڈ پہ کہتا ہے وسبدم	معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا
ہم بادہ نوش بحرِ محبت میں غرق ہیں	دارِ فنا کو سمجھے ہیں عالم ہے خواب کا
جب میں جاتا ہوں رقیبوں کو اُٹھا دیتے ہیں	بارِ منت سے مرے سر کو جھکا دیتے ہیں

؎ دہلی میں سراوگیوں کا خاندان معروف بہ گلاب رائے مہرچند مشہور و معروف ہے +

* آپ کا نام ترتیب کے خلاف درج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے حالات اور کلام ہمارے پاس اُس وقت پہنچے کہ ردیف "ج با الف" چھپ چکی تھی - لہذا بے ترتیبی کو اِس سے بہتر سمجھا کہ آپ کا نام درج تذکرہ ہونے سے رہ جائے +

چ

چکبست

چکبست پنڈت برج نراین صاحب وکیل ہائیکورٹ آپ قوم کے کاشمیری پنڈت ہیں لفظ چکبست آپکا عرف ہے تخلص شروع سے رکھا ہی نہیں ہے لہٰذا حیران ہیں کہ آپکو شعر و شاعری کی انجمن میں کس خطاب سے مخاطب کیا اور یاران سخن سنج سے کیا کہکر تعارف کرائیں آپکی زندگی کے مختصر حالات بارہا دریافت کیے اکثر اوقات تو جواب سے جواب رہا اور جواب آیا تو جواب صاف آیا۔ چونکہ اکثر رسالوں میں آپکا کلام عرف کو تخلص قرار دیکر درج ہوتا ہے تو ناچار ہم بھی ایسا ہی کرنے پر مجبور ہیں۔ آپکے خط کا خلاصہ قابل تحریر ہے آپ لکھتے ہیں "جناب عالی! تسلیم۔ آپ نیازمند کے سوانحی حالات دریافت کرتے ہیں۔ حیران ہوں کہ کیا لکھوں۔ اوّل تو میں باضابطہ شاعر ہی نہیں ہوں تخلص کا بھی گنہگار نہیں ہوں چکبست میرا عرف ہے نہ کہ تخلص سولہ سترہ برس سے شعر و سخن کا مذاق ضرور ہے لیکن ایک دیوان بھی تیار نہیں ہے ایسی حالت میں مجھے باضابطہ شاعروں کے زمرے میں داخل کرنا ہی بیکار ہے مگر خیر مجموعہ میں تو میرا نام آ ہی گیا۔ اب رہی زندگی کے حالات کیا لکھوں لکھنؤ وطن ہے عمر تقریبًا اٹھائیس سال ہے اپنے دوستوں کا دل بہلانے کو کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہوں پرانے رنگ کی شاعری یعنی غزلگوئی سے نا آشنا ہوں لیکن اسی کیساتھ میرا عقیدہ یہ ہے کہ محض نئے خیالات کو توڑ مروڑ کر نظم کر دینا شاعری نہیں ہے میرے خیال کے مطابق خیالات کی تازگی کے ساتھ زبان میں شاعرانہ لطافت اور الفاظ میں تاثیر کا جوہر ہونا ضروری ہے لیکن میں پھر آپکو لکھتا ہوں کہ میں قدردان سخن ہوں سخنور نہیں ہوں جسکا نام شاعری ہے وہ اور چیز ہے جو بہرحال مجھے نصیب نہیں ہے"۔ چار ترکیب بند جو آپنے بھیجے اُنکے علاوہ اور کلام بھی مختلف رسائل میں نظر سے گزرا۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر بند حد درجہ پُرتاثیر اور پُر درد ہوتے ہیں جو صفائی اور سادگی سے خالی نہیں مگر خیال کی بلند پردازی اور شوکتِ الفاظ بہت زیادہ ہے آپکے ایوان سخن میں جدھر نظر اٹھا کر دیکھئے قدرتی مناظر کے سین مختلف جذبات کے فوٹو۔ حبِ وطن۔ ادب و اخلاق کی دلفریب تصاویر بکثرت سے دکھائی دیتی ہیں محض حسن و عشق کے چرچے بہت کم۔ واقعات کے نظم کرنے میں آپکی قابلیت اور مشاقی مسلّم ہے ایک چھوٹا اور معمولی واقعہ بیان کرنیکے لیے پہلو بدل بدل کر کئی کئی بند مسلسل لکھ جاتے ہیں تشبیہات خوب برتتے ہیں بعض جگہ اسلوب بیان میں ایسی روانی اور دلکشی ہوتی ہے کہ اساتذہ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے رامائن کے جو سین آپنے نظم کیے ہیں انکی دلچسپی و دلفریبی حد توصیف سے باہر ہے کاش ابھی

رباعیات

یہ قوم ذرا عاقبت اندیش نہیں
پہلے کی ترقی سے ہیں کتنے پیچھے

سودا تو ہے نوش کا سر نیش نہیں
افسوس ہمیں کچھ بھی پس و پیش نہیں

دیگر

بیکار تعلّی سے ہے نفرت مجکو ۔ لوں دادِ سخن۔ نہیں یہ عادت مجکو
کس واسطے جستجو کروں شہرت کی ۔ اِک دن خود ڈھونڈ لیگی شہرت مجکو

دیگر

بُو گل کے لیئے ہے گل ہے شبنم کے لیئے ۔ اِک ربط ہے انتظامِ عالم کے لیئے
لیکن ہے مرا شباب ماتم کے لیئے ۔ غم میرے لیئے ہے اور مَیں غم کے لیئے

دیگر

آبادی ہے اصل میں نہ ویرانہ ہے ۔ شادی کا یہ گھر ہے نہ عزاخانہ ہے
واللہ نہ مبتدا ہے اِسکی نہ خبر ۔ دُنیا اِک نا تمام افسانہ ہے

غزل

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا ۔ اجل کیا ہے؟ خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا
مقامِ کوچ کیا ہے منزلِ مقصود تک پہونچے ۔ قیامت تھا سرائے دہر میں دو دن ٹھہر جانا
بہت سودا رہا واعظ تجھے نارِ جہنم کا ۔ مزا سوزِ محبت کا بھی کچھ اے بے خبر جانا
مصیبت میں بشر کے جوہرِ مردانہ کھلتے ہیں ۔ مُبارک بزدلوں کو گردشِ قسمت سے ڈر جانا
سدھاری منزلِ ہستی سے کس بے اعتنائی سے ۔ تنِ خاکی کو شاید روح نے گردِ سفر جانا
دردِ دل۔ پاسِ وفا۔ جذبۂ ایمان۔ ہونا ۔ آدمیت ہے یہی۔ اور یہی انساں ہونا
زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب ۔ موت کیا ہے؟ انہی اجزا کا پریشاں ہونا
ہمکو منظور ہے اے دیدۂ وحدت آگیں ۔ ایک غنچہ میں تماشائے گلستاں ہونا
جس طرح خُم سے کسی جام کا ٹکڑا نکلے ۔ یوں ہے گردوں سے مہِ نو کا نمایاں ہونا
سر میں سودا نہ رہا۔ پاؤں میں بیڑی نہ رہی ۔ میری تقدیر میں تھا بے سروساماں ہونا
صفحۂ دہر پہ مُہرِ یدِ قدرت سمجھو ۔ پھول کا خاک کے تودے سے نمایاں ہونا
یہ بیاضِ سحرِ نور پہ دل کیا مائل ۔ یاد ہے دخترِ انجم کا پریشان ہونا
کل بھی وہ کل جو ہے فردائے قیامت زاہد ۔ اور پھر اسکے لیئے آج پریشاں ہونا
پاؤں زنجیر کے مشتاق ہیں اے جوشِ جنوں ۔ ہے مگر شرط ترا سلسلہ جنباں ہونا
گل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک! ۔ ہے اِسے طرّۂ دستارِ غریباں ہونا

ہے مرا ضبطِ جنون جوشِ جنوں سے بڑھکر
ننگ ہے میرے لیئے چاک گریباں ہونا

مری بیخودی ہے وہ بیخودی کہ خودی کا وہم وگماں نہیں
یہ سرورِ ساغرِ مے نہیں یہ خمارِ خوابِ گراں نہیں

جو ظہورِ عالمِ ذات ہے یہ فقط ہجومِ صفات ہے
ہے جہاں کا اور وجود کیا جو طلسمِ وہم وگماں نہیں

یہ حیاتِ عالمِ خواب ہے نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے
وہی کفر و دیں میں خراب ہے جسے علمِ رازِ جہاں نہیں

نہ وہ خم ہیں بادہ کا جوش ہے نہ وہ حسنِ جلوہ فروش ہے
نہ کسی کو رات کا ہوش ہے وہ سحر کو شب کا سماں نہیں

یہ زمیں پہ جن کا تھا دبدبہ کہ بلند عرش پہ نام تھا
انھیں یوں فلک نے مٹا دیا کہ مزار تک کا نشاں نہیں

اب وہ دانے سے قفس کے کچھ ہمیں الفت نہیں
بے پروبالی سے اپنی عاشقِ صیاد ہیں

کچھ اور ہے وہ شاعرِ معجز بیاں نہیں
جسکے سخن سے رنگِ طبیعت عیاں نہیں

اظہارِ دردِ غیر سے کرتے ہیں بوالہوس
ہمکو دماغ نالہ و آہ و فغاں نہیں

کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
واللہ وہ زمیں نہیں وہ آسماں نہیں

دل ہی کی بدولت رنج بھی ہے دل ہی کی بدولت راحت بھی
یہ دنیا جسکو کہتے ہیں دوزخ بھی ہے اور جنت بھی

ارمان بھرے دل خاک ہوئے اور موت کے طالب جیتے ہیں
اندھیر ہے اس دنیا پہ نہیں آتی ہے ہنسی اور رقت بھی

یا خوفِ خدا یا خوفِ سقر ہیں وہی بیاں تیرے واعظ!
اللہ کے بندے دلمیں تیرے ہے سوز وگداز محبت بھی

جب تک ہے جوانی کا عالم کیا عیش کی مستی رہتی ہے
جب پیری موت کی لائی خبر پھر زہد بھی ہے اطاعت بھی

گرتے ہی زمیں کے دامن میں ہے طفل پہ رونا دھونا کیا
دنیا میں اگر تو آیا ہے ہاں رنج بھی ہے اور راحت بھی

ہر دم ہے طبیعت کو الجھن اک یاس کا عالم طاری ہے
یہ سانس نہیں اک کانٹا ہے یہ زیست نہیں بیماری ہے

بارِ اندوہ و الم کا کہیں ہلکا ہو جائے
پھر بہار آئے ابھی ہمیں سودا ہو جائے

عرش سے فرش تلک چھائی ہے تاریکیِ جہل
آگ دنیا کو لگا دو تو اجالا ہو جائے

ظاہرا ہستیِ ناچیزِ بشر ہے کیا چیز
یہ وہ قطرہ ہے جو بڑھ جائے تو دریا ہو جائے

یوں نہ انسان کا برگشتہ مقدر ہو جائے
میں اگر پھول اٹھاؤں تو وہ پتھر ہو جائے

دل کیئے تسخیر بخشا فیضِ روحانی مجھے
حبِ قومی ہو گیا نقشِ سلیمانی مجھے

منزلِ عبرت ہے دنیا اہلِ دنیا شاد ہیں
ایسی دلجمعی سے ہوتی ہے پریشانی مجھے

جانچتا ہوں وسعتِ دل حملۂ غم کیلئے
امتحاں ہے رنج و حرماں کی فراوانی مجھے

قوم کا غم مول لیکر دل کا یہ عالم ہوا
یاد بھی آتی نہیں اپنی پریشانی مجھے

ذرّہ ذرّہ ہے مرے کشمیر کا مہماں نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

کس کو غم ہے جو کرے مرثیہ خوانی میری
رو رہی ہے مرے مرقد پہ جوانی میری

دولت

کہتے تھے بزرگ کو سخن سنج پرانے
اُن لوگوں کے ہمراہ گئے اُنکے زمانے

وہ فلسفہ و علم و ادب اب ہیں فسانے
بدلا ہے نیا رنگ زمانے کی ہوا نے

دولت ہے ہوا اب زینتِ کاشانۂ تہذیب
کہتے ہیں اسے شمع جلو خانۂ تہذیب

مٹ جانے پہ بھی نام و نشاں رہتا ہے اس سے
سرچشمۂ اُمید رواں رہتا ہے اس سے

تازہ چمنِ تاب و تواں رہتا ہے اس سے
پیری میں بھی انسان جواں رہتا ہے اس سے

ہر رنگ میں یہ تازگی قلب و جگر ہے
ہے صلح میں شمشیر لڑائی میں سپر ہے

کوشش کبھی زردار کی جاتی نہیں بے سود
رہتا ہے سدا سایۂ فگن طالع مسعود

انسان کی نیت میں اگر شر نہ ہو موجود
در ہاتھ میں آ سکتے ہے کلیدِ درِ مقصود

کب گوہرِ اُمید کو رولا نہیں اس نے
تھا کونسا در بند جو کھولا نہیں اس نے

ہوں طالبِ تحقیق کہ دلدادۂ تعلیم
خم سامنے دولت کے ہے سبکا سرِ تسلیم

سُنتے ہیں اُنھیں کے لئے ہے کوثر و تسنیم
یاں جو رہِ مولا میں لٹاتے ہیں زر و سیم

دنیا ہی میں کچھ ذکر نہیں تازہ ہے اسکا
دربار میں اللہ کے آوازہ ہے اسکا

لیکن وہ زر و مال نہیں قابلِ تحسیں
انساں کو بنا دے جو شکم پرور و خود بیں

زردار وہ ہے جس میں شرافت کے ہوں آئیں
ہو بزم محبت کے لیئے باعثِ تزئیں

سرسبز رہے قوم یہ انعام ہو اُس کا
باراں کی طرح فیض و کرم عام ہو اُسکا

مانا ہوسِ زر ہے بشر کے لیئے عادت
لیکن نہیں دنیا میں فقط اک یہی نعمت
کچھ اور بھی جوہر ہیں عطا کردۂ قدرت
غمخواری و دلجوئی و ہمدردی و اُلفت
زر آپ نہیں دشمنِ اخلاق و ادب ہے
جو حد سے گزر جاتی ہے وہ اسکی طلب ہے

جو لوگ مئے حرص سے دنیا میں ہیں سرشار
جینے کی لطافت سے نہیں انکو سروکار
مانندِ گدا زر کے ہیں ہر وقت طلبگار
آزاد کہاں دامِ طمع میں ہیں گرفتار
محروم مئے عیش سے پر خستہ جگر ہیں
مالک نہیں زر کے ہیں فقط بندۂ زر ہیں

دولت وہ ہے مجبور کی جو عقدہ کُشا ہو
اکسیر ہو دردِ دلِ بیکس کی دوا ہو
آئینۂ اخلاق و محبت کی جِلا ہو
ظلماتِ فلاکت کے لیئے آبِ بقا ہو
یوں فیض کے چشمے ہوں رواں باغِ وطن میں
جیسے کرمِ ابرِ گُہر بار چمن میں

ہر صبح گلستاں میں بصد شانِ فصاحت
بلبل گلِ رنگیں سے یہ کرتی ہے حکایت
دیکھو چمن آرائے دو عالم کی عنایت
گھٹتے کبھی دیکھی نہیں فیاض کی دولت
گو کم دُرِ خوش آب لٹاتا نہیں ہوتا
خالی کبھی شبنم کا خزانہ نہیں ہوتا

مانا سببِ شوکت و اجلال ہے دولت
پر مفلس و بیکس بھی نہیں قابلِ نفرت
ادنیٰ سے ملے جھک کے یہ اعلیٰ کی ہے عظمت
بس نشۂ زر سے نہ جھُکے چشمِ مروّت
مغرور اسے شانِ شرافت نہیں کہتے
کچھ کھنچیے اسے حسنِ شرافت نہیں کہتے

کس اوج پہ خورشید جہانتاب ہے معمور
دل تیرگیٔ کبر سے کوسوں ہے مگر دور
گو خاک نہیں ذرۂ ناچیز کا مقدور
دیتا ہے اسے جام سے اپنے یہ مئے نور
یا ماہ کا اس اوج پہ کیا فیض عیاں ہے
ہر خانۂ مفلس کے لیئے شمعِ مکاں ہے

یا باغ میں کھلتا ہے دمِ صبح گلِ تر
کیا کیا اسے ہوتے نہیں اعزاز میسّر
بنتا ہے عروسانِ جہاں کے لیئے زیور
دستار میں نوشہ کی رہا کرتا ہے اکثر
لیکن نہ کسی وضع پہ اس ڈھنگ سے دیکھا
بیکس کی لحد پر اسے جس رنگ سے دیکھا

خاکِ ہند

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے
دریائے فیضِ قدرت تیرے لیئے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حسنِ ازل عیاں ہے
اللہ رے زیب و زینت کیا اوجِ عز و شان ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشیدِ پُر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

اِس خاکِ دلنشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری
چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغِ عالم تھی سرزمیں ہماری
شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہرِ بینش اِس وادیِ کہن میں

گوتم نے آبرو دی اِس معبدِ کہن کو
سرمد نے اِس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جامِ الفت بخشا اِس انجمن کو
سینچا لہو سے اپنے راناؔ نے اِس چمن کو
سب سور بیر اپنے اِس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا اُنکی ہڈیاں ہیں

دیوار و در سے ابتک اُن کا اثر عیاں ہے
اپنی رگوں میں ابتک اُنکا لہو رواں ہے
ابتک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے
فردوسِ گوش ابتک کیفیتِ اذاں ہے
کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ ابتک
شوکت سے بہ رہا ہے دریائے گنگ ابتک

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں
کرتے ہیں رقص ابتک طاؤس جنگلوں میں
ابتک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں
پستی سی آگئی ہے پر دل کے ولولوں میں
گل شمعِ انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حبِ وطن نہیں ہے خاکِ وطن وہی ہے

برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا
دُنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خوابِ گراں ہمارا
اِک لاش بے کفن ہے ہندوستاں ہمارا
اسکے بکھرے خزانے برباد ہو رہے ہیں
ذلت نصیب وارث غفلت میں سو رہے ہیں

اے صورِ حبِ قومی اس خواب سے جگا دے
بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنا دے
مُردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے
اُٹھتے ہوئے شرارے اِس راکھ سے دکھا دے

حُبِّ وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر
سر میں خمار ہو کر دل میں سرور ہو کر

شیدائے بوستاں کو سرو و سمن مبارک
رنگیں طبیعتوں کو رنگِ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک
ہم بیکسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک
غنچے ہمارے دل کے اِس باغ میں کھلینگے
اِس خاک سے اُٹھے ہیں اِس خاک میں ملینگے

ہے جوئے شیر ہمکو نورِ سحر وطن کا
آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اِس انجمن کا
ہے رشکِ مہر ذرّہ اِس منزلِ کہن کا
تُلتا ہے برگِ گل سے کانٹا بھی اِس چمن کا
گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مَر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

رامائن کا ایک سین

(راجہ رامچندر جی کا ماں سے رخصت ہونا)

رخصت ہوا وہ باپ سے لیکر خدا کا نام
راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام
دامن سے اشک پونچھ کے دل سے کیا کلام
آخر ہے کچھ حدِ ستم و ظلم و جور بھی
ہم کو اُداس دیکھ کے غم ہوگا اَور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال
خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال
سکتہ سا ہو گیا ہے یہ ہے شدّتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہے

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بیگناہ
نورِ نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ
لی گوشہائے چشم سے اشکوں نے رُخ کی راہ
چہرہ کا رنگ حالتِ دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

آخر اسیرِ یاس کا قفلِ دہن کھُلا
افسانۂ شدائدِ رنج و محن کھُلا
اِک دفترِ مظالمِ چرخِ کہن کھُلا
وا تھا دہانِ زخم کہ بابِ سخن کھُلا
دردِ دلِ غریب جو صرفِ بیاں ہوا
خونِ جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہوا

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
میں جانتی ہوں جس لیے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی "ہاں"
کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں

دنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سفید
اندھا کیے ہوئے ہے زر و مال کی امید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید
سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید
لکھی ہے کیا حیاتِ ابد ان کے واسطے
پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم
ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم
تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم
میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو
تم ہی نہیں تو آگ لگا دوں گی راج کو

کن کن ریاضتوں میں گزارے ہیں ماہ و سال
دیکھی تمہاری شکل جب اے میرے نونہال
لائے دلہن جو بیاہ کے شادی ہوئی کمال
آفت یہ مجھ پہ آئی ہوئے جب سفید بال
چھٹتی ہوں ان سے جوگ لیا جن کے واسطے
کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر
گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
رہتا مرا بھی نخلِ تمنا جو بے ثمر
یہ جائے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر
لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا
پھل پھول لا کے باغِ تمنا اجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ
منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ
اب یاں سے کوچ ہو تو ملے منزلِ پناہ
تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے
آسان اس غریب کی مشکل اجل کرے

سن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز
اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز
لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور
مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور
لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکلِ عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر
ہونا جو ہے یہ اُس کے بہانے ہیں سر بسر
اسباب ظاہری ہیں نہ ان پر کرو نظر
کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار
واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکرِ کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگِ روزگار
ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اُٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب
جن سے کہ بیگناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوزِ دروں سے قلبِ جگر ہو گئے خراب
پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اُجڑ گئے

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
قائم تھیں جن کے دم سے امیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی
ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال
خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال
ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
کرتا ہے اُس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گنہگار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اُس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا پر جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
بعد سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
قائم امید سے ہی ہے دنیا ہے جس کا نام
اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں
ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انہیں گراں
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں
وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائیگاں
رکھتے تھے جو عزیز انہیں اپنی جان کی طرح
ملتے ہیں دست یاس وہ برگ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بیشمار
موقوف کچھ ریاض پہ ان کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار
وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار
ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربّ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر
صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر
رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بے خبر
اُس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

برسات

یاد دلواتی ہے میٹھی سی فضا برسات کی
دل بڑھا جاتی ہے آ کر گھٹا برسات کی

بندھ گئی ہے رحمتِ حق سے ہوا برسات کی
نام کھلنے کا نہیں لیتی گھٹا برسات کی

اُگ رہا ہے ہر طرف سبزہ در و دیوار پر
انتہا گرمی کی ہے اور ابتدا برسات کی

دیکھنا سوکھی ہوئی شاخوں میں بھی جان آ گئی
حق میں پودوں کے مسیحا ہے ہوا برسات کی

ہوں شریکِ بزم سے زاہد بھی توبہ توڑ کر
جھومتی قبلہ سے اُٹھی ہے گھٹا برسات کی

اصل تو یوں ہے کسی معشوق کا جب لطف ہے
چاندنی ہو رات کو دن کو گھٹا برسات کی

وہ پپیہوں کی صدائیں اور وہ موروں کا رقص
وہ ہوائے سرد اور کالی گھٹا برسات کی

پار اُتر جائیں گے بحرِ غم سے رندِ بادہ نوش
لے اُڑے گی کشتیِ مے کو ہوا برسات کی

خود بخود تازہ اُمنگیں جوش پر آنے لگیں
دل کو گرمانے لگی ٹھنڈی ہوا برسات کی

وہ دُعائیں میکشوں کی اور وہ لطفِ انتظار
ہائے کن نازوں سے چلتی ہے ہوا برسات کی

ہیں یہ سمجھا ابر کے رنگین ٹکڑے دیکھ کر
تخت پریوں کے اُڑا لائی ہوا برسات کی

ناز ہو جسکو بہارِ مصر و شام و روم پر
سرزمینِ ہند میں دیکھے فضا برسات کی

چمن

چمن منشی رنجیت سنگھ خلفِ منشی سردار سنگھ قوم کے ماتھر کالیستھ دلّی محلّہ چھپرہ خانہ کے باشندے کوئی ۳۰ یا ۳۱ سالہ نوجوان ہیں۔ مولانا راسخ دہلوی سے آپ کو تلمّذ ہے اور بہ سلسلۂ معاش دلّی کی میونسپل کمیٹی میں جمعداری پر معمور ہیں۔ تھوڑا بہت شعر گوئی کا شوق بھی ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؎

حُسن پردے میں چھپے کیا کہ نکلجاتی ہے
روشنی مہر کی بادل سے برابر باہر

عاشق رخِ صبیح نہ چاہِ ذقن کے ہیں
ہم تو فریفتہ ترے اِک بانکپن کے ہیں

بعدِ فنا بھی جوشِ جنوں کا اثر یہ ہے
ٹکڑے تمام اُڑتے ہوئے اپنے کفن کے ہیں

تمھارا کون ہے شیدا کہ حسن والوں کا
کوئی تو چاہنے والا ضرور ہوتا ہے

بلبل کو روئے یار پہ گل کا خیال ہے
پروانے کی نگاہ میں شمع جمال ہے

عشقِ مژہ میں سانس بھی لینا محال ہے
تنکا بھی ہو اِدھر سے اُدھر کیا مجال ہے

ذکرِ وصال غیر سے چڑتے ہو کس لیئے
سچ ہو کہ جھوٹ ہو یہ ہمارا خیال ہے

حورانِ خلد کھیلینگی جنّت میں ہولیاں
تیرے شہیدِ ناز کی مٹّی گُلال ہے

یہ چھیڑ ہی نئی ہے کہ سینے پہ دھر کے ہاتھ
کہتے ہیں اِس میں آؤر کسی کا خیال ہے

حورانِ خلد پہ جو مٹیں کیا غرض ہمیں
دلّی میں اے چمن کیا حسینوں کا کال ہے

یہ کہکر توڑ ڈالا اُس بُت خود سر نے آئینہ
ہمارے رُخ سے ملتا ہے تمھارے دل کا ملنا ہے

سمجھکر سوچکر دل کو مٹانا یا در کھیئے گا
وہ دل جو دل سے ملجائے بڑی مشکل سے ملتا ہے

آپ نے ایک قطعۂ تاریخ بھی حضور قیصرۂ ہند کی وفات حسرت آیات کے متعلق کہا ہے

جو نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے ۔

قطعہ

سچ تو یوں ہے ملکۂ وکٹوریہ بھی اے چمن — غیرتِ جمشید و صد رشکِ سکندر ہو گئی
آ گئے حور و ملک بھی مرحبا کہتے ہوئے — بھیڑ سی دروازۂ خلدِ بریں پر ہو گئی
چوم کر وکٹوریہ کے پاؤں ہاتف نے کہا — قیصرِ ہندوستاں جنت کی قیصر ہو گئی

۱۹۰۱ء

چمن

چمن۔ منشی شادی لال صاحب ۱۸۸۰ء میں ایک رسالہ مسمیٰ بہ گلدستۂ شعر شائع ہوتا تھا۔ اس میں انکا کلام نظر سے گزرا۔ دیگر حالات ولدیت اور وطن مالوف کا پتہ باوجود تلاش ظاہر نہیں ہوا۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے

مدت کے بعد مجھ پہ جو فضلِ خدا ہوا — پھر آشنا وہی بتِ ناآشنا ہوا
جو دل کہ دامِ زلفِ صنم سے رہا ہوا — شاد اپنی مخلصی سے نہ وہ غمزدا ہوا
گویا لحد پہ یار یہ بعدِ فنا ہوا — گھبرا کے جان عشق میں دیدی تو کیا ہوا
ابھرا نہ بحرِ عشق کا ڈوبا کبھی چمن — یہ امتحاں تو بیشتر و بارہا ہوا

چناں

چناں۔ شیخ مزاج الدولہ خانصاحب لکھنوی۔ آپکے حالات باوجود کوشش کے کچھ معلوم نہیں ہوئے مگر کلام سے ظاہر ہے کہ ظرافت آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی صاحبِ دیوان ہیں آپکے دیوان کا انتخاب جو ۱۳۱۱ ہجری میں مطبع اعجاز محمدی لکھنؤ میں چھپا ہے ہماری نظر سے گزرا۔ اسی انتخاب سے چند شعر اخذ کر کے بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

اثر تھا بارِ غمِ ہجرِ یارِ پُرفن کا — مرے پلنگ کا کھٹمل تُلا کئی من کا
گلے میں ڈالا ہے میرے بھی عشق کا پٹہ — کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا
دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے — نہ کیوں گماں ہو دلِ سوختہ پہ انجن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لے گیا تختے — نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
ہوا لیلیٰ! یہ ناداری سے عالم تیرے عریاں کا — کہ آخر اُسنے باندھا پھاڑ کر دامن بیاباں کا
ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی — کھٹمل ہوں باغِ جنت کا دھتورا باغِ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بجے گی دھیلے دھیلے عندلیب
اور انڈے چھوڑ بیچ ہیں دو روز سیلے عندلیب

پہلے تھے آپ نہایت لاغر
مجکو رکھ لیجئے دربانوں میں
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب
خاک سُنتے نہیں فریاد میری
چھیلا کیا ہیں ناخنِ غم سے دل وجگر

ابتو مجھ سے کہیں طیّار ہیں آپ
حضرتِ عشق کی سرکار ہیں آپ
نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ
آجکل صورتِ دیوار ہیں آپ
بجتی رہی وہاں پہ ستاری تمام رات

سُنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغِ اصیل
تھا زمانہ کہ کبھی تیغ بکف رہتا تھا
تھک گئے ہیں بیٹھتے ہیں بار راہم
قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے
بڑھا یہ خوف رعب جانجاں سے

اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمبل قاتل
ہاتھ میں ابتو لئے پھرتا ہے موسل قاتل
کب سے بیٹھے ہیں پسِ دیوار ہم
کل چُرا لائے تری تلوار ہم
میاں یہ اونٹ لائے تم کہاں سے
مریضِ عشق تک آہستہ کہا سنے

اے چناں وہ ابھی سُن لیں تو نکالیں آنکھیں
قتل کرکے بال نوچے اُسنے یہ کہکر مرے
یہ قولِ قیس تھا گر ہوگا حسن وعشق میں جھگڑا

گر کہوں آپکے بکرے سے غزال اچھا ہے
وہ سزائے عاشقی تھی اور یہ جرمانہ ہے
اُسی جانب کو میں ہونگا مری لیلی جدھر ہوگی



ح

حاتم

حاتم۔ شیخ ظہور الدین خلف فتح الدین ۱۱۱۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ لفظ ظہور ہی تاریخ ولادت ہے۔ خاص دہلی کے رہنے والے سپاہی پیشہ آدمی تھے۔ نواب عمدۃ الملک امیر خان صوبہ آلہ آباد کی رفاقت میں چند سال گزارے۔ آخر عمر میں تعلّقات ظاہری سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ نہایت متین اور مہذب بزرگ اور شعرائے طبقۂ دوم میں سر آوردہ تھے۔ مرزا رفیع سودا ان کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے جن پر استاد کو فخر تھا۔ اور اکثر اُنکے ذکر پر یہ مصرع پڑھا کرتے تھے ع رتبۂ شاگردی من نیست اُستادِ مرا سعادت یار خان رنگین۔ محمد امان نثار۔ تابان۔ مکندرائے فارغ بھی اِنکے شاگردوں میں تھے۔ شاہ صاحب کے مزاج میں ظرافت بہت تھی۔ قلعۂ دہلی کے نیچے شاہ تسلیم ایک آزاد منش فقیر کا تکیہ تھا۔ وہاں اکثر نشست رہتی تھی۔ شاہ حاتم اپنے آخر زمانے میں اُردو زبان کی درستی کی طرف بھی متوجہ ہوئے تھے۔ اور بہت سے غیر مانوس اور غیر فصیح الفاظ ترک کر دیئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ اُنکے معاصرین نے اِس طرف کافی توجہ نہیں کی ورنہ اُسی زمانے میں اُردو کی موجودہ فصاحت کی بنیاد قائم ہو جاتی۔ اگرچہ شاہ حاتم نے بہت سے الفاظ ترک کیئے۔ مگر دوسرے شعراء نے اُنکو نہ چھوڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شخص کا محدود مگر مفید خیال زیادہ پھیلنے نہ پایا اور دوسرے لوگوں کی بے پروائی نے پُرانے اور نئے محاوروں کی تفریق نہ کی۔ اور الفاظ کو یہ آزادی اور وسعت دی کہ اُن کا اثر دوسری پشت تک قائم رہا۔ شاہ حاتم اپنے ترک کردہ الفاظ کی نسبت خود لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے "خوشہ چین خرمن سخنوران عالم بصورت محتاج و بمعنی حاتم۔ کہ از ۱۱۲۹ھ تا ۱۱۶۹ھ کہ چہل سال باشد۔ عمر دریں فن صرف کردہ۔ در شعر فارسی پیرو مرزا صائب و در ریختہ ولی را استاد میداند۔ اول کسیکہ دریں فن دیوان ترتیب نمودہ او بود

فقیر دیوان پیش از نادرشاہی در بلاد ہند مشہور دارد۔ بعد ترتیب آن تا امروز کہ سنہ ۳ عزیز الدین
عالمگیر ثانی باشد ہر رطب و یابس کہ از زبان این بے زبان بر آمدہ داخل دیوان قدیم نمودہ
کلیات مرتب ساختہ۔ از ہر ردیف دو سہ غزلے و از ہر غزل دو سہ بیتے و رسالہ مناقب
و مرثیہ۔ و چند مخمس و مثنوی از دیوان قدیم نیز داخل نمودہ بہ "دیوان زادہ" مخاطب ساختہ۔
و سرخی غزلیات بسہ قسم منقسم ساختہ۔ یکے طرحی۔ دوم فرمایشی۔ سوم جوابی۔ تا تفرق
آن معلوم گردد۔ و معاصرین فقیر بہ شاہ مبارک آبرو۔ و شرف الدین مضمون۔ و میرزا
جانجانان مظہر۔ و شیخ احسن اللہ احسن۔ و میرزا شاکر ناجی۔ و غلام مصطفیٰ یکرنگ ست
و لفظ در و بر و از و الفاظ و افعال دیگر کہ در دیوان قدیم خود تقیید دارد۔ درین ولا از دہ دوازدہ
سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ و الفاظ عربی و فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشند
و روز مرہ دہلی کہ مرزایان ہند و فصیحان رند در محاورہ آرند منظور دارد۔ زبان ہندی بھاکا
را موقوف کردہ محض روز مرہ کہ عام فہم و خاص پسند باشد اختیار نمود۔ و شمہ از ان الفاظ کہ
تقیید دار و بیان می آرد چنانچہ عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحی و بیگانہ را بگانہ و
دیوانہ را دوانہ و مانند آن۔ یا متحرک را ساکن و ساکن را متحرک۔ مرض را مرض۔ و نیز
الفاظ ہندی مثل نین و جگت و نت وغیرہ یا اُدھر را اودھر و کدھر را کیدھر کہ زیادتی
حرف باشد۔ یا بجائے پر پہ یا یہاں را یاں و وہاں را واں کہ در محرج تنگ بود یا قافیہ را
باڑار ہندی مثل گھوڑا و پورا و دھڑ و سرو مانند آن۔ نگر ہائے ہوز را بدل کردن بالف
کہ از عام تا خاص در محاورہ دارند بندہ درین امر برجستہ جمہور مجبور است۔ چنانچہ بندہ
را بندا و پردہ را پردا و آنچہ ازین قبیل باشد۔ و این قاعدہ را تا کسے شرح دہد مختصر
کہ لفظے غیر فصیح انشاء اللہ نخواہد بود"۔ اس عبارت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
جو خیال ناسخ و آتش یا ذوق و مومن کے وقت میں پیدا ہوا تھا اس کی ابتدا ایک صدی
پیشتر ہو چکی تھی۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ آخر خیال قائم ہونے کے بعد عام و خاص

سب میں اُسکی پابندی اور لحاظ کیا گیا۔ اور بے چارے شاہ حاتم کی بات اُن کے مُنہ اور زبانِ قلم سے نکل کر دیوان زادہ تک محدود رہی۔ بہرحال اصلاح زبان کے خیال کرنے والوں میں پہلا نمبر شاہ حاتم کا ہے۔ دو تین اُردو کے اور ایک فارسی دیوان ان سے یادگار ہے۔ مضمون ان کے صاف عاشقانہ عارفانہ ہیں۔ شعر آپس کی باتیں۔ زبان شستہ و رفتہ۔ البتہ زبان کی ابتدائی حالت ہونے کے سبب زائد الفاظ مثل اب اور یہاں کے اکثر آجاتے ہیں۔ شاہ حاتم نے اپنے دیوان کے دیباچے میں اپنے شاگردوں کی فہرست لکھی ہے ۴۵ ناموں میں سب کے سرتاج مرزا رفیع السودا ہیں۔ ۹۶ برس دنیا کی ہوا کھا کر ماہ رمضان ۱۲۰۷ھ ہجری کو دہلی میں انتقال کیا اور وہیں دلی دروازے کے باہر دفن ہوئے۔ مگر مصحفی کا قول ہے کہ ۸۳ برس کی عمر پا کر ۱۱۹۶ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ بہرحال اب اُن کے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے ✦

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے
تو نہیں تو کنجِ تنہائی میں ہے

کیا ہے جسنے اِس جگ سے کنارا
بوریہ کا نقش ہم پہلو مرا

شورِ دریا تک ملاحت کا تری پہنچا ہے شور
بے نمک آگے ترے لب کے نمکداں ہو گیا

فیضِ صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں
طفلِ مکتب تھا سو عالم بیچ تابان ہو گیا

کعبۂ و دیر میں حاتم نجز اعنبر خدا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

فقیروں سے سُنا ہے ہم نے حاتم
مزا جینے کا مر جانے میں دیکھا

ہجر کی زندگی سے موت بھلی
کہ جیسے سب کہیں وصال ہوا

مسافر اُٹھ تجھے چلنا ہے منزل
سمجھ ہے کوچ کا ہر دم نقارا

آبِ حیات جاکے کسی نے پیا تو کیا
مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا

نے حسرتِ گلگشت نہ پرواز کی طاقت
صد شکر ہیں ترے کیا مجھے آزاد کریگا

جسکو دیکھا سو یہاں دشمنِ جاں ہے اپنا
دل کو جانے تھے ہم اپنا سو کہاں ہے اپنا

حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے ؟
کون ہوئے جو ہوئے تو مرا

قاصد کی زباں سے اسکے آگے
پیغام و سلام کچھ نہ نکلا

اسکے قدموں سے لگی رہتی ہو دن رات حنا
خوب دنیا میں بسر کرتی ہے اوقات حنا

حاتم عجیب رسم ہے اقلیم عشق کی
پاؤں کے ہاتھ لگتے گنہ گار ہو گیا

ہاتھ مت کھینچ جنوں تجکو مرے سر کی قسم
ایک جب تک بھی رہے تار گریبان کے بیچ

زلف و چشم و خال و خط چاروں ہیں دشمن جان کے
حق رکھے ایمان سلامت ایسے کفرستان کے بیچ

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
ابتلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

حاتم جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

کسیکو آپ سے گر آشنا کرے معشوق
تو پہلے اسکو سبھوں سے جدا کرے معشوق

ہم سے ہو زر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک
دنیا میں بڑی چیز ہے اکسیر سو کیا خاک

اتنی بھی آسماں نے فرصت کبھی نہ دی ہائے
جو بیٹھ کر نکالیں دل کا غبار ہم تم

رباعی

ان سیمبروں کے ساتھ سونا معلوم ؟
قسمت میں لکھی ہے خاک سونا معلوم ؟
حاتم افسوس اپنے وامروز گزشت
فردا کی رہی امید سونا معلوم ؟

تو آدمیت ہمیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں
دور ہو پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں

تمہارے غنچۂ لب کے شوق میں گلشن کی سب کلیاں
چمن میں سن خبر آنے کی استقبال کو چلیاں

زلفوں کے بل بتانا آنکھیں چرا کے چلنا
کیا کج ادائیاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں

تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو
اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

مفلسی اور مزاج اسے حاتم
کیا قیامت کرے جو دولت ہو

آتا ہے اب نشے کیطرف جی کبھو کبھو
ساقی نگاہ مست ادھر بھی کبھو کبھو

کعبہ و دیر میں اے شیخ تفاوت کیا ہے
دونوں ان گھر کا وہی ایک ہے صاحبخانہ

حسن اور عشق ترے فیض قدم کے صدقے
دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

دو چار اب تجھسے کیونکر ہوتی ہم چشمی کے دعوے
کہ نرگس کی چمن میں دیکھکر گردن ڈھلکتی ہے

کہتے ہیں سبھی مہرِ بتاں خوب نہیں ہے
سُنتا ہی نہیں یہ دلِ گمراہ کسیکی

بیخود اس دور میں ہیں سب حاتم
اِن دنوں کیا شراب سستی ہے

کیوں سب سے تجھے چھپا نہ رکھوں
جان ہے۔ دل ہے۔ دل کا انتر ہے

کاملوں کا یہ سخن مدت سُنوں مجکو یاد ہے
جگ موں بے محبوب جینا زندگی برباد ہے

بے مدد زلفوں کی اُسکے حُسن نے قیدی کیا
صیدِ دل بے دام کرنا صنعتِ اُستاد ہے

ملکِ دل آباد کیوں کرتا ہے حاتم کا خراب
اے مری بستی خوش آتی ہے تجھے ویرانگی

ہر صُبح اُٹھ بتوں سے مجھے رام رام ہے
زاہد تری نماز کو میرا اسلام ہے

اُس آئینہ طلعت کی اب ہم سے یہ صورت ہے
ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے

لام نستعلیق کا ہے اُس بتِ کافر کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر تابع نہوں اسلام کے

ہیں ناتوان ہوا اسقدر کہ مدت سے
نہ لب سے نالہ۔ نہ سینے سے آہ نکلے ہے

زبانِ خلق بھی حاتم عجب تماشا ہے
جدھر وُہ نکلے اُدھر واہ واہ نکلے ہے

کروں قربان جی کو اُس گھڑی اُسوقت اُس پل کے
کہ جسدن جس گھڑی تو اور آوے میر گھر چلکے

حاتم

حاتم۔ نواب محمد حاتم علیخان انعام دار موضع آمیر وگن۔ فن سخن میں آپ کو مولننا نادر علی برتر سے تلمذ ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

بزم عدو میں مجھ سے ملاتے نہیں نظر
انجان یوں ہیں جیسے نہ تھا آشنا کبھی

کچھ بھی علاج وحشتِ خاطر نہ ہوسکا
آئی شمیمِ زلف نہ بادِ صبا کبھی

حاتم سے آج ہو گئے ناآشنا تو کیا
وہ بھی تمھارے چاہنے والوں میں تھا کبھی

حاذق

حاذق۔ اُستاد الخاقان مقرب السلطان عالیجناب نواب آغا مرزا بیگ خان دہلوی المخاطب بہ نواب سرور جنگ سرور الملک بہادر۔ آپ کو نواب اسداللہ خان غالب مرحوم سے قرابت قریبہ حاصل ہے۔ صغر سنی میں آپ حضرت غالب کے بھانجے ڈپٹی

مرزا عباس بیگ کے پاس لکھنؤ چلے گئے اور اُنھیں کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نواب سر سالار جنگ بہادر اول کے عہد میں دکن پہنچے اور حضور نظام حال کے اُردو اتالیق مقرر ہوئے اور اس تعلق سے آیندہ مدارج اعلیٰ اور کامیابی کی بنیاد پڑی۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں جب بندگان عالی با اختیار ہوئے آپ کو خطاب و مناصب سے سرفراز فرمایا اور عہدۂ پیشی (سکرٹری) یعنی مقرب ذاتی اعلیٰحضرت پر ممتاز ہوئے۔ چنانچہ تیرہ سال کامل خلوت و جلوت میں حضرت کے ہمراز و دمساز رہے سنہ ۱۸۹۷ء میں مسٹر پلوڈن رزیڈنٹ سے ناچاقی کے سبب مستعفی ہونا پڑا۔ کچھ دن دہلی۔ علیگڈھ اور شملہ میں رہے اب چند سال سے اجمیر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اِنکے صاحبزادے نواب ذوالقدر جنگ بیرسٹر حیدرآباد میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ اِس وقت آپکی عمر ۶۱ برس کے قریب ہے اُردو شعر گوئی کا بھی شوق ہے کبھی کبھی تفننًا اِس طرف بھی توجہ ہو جاتی ہے۔ بایں ہمہ طبیعت میں روانی اِس بلا کی ہے کہ دقیق مضامین پر بے تکلف عبور کرتے چلے جاتے ہیں۔ بندش نشست الفاظ۔ مصرعوں کی چستی۔ ردیف کا اچھے پہلو کے ساتھ چسپاں ہو جانا۔ یہ ساری باتیں اُنکے کلام میں موجود ہیں۔ راقم تذکرہ کو آپ کی خدمت میں سنہ ۱۸۹۷ء کو بمقام شملہ نیاز حاصل ہوا تھا۔ آپکی بھتیجی راجہ صاحب نانپارہ مرحوم کی اہلیہ ہیں اور صاحبزادی نواب سربلند جنگ جج ہائیکورٹ نظام سے منسوب ہیں۔ نواب سرور جنگ کو اب بھی مع لواحقین ۳ ہزار روپیہ ماہوار کے قریب ریاست و صیغۂ صرف خاص سے ملتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات میں بیش قیمت جائداد آپکی پیدا کردہ ہے ؎

رہا ہے رشکِ کعبہ یہ دلِ اندوہگیں برسوں 		رہی ہے صورتِ زیبا کسی کی دلنشیں برسوں
یہ اپنے نالہ کی تاثیر ہے مجھ سے شکایت کیا 		چڑھی رہتی ہے جب سے مجھ سے تیوری آپ کی برسوں
لگی ہے آگ سینہ میں تو ہم سمجھے خطا اپنی 		کہ انکا مہروش سمجھے تھے جسکو مہ جبیں برسوں
ہوئیں مشہور اب شہر اور آشوبِ عالم ہیں 		وہ آنکھیں جو رہیں محوِ خیالِ چشمِ سرمگیں برسوں

بہت ہے قدرداں شاہِ دکن حاذق چلو جلدی
عبث بیٹھے رہے تم گھر میں مغموم و حزیں سوں

نہیں حیدرآباد دہلی سے کچھ کم
یہاں بھی ہیں جادو بیان کیسے کیسے

ہمسے ملا کرو تمھیں لبسر بنائینگے
غیروں سے مت ملو وہ ستمگر بنائینگے

سُرمے سے وہ بھوؤں کو ملاتے ہیں لو غضب
دو نیمچوں کا ایک وہ خنجر بنائینگے

وسمے کے پھپھولے پھوڑینگے یوں ہیڈ کر الگ
تصویر ہم رقیب کی بے سر بنائینگے

چڑھ چکا ہے زاہدا یاں نشۂ جامِ الست
چھیڑ مت ظالم ہمیں مستانہ خواب آنیکو ہے

اکتسابِ بیخودی از چشمِ مستِ نازنیں
محفلِ رنداں میں ساقی بیحجاب آنیکو ہے

پھر کیا ہے میرے ساقی نے درِ میخانہ باز
لو میاں گردش میں پھر جامِ شراب آنیکو ہے

پھر سلگ اُٹھا جگر آہوں کی پھر چھائی گھٹا
بر سرِ طوفان پھر چشمِ پُر آب آنیکو ہے

یہ ستم برپا کیا تیری نگاہِ شوق نے
حاذقِ ہشیار پھر اُنکو حجاب آنیکو ہے

قطعہ

مگر تو نے بھی اے بُت سامری فن
خدا کی قسم کیا ہی دھوکا دیا ہے

وہ دل جسپہ تھے مجکو سو ناز ظالم
اُسے تو نے کیسا نکما کیا ہے

یہ دل ہے وہ دل لاڈلا اک جہاں کا
یہ دل ناز و نعمت کا پالا ہوا ہے

یہ دل نورِ چشمِ حسینانِ عالم
یہ دل جلوہ گاہِ بتِ خود نما ہے

یہ دل کاشفِ رازِ مطلوب طالب
مرا مدّعی ہے ترا مدّعا ہے

یہ دل مایۂ فخرِ صاحبدلاں تھا
جسے تو نے وقفِ کلیسا کیا ہے

کھلونا نہیں ہے جو کھیلو گے اس سے
مری جان یہ دل ہے جو تم نے لیا ہے

تجھے ہم تو سمجھے تھے ہشیار حاذق
ترے دل کا جانا اچنبھا ہوا ہے

حاذق

حاذق - غلام حضرت خانصاحب خلف الصدق جناب غلام حسین خانصاحب از اولاد اخوند بیاض خان افغان حنفی المذہب عمر تقریبًا چالیس سال کی ہے۔ الموڑے کے رامزے کالج میں عربی و فارسی زبان کے پروفیسر ہیں۔ حاذق صاحب کی عمر تقریبًا ۲۵ سال کی

تھی جب آپکے والد ماجد کا انتقال ہوا۔ کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا اور بار علائق بہت تھا تحصیل وتکمیل علوم و فنون ضروریہ ریاست رامپور میں اپنے والد کی حیات میں کر چکے تھے۔ چونکہ فطرۃً علم دوست واقعہ ہوئے تھے شوق برابر افزونی پر تھا۔ فکر تحصیل معاش سے جو وقت بچ رہتا تھا اُس میں ہمیشہ باکمالوں کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ سن طفلی سے موزوں طبع تھے اوائل میں مختلف اُستادوں کو اپنا کلام دکھایا۔ لیکن طبیعت کسی باکمال اُستاد کی جویا تھی۔ بالآخر عالیجناب منشی امیر اللہ صاحب تسلیم لکھنوی تلمذ مقیم رامپور سے استفادہ سخن کرنے لگے۔ کلام نہایت پاکیزہ اور عیوب شاعری سے مبرّا ہے۔ فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ فارسی نثر میں ایک رسالہ موسوم بہ سحر حلال بصنعتِ غیر منقوطہ آپکی تصنیف سے شائع ہو چکا ہے۔ ایک مسدّس مسمّٰی بہ "لمعات الصواعق" مسلمانوں کے تنزل پر لکھ کر شائع کر چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے

درد کرتا تھا مرے پہلو میں رہ رہ کے خلش ۔۔۔ ہاتھ رکھنے سے کسی کے آج کچھ کم ہو گیا
خامشی اُس کم سخن کی ذکر اعدا سے گئی ۔۔۔ غیر کا شکوہ مجھے اکسیر اعظم ہو گیا
تذکرہ وصلِ عدو کا میرے آگے ہائے ہائے ۔۔۔ اور بھی دردِ رقابت کے لئے سم ہو گیا
تیری کیفیت ہے کیا۔ کیسا ہے دل کیا حال ہے ۔۔۔ پوچھنا یہ اُن کا زخم دل کو مرہم ہو گیا
کِس طرح ٹوٹیں۔ نہیں بلبل کے بس کی تیلیاں ۔۔۔ آہنی صیّاد نے کی ہیں قفس کی تیلیاں
قیدِ ہستی میں کڑی سہتا ہوں اس اُمید پر ۔۔۔ مرگ کھولیگی کبھی میرے قفس کی تیلیاں
اہلِ دانش جھیلتے ہیں دہر میں قیدِ شدید ۔۔۔ آہنی ہوتی ہیں طوطی کے قفس کی تیلیاں
دیکھئے کب ہو رہا تن کے قفس سے مرغِ روح ۔۔۔ ٹوٹیں کسدن دیکھئے تارِ نفس کی تیلیاں
نہا دھو کے بتانِ خوش ادا جسدم نکھرتے ہیں ۔۔۔ بشر کیا حور و غلمان بانکپن پر انکے مرتے ہیں
غضب کے شوخ فقرے ہیں کہ نقشہ کھینچ دیتے ہیں ۔۔۔ دمِ تقریر مقراضِ زباں سے گل کترتے ہیں
اُٹھا کر ہاتھ وہ میری طرف غیروں سے کہتے ہیں ۔۔۔ خدا کی شان یہ بھی دم مری اُلفت کا بھرتے ہیں

وہ کمسن ہیں انھیں مشقِ جفا کو چاہیے مدت
ابھی تو نام سنکر خنجر و پیکاں کا ڈرتے ہیں

کیا زندگی ہے عشق کا جب سلسلا نہو
عاشق نہ ہو کسی پہ کسی پہ فدا نہ ہو

دریا کی موج شرم سے کیوں آب آب ہے
ساحل پہ اُس نے آ بی ڈوپٹہ چُنا نہو

رُک رُک کے دیکھتے ہیں وہ اپنا خرام ناز
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہو

وہ تخلیہ ہو جسمیں نہ آئے خیالِ غیر
اِک تم ہو ایک میں ہوں کوئی دوسرا نہو

حاذق سخن کا لطف ہی پیشِ سخن شناس
اُسکو سنائیں کیا جو اُسے جانتا نہو

قدِ و لجو کہ چشمِ دل ستاں سے
بپا ہو دیکھئے محشر کہاں سے

تمھاری پیاری باتوں کا ہوں مشتاق
کہو کچھ تو لبِ معجز بیاں سے

دلِ مضطر کی بیتابی کا عالم
کہوں کس طرح میں اور کس زباں سے

خیالِ عارضِ گلرنگِ ساقی
نہیں کچھ کم شرابِ ارغواں سے

عدو کے سامنے کہتے ہیں مجھ سے
بس اب تشریف لیجاؤ یہاں سے

حاذق

حاذق- جناب منشی محمد فخر الدین برہانپوری تلمیذ حضرت بقا غازی پوری- زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں اور اس طرح طبع آزمائی کرتے ہیں-

زاہد و ظلم کو ہے جس باغِ جناں کی خواہش
ہمکو دنیا میں ملا کوچۂ جاناں ہوکر

دیکھ پائیں جو ترے مصحفِ رُخ کو کافر
سب لگیں پڑھنے ترا کلمہ مسلماں ہوکر

ابر اُٹھا ہے بہار آئی ہے میخانوں میں
مے گلرنگ بھری جاتی ہے پیمانوں میں

شیخ از تسبیح نہیں ہاتھ سے چھوٹی دم بھر
کیا خدا تیرا ہے نادان انھیں دانوں میں

اے خدا تیرا ہی جلوہ ہے بتوں سے ظاہر
تیری ہی شان نظر آتی ہے بتخانوں میں

جان دینے کے لیئے لوٹتے ہیں ایک پہ ایک
شمع وہ آگ لگا دیتی ہے پروانوں میں

شیخ و زاہد اعدا کا خدا حشر ہو ایسے داورِ حشر
کہیں چھپ چھپ کے نہ ملجائیں یہ مجنوں انہیں

پلاؤ حضرت حاذق کو لے رند وہ تو ہم جانیں
خدا والے ہیں میخانے سے بچ بچ کر نکلتے ہیں

حافظ

حافظ۔ کریم الدین صدیقی از نبیرۂ شاہ محمد اعظم قدس سرہ متوطن قصبۂ پھپھڑاؤں۔

ہے صحبت ناقص سے زباں اہل صفا کو	موتی کا سدا رشتے سے سوراخ جگر ہے
کیا پوچھو ہو احوال کو حافظ سے کہ یارو!	اُس کا تو کچھ احوال ہر ایک لحظہ بتر ہے

حافظ

حافظ۔ منشی سید ممتاز علی صاحب خلفِ میر اعجاز علی ۱۲۷۰ھ سالِ پیدائش ہے ذہن رسا کی اعانت سے اپنا سلسلۂ نسب اوری وپدری حضرت آدم تک نکالا ہے۔ پچیس روپیہ مشاہرہ پر عہدۂ روبکاری نائب دوم بھوپال پر مامور ہیں۔ منشی فدا علی فارغ وگرم تخلص کے شاگرد ہیں۔ تذکرۂ آثار الشعراء و تاریخ بھوپال انکی تصنیف سے ہیں۔ اِس تذکرہ میں اپنے اشعار کا انتخاب پچپن صفحوں پر درج کیا ہے۔ طبیعت کا رنگ اِن چند شعروں سے ظاہر ہے۔

چشمِ سرشار میں کیا سحر بھرا ہے تیری		لینا اے ساقی گلرو مجھے چکر آیا
تصور اس میں رہتا ہے شب روز		ہمارا قلب ہے مسکن کسیکا
کیوں ڈراتے ہو مجھے یارو کہ کرتی ہے ضرر	قطعہ	آنکھوں سے سمجھتا ہوں میں ادنیٰ ترشراب
کیونکہ ہے اس کا نتیجہ رنج و فکر و اثر		اور ہے عیش و سرورِ تازہ کا جوہر شراب

اشکوں نے نکل کر کیا ابراز محبت	لڑکے تھے چھپایا نہ گیا رازِ محبت
الماس کی نہ دُر کی۔ نہ گوہر کی احتیاج	ہے خاکِ آستانۂ دلبر کی احتیاج
پہنچے ہم کوئے یار تک لیکن	کیا بتائیں کہاں کہاں ہو کر

حافظ

حافظ۔ حافظ خلیل الدین حسن ساکن پیلی بھیت خواہرزادہ حضرت قاضی محمد ممتاز حسن صاحب ممتاز۔ آپ کو تلمذ بھی غالباً انہیں سے رہا ہے۔ حال باوجود تلاش صرف اسقدر معلوم ہوا کہ ۱۸۷۲ء میں حیات تھے ۔

وہ میں۔ وہ ننگے پاؤں وہ چھالے وہ بن کہاں؟	چُبھتا ہوا وہ دل میں ہر اک خار کیا ہوا!
حافظ ہے یاد کچھ تجھے روزِ الست کی	مردِ خدا وہ عہد وہ اقرار کیا ہوا؟
مے سے خالی جو کبھی سامنے ساغر آیا	دل مرا شیشۂ صہبا کی طرح بھر آیا

دفن ہونے سے نہیں میرا جنازہ واللہ!	تیرے کوچے تلک اے یار میں مر کر آیا
جان دینے میں وہ آرام ہے اللہ اللہ	خواب اک بات ہیں مجکو تہِ خنجر آیا
پردہ پوشی کی صفت ہے یار کی تلوار میں	جسمِ عریاں چھپ گیا سب زخم و امتار میں
نام پر دولت کے مرتے ہیں بخیلانِ جہاں	شیرۂ جاں ڈالتے ہیں شربتِ دینار میں
ملتے ہی تارِ نظر کے عمر کا رشتہ کٹا	سچ تو یوں ہے تیغ کا ڈورا ہے چشمِ یار میں

[illegible]

حافظ

حافظ۔ تاجر نامور حافظ شیخ بخش الٰہی صاحب رئیس دہلی و تاجر کلکتہ۔ آپ شیخ احسان اللہ دہلوی تاجر کلکتہ و مالکِ "اخبار دار السلطنت" کے فرزند رشید ہیں۔ اپنی اولو العزمی اور تاجرانہ قابلیت کیوجہ سے اپنے ہمعصر تاجروں میں ممتاز ہیں۔ یوں تو ہر قسم کی سوداگری آپکے کارخانے میں ہوتی ہے مگر سگرٹ کی فروخت کا بہت اعلیٰ پیمانہ پر انتظام ہے۔ دہلی اور کلکتہ میں آپکا بڑا رسوخ اور اچھی شہرت حاصل ہے۔ کلکتہ میں آپنے اہلِ اسلام کی رہایش کے لیئے ایک عالیشان مسافر خانہ تعمیر کیا ہے۔ اب ۵۵ برس کے قریب عمر ہے۔ کچھ کلام نظر سے گزرا اس کا انتخاب درج ذیل ہے۔

میں نمانوں گا کبھی تیری نصیحت ایسی	زاہد اکرتا ہے تو مجھ سے یہ تقریر عبث
دیکھ تصویر مصور سے یہ بولا وہ شوخ	نہ ملے جو مری صورت سے وہ تصویر عبث
از رہِ فخر یہ کہتے ہیں تجارت پیشہ	کیمیا بھی ہے عبث اور ہے اکسیر عبث
قتلِ عاشق کو فقط ترچھی نظر ہے کافی	تیر و پیکاں ہیں عبث خنجر و شمشیر عبث

حافظ

حافظ۔ حافظ عبد الصمد صاحب شاگرد خواجہ میر تقی خانصاحب بہادر تقا لکھنوی۔

خانۂ دل میں تصور غیر کا آنے نہ دے	پاسباں کس واسطے ہے دیدۂ بیدار کا
کام کس دن آئیگی معجز نمائی پھر تری	اے مسیحا دم ہے آنکھوں میں ترے بیمار کا

حافظ

حافظ۔ شیخ حافظ عبد الرزاق دہلوی۔ نواب سعید الدین احمد خان صاحب طالب دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔ تاریخ گوئی میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے اور اس فن سے اچھے

ماہر ہیں۔ زبان اور نشستِ الفاظ خوب ہے۔ ابتدائے مشق کا کلام نظر سے گزرا اُسکا انتخاب حاضر ہے*

ضبطِ اسرارِ نہانِ عشق اور ظرفِ بشر ہمنے کی لخت جگر سے میہمانی عشق کی سجدہ گاہ سرکشانِ دہر ہے یہ آستان اُنکے آنے کی خبر تھی کہ اجل آ پہنچی	بحرِ طوفان خیز اور کوزہ کے اندر رکھدیا آگے حضرت کے جو تھا ہمکو میسر رکھدیا تیرے در پر آکے ہر مغرور نے سر رکھدیا شوقِ نظارہ کا ارمان نکلنے نہ دیا
بخت برگشتہ گر نہ ہو جائے	یاریوں بے خبر نہ ہو جائے

حافظ **حافظ**۔ حافظ میاں خورسند محمد خانصاحب از خوانین بھوپال۔ آپ میاں ارجمند محمد خان تسلیم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اِس فن میں منشی عبد العزیز اعجاز رقم کے شاگرد ہیں ۲۳ یا ۲۴ برس کی عمر ہے اور یہ کلام کا رنگ ہے۔

دلا بے راہ ہم سے ہو نہ جانا نگاہِ ناز اُبھی کہہ رہی ہے	کبھیں غیروں کی باتوں میں نہ آنا مرا خالی نہیں جاتا نشانا
گم گشتہ زخود دل ہے مرا روزِ ازل سے	اے بیخبری مجکو ہوئی ہائے خبر آج

حافظ **حافظ**۔ حافظ فدا احمد مجددی۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی۔ آپ رامپور کے رہنے والے اور موزوں طبع لوگوں میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ اُنکے اشعار ہیں*

وہ جھلک دور سے اپنی جو دکھا دیتے ہیں کم ہو عشق ہمارا کبھی تیرے دل سے کیا اور کوئی روزِ جزا ہو گا اسکے بعد	ایک پُتلا مجھے حیرت کا بنا دیتے ہیں کبھی دیتے ہیں تو یہ مجکو دعا دیتے ہیں کہتے ہو تم جو حشر میں شکوا یہاں نہیں
طوف کرتے ہیں سینکڑوں عاشق	کعبہ اُس بت کا گھر نہ ہو جائے

حافظ **حافظ**۔ منشی ظہور احمد نام۔ سنراول ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں اور نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے شاگرد۔ شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ چند شعر حاضر کیئے جاتے ہیں*

تمہاری باتیں تو بیشک ہیں پیار کے قابل	تمہارے قول نہیں اعتبار کے قابل
بچایا کثرتِ عصیاں نے مجھکو دوزخ سے	مرے گناہ نہ ٹھیرے شمار کے قابل
نہ پوچھ حال اے دلِ ناداں تو انکی باتوں پر	جنوں کی چاہ نہیں اعتبار کے قابل
اب جستجو ہے چرخ کو مٹ جائے نام تک	ہم مٹ گئے تو کیا ہوا جھگڑا مٹا نہیں
ہیں بے حساب جرم الٰہی تو کیا ہوا	اندازۂ کرم سے تو تیرے سوا نہیں
چاہیئے فرق نہ آجائے مسیحائی میں	آپکے سامنے دم ہیں الجھانے سے

حافظ

حافظ- محمد محب اللہ معروف بہ منشی حافظ عبد الرحمن باشندۂ مرادآباد- اوائل سنِ شعور سے مزاج میں آزادی زیادہ رہی اور اکثر سیر و سیاحت کا اتفاق رہا- شدہ شدہ قصبۂ راسین متعلق ریاستِ بھوپال میں حافظ محمد اسحاق خاں فرخ آبادی ناظم ضلع مشرقی کے پاس پہنچ گئے اور کچھ یوم انکے پاس رہے- اور اطمینانِ خاطر بہم پہنچاکر اپنا کلام مرتب کر کے ۷ جزو میں ۱۳۱۵ھ میں شائع کر دیا- اب دیوان کا لب لباب ملاحظہ ہو- کچھ قصائد بھی اپنے ممدوح کی تعریف میں لکھے ہیں- بظاہر کوئی بات قابلِ ذکر آپکے کلام میں نہیں پائی جاتی-

دل اہلِ دلکا کعبہ سے رتبہ میں کم نہیں	یہ خاص گھر خدا کا ہے وہ گھر خلیل کا
دیتا ہے روز رنج نئے گردشیں نئی	اے چرخ کج شعار ترا ہمنے کیا کیا
ہے جلوہ دیر و کعبہ میں اُسی محبوب کا حافظ	نزاعِ باہمی ناحق ہے یہ شیخ و برہمن میں
چرچے تمہارے حسن کے نزدیک و دور ہیں	شیدا ترے جمال کے انسان و حور ہیں
نہیں خوف محشر کی سختی کا ہمکو	محبت کے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں
آمد ہے گل کی ہونگے دیوانے پھر اسیر	حافظ دور دور سے بلوائے جاتے ہیں
خونِ دل ہے شراب سینہ کباب	حضرتِ غم کی میہمانی ہے
وہ جان ہی ہے شرطِ مروت کہ تجھپہ ہم	جانِ حزیں فدا کریں اور تو جفا کرے

حالی

حالی- اعجاز بیان سعدی ہندوستان- سحن سنج و سخن فہم- بے عدیل و نظیر شمس العلماء

خواجہ الطاف حسین صاحب حالی سلمہ اللہ القدیر۔ آپکے والد خواجہ ایزد بخش پانی پت ضلع کرنال کے باشندے تھے۔ چنانچہ وہیں ۱۸۳۷ء کے قریب آپ کی ولادت ہوئی۔ مگر نوعمری کے زمانے سے اکثر دہلی میں رہے۔ اور عنفوانِ شباب ہی میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادوں کی تعلیم آپکے سپرد ہوئی۔ اُس زمانے میں جو کچھ کہا اُس میں نواب صاحب مذکور الصدر سے اصلاح لی۔ اسی تعلق سے آپ کو مفتی صدر الدین خاں آزردہ۔ نواب ضیاء الدین خاں نیّر درخشاں اور حضرت غالب مرحوم کی خدمت میں باریابی کے اکثر موقعے ملتے رہے۔ آپ دہلی کے اُن معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں۔ جنکے دیکھنے والے بھی اب مفقود ہوئے جاتے ہیں۔ آپنے مرزا غالب کو دیوان عام دہلی کے شاہی مشاعروں میں فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں غزل پڑھتے سُنا ہے کچھ عرصہ حضرتِ شیفتہ سے اصلاح لینے کے بعد آپ حضرت غالب کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے۔ مہینوں نہیں بلکہ برسوں مرزائے مرحوم کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے ہیں۔ آپکی عالی دماغی اور سخن فہمی اُس زمانے میں بھی اپنے جوہر دکھاتی تھی۔ طبیعت میں شعر کا جیسا صحیح مذاق اب ہے اُس وقت بھی موجود تھا۔ شاہجہاں آباد میں اُس زمانے میں کیسے کیسے جیّد عالم اور باکمال سخنور اور سخن گو موجود تھے مگر وہ سب مولٰنا کی قدر و منزلت کرتے تھے آپکی عربی استعداد عالمانہ ہے۔ فارسی تو عربی کے تابع ہی ہے اُس کا تو ذکر ہی کیا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں آپنے فکر سخن کیا ہے۔ آپ مرزا غالب کی آخری علالت اور وفات کے موقعے پر دہلی میں موجود بلکہ اُنکی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ اُنکی وفات پر آپنے اور مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم۔ اور میر مہدی حسین مجروح مرحوم تینوں رشید شاگردوں نے ایک ساتھ مرثیے لکھّے ہیں اور وفات کی تاریخیں کہی ہیں۔ مگر انصاف یہ ہے کہ جو رتبہ و مقبولیت مولانا حالی کے اِس مرثیے کو حاصل ہوئی ہے وہ کسیکو نصیب نہیں ہوئی۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ وہ مرثیہ ہر حیثیت سے آپکے تمام کلام میں ایک

عجب امتیازی فرق رکھتا ہے۔ ہر مصرع مؤثر۔ ہر شعر پر درد۔ ہر بند لاجواب ہے۔ اسی طرح جو مرثیہ آپنے سلطان الحکماء حکیم محمود خانصاحب مرحوم کی وفات پر لکھا آپکے تمام کلام میں ایک بلند و عالی رتبہ رکھتا ہے۔ یہ مرثیہ درد۔ اثر۔ اور واقعات زندگی کے خوش اسلوب بیان اور قدیم دہلی کی طرز معاشرت کا ایک دلکش پہلو اس صفائی اور خوشنمائی سے دکھاتا ہے کہ اسکی توصیف حدِ بیان سے باہر ہے۔ مرزا غالب مرحوم علاوہ شاگردانہ خصوصیت اور عزیز رکھنے کے اِنکی سخن فہمی و سخن سنجی اور مدارج علمی کیوجہ سے کسی قدر ان کا لحاظ و ادب بھی کیا کرتے تھے۔ اور انکو بھی مرزا سے کمال عقیدت و محبت تھی۔ اور یہ دونوں باتیں مرزا اور اُنکے اُن فارسی قطعوں سے بخوبی ظاہر و ہویدا ہوتی ہیں جو ایک خاص موقعے پر مرزا کی آزردگی کی وجہ سے لکھے گئے تھے جو یادگار غالب میں چھپ گئے ہیں۔ اور اِنھیں کے بعد صفائی ہوگئی تھی۔ مرزا کے بعد مولٰنا حالی کا پھر دلی میں جی نہ لگا۔ رہنے کو اُنکے بعد عرصہ تک رہے مگر ہمیشہ دل برداشتہ اور برخاستہ خاطر۔

عرصے کے بعد لاہور میں بسبب تعلقاتِ ملازمت آگئے اور یہاں مدت تک باحسن الوجوہ اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ عاشقانہ شعر گوئی کے ترک کرنے اور مسدس مدوجزر کے لکھنے کی بنیاد لاہور ہی آکر پڑی ہے۔ اِنکے آنیسے پیشتر نیچرل شاعری کی داغ بیل پنجاب کی سرزمین میں پڑچکی تھی۔ اُس پر مولانا حالی کاربند ہوئے۔ چنانچہ اسکے بعد کا جو کلام ہے وہ نیچرل اور دوسرے رنگ میں ہے۔ گویا شعر کی دنیا ہی بدل دی گئی ہے۔ لاہور سے چل کر پھر مولانا دلی پہنچے اور عربی اسکول میں مدتوں مدرس علوم مشرقی رہے۔ علاوہ مسدس اور مناجات بیوہ کے اور بھی متعدد مفید نظمیں لکھی ہیں علیگڈہ کالج کے سوا آپ اور بھی اسلامی انجمنوں میں شامل ہوکر اپنے نصائح و ہدایات پُر کلام سے ناظرین کو محظوظ فرمایا کرتے ہیں۔ نثر میں بھی تعلیم نسواں کے متعلق آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مجالس النساء رکھا ہے۔ اِس میں بالکل عورتوں کی زبان

عورتوں کے محاورات برتے ہیں۔ مجالس النسا عورتوں کی ضروری تعلیم و اصلاح کے لیئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ اور اُس کے اثر سے اکثر خاندانوں میں عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ عموماً ہندوستان میں اور بالخصوص دلّی میں شروع ہوا۔ آپ کو مسئلہ تعلیم ذکور و اناث کی طرف ہر وقت اور ہر زمانے میں خاص توجہ رہی اور اسی کوشش میں دلچسپی کے ساتھ مصروف رہے اور ہیں۔ حیات سعدی بھی آپ کی تالیف ہے جو عرصہ ہوا چھپ چکی ہے۔ اِس میں شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کی سوانح عمری اور سیر و سیاحت کے واقعات مفصل اور مشرح طور پر درج ہیں۔ اور اُنکے اقوال کا تعلیم یافتہ جماعت پر جو اثر اُنکی زندگی اور وفات کے بعد سے آج تک ہوا اُس پر بحث کی ہے۔ اور اُنکی نظم و نثر کے وہ شعر اور وہ فقرے بھی لکھے ہیں جو اُنھوں نے عربی زبان سے ترجمہ کیئے ہیں۔ اور اُنکے شاعرانہ تبحر کی خوبی اور نظم و نثر کی عبارت کی نہایت خوش اسلوبی اور لیاقت کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کی ہے ۔

اپنے مقدمۂ دیوان میں جو شعر و شاعری پر بحث لکھی ہے اور اساتذۂ عرب و یورپ کا موقع موقع سے مقابلہ حال و خیالات اور شعر کے اثر کی کیفیت لکھی ہے وہ دیکھنے سے متعلق ہے۔ کمی ہے تو صرف یہ کہ اُمّ الالسنہ سنسکرت کے مشاہیر شعرا اور اُنکے یادگار کارناموں کا ذکر نہیں کیا جس کا غالباً یہ سبب ہے کہ حضرت کو سنسکرت کی معلومات سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔

آپ سنہ ۱۸۹۰ء میں سر سید احمد خاں۔ مولانا شبلی نعمانی وغیرہ کے ساتھ حیدرآباد دکن بغرض فراہمی چندہ علی گڑھ کالج کی طرف سے گئے تھے اُس وقت وہاں کے مدارالمہام نواب سر آسمان جاہ بہادر تھے۔ وہاں آپ نے کئی نظمیں پڑھیں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اُس کے تھوڑے عرصے بعد یا اُسی زمانے میں آپ کا ماہوار وظیفہ بھی ریاستِ دکن سے مقرر ہو گیا۔ جسکے بعد آپ بالکل ملازمت سے بالکل سبکدوش اور دست کش ہو گئے ۔

سوانحہری یادگار غالب یعنی اپنے استاد نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم کی سوانح عمری بھی آپ نے لکھی ہے جس میں اُنکی لطیفہ گوئی بذلہ سنجی اور خصلت وطرز معاشرت وغیرہ کے علاوہ اُنکی اُردو و فارسی نظم ونثر کی خوبیاں اور نازکخیالیاں علیحدہ علیحدہ دکھائی ہیں اور ساتھ ہی اِس کے اُن کے کلام کا موازنہ اُساتذۂ ایران سے کیا ہے۔ اور اُنکے حل طلب اور دقیق اشعار کے معنے اور اُسکے ساتھ اُنکی ندرت وجدت بیان کرکے اُنکی فارسی قابلیت کا وہ بلند وبالا رتبہ جو عام نگاہوں سے پوشیدہ تھا اور جسکو اُس زمانے میں اُنکے ماننے والے بھی دیکھ اور سمجھ نہ سکتے تھے نہایت واضح معقول اور دلنشیں طور پر اُس کا منظر نظروں کے سامنے پیش کرنا۔ انصاف یہ ہے کہ یہ مولانا حالی جیسے قابل اور وسیع شخص کا کام تھا اور انھیں کو مبدء فیاض سے یہ دل ودماغ عطا ہوا ہے۔

سرسید احمد خاں مرحوم کی زندگی ہی سے اُنکی سوانح عمری لکھنی شروع کردی تھی۔ جو اُنکے انتقال کے بعد بڑی ضخامت میں شائع ہوئی۔ جس کا نام "حیاتِ جاوید" ہے۔ اور جس میں سرسید کے تمام حالات مشرح ومفصل تحریر کیئے ہیں سنہ ۱۹۱۰ء میں گورنمنٹ عالیہ نے مولانا کو خطاب شمس العلماء سے سرفراز کیا۔ جو اُنکی تعلیمی خدمات کے اعتبار سے ہر طرح زیبا اور مناسب ہے۔ مولانا حالی کچھ عرصے سے نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے کلام کا انتخاب فرما رہے ہیں جسکے شائع ہونیکا ہر ایک مشتاق سخن کو نہایت اشتیاق سے انتظار ہے۔ دلّی کا نام اب آپکے اور حضرت ظہیر کے دم سے روشن ہے۔ یہی دو کامل یادگار شعرائے سلف کہلانے کے اہل ہیں۔ کئی سال سے زیادہ تر وطن میں قیام پذیر رہتے ہیں گو دہلی بھی اکثر آتے رہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو بچپن سے آپکی خدمت سراپا برکت میں نیاز حاصل ہے ازبس خلوص ونوازش کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔ اب طرز کہن وجدید کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

رخ جہانسوز جسر او یکھا نظارہ افروز جس چمن میں	نہ بلبل وگل میں وہ تعلق نہ سرو وقمری میں پیار دیکھا

جو لاکھوں میں یک پہ کہیں کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
رلا رلا کے کھوج اس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جیتے جی دریائے پر خطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کرکے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے کیسا ہے کون ہے او کدھر کہاں ہے
ہوا ہے پیہم ہیں اور تجھ میں ہمیں علاقہ اک آشنا سا دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلماں
نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ اُن سے کچھ تیرا پیار دیکھا

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اسکو بٹھا کے چھوڑا

راجوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں ہیں دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جنکے اُنکو رولا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں رُوداد تیری دلکش
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

دیکھا اسے امید ہے کچھ نہ تو کنارا
تیرا ہی رہگیا ہے لے دے کے اک سہارا

توفیق نے ہمیشہ لی تنت پر خبر یاں
جب ناؤ ڈگمگائی پاس آگیا کنارا

افسوس! اہل دیں بھی مانند اہل دنیا
خود کام و خود نما ہیں خود بیں ہیں اور خود آرا

اُلفت میں دمبدم کچھ لذت ہے بڑھتی جاتی
چھوڑے گا کھا کے شاید عاشق کو غم تمہارا

دلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر
گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اسکا چرچا نہ کیجیے گا

اسی میں ہے خیر حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہمکو
کرے وہ یاد اسکی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجیے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ درد اُلفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجیے گا

اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چپکے چپکے نفس خائن کا کہا کرتا رہا

نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی
اسکو حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

دل میں باقی ہے وہی حرصِ گناہ	پھر گئے سے اپنے ہم سچتائیں کیا؟
دلکو سب باتوں کی ہے تا صبح خبر	سمجھے سمجھائے کو اب سمجھائیں کیا؟
راحت کا جہاں میں یونہی اک نام ہے گویا	راحت کی تلاش اک طمعِ خام ہے گویا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلمیں چبھ گئی	مانا کہ اُسکے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا
رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں	طعنِ رقیب دلپہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی	ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں	ہو چکا کام توانائی کا
بزمِ دشمن میں نہ جی سے اُترا	پوچھنا کیا تری زیبائی کا
اغماض چلتے وقت مروّت سے دور تھا	رو روکے اور ہم کو رلانا ضرور تھا
تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یاں	ہر خارِ نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا
روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا	کچھ صبح سے ہی شام بلا کا ظہور تھا
دُردی کشانِ بزمِ مغاں کا نہ پوچھ حال	اک ایک رندِ نشۂ وحدت میں چور تھا
سنگِ گراں ہے راہ میں تمکینِ یار کا	اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بیقرار کا
آؤ مٹا بھی دو خلشِ آرزوئے قتل	کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا
قلق اور دل میں سوا ہو گیا	دلاسا تمھارا بلا ہو گیا
وہ اُمید کیا جسکی ہو انتہا	وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
ہوا اُس کے رکتے ہی دم آخر فنا	مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا
دل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائیگا	سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائیگا
تمکو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط	اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا
اے دل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست	زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائیگا
مے تند و ظرفِ حوصلۂ اہلِ بزم تنگ	ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائیگا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں ہم
مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
جھگڑوں میں اہلِ دین کے حالی پڑیں نہ آپ
کچھ اپنی حقیقت کی گر تجکو خبر ہوتی
یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد
گر صاحبِ دل ہوتے سن کر مری بیتابی
جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجکو خبر ناصح!
جو جان سے درگزرے وہ چاہے سو کر گزرے
کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
چپ چپاتے اسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
شب کو زاہد سے نہ مٹ بھیڑ ہوئی خوب ہوا
دل نہ طاعت میں لگا۔ تب تو لگایا غمِ عشق
اسنے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹنا حالی

پوچھینگے ہم سبب تو بتایا نجائے گا
ہم وہ نہیں کہ ہمکو مٹایا نجائے گا
یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں کہ پایا نجائے گا
قصہ حضور سے یہ چکایا نجائے گا
میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا
آن پڑتی تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
تمکو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا
کچھ ہمسے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
گر آج نہ تم آتے کیا جانئے کیا ہوتا
اک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا
نشۂ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
بھڑک اٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا
کہتے پہلے سے تو لے دے کے ہٹایا جاتا

جنکے معبود حور و غلماں ہیں
ان کو زاہد خدا سے کیا مطلب

جس دل کو قیدِ ہستیٔ دنیا سے تنگ تھا
اک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
یہ ہیں واعظ اسپہ جو منہ آتے ہیں آپ
بس بہت طعن و ملامت کر چکے

وہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں ہے آج
ہم ہیں اور آستانۂ پیر مغاں ہے آج
ناصح قوم اسپہ کہلاتے ہیں آپ
کیوں زباں رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت ۔۔۔ پر جوانی ہمکو یاد آئی بہت
زیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا ۔۔۔ جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت
جاں نثاری پر وہ بول اٹھے مری ۔۔۔ ہیں فدائی کم تماشائی بہت
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو ۔۔۔ راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل ۔۔۔ کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت
اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار ۔۔۔ اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت
شوق میں اسکے مزا درد میں اسکے لذت ۔۔۔ ناصحو اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت
انکو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں ۔۔۔ دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت

یقیں ہے کہ ہم جسکو سمجھے ہیں مرنا ۔۔۔ یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہے ۔۔۔ کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

گر درد دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا ۔۔۔ آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم ۔۔۔ ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
آخر کو ماننا پڑا اے نفس خیرہ سر ۔۔۔ تیرا بھی حکم کم نہیں حکم قضا کے بعد

درگزر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے ۔۔۔ تو بتا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد
ہم دکھا دینگے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور ۔۔۔ کچھ بہت دور نہیں روز جزا اے زاہد
میں تو سو بار ملوں دل نہیں ملتا تجھ سے ۔۔۔ تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

پیاس تیری بوسے ساغر سے لذیذ ۔۔۔ بلکہ جام آب کوثر سے لذیذ
جسکا تو قاتل ہو پھر اسکے لیئے ۔۔۔ کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ

دوست ایک عالم کے ہیں مطلب کے دوست ۔۔۔ ایسے یاروں سے ہزار بار حذر

گو ہو شفا سے یاس پہ جبتک ہے دم میں دم ۔۔۔ بن آئیگی نہ درد کا درماں کیئے بغیر
گو مئے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا ۔۔۔ اے شیخ بن پڑیگی نہ کچھ ہاں کیئے بغیر

دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے
سو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
تم نے حالی کھول کر ناحق زباں
کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

یاں دے چکی جواب امید جواب خط
واں نامہ بر نے پار بھی پایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز
دوستو! دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز

کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدر شناس
قدر یاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائیگا ہمسے یہ فسانا ہرگز

ڈھونڈتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئینگی
کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

لیکے داغ آئیگا سینہ پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر غلطاں تہ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانیکے نشاں بھی اب تو
اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں
نظر آتا نہیں اک ایسا گھرانا ہرگز

ہمکو گر تونے رلایا تو رلایا اے چرخ
ہمپہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

یاں سے رخصت ہو سویرے کہیں عیش و نشاط
نہیں اس دور میں اب تیرا ٹھکانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی
ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی یارو!
یاد کر کر کے اسے جی نہ کڑھانا ہرگز

غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق
اب دکھائیگا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز

مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد
شعر کا نام نہ لیگا کوئی دانا ہرگز

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانا ہمکو
ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز

داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
نہ سنیگا کوئی بلبل کا ترانا ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ دیکھوگے کبھی لطف شبانا ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رلانا ہرگز

درد اور درد کی ہو سب کے دوا ایک ہی شخص
یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

جمگھٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے
آج ویسا کوئی دے ہمکو دکھا ایک ہی شخص

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر
آئے ہیں آج چھوٹ کے قید گراں سے ہم

کہتے ہیں جسکو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں

بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
اُلفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

ہے جستجو کہ خُوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھیرتی ہے دیکھئے جاکر نظر کہاں

ہیں دَور جام اوّل شب میں خودی سے دُور
ہوتی ہے آج دیکھئے ہمکو سحر کہاں

اک عُمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذّتِ زخمِ جگر کہاں

یارب اِس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اُسکو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں

کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر
اِس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تُو مگر کہاں

بس ہو چکا بیاں کسل و رنج و راہ کا
خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں

ہوتی نہیں قبول دُعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

اگر چھوڑا کمندِ جذبۂ عشق زلیخا نے
نہ رہنے دیگا حسنِ خود نُما یوسف کو کنعاں میں

تصوّر نے بھلایا تیرے حُسن شادی و غم کو
نہ کچھ کلفت ہے زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں

زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
نہ پوچھو ہمسے کیا سمجھا ہے ہمنے بزم رنداں میں

مجکو تُم سے ہے اعتمادِ وفا
تُمکو مجھ سے پہ التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
زندگی موت ہے حیات نہیں

یونہی گزرے تو سہل ہے لیکن
فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں

قیس ہو ۔ کوہکن ہو ۔ یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

یاں بھی ہے کون و مکاں سے دلِ وحشی آزاد
جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں

آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نجائے
اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں

ہیں تو ہیں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

کل خرابات میں اک گوشے سے آتی تھی صدا
دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں

دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کونسی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہمکو سروکار نہیں

کچھ پتہ منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیّاد گھات میں
مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

میرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو
مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

تقاضائے محبت ہے وگرنہ
مجھے اور جھوٹ کا تیرے گماں ہو!

مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں
بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو

دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہے یہ دل
وہ امیدیں ہیں نہ ارماں ۔ وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ

یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر
تو تو اچھا ہے مگر تیرے برے ہیں برتاؤ

دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسیکا نہیں دوست
سچ بتا تجکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہی اگر مفت تو بک
آجکل سمجھے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ

ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھوٹا نہ ہو
ناصحو آپ ہمیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ

اسکے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

دریغِ حق ہیں عجب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ

یہ طبلِ تہی ہیں جو ہنکارتے ہیں
جنہیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ

یہ ہے مہرِ مجلس کہ چینی کی مورت ؟
ٹٹو لو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

حقیقت محرمِ اسرار سے پوچھ
مزا انگور کا میخوار سے پوچھ

وفا اغیار کی - اغیار سے سن
مری الفت در و دیوار سے پوچھ

دلوں میں ڈالتا ذوقِ اسیری
کمندِ گیسوئے خمدار سے پوچھ

ہے انکی دوستی پر ہمکو تو بدگمانی
وہ ہمکو دوست سمجھیں یہ انکی مہربانی

عاشق کے دلکو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے
دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی

امیدِ وصل سے کچھ جی ٹھہرائے دیتا
جو کچھ سنا ہے ہمنے مشاطہ کی زبانی

ہر حکم پہ ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش
کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی

صبر و سکوں سے ہمکو یہ بھی نہ بیٹھنے دے
تھوڑی سی رہگئی ہے لے کاہشِ نہانی

پھر یہ بنائے ہستی ہے، تیرے بعد ویراں
ہو تو بھی اب غنیمت ای ضعفِ ناتوانی

دیکھا جمالِ جاناں آنکھوں نے اور دل نے
کیا جانے کس ادا سے کی اسنے دلستانی

اک نکتہ کے بیاں سے سر بر نہ ہونگے حالی
چلتا نہیں کسیکا یاں لافِ نکتہ دانی

کہدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے
گر مے نہیں دے زہر ہی کا جام بلا سے

درگزرے دوا سے تو بھروسے پہ دعا کے
درگزریں دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے

کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دیگی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

وصل کا اسکے دلِ زار تمنائی ہے
نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

قطعِ امید نے دل کر دیا یکسو صد شکر
شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے

قوتِ دستِ جدائی ہے شکیبائی میں
وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے

بات سچی کہی اور انگلیاں اٹھیں سبکی
سچ میں حالی کوئی رسوائی سے رسوائی ہے

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تف کیجئے
نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجئے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو
وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے

وفا شرطِ اُلفت ہے لیکن کہاں تک
دل اپنا بھی تجھسا ہوا چاہتا ہے

جسکو غصے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر کیجے
اِس بھلائی کا ہے انجام بُرا یاد رہے

شیخ ایمان شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے
توبہ اُنکی ہے جنھیں اپنی خطا یاد رہے

چارہ گر کار باندازۂ تدبیر نہیں
کیجیو ہمت اگر وقتِ دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی سے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اِس لطف کا پائینگے مزا یاد رہے

کر دیا خوگر جفا تو نے
خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے

کر کے بیمار دی دوا تو نے
جان سے پہلے دل لیا تو نے

ابتدائے وفا ہے سر دینا
میری دیکھی نہ انتہا تو نے

دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل
اور کھویا رہا سہا تو نے

دُور ہو اے دلِ مآل اندیش
کھو دیا عُمر کا مزا تو نے

ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ
کیا کیا چشمِ آشنا تو نے

دل وہیں کھو کے آئے تھے سو یہ
یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

وصلِ جاناں محال ٹھیرایا
قتلِ عاشق روا کیا تو نے

تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں
غم کو راحت فزا کیا تو نے

خوش ہے اُمیدِ خلد پر حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان
قیدِ ہستی میں ہیں مہمان فراغت کیسی

حق وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

حشر تک یاں دل شکیبا چاہیئے
کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیئے

ہے تجلی بھی نقابِ روئے یار
اُسکو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیئے

وہاں پرسش نہ یاں تابِ سخن ہے
محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

دھوم تھی اپنی پارسائی کی
کی بھی اور کس سے آشنائی کی

منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے
تم کو عادت ہے خودنمائی کی

لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں
صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی

ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن
ہم سے باتیں کرو صفائی کی

نہ ملا کوئی غارت ایمان
رہ گئی شرم پارسائی کی

بخت ہمداستانی شیدا
تو نے آخر کو نارسائی کی

صحبت گاہ گاہی رشکی
تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی

موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے
ساعت آپہنچی اُس جدائی کی

جدید

نہ عیشِ گنجِ خسروی رہیگا نہ صولت بہمنی رہیگی
رہیگی اے منعمو تو باقی دیئے کی کچھ روشنی رہیگی

رہیگی کس طرح راہِ ایمن کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن
خدا نگہباں ہو قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہیگی

قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو عقبولِ عام ہونا
جو ڈول ڈالو گے حسنِ ظن کا تو تمسے بدظنی رہیگی

بگاڑ ڈالے ہیں جو ہیں ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے
یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی یونہی ٹھنی کی ٹھنی رہیگی

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اُتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائیگا جہاں میں اگر یہی روشنی رہیگی

جو چھوڑے ہے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ ہوں نہ وارث
رہینگے ہر حال میں غنی وہ جو نیت انکی غنی رہیگی

ایضاً

نفس کی عمریاں روائی ہو چکی
خودپسندی خودنمائی ہو چکی

قطرہ آب دریا میں جا ملنے کو ہے
تیری میعاد اے جدائی ہو چکی

جلتے ہیں یاں جبریل کے شہپر جہاں
بے پروں کی واں رسائی ہو چکی

دیکھنا ہے تجکو اب اے جذب عشق
عقل کی زور آزمائی ہو چکی

ڈیرہ یاں کبھی لیجے قسمت آزما
مسجدوں میں جبہہ سائی ہو چکی

خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو
باپ دادا کی بڑائی ہو چکی

ہے ضرورت زاہد اب تشہیر کی — شہرت زہد ریائی ہو چکی

ق ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب — شرک و بدعت کی چڑھائی ہو چکی

فلسفے سے اسکی اب مٹھ بھیڑ ہے — سفسطے سے ہاتھا پائی ہو چکی

رہ گئی ہے مذہب و ملت کی جنگ — ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی

ہو نہ مذہب کی صفائی جب تلک — اہل مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں سننے کا ایسے حالی دماغ — بس بہت یاوہ سرائی ہو چکی

ایضاً

مستیٔ جہل میں غفلت کا نشا اور سہی — شب تاریک میں گھنگھور گھٹا اور سہی

دوستو! روگ بظاہر نہیں جانے والا — ہو چکیں ختم دوائیں تو دعا اور سہی

سرگشتہ عفو کی امید پہ کرنا ہے خطا — ہیں جہاں لاکھ گنہ ایک خطا اور سہی

شہ کو ہے خوف عدو خوف اجل خوف زوال — کہہ دو لے بے خبر اک خوف خدا اور سہی

سب وفا کونسی خوبی ہے نہیں جو تجھ میں — وصف اتنے ہیں جہاں ایک وفا اور سہی

ترک دنیا کے علاوہ تو کیئے سب زاہد — گر مناسب ہو تو اک ترک ریا اور سہی

رباعیاً

مدرسے میں نہ ملا کچھ تو نہ توڑ آس کے دل — اک در دولت ساقی پہ صدا اور سہی

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہتے ہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ — اپنوں کو سلوک نیک سے پرچاؤ

پر مد نظر ہو گر حیات ابدی — بیگانوں کو آشنا بناؤ! جاؤ!!

دام محبت

ہے جنکو کہ صید دل انساں کا خیال — لازم ہے کہ پھیلائیں محبت کا جال

استاد کو یاد ہو اگر حب کا عمل — تعطیل میں بھی نہ چھوڑیں کتب اطفال

شکوک بقدر ترقی علم بڑھتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جسقدر علم بشر — کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر

ہوتی جاتی ہے دھندلی اتنی فضا	جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

زندہ اور مُردہ قوموں میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے روح جہاں	چونک اٹھتے ہیں اک ہاں پہ ہاں پیر جواں
کرتی نہیں وہی مردہ قومیں وہ کام	جو کام اک کارٹون کرتا ہے وہاں

غیروں کا سہارا تکنا

اُترو دریا سے اپنے بل تیر کے پار	کب تک تیرو گے ہو کے تونبوں پہ سوار
تم ڈوبنے کے پر کر رہے ہو ساماں	غیروں کا سہارا تکنے والو ہشیار!!

دولت مفید بھی ہے اور مضر بھی

دولت خرمن بھی برقِ خرمن بھی ہے	ہر تیر کی ڈھال بھی ہے جوشن بھی ہے
تھوڑا سا ہے اس میں شر تو ہے خیر بہت	گر سانپ ہے یہ تو سانپ کا من بھی ہے

قلتِ احتیاج

دولت کی ہوس- اصل گدائی ہے یہ	ساماں کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے تو بادشاہی ہے یہ	اور کچھ نہیں حاجت تو خدائی ہے یہ

احسان بے منت

احسان کے ہے گر صلہ کی خواہش تمکو	تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احساں نہ کرو
کرتے ہو جو احسان تو کر دو اُسے عام	اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

حامد- مرزا آغا جان نام- لکھنو کے رہنے والے اور صبا لکھنوی کے شاگرد تھے ۱۲۶۶ھ ہجری کے گلدستۂ شعرا میں انکی غزل چھپی تھی- اُسی سے یہ انتخاب درج کیا جاتا ہے-

لوٹے مزے وصال کے ہر دم تمام شب	سونے دیا نہ سوتے ذرا ہم تمام شب
فرقت میں کیا کہوں جو گزرتی ہے صبح تک	رہتا ہے دل کا اور ہی عالم تمام شب
بستر پہ منہ لپیٹ کے پڑ رہتے ہیں ہجر میں	مردے کی طرح رہتے ہیں ہمدم تمام شب

رہتا ہے کیا تصورِ مژگاں سحر تلک
مصروف سیر راہ رکھا اُس نگار کو
حامد کسی طرح نہیں آتا ہے دل کو چین

سُولی پہ دل کو دیکھتے ہیں ہم تمام شب
دیکھا کیا ہیں حُسن کا عالم تمام شب
رہتی ہے اُنکی یاد جو ہر دم تمام شب

حامد۔ شیخ حامد حسن خانصاحب حامدؔ کبوہ بریلوی شاگرد حضرت ہوش ۱۸۸۶ء میں جو بریلی میں مشاعرے ہوا کرتے تھے اُن میں شریک تھے۔ زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا چند غزلیں ہاتھ آئیں اُنکا انتخاب پیش کش ہے۔

ثابت ہے جذبِ دل سے کہ وہ یار آئیگا
کام آئیگا اگر تو دلِ زار آئے گا

بُلبل کی قید کا اُسے اسام کُھلے کا حال
صیاد جب بلا میں گرفتار آئے گا

مرے چھٹکے نہ چھوٹیں رنج سے کوچیں بھلا کیونکر
وہ جائے غیر کے گھر سیکھنے جب کھیل چوسر کا

مُردے ہو جاتے ہیں زندہ سُنکے ای عیسیٰ نفس
نام کیا قُم ہے تری پازیب کی جھنکار کا

پار جو ہوتا ہے رہتا ہے وہ زندہ حشر تک
واہ کیا ہے گھاٹ اے قاتل تری تلوار کا

مرحبا دستِ جنوں اچھی دکھائیں تیزیاں
تار تک باقی نہ چھوڑا دامنِ کہسار کا

کس کماں ابرو نے مارا تیر بتلاؤ مجھے
زخم تن ہر دم جو دم بھر تا ہا سوفار کا

فصلِ گل میں بھی یہ صیاد نے کے بلبل پہ ہیں ظُلم
جب رہا کرتے ہیں وہ کاٹ کے پر کرتے ہیں

لطف حاصل تب ہمیں اے قاتل بے پیر ہو
تیغ تو تو لے ہو سینہ میں ترا زو تیر ہو

وقت لکھنے کے اگر اُس مصحفِ رُخ کی ہو یاد
پھر تو جو نامہ لکھوں قرآن کی تفسیر ہو

ہوا ہوں حسرتِ دیدار میں عجب کیا ہے
جو بعد مرگ بھی وا چشمِ انتظار رہے

جو اشک وآہ نے امداد کی تو چل نکلے
ہمیشہ نالے مرے ریل پر سوار رہے

پنجہ مرگ میں صیاد نے پھنسکر یہ کہا
ہائے تاثیر نہ ہوا کیوں ہیں جہاں سے پہلے

کسی طرح مٹتی نہیں دل سے یہ
محبت بھی داغِ جگر ہو گئی

عبادت کی اے شیخ یا پی شراب
یہ عمرِ دو روزہ بسر ہو گئی

دہن سانپ کا موتیوں سے بھرا
پسینے میں کاکل جو تر ہو گئی

حامد — حامد۔ مولوی حامد علیخان حامد خلف حافظ غلام علیخاں باشندۂ شاہ آباد ضلع ہردوئی زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا کلام ملاحظہ ہو۔

ہنگام ذبح بھی میری وحشت کا زور ہے
بڑھتے ہیں ہاتھ دامن جلّاد کے لیئے

وہ صبر دوست ہوں کہ اسیری میں بھی کبھی
کی بددعا زباں سے نہ صیّاد کے لیئے

آزاد ہے دل وسوسۂ ہر دو جہاں سے
ہے ہمکو تعلق نہ مکیں سے نہ مکاں سے

کہتے ہیں مجھے اہل جہاں آپ کا عاشق
اے مشفق من آپ بھی کچھ کہیے زباں سے

اس میکدۂ دہر میں بیہوش ہوں ایسا
معلوم نہیں کون ہوں آیا ہوں کہاں سے

حامد — حامد۔ نواب حامد حسین خاں بہادر رئیس لکھنؤ۔ آپ نواب امین الدولہ مغفور وزیر حضرت امجد علیشاہ کے پوتے اور نواب اشرف الدولہ احمد حسن خاں کے فرزند رشید تھے۔ بعد غدر کے سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی پاکر سب ججی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ دس گیارہ برس ہوئے انتقال فرمایا۔ ازل سے موزوں طبع لائے تھے۔ اور فن شعر میں تدبیر الدولہ منشی اسیر سے تلمذ تھا۔ معانی آفریں طبیعت پائی تھی۔ زبان۔ بندش۔ اور ترکیب سب وصف اُنکے کلام میں موجود ہیں۔ نتائج افکار سے چند شعر حاضر کیئے جاتے ہیں۔

چلّا رہی ہے روح یہ لیلیٰ کی نجد میں
یارب یہیں تو تھا مرا مجنوں کہاں گیا

چمن کو چھوڑ کے مقتل میں آرہے بلبل
جو دیکھ لے مرے گلہائے زخم تن کی بہار

سلام آج سے بس ہمارا ہی صاحب
تمہارا اگر رنگ محفل یہی ہے

وہ حسرت دل میں پنہاں تھی جو جیتے جی نہیں نکلی
جو نکلی بھی تو مر کے بوقت دعا نہیں نکلی

چمک میں چاند سے تو بڑھ کے قاتل کی جبیں نکلی
چھپا منہ شرم سے اُس غیرت ماہ جبیں نکلی

کہیں ہم جستجو کرتے پھرے اور یہ کہیں نکلی
نہ نکلی آسماں پر نہ دنیا وہ سب زیر زمیں نکلی

یہ کس نے پاؤں رکھا ہے کہ چشم اہل عالم میں
بلندی میں فلک سے بھی کہیں بڑھ کر زمیں نکلی

اسے کہتے ہیں دلجوئی لگا کر تیغ وہ بولے
ابھی نکلی تمنا تیر سے دل کی یا نہیں نکلی

فشار قبر نے جب ہڈیاں پیسیں ہوا ثابت
فلک کی سختیوں سے بھی کہیں بڑھ کر زمیں نکلی

نہ لائی سوزش فرقت کی جب دم تاب سینے میں
جلا کر دل جگر کو منہ سے آہ آتشیں نکلی

سوال وصل میں کس دن بر آیا مدعا دل کا
بعوض ہاں کے تمہارے منہ سے جب نکلی نہیں نکلی

حامد منشی حامد حسین قادری نام۔ حامد تخلص۔ والد کا نام مولوی احمد حسن صاحب وطن قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد۔ منشی امتیاز احمد خاں صاحب امتیاز رامپوری سے تلمذ ہے۔ ان کے والد عدالتہائے ریاست رامپور میں وکیل ہیں۔ عرصہ دراز سے یہیں قیام ہے۔ کلام میں مزا اور جدّت ادا مضمون میں اچھا سلیقہ ہے۔ مذاق شعر شستہ اور زبان صاف ہے۔ آپ کے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ہوتی رہتی ہے خلش درد کی اکثر دل میں
رہ گیا ہو نہ کہیں ٹوٹ کے نشتر دل میں

جو مزا تیری جفا میں ہے کسی شے میں نہیں
گھر بنا لیتے ہیں یہ خنجر و نشتر دل میں

میرا دشمن جو اسے کچھ بھی خبر ہو اس کی
آپ آئیں تو یہی خنجر سے چھپ کر دل میں

کبھی ہنستا ہوں تیری دھن میں کبھی روتا ہوں
پاس رہتی ہے تمنا کے برابر دل میں

یہ بڑا حسن ہے تصویر میں اس کی حامد
گھر بنا لیتی ہے آنکھوں سے اتر کر دل میں

نکالا آج اسے تو کل اسے شان تلون نے
پڑے رہتے ہیں ہر روز نقشے انکی محفل کے

بہت بیزار ہوں جینے سے تو ہی مہربانی کر
کہ اٹھ سکتے نہیں ای موت مجھ سے ناز قاتل کے

الٰہی کیا کروں راہ محبت کس طرح طے ہو
کھڑے ہو جاتے ہیں آگے پہاڑ آ کے مشکل کے

ترے تیروں نے ای ناوک فگن کیا انکو چھیڑا ہے
یہ آخر پھوٹ کر رونے لگے کیوں آبلے دل کے

کہیں تو بھی نہ تڑپے او تماشا دیکھنے والے
ارے ظالم نہ کھا چرکے لگا کر پاس بسمل کے

نہ مارا انکو تیروں سے ستمگر میں نہ کہتا تھا۔
کہ ساتھ اشکوں کے اب آنے لگے ٹکڑے جگر دل کے

تمہاری تیغ کا احسان نہ کیونکر میرے سر پر ہو
کہ حسرت قتل کی اس نے نکالی ہے گلے مل کے

وہ تیری تیغ ہے آئیگا جس سے چین حامد کو
وہ تیرا تیر ہی نکلینگے جس سے حوصلے دل کے

ستمگر کے بل سب نکل جائیں گے
وہ بدلے تو ہم بھی بدل جائیں گے

شب وصل ہوگی تو اے آسمان
یہ انداز تیرے بدل جائیں گے

یہی سوزِ غم ہے تو عاشق کہاں
غریب اک نہ اک روز جل جائیں گے

لحد سے اُٹھکے ظالم دیکھ لوں میں تیری صورت بھی
جو آیا ہی تو کرتے چال سے برپا قیامت بھی

ترا غصہ بھی مجکو یاد ہے تیری عنایت بھی
مری آنکھوں میں پھرتی ہے یہ صورت بھی وہ صورت بھی

جب آئے ہجر کے دن گھر مرے تو ساتھ ہی اُنکے
چلی آئی سمٹ کر ساری دُنیا کی مصیبت بھی

اُٹھا ہی درد اُٹھا جب کبھی نشتر لگانے کو
تو دل میں پھانس بنکر چبھ گئی ہو اُنکی حسرت بھی

اب اُنسے سامنا ہوتا ہے تو مُنہ پھیر لیتے ہیں
کہاں کی رسم اُلفت چھوڑ دی صاحب سلامت بھی

تمہاری یاد جب چٹکے لگاتی ہو مرے دل میں
کھٹک کرتا ہے پیدا کس مزے کی خارِ حسرت بھی

جناب شیخ کیا کچھ آڑ میں تقوے کی کرتے ہیں
کوئی کیا انکو جانے آپ ہی حضرت ہیں حضرت بھی

پشیمانی ذریعہ ہو گئی بخشش کا اے واعظ
بہے جب اشک تو بہنے لگا دریائے رحمت بھی

تری محشر خرامی نے لگائیں ٹھوکریں کیا کیا
بڑے مشکل سے سنبھلے آج فتنے بھی قیامت بھی

کہا قاصد سے کہنا عمر بھر یونہی بسر ہوگی
کہاں کا خط ہمارا پڑھ چکے وہ خطِ قسمت بھی

یہ کون آتا ہے یا وہ آتے ہیں شاید سیرِ گلشن کو
خبر کے ساتھ ساتھ اُڑنے لگی پھولوں کی رنگت بھی

بسر ہوتی ہے اپنی زندگی کس لطف سے حامد
خدا رکھے مزے کی چیز ہے دردِ محبت بھی

نہ مانونگا تمہاری یاد ہی تڑپا گئی ہوگی
اسی نے آکے چٹکی لی کلیجے میں یہی ہوگی

چلا یہ کون میرے پاس سے راہِ محبت میں
یہ کسکے ساتھ چھوڑا اب مروت زندگی ہوگی؟

پھرا کرتا ہے یہ کیوں میکدے کے گرد او تکو
کہیں زاہد نے چھلکی خشتِ رز کی دیکھ لی ہوگی

بتوں کو چھوڑ حامد نور ایماں دل میں پیدا کر
یہی وہ چیز ہے مرقد میں جس سے روشنی ہوگی

حامد — محمد حامد علیخاں صاحب قلمنویس عدالت سب ججی سلطانپور آودھ چند شعر درج ذیل ہیں

خود اپنے ظلم پہ ظالم تو منفعل ہوگا!	جو دیکھنے مرا حال خراب آئے گا
اثر کیا جو مرے جذبۂ محبت نے	اُسے جفاؤں سے خود اجتناب آئیگا
یہ دَور پھر بھی غنیمت ہے گو ہے پُر آشوب	اب آگے اور بھی اس سے خراب آئیگا

حامد مشفقی و محبّی مسٹر حامد علیخاں صاحب بیرسٹرایٹ لا خلف حکیم امجد علیخاں صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر۔ آپ کے بزرگ عہد سلطنتِ مغلیہ میں اعزاز و احترام کے ساتھ مناصب جلیلہ پر معزز و ممتاز رہے ہیں۔ آپکا خاندان عرصۂ دراز سے قصبۂ امروہہ میں سکونت پذیر ہے اور اس خاندان میں طبابت کا سلسلہ کئی پشت سے نہایت نیکنامی اور شہرت کے ساتھ جاری ہے۔ آپکے مورث اعلیٰ مولانا شیخ سماء الدین سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں دہلی میں رونق افروز تھے۔ سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی کے عہد میں آپکے مورث نصیر الدین شیخ الاسلام کے جلیل القدر عہدے پر ممتاز تھے۔ اسی طرح مفتی جمال خاں۔ مفتی دولت اُستاد خواجہ میر درد مرحوم - نواب اعظم الدین خان حکیم فیروز علیخاں منصبدار پانصدی آپکے اجداد میں نامور ہوئے۔ حکیم قوام الدین خاں حکیم علوی خاں کے شاگرد اور اُنکے بیٹے حکیم امام الدین خان عالمگیر ثانی کے عہد میں شاہی طبیب تھے اور حکیم الملک کے خطاب سے ملقب تھے۔ آپکے پردادا حکیم غلام علیخاں صاحب دلی چھوڑ کر امروہے جا بسے اور معالجات کی بدولت اچھی شہرت حاصل کی۔ اسیطرح آپکے دادا حکیم ابو علیخاں صاحب نے بھی خاندانی اعزاز کو قائم و برقرار رکھا۔ آپکے والد ماجد حکیم امجد علیخاں صاحب جو ایام غدر میں شاہجہان پور میں تحصیلدار تھے اور بعدہٗ ڈپٹی کلکٹر بھی رہے صاحب اخلاق حسنہ تھے۔ ۱۹۰۷ء میں رہگرائے عالم باقی ہوئے۔ آپ ۱۲ دسمبر ۱۸۶۱ء میں بمقام بریلی (روہیلکھنڈ) پیدا ہوئے۔ فارسی عربی اور انگریزی تحصیل کی۔ اپریل ۱۸۸۰ء میں لندن جاکر سند بیرسٹری حاصل کی۔ انگریزی زبان میں کمال لیاقت رکھتے ہیں۔ اور اُس زبان میں بھی صاحب تصانیف نظم و نثر ہیں۔ ۲ نومبر ۱۸۸۵ء میں ہندوستان واپس آئے اور بیرسٹری شروع کی۔ آپکے مفصل حالات مختلف انگریزی

اور اُردو رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ لکھنؤ میں میر لفیس جیسے صاحب کمال سے آپکے مراسم تھے اور میر صاحب موصوف آپکے معترف رہتے تھے۔ شعر و سخن سے اُنکو ایسی وابستگی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ حامد علیخاں صاحب کو فن شعر میں شیخ علی حزیں صاحب لکھنوی شاگرد مظفر علیخاں صاحب اسیر سے تلمذ ہے۔ راقم تذکرہ کے مخلص بے ریا ہیں ہمیشہ عنایت ناموں سے جنمیں خلوص و شرافت۔ مہر و محبت کے دفتر کھولدیا ہے۔ عزت افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ آپ لکھنؤ کی علمی جماعت کے سر برآوردہ ممبر ہیں۔ اور اپنی ہر دلعزیزی خوش اخلاقی۔ زندہ دلی کی وجہ سے تعلیم یافتہ سوسائٹی کی روح رواں ہیں شیعہ جماعت کے پاسخ اور پادو قریکن سمجھے جاتے ہیں۔ کلام پر اصحاب ذوی الاحترام ہے ؂

پیری میں کوچ حسن جوانی کا کر گیا　　آئی خزاں بہار کا موسم گزر گیا
اشکوں کے ساتھ بہنے لگا آرزو کا خون　　تیر نگاہ یار جو دل سے گزر گیا
دُنیا مقام غم ہے خوشی نام کو نہیں　　جو اس مکاں میں رہنے گیا نوحہ گر گیا
اُنکے مزاج میں بھی تلوّن غضب کا ہے　　رنگ زمانہ ہے اِدھر آیا اُدھر گیا
دیکھے نرم دل سخت بتوں کے تو نے　　تجھسے کچھ کام نہ آہ دل سوزاں نکلا

جب تک کہ تجھے یاد مرا نام نہ آیا　　او بھولنے والے مجھے آرام نہ آیا
دولت کو نہ کر جمع کہ پچھتائیگا منعم　　کس کام کا وہ زر جو ترے کام نہ آیا
جو دوست کی مرضی ہو وہ مرضی ہو ہماری　　اچھا وہ نہ آیا جو لب بام نہ آیا
اے چرخ عوض ظلم کے گردش ہی تجھکو　　مجھکو جو ستایا تجھے آرام نہ آیا
ساقی کا یہ احسان نہ اُٹھتا کبھی ہمسے　　اچھا ہوا ہم تک جو کوئی جام نہ آیا
اللہ ہی نگہبان ہو اُس دل کا کہ جسپر　　تو نے بھی دھرا ہاتھ تو آرام نہ آیا
کیا خوب بسر عمر دو روزہ ہوئی حامد　　صد شکر کسی کا کوئی الزام نہ آیا

حالت تھی نزع کی کہ یہ فرقت کا درد تھا　　بیچیں تھے ہاتھ پاؤں مرا جسم سرد تھا

بدلی ہزار شکل مگر شکل تھی وہی
الٹا جو لفظِ درد کو تب بھی وہ درد تھا

صیّاد بھی تڑپنے لگا تھا قفس کے پاس
اس درجہ نالۂ دلِ بلبل میں درد تھا

تو بھی جگر کو تھام کے بیتاب ہو گیا
دل کا ہمارے درد ترے دل کا درد تھا

کیونکر نہ ہو یہ جذبِ محبت کا تھا اثر
بے چین وہ بھی تھے جو مرے دل میں درد تھا

تیری نگاہ میں کشش کس بلا کی تھی
ہمراہ دل کے جانے پہ بیتاب درد تھا

کس کس جگہ بتاؤں تمھیں پوچھتے ہو کیا
دل میں۔ جگر میں۔ سینے میں پہلو میں درد تھا

رگ رگ میں اس نے بھر دیئے تھے عشق کے مزے
دل سے سوا عزیز مجھے دل کا درد تھا

یہ داغِ رنج و غم دلِ بسمل میں رہ گیا
دھبّہ لہو کا دامنِ قاتل میں رہ گیا

جو ساتھ ساتھ آئے تھے وہ سب چلے گئے
تنہا فقط میں گور کی منزل میں رہ گیا

آنکھوں کا حسن خون سے بسمل کے بڑھ گیا
کیا رنگ تھا کہ دیدۂ قاتل میں رہ گیا

آنکھیں لڑا کے آنکھوں میں سب کچھ وہ کہہ گئے
جو دل کا مدعا تھا وہی دل میں رہ گیا

کھلتا ہے دل میں روز گلِ داغ اک نیا
المختصر یہ ثمرہ ہے عمرِ دراز کا

فکرِ رسا سے بات نکلتی ہے بات میں
کیونکر تمام وصف ہو زلفِ دراز کا

کرتا ہے قدسیوں کے بھی دل پر عجب اثر
تیرا ادا و ناز سے پڑھنا نماز کا

کس منہ سے دوستوں کے بھلا راز داں ہیں ہم
دشوار جب چھپانا ہو اپنے ہی راز کا

ممکن نہ ہو گا شربتِ دیدارِ یار کیا ؟
پیغامِ مرگ ہے مرضِ انتظار کیا ؟

منت سے بھی تمہارے تو ہیں سکو کیا کروں
اے دل کسی کے دل پہ تجھے اختیار کیا

باغِ جہاں میں سیر کی فرصت کہاں ہمیں
آئے بہار کیا جو نہ آئے بہار کیا

دل کی شگفتگی سے عجب میرا حال ہے
گلشن ہے اک طرح سے خزاں کیا بہار کیا

کچھ نہ تھا ہمراہِ میت وہ فقط ہمراہ تھے
رو دیئے دشمن جنازے پر یہ ساماں دیکھ کر

ابتدائے عشق ہی میں اُف مرا جوشِ جنوں
بھاگتا ہوں سوئے صحرا شکلِ انساں دیکھ کر

کیا اجارہ اس میں حامدؔ ہے جسے جو چاہے دے
حریصِ دولتِ دنیا نہ اتنا ہو منعم
وہ یاد کرتے ہیں لیکن کبھی بُلاتے نہیں
جواب دیتے ہیں وہ سیدھی بات کا ٹیڑھا
کچھ احتیاج نہیں خط کے لکھنے کی قاصد
جو میرے دل میں ہے اُنکی زبان پر ہے وہی
تناسب ہے ترے اعضا میں سر سے پاؤں تک ایسا
تری قدرت کا اے خالق یہ ادنیٰ سا نمونہ ہے
پڑھا کرتے ہیں تربت پر مری وہ فاتحہ آکر
جوانی ہے مئے اُلفت کے وہ سرشار بیٹھے ہیں
مری غم کی کہانی سنکے تغیر یہ کیا پیدا
تو ہی واقف ہے بس یا رب یہ مرتے دم ندامت ہے
دمِ آخر تجھے دیکھا جہاں کے رنج سب بھولا
جنسِ اُلفت کی دُکاں کھولکے بیٹھے تو کوئی
یہی حالت تمھاری ہو جو دم بھر دیکھتے جاؤ
دفن ہیں کیا کیا شہیدِ داغِ اُلفت جا بجا
کسی نرگس کا متوالا کوئی مستانہ آتا ہے
کسی سے بغض ہے رشک کدورت ہے نہ کینہ ہے
ارتھا کو سُنا دیتے ہیں جو دل پر گزرتی ہے
سُنا ہے حُسن کے چرچے ہمارے عشق کے قصے
یہ سرخی آگئی چہرہ پہ کیسی مہرو اسکے

رشک کرتا ہے عبث انساں کو انساں دیکھکر
غنی جو دیکھے ہیں اُنکو گدا سمجھتے ہیں
ہمارے ذکر کو ہم سے سوا سمجھتے ہیں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا سمجھتے ہیں
وہ خوب دل کا مرے مدعا سمجھتے ہیں
وہ بے کہے ہوئے مطلب مرا سمجھتے ہیں
نظر پڑتی ہے جن لوگوں کی آن پر صاد کرتے ہیں
کہ ہم اس عالمِ ایجاد میں ایجاد کرتے ہیں
خدا آباد رکھے روح کو جو شاد کرتے ہیں
نہ وہ ہشیار بیٹھے ہیں نہ ہم ہشیار بیٹھے ہیں
یہی اغیار تھے پہلے جواب غمخوار بیٹھے ہیں
اداے حق سے ہیں تیرے بہت مجبور جاتا ہوں
وہیں چھوڑے جہاں کے غم تجھے اب مسرور جاتا ہوں
گنج دم بھر میں خریدار ہوئے جاتے ہیں
ذرا تم ہاتھ رکھکر قلبِ مضطر دیکھتے جاؤ
کوہ و صحرا و چمن میں لالہ پیدا کیوں نہو
دکھاتا سیرِ عالم دیکھیے دیوانہ آتا ہے
دل اپنا صاف ہے سب ہیں یارانہ آتا ہے
ہمیں اپنی ہی ہستی کا فقط افسانہ آتا ہے
دو عالم کو جو آتا ہے یہی افسانہ آتا ہے
دمِ آخر لطف شاہد رُخ جانانہ آتا ہے

چمن کے پتّے پتّے پر عجب فرحت برستی ہے
اُڑاتا خاک صحرا کی کوئی دیوانہ آتا ہے

ریاضت عمر بھر وہ کی کہ جب پیرانہ ہے حامد
اسی کمبخت دل کا کچھ ہمیں افسانہ آتا ہے

دیگر

آتشِ غم کا پتہ دیتی ہیں آہیں اپنی
آگ دیکھی ہے جہاں ہم نے دھواں دیکھا ہے

تیری قدرت کا تماشا کوئی ہم سے پوچھے
ایک ذرّے میں وہ عالم کا سماں دیکھا ہے

تیرے دیدار کو مجموعۂ عالم کھینچے
تجکو دیکھا ہے تو سارا ہی جہاں دیکھا ہے

جنکا تکیہ ہے توکّل پہ قناعت شیوہ
ایسے ہی لوگوں کو پیری میں جواں دیکھا ہے

رازِ سربستہ رہا سب پہ طلسمِ عالم
یوں تو کہنے کو کہیں سارا جہاں دیکھا ہے

اپنے سودے کا سبب ہیں جو معنبر زلفیں
اُنھیں زلفوں میں علاجِ خفقاں دیکھا ہے

بات کے ہونگے دھنی اور بھی دُنیا میں بہت
ایک حامد کو مگر ہمنے بھی ہاں دیکھا ہے

کسی کی دید کے طالب ہوئے عبث موسیٰ
جو آرزو کہ نکلتی وہ آرزو کرتے

ہمیں تو عشق و حیاتِ ابد برابر ہیں
نہ مرتے ہم تو جینے کی آرزو کرتے

آنکھیں فلک پہ جھپکی ہیں خورشید و ماہ کی
اللہ رے چمک تری برقِ نگاہ کی

اِک حرف بھی رہے گا نہ لے کاتبِ عمل
دھوتا ہوں آبِ اشک سے فردیں گناہ کی

شمشیرِ غم کا خلق میں ہے ہر طرف عمل
ملتی نہیں خوشی کو کوئی جا پناہ کی

ہنگامِ ذبح صورتِ قاتل تو دیکھئے
تصویر بن گئی مرے حالِ تباہ کی

حباب

حباب - جناب مولٰنا حافظ سیّد محمد صادق علی صاحب مُراد آبادی - آپ رامپور میں ملازم ہیں ساٹھ روپے ماہوار پاتے ہیں - ستر سالہ ضعیف العمر شخص ہیں - نمونۂ کلام درج ذیل ہے ؎

ایک وہ ہیں کہ بسر کرتے ہیں کاشانوں میں
ایک ہم خاک اُڑاتے ہیں بیابانوں میں

نہ ملا تیرا نشاں ہمکو کہیں بھی اے دوست
ڈھونڈا جا جاکے بہت مسجد و بُتخانوں میں

دیکھکر ہجر میں افسوس نقاہت میری
وہ خفا ہیں کہ اُڑائی ہے نزاکت میری

حباب

حباب - ناظم با کمال ناثر عدیم المثال پنڈت امراؤ سنگھ صاحب حباب خوشہ چین خرمن کمال نواب اسد اللہ خان غالب مرحوم و مغفور۔ آپ رڑکی کالج میں بیس پچیس برس تک مدرس ریاضی رہے۔ ملازمت کے ساتھ ہمیشہ شوق شاعری و انشاپردازی کو بھی نباہتے رہے۔ کئی برس ہوئے آپنے ایک اخبار بھی جاری کیا تھا جس میں زیادہ تر آپ ہی کی نظم و نثر کے اعلیٰ نمونے درج ہوتے تھے۔ مگر زمانے کی نا قدردانی سے وہ اخبار چند ہی ماہ جاری رہ کر بند ہو گیا۔ غزل گوئی میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل ہے۔ تصوف اخلاق اور وحدانیت کے اکثر مضامین آپکے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ بلندی مضمون اور نزاکت خیال کے ساتھ آپکی طبیعت میں شوخی اور جدت بھی بقدر مناسبت موجود ہے۔ آپ کا مذاق نہایت شستہ اور قابل تقلید ہے۔ اب کئی برس سے پنشن پاتے ہیں۔ ۶۵ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۹ء میں بمقام لاہور انتقال کیا

بہائے بحر جو ہے گوہر خوش آب سے ہے	ذرہ سرشک سے ہے آنکھ بے بہا دریا
گلشن میں گدگدی سے نسیم سحر کی آج	گل ہنس دیا تو غنچہ بھی کچھ مسکرا دیا
نسیم صبح بہاراں سے نرم تھی مری نیند	خروش بلبل نالاں سے اڑ گئی مری نیند
نگاہ دیدۂ بیہوش ہیں ہم	صدائے نالۂ خاموش ہیں ہم
جنوں تعلیم تھی کیا بزم شب جو صبح ہوتے ہی	گریباں پھاڑتے گھر سے تمہارے ہمنشیں نکلے
غل کرتا ہوا مژدۂ آزادی کا	زنداں سے رہا ہو کے اسیر آتا ہے
ہے ساتھ جو توشۂ توکل بخدا	آزاد جہاں فقیر آتا ہے
بیتابی و اضطراب کا نقش مٹا	اے موج حباب دستگیر آتا ہے

حبیب

حبیب - مولوی سید کاظم کنتوری نواح لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ اور اپنے آپ کو یادگار خاندان ناسخ مرحوم لکھتے ہیں۔ آپکے مرسلہ حالات سے پایا جاتا ہے کہ آپکے بزرگ ساتویں صدی ہجری میں نیشاپور اور خراسان سے فیض آباد اودھ میں آکر مقیم ہوئے اور پھر شدہ شدہ کنتور میں جو لکھنؤ اور فیض آباد کی راہ میں واقع ہے اقامت اختیار کی۔ آپکے مورث سید جمال الدین کو

تعلق بادشاہ کے عہد میں بر ولی اودھ کا تعلقہ جاگیر میں ملا حبیب صاحب کے دادا سید حمایت حسین وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں کے مصاحب رہے اور کرنل بیلی رزیڈنٹ کے استاد تھے۔ نانا میر لطف اللہ قادر کنتوری شیخ ناسخ کے شاگرد تھے۔ میر خدا بخش جنکی کربلا تال کٹورہ لکھنؤ میں ابتک موجود ہے آپکے نانا میر لطف اللہ کے حقیقی نانا تھے۔ الغرض آپ کا خاندان ہمیشہ علم و فضل کیوجہ سے ممتاز رہا ہے۔ آپ ۱۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۷ھ میں بمقام کنتور پیدا ہوئے ۱۵ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ اُس زمانے میں شعر گوئی کا شوق ہوا۔ پہلے اپنے نانا قادر کنتوری سے اصلاح لی پھر ۲۱ برس کی عمر میں سید حسین صاحب عشق شاگرد ناسخ مرحوم کو سات برس اپنا کلام دکھایا۔ اسکے بعد اُنھوں نے فرمایا کہ اب تم کو اصلاح کی حاجت نہیں۔ آپ کی تصنیف سے دو دیوان مطبوعہ، مخمس حبیب بر ترکیب بند شکوۂ ہند حالی، مدح محبوب مدحیہ نظام، مکاتبات فارسی، ایمان حبیب، مجموعۂ مراثی مطائبات حبیب غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ آپ دس برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے۔ چونکہ آپکے والد کی معاش کم تھی اس لیئے صغیر سنی ہی میں روزگار کی ضرورت محسوس ہوئی چودھویں سال مولوی غلام حسین کنتوری کی صاحبزادی سے جو انکے خالو تھے نکاح ہوا۔ انھیں کے ہمراہ آگرہ اور گوالیار کے سفر کا اتفاق ہوا۔ ۲۱ برس کی عمر میں بہ تلاش روزگار ریاست چرکھاری اور وہاں سے اندور گئے مگر جلد ہی واپس آگئے۔ ۲۵ برس کی عمر میں بنارس اور کلکتہ کا سفر کیا جب ہگلی پہنچے تو وزیر السلطان ہشتی امیر علیخاں کے صاحبزادے نواب اشرف الدین احمد خان متولی امام باڑہ نے اپنا مہمان کیا اور اُنکے والد وزیر السلطان بھی بڑی مہربانی سے پیش آئے اور راجہ امیر حسن خان رئیس محمود آباد سے سفارش کی۔ چنانچہ یہ وہاں تین سال ملازم رہے پھر ۲۸ برس کی عمر سنہ ۱۲۹۶ھ میں بحالت بیماری اپنے بھائی سید محمد عسکری عنادل کو ساتھ لیکر حیدر آباد کے عازم ہوئے۔ کچھ دن ہاں کے اُمرا کے ہاں ملازمت کی۔ انجام کار سنہ ۱۲۹۹ھ میں سردار عبد الحق دلیر جنگ نے قدر دانی فرما کر ساٹھ روپیہ ماہوار پر مصاحب رکھ لیا اُنکے

ولایت چلے جانے پر انھیں کے بھائی نواب امیر یار جنگ سید سراج الحسن صاحب تعلقہ دار بیدر نے اپنے پاس بلا لیا اور سررشتہ دار مقرر کر دیا۔ وہاں سے ترقی پا کر آپ ۱۳۱۱ھ میں سررشتہ دار معتمد مدار المہام سرکار عالی محکمۂ کوتوالی پر مقرر ہوئے۔ وہاں سے دو سو روپیہ پر صوبہ داری بیدر کے سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ آخر عمر میں ہوم سکرٹری سرکار نظام کے میر منشی بھی مقرر ہو گئے تھے۔ شعر و سخن سے طبیعت کو فطرتی لگاؤ تھا۔ معنی خیز طبیعت واقع ہوئی ہے اور اکثر استعارے و تشبیہ کی پابندی کرتے ہیں۔ علمی قابلیت خاصی ہے۔ علاوہ درسی استعداد عام معلومات پر بھی حاوی ہیں جسکی انکے کلام میں جگہ جگہ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں فکر رسا اور ذہن ذکی خداداد ہاتھ آیا ہے۔ ان چیزوں کی امداد سے جسقدر بلند پایہ شعر کہیں تھوڑا ہے۔ کلام میں علاوہ عاشقانہ کے وہ رنگ خاص بھی بھرا ہوا ہے جس سے گزشتہ زمانے کے شعرا نے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ اور صوفیہ کے کلام میں عموماً اور عوام الناس کے کلام میں بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے۔ یعنی تصوف کا رنگ۔ علاوہ ازیں تمام اصناف سخن پر قدرت حاصل ہے۔ بالخصوص قصائد خوب خوب لکھے ہیں اور تغزل میں بھی مسائل دقیق اور نکات غریب اچھے پیرایہ میں باندھ جاتے ہیں۔ زبان سلیس۔ بندش چست ہے جس سے انکی کہنہ مشقی کا ثبوت ملتا ہے۔ بڑے خلیق ملنسار۔ نیک نہاد شخص تھے۔ حیدرآباد دکن میں اکثر لوگ انکے شاگرد تھے۔ اور وہاں کے شعرا میں نظر امتیاز سے دیکھے جاتے تھے۔ راقم تذکرہ سے اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ افسوس کہ تخمیناً پچاس برس کے سن ۱۹۰۹ء میں انتقال فرمایا۔ آپکے صاحبزادے جناب ضامن بھی شعر و سخن کا اچھا مذاق رکھتے ہیں۔ اب کلام مرسلہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

حسن جب صورت گر ذوق خود آرائی ہوا	ہر بت بیباک گرم لاف یکتائی ہوا
اک جہاں شیدا ہے صورت آشنا کوئی نہیں	سب کو اپنا کر لیا کس کا وہ ہر جائی ہوا
دست قدرت نے دکھائیں ایسی شکلیں کھینچکر	کوئی از خود رفتہ اور کوئی تماشائی ہوا
بڑھا ذوق یہاں تک خود فراموشی میں عرفاں کا	کہ محراب حرم ہے عکس میرے طاق نسیاں کا

شکایت کیا ہی بہری کی اُس سے جب پہ دل آیا — کوئی اعزاز کرتا ہے بھلا ناخواندہ مہماں کا
نہیں جھکتا کوئی اُس سے جھکے جبتک خود انساں — رکوع و سجدہ سکھلاتا ہے خم محراب طاعت کا
نہ پوچھو حال کچھ ناکامیوں سے ضعف ہمت کا — کرینگے امتحاں اکبار لیکن اور قسمت کا
دل پُر آرزو کا خوں نہ کر لے پاس تو ناحق — سمجھ اتنا کہ سرمایہ ہے ہر اک بے بضاعت کا

ہے خبر کس کو تلوّن آپ کا — آگے چلکر رنگ کیا کیا لائے گا

محبت میں تری خون دل ناشاد ہونا تھا — تاسّف کیا؟ ہوا جو لے ستم ایجاد ہونا تھا
نہو جب تن پہ سر حدّاد آکر بیڑیاں کاٹے — اسیروں کو تمہارے اس طرح آزاد ہونا تھا
پیری میں جا نکلیں ہیں جوانی کی حسرتیں — وہ وقت کیف تھا یہ ہے عالم خمار کا
تم رہو گھر میں پھریں ڈھونڈتے ہم غیروں میں — بدگماں ہوگا نہ ہم سا کوئی غافل ہوگا
پر تو عشق پڑا ہوگا مقدّر دیکھو! — داغ یاں سینہ پہ ہے چہرے پہ واں تل ہوگا
چلے رفتہ رفتہ ایسے کہ نہ خاک تھی نہ ہم تھے — کہ جو لوگ دفن کرتے کسی جا مزار ہوتا

کرے کیوں نہ بے چین وعدہ کسی کا — قیامت ہے امروز فردا کسی کا

کہتے ہیں سُن سُن کے ہاں پھر کیا ہوا — حال میرا اک فسانہ ہو گیا
میری توبہ کیا تھی توبہ اے غفور — تیری رحمت کو بہانہ ہو گیا
ایک منزل ہے عدم کی ایکدم کا راستہ — آگے جانیوالے ہیں آگے بڑھ جا بیٹھینگے کیا
پوچھو عاشق سے غم عشق میں لذت کیا ہے — تلخ ہوتا تو نہ اس شوق سے کھایا جاتا

چلے آپ اللہ رے بے نیازی — نہ دیکھا کہ قدموں پہ ہے سر کسی کا

بھلا ہو جس کام میں کسی کا تو اس میں وقفہ نہ کیجئیگا — خیال زحمت نہ کیجئے گا ملال اپنا نہ کیجئے گا
وہ مجھ سے فرماتے ہیں ہنسکر ہمیشہ ملنے کی آرزو پر — ملال ہوگا محال شے کی کبھی تمنا نہ کیجئے گا
آگے اُن کے جب کبھی ہم نے کیا اظہار عشق — ہنسکے بولے خیر اک دن امتحاں ہو جائیگا
دریا ہی میں رہنا تھا قطرہ کی طرح شامل — غافل نہ حباب آسا یاں تجکو اُبھرنا تھا

اُلفت میں کوئی دل کے سوا رازداں نہ تھا
رُسوا کرے گا اُس پہ مجھے یہ گماں نہ تھا

گھٹینگی خواہشیں اے دل تو حاصل مدعا ہوگا
ذرا یہ بھیڑ چھٹ جائے تو پیدا راستہ ہوگا

خدا سے مانگ اے دل شرم کر بندوں کی منت سے
جو حاجتمند ہے ہر دم وہ کیا حاجت روا ہوگا

ہوس ہے رہنا ہر دم درِ ارباب دولت کی
قناعت کہتی ہے بیٹھو خدا ہے کارساز اپنا

تمام کاموں کا راستی پر ہمیشہ دار و مدار دیکھا
فسادِ نیت میں تنگی پایا ہر ایک صحبت میں خوار دیکھا

توبہ کی سزا دیتے ہیں یارانِ قدح نوش
سب مانگتے ہیں دور میں ساغر نہیں ملتا

وہ جواں ہونگے تو لوٹینگے فرشتوں کے وضو
ایک دن چاہِ زنخداں چہِ بابل ہوگا

درد و ایذا و غم و غصہ و بدنامی و رنج
کشورِ عشق میں ہوتے ہیں محاصل کیا کیا

سامنے رندوں کے ناصح بے اثر ہے وعظ و پند
آپ نے کہنے کا جو حق تھا کہا کس نے سنا

رات دن چین نہیں سوزِ محبت سے مجھے
شمع ہوتا تو فقط شب کو جلایا جاتا

نہ گھر ہے کوئی تیرے جلوے سے خالی
نہ دل تیرے قبضے سے باہر کسیکا

بادۂ ناب نور روشن گرِ دل ہے واعظ
اسکے پی لینے سے ایماں میں خلل کیا ہوگا

موسمِ گل دیکھکر ایسا خوشی کا جوش ہے
آب نہیں پھولی سماتی پیرہن میں عندلیب

سہانے وقت ہیں اے دل دمِ طلوع و غروب
سماں دکھاتی ہے قدرت کا دیکھی دھوپ

تھا اشتیاقِ آبروئے دلبر تمام رات
دیکھا کیا میں خواب میں خنجر تمام رات

اپنے بندوں کو دیا ہے جسقدر اللہ نے
کچھ نہ کچھ اسکے سوا ہے ہر بشر کی احتیاج

اِن بتوں میں آئے شانِ کبریائی ہو محال
ہو نہیں سکتا ہے ہرگز بندہ پرور جھوٹ سچ

سمجھو نہ پارسا ہے خطا کار کو دلیر
راضی جو در گزر پہ ہوا التجا کے بعد

وہ کوشش کیجئے رہجائے نام نیک محشر تک
مزا یہ ہے کہ موت آئے حیاتِ جاوداں ہوکر

اثر افسانہ و نغمہ کی کہوں کیا حالت
ہوش کھو دیتا ہے انسان کے جادو ہوکر

دل کو ہے رنجِ فراقِ رفتگاں شام و سحر
مصر کے یوسف کو ہے یادِ کارواں شام و سحر

ہے یہ زورِ آمدِ فصلِ بہار اب کے برس
مست ہیں زاہد بھی مثلِ بادہ خوار اب کے برس

داغ بھی زخمِ جگر کا نہ رہا
تھی یہ قاتل کی نشانی افسوس

کون زخمِ خنجرِ ابرو کا شاہد تھا حبیب
ہار جاتے تم کلیجہ پر اگر ہوتا نہ داغ

کھل گیا ناکامیوں سے ہے سبب دوسرا
کوششیں سب اک طرف ہیں اور مقدر اک طرف

بے سبب کوئی اٹھائیگا بھلا کیا تکلیف
دل کو ہوتی ہے محبت میں گوارا تکلیف

غیر حاکم ہو تو اسکی جوتیاں سیدھی کریں
ننگ ہے قومی حکومت کی اطاعت آجکل

لہو تھمتا نہیں زخمِ جگر کا
نہ اچھے ہو سکیں گے اب آ چارہ ہم

اٹھائے ہیں وہ صدمے ہنسنے ملکر اہلِ جنوں سے
چھو لیتا ہے کوئی نامِ محبت اب تو ڈرتے ہیں

ہر اک سوال کا دیتے ہو تم جواب "نہیں"
یہ ظلم وہ ہے کہ جس کا کوئی حساب نہیں

شگفتگی مرے دل کی ہے تیرے لطف کے ساتھ
ہر ایک فصل میں پھولے یہ وہ گلاب نہیں

تنگ ظرفوں کو دولت سے تمتع ہو نہیں سکتا
سدا باوصفِ قربِ بحر خاک اڑتی ہے ساحل پر

خفا بھی ہیں وہ آزردہ دل سے مری الفت کے قائل بھی
جتائیں کرنے جاتے ہیں پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سازِ جمعیتِ دل کا سر و ساماں ہی نہیں
بے نیازی جسے درویش میں سلطاں ہی نہیں

روشنی رہتی ہے کہتے ہیں دیئے کی تا حشر
ظلمتِ شب کا اگر خانۂ احساں ہی نہیں

فطرت کو ناپسند ہے سختی بیان میں
پیدا ہوئی نہ اس لیے ہڈی زبان میں

تجلی گاہِ انوارِ حقیقت دیکھنے والے
فروغِ ظاہری کو بھی کہیں خاطر میں لاتے ہیں

وہ لطفِ صحبت وہ پیاری باتیں بھلا نہ سکتے جو یاد آتیں
ہمیشہ ڈھونڈا کرینگی تمکو آنکھیں ہوئے جو مخفی کہاں نظر سے

تری یاد میں جب سے بیٹھے ہیں پیارے
دو عالم سے دل کو اٹھائے ہوئے ہیں

اُسے پہنچے جس بندے کو چاہے دے چمن آرائے دہر
کچھ اجارہ زاہدوں کا باغِ رضواں ہی نہیں

نہ اٹھائے سختیٔ ہجر گر تو وصال کا بھی مزا نہیں
نہ ہوا مرض میں جو مبتلا کبھی اسکو قدرِ دوا نہیں

وہ جو ہار مانے نہ ہیں کبھی کہ خیال جس کا تھا کبھی
یونہیں تھی مشیتِ ایزدی ہمیں کچھ کسی سے گلہ نہیں

قلی بنیں سکھوں ذہنِ رسا کے توڑ جوڑ * آج کل پالیسی یہی ہے دنیا کے توڑ جوڑ *

کھنچے گی خاک ہوگا ٹھکانا جہاں کہیں — دو گز زمین تو دیگا کبھی آسماں کہیں
دن رات ہے احباب کو کد ہیچ کنی ہیں — بگڑی ہیں وہ بگڑے ہیں جو تھے ساختنی ہیں
تقدیر ہیں جو تھا وہ ہوا رنج سے حاصل — عقلِ بشری رہتی ہے عاجز شدنی ہیں

نگاہِ قہر سے تم نے گرائی حبب بجلی — دل و جگر پہ ہمارے جلا دیا ہمکو

دل جگر اپنے جانِ جان اہلِ وفا کے دیکھ لو — جتنا جی چاہے انھیں ہر دم ستا کے دیکھ لو
سچ کہو چاہنے والوں کا گلہ ہو کہ نہ ہو — وعدہ کر بیٹھے ہو تم سب سے وفا ہو کہ نہ ہو

نہ کی میری حاجت روائی بتوں نے — خدا سے بھی کی ان کی طاعت زیادہ
آنکھیں خوں رُلاتا ہے اکثر زمانہ — جو ہیں خوگرِ عیش و عشرت زیادہ

ہزاروں صورتیں پیدا ہیں اک آشفتہ حالی سے — نئی دنیا بسی ہے دل میں اشکالِ خیالی سے
پڑے تھے نقش پا بن کے نہ سنگِ راہ تھے ظالم — تجھے کیا مل گیا آخر ہماری پائمالی سے
لیجئے چھوڑ کے مرقد میں چلے یار و عزیز — آج کہتا نہیں "اللہ نگہباں" کوئی
گناہ لائے ہیں مجرم بنا کے تیرے حضور — جو راہزن تھے ہمارے وہ راہبر نکلے
ہمیشہ خلق میں گذری ہے اکیساں کسکی — انھیں کا شکر ہے ارمان جسقدر نکلے
کہتی ہے اجل آمری آغوش کے پالے — سب کر چکا دنیا سے بس اب دلکو اٹھا لے
گھر سے ہمیں یوں گردشِ قسمت نے نکالا — تلوے سے کوئی کانٹے کو جس طرح نکالے
رحم آئیگا ان سے نہ مرض کو نہ قضا کو — بیسود ہیں آہیں مری بیکار ہیں نالے
سمجھے تھے ہم اک مشغلۂ الفت کو بتوں کی — معلوم نہ تھا جان کے پڑجائینگے لالے
عمر گذری کسکو روداد اسیری یاد ہے — اب نقش گھر ہے ہمارا آشیاں صیاد ہے
رات دن کی دل لگی وہ ہر گھڑی کی چھیڑ چھاڑ — خیر تم بھولے تو بھولے مجکو اب تک یاد ہے
چھو لیں سے لگے پھر آرزو تیری — ہے آنکھوں خاک کے ذرّوں کو جستجو تیری

عدم کو گئے نوجواں کیسے کیسے — زمیں چھپ گئے مہرباں کیسے کیسے

سیکھا تو ایفا بھی کرنا تھا آخر
کیئے عہد اے جانِ جاں کیسے کیسے

نبھانے دیا داغِ شیریں سخن کو
دکن میں بھی ہیں قدرداں کیسے کیسے

مٹے لاکھ پھر لکھنؤ لکھنؤ ہے
سخنداں ہیں اب بھی وہاں کیسے کیسے

غلط ہے گر کہوں کچھ غم نہ تھا آغازِ الفت میں
کہ اک تشویشِ انجامِ محبت دل کو کیا کم تھی

نکلتی کیوں نہ ہنگامے سے زاہد شکلِ آمرزش
یہاں بھی وہیں کیا تیری طرح یادِ خدا کم تھی

جاتے ہیں جان آنے میں عاشق کا دل ہیں دو
تیغِ قضا کبھی ہیں طلسمِ ادا کبھی

ہر آرزو سے مردہ ہو راحت فزائے حال
مل جائیں گر تو سے لبِ معجز نما کبھی

یاں بندگی سے کام ہے اے شیخ و برہمن
دیر و حرم سے ہے نہ تعلق نہ تھا کبھی

آفتِ جان ہجر میں وحشت کی سرتابی رہی
دل کو بیتابی رہی آنکھوں کو بے خوابی رہی

عمر بھر حالت دلِ مضطر کی سیمابی رہی
چشمِ دریا بار گردش تیری دولابی رہی

برقِ کشتِ آرزو ہے گرمیٔ بازارِ حسن
جنسِ الفت کی ہمیشہ اس میں نایابی رہی

سالہا یادِ لبِ رنگیں میں رویا اشکِ خوں
مدتوں رنگت میری آنکھوں کی عنابی رہی

کب چھٹا اشکِ ندامت سے سیہ کاری کا رنگ
صاف ہو کر بھی مری فردِ عمل آبی رہی

دیوان دوم

ہر داغِ دل بنا مجھے مرآتِ شوقِ حرم
جلنے سے مثلِ طور یہ گھر محترم ہوا

چینِ جبین و لیل کدورت ہے دیکھئے
خطِ غبار جوہرِ تیغِ ستم ہوا

گہ وصل کی دعا تھی کبھی شکرِ التفات
اکثر خدا کے سامنے ذکرِ صنم ہوا

ابرو کا بوسہ لینے سے اخلاص بڑھ گیا
یہ سورہ آج خنجرِ قاتل پہ دم ہوا

کر کے آئے تھے یہ ساماں مرے تڑپانے کا
نام آتے ہی لیا آپ نے گھر جانے کا

لے نقاہت وہ گئے بزم سے اب کیا ہے بہانا
تو ہی کر دے کوئی ساماں مرے اٹھوانے کا

خوبیٔ مہر و محبت کی عزیزوں میں حبیب
دل نہ کیوں بندۂ احساں رہے بیگانے کا

عقل کہتی ہے نہ رکھ وادیٔ الفت میں قدم
وحشتِ دل کا تقاضا ہے کہ چل کیا ہوگا

سمجھتے تھا کہ یہ وعدہ نہیں جھوٹا لیکن
ہوتی رہتی ہیں خطاؤں پہ خطائیں مالک
دوئی ہیں یکدلی کا رنگ پیدا ہو نہیں سکتا
قسم کھا کر نوشتہ مجکو دو یہ ولکھا سودا ہے
یہ ارمان خانہ زادِ دل ہیں تم گر محرمِ دل ہو
زمین و آسماں کا فرق ہے ادنیٰ و اعلیٰ میں
رہی کچھ دن یونہی گر اپنی اپنی فکر یاروں کو
شبِ غم ہو گی رو سے شاہدِ مقصد سے نورانی
بیخودی سے انتشارِ دل بدلجاتا تو ہیں
شاہد آزاری تھی آئینِ محبت کے خلاف

تم سے پہلے اگر آجائے اجل کیا ہوگا
شکر میرا ترے احساں کا بدل کیا ہوگا
شناسا غیر کا تیرا شناسا ہو نہیں سکتا
زبانی کہنے سننے پر بھروسا ہو نہیں سکتا
چھپاؤں کس طرح مالک سے پڑا ہو نہیں سکتا
چمک سے ہمسرِ خورشید ذرہ ہو نہیں سکتا
تو کوئی تا قیامت پھر کسی کا ہو نہیں سکتا
قمر سے اس اندھیرے میں اُجالا ہو نہیں سکتا
گو ہر مقصود ہر تارِ نفس میں کھینچتا
ورنہ بلبل گل کو بھی کنجِ قفس میں کھینچتا

[illegible]

نہ چھپے نہ آنکھ میں جو شئے وہ دلپسند نہیں
بڑھے شکوہ سے نکلے گا شوقِ دید ترا
بنائے ذرہ کو خورشید چشمِ مہر تری
ہے محوِ صنعتِ صانع حبیبؔ حسن پرست
گرے گا طائرِ مضمون تو کہاں پرواز
حبیبؔ صید ہے تیرا الم سے طائرِ فکر

ہر ایک طرح مقدم ہے انتخابِ نظر
چلینگے مردمِ دیدہ بھی ہمرکابِ نظر
خوشا نصیب جو ہوجائے فیضیابِ نظر
ترے نصیب میں زاہد نہیں ثوابِ نظر
ہے شاہبازِ خیال اپنا آسماں پرواز
نگہ دکھاتے ہیں بازو سے خونچکاں پرواز

عدم سے جانیوالے درد کی منزل سے نکلے ہیں
نہ چھٹے گا لختِ دل کیا اب خیالِ یار کا دامن
اگر ہے عشق کا اہل نہ رکھے بن خاکِ درِ جاناں
نہ کیوں مژگانِ جاناں پر گماں ہو خونِ ناحق کا
ملی کچھ روز راحت ہمکو برسوں جھیل کر زحمت

رکیں مژگاں پہ کیا گھبرا کے آنسو دل سے نکلے ہیں
یہی دو چار ٹکڑے تھے بڑی مشکل سے نکلے ہیں
طریقے منزلت کے سب اسی منزل سے نکلے ہیں
ہزاروں تیر ایسے سینۂ بسمل سے نکلے ہیں
بڑی کاوش میں قطرے شہد کے حنظل سے نکلے ہیں

چلے آتے ہیں وہ دیکھا بھی کچھ سامنے مردم دیدہ
یہ رونا ہے تہمت کا یہ آنسو دل سے نکلے ہیں

نہیں کہتا ہے کچھ کوئی کہے کیا کسی نے کیا دیکھا
ہزاروں بیخود کر کے بیخود یار کی محفل سے نکلے ہیں

الٰہی کون آتا ہے کہ استقبال کو جیسے
نظر آنکھوں سے نکلی اور ارمان دل سے نکلے ہیں

مرے مضمون خزف ریزے نہیں ہیں جوہر کانی
ولوہیں گھر کر گئے یہ مقرر دل سے نکلے ہیں

نہیں معلوم ہیں الفت کے کوچے مختصر کیا جانیں
یہ گلیاں دل کو آتی ہیں یہ رستے دل سے نکلے ہیں

نہ آئینگی کسی کو تا قیامت شوخیاں انکی
نظر سے آنکھ کے پردوں میں چھپکے دل سے نکلے ہیں

حبیب اس درد کے پہلو کو اہل درد سمجھیں گے
نہیں اشعار یہ کاٹے ہمارے دل سے نکلے ہیں

دیگر

غم فزا کیوں ہو نہ یاد رفتگاں میرے لیے
مسند لوں روتا گیا ہے کارواں میرے لیے

چارہ گر اچھا ہے درد بے نشاں میرے لیے
گھر کا بھیدی چور ہے زخم نہاں میرے لیے

ہر ورق دیواں کا ہے سرچشمۂ آب حیات
جمع ہیں اسباب عمر جاوداں میرے لیے

سرمہ کا دنبالہ ابرو سے کشیدہ سے بلا
میری خاطر ہیں یہ ناوک یہ کماں میرے لیے

دیکھنا شوخی اٹھا کر کہتے ہیں وہ مشت خاک
اس طرح تم ہو سکو گے بے نشاں میرے لیے

خاک برسر مادر گیتی رہے گی حشر تک
اشک خوں روئیگا برسوں آسماں میرے لیے

لطف فکر نکتہ سنجان فرنگ آیا حبیب
خوب لایا میرا ہمتا من ارمغاں میرے لیے

حبیب ۔ محمد حبیب الرحمٰن نام ۔ ولد محمد ضیا حسین حضرت شیخ مجدد الف ثانی کی اولاد میں ہیں ۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں اور مرزا احسین علیخاں شاداں سے مستفید ہیں ۔ حسن طبیعت کی بدولت اپنے استاد کے شاگرد رشید ہیں ۔ تذکرہ انتخاب یادگار کی ترتیب کیوقت انکی عمر چوبیس برس کی تھی اس حساب سے اس وقت ان کی عمر چھپن ستاون سال کی ہوئی چاہیئے ۔ یہ اسکے اشعار ہیں ॰

وصل کی شب کہتے ہیں مجھ سے کہ دیکھا تم نے کچھ
شمع کے آغوش میں پروانہ جل کر رہ گیا

جوش وحشت سے وصال اپنے مقدر میں نہیں
کہ وہ مہماں ہے اگر گھر میں تو ہم گھر میں نہیں

بے حجابانہ چلے او صبا دست کو مری — کہ شب غم کے سوا کوئی مرے گھر میں نہیں
ہو گئے کیا جو سب ختم آسماں کے اے حبیب — آج کیوں سر پہ مرے کوئی بلا آتی نہیں

حبیب — **حبیب** منشی حبیب الرحمٰن۔ ابھی آپ رامپور میں تحصیل علوم میں مصروف ہیں۔ فن سخن میں آپ کو حضرت امیر اللہ صاحب تسلیم سے تلمذ ہے۔ ۲۲-۲۳ سال کی عمر ہے اور یہ آپکا کلام ہے

سکتے میں ہیں تیر لگا کر دل پُر خوں ہے ہی — چھٹے تو ایک بھی قطرہ نہ لہو کا دیکھا
کسکو چاہوں میں کلیجے سے لگاؤں کس کو — کہ ترے تیر کو بھی خوں کا پیاسا دیکھا
لطف دیدار کہاں پر وہ بیہوشی میں — ہم نے دیکھا بھی تو کیا حضرت موسیٰ دیکھا

حجام — **حجام** - عنایت اللہ عرف کلو۔ اصل وطن تو سہارنپور تھا مگر ساری عمر دلّی ہی میں رہے۔ اور پیشہ موتراشی سے بسر اوقات کرتے رہے۔ شعر و سخن کا شوق تھا۔ اور اس فن میں میر رفیع السودا کے شاگرد تھے۔ مولانا فخر الدین سے ارادت باطن رکھتے تھے مصحفی کا قول ہے کہ اچھا شعر کہتا تھا اُسکے خیالات بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے اور تمام دلّی کے شعرا اُسے پسند کرتے تھے اکثر اُسکے اشعار پر شاباش ہوا کرتی تھی۔ مقطع میں وہ اپنے پیشے کا فخر بطور ظرافت اس طرح بیان کرتا تھا کہ سامعین کو فریفتگی پیدا ہوتی تھی۔ خاص و عام اُس کو پسند کرتے تھے۔ مولانا فخر الدین کی ڈاڑھی میں کنگی اور حجامت کو خضاب لگاتا تھا۔ مولانا نے جو اُس کے پیرو مرشد تھے اُسکو دستار اور پوشاک دی تھی وہی پہنتا تھا۔ اس واسطے اُسکے ہم محلہ اُسکو شاہجی کہتے تھے۔ بہرحال تمام پرانے تذکرہ نویسوں نے شیخ عنایت اللہ کی تعریف لکھی ہے اور حقیقت میں اپنے کلام کی حیثیت سے وہ اسی قابل تھے۔ بقول سٹر الیٹ فیلن صاحب سنہ ۱۲۹۰ھ میں اُنکی عمر پینتیس ۳۵ برس کی تھی اور اُسکے تذکرے کی ترتیب سے بہت پہلے اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ اشعار کا انتخاب ہے۔

روز رخسار سے لیتا ہوں مرے خوبوں کے — بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا
چینا نظر اپنا تو ستمگر نہیں آتا — بے وصل ترے سو پیشہ نہیں آتا

آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں بے سکہ بچے
ان تلک حجام ہی پہنچے نہ یہ حجام تک

خط آئینے بھی اپنی رسائی نہیں ہے واں
حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

دیکھ عاشق کی تِرے رسوائیاں
عشق کی لوگوں نے قسمیں کھائیاں

رقیبوں پر میاں پڑتا ہے تب سو سو گھڑے پانی
بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

ہے جی میں کہ اک روز میں ان آنکھوں کو پوچھوں
بچتے نہیں کس واسطے بیمار تمہارے

اُس کا وہ مژگاں کا لگانا ہے سے عجب ہے
یہ آنکھوں پہ بوسے کے نہیں ہیں خار تمہارے

اُس شوخ کے کوچے میں نجایا کرو حجام
چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمہارے

آنکھوں کو اُس کی شاعر جب ہم غزال باندھے
پھر ایسے وحشیوں کو کس کی مجال باندھے

کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر
آج اُس کوچے میں اُنکی ہی حجامت ہوگئی

حرق - میر حسن مرزا نام - میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسہ اور میر علی آشنا وغلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۸۰ھ میں نساخ کے سخن شعرا کی ترتیب کیوقت جوان تھے۔ یہ اُنکے اشعار کا انتخاب ہے ⁂

بخدا ترکِ آرزو کے سوا
دل میں گر کوئی آرزو بھی ہو

تمھیں صورت کا غرّہ ہو تو یاں دل کی محبت ہے
تمہارا حُسن مہنگا ہے تو کسکی جان سستی ہے

ایک بندے کی بھی جاں بخشی نہ کی
اے بتو تم سے خدائی ہوچکی

حیران - محمد میاں برادر کلاں نثار محمد خان فرحت مُرادآبادی - اس سے زیادہ حالات آپکے معلوم نہیں ہوسکے نمونۂ کلام میں یہ تین شعر درج ذیل ہیں ⁂

داغِ فرقت دل پہ میرے یار جانی دے گیا
حیف وہ دلسوز اپنی یہ نشانی دے گیا

دیکھ میری اُلفتوں کو دوست دشمن کہیں
نام اُلفت کا مٹے یارب اس جہاں سے دور ہو

اے عزیزو حال پر اُسکے ہی ہر دم چاہئے رحم
جو جدا یاروں سے ہو اور دور ہو دلدار سے

حریف - جناب سید محمد عبد اللہ صاحب حسینی چشتی وکیل درجۂ دوم تلمیذ حضرت داغ

دہلوی۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

فردوس سمجھتے ہیں فردوس کی بہار سے ہم
کہیں نہ جائینگے زنہار کوئے یار سے ہم

خطا نہیں ہے اگر کچھ قصور ہو جائے
بغل میں تم ہو تو باہر ہیں اختیار سے ہم

بہار آتے ہی لطفِ خلش گیا گزرا
مزے خزاں ہی میں لیتے تھے نوکِ خار سے ہم

آئی ہے اب کے سال نئے رنگ سے بہار
ہے شوق سیکڑوں دل پہ ہیں سینہ فگار ہیں

حزیں۔ میر محمد باقر صاحب دہلوی۔ محمد شاہی عہد کے شاعر، میرزا جانجاناں مظہر کے مرید اور شاگرد تھے۔ چنانچہ اُنکے دیوان میں جہاں کہیں استاد کا ذکر آتا ہے اُس سے کمال اخلاص و عقیدت کا پتہ لگتا ہے۔ لطف اور شوق کے تذکروں میں ان کا بہت سا کلام نظر سے گزرا۔ طبیعت معنی یاب اور فکر رنگیں رکھتے تھے۔ مصائب روزگار سے تنگ آکر بہ ہزار افسردہ خاطری ترک وطن کرکے عظیم آباد جا رہے تھے۔ ایک دیوان مختصر سا یادگار موجود ہے جس میں سے چند غزلوں کے منتخب شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ حزیں

خوب سوجھا ہے مزا عشق میں رسوائی کا
معتقد دل سے ہوا ہوں وکلی میں دانائی کا

دلبروں میں سے لیا ڈھونڈ سجن تجھ سے کوں
میں دوانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا

جس طرح جی چاہتا ہے ہو نہیں سکتی حزیں
حضرتِ استاد میرے شاہ مظہرؒ کی ثنا

شیریں نے دی تھی دل میں کچھ اک کوہکن کو جا
اُس نے بھی جی کو دے کے حق اُس کا ادا کیا

نالاں نہیں ہے جور و جفا سے تری حزیں
جو تو نے اُس کے حق میں کیا سو بجا کیا

اے حزیں شکر کہ ہے صحبتِ اربابِ جنوں
فیض سے حضرتِ استاد کے دیوان میرا

یہ کہہ کے باغ سے رخصت ہوئی بلبل یا قسمت
لکھا تھا یوں کہ فصلِ گل میں چھوٹے آشیاں اپنا

جو ہیں آنکھوں کے مخمور انکو مینا سے کیا نسبت
نگہ کے ہیں جو تشنہ انکو پیمانے سے کیا نسبت

یہ آہو رام تھے مجنوں کے سبب لیلیٰ کی خاطر
وگرنہ ان پریزادوں کو ویرانے سے کیا نسبت

خبر لے یا نہ لے صیاد انکو دام میں مرنا
گرفتاروں کو پھر سے آب و دانے سے کیا نسبت

ہو لے تو حزیں دیوانہ ان شہری غزالوں کا
تجھے صحرا سے اب کیا کام ویرانے سے کیا نسبت

ہم کمر یار کی سنتے ہی رہے ہیں لیکن
ہرگز اس بات کا ہم پر نہیں ہوتا اثبات

حزیں ان شعلہ رخساروں سے مت جی کو لگا ہرگز
ہوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی لگن باعث

اسیر نہیں ہوا ہے یہ دل مبتلا عبث
ناصح تلک اسکو دیکھ مجھے مت ستا عبث

وہ نگاہ مست ہے اس چشم گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے خمار مے پرستاں کا علاج

دیکھنے ہیں اسکے کب آتی ہیں ایسی صورتیں
دیکھ کر تجکو نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح

نہیں رہنے کے خوباں تجھ سے آخر آشنا ہرگز
انھوں پر بھولکر اے دل نہ ہو مجھسے جدا ہرگز

نہولے باغباں بلبل کو مانع گل کے ملنے سے
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز

سزا پائی نہ آخر چاہنے کی ہم نہ کہتے تھے
کہ ان خوباں سے اے دل جی کو اپنے مت لگا ہرگز

خوبرو شاید مزا پاتے ہیں اپنے جور سے
اسقدر جو انکو ہوتی ہے ستانے کی ہوس

بیخبر ہوتے ہیں جو کہ عشق کی لذت سے بھی
وہ نہیں رکھتے مزے سے زندگی کے اطلاع

کیونکہ مجکو ہو تسلی جان! وعدے سے ترے
خوب رکھتا ہے مرا دل سے تیرے اطلاع

بجھ گیا تھا مرگ سے مجنوں کے الفت کا چراغ
داغ نے میرے کیا روشن محبت کا چراغ

خجل رکھتی ہے ہمکو ناتوانی جور کے منہ سے
یہ تھوڑا سا لہو اس تیر مژگاں کے نہیں لائق

دل دیکھا اپنا کیوں عبث افسوس اب کھاتا ہے دل
جاتا رہا جب ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آتا ہے دل

سنتے ہی نو بہار دھڑکتا ہے جی کہ ہائے
پھر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل

تم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے تجکو جواب دل

ملنے کے دن جو اشک نکلتے ہیں کچھ نہ پوچھ
نکلے ہے دیکھنے کو ترے ہو کے آب دل

تم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے تجکو جواب دل

ہاتھ اس کا بسکہ نازک ہے نہیں لاتا ہے تاب
توڑتے ہیں گل کے جاتا ہے لچک شاخ گل

فصل گل آخر ہوئی کیا دیکھ ہونگے شاد ہم
کچھ کرے صیاد اب ہونگے نہیں آزاد ہم

زندگانی تلخ ہو جاتی ہے ہم پر کیا کریں
کیوں نہ ہووے شاد ہم سے حضرت مجنوں کی روح
کچھ نہ آخر چل سکا بس ان زبردستوں سے بنی
اُس بے وفا کے عشق سے کچھ مجھکو حس نہیں
ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ اب
کچھ کہا شاید اُس نے قاصد سے
ان بتوں کے دیکھنے کا جو کوئی مائل نہیں
لطف سے سرسبز کر اپنی محبت کا چمن
قرض لیوے گی صبا تیرے شہید دل سے لہو
لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے تئیں
بیطرح کرتا ہے دست اندازیاں زلفوں کے بیچ
نام سے اوروں کا اُس سے حال دل کہتا ہوں
عتاب ہم سے وفا کا ہمیشہ سیکھتے ہو
بیطرح دیوانگی پر عشق میں آیا ہے دل
بیطرح ہم مبتلا پاتے ہیں خوباں کا اسے
کچھ محبت میں نہیں عاشق بیچاروں کا گناہ
میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں پہ کیا کروں
دام الفت کی رہائی خوش نہیں آتی مجھے
روز باراں کیوں نہ لے زاہد کہوں مے کو حلال
راحت نہ دیکھے ہاتھ میں پاؤں گا ایک دم
وفا میری اگر جور و جفا تجھکو نہ سکھلاتی

حسرتوں کو اپنی جب کرتے ہیں جی میں یاد ہم
عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں حزیں آباد ہم
لیگئے یہ دل کو اور کرتے رہے فریاد ہم
پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
دل پہ میرے وہ اضطراب نہیں
زندگانی سے اُسکے واللہ کچھ حاصل نہیں
خشک رہتا ہے وفا بن جان اُلفت کا چمن
تب کریگی حشر میں رنگیں قیامت کا چمن
کیونکہ سمجھاویں کہو ہم ایسے دیوانے کے تئیں
اس طرح کیوں سر چڑھاتا ہے جن شانے کے تئیں
اس طرح شاید سنے وہ میرے افسانے کے تئیں
اور اپنے جور و تعدی کا کچھ شمار نہیں
دیکھئے اب زندگی کا کیا مری اسلوب ہے
دیکھئے اب اس دوا سے دل کی کیا تدبیر ہو
کس کی گردن پہ ہے سب ان دیکھنے والوں کا گناہ
رسوا کرے ہے خلق میں یہ چشم تر مجھے
ایک دم اُس سے جدائی خوش نہیں آتی مجھے
اسقدر بھی پارسائی خوش نہیں آتی مجھے
جب تلک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے
تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی

مجھے کہتا ہے تیرا دل کہاں ہے؟		قیامت شوخ میرا بدگماں ہے	
آئینہ خوباں کے مُنہ پر خودستائی کیا کرے		جب ضیا عارض کی دیکھے خودنمائی کیا کرے	
بے طرح دل پر گراں آنے لگے ہیں جور و ظلم		دیکھئے مجھ سے تری یہ بیوفائی کیا کرے	

حزیں - فخر المتاخرین شیخ علی حزیں اصفہانی فارسی کے اُن اُستاذہ میں سے تھے جن کو مرزا غالب جیسے نازک خیال بھی مانتے تھے۔ ناظرین کو حیرت ہوگی کہ ان بزرگ کا تذکرہ اُردو شعرا میں کیسا۔ مگر نہیں گزشتہ زمانے میں اہل فن و کمال کسی وادی میں بند نہ رہتے تھے۔ اور ہر قسم کا مذاق رکھتے تھے۔ آپکی ولادت اصفہان کے ایک صاحب ثروت وجاہ خاندان میں ۱۲۹۲ھ میں ہوئی آپنے اپنے والد کی وفات کے بعد زرِ خطیر جو بزرگوں کا اندوختہ تھا لہو و لعب میں ناعاقبت اندیشی سے برباد کردیا۔ ذاکر شعرا اور نامی مرثیہ گویوں کو دُور دُور سے بلاکر ملازم رکھا اور ہر فن میں اُن سے استفادہ کیا۔ چونکہ خود جوہر قابل تھے کچھ عرصہ میں ملکہ راسخہ ہر فن میں حاصل کرلیا۔ جب تمام سرمایہ ختم ہوگیا تو فکر معاش سے تنگ آکر وطن کو خیرباد کہہ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ ایران اور افغانستان کے مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے اوّل سندھ آئے پھر وہاں سے ملتان اور لاہور کے راستے سے دہلی وارد ہوئے۔ نادرشاہ انہیں ایام میں دارالخلافہ کو لوٹ کر گیا تھا۔ عام بدنظمی اور بے اطمینانی کیوجہ سے آپکی لیاقت اور قدر و منزلت کے مطابق آپکی مدارات نہ ہوئی تو نیت کیوجہ سے لوگ بدظن رہے تاہم اتنا ہوا کہ نواب عمدۃ الملک امیر خان نے بادشاہ کے حضور میں پیش کرکے کچھ جاگیر دلادی یہ واقعہ ۱۱۵۴ھ کا ہے۔ دلّی میں ۱۴ سال قیام کے بعد آصف الدولہ کے وقت میں بنارس چلے گئے اور بقیہ عمر عیش و عشرت وکمال فارغ البالی سے بسر کی مشہور ہے کہ دو جن اُنکے تابع فرمان تھے اور جملہ ضروریات مہیا کردیتے تھے۔ مزاج میں نفاست اور دماغ میں بوئے امارت حد درجے کی تھی۔ علم موسیقی کے بڑے قدردان تھے۔ شاعری میں اپنے وقت کے صائب سمجھے جاتے تھے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ سودا اور

خان آرزو وغیرہ اِنکے ہمعصر تھے۔ سودا سے جب ملاقات ہوئی اور شیخ نے مرزا سے شعر پڑھنے کی فرمایش کی اُس وقت مرزا نے اپنا یہ شعر سنایا تھا۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

یہ شعر سُن کر شیخ نے بہت تعریف کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فقرہ کہا تھا "در پوچ گویان ہند ہستی"۔ شیخ نہایت بذلہ سنج اور ظریف تھے۔ اکثر ایک چھوٹی سی پلنگڑی پر بیٹھے رہتے تھے۔ اِتفاق سے ایک مرتبہ کوئی معمّر سفید ریش شخص اِنکے پاس آیا۔ شیخ نے بزرگ صورت دیکھکر اپنے پاؤں جو پلنگڑی پر پھیلے ہوئے تھے سمیٹ لیئے اور اُن بزرگ سے نام پوچھا۔ وہ بیچارے اُمّی شخص قوم کے جُلاہے تھے اپنے عامیانہ اور اُمّیانہ لہجے میں بولے "اجی سُفّ" (یوسف) شیخ اِس لہجے میں نام سُنکر مسکرائے اور پاؤں پھیلاتے ہوئے یہ کہا "اگر تو اجی سُفّ ہستی من پائے خود چرا کشیدم"۔ شیخ کی تصانیف سے ایک ضخیم کلیات موجود ہے جس میں کئی دیوان اور مثنویاں وغیرہ مع اپنی سوانح عمری کے درج ہیں۔ ایک اِن کا لکھا ہوا فارسی تذکرہ انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا ہے سنہ ۱۷۶۶ء میں انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوئے حجرے سے محلّہ فاطمان میں دفن ہوئے جو آجتک زیارت گاہ انام ہے۔ چند اشعار ریختہ درج کیئے جاتے ہیں ناظرین اِنکی زبان کا خیال نکریں کیونکہ وہ زمانہ آج کل کا زمانہ نہ تھا یہ دیکھئے کہ خیالات کس قسم کے ہیں۔ وہو ہذا ؏

آوے نہ رشک کیونکہ مجھے برگ پاں سیتی
لیتا ہے کیا مزے وہ سجن کی زباں سیتی

پورا آپ سے قفس میں نہ پہنچے سکاوں تلک
نکلے تھے کس اُمید پہ ہم آشیاں سیتی

بیتا ہوں کو عشق کی کیونکر کروں میں ضبط
ہوتا نہیں ہے صبر دلِ ناتواں سیتی

ہم جانتے ہیں عشق کے درد و الم کی قید
رہتے ہیں شاد اپنے ہم آہ و فغاں سیتی

دیگر

شب فرقت میں سچ ہے نیند عاشق کی اُچٹتی ہے
غضب کی رات ہوتی ہے بڑی مشکل سے کٹتی ہے

ہمارا حال سُنکر اور بھی غصہ میں وہ آئے
بنی باتیں بگڑ جاتی جب قسمت اُلٹتی ہے

لہو روتا ہوں پھروں تیغ ابرو کے تصور میں
نئی صورت سے اپنی آجکل اوقات کٹتی ہے

دکھائے مجمع خوباں میں دلکو کیا کوئی عاشق
یہ وہ بازار ہے قیمت جہاں ہر شے کی گھٹتی ہے

فقیرانہ صدا اسکی مری درباں سے سکتے ہیں
یہ کیوں آتا ہے در پہ کچھ یہاں خیرات بٹتی ہے

خدا کاٹے یہ دن فرقت کا ہے روز قیامت ہے
میں کب سے دیکھتا ہوں رات بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے

زمیں کو نقش پائے یار سے رتبہ ملا ایسا
تبرک کی طرح اب خاک اُس کوچہ کی بٹتی ہے

حزیں جب میں صفائی کو گیا اُن پاس یوں بولے
نہیں ملتے ہیں ہم برسوں طبیعت جس سے ہٹتی ہے

حزیں

حزیں دہلوی۔ میر بہادر علی حزیں خلف میر نجف علی نبیرہ مستقیم الدولہ میر علی بخش خان خوشنویس شاہی ملازم سرکار میرزا فخرو ولیعہد شاگرد نواب زین العابدین خان عارف۔ عالی خاندان اور عمائد شہر سے تھے۔ وادی شاعری کے عمدہ شہسوار تھے۔ زبان میں روانی بیان میں سلاست فکر میں رسائی اور بندش میں چستی جیسی ہونی چاہیئے موجود ہے۔ غدر کے بعد ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

میرا احوالِ زبوں اُن پہ کھلے گا کیونکر
سامنے آئینگے جب وہ تو سنبھل جاؤں گا

ہے یہی رونا تو خط کا ہے کو لکھا جائیگا
جو کہ لکھتے جائینگے اشکوں سے مٹتا جائیگا

اک تماشا جان کر قاتل اگر ٹھہرا رہا
ہم بھی تڑپے جائینگے جتنا کہ تڑپا جائیگا

نہ مرے ہجر میں تیرے تو مرینگے کس دن
سخت جاں دہر میں ہمسا کوئی کمتر ہوگا

تب نازسے ہیں سینے ہیجا و بیجا اُس کے
بہتی تہ حزیں اُن سے گر ہیں بھی جُدا ہوتا

جل جل کے آخرش تپش غم کے ہاتھ سے
اک داغ رہگیا مرے پہلو میں جائے دل

دنیا کی حسرتیں ترے گوشہ میں آگئیں۔
اللہ رے وسعتیں تری سلئے تنگنائے دل

سبو منہ سے لگا ئینگے اب اتنا صبر ہے کسکو
کہ بھر بیٹے خم سے مئے شیشے میں اور شیشے سے ساغر میں

شعلہ و بسمل و سیماب کو ہم دیکھ چکے
تیرے دل سا تو حزیں ایک بھی بیتاب نہیں

رنج پہنچے جو حزیں اُن سے تو راحت سمجھو
ہے غنیمت کہ تمھیں یاد تو کر لیتے ہیں

یوں کہیے رخنہ ڈالیے اُنکے حجاب میں — آ پہنچے بُرے کا حال کُھلے کیا نقاب میں

حزیں کس سے توقع ہو وفا کی — ہُوا اُمید جب اپنی ہی جان کی

اے سوزِ عشق روز نیا داغ ہا بجے — اِس سے تو آگ تن میں لگا ایکبار دے

بیخودی کھو کے لیے سر پہ ہزاروں جھگڑے — توبہ مئے سے ہوئے ہم تو پشیماں اُلٹے

مرتے مرتے جو انھیں دیکھ لیا ایک نظر — پھر جو دیکھا تو نہ دل میں کوئی حسرت پائی

اثر جو آہ میں پایا تو ہو گئی تسکیں ٭ — وہ بیقرار ہوئے آ گیا قرار مجھے

بلا سے گر نگاہوں میں ہیں ہلکے — سُبک ہو کر تو ہم اُٹھے یہاں سے

دلِ گم گشتہ ہاں وقتِ مدد ہے — خجل کرنا نہ چشمِ خوں چکاں سے

حزیں — **حزیں**۔ صاحب عالم میرزا خجستہ بخت بہادر دہلوی سنہ ۱۲۴۸ھ میں موجود تھے۔ نہایت نرم دل شیریں گفتار اور ستودہ اطوار شخص تھے۔ کبھی کبھی فکرِ سخن بھی کیا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں

کروں کیا وصف میں اُس شعلہ رو کے قد و قامت کا — بھبوکا ہے دھواں ہے اور ٹکڑا ہے قیامت کا

چُھپا مکھڑے کو میری شوق کی آتش کو بھڑکایا — کروں میں کیا بیاں اُس شوخ کی اپنی شرارت کا

ہر اک بال اُسکی زلفوں کا ترا دشمن ہوا ہے اب — مزا ہے لے دلِ محزوں مزا ہے یہ محبت کا

حزیں کو قتل کر تو شوق سے قاتل یہ راضی ہے — نہ لے پر اپنے منہ سے ہر گھڑی تو نام رخصت کا

حزیں — **حزیں** لکھنوی۔ نواب محمد علیخاں بہادر حزیں ابن آغا زین العابدین خان رئیس لکھنؤ شاگرد آتش مرحوم ٭ یہ چند شعر حاضر ہیں۔

کوئی اُس سمت کی خبر لاتا نہیں — سلے قدا وم بھی نکل جاتا نہیں

کس قدر دلچسپ ہے ملکِ عدم — جو وہاں جاتا ہے پھر آتا نہیں

پھر لبوں پر آ رہی ہے جانِ زار — جذبۂ دل پھر انہیں لاتا نہیں

اُف رے ضعف و صدمۂ دردِ جگر — طائرِ جاں سے اُڑا جاتا نہیں

حزیں — **حزیں**۔ میر علی حسین لکھنوی۔ صرف اتنا حال معلوم ہے کہ آتش کے شاگرد تھے اور سنہ ۱۲۸۴ھ

ہیں لکھنؤ میں زندہ وسلامت موجود تھے۔ اُس زمانے کی مطروحہ غزلوں کا انتخاب درج ذیل ہے

جوبن ڈھلا غرور وہ سے مہربان گیا
خود منتہی ہوئے تو مرا امتحان گیا

گردش میں جائے امن نہ ممکن ہوئی مجھے
سر پہ یہ آسمان رہا میں جہاں گیا

پہنچا یا کھینچ کھانچ کے یاروں نے گور تک
منزل پہ کس عذاب سے میں ناتواں گیا

آتش مرے تو بولے گل اندام اے حزیں!
اب بوستاں سے بلبل ہندوستاں گیا

یہ بوالہوس کا کام ہے سونا فراق میں
جھپکے نہ آنکھ اور دل پُرغم تمام شب

منزل گور کا کچھ دھیان نہ تھا اے منعم
آکے دنیا میں مکاں تو نے جو بنوائے بہت

ملتا ہے روز اُس سے یہی کہتا ہے آدمی
کل کا بھی رزق دے مجھے پروردگار آج

دست وحشت سے جو اُلجھا دامن صحرا کوئی
دھجیاں اُڑ جائینگی میرے گریباں کسطرح

رخ مہتاب نہ ہے مہر کی تنویر پسند
دل کے آئینے کو ہے یار کی تصویر پسند

اللہ رے لاغری کہ میں بیٹھا ہوں سامنے
مقتل میں ہو رہی ہے گنہگار کی تلاش

دل کو ہمارے ظلم اُٹھانے کا ہے مزہ
رہتی ہے اک نہ ایک ستمگار کی تلاش

حزیں

حزیںؔ۔ صاحبزادہ غلام محی الدین خان حزیں خلف نواب احمد یار خان اختر۔ نواب رامپور کے عزیزوں میں تھے۔ حضرت امیر مینائی لکھنوی نے تذکرۂ انتخاب یادگار میں جو ان کا حال وکلام لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔ شاعر خوش مذاق ہیں مضامین عاشقانہ پیدا کرنے میں طاق ہیں۔ پینتیس برس کی عمر ہے۔ اخوندزادے احمد خان مرحوم غفلت کے شاگرد ہیں۔ کلام انکا مقبول اہل ہنر ہے چند شعر انکے درج تذکرہ ہوتے ہیں۔ جب کہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں انکی عمر ۶۵ برس کی تھی تو اس وقت انکی زندگی کی کیا اُمید کی جاسکتی ہے تحقیق کرنے پر بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ یہ آن کا کلام ہے

دیا جو یار نے بوسہ تو اشتیاق بڑھا
دوا سے اور بھی بیمار دردمند ہوا

ایک عالم کو میسر ہے شب روز وصال
میرا جس دن سے شب ہجر نے گھر دیکھ لیا

شبنم کے اشک دیکھ کے رقت ہوئی ہمیں	چٹکا جو کوئی غنچہ کہا ہم نے ہائے دل
بہار آئی چمن میں نہ آپ آئے یہاں	پھرا زمانہ نہ لیکن پھرے ہمارے دن
گنگ بہتر ہے زباں اس نالۂ شبگیر سے	ناک میں دم آگیا ہے آہ بے تاثیر سے

حزین

حزین ۔ مولوی صفدر علی بیگ صاحب حزین باشندۂ الور شاگرد میرزا قادر بخش صاحب گورگانی۔ آپ ریاست الور میں مہاراجہ شیودان سنگھ کے وقت میں مدرس فارسی تھے شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ یہ آپ کا کلام ہے ؎

کہا جو میں نے کہ تم شمع بزم خوبی ہو	تو میرے حال پہ شب بھر وہ اشکبار رہے
نہ دی ادب نے ہمیں رخصت پیام وصال	ہزار بار گئے وہ ہزار بار رہے
گلہ کی جا ہے نہیں اپنی اپنی قسمت ہے	کہ ہم تو رنج رہے اور عدو سے پیار رہے
حزیں خاک سر کوہکن سے اسکو بنائیں	شکستہ اپنا چراغ سر مزار رہے

گئی نقد بوسے کے بدلے میں جان	ہوس فائدے کی ضرر ہو گئی
خراماں ہوئے تم جدھر ناز سے	قیامت بپا اک ادھر ہو گئی
ہوا دل سا مونس جو غم میں حزیں	شکستہ ہماری کمر ہو گئی

حزین

حزین ۔ شیخ علی حزیں لکھنوی۔ شاگرد جناب اسیر لکھنوی۔ آپکے اس مشہور و معروف نام سے نامزد ہونے کی جو وجہ آپ ہی کی نگارش سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ کی ولادت سے پیشتر بعض وجوہ سے آپکے والدین چند سال کے لئے بنارس میں رہنے پر مجبور رہے تھے شیخ علی حزیں اصفہانی کا مزار بھی وہیں فاطمان بنارس میں واقع ہے۔ جب آپکی والدہ حاملہ ہوئیں تو عالم رویا میں کسی بزرگ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ جو بچہ تیرے شکم میں ہے اس کا وہی نام رکھیو جو فاطمان میں دفن ہے۔ چنانچہ بعد پیدائش آپ کا وہی نام رکھا گیا۔ آپکے والد مرحوم و مغفور کا نام در اصل شیخ حیدر تھا لیکن نواب روشن آرا بیگم نے جو خاندان شاہی شاہی سے تھیں بوجہ اپنا داماد ہونے کے آپکے والد صاحب کو بجائے شیخ کے نواب کے خطاب

سے مفتخر کیا تھا۔ آپکے بزرگوں نے دلّی سے نکل کر فیض آباد میں سکونت اختیار کی اور اٹھارہ سال وہاں رہکر پھر لکھنؤ چلے گئے۔ اُس وقت سے تا حال وہیں بود و باش ہے۔ آپکی علم عربی کی تحصیل سدرہ تک ہے۔ جب آپ فیض آباد میں تھے تو پندرہ سال کی عمر تک آپنے میزان اور فصول اکبری جناب مولانا قاری سیدی امیر علیخاں صاحب اور مولانا حکیم محمد مرزا صاحب سے پڑھیں اسکے بعد جب لکھنؤ پہنچے تو علم نحو عربی کتب درسی شرح جامی تک جناب مرحمت الدولہ سید غضنفر علیخاں صاحب حکیم سے پڑھیں۔ اور فارسی حضرت تدبیر الدولہ مدبر الملک سید مظفر علیخاں صاحب اسیر سے پڑھی۔ اور فن شعر بھی انھیں سے حاصل کیا۔ اُستاد موصوف کی خدمت میں آپ ۳۵ سال تک رہے بلکہ تا زیست جُدا نہ ہوئے۔ منجملہ کلام ایک دیوان غزلوں کا اور ایک سلاموں کا مرتب ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہوئے ہیں۔ سفر بھی آپنے ہندوستان کے اضلاع مشرقی و مغربی میں بہت کچھ کیا ہے۔ ملک کے عجائبات اچھی طرح دیکھے بھالے ہیں۔ اِس وقت آپکی عمر تقریباً ساٹھ سال کی ہے شعر گوئی میں اچھی مہارت حاصل ہے کلام میں متانت اور صفائی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ جو دو تین غزلیں ہمیں شفیقی مسٹر حامد علیخاں بیرسٹر کی معرفت ملیں اُن کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ؎

تمھارے بام پہ چڑھ جاتے ناتوانی میں اُس تیغ سے بچے کوئی کیا قتل گاہ میں کیونکر نظر پڑے تنِ خاکی میں شکل روح آنکھوں سے دیکھو آئینے میں خطِ سبز کو	ہماری آہ اگر ہوتی نردباں کی طرح رکھتے ہیں سب کو دیدۂ جوہر نگاہ میں صورت سوار کی ہے نہاں گردِ راہ میں چھوڑو کبھی تو آہوؤں کو اِس گیاہ میں
رہیں پردے میں بھی نیچی نگاہیں	حیا کہتی ہے چشمِ سرگیں سے
نگاہ یار سے بچنے کی راہ مشکل ہے ہجوم غم ہے یہاں تک کہ آہ مشکل ہے حیا نے اُن کو بٹھایا ہے ایسے پردے میں	یہ تیغ وہ ہے کہ جس سے پناہ مشکل ہے یہ بھیڑ چار طرف سے ہے کہ راہ مشکل ہے کہ دیکھنا ہمیں اب اک نگاہ مشکل ہے

یہ حال اب تو ہے شوخی و بدمزاجی کا
کہ چار دن بھی اب اُن سے نباہ مشکل ہے

نہ جائیگا مرے دل سے خیالِ خط اُن کا
کہ کہربا سے چھٹے دل کے کاہ مشکل ہے

یہی ہے نالۂ ناقوس کا جہاں میں شور
فروغ اشہد ان لا الٰہ مشکل ہے

دکھاؤ غیر کو دنداں نہ تم ہنسی کر کر
اُسے تمیز سفید و سیاہ مشکل ہے

صراطِ حشر سے باریک تر ہے کوچۂ عشق
سمجھ سمجھ کے قدم رکھ یہ راہ مشکل ہے

ملا سکے کوئی کیا آفتاب سے آنکھیں
تمہارے چہرے پہ ٹھیرے نگاہ مشکل ہے

کہاں اُمید کہ وہ خود مجھے سلام کریں
جھکے گدا سے سرِ بادشاہ مشکل ہے

سرِ مزار یہ مصرع ہو اے حزیں کندہ
کسی سے اُنس ہے آساں نباہ مشکل ہے

دیگر

نہیں معلوم یہ کیسی ہنسی تھی زخم بسمل کی
لہو ہر دیدۂ جوہر سے روئی تیغ قاتل کی

سفر میں راہ کٹ جاتی ہے آسانی سے مشکل کی
مسافر کو جو راحت یاد آجاتی ہے منزل کی

ترے در پہ چراغ داغ دل کس نے جلایا ہے
ہوئی ہے روشنی پروانہ اُس پر ماہ کامل کی

خیالِ یار جانے پر جو ہو جاتا ہے آمادہ
لپٹ کر روک لیتی ہیں تمنائیں مری دل کی

زمیں پر ذکر کیا ہے آسماں پہ ہر جگہ پھیلی
ترے آنے سے رونق بڑھ گئی اس درجہ محفل کی

سمجھتا ہے وہ رشکِ عیدگہ میدانِ مقتل کو
گلے جھک جھک کے جس سے ملتی ہو شمشیر قاتل کی

ہوا ہے نورِ خط سے حسنِ رخ شامِ جوانی میں
سحر ہونے نپائی ہو گئی گل شمع محفل کی

اُٹھے دنیا سے رفتہ رفتہ کیا کیا ہمنشیں میرے
پریشانی بڑھی گھٹنے سے جمعیت کے محفل کی

پہنچے گا جس گھڑی ہوگی قیامت کیا قیامت پر
بھری ہے صور میں آواز میرے نالۂ دل کی

نظیر اُس کا نہیں ہے بعد احمد کے خدائی میں
کہ جس نے ہر بشر کی اے حزیں آسان مشکل کی

دیگر

مری زباں سے بھی پھول جھڑتے ہیں شمع محفل بھی گلفشاں ہے
روش روش پر جو پھول ہنستے ہیں انہیں کیا شاخ زعفران ہے

تمام ذرے بنے ہیں انجم جو جادہ رشکِ کہکشاں ہے
زمیں پہ رکھا ہی پاؤں کس نے کہ سر بلندی سے آسماں ہے

صفِ نعال اپنی جا ہی لیکن ذلیل بھی ہیں جلیل بھی ہیں
اُدھر سے دیکھو تو صدر سمجھو اِدھر سے دیکھو تو آستاں ہے

جو کہیں تصور میں بند آنکھیں تو سیر ساتوں فلک کی دیکھی
اگرچہ زانو پہ سر ہے لیکن نظر ہماری کہاں کہاں ہے

ہے بزم کثرت کی ایک صورت نہیں ہے تجکو نگاہ وحدت
کہاں نہیں ہے وہ ماہ طلعت نہ پوچھ مجھسے کہ وہ کہاں ہے

خزیں ہے تا ابد رہتا قادر کہ ہو نہیں شاہ نجف کا زائر
ہوا یہ پیری میں مجکو ظاہر کہ بخت میرا ابھی جواں ہے

حسام حسام۔ چودھری حسام الدین ولد چودھری سعادت علی باشندۂ سلیم پور پرگنہ گوسائیں گنج توابع لکھنؤ کرامت علیخاں فسخ کے شاگرد اور صاحب دیوان فارسی و ریختہ تھے ۱۲۷۵ھ سے قبل کربلا جاتے ہوئے راہی عالم بقا ہوئے یہ چند اشعار آنکے ہیں +

وہ لال لال ہیں عناب لب ترے اے گل
کہ جنکو دیکھ کے کھٹے ہوئے ہمارے دانت

تیسکل آئینہ دیکھے تو منہ انہیں نظر آئے
صفا رکھتا ہے وہ یہ غیرت مہتاب ناخن پر

شب کو دریا میں جو عکس اسکے کف پا کا پڑے
ہوں حباب بحر جوں فانوس روشن آبہیں

حسام حسام۔ نواب حسام الدولہ حافظ الملک محمد تقی علیخان بہادر شمشیر جنگ مرحوم ملقب بہ نواب مہدی علیخان متخلص بہ حسام شاگرد شیخ امان علی سحر آپ حضرت محمد علیشاہ بادشاہ اودھ کے خویش اور حضرت واجد علیشاہ کے خاص مقرب و معتمد تھے۔ بعد انتزاع سلطنت جب واجد علیشاہ کلکتے جانے لگے تو محلات شاہی جواہر خانہ اور دیگر کارخانجات سلطانی کا آپ ہی کو منتظم کر گئے تھے۔ موزونی طبع سے کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے۔ کلام یہ ہے۔

رات بھر تارے گنے چاند بھی عاشق ہو کر
تم دکھا دو جو تہ زلف پریشان عارض

عارضی حسن پر اتنا نہیں لازم ہے غرور
ہوں اگر چاند سے اے ماہ دو چنداں عارض

بیحجابی میں بھی پردہ ہی رہا عاشق سے
رقص میں بھی نظر آئے تہ داماں عارض

رنگ عذار یار کبھی ہے کبھی نہیں
دو دن کی ہے بہار کبھی ہے کبھی نہیں

دنیا دو رنگ ہے کبھی غم ہے کبھی خوشی
اس باغ کی بہار کبھی ہے کبھی نہیں

اتنا گھمنڈ دولت حسن دو روزہ پہ
کیا زر کا اعتبار کبھی ہے کبھی نہیں

ہر دم نہ آزمایا کرو تیغ ناز کو
محفل میں جاں نثار کبھی ہے کبھی نہیں

شب کو ہمیشہ وصل ہے دن کو سدا فراق	پہلو میں اپنے یار کبھی ہے کبھی نہیں

حسام

حسام۔ خواجہ حسام الدین حسام لکھنوی کاتب اخبار دارالسلطنت کلکتہ فضل احمد کیف اور سید محمد سجاد کے شاگرد ہیں۔ کلام اُن کا یہ ہے۔

اللہ رے اضطراب کہ کوسوں پتا نہیں	ہوش و حواس و صبر و شکیب و قرار کا
اے حسام اب آ پکا وہ زہد و تقوی کیا ہُوا	ایک کلمے میں وہ بُت بندہ بنا کرے چلا
تم لاکھ چاہو دل سے بُھلا دو مجھے مگر	جاتا ہے میرے دل سے تمہارا خیال کب
تو بھی کسی معشوق کی صحبت میں رہا ہے	اے چرخ جو یہ ظلم کی عادت نہیں جاتی
بعد مُردن بھی نہ کی ترکِ رفاقت میری	میری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری

حسام

حسام۔ منشی حسام الدین باشندۂ کاکوری۔ صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب امیر مینائی سے تلمذ تھا۔ یہ چند شعر اسکے ہیں ❊

کچھ کچھ تو کمی درد جگر میں ہے دم نزع	آتا ہے نظر دست شفا دست قضا میں
کسی شمع تجلّی کے اثر سے	لگی ہے آگ اک دل تک جگر سے
مرے دل کو سینے جاتا ہے کوئی	بچا لے درد ہی اُٹھ کر جگر سے
الٰہی خیر ہو یہ درد کم بخت	بڑھا اب دل کی جانب بھی جگر سے
دم آخر حسام اُن کا یہ کہنا	کہو پلٹو گے کب تک اس سفر سے

حسامی۔ مرزا حسام الدین حیدر دہلوی خلف مرزا خاقی۔ اِنکے بزرگ کسی زمانے میں صاحب اقتدار تھے مگر یہ خود گردش زمانہ کے باعث بے علم رہے بچپن سے فکر معیشت نے سرگشتہ کر دیا داستان گوئی اور جلا کاری کو وسیلۂ معاش ٹھیرا یا تھا۔ موزونی طبع کے باعث کبھی کبھی شعر گوئی کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ خدا بخش خان تنویر سے اصلاح لیتے تھے۔ علم موسیقی میں بھی کچھ دخل تھا چونکہ اکثر اپنا ہی کلام گایا کرتے تھے اکثر غزلیں انکی زبان زدِ خاص و عام ہو گئیں۔ سنہ ۱۳۱۲ھ ہجری میں حیات تھے اور اُسوقت ۵۲ برس کی عمر تھی یہ اُنکا کلام ہے ❊

یارب ہمارے کام تو سارے سنوار دے ۔۔۔ تیرے سوا ہے کون جو دلکو قرار دے
ظالم نے ایسے۔ تخت کو برباد کر دیا ۔۔۔ یاں موسم خزاں ہے تو جلدی بہار دے
لوٹی گئی ہے اس طرح مخلوق ہند کی ۔۔۔ دھمکا کے تیغ سے کہا سب تار تار دے

دیگر

کیا تم سے کہوں لطف ہے جو عشق یار میں ۔۔۔ پر اتنی برائی ہے کہ آرام نہیں ہے
مر جائینگے گھٹ گھٹ کے یونہیں ہجر میں تیرے ۔۔۔ رسوائے جہاں کرنا مرا کام نہیں ہے

دیگر

کر ذبح مجھے شوق سے اے کافر بدکیش ۔۔۔ تڑپوں تہِ خنجر یہ مرا کام نہیں ہے
اک لحظہ چین دل کو نہ اک دم قرار ہے ۔۔۔ کیا جانے تیغ کس کی لگی کس کا وار ہے

نکل جائے کہیں یہ جان تن سے ۔۔۔ چھٹوں فرقت کے ہیں رنج و محن سے

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دلکو اپنے قرار ہے ۔۔۔ کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا غم سے سینہ فگار ہے
وہ شہر دہلی یہ تھا چمن کہ تھا سب طرحکا یہاں امن ۔۔۔ وہ خطاب اسکا تو مٹ گیا فقط اسکو اجڑا دیار ہے
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی کہوں کیا کیا انپہ جفا ہوئی ۔۔۔ جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ تو قابلِ دار ہے
شب و روز پھولوں میں جو تلے ہوئے یوں خارِ غم سے فگار ہیں ۔۔۔ گلے طوق قید میں جب انہیں کہیں ہے گلے کے یہ ہار ہے
جو سلوک اوروں سے کرتے تھے وہی اب ہیں کھینچتے ذلیل و خوار ۔۔۔ وہ ہیں تنگ چرخ کے جور سے رہا تن پہ انکے نہ تار ہے
یہ زمانہ ہو وہ برا فلک چلو بیچ کے سب سے الگ الگ ۔۔۔ نہ رفیق کوئی کسی کا یاں کسی کا کوئی بھی یار ہے
کیا تمامی ڈر تجھے حشر کا جو حذار کھے تجھے برملا ۔۔۔ تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہی تیرا حامی کار ہے

حسان
حسان حکیم عبد الحق حسان۔ اسحٰق پٹن صوبہ مدراس کے رہنے والے اور منشی احمد حسین شوکت کے معتقد ہیں۔ حالات باوجود کوشش دستیاب نہو سکے اِنکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

ہمکو پلا دے وہ مئے وحدت تو ساقیا ۔۔۔ غم دو جہاں کا خاتم دل کا نگین نہو
پیشہ وفا کا کرنا ہے کیوں واعظ اختیار ۔۔۔ خائن یہ باطن اور بظاہر امین نہو

خدائی کے نظر آتے ہیں جلوے دیکھ لے آکر ۔۔۔ تماشا خانۂ دل تیرے نظارے کے قابل ہے
اسے دل تمام رات تڑپتا ہے درد میں ۔۔۔ پہلی ہی شب ہے اور تجھے اضطراب ہے

ظلم آن حسن ہے اور وہ شانِ عشق ہے
حسن کی یہ جان ہے اور وہ روانِ عشق ہے

جگر کے داغ ہرے ہوں جو موسم گل ہیں
ہیں ارمغاں انہیں لیجاؤں باغباں کے لیئے

حسرت

حسرت - میر محمد حیات حسرت ملقب بہ ہیبت قلیخان - انکے والد نواب شوکت جنگ خلف نواب صولت جنگ صوبہ دار پورنیہ بنگال کی رفاقت میں کچھ دن رہے - پھر نواب سراج الدولہ کی سرکار میں داروغگی کی خدمت پر مقرر ہوئے - خود حسرت سنہ ۱۱۹۰ھ میں نواب مبارک الدولہ میر مبارک علیخان صوبۂ بنگال کے ہاں افسروں میں تھے عظیم آباد کے رہنے والے - اور میرزا جانجاناں مظہر کے شاگرد تھے - انکی بدیہہ گوئی - حاضر جوابی - ظرافت اور دقیقہ رسی کا افسانہ فقط تذکروں ہی کے ذریعے سے اب تک باقی ہے شعر صاف اور پاکیزہ کہتے تھے لطف محاورہ کا بہت خیال رکھتے تھے - معاملہ بندی میں روزمرّہ کا برتاؤ اُنکے مذاقِ سلیم کا شاہد ہے اُنکے بعض اشعار ایسے بھی ہیں کہ جو زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ کس شاعر کے ہیں سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال ہوا - فیلن صاحب لکھتے ہیں کہ دیوان اُردو کے علاوہ ایک قصہ طوطی نامہ بھی انکی تصنیف سے تھا - ذیل کی چند غزلوں کے منتخب اشعار اُن کے دیوان سے نقل کیئے جاتے ہیں ؂

سیر رکھتا ہے ہمارا شیوۂ دیوانگی
کس ساعت بہ قیدِ قفس ہیں وہ پڑی تھی
حسرت اُسے بے برگ ہیں کن آنکھوں سے دیکھوں

عشق نے داغِ جنوں سے ہمکو گلدستہ کیا
بلبل کو نہ پھر ہم نے گلستاں میں دیکھا
جب باغ کو جوشِ گل و ریحاں میں دیکھا

نجانوں کر سے کیا حنا کا لگانا
چھپاؤں اشکِ گلگوں کس طرح ہائے
ہم سے وحشت اِسے کیا کہتے ہیں
رلی اُٹھا چشمِ مروّت ہم سے
اُسکے دل میں کبھی تاثیر نکی

لہو پانی کرتا ہے یہ پان کھانا
گریباں ہو رہا ہے جا بجا سرخ
سب سے اُلفت اِسے کیا کہتے ہیں
بے مروّت اِسے کیا کہتے ہیں
اسے محبت اِسے کیا کہتے ہیں

بے سبب صاف دلوں سے صاحب
اتنی کلفت اسے کیا کہتے ہیں

اتنا بھی عشق میں رسوا ہونا
کہہ تو حسرت اسے کیا کہتے ہیں

زلف و رخ یار دیکھتا ہوں
کیا لیل و نہار دیکھتا ہوں

ہم نہوں تو ہو تو سب چرچا کریں
شمع ہے محفل میں پروانہ نہیں

مر گئے انتظار کے ہاتھوں
کیا کہیں اپنے یار کے ہاتھوں

سدا بارش میں رہتی ہے ہماری چشم تر ساون
تو اک دو دن برس کر ہمسے آ سکتا ہی برساون

سنا ہے آج میخانہ میں جام مے پرستوں سے
لٹا یا دین و دنیا دونوں تہمت اسکو کہتے ہیں

ہم دوانوں کے نہیں عشق میں گھر جلتے ہیں
اس محبت میں پرندوں کے بھی پر جلتے ہیں

اڑا دے اے دوانے شورش سودا سے چھپر کو
بہار آئی تو کیا پھر دیکھتا ہے پھونک دے گھر کو

زاہد جو نہیں ہے مرے دل سے آگاہ
کہتا ہے کہ کافر ہے تو اے رو سیاہ

ق

ہوں جسکی پرستش میں کہوں کیا یارو
آتا ہے وہ بت دیکھیو اللہ اللہ

میخانے میں کیا پھرے ہے مٹکی مٹکی
زاہد و واعظ سے دور بھٹکی بھٹکی

ق

قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے ہرگز
یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی

تیرا غرور میرے عجز کے مقابل ہے
ادھر پہاڑ ادھر ایک شیشۂ دل ہے

یہ گل ہزار اپنے جامے میں پھول بیٹھے
ویسے کھلے نہ دیکھے بند قبا کسو کے

جدائی کی ہوا دہکا گئی ہے آگ سینے کی
لگے اڑنے بھبوکے آہ سے کیا طرح جینے کی

عشق میں یار گر وفا نہ کرے
کیا کرے کوئی اور کیا نہ کرے

کسو دشمن کا آشنا بھی خدا
تجھسا بیگانہ آشنا نہ کرے

چاہے سو ہمیں کر تو گنہگار ہیں تیرے
تقدیر تھی اپنی کہ گرفتار ہیں تیرے

عشق میں خواب کا خیال کسے
نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

جتنے خوش چشم ہیں زمانے میں
رہتی ہے سب سے میری آنکھ لگی

ہے خبر آینکی یاں کون سے دیوانے کی	کچھ ہوا آج جنوں خیز ہے ویرانے کی
تو ہی اے ذوقِ ستم سلسلہ جنباں ہو کبھی	یوں تو ظالم کو مری یاد نہیں آنے کی

حسرت میرزا جعفر علی نام حسرت تخلص باشندہ دہلی۔ والد انکے میرزا ابو الخیر دہلی میں عطاری کا پیشہ کرتے تھے۔ اور میرزا حسرت کا بھی اوائل شباب میں یہی پیشہ تھا۔ دوکان انکی دلّی میں اکبری دروازے کے قریب تھی۔ تعلیم و تربیت بھی انکی یہی ہوئی۔ مگر پھر دلّی سے نکلکر لکھنؤ میں مستقل قیام اختیار کیا تھا۔ اور عطّاری کا پیشہ ترک کرکے مرزا جہاندار شاہ کی رفاقت میں رہنے لگے تھے۔ آخر عمر میں یہ سلسلہ بھی چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ چنانچہ اسی عزلت گزینی اور اطمینان کی حالت میں ۱۲۰۰ھ ہجری میں انتقال کیا ؛

انکا سلسلہ شاعری رائے سرب سنگھ دیوانہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بزرگوار اگرچہ ہندی نژاد تھے لیکن اپنی فطری مناسبت اور خداداد قابلیت کی وجہ سے فارسی زبان پر بہت اچھی طرح قادر تھے اور مذاقِ سلیم رکھتے تھے۔ ان کے زمانے میں اکثر شعرائے لکھنو انھیں سے فنِ شاعری میں فیضیاب سخن ہوئے۔ چنانچہ حسرت بھی انھیں کے شاگرد تھے اور ایسے شاگرد تھے کہ خود بھی اُستاد مانے گئے اور انکے بھی بیسیوں شاگرد تھے جن میں شیخ قلندر بخش جرأت انکے شاگرد ایسے مشہور نامور اور صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں کہ جن پر اُستاد کو بھی فخر تھا۔ حسرت کے تذکرے میں یہ بات نہایت دلچسپ اور عجیب ہے کہ انکے فیضانِ سخن کی ابتدا تو مغرب یعنی دلّی سے ہوئی اور انتہا مشرق یعنی بنگال و بہار میں۔ جسکو بالتفصیل یوں کہنا چاہیئے کہ انکے شاگرد رشید جرأت کے رنگ نے تو دلّی کی آب و ہوا میں پختہ ہو کر لکھنؤ پر اپنا اثر ڈالا اور شاگردانِ جرأت میں سے میاں جھجو صاحبِ نورتن نے اُسکو پوری آب و تاب کے ساتھ چمکایا۔ رافت کے کلام میں بھی دلّی اور لکھنؤ کے ساتھ ساتھ بہار و بنگال کا کچھ اثر پایا جاتا ہے۔ انکے بعد ضیغم وحشت۔ نسّاخ۔ اور شاگردانِ نسّاخ ان سب کی نشو و نما بھی مشرق ہی میں ہوئی۔ اور ان کی شاعری بھی وہیں کی شاعری قرار پائی ؛

حسرت کے شاگردوں میں شہرت اور قابلیت کے لحاظ سے سب سے اوّل نمبر تو حضرت جرأت کا ہے اُن کے بعد شاہ قدرت اللہ قدرت - نوّاب محبّت خان محبّت - شہباز جنگ اور خواجہ حسن حسن لکھنوی وغیرہ کا نمبر ہے - یہ لوگ صاحب دیوان اور مُسلّم الثبوت اُستاد گزرے ہیں - حسرت کی تصنیفات میں اُردو کلّیات کے سوائے اور کوئی کتاب یا تذکرہ مشہور نہیں ہے - اس کلّیات میں - ساقی نامہ - مثنوی - واسوخت - ترجیع بند - ترکیب بند مسدّس - مخمسات - قصائد - اور رباعیات غرض اصناف سخن کے جملہ نمونے پائے جاتے ہیں - ان کے علاوہ اُسی میں دو دیوان غزلوں کے بھی موجود ہیں - اُن کا قلمی دیوان راقم کے کتبخانے میں موجود ہے - اب کچھ عرصہ ہوا حسرت موہانی نے اُن کا انتخاب کلام بھی شائع کیا ہے - شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد صاحب آبحیات نے دیوان حسرت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "اس میں پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے" مگر راقم الحروف کے نزدیک مولانا کا یہ قول قابل تسلیم نہیں ہے - غالباً اُنکی نظر سے صرف اُن کا دیوان دوم گزرا ہے - اور اُسی پر اُنھوں نے مذکور الصدر رائے قائم کی ہے جو ایک حد تک صحیح ہے - اگر پورا کلّیات اُنکے سامنے ہوتا تو یقیناً وہ حسرت کے لئے اس سے بہتر رائے قائم کرتے - کیونکہ فی الواقع اس میں اکثر جگہ بہت کچھ نمکینی اور چاشنی موجود ہے - یہ امر مسلّم ہے کہ کسی عمارہ سے عمارہ کہنے والیکا بھی تمام کلام یکرنگ ہونا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے -

حسرت کا کلام اکثر شعرائے متقدمین کی مانند تصنع اور ناگوار رعایت لفظی سے پاک ہے - درد اور سادگی خیال کی بنیاد پر فی الجملہ میر کے کلام سے مشابہ ہے - اگرچہ ترکیبوں کی موزونیت اور الفاظ کی چستگی میں میر تقی کا رتبہ بہت بلند ہے -

میرزا حسرت کا خاص انداز یہ ہے کہ غزل کو اکثر قطعہ پر ختم کرتے ہیں اور مضمون مسلسل کے اسقدر گرویدہ معلوم ہوتے ہیں کہ بعض غزلوں میں مطلع سے مقطع تک ایک ہی مضمون ہوتا ہے یہ خصوصیت ان سے گزر کر جرأت اور شاگردان جرأت میں بھی پائی جاتی ہے - جو بلا شبہ

قابل تقلید ہے۔ حسرت اردو شاعری کے علاوہ فارسی زبان میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے اور مرزا فاخر مکین سے فارسی میں اصلاح لیا کرتے تھے۔ اب انکے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو

زیست میں بادہ کشی حسن پرستی ہے مزا — اس سوا جس نے کیا کام سو بیہودہ کیا
دل تو میرا ہو گیا آشفتہ اسکی زلف کا — تیرے کیوں مُو ہیں پریشاں تجکو سنبل کیا ہوا

لایا نہ کوئی چراغ و گل یاں — بیکس ہی رہا مزار اپنا
کی دل نے بھی آہ بے وفائی — کوئی نہیں غمگسار اپنا
کیا مے تھی وہ چشم مست ساقی — ٹوٹا نہ کبھی خمار اپنا
تو آنے کو یاں کے دن گنے ہے — ہم کرتے ہیں دم شمار اپنا
تیرا تو تب اعتبار سمجھے — جب ہووے کچھ اعتبار اپنا

صبحدم نالے سحر کے جتنے تھے خالی گئے — اے دعائے نیم شب تیرے اثر کو کیا ہوا
ایک سے اک اس زمانہ میں ہے اس سے خوب تر — کوئی خوش آتا نہیں میری نظر کو کیا ہوا
مجھے ٹک سانس بھی یہ درد و غم لینے نہیں دیتا — عجب کچھ درد ہے دل میں کہ دم لینے نہیں دیتا
اجل سو بار آئی رنج میرا دور کرنے کو — ولے احساں مجھے تیرا کرم لینے نہیں دیتا
تمنا خاک کو میری قدمبوسی کی ہے لیکن — چلے ہے بچکے وہ ظالم قدم لینے نہیں دیتا
پھر ادھر قتل کو آنکھوں سے اشارہ نہ کیا — نیم بسمل ہی رکھا کام ہمارا نہ کیا
بوسۂ لب دل بیمار کی قسمت نہ ہوا — درد کا میرے مسیحا نے بھی چارہ نہ کیا
دیکھ لیتا کوئی دم میں بھی تجھے بھر کے نگاہ — سامنے ہونیکا پر دل ہی نے یارا نہ کیا
اے دل اگر تڑپنا تیرا یہی رہے گا — کاہے کو تو جیئے گا کاہے کو جی رہیگا
رہنے دے مے کو ساقی ہم تو چلے یہاں سے — قسمت میں جسکی ہوگا سو جام پی رہیگا

ایک نے بھی نہ کی وفا ہم سے — ہم نے کتنوں سے دل لگا دیکھا
یا رہے دکھ میں یا رہے غم میں — ہنستے دنیا میں آکے کیا دیکھا

بھولنا ہی نہیں وہ دل سے اُسے
ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا

بہاریں ہمکو بھولیں یاد ہے اِتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع رویا کی
کچھ اپنا حال پروانہ سُنانے شام آیا تھا

اجل منّت تری کیا ہے وہ ابرو جب دیکھے
اُسی دم سے ہمیں تو مرگ کا پیغام آیا تھا

وفا سمجھا تھا ہیں پر دل کو بننے ہی نہ وہ ٹھہرا
جو دیکھا تو غرض کو اپنی وہ خود کام آیا تھا

مطلب نہیں ہے شکوہ۔ اِن ہیر تونوں کا
حسرت مجھے ہے رونا اِس دلکی حسرتوں کا

ہر اشک ہے وہ قاصد ہے جسکے پاس دفتر
تیری شکایتوں کا میری حکایتوں کا

گیا دل سو گیا رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا
اگر رو رو کے جی کھوویں تو پیدا دل نہیں ہوتا

کسکی نگہ کا تیر لگا آہ کیا ہُوا
تڑپے ہے دل مرا اسے اللہ کیا ہُوا

جگر کر چاک قاتل دیکھتا تھا
جو میں پوچھا کہا دل دیکھتا تھا

جوں لالہ بہار کر رہا ہے
پر سینۂ داغدار اپنا

کاش اُسکے عشق جتاتا نہ میں اُسکو حسرت
میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہُوا

بچا تجکو مریضِ عشق سے ملنا حذر آیا
کہ آئینے میں شکل اپنی جو دیکھی مجکو ڈر آیا

رقیبوں کے حوالے کر کے خط کو نامہ بر آیا
عزیزو میں کیا کہوں قاصد تو میرا کام کر آیا

نامہ بر دل سے نہیں بہتر کوئی پر نچھ سکتے
اُسکو بھی بھیجا نہ میں نے بدگمانی کے سبب

کیا مجال اسکی کہاں تو اور کہاں میرا غبار
لگ چلا دامن سے تیری مہربانی کے سبب

آ چپنے لب تو وا نہ کر آسے خندۂ زخم جگر
چرخ دیگا لاکھ غم اِس شادمانی کے سبب

پتنگے شمع کے صدقے ہوں بلبلیں گل پر
کوئی کسی کے فدا ہو میں ہوں فدائے حبیب

بہشت کی مجھے ترغیب تو نہ دے واعظ
کسی کی مجکو تمنا نہیں سوائے حبیب

کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
جیسی تجھ بن کٹی ہماری رات

بے خبر یار مری لینے خبر آیا ہے
دین و دُنیا کی نہیں مجکو خبر آجکی رات

قطعہ

گر بے وفا ہے قتل ہی کرنے کو آ یہاں
اور با وفا جو ہو تو برائے خدا پہنچ

گر مجھ سے کچھ غرض ہے تو مطلب کو اپنے آ
اور کچھ نہ کام ہووے تو بے مدعا پہنچ

گر بے خطا ہوں میں تو مجھے آکے وصل دے
اور ہو گناہ میرا تو دینے سزا پہنچ

القصہ اب نہیں ہے ذرا تاب انتظار
جس طور چاہیے پاس تو حسرت کے آ پہنچ

دیکھی نہ ایسی جنگ نہ میں زینہار صلح
سو بار دن میں لڑتے ہو اور سو ہی بار صلح

کہتا ہے تو ملوں گا نہ اس سے پر آج کل
حسرت کرے گا آپ سے بے اختیار صلح

فانوس میں شمع ہے کہاں ایسی خوشنما
جو پیرہن میں دیتا ہے اس کا بدن بہار

مجنوں ترے ہی پاؤں کے ٹوٹے ہیں آبلے
ہر نوک خار دشت سے ہے دیتا ہے تن بہار

روز ازل سے حسن کی جلوہ گری ہے تا ہنوز
ہم بھی تمھیں کہاں سے سمجھیں بیخبری ہے تا ہنوز

میکدے میں نگاہ نے تیری عجب فسوں کیا
شیشوں میں مے کے ہر طرف قلقل ہی ہے بپا ہنوز

بوئے یوسف مگر آئی نہیں کنعاں میں ہنوز
کر صبا ڈھونڈ سے ہے اس کو لگتا نہیں ہنوز

قتل کا تو نے جو حسرت کے کیا ہو ساماں
کچھ رہا ہی مگر اس سے سر و ساماں میں ہنوز

اپنی خاطر نہیں منظور رہائی مجھکو
میں ہوں آزاد تو ہو رنج سے آزاد قفس

بسکہ تھا انس مجسم بعد رہائی صیاد
ہم قفس یاد کریں ہمکو کرے یاد قفس

روئے گل دور ہی سے دیکھ لیں ہم اے صیاد
تک تو بچا کے تو لٹکا سر شمشاد قفس

مانند گل کروں میں گریباں کو چاک چاک
آتا ہے میرے دل میں بھی بار بار جوش

حسرت مجھے ہے ڈر کہیں آنسو ابل نہ جائیں
رکھتا ہوں جی کا جی ہی میں میں مار مار جوش

دیکھتے ہی شمع کو جاتا ہے پروانے کا ہوش
آدھ پہر رہتا ہے کچھ مگر اسکو جلانے کا ہوش

مست میں تو ہو گیا تیری نگہ سے ساقیا
اب نہیں مجھ میں رہا ہے اور پیمانے کا ہوش

ہو گئی بلبل قفس کو دیکھتے ہی بے حواس
کچھ نہیں اسکو رہا ہے آشیاں اور دانے کا ہوش

جونہی ذکر عشق چھیڑا اس ہوا بیہوش میں
آگیا حسرت کچھ ایسا مجھکو نہ افسانے کا ہوش

کل کب تھے ہم سے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش
ہمنے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تونے فلک
ہائے اس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی بساط

تو نے اے غم انکو بھی کھویا رُلا کر ہے غضب
تھے کئی ٹکڑے جگر کے چشم گریاں کی بساط

ایک بوسہ دیتے انکا حوصلہ ہوتا ہے تنگ
خوب حسرت دیکھ لی ہمنے بھی خوباں کی بساط

اتنی مجھے نہیں ہے دل و جاں کی احتیاط
منظور جتنی ہے ترے پیکاں کی احتیاط

کچھ اس سے بہرے پاؤں کے ہے آبلوں کو کام
اے برق کچھ خارِ بیاباں کی احتیاط

اے فلک باقی نہیں ہے میرے دل میں جائے داغ
اور کیوں دیتا ہے مجھکو داغ پر بالائے داغ

تجھسا مہرو داغ ہجراں دیکھے یوں جاتا ہے
حیف غم افسوس حسرت ہائے حرماں ہائے داغ

سخت بیدردی ہے بیدردوں سے کہنا دردِ دل
منت مرہم نہ لیجے کھینچئے ایذائے داغ

قطعہ

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ
پہنچی کہ نوبت آئے سخن کی قسم تلک

لیکن سمجھ کے بات کو اس نے اڑا دیا
پہنچاتے ورنہ ہاتھ ہم اسکے قدم تلک

تیری فرقت میں ہے شام و سحر مجھکو عجب مشکل
جو شب کاٹی تو دن مشکل جو دن کاٹا تو شب مشکل

کرم سے کھول جو عقدے پڑے ہیں کام میں میرے
ترے آگے ہیں سب آساں مرے نزدیک سب مشکل

ظلم کر اور نہ رکھ عاشق بدنام سے کام
اپنے تو کام میں رہ گیا ہے مرے کام سے کام

گردشِ چشم نے ساقی کی چھکایا ہے ہمیں
کچھ نہیں ہمکو رہا گردشِ ایام سے کام

شیخ کو اس کی بہشتیں ہوں مبارک ہمکو
شیشہ و ساقی و گل بار و می و جام سے کام

قطعہ

کل روتے ہوئے جو الف قا
حسرت کے مزار پر سے گئے ہم

پڑھتا تھا یہ شعر وہ تو خاک
پھر سنتے ہی جسکے مر گئے ہم

تو نادان دیکھئے یہ کیا ہے؟
اپنا تو شباہ کر گئے ہم

یہ جو [illegible] کی آہ صبح و شام پہلو میں
کہ دل لیتا نہیں اک آن بھی آرام پہلو میں

ہو رہے ہم [illegible]
حرم [illegible]

س

نہ دیکھ اے شیخ تو اُنکی طرف چشمِ حقارت سے
گدایانِ خرابات اِک نگہ میں شاہ کرتے ہیں

نکلیا ہے کسی دن جی بھی شاید ساتھ نالے کے
ہزاروں رات دن میں نالۂ جانکاہ کرتے ہیں

ہوا سے بال زلفوں کے جو رُخسار پہ ہلتے ہیں
دلِ بیمار اُٹھ بیٹھو کہ دونوں وقت ملتے ہیں

ساقی مے دے کہ اہلِ مجلس
پانی پانی پُکارتے ہیں

بسایا ہم نے تو اے ہمصفیرو کنجِ زنداں کو
اب آتش دو چمن کو آہ اور پھونکو گلستاں کو

آ نکلے اگر ادھر کیا کیجیے نثار اُن پر
اِک جان ہے سو وہ اِک سر ہے سو شوریدہ

تجھ سے کیا کہیے دردِ دل لیکن
نہیں رہتی زبان کیا کیجے

آشیاں ہی اُجڑ گیا اپنا
رہ کے اے باغباں کیا کیجے

مفت مرتا ہے غم سے حسرت نام
ایک بیکس جوان کیا کیجے

بہار ہو چکی اور شورِ بلبلوں کا گیا
مرے دماغ سے اُس گُل کی بائے بو نگئی

مثالِ نقشِ قدم یاں سے اُٹھ نہیں سکتے
تری گلی میں نجانا بھلا تھا جانے سے

اُڑ گئی پر سے طاقتِ پرواز
کہیں صیاد اب رہا نہ کرے

ق
تم جو کہتے ہو کہہ دو حسرت سے
آہ و فریاد یاں کیا نہ کرے

آپ کا اِس میں کیا بگڑتا ہے
دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کہہ بیٹھے بُرا منہ سے بھلا اور بھی کچھ ہے
دشنام ہی سنے جانے ہے یا اور بھی کچھ ہے

فسانہ وصل کا جس سے دلِ بیتاب کہتا ہے
وہ کہتا ہے کہ افسانہ نہیں یہ خواب کہتا ہے

تاراج کیا صبر و دل و جان پھر آپ آگے
کیا خاک بچی ہے جسے برباد کروگے

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کروگے
لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے

کہیے جو رات تو دن کو کہوں میں رات ہے
کفر کچھ اس میں نہیں یہ دل ملنے کی بات ہے

جگر سوزاں ہے دل بیتاب ہے اور چشم گریاں ہے
الٰہی دن ہے پھر سے مرگ کا یا شامِ ہجراں ہے

یہ کسکی نعش جاتی ہو کہ جسکے ساتھ اک گردوں		غم و درد و الم فریاد و افغاں مرثیہ خواں ہے
یہ بھی اک ستم تھا کہ خواب میں مجھے شکل آکے دکھا گئے		کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اسطرح سے جگا گئے
ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے		تجھے قسم ہے جو تو اس طرف کو آن پھرے
دل دردِ نہاں آہ سے کیونکر نہ کرے	ق	پر آہ تو تب کرے جو اُس سے نہ ڈرے
وہ شکل ہے جیسے دشمنوں میں گھائل		دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے
اُہتو یہ دل اک بُتِ ناآشنا کے ہاتھ ہے		اُسکے ہاتھوں چھوٹنا اسکا خدا کے ہاتھ ہے
بزم میں بیٹھے تھے کل جلنے پر یہ وجور سے		دیکھکر اُسکو لگے لینے بلائیں دُور سے

حسرت منشی ذوقی رام حسرت۔ اگروال ویش۔ قدیم رئیس شاہ جہاں آباد۔ زیادہ تر فارسی شعر کہتے تھے اور صاحب دیوان تھے۔ فارسی زبان پر بہت اچھی قدرت حاصل تھی۔ شعر میں متانت کے علاوہ محاورہ اس خوبی سے نظم کرتے تھے کہ ایرانیوں کو ان پر اہل زبان ہونیکا دھوکا ہوتا تھا۔ نہایت خلیق رمتواضع۔ اور نیک نہاد و بزرگ تھے۔ مدتوں ریاست رامپور اور فرخ آباد میں رہے۔ اُساتذہ کا کلام انہیں بہت یاد تھا۔ کبھی کبھی اُردو میں بھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے۔ مندرجۂ ذیل اشعار اُنھی کی طبع نازک کا نتیجہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

یار کرتا ہے سفر گلشن میں آتی ہے بہار	دیکھیں اب کے سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار
سر اُٹھا سکتی نہیں شاخ گلوں کی مطلق	بس کہ ہے حسن سے اُس شوخ کے محجوب بہار
حسرت میں کس کس آفتِ جاں سے بچاؤں دل	عشوہ۔ ادا۔ نگاہ۔ تبسم۔ خرامِ ناز
قبا پہنے اگر وہ سیم بر سبز	نہو سرو چمن زنہار سر سبز
عیب معشوق کا کب اہلِ وفا کہتے ہیں	خوب نہیں کرتے جو خوبوں کو بُرا کہتے ہیں
گر کوئی لیتا ہے میرا نام اُسکے رو برو	وہ سے ہے مجکو سینکڑوں دشنام اُسکے روبرو
روز و شب چلتا رہے ہے یاں تو حسرت دورِ جام	یاد کیا ہے گردشِ ایام اُس کے روبرو
ہائے کس سے کہوں کہ او بد عہد	کیا کہا اور کیا کیا تو نے

ہوشیاری میں جو آرام نہ پایا ہیں نے — جان کر آپ کو دیوانہ بنایا ہیں نے

آنکھ تو روکے چھوٹ جاتی ہے — دل بچارے پہ آفت آتی ہے
شمع کے طور آتش الفت — سر سے پاؤں تلک جلاتی ہے
درد دل کس سے میں کروں اظہار — سن سکے کون کسکی چھاتی ہے
دن تو گزرا پہاڑ سا جوں توں — دیکھئے رات کیسی آتی ہے
غیر کے پاس روز جاتے ہو — اپنے حسرت سے عار آتی ہے

برنگ آبلہ لے واے کیا یہ زندگانی ہے — کہ جسکے پاؤں پڑتا ہوں اُسیکو سرگرانی ہے

حسرت

حسرت منشی آتمارام صاحب باشندۂ دہلی خلف رائے دولت رام صاحب نبیرۂ راجہ کنول نین بہادر بیشتر بہت مرفہ الحال تھے مگر دلی کی تباہی کے بعد وہ صورت نہ رہی سنہ ۱۹۰۳ء میں ۶۶-۶۷ برس کی عمر میں قضا کی - آخر عمر میں شعر گوئی بالکل ترک کر دی تھی کامل ۳۰ برس راقم تذکرہ کے والد مرحوم کے پاس ملازم رہے کلام درج ذیل ہے ۞

وہ دن گئے جو راحت و عشرت نصیب تھی — حسرت تو مبتلائے غم و فکر نان ہے اب
دیکھا جدھر اُٹھا کے نگہ خاک کر دیا — دل کیا سمجھے کہ تیرے اشارے بلا کے ہیں
گردوں پہ سب شفق جو بتاتے ہیں ہے غلط — یا دل سنگے ہوئے ترے رنگ حنا کے ہیں
غمزے میں چھیڑ آنکھوں میں شوخی نگہ میں ناز — ہر ہر ادا میں تیری چھلاوے بلا کے ہیں
شب رنج جدائی میں ہائے صنم مرا چین گیا مری نیند گئی — کہوں کس سے جو دل پہ ہے میرے الم مرا چین گیا مری نیند گئی
یہی کہتا ہے حسرت خستہ جگر ترے ہجر میں ہوکے بدیدۂ تر — تب ہجر سے آگیا لب پہ دم مرا چین گیا مری نیند گئی
تری محفل میں آوے کیوں نہ حسرت شمع رو ہر دم — کہ جس جا شمع ہوتی ہے وہاں پروانہ آتا ہے
اک دل وہی کے جرم پہ جو ہو سزا قبول — یہ ہی سزا تھی مجھ سے گنہگار کے لیے
ہمارا دل ہی یہ جانے ہے کیا کہیں حسرت — خراب جیسے ہوئے شوخ پُر جفا کے لیے

حسرت

حسرت - حافظ عبد الرحمن حسرت ساکن پانی پت شاگرد معارف دستگاہ قاضی

محمد ثناء اللہ صاحب مرحوم پانی پتی۔ عرصہ ہوا انتقال کر گئے۔ یہ کلام ہے۔

کس لیے چاک قفس بند کیئے اے صیاد
کیا ہوا میں نے اگر سوئے گلستاں دیکھا

تم ہی رو بیٹھوگے دل کو ہمیں سینے کیا ہو!
اگر آئینہ کبھی تم نے میری جاں دیکھا

اُسنے حسرت کو کیا قتل کہیں ہائے کہ آج
میں نے اُس شوخ سے ظالم کو پشیماں دیکھا

ہمتو حسرت کو سمجھتے تھے کہ اک عارف ہے
یہ تو اے واعظ نہ کافر نہ مسلماں نکلا

گر نہیں دوست خدایا میری جاں کے دشمن
کیوں شب غم مرے جینے کی دعا کرتے ہیں

ہائے کیا جور کشی کی ہمیں عادت ہے کہ آپ
اُس ستمگار کو تحریک جفا کرتے ہیں

کیا ہوا دیکھ تو ناصح کہ ہمارے مُنہ سے
یا صنم نکلے ہے جب یادِ خدا کرتے ہیں

کیونکر کہوں کہ ہجر میں مطلق نہیں خبر
اتنی خبر تو ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں

حسرت

حسرت۔ جناب حکیم غلام رسول صاحب عظیم آبادی شاگرد جناب خان بہادر شاد صاحب حالات باوجود کوشش کچھ معلوم نہیں ہوئے۔ کلام کا نمونہ ذیل کے دونوں شعر ہیں۔ ملاحظہ ہوں

جس جگہ شام ہوئی اپنا بسیرا ہے وہیں
ہم سے آواروں کا صیاد نشیمن کیسا؟

آفتاب اُسکو کہوں یا گلِ جنت حسرت
کیا بتاؤں کہ ہے اُس کا رُخ روشن کیسا؟

حسرت

حسرت۔ کنور اعتماد علیخاں بہادر حسرت رئیس اعظم سعد آباد ضلع متھرا۔ آپ کنور ارشاد علیخاں کے بیٹے اور فن سخن میں حضرت فصیح الملک مرزا داغ کے قدیم شاگردوں میں ہیں۔ انکی زندگی ہی میں صاحب دیوان بھی ہوگئے تھے۔ چنانچہ آپ کا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ شعر خاصہ کہتے ہیں۔ زبان۔ بندش۔ صفائی۔ اور روزمرہ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ۴۰-۵۰ سال کے درمیان عمر ہے ناتجربہ کاری اور غفلت کیوجہ سے آپکی زمینداری کا کسیقدر حصہ تلف ہوگیا۔ اب صرف کچھ معاش باقی ہے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سہل ہیں دل کے لگانے کو میری جاں سمجھا
ہائے جو کام تھا دشوار وہ آساں سمجھا

بیخودی کا ہو بُرا ہائے کیا کیا میں نے
دامن یار کو بھی اپنا گریباں سمجھا

پائے افگار کو لذت ہوئی حاصل کیا کیا
نیر ہر خار کو میں تیر کا پیکاں سمجھا

شکر کرتے ہوئے قاتل کو جو دیکھا دمِ قتل
زخمِ دل شورِ تبسم کو نمکداں سمجھا

مژگاں سے چشمِ شعبدہ گر دل کو لے گئی
ہے کسقدر یہ ہاتھ کی چالاک دیکھنا

ہے وہ نقشہ تری یکتائی کا
اُڑ گیا رنگ تماشائی کا

ہو گیا دل کی تمناؤں سے
ایک شہرہ مری رسوائی کا

پاسباں سے ہمیں دہشت کیا تھی
پاس تھا آپ کی رسوائی کا

روزِ محشر بھی نہ نکلے وہ ہے
حوصلہ تیرے تمنائی کا

اک نظر دیکھ لیں اُسکی صورت
جنکو دعویٰ ہے شکیبائی کا

خیالِ کینہ و بے رحمی صبا دبے جا ہے
ہمارے نالۂ دل نے ہمارا آشیاں پھونکا

اثرِ جاذبِ محبت نے خلش ہی رکھی
تیر نکلا مرے پہلو سے نہ پیکاں نکلا

دوست دشمن کا آشنا نہ ہوا
مدعی کا بھی مدعا نہ ہوا

مجھکو چاہت کی داد ملجاتی
تو کسی پر بھی مبتلا نہ ہوا

غیر پر بھی اگر ستم ہوتا
شکوہ ہوتا نہ مجھکو غم ہوتا

افسوس وقفِ حسرت و اندوہ ہو گیا
دل قابلِ تصورِ جاناں نہیں رہا

جدا اک دم خیالِ یار جی سے ہو نہیں سکتا
یہ غم سے ہو نہیں سکتا خوشی سے ہو نہیں سکتا

ہمیں کو چاہیئے کرنا ہمیں جو کام کرنا ہے
کسی کا کام یہ سچ ہے کسی سے ہو نہیں سکتا

یہی وہ جنس ہے انساں جو مشکل سے دنیا ہے
متاعِ دل کا سودا دل لگی سے ہو نہیں سکتا

مقدر جسکا بُرا ہو کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مثل سچ ہے کہ کچھ بھی آدمی سے ہو نہیں سکتا

تمہارے ہاتھ مرتا ہے تمہارے ہاتھ جیتا ہے
جو میرا کام ہے میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

خاکساری کا دماغ آج آسماں پر ہو گیا
رکے دامن پہ لگا دے صبا ہماری خاک کا

پہنچی جانے تیری چھپر دلمیں مرے کچھ آج خنجر سے
میری آنکھوں میں نقشہ پھر رہا ہے اُسکی ابرو کا

یہی کمبخت مجکو رات دن بے چین رکھتا ہے
چیز اچھی ہو تو ہوتے ہیں خریدار بہت

کہ دل میں ہو گیا ہے درد اُٹھو میرے پہلو کا
تم سے ملجائیں گے لاکھوں جو مرا دل ہوگا

اس بہانے سے موت آئی تھی
ٹال دی بات گالیاں دے کر

ہوا وصل تو وصال ہوا
عرضِ مطلب کا یہ جواب ہوا

ہوش آئے تو کرے خون کا دعویٰ کوئی
لذتِ وصل ہی وصل کی شب بھی نہ مجھے
اس کاوشِ پنہاں سے تو خوں ہو کے مرا دل
اُٹھتے نہیں وہ بزمِ عدو سے فغاں فغاں
دشمنوں کا نہیں شکوہ کہ تری اُلفت میں
سیکڑوں یوں تو مسیحا نے جلائے مُردے
کعبہ و دیر ہوئے شیخ و برہمن کے سپرد

کشتۂ تیغِ ادا حشر میں بے ہوش رہا
رات بھر جلوۂ دیدار سے بے ہوش رہا
ہمراہ جو اشکوں کے نکلجائے تو اچھا
آتی نہیں ہے ہائے قیامت کو کیا ہوا
دوستوں کو انھیں آنکھوں سے بدلتے دیکھا
کوئی بیمارِ محبت نہ سنبھلتے دیکھا
ہم بھی دیکھ آئیں ٹھکانا کہیں چلکر اپنا

شکر لازم ہے اس عنایت کا
کوئی اُمید اب نہیں باقی

وصل میں کام کیا شکایت کا
ولولہ مٹ گیا محبت کا

داد ملنے کی نہیں کوئی تمنا ہمکو
قیامت وصل کی شب میں مجھے یہ اُنکا کہنا تھا

داورِ حشر ڈھکا رہنے دے پردہ اُنکا
کہ تم تو مُنہ لگتے ہی ہوئے بیباک کیا کہنا

تم کو جانا ہے گھر سے چلے جانا
آ تو جاؤ میری عیادت کو
جب گزرنا ہماری تربت پر
جاتے ہیں جان سے ذرا ٹھہرو

شب کی شب ٹھہر کر چلے جانا
اِک ذرا دیکھ کر چلے جانا
اُنکو مُنہ پھیر کر چلے جانا
ہم اُدھر تم اِدھر چلے جانا

آرزوئے دلِ بیتاب کا بر آنا تھا
آنکھ نیچی نہیں ہوتی تھی تمھاری کل تک
نہ تم اپنے نہ دل اپنا نہ قسمت آشنا اپنی
عدو کے ساتھ گزاری ہے تم نے ساری رات

تیر کا سینۂ بسمل میں پرافشاں ہونا
آج کیا ہے جو چُراتے ہو نظر آپ سے آپ
یہ میرا طالعِ واژوں یہ میری نارسا قسمت
خبر ہے کیا تمھیں کیسی کٹی ہماری رات

قاصد سے کہہ رہے ہیں مرا حال سُنکے وہ
اُسکی طرح سے تجکو بھی آتی ہے جھوٹ سچ

اب یہاں تک تو بڑھا اُنکے ستم کا انداز
میرے دشمن مجھے جینے کی دُعا دیتے ہیں

توبہ کرتا ہوں مگر پھر بھی مرے ہم مشرب
منتیں کر کے مجھے روز پلا دیتے ہیں

وہ نا اُمید کہ جو موت سے بھی کچھ لے نہ سکیں
جہاں میں جس کا نہ ہو آسرا وہ کون کہ ہیں

شب فراق بلاؤں بھی تو نہیں آتی
جسے کہ بھول گئی ہو قضا وہ کون کہ ہیں

نہ موت آتی ہو جسکو نہ رزق ملتا ہو
جسے کہ بھول گیا ہو خدا وہ کون کہ ہیں

شوخی نہیں شامل جو تری شرم و حیا میں
چُبھتی ہوئی کچھ بات نہیں ناز و ادا میں

کیا قہر ہے مجکو لب جاں بخش نے مارا
تو زہر کی تاثیر ہوئی آب بقا میں

اِس ظلم و ستم پر بھی کروں مہر و محبت
دُنیا سے نیا چاہنے والا تو نہیں میں

وہ پاس بھی ہیں تو بھی سمجھتا ہوں دور ہیں
فرقت کا بندھ رہا ہے تصور نگاہ میں

ایسے گنہ کیے ہیں کہ اللہ کی پناہ
لکھنے سے جسکے کاتب اعمال تنگ ہیں

ہر چند اُسنے خاک میں مجکو ملا دیا
دل پھر بھی کہہ رہا ہے کہ وہ بیوفا نہیں

دم کچھ ارمان نہیں ہے کہ نکل ہی نہ سکے
موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بُلا بھی نہ سکوں

حضرت ناصح یہ مانا بیوفا وہ شوخ ہے
جب نہ ہو بس میں طبیعت پھر کروں تو کیا کروں

عرصۂ حشر میں اسے واعظو کچھ ہو کہ نہ ہو
جیتے جی تم تو جہنم میں جلا دو مجکو

کسی صورت سے تو ارمان تمہارا نکلے
گالیاں اور بھی دو چار سُنا دو مجکو

اور کیا چاہیے گر اسکو قرار آ جائے
موت سے دل جو بہلتا ہے بہلنے دو

سوئے گور غریباں گر وہ جائیں تو یہ حالت ہو
نکل آئیں تڑپ کر قبر سے مُردے قیامت ہو

ہوئی ہائے نامنصفی کیسی کیسی
مجھے حشر پہ سنتے گماں کیسے کیسے

دل کو غم آشنا کرے کوئی
آپ سے جب وفا کرے کوئی

دل بھی کرنے لگا دغا ہم سے
کس کا اب آسرا کرے کوئی

خوشی گناہ میں اتنی ہے کردگار مجھے
کہ لوگ کہتے ہیں تیرا گناہگار مجھے

اثر یہ جذبۂ دل کا نہیں تو پھر کیا ہے
وہ اور بیٹھ کے روئیں سر مزار مجھے

خراب کر کے دلِ بیقرار چھوڑے گا
ابھارتا ہے یہ کمبخت بار بار مجھے

دبی زبان سے کہوں حرفِ مدعا ان سے
سنبھلنے دے جو ذرا آج انتشار مجھے

وہ خوش نصیب ہوں آخر پلا ہی دیتے ہیں
چھپا چرا کے حریفانِ بادہ خوار مجھے

وعدہ ہے انکے آنیکا اور موت آگئی
مرنا ہوا ہے آج تو دشوار اور بھی

بوسہ لیا تو خوبیٔ تقدیر دیکھیے
کملا گئے وہ پھول سے رخسار اور بھی

جسے ناداں کہتے ہیں قیامت
وہی تو تیرے ملنے کی گھڑی ہے

حسرت

حسرت - منشی احمد علی حسرت برادر صغیر حکیم محمد کبیر صاحب - زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے نمونۂ کلام میں ذیل کے دو شعر ملاحظہ ہوں -

تمھاری قدر لوگ کم جانتے ہیں
جو تم ہو پیارے سو ہم جانتے ہیں

شاید وہ شوخ آج پھر اغیار پاس ہے
جو دل پہ اضطراب ہے اور جی اُداس ہے

حسرت

حسرت - مولٰنا حبیب الرحمن خان شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ - آپ نواب عبد الشکور خان صاحب کے بھتیجے اور محمد تقی خاں کے فرزند رشید ہیں - اپنے ضلع کے عمائدین میں گنے جاتے ہیں - ۳۸ - ۴۰ کے درمیان آپ کی عمر ہے - عربی فارسی کی استعداد عالمانہ اور اخباری دُنیا میں آپکی شہرت معقول ہے - علی گڑھ کالج اور دیگر اسلامی مجالس کے رکن ہیں - ندوۃ العلماء کا رسالہ کچھ عرصے سے آپ ہی کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے قصبۂ بھیکم پور کے متصل آپ نے اپنے نام سے ایک موضع حبیب گنج آباد کیا ہے اور وہیں زیادہ تر قیام رہتا ہے - فارسی میں اکثر طبع آزمائی کرتے ہیں - اردو میں گاہے ماہے - لفظ شروانی جو آپکے نام یا تخلص کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہ آپ کا خاندانی اور قومی نام ہے - آپکی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپکے مورثِ اعلٰی سلطنت لودیہ کے عہد میں قندھار کے نواح سے وارد

ہندوستان ہوئے تھے۔ غلزئی۔ لودھی۔ اور شروانی۔ تینوں حقیقی بھائی تھے۔ عمر خان شروانی جن کا ذکر سکندر لودی کے حالات میں صاحب تاریخ فرشتہ نے کیا ہے آپکے مورث خاندان تھے۔ اکبری اور شاہجہانی عہد میں اِس خاندان کے لوگ دلی سے نکل کر علیگڈھ کے ضلع میں آباد ہوئے۔ یہاں اپنی قوت بازو سے ریاستیں پیدا کیں اور گورنمنٹ کے زیر سایہ اُنھیں اور وسیع کیا۔ حسرت شروانی کی ولادت ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ آپکی فارسی تعلیم ابوالفضل مینا بازار اور سہ نثر ظہوری تک ہے۔ عربی میں تمام درس نظامی باستثنائے چند کتب ختم کیا ہے۔ اکثر درسی اور مذہبی کتب عربی مولٰنا مفتی لطف اللہ صاحب۔ قاری عبد الغنی صاحب اور شیخ حسین صاحب عرب محدث بھوپال وغیرہ علمائے عصر سے پڑھیں اور حضرت مولٰینا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ سے آپ کو شرفِ بیعت حاصل ہے۔ انگریزی تعلیم پرائیوٹ اُستادوں سے اور آگرے کے سکول میں انٹرینس تک حاصل کی۔ لغات امیر کے سلسلے میں جناب منشی امیر احمد مینائی سے مراسلت کا آغاز ہوا اور یہی سلسلہ آخر میں تلمذ کا ذریعہ بنا۔ فارسی میں آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ایک خاص اثر کا نتیجہ ہے۔ آپ نے عربی فارسی اور اردو کا ایک کتبخانہ بھی وسیع پیمانہ پر جمع کیا ہے جس میں پرشین لٹریچر کا قلمی ذخیرہ بہت کچھ ہے۔ اور عمدہ ہے۔ اساتذہ میں خواجہ حالی۔ خواجہ عزیز لکھنوی۔ اور علامۂ شبلی سے آپکے گہرے تعلقات ہیں۔ اپنے ضلع کے درباریوں میں ہیں۔ ایکٹ اسلحہ سے مستثنٰی ہیں اور اسپیشل مجسٹریٹی کے اختیارات حاصل ہیں۔ کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔ (ایک نامے کے چند متفرق اشعار)

صبحِ وصل

صبح کے وقت کا نرالا سماں
حسن کا سب لُٹا ہوا سامان

آنکھوں میں سُرمے کا یونہی سا اثر
بال بکھرے ہوئے وہ ماتھے پر

خواب نوشیں کی آنکھوں میں سُرخی
کچھ کھلی کچھ بندھی ہوئی چوٹی

باسی پھولوں پہ کچھ اُداسی سی
اور بو اُن کی بگڑی بگڑی سی

صبحِ رخصت

کیسی دلگیر صبحِ رخصت تھی
صبحِ رخصت کہ شامِ غربت تھی

گلے ملتی تھیں آرزوئیں باہم
دل کو تاراج کر رہا تھا غم

غم کی آمد خوشی کی رخصت تھی
اک تمنا ہزار حسرت تھی

ہر طرف بے کسی برستی تھی
بے کسی پر بھی بیکسی سی تھی

تیرا جانا بلا کا آنا تھا
کیا قیامت کا تیرا جانا تھا

دل پہ اک بے خودی سی تھی طاری
تھیں جنوں کی علامتیں ساری

ایک سکتے کا عجب تھا عالم
آرزوؤں کا دل میں تھا ماتم

غزل

پھر محبت سے بے حجاب یاد آیا
مایۂ اضطراب یاد آیا

دل سے رخصت ہوں سب تمنائیں
وہ سراپا حجاب یاد آیا

دل میں کچھ گدگدی سے ہوتی ہے
ہائے کس کا شباب یاد آیا

خود فراموش سے ہو کچھ حسرت
کوئی آج اسے جناب یاد آیا

ولہ

حسرت و یاس کا انبوہ فغاں کی کثرت
میں تری بزم سے کیا بے سروساماں نکلا

بدگمانی اس کی کم ہوتی نہیں
کس پہ یارب مجکو شیدا کر دیا

متاعِ نور سے لبریز اک عالم کی جھولی ہے
گرہ چینِ جبیں کی کس محبت کوش نے کھولی ہے

شرابِ ناز کے جلوے نگاہِ ناز پر صدقے
ابھی سوتے سے آنکھ اس فتنۂ دوراں نے کھولی ہے

اشارہ صاف کرتی ہے ترے سینہ کی موزونی
کہ جنسِ حسنِ قدرت نے اسی کانٹے میں تولی ہے

حصولِ مدعا اب کوئی دن کی بات ہے حسرت
نگاہیں مل چکی ہیں گفتگو مطلب کی ہولی ہے

دل لگی کو ہنسی سمجھتے ہو!
ابھی بچپن کا ہے اثر باقی

چال مستانہ آنکھ متوالی
یہی ساقی یہی پیالہ ہے

حسن پر ناز ہے اگر تمکو
اپنے دل پر مجھے بھی دعویٰ ہے

حسرت

حسرت منشی دلیل الدین احمد آپکے والد مولوی محمد فیض بخش صاحب تعلیم کی ضرورت سے اپنے وطن جہانگیر نگر ڈھاکہ کو چھوڑ کر عنفوان شباب ہی میں کلکتے چلے آئے تھے چنانچہ کچھ دن بنگلی کالج میں پروفیسر رہنے کے بعد مدرسۂ کلکتہ میں مدرس رہے۔ آپ سنہ ۱۸۷۷ء میں کلکتے میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔ بعدہٗ سنہ ۱۸۹۵ء میں مولنا ابوالقاسم محمد شمس صاحب مرحوم کو کچھ غزلیں بغرضِ اصلاح دکھائیں وہ چونکہ آپکے والد کے شاگرد بھی تھے اس لیئے انکی آپ پر خاص توجہ رہی۔ اطرافِ دکن۔ بدڑا میں شمالی ہند کی سیر بھی کر چکے ہیں اب انگریزوں کو اردو پڑھانے کا مشغلہ ہے۔ طبیعت کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوگا

کہیں تھے بادیہ پیما کہیں تھے سلسلہ جنباں
جہاں پہنچے ہمارے پاؤں نہیں چکر ہی چکر تھا

تری رنگیں ادائی کا وہ عالمگیر نقشہ ہے
کہ ہر ذرّے سے کثرت کے عیاں ہے نور وحدت کا

نگاہِ ناز کی خاطر ہوئی ہے خانہ بربادی
سدا لٹتے ہوئے دیکھا ہے گھر اہلِ مروّت کا

قتلِ عاشق پہ ازدحام ہوا
خاص اک راز تھا سو عام ہوا

بے نیازی کا ہے دعوی بیکار
ایک کا ایک ہے انسان محتاج

اٹھائیں ناز دشمن آپ سے یہ کیا قیامت ہے
مری جاں آپ کو زیبا نہیں ہے نازنیں ہو کر

اب جفا سے بھی اسے ہو گئی نفرت ہے ہے
کوئی بھی طرزِ وفا میرے ستمگر میں نہیں

مری تقدیر کی گردش کی شکلیں ہیں جداگانہ
بھنور ہوں بحرِ الفت میں بگولہ دشتِ غربت میں

چشمِ بلبل میں انتظار ہوں میں
آمدِ موسمِ بہار ہوں میں

کیوں میں نکلوں تمھاری محفل سے
دلِ دشمن کا کیا بخار ہوں میں

چکھائے ہیں جنوں نے وہ مزے فصلِ بہاری کے
گل و غنچہ سمجھ کر چن رہا ہوں سنگِ طفلاں کو

خوشامد سے ہوئیں جنت میں بھی رسوائیاں کیا کیا
بڑا دھبہ لگا ہے اسم پاسباں سمجھے تھے رضواں کو

ہزار پیچ اٹھائے ہیں عیش کی خاطر
خیال نفع نہ ہو گر تو پھر زیاں کیوں ہو

خدا کرے درِ جاناں ہو اور جبینِ نیاز
بلند دستِ دعا سوئے آسماں کیوں ہو

برسنا سیکھ لے ابرِ بہاری دیدۂ تر سے
نزاکت سے ہو تم مجبور ہم اپنے مقدر سے

کہاں صحرا سے جاؤں اب کہ خارِ دشت پلٹے ہیں
عبث گلشن میں گلکاری ہے رشکِ خوش خرامی سے

فلک مثلِ حبابِ بحر تیرے گر کبھی برسے
نہ خنجر میان سے نکلا نہ دم اس جسمِ لاغر سے

مددے جوشِ وحشت یہاں بھی اپنے آشنا نکلے
گل و غنچہ کا منہ دیکھو حریفِ نقشِ پا نکلے

حسرت

حسرت - جناب سید آل حسین صاحب تلمیذ حضرت احسان رامپوری - انکے حالات و واقعات بھی باوجود تحقیقات بلیغ ہم سے پوشیدہ ہی رہے لہذا مجبوری ہے - نمونۂ کلام درج ذیل ہے -

اِس بانکپن پہ کوئی نہ مرتا ہو تو مرے
دل چرا لیا ہے بھری محفل میں میرا آپ ہی

حالِ دل انکو سناؤں تو سناؤں کیونکر
یہ ستم غیر شب و روز ترے پاس رہے

مجھ پہ تا حشر میری جان یہ احسان رہے

خنجر کا کام لیتے ہیں ترچھی نظر سے آپ
اور کہتے ہیں وہ مجھ سے ہم بتا سکتے نہیں

بات تک بھی نہیں کرنے کی اجازت مجکو
یہ قیامت نہ ہو آنے کی اجازت مجکو

نزع کے وقت دکھا جاؤ جو صورت مجکو

یار کا وصل ہو کب ہمکو میسر دیکھو
وصل کے ذکر پہ وہ ہم سے بگڑ کر بولے

دل لیا تھا مرا جس ناز و ادا سے تم نے
حالِ دل کہنے کو جاتے تو ہیں اپنا حسرت

کیونکر اِس غم سے چھٹے یہ دلِ مضطر دیکھو
پھر نہ لانا یہ کبھی حرف زباں پر دیکھو

اُسی انداز سے پھر آنکھ ملا کر دیکھو
کیا غضب ڈھاتا ہے مجھپر وہ ستمگر دیکھو

حسرت

حسرت - شمس العلماء حاجی مولٰنا محمد سعید صاحب عظیم آبادی - آپ ۲۷ ذیقعد ۱۲۳۱ھ میں بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے - آپکے والد ماجد حاجی مولوی واعظ علی صاحب مرحوم عظیم آباد کے ایک با وقعت رئیس تھے - عربی فارسی کے عالم اور فن خوشنویسی کے اچھے استاد تھے - مولانا حسرت کی ابتدائی تعلیم تو گھر ہی میں ہوئی مگر پھر کانپور میں مولٰنا شاہ محمد سلامت اللہ قدس سرہ کی خدمت میں ایک عرصے تک رہکر دستار فضیلت حاصل کی - اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی عالمانہ تصنیفات اور صوفیانہ برکات کی بدولت اسقدر مقبول و مشہور ہوئے کہ لوگ اطراف و جوانب سے

آکر شاگرد و مرید ہونے لگے۔ ۱۳۰۳ھ میں گورنمنٹ عالیہ نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ شاعری کی طرف آپ کا میلانِ خاطر اوائل عمری سے تھا۔ مگر عربی فارسی جانتے تھے اور عربی فارسی ہی کہتے تھے۔ اردو سے کچھ شوق نہ تھا۔ کبھی کبھی تقاضائے احباب کچھ کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ باوجود کوشش بلیغ ہمیں اردو کے صرف چار شعر دستیاب ہوئے وہی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ آپ فارسی میں حسرت اور عربی میں سعید تخلص فرماتے تھے ٭

دل ترا جور پہ مائل نہ ہوا تھا سو ہوا	تجھ سے آزردہ مرا دل نہ ہوا تھا سو ہوا
زخمِ دل پر مرے ہنس ہنس کے چھڑکتے ہو نمک	یہ مزا عشق کا حاصل نہ ہوا تھا سو ہوا
کیا تڑپکر دلِ مجروح نے کی بے لطفی	خوں سے تر دامنِ قاتل نہ ہوا تھا سو ہوا
پاگیا عشقِ مجازی سے حقیقت کو سعید	للّٰہ الحمد کہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

حسرتی

حسرتی۔ منشی عبداللہ حسرتی۔ وقائع نگار و اڈیٹر ریاض الاخبار و دیگر اخبارات۔ شعر کا بھی شوق ہے اور اوسط درجے کے شاعروں میں برے نہیں۔ کچھ عرصے لاہور کے مشہور رئیس پنڈت جنار دھن صاحب کی سرکار میں وظیفہ خوار رہے۔ کیفر کردار اور دو تین ناول ان کی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے ٭

تم نہ چاہو ہمیں پھر ہم تمھیں چاہیں کیونکر	ایسے بے مہر سے بتلاؤ نباہیں کیونکر
قابلِ دل کہنے سے الٹا جو خفا ہوتا ہو	ماجرائے غمِ دل اسکو سنائیں کیونکر
جو ہنسا کرتا ہو خود کر کے دلوں کو گھائل	زخمِ دل اسکو کہو اپنے دکھائیں کیونکر
کیا نئی چھیڑ نکالی ہے یہ اس نے مجھ سے	کہتے ہیں روز بتا تجھکو ستائیں کیونکر
حسرتی تیری خطا تھی دیا بیدرد کو دل	اب کسی کو غلط الزام لگائیں کیونکر

حسن

حسن۔ نواب اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علیخان ضیغم جنگ خلف میرزا امام الدین حیدر بن شجاع الدولہ بہادر دام اقبالہ داماد حضرت فردوس منزل تخلص حسن شاگرد سعادتخان ناصر صاحب دیوان تھے۔ اکثر چھوٹی بحروں میں فصاحت کی داد دیتے تھے۔ عاشقانہ مضامین

پُراثر زبان میں باندھ جاتے تھے۔ کلام ذیل کی سطروں میں ملاحظہ کیجئے۔

جُدا تن سے پہلے یہ سر کیجئے — تو پھر آپ یاں سے سفر کیجئے

پریشاں کرو یا زلفیں دکھا کے — کیا عاشق کا خوں مہندی لگا کے
دیا سو منتوں سے ایک بوسہ — یہ غمزے ہیں نئے اُس دلربا کے
کیا مثلِ کتاں سینہ مرا شق — وہ مکھڑا چاند سا مجکو دکھا کے

ہیں باتیں سخت تیری او بُت بے پیر پتھر کی — کہاں تک روکے چوٹیں یہ دلِ دلگیر پتھر کی

جو تو رات دن مجھپہ کرتا جفا ہے — یہی کیا زمانے میں رسمِ وفا ہے
اگر زندہ ہو تو ارسطو سے پوچھوں — کہیں دردِ دل کی بھی پیدا دوا ہے
نہیں یاں کے رہنے کا اِک دم بھروسا — یہ دُنیا نہیں ہے عزیزو سرا ہے
لپٹ جاؤ آکر گلے سے ہمارے — یہی ہے تمنا یہی مدعا ہے
نہیں دیکھتا جس میں اُڑنے کی طاقت — اُسے آج صیاد کرتا رہا ہے
پریشاں ہو کیوں حالِ مرغِ چمن کا — کسی پھول کو کیا صبا نے چھوا ہے
ہم سے صحبت جو یار نے کم کی — ندی جاری ہے چشمِ پُرنم کی
تیری خاطر سے او ستم ایجاد — باتیں سُنتے ہیں ایک عالم کی
مِسی مَل کر جو خندہ زن وہ ہوا — برق ابرِ سیاہ میں چمکی
اپنے بیمار کا نہ پوچھو حال — زندگی اُسکی ہے کوئی دم کی
کردیا غم میں مبتلا تو نے — جس کا ڈر تھا وہی کیا تو نے
خوں سے آلودہ جوئے شیر ہوئی — ہائے فرہاد کیا کیا تو نے
بات کا ہو بھی تو ایسا ہو — جو کہا مجھ سے وہ کیا تو نے
آیا کس روز اپنے عہد سے پھر — عہد کس دن وفا کیا تو نے
[illegible] وفا تجھ کو [illegible] — ہم جو سمجھے تھے وہ [illegible]

حسن - خواجہ حسن خلف خواجہ ابراہیم از فرزندان میر بدکاری متوطن دہلی - جوان وجیہ عالی حوصلہ بڑے لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے - علوم موسیقی ہندی سے بخوبی ماہر اور استغنا اس فن کی انکی تصانیف سے ظاہر ہے - فن شعر میں جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے - انکی نسبت شوق اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ علم نجوم میں بھی بھلا چنگا دخل رکھتے ہیں - علم تصوف کے بادشاہ ہیں - حسن پرست بھی تھے اکثر مقطعوں میں اپنے معشوق کا نام لایا کرتے تھے - امورات دنیا میں مرزا حسن رضا خان نواب سرفراز الدولہ سے تعلق تھا ریختہ میں صاحب دیوان تھے - آزادانہ اوقات بسر کرتے تھے - قلندر بخش جرات سے انکے بڑے دوست تھے - خواجہ حسن اور بخشی طوائف کی داستان عشق ایک مثنوی میں نظم کی ہے ۔

[illegible]

آتا محال ہوش میں ہے مجھ سے مست کا — مدہوش ہو چکا ہوں میں روز الست کا
کیسی صحبت اٹھ گئے کیوں یار کیا تھا کیا ہوا — مٹ گیا نقشہ وہ سب یکبار کیا تھا کیا ہوا
جنکے جوہر دوستی کے خوب آتے تھے نظر — چلگئی ان سے چھری تلوار کیا تھا کیا ہوا

وہ جبتک کہ زلفیں سنوارا کیا — کھڑا اسپہ میں جان وارا کیا

دیکھنے سے مرے کاہے کو غضب ہوتے ہو — کیا غضب ہو گیا - گر میں نے بھی دیکھا دیکھا

رہی تیغ اری اسیروں کی یوں ہی — تو صیاد تکڑے ترا دام ہوگا

جو بندہ خانہ میں آئیگا فقیر تمکو دعا کریگا — کسی کے دل کو جو خوش کرینگے خدا تمہارا بھلا کریگا

ہیں تو سب طرح سے تیرا ہوں میاں — پر جو تو بھی کہیں میرا ہوتا
مانوں میں وعدۂ فردا اے یار — جب ترے وعدے کا فردا ہوتا

منھ کے آنکھوں سے اکبار نہ چلے آنسو — ہنسی ہنسی میں جو ذکر وداع یار ہوا

وقت وداع یار دل بیقرار نے — یہ آہ کی کہ عرش تجلی ہلا دیا

دل دلاسوں سے کرے ہے آہ وزاری بیشتر — خانۂ ماتم میں ہو جیسے سے زاری بیشتر
حالت بخشی کو بھی آیا نہ دم نزع حسن — اسنے اسوقت میں بھی جسے چھپائیں آنکھیں

بھلا میں دوانہ سہی پر یہ ناصح ! میرے ساتھ بکتا ہے عاقل کو دیکھو

فقط نقشہ نہیں خوب اُس کا عالم سے نرالا ہے
خدا نے اُسکو سر سے پاؤں تک سانچے میں ڈھالا ہے

خیال آتا ہے جب تیرا تو ہم جانے نہیں دیتے
ترے ملنے کا ہمنے یار اور ہی ڈھب نکالا ہے

نہ نکلوگے بھلا تم گھر سے کبتک یہ بھی دیکھیں گے
بہانہ کرکے تم نے آج تو بندے کو ٹالا ہے

کس طرح سے زیست ہوویگی بھلا اے دوستو
اب تو قاصد بھی اِدھر کو آنے جانیسے رہے

کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانیسے رہے
پر تلک ایسا ہو کہ یہ دِل تلملانے سے رہے

ہمنے ایسی بھی تو کچھ چوری نکی تھی آپ کی
بے سبب اب آپ جو ادھر کے آنے سے رہے

تُسنے کس کس طرح ٹالا ہمکو اپنے در سے پر
دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے

آکر بلا سے قتل ہی کر جائیے مجھے
صورت اِسی بہانے سے دکھلائیے مجھے

غم سے اُجڑا جو اسے صنم بخشی یہ بھی سرکار کی کرم بخشی

حسن — حسن۔ سخنور کامل فن میر غلام حسن نام۔ حسن تخلص خلف میر غلام حسین ضاحک۔ آبا و اجداد اِنکے ہرات کے رہنے والے تھے۔ اِمامی ہروی نے کہ میر حسن کے جد تھے انقلاب زمانہ کے ہاتھوں وطن اصلی کو چھوڑ کر پرانی دہلی میں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ میر ضاحک دہلی میں پیدا ہوئے اور میر حسن کا بھی ابتدائی زمانہ وہیں بسر ہوا۔ اِنکی وضع اور عادات کے متعلق کارسنڈی تیسی کا قول ہے کہ میر حسن برخلاف اپنی باپ کی وضع کے ڈاڑھی صفاچٹ کرواتے۔ پگڑی اگلے وقت کے لوگوں کی سی باندھتے اور پوشاک اپنے باپ کی سی پہنتے تھے یعنی سبز عمامہ اور بڑا جبہ۔ قد لمبا تھا۔ رنگ تھوڑا۔ ظریف۔ خوش خلق۔ بیہودہ اور کلام معیوب کبھی زبان سے نہ نکالتے تھے۔ شیریں گفتار اور پسندیدہ تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن بعض کتابوں میں جو اُنکی تصویر دیکھنے میں آئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول صاحب آبحیات اُنکے سر پر بانکی ٹوپی۔ تن میں تنزیب کا انگرکھا۔ پھنسی ہوئی آستینیں۔ کمر سے دوپٹہ بندھا ہوتا تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ دہلی میں اُنکا طرز لباس وہی ہوگا جو اُنکے والد کا تھا۔ لیکن قیام لکھنؤ کے زمانے میں اُس میں کچھ تبدیلی ہوگئی

ہو گئی۔ میر حسن کو لڑکپن ہی سے شعر و شاعری کا بدرجۂ کمال شوق تھا چنانچہ بزمانۂ نوعمری شاہجہاں آباد میں مصلح غزلوں کے خواجہ میر درد صاحب تھے۔ عالمِ شباب میں مع والد بزرگوار فیض آباد میں آکر آباد ہوئے۔ ضیاء الدین ضیا اصلاح دیتے رہے۔ کبھی کبھی مرزا رفیع السودا سے بھی کہ ضیا، اُن کے ہم مشق تھے مشورہ کا اتّفاق ہوا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ میر حسن کی اُستادی کا فخر ایک سے زیادہ لوگوں کو حاصل ہے لیکن درد اور سودا کی شاگردی کو عارضی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ درد نے ابتدا میں اور سودا نے آخر میں صرف چند روز اُنھیں اصلاح دی تھی۔ درحقیقت میر حسن مستقل شاگرد میر ضیاء الدین ضیا کے ہیں جن کی نسبت مصحفی اپنے تذکرۂ شعراء میں لکھتے ہیں کہ "میر ضیاء الدین ضیا اُستادِ میر حسن شاگردِ میر تقی میر است۔ میر حسن بسیار ثنا خوان و معتقدِ او بودہ" آزاد نے اُساتذۂ میر حسن کے زمرے میں اُنکے والد میر ضاحک کو بھی شامل کیا ہے جو بالکل قرینِ قیاس ہے۔ میر حسن کی علمی لیاقت فارسی دانی میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علاوہ متفرق فارسی اشعار کے اُن کی اُردو شاعری میں بھی فارسی ترکیبوں یا اُنکے ترجموں اور عام فارسی اندازِ بیان کی ایسی لطیف مثالیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن کا کسی فارسی نہ جاننے والے شاعر کے کلام میں موجود ہونا ناممکنات سے ہے۔

حسن نے باوجود کامل اُستاد ہونے کے کسی کو اپنا مستقل شاگرد بنانا پسند نہ کیا۔ حتّٰی کہ آپ نے صاحبزادے میر مستحسن خلیق کو بھی خود اصلاح نہ دی بلکہ مصحفی کے سپرد کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیائے غزل گوئی میں اُن کا سلسلۂ شاعری بہت جلد ناپید ہو گیا۔ لیکن جو کچھ اُن سے نہ ہوا وہ بامرِ الٰہی اُنکی اولاد سے ظاہر ہوا۔ اور اِس شان سے ظاہر ہوا کہ اُن کے پوتے انیس و مونس و اُنس اُردو زبان کی ایک صنف کے موجد قرار پائے اور فنِ مرثیہ گوئی کا ایک ایسا نمونہ چھوڑ گئے جسکے اِسوقت ہزاروں پیرو موجود ہیں۔

میر حسن کے چار بیٹوں میں سے تین شاعر تھے۔ میر مستحسن خلیق۔ میر احسن خلق اور میر

محسن محسنؔ - ان سب کا قیام فیض آباد میں رہتا تھا - چنانچہ خلیقؔ و محسنؔ بہو بیگم صاحبہ والدۂ نواب آصف الدولہ کے داماد میرزا تقی کی سرکار سے متعلق تھے - اور میر خلق نواب ناظر داراب علیخان کی خدمت میں رہتے تھے - خلیقؔ اور خلقؔ سے ایک ایک دیوان بھی یادگار موجود ہے -

انکی تصانیف سے دیوانِ حسن مشتمل بر جملہ اقسام سخن اور مثنوی بدر منیر و گلزار ارم اس وقت تک موجود و مشہور ہیں - دیوان چونکہ چھپا نہیں اس لئے کمیاب ہے - راقم تذکرہ کے کتبخانے میں اُس کا ایک صحیح نسخہ موجود ہے - یہی حال دو اور مثنویوں کا بھی ہے - جن میں سے ایک کا قصہ اس طرح پر ہے کہ ایک موقعہ پر میر حسنؔ مرحوم کا سفر شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مطابق پڑا - چنانچہ سفر مذکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے - اس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو کی ہے - اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عورتوں کی پوشاک وہاں کیا تھی اور چھڑیوں میں چلنے والوں کے جزئیات رسوم کیا کیا تھے - شعرائے ریختہ کا بھی تذکرہ مرتب کیا تھا - مگر اب نہیں ملتا ؎

دہلی چھوڑنے کے بعد میر حسنؔ فیض آباد اور بعد ازاں لکھنؤ میں جا کر مقیم ہوئے جہاں انھوں نے بڑی شہرت پائی اور نواب سالار جنگ برادر بہو بیگم صاحبہ نیز انکے بیٹے نواب مرزا نوازش علی خان سرفراز جنگ کی مصاحبت میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کی اور آخر کار ہیں عشرۂ اولیٰ ماہ محرم ۱۲۰۱ھ میں بعہد نواب آصف الدولہ وفات پائی اور عقب باغ نواب قاسم علیخان واقعہ محلہ مفتی گنج میں مدفون ہوئے - انتقال کے وقت آپکی عمر ۵۰ سال سے زیادہ تھی - شیخ مصحفی نے تاریخ کہکر حق آشنائی ادا کیا -

چوں حسن آں بلبل خوش داستاں	رو ازیں گلزار رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی	شاعر شیریں زبان - تاریخ یافت

حسنؔ کا طرز کلام زیادہ تر میر اور کمتر سودا کے انداز شاعری سے ملتا جلتا نظر آتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ سودا سے بالواسطہ اور میر سے ضیا کے واسطے سے انکی شاگردی مسلم

ہے۔ بیان سے گزر کر زبان کو دیکھئے تو وہ بھی ان ہی بزرگوں کی سی ثابت ہوتی ہے۔ وہی "دیں دیکھا" "وہیں کیا"، جو میر اور سودا کے کلام میں پایا جاتا ہے ان کے ہاں بھی موجود ہے جسکی سادگی اور شیرینی حسن کے دیوان میں بھی وہی کیفیت پیدا کرتی ہے جسکی بہار میر کے کلام کی جان ہے

اصنافِ سخن میں سے میر حسن قصیدے کے مردِ میدان نہ تھے۔ البتہ غزل سرائی میں ان کا صاحب امتیاز اور مثنوی میں یکتائے زمانہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے جس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا۔ حقیقت میں بقول حضرتِ آزاد "بے نظیر و بدر منیر کا قصہ لاجواب لکھا۔ زمانے نے اُس کی سحر البیانی پر تمام شعرا اور تذکرہ نویسوں سے محضرِ شہادت لکھوایا۔ اسکی صفائی بیان اور لطفِ محاورہ اور شوخی مضمون اور طرزِ ادا کی نزاکت اور جواب و سوال کی نوک جھوک۔ حدِ توصیف سے باہر ہے۔ باوجود اسکے کہ سحر البیان کی تصنیف کے زمانے کو ۱۲۵ برس سے زیادہ گزر گئے لیکن اسکی زبان قریب قریب وہی ہے جو آجکل مروّج ہے" یہی ایک امر اسبات کا کافی ثبوت ہے کہ میر حسن مغفور کس درجے سلیم المذاق شاعر تھے۔ اردو زبان میں صرف ایک ہی اور مثنوی لکھی گئی جسکو اس مثنوی کا ہم پایہ کہا جاسکتا ہے اور جو فی الواقع منصف مزاج مبصروں کے نزدیک اسی تعریف کی مستحق ہے۔ فی الواقع قبولِ عام کی جو سند سحر البیان اور یادگار نسیم کو ملی وہ آجتک کسی تیسری مثنوی کو نصیب نہیں ہوئی۔

میر حسن کی غزلوں کا رتبہ انکی مثنوی کی برابر بلند نہیں ہے۔ پھر بھی بقول صاحبِ آبِ حیات اُنکے اشعار غزل کے اصول میں گلاب کے پھول ہیں اور محاورات کی خوش بیانی مضامینِ عاشقانہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ میر حسن کی نسبت لکھتے ہیں "مثنوی سحر البیان شہرتِ تمام دارد قطع نظر از پا لغزہائے شاعری محاورہ عام بہ نہ گفتہ بلکہ دادِ بلاغت دادہ"

اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ۔

طرفہ تر یہ ہے کہ اپنا بھی نہ جانا اور یونہیں	اپنا اپنا کہہ کے مجکو سب سے بیگانہ کیا
رو رو کے کیا اُپنے سب کام مرے دل کا	کھویا مری آنکھوں نے آرام مرے دل کا

آغازِ محبت میں دیکھا تو یہ کچھ دیکھا
کیا جانیے کیا ہوگا انجام مرے دل کا

جب تک میں جیا مجھکو قاصد نہ ملا آخر
اب جی ہی چلا لے کر پیغام مرے دل کا

کوئی دن کے ہیں مہماں اس چمن میں یکدگر
مثالِ نکہتِ گل شام جانا یا سحر جانا

کیا جانے اسکے جی پر کیا کچھ خیال گزرا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل میں ملال گزرا

ایسی ہی آہ باتیں اس بیوفا سے چھیڑیں
رونے ہی روتے جس میں روزِ وصال گزرا

غیروں میں دیکھ تجکو بیٹھے ہوئے کہیں کیا
جو کچھ کہ اپنے دل پر گزرا خیال گزرا

پر منصفی سے اتنا فرمائیے کہ بارے
خدمت میں آپکی بھی کچھ انفعال گزرا

گر کیجیے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا
تو چاہیئے خامہ بھی اسے ایک زباں کا

سربستہ رہا یوں ہی یہ رازِ حرم و دیر
معلوم ہوا بھید یہاں کا نہ وہاں کا

جس عالمِ ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ
آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم ہے خزاں کا

سر دیوے گا جب دم تو حسن تیغ کو اسکی
اسرار کھلے گا تبھی اس سرِّ نہاں کا

جانا تو ہم نے چھوڑا پر کیا کریں حسن ہائے
چھٹتا نہیں ہے دل سے ہرگز خیال واں کا

تیرے سے ہی غم کا گھر ہے یہ دل خلاصہ اسکو
ظالم تو پھر کسی کا ہے کو گھر رہے گا

بتخانہ ہی میں چل بیٹھ یا کعبہ میں حسن اب
یوں کب تلک دوانے تو دربدر رہے گا

کروں شکوہ تو بے وسواس اس میں آنچ آئیگا
نہ ہووے صبر کا مرے دلمیں گر کے روٹھ جائیگا

مجھے آتا ہے رونا دیکھ کر ناتو کو اب اپنے
کہ تھا اک وقت میں آنکھ کسی کے بھر جانے کا

عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا
راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائے گا

کر چکے صحرا میں وحشت پھر چکے گلیوں میں ہم
دیکھئے اب کام ہمکو عشق کیا فرمائے گا

تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
کٹتے کٹتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا

شب سے جدا ہوا ہے وہ شوخ تب سے مجکو
نت آہ آہ کرنا اور زار زار رونا

خدا جانے کہ آخر رفتہ رفتہ حال کیا ہووے
ہوا ہے بے طرح آنکھوں کو کچھ آزار رونیکا

مت سہم دل مبادا یہ خون ہو کے جاوے		آتا ہے تیر اُس کا پیاسا ترے لہو کا
غنچہ ہوں میں نہ گل کا نے گل ہوں میں چمن کا		حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا
لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھکو		تیر اگنہ نہیں کچھ اول سے میں ہی چوکا
آہ! کیا جانیے محفل میں یہ کس کی خاطر		شمع روتی ہے جدا جلتا ہے پروانہ جدا
سیر گلشن کریں ہم اس بن کیا		اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا
شاد ہوں میں کہ دیکھ میرا حال		غیر کرنے سے التماس رہا
خار سے پھوٹے پھپھولے پاؤں کے		درد ہی آخر مرا درماں ہوا
کیسی وفا۔ کہاں کی محبت۔ کدھر کی مہر؟		واقف ہی تو نہیں ہے کہ ہوتا ہے پیار کیا
نہیں مجکو دشمن سے شکوہ حسن		مرا دوست مجکو ستانے لگا
پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ		بس آج کی شب بھی سو چکے ہم
بہنے لگا لہو پھر آنکھوں سے کچھ حسن کی		زخم جگر کا شاید سرکا ہے اس کے پھاہا
آکے وہ بیٹھتا ہے تب ہم پاس		آپ میں جب ہمیں نہیں پاتا
زندگی سے وفا نہ کی ورنہ		میں تماشا وفا کا دکھلاتا
مر گئے کہتے کہتے اپنا حال		کچھ تو تو بھی زباں سے فرماتا
میں تو جاتا ہی آپ سے لیکن		تیرے کہنے سے اب نہیں جاتا
ہے عجب ماجرا کہ اپنا تو	ق	تجھکو مطلق کہا نہیں بھاتا
اور ترا اختلاط ہر اک سے		کیا کریں ہمکو خوش نہیں آتا
ظاہر میں گو لکھا نہ لکھا خط تو کیا ہوا		ہوتے ہیں کوئی دل سے فراموش آشنا
مہر و وفا کا میری جور و جفا کا اپنی		میری طرف سے اپنے دل میں حساب رکھنا
بھر بھر کے آہ و نالے غش کر چلی ہے بلبل		پیالی میں گل کی شبنم تھوڑا گلاب رکھنا
خط کا جواب دے گا تو دیگا ہی وہ شوخ		نامہ کو پرزے کر کے ہوا پر اڑا دے گا

تیرا سا دل یہ میرا نہیں اسکو جان رکھ
کسکو کرے گا یاد جو تجھکو بھلائے گا

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا پوچھے ہے مجھسے میری خاموشی کا باعث
کچھ تو سبب ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دور سے باغ جہاں دکھلا کے پروانہ کیا
متصل جانے نہ پایا میں کہ ویرانہ کیا

جی اگر اس سے لگا یار فلک سے دل جل گیا
دل اگر اس کو دیا جی ہاتھ سے جاتا رہا

شاہ ہووے غلام کا بندہ
کون پوچھے ہے عاشقی میں ذات

وعدہ آنے کا ہے حسن مت رو
ہو نہ اسکو بہانۂ برسات

اس کنجفے کا یہاں کے ہے کھیل اور ہی کچھ
دیتے ہیں جان ناحق نادان مورتوں پر

ماتھے پہ دلبروں کے افشاں نہیں چنی یہ
تحریر ہے طلائی قرآں کی سورتوں پر

جس طرح ہو کوئی حیراں روئے حیراں دیکھکر
دل پریشاں ہو گیا زلف پریشاں دیکھکر

وصل کی شب کے مزے کو ہمنشیں پوچھیگا وہ
جو کوئی جیتا بچے گا روز ہجراں دیکھکر

پا برہنہ ساتھ ناقے کے چلا آیا ہے قیس
اک طرف کر دے صبا خار مغیلاں دیکھکر

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پانو دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھکر

اب جو چھوٹے بھی قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار بھی آخر

میں حشر میں کیا روؤں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے
برپا ہوئی اک مجھپہ قیامت تو یہیں اور

گرچہ دلکو ہے یقیں خط کو نہیں پڑھنے کا وہ
پر تقاضا شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

جوں چراغ صبح گاہی اے نسیم
عازم ملک فنا بیٹھے ہیں ہم

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ
بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

کعبے میں نہ کافر ہو نہ یوں دیر میں دیندار
جس طرح کہ میں در پہ ترے خوار ہوا ہوں

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں
نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

پھر کل کے تو وعدے پہ لگا کھانے قسم آج
کیا بھول گئیں اپنی وہ کل کی تجھے قسمیں

وصل ہوتا ہے جن کو دنیا میں
یا رب ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں

ناز سے غمزے سے عشوے سے لگا لیتے ہیں
جسکو وہ چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

چل دل اُسکے گلی میں رو آویں
کچھ تو دل کا غبار دھو آویں

گو ابھی آئے ہیں پہ ہے جی میں
پھر بھی ٹک اُسکے پاس ہو آویں

دل کو کھویا ہے کل جہاں جاکر
جی میں ہے آج جی بھی کھو آویں

گو خفا سب ہوا کریں پہ ہم
اک ذرا اُسکو دیکھ تو آویں

عدم میں ہستی اُنھیں کو ہوا ہے
جو ہستی کو اپنی عدم دیکھتے ہیں

اگر زندگی ہے تو چل کر حسن ہم
ان آنکھوں سے اُنکے قدم دیکھتے ہیں

نہ لیٹے اس طرح منہ پر زلف کو بکھرا کر اے ظالم
ذرا اُٹھ بیٹھ تو اسدم کہ دونوں وقت ملتے ہیں

تھا ہجر ہی بھلا کہ نہیں تھی امید وصل
پھر ہجر کا خیال بندھا وصل یار میں

دیوانے کا رخ سے رہے گا زلف کے
پہ عمر کٹ گئی اسی لیل و نہار میں

شوخی سفید سے نمک اس میں ملا دیا
کیفیت اب رہی نہیں جام شراب میں

وہ اور زمانہ تھا کہ خوباں میں تھی الفت
ایسا نظر آتا نہیں اب ایک بھی دس میں

غیروں کی بات کیا کہوں اُسکی تو یاد میں
اپنا بھی مجکو دھیان کبھی ہے کبھی نہیں

اُسکی جب نام سے ہم ہوکے تنگ آتے ہیں
اپنے سائے سے آپ ہی کترا کے چلے جاتے ہیں

روٹھا ہے کیوں وہ کیوں کسی اور سے حسن
سب بجا چاہ کو ہے اور کچھ نہیں

کل مجھسے وہ کچھ کیا تھا وعدہ یا قول آج کچھ ہے
پھر کہتے تو کہ پھرتا ہے لیتی نہیں زبان

دروازہ کو کھلا ہے پر یا بیت کا ہے حسن
ہم کس کس کی آرزو کی خدا سے طلب کریں

ہمراہ ہے تو کسی ہی کی تجھ سے تنہا چاہتا ہوں
تو ہی کہیں ہو تنہا تجھ سے میں چاہتا ہوں

مجھکو یاد بھی نہ آتا تھا جسمت تو وسیلہ تو
ہیں سے دیکھا شوق الفت سہی و دوست تو

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو

دیکھنا زلف و رخ تھیں ہر وقت
گُل ہوئے جاتے ہیں چراغ کی طرح

شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو!
ہم کو تک جلد آن کر دیکھو!

کھلی جس جا کرے بارش تو یہ کہدیجو دہقاں کو
کہ اپنی کشت پر لیجائے میری چشم گریاں کو

کھلے ہے وہ صباحت اور یہ تیری تیغ کے دم سے
مقابل گل سے کیونکر کیجے اپنے زخم خنداں کو

نہیں تقصیر کانٹوں کی مرا چھالا ہی پاؤں کا
برنگ کہربا کھینچے ہے خود خار مغیلاں کو

مری ہے زیست وابستہ اسی سے اسکو مت کھینچو
نکل جاویگا میرا جی ہی گر کھینچو گے پیکاں کو

کل کہا اس سے کسی نے کہ حسن مرتا ہے
ہنس کے کہنے لگا میں کیا کروں مر جانے دو

غارت جہاں کی پائداری پر تو اسکے ہم
نظر سے مت گرا دینا کسی کے دیکھنے کو

حسن بھی آدمی ہے کچھ خفا ہوتے ہو تم جس سے
خرابی - جنونی - باؤلا - سودائی - آوارہ

جو ہوا ہم پہ ستم اچھا و بُرا تیرے ہاتھ سے
کیا کریں اب آہ ہم فریاد تیرے ہاتھ سے

درد دل بھی ہے تجھی سے اور تو ہی درمان بھی
داد تیرے ہاتھ سے بیداد تیرے ہاتھ سے

غیر سے شکوہ شکایت کچھ نہیں دل کو کہے
شاد تیرے ہاتھ سے ناشاد تیرے ہاتھ سے

اک جان کے درپے ہیں ارے اسکے ستمگر
غمزہ ہے کرشمہ ہے اشارہ ہے ادا ہے

کمبخت اپنا جائے تو اک کام کیجیے
سایہ میں اسکی زلف کے آرام کیجیے

وہ دن گئے کہ دل میں رہتا تھا درد پہلے
اب دل نہیں سراپا اک درد ہو گیا ہے

حسن دیتا ہے تو کیوں جی بتوں پر
بلا دینگے تجھے یہ کیا خدا سے

تیری یہ چھیڑ چھاڑ مرے جی کو بھا گئی
لی چٹکی اس ادا سے کہ لب پر جان آ گئی

نکلے ہے یوں لب سے تجھ لب جی دو
حسن اور ریلینگے وہ سینے پہ چلے

اچھل کے کرلے دل آنسو تو لگا سینے سے
ملتا ہے گاہ بوسہ کبھی کیا منہ کا تو اس سے

دیکھی یہ دعا کس نے مرے دل کو اڑا دی
آ جلسے پہ گھر آ ایسا کہ پھرا یا دہن وسے

سینکڑوں ہیں یہ باتیں کس پر نہیں گذری
پر ایک جان تو سنتے ہیں پہ نہیں گذری

جو چاہے آپکو تو اُسے کیا نچاہیئے	اِنصاف کر تو چاہیئے یہ یا نچاہیئے
عیش و وصال صحبت یاران فراغ دل	اِس ایک جان کے لئے کیا کیا نچاہیئے
رات خبروں کا بیانِ آہ و زاری کر گئے	آپ اچھی آ کے میری غمگساری کر گئے
کیا ہنسے آپ کوئی اور کیا رو سکے	دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
آپکے بچھڑے ملوگے پھر کہ نہیں	کچھ تو وعدہ وعید کر لیجے
ہیں تنہا نہیں اُس شوخ کے کوچے میں کتنے ہی	برنگِ نقشِ پا ہنجو پڑے ہیں جا بجا ہمسے
پھر رو بیٹھو حسن تو نامہ تو لکھ لے ظالم!	تو نے تو یہ کتابت رو رو کے ساری تر کی
یہ جو کھٹکے ہے دل میں کانٹا سا	مژہ ہی نوکِ خار ہے کیا ہے؟
چشم بد دُور تیری آنکھوں میں	نشہ ہے یا خمار ہے کیا ہے؟
کیوں گریبان تیرا آج حسنؔ	اِس طرح تار تار ہے کیا ہے؟
جو دیکھ کے آئینے کو مُنہ اپنا چُھپا لے	اُسکو تو نہ چُھپا ہو نہ باتوں میں لگا لے
جب تک جیئے مصیبت غم کی نہ سر سے سر کی	سر سے گزر کے آخر ہمنے ہم پہ سر کی
اِک داغ ہو گیا اور اِک ٹکڑے ہو کے نکلا	یہ کچھ تو ہمنے دیکھی صورت دل و جگر کی
بے سبب روتا نہیں آتا کسیکو ہمنشیں	شمع کے دل میں بھی شاید کچھ غمِ پروانہ ہو
قمارِ عشق میں پانسہ پڑا بر عکس ہی اپنا	کچھ اپنی قسمت برے نے عزیز و ہار ایسی کی
بلا سے اپنے گھر میں گلا لیاں دیتا تو بہتر تھا	خرابی تو نے کیوں میری سر بازار ایسی کی
قیس و فرہاد کے رونے کی جب آتی ہے لہر	کوہ و صحرا پہ گھٹا جا کے برس آتی ہے
زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائینگے دن	فصلِ گُل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے
جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہمکو حسنؔ	اَب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
ابرو سے اور مژہ سے عالم کی جان لی ہے	پہلے پہل یہ اُس نے تیر و کمان لی ہے
جان و دل ہیں اُداس سے میرے	اُٹھ گیا کون پاس سے میرے

تم ادھر دھوتے رہے منہ ہم ادھر روتے رہے	روتے دھوتے دو گھڑی باہم فریبے کٹ گئی
جی اڑانے زلف نے دل ہوش غمزے نے لیا	جنس ہستی اپنی سب غارت ہیں آکر لٹ گئی

حسن — حسن - حاجی سید احمد حسن صاحب لکھنوی۔ شاگرد نواب معظم الدولہ عرف خواجہ صاحب دہلوی زیادہ حالات و واقعات کا پتہ نہیں چلا۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کسی حجاب سے ان ابروؤں کو کام نہیں	یہ تیغے وہ ہیں جن کا کوئی نیام نہیں
پھری نگہ نہ کبھی اسکے طاق ابرو سے	یہ وہ نماز ہے جس کے لیئے سلام نہیں
ہوا ہوں بادۂ وحدت سے ای حسن سرمست	جو مے خمار سے ہو پاک وہ حرام نہیں

حسن — حسن - دہلوی۔ میرزا کاظم حسین حسن عرف میرزا حسنو ولد مرزا عطا بیگ دہلوی نواب محمد سعید خان والئی رامپور کی سرکار میں ملازم تھے۔ مدت دراز تک وہیں رہے۔ ستر برس کی عمر پاکر ۱۲۸۲ھ میں انتقال کیا۔ علم تاریخ میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ صاحب دیوان گذرے ہیں۔ یہ انکے کلام کا انتخاب ہے۔

نہ مان کہنے کو واعظوں کے نہ ہو مسلماں حرم میں جاکر	نماز روزہ گلے پڑے گا خدا خدا کر خدا خدا کر
جسپہ دعوی خون کا تھا لے آئے تھے فرہاد کو	حشر میں بھی حکمراں دیکھا اسی جلاد کو
وفور شوق میں کسکو خبر ہے	وفا کی اسنے یا ہم پر جفا کی
یہی اک رند باقی تھا صد افسوس	خدا بخشے حسن نے بھی قضا کی
رہا ہے کون اگلوں میں حسن یا میرزا نوشہ	یہ دو باقی تھے رندوں میں سو بنکر پارسا بیٹھے
صبح ہوتی ہے شب غم نہ قضا آتی ہے	چارہ گر کچھ بھی تجھے مرنے کی دوا آتی ہے

حسن — حسن - منشی سید محمد حسن ولد میر حسن لکھنوی تلمیذ خواجہ وزیر لکھنوی۔ خود بھی نامور اور صاحب دیوان تھے۔ جس کا قلمی نسخہ راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی۔ مگر اکثر شعر دیوان میں ایسے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں شاعری کا مذاق سلیم نہ تھا۔ یا غالبًا انکے عہد کی سوسائٹی کا اثر ہے

بہرکیف ہم نے اس قسم کے اشعار انتخاب میں نظر انداز کر دیئے ہیں۔ عمدہ کلام درج ذیل ہے

ہم بھول گئے جس کے لیے یاد خدا کی
وہ بت بھی ہوا رام نہ اے برہمن اپنا

کہتی ہے یہ ہمت پس مردن بھی ہماری
کام آئے کسی اور کے دو گز کفن اپنا

رہائی ہو مجھے کیونکر بلائے تیرہ بختی سے
تعشق ہے مجھے زلف و خط و خال و زنخداں کا

اس مست ناز کو گر شوق شراب ہوگا
خم آسماں بنے گا جام آفتاب ہوگا

جی کے بہلانے کو الفت کی تھی سوجھی ہی بلا
نفع جس میں سمجھے تھے اس میں ضرر پڑنے لگا

ترش خو بیٹھی ہے وہ آئینہ رو
حال کیا پوچھے کسی غمناک کا

ہم سے بھی یونہی چھوٹ گیا کوچۂ صنم
جنت کو جیسے ہاتھ سے آدم نے کھو دیا

نہ تو رنگ زلف سیاہ تھا نہ وہ چہرہ غیرت ماہ تھا
کہیں آپ صورت لیل تھا کہیں آپ شکل نہار تھا

شب ہجر سوؤں تو زیر سر رہے ہاتھ کس کا جو چین آئے
جو سحر کو اٹھوں تو دیکھوں کیا مرا آئینہ رخ یار تھا

پھرا کھینچ تیر جو یار کا تو بر آئی دونوں کی آرزو
مجھے صید ہونے کا شوق تھا اسے اشتیاق شکار تھا

دن تو نالوں میں کٹا رات تڑپ کر گزری
عشقبازی کا مزا اے دل شیدا دیکھا

مر جاؤں میں تو خاک رہے کوئے یار میں
مٹی نہ کیجیو مری اے آسماں خراب

خون دل عاشقوں کا حاضر ہے
کیوں حنا ہاتھ میں لگائیں آپ

ترے لعل لب لیں یمن سے خراج
تری زلف چاہے ختن سے خراج

وہ سفاک ہے جو کرے فرق ایرج
لیا تیغ نے جس کی تن سے خراج

نقل مکاں کے واسطے تیرے مریض کو
جز قبر اور کوئی نہیں ہے مکاں پسند

بلبل کو اب تو چھوڑ دے صیاد قید سے
بیٹھے ہیں ان دنوں میں ہے گلشن بہار پر

جل ہی گیا نہ شعلۂ عارض سے اے حسن
پروانہ ہوئی جو کبھی ہمکنار شمع

یہ سبب کب ہے عرق آلود رخ پر یار زلف
چاٹتی ہے اوس اس گلشن کی بن کر مار زلف

آنکھیں کھلی ہوئے ختن ہیں نافۂ مشکیں ہیں خال
[illegible] چین جبیں ہے تاتار زلف

سرگشتہ ہوں ایسا کہ پس مرگ بھی اکثر
بنتا ہے مری خاک سے لے چرخ کہن چاک

ہنستے ہیں وہ جو رو کے کہوں ماجرائے دل
بیدار و پر کسیکا الٰہی نہ آئے دل

پہلو میں دل جو ہو تو وہ لیجائے دلستاں
رکھتا ہوں میں تو پارۂ آتش بجائے دل

عارض پہ حسن اُسکے نہیں زلف پریشاں
سے ہے صبح وطن شام غریباں کے مقابل

واہ رے خوبی قسمت کہ بگڑنے کے سوا
کوئی بنتا نہیں اپنا کسی تدبیر سے کام

تجھ سے اک بوسے کے طالب ہیں فقط اے شہ حسن
نہ غرض مال سے رکھتے ہیں نہ جاگیر سے کام

وصل ممکن نہ ہوا ہو گیا اے جان وصال
رہی آخر یہ مرے دل کی تمنا دل میں

اک دم ٹھہر کہ جان نکلتی ہے جسم سے
جاتا ہے اُٹھ کے او بت نامہرباں کہاں

تکتا ہوں ہر طرف نہیں ملتی وطن کی راہ
مجھ ناتواں کو چھوڑ گیا کارواں کہاں

جائے کیونکر تری محفل سے یہ دیوانہ کہیں
شمع کو چھوڑ کے جاتا نہیں پروانہ کہیں

دل ہے کاکل میں پھنسا کیجو نہ تو شانہ کہیں
قید سے چھوٹ کے نکلجائے نہ دیوانہ کہیں

ساغر وصل کا طالب جو ہوا میں تو کہا
ہو لبالب نہ تری عمر کا پیمانہ کہیں

دیکھا اُس بت کو جو زاہد نے تو یہ حال ہوا
پھینکا عمامہ کہیں سبحۂ صد دانہ کہیں

جو پوچھتا ہوں کہ کیوں تاکتے ہو دلکو مرے
تو کہتے ہیں کہ ہم اپنا شکار دیکھتے ہیں

دکھا دی دور سے مثل ہلال شکل تو کیا
جو آپ پاس بلالیں تو ہاں کمال کریں

شعلۂ عارض پہ تیرے خط عیاں ہوتا نہیں
شمع روشن ہے وہی جس میں دھواں ہوتا نہیں

بدزبانی کے عوض خنجر لگانا خوب ہے
اندمال زخم شمشیر زباں ہوتا نہیں

جیتے جی اے جان جاں ہم تم جدا ہوں ہے عجب
بے موئے ہرگز فراق جسم و جاں ہوتا نہیں

بخدا تجھ سا حسیں او بت مغرور نہیں
ہمسری تجھ سے کرے حور یہ مقدور نہیں

تیری رسوائی کسی شکل سے منظور نہیں
ورنہ عاشق نہ کرے آہ یہ دستور نہیں

مثل سچ ہے کہ ہوتی ہے بلا ناجنس کی صحبت
الٰہی آدمی کوئی نہ ان پریوں پہ مائل ہو

کام کیا ہے در و درباں سے سبکساروں کو	بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو
فدائیوں میں ہمارا شمار ہونے دو	تم اپنے چاند سے رُخ پر نثار ہونے دو
اب تجھ سے کیا کہوں میں کہ یہ کمبخت نامہ بر	آنکھوں سے تُو تو دیکھ چکا میرے حال کو
وہ باتیں کہیں کہ اور بھی آزردہ کر گئے	آئے جو میرے پاس وہ رفعِ ملال کو
بوسہ دستِ حنا سے لیتا آرائش کے وقت	کاش میں ہوتا حسن تصویرِ پشتِ آئینہ
جس بزم میں وہ آئینہ رو یک بیک گیا	حیراں وہ بزم صورتِ تصویر ہو گئی
رہا ہوئے ہیں ہزاروں اسیر اے صیاد	ادھر بھی اک نظرِ بندہ پروری ہو جائے
مرے سوا نہ کسی اور پر کرو بیداد	مجھی پہ ختم تمھاری ستمگری ہو جائے
زلف کو دیکھے تو ہو جائے مسلماں کافر	رُخ ترا دیکھے جو کافر وہ مسلماں ہو جائے

حسن

حسن۔ منشی محمد حسن صاحب حسنؔ باشندۂ گوپامئو وکیل عدالت جونپور شاگرد مرزا حاتم علی بیگ مہر مغفور۔ انتقال کیے عرصہ ہوا۔ چند شعر یادگار ہیں٭

ہزار بار اُٹھائے گئے مگر نہ اُٹھے	مثالِ نقشِ کفِ پا پڑے رہے در پر
مسافرانِ عدم پاؤں کس طرح سے اٹھائیں	دراز راہ ہے بارِ گناہ ہے سر پر
ہمارے کاٹے تو کٹتی نظر نہیں آتی	شب پہاڑ نہیں ہے پہاڑ ہے سر پر
صورت نظر پڑی ہے فلک پر سحاب کی	ساقی خدا کے واسطے ٹھیرے شراب کی

حسن

حسن۔ شیخ حسن بخش ولد مخدوم شاہ محمود ساکن ملتان۔ زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔

زلف رُخ سے اُدھر نہیں ہوتی	کیسی شب ہے سحر نہیں ہوتی
تیرے دنداں کے روبرو ہرگز	قدرِ لعل و گہر نہیں ہوتی
بے کیے عشقِ زلف اور کاکل	عمر اپنی بسر نہیں ہوتی

حسن

حسن۔ مولوی سید امیر حسن صاحب مرحوم تخلص حسن ابن حاجی سید اکبر علی صاحب مرحوم ساکن سہارنپور سادات موسوی اثنا عشری تھے۔ انکے جدِ اعلیٰ سید عبدالہادی صاحب

عرف شاہ چراغ کاشان سے سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان میں آئے تھے۔ مولٰنا حسن نے تقریبًا ۵ سال تک سرکار انگریزی کی عدالتہائے ضلع میں وکالت کی جائداد آبائی بھی بہت کچھ تھی۔ نہایت متقی و پرہیزگار۔ عربی و فارسی میں استعداد کامل رکھتے تھے۔ اس لیے اوقات فرصت میں شغل درس بھی جاری رہتا تھا۔ اور علمی مباحثات اور اہلِ علم و فن سے انکی صحبت ہمیشہ گرم رہتی تھی۔ لکھنؤ و دہلی کے باکمال سہارنپور میں وارد ہوتے تو انہی کے مہمان ہوتے۔ خوشنویس بھی اعلیٰ درجے کے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ملک الشعرا مولوی مہدی علی خان صاحب مُراد آبادی اکثر انکے یہاں آکر مقیم ہوتے تھے۔ چنانچہ انھیں سے تلمذ اختیار کیا تھا۔ سہارنپور کے مقتدر شرفا اور عمائد میں گنے جاتے تھے۔ دہلی و لکھنؤ بھی گئے اور وہاں کے اہلِ کمال سے ملکر داد سخن دینے اور لینے کا موقع رہا۔ آخر میں بوجہ پیرانہ سالی اور داغ مرگ فرزند جوان کیوجہ سے حواس میں اختلال آگیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور سہارنپور میں دفن ہوئے۔ افسوس کہ کلام مصنف کے امراض دماغ اور ورثا کی کم التفاتی سے تلف ہوگیا۔ اس لیئے جو کچھ دستیاب ہوا حاضر کیا جاتا ہے ؎

جب آسیا کی طرح رات دن رہی گردش
غیر نے روک لیا مجکو جتانا کیا تھا
زلف و رخ انتخاب ہیں دونوں
سوز فرقت سے جل رہا ہوں میں
وصل میں چین ہے نہ فرقت میں
شرم اِدھر ہے نہ کچھ لحاظ اُدھر
کام کے آدمی تھے قیس و حسن
جہاں کی ہوتی ہے وہیں پیجا کے رہتی ہے

بزیر چرخ میسر تب ایک دانہ ہوا
عذر بد تر زگنہ بات بنانا کیا تھا
روز و شب کے جواب ہیں دونوں
جگر و دل کباب ہیں دونوں
جان کو اک عذاب ہیں دونوں
نشہ میں سب بے حجاب ہیں دونوں
عشق میں پر خراب ہیں دونوں
حسن پاؤں میں ہے ہر شخص کے زنجیر مٹی کی

وادریغا عجیب ہستی ہے	موت ہستی پہ اپنی ہنستی ہے
خیال آنکھوں کا انکی یاں تلک دل میں سمایا ہے	مجھے سب لوگ کہتے ہیں اسے پریونکا سایا ہے
حسن سوتا تھا کنج قبر میں آرام و راحت سے	اسے اے شور محشر کس لیئے تو نے جگایا ہے

حسن

حسن - شاہ محمد حسن صابری خلف حکیم حافظ عبداللہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ کی اولاد میں سے تھے شعوراً کسب کمالات کا شوق رہا خصوصاً فن ڈاکٹری کا بہت ذوق تھا۔ کبھی کبھی شعرگوئی کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ نواب خلد آشیاں کے عہد میں ریاست رامپور کے متوسّل تھے۔ پہلے حکیم محمد حنیف رضا اپنے ماموں سے پھر اپنے پیرومرشد سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ آخر میں حضرت امیر مینائی مرحوم کو بھی اپنا کلام دکھایا۔ تذکرۂ انتخاب یادگار کے وقت ستر برس کی عمر تھی۔ یہ ان کے اشعار ہیں ؎

مٹی نظر میں اسکی ہے اکسیر و کیمیا	ہاتھ آئی جسکو روضۂ احمد کی خاک پا
وادیٔ غربت میں جا نکلا چہ تیکے کیطرف	دیکھ کر گور غریباں کو وطن یاد آگیا
بوستاں میں مہک رہے ہیں جو پھول	یہ حبیب خدا کی خوشبو ہے

نواب خلد آشیاں کی مدح میں یہ قصیدے کے چند اشعار ہیں۔

کس کے اوصاف کا کاغذ پہ کھلا ہے گلشن	کہ ہر اک مصرع برجستہ ہے شمشاد چمن
نقطے حرفوں پہ دکھاتے ہیں لطافت کی بہار	گل فردوس سے گلچیں کا بھرا ہے دامن
دیکھا یہ رنگ تو خوش ہو کے یہ دل نے پوچھا	کس گل ترکی صفت میں یہ کھلا ہے گلشن
ہنس کے تب بلبل دل کو یہ دیا میں نے جواب	میرے ممدوح کا تو نام ہے سب پر روشن
نامور کلب علیخان بہادر ہے لقب	معدن جود و عطا فیض و سخا کا مخزن
فیض ایسا ہے کہ ادنیٰ کو بنادے اعلیٰ	خُلق ایسا ہے کہ دشمن بھی جھکا لے گردن

حسن

حسن - سید علی حسن شاہجہاں آبادی۔ آپ شجاع۔ تیر انداز۔ خوشنویس۔ دستکار۔ فن بانک و پٹہ میں مہارت کامل رکھتے تھے اور با ہمہ صفت موصوف تھے۔ صاحب غیرت آدمی

تھے کہ اگرچہ عدم مساعدتِ روزگار سے پریشان رہے مگر کسی سے اپنی حاجت کا اظہار نہ کیا۔ طبع موزوں تھی یہ چند اشعار انکی یادگار ہیں۔

ناز آئینے پہ اتنا یہ سکندر مت کر یہ تم جانو ہو بجلی کو سکھائیں کس نے اچپلیاں	کیا تماشا ہو جو سینے سے دل آوے باہر ہمارے دل ستی تعلیم نے سیکھی ہر بے کلیاں

حسن حسن۔ مولوی حاجی سید مجتبیٰ حسن ولد سید محمد حسن ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۲۶۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم کے بعد کچھ دنوں تک محکمۂ پرمٹ میں ملازمت کی۔ نہایت ذہین اور طبّاع شخص تھے۔ طبیعت اس فن سے مناسبت رکھتی تھی۔ اور اسی شوق کی وجہ سے ہر دوسرے مہینے اپنے ہاں مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ سیّد علی احسن مارہروی انھیں کے بیٹے ہیں علاوہ شعر گوئی کے تاریخ گوئی میں بھی دخل تھا۔ چنانچہ انکی تاریخوں کا پورا دیوان موجود ہے۔ طبیعت نہایت دقیق اور سخن سنج پائی تھی جب اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو شاعری سے تائب ہو گئے اور اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہنے لگے حتی کہ ۱۳۱۱ھ ہجری میں معہ اہل و عیال سفر حجاز اختیار کیا۔ وہاں سے واپسی کیوقت طبیعت زیادہ ناساز ہوئی۔ انکے بیٹے احسن ہمراہ تھے۔ جوں توں ہندوستان پہنچے اور بمبئی پہنچ کر ۱۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۱ ہجری کو انتقال کیا۔ ان کا اردو کلام جمع نہو سکا۔ کچھ اشعار انکے احسن مارہروی سے ملے وہ درج ذیل کیے جاتے ہیں +

مقتل میں جو تلوار پئے قتل نہ گر آیا تقسیم ہوئی رزق کی تو حصّے میں میرے دیکھی نہ جگہ کوئی ترے جلوے سے خالی یہ عقدہ دہانِ لب سے کھل گیا خوب نہ دینے ہیں اگر مسکن ہوا اپنا	لے عاشقِ جانباز بھی ہاتھوں پہ سر آیا غم کھانے کو اور پینے کو خونِ جگر آیا جس سمت نظر اٹھ گئی بس تو نظر آیا دہانِ تنگ کا ہے سر ملا خوب حسن اوقات گزرے اپنی کیا خوب

حسن حسن۔ میر محمد حسن ابن میر قلندر علی متوطن سکندرآباد مقیم دہلی منشی ہرگوپال تفتہ

وحکیم آغا جان عیش کے شاگرد تھے۔ روزگار پیشہ تھے اور ۱۸۷۶ء میں دلی میں رہتے تھے یہ اُن کا کلام ہے:

ناحق اُس بُت کی دوستی میں حسن	لگ گیا داغ پارسائی میں
حسن۔ کل آبلہ پا وحشیانہ سر کو ٹکراتا	اٹھائے مُنہ گریباں چاک جاتا تھا بیاباں میں
مجھسے بُنیاد ہے محبت کی بُرا ہو یا الٰہی دل لگی کا	عشق کا خاندان ہے مجھ سے گھٹا کی عمر اور اُلفت بڑھا کی
رونے سے ایک پل نہیں مُہلت فراق میں	یہ آنکھ کیا لگی مرے پیچھے بلا لگی

حسن حسن۔ سیّد محمد ابو الحسن خان مرحوم خلف جناب رضی الدولہ میر نور الحسن خاں صاحب نظام جنگ نبیرۂ امیر الملک والا جاہ مولوی سید محمد صدّیق حسن خاں صاحب مرحوم اِس ناکام تمنّا اور جوانا مرگ کی ولادت سنہ ۱۳۰۰ ہجری میں بمقام بھوپال ظہور میں آئی۔ ابھی نہ پُورا سا ہوش سنبھالا تھا۔ نہ درس وتدریس سے فرصت پائی تھی۔ درسیہ عربیہ قریب الاختتام تھیں اور آخری صحاح ستّہ کا سبق ہوتا تھا کہ سنہ ۱۳۱۸ ہجری میں عین آغاز شباب کیوقت ماں باپ اور دوستوں کو داغ مفارقت دیکر عالم ہستی سے کوچ کیا۔ کُل ۱۸ برس دُنیا کی ہوا کھائی۔ مرنے سے ڈھائی تین برس پہلے شعر وشاعری کا شوق ہوا جو بڑھتے بڑھتے اِتنا بڑھا کہ بالکل اُسی میں منہمک ہو گئے۔ فارسی میں زیادہ محویت تھی۔ حضرت میرزا غالب دہلوی کی روش کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ اُردو فارسی دونوں زبانوں اُنھیں کا تتبّع کیا۔ عرشی اور حسن دو تخلّص اختیار کیے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ ہونہار طبیعت پائی تھی۔ مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ کُل دو ڈھائی سال کی مشق پر یہ عالم ہے کہ وہی فارسی ترکیبوں کے ساتھ میرزا کی طرح لفظوں کو جمع کرتے ہیں اور گویا پَر لگا کر اُڑنا چاہتے ہیں۔ مگر اکثر تو گر پڑتے ہیں اور کہیں کہیں سنبھل بھی جاتے ہیں پھر دونوں مصرعوں میں یکساں زور قائم نہیں رہتا تاہم ایک آدھ مصرعہ یا کوئی کوئی پُورا شعر بھی خاصہ بلکہ اچھا کہہ جاتے ہیں۔ حافظ خان محمد خاں صاحب شہیر سے تلمذ تھا۔ اگرچہ دن مشق

جاری رہتی تو فی الحقیقت اچھا کہتے۔ اِنکے بھائی نے اُنکی بیاض راقم تذکرہ کے پاس بھیجی ہی تھی بطور یادگار چند شعر درج کیئے جاتے ہیں ؎

نمایاں کاکلِ مشکیں سے ہونا رُخِ جاناں کا
چمکنا ہے شبِ تاریک میں مہرِ درخشاں کا

پہلے کسی کے وعدے کا ہوتا نہ تھا یقین
از بسکہ دل شکستۂ پیمانِ یار تھا

چشمِ پروانہ سے خوبانِ جہاں کو دیکھا
شمع رویوں میں کوئی تجھسا طرحدار نہ تھا

تھا فقط پاسِ نزاکت ترا مجھکو ورنہ
کھینچ لانا کششِ آہ سے دشوار نہ تھا

دیکھیے دل تو یہ معلوم ہوا ہمکو حسن
جسکو دلدار سمجھتے تھے وہ دلدار نہ تھا

واصلِ بحقیقت ہوں جو میں عشقِ بُتاں سے
دل زندۂ جاوید ہوا ہے حسن اپنا

ہیولائے متاعِ عیش تھی آشفتگیٔ دل
جسے سمجھے تھے ہم حنظل اُسی کو انگبیں پایا

آہِ دل سے جو شرر نکلا وہ خالص زر ہوا
آنکھ سے ٹپکا جو قطرہ میری وہ گوہر ہوا

لبِ زاہد ہم آغوشِ شرابِ ناب ہے عرشی
ہوا ہے نذرِ آتش آج خرقہ پارسائی کا

اندوہِ کاوشِ غمِ ہجراں عیاں ہے اب
دلِ محوِ ذوقِ پردہ سازِ بیاں ہے اب

دل سرد مہریوں سے حسینانِ دہر کی
سرگرمِ جوشِ نالۂ آتش فشاں ہے اب

ہوا ہے شادیٔ دلکا سبب رنج و الم مجھپر
وہ مجھپر رشک کرتے ہیں جو کرتے ہیں ستم مجھپر

بتوں سے رنجشِ بے اتفاقی کی کوئی حد ہے
ہوئی ہے بے تکلف فرض اب سیرِ حرم مجھپر

یوہنی ہر بات پر کھنچتی رہی گر تیغ اے عرشی
تو پھر آسان ہے دشواریٔ راہِ عدم مجھپر

ہے زخمِ تیر سینہ میں سرمایۂ طرب
پیکانِ یار دل میں ہوا رہنمائے عیش

آلودہ سرشکِ ندامت ہے چشمِ یار
یہ بھی ادا ستم کی ہے عذرِ ستم نہیں

جاں بازِ شوق و طالبِ دیدارِ یار ہیں
نے دیر سے غرض نہ تعلق حرم کے ساتھ

سبکو ہے اور نہ مینا ہے نہ ساقی ہے نہ پیمانہ
کسیکی نرگسِ میگوں سے اِک عالم ہے مستانہ

مستی فشاں نگرنگہِ میفروش ہے
پا در رکابِ جلوۂ نیرنگِ ہوش ہے

وفورِ کشتگانِ شوق سے گردوں بھی حیراں ہے
شفق آئینہ دارِ برقِ شمشیرِ درخشاں ہے

ہے آخر کس لیئے یہ التہاب آتشِ دوزخ
نہیں غم گر مرا تر عرصۂ محشر میں داماں ہے

نہیں ذوقِ سخن مجکو مگر مجبور ہوں عسکری
کہ منظورِ دلِ غمگیں رضائے مرتضیٰ خاں[1] ہے

سخن میں بھی مرے رنگِ دلِ خونابہ افشاں ہے
مرا ہر حرفِ دیواں دانۂ تسبیحِ مرجاں ہے

گدازِ دردِ الفت کیجیئے کیونکر بیاں عسکری
مرا دل شمع ہے اور خامشی گویا مری جاں ہے

یہی بس آرزوئے دل تھی ہمنے بھر پایا
کسیکا ہائے یہ کہنا کہ آرزو کیا ہے؟

یہ رنگ لائی ہے نیرنگ سازیٔ الفت
وگرنہ اشک کی جا آنکھ میں لہو کیا ہے؟

شور و سودائے محبت میں کہاں ہوتا ہے
دین و ایمان و دل و جاں کا زیاں ہوتا ہے

دل میں پوشیدہ کہیں عشقِ بتاں ہوتا ہے
آگ جس گھر میں سلگتی ہے دھواں ہوتا ہے

باغباں باغ میں بلبل کو چہک لینے دے
دو ہی دن میں تو یہ تاراجِ خزاں ہوتا ہے

سن کے احوال مرا ہنس کے یہ ظالم نے کہا
اچھا بیمارِ محبت کا کہاں ہوتا ہے

ہم جستجوئے جلوۂ جانانہ کرینگے
طوفِ حرم و کعبہ و بتخانہ کرینگے

طاقِ ابرو کو جب سے دیکھا ہے
ہمنے ڈالی ہے خو عبادت کی

نہ غرض دین سے ہے انکو نہ دنیا کی طلب
سب سے فارغ ہیں ترے عشق کی لت والے

سینہ حریفِ کاوشِ مژگاں نہیں رہا
کسکی دل و جگر کو ابھی نظر ہو گئی

آئے تھے آج پرسشِ زخمِ جگر کو لیک
دل کو بھی ہائے بسملِ مژگاں بنا گئے

حسن ۔ جناب سید حسن عسکری صاحب متخلص بہ حسنؔ۔ ولدیت اور تلمذ کا حال معلوم نہیں۔ لکھنؤ وطن ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔ حسن

خطا دیوانگانِ عشق کی کوئی نہیں نکلی
غلط محشر میں تحریرِ کراماً کاتبیں نکلی

بلا آئی جو کچھ بھی جائے آسائش کہیں نکلی
فلک نے سر پہ وہ ڈالی کہ پاؤں سے زمیں نکلی

جلایا دلِ بتانِ حور وش کی سرد مہری نے
مری دوزخ سے بھی کیفیتِ خلدِ بریں نکلی

[1] آپکے بھائی کا نام ہے ۱۲

کیا قاتل نے جب کشتہ مجھے شہر میں دائی ہے	بجائے موج خوں شہ رگ میں جتنے انگبیں نکلی
نہ دی جب اُس بت نامہرباں نے دادِ دلسوزی	حسن نکلی تو کس مصرف کی آہ آتشیں نکلی

حسن

حسن - حسن تخلص حسن جان خلف شیخ غلام مرتضیٰ مصور ساکن قدیم شہر لکھنؤ محلہ بادان محل شاگرد خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی عمر ۲۵ سال سلسلۂ شاگردی خاندان میر سے ملتا ہے ابتدائے سن سے شاعری کا شوق ہے - دیوان ناتمام ہے -

جس جرم کا حقیقت کو خود اعتراف ہو	رحمت تری پکار کے کہدے معاف ہو
ہرگز خیالِ گیسوئے جاناں نہ چھوڑیئے	صدمے ہوں لاکھ عشق کا داماں نہ چھوڑیئے
تھک جائیں پاؤں دشت کا داماں نہ چھوڑیئے	مرجایئے پہ ہاتھ سے میداں نہ چھوڑیئے
ہر شب یہ میری قبر پہ کہتی ہے بیکسی	یوں بے چراغ گورِ غریباں نہ چھوڑیئے
آزمانے کے لیے تیغ جو قاتل آئے	کون پھر میرے سوا ہے جو مقابل آئے

حسن

حسن - کرنل صاحبزادہ محمد حسن رضا خاں صاحب بہادر کمانڈر انگ افواج ریاست رامپور - آپکے والد احمد رضا خان عرف پیارے صاحب مرحوم نواب خلد آشیاں کے بھائی تھے - آپکی عمر اب ۳۵ - ۳۶ برس کے قریب ہے مضطر خیرآبادی سے فن سخن میں استفادہ کرتے ہیں اور ریاست میں ۵۰۰ روپیہ ماہوار کے منصبدار ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو -

پھونکتا ہے دل چراغِ روئے جانانہ مرا	رات کیسی دن کو بھی جلتا ہے پروانہ مرا
تونے پھیری آنکھ چشمِ تر سے آنسو گر پڑے	یاس سے لے چھلکا دیا لبریز پیمانہ مرا
میں سیئے پھرتا ہوں دلمیں اک بتِ بیدرد کو	اب تو میرے ساتھ ہی رہتا ہے بتخانہ مرا
دلکی بربادی کا بھی اک روز پھل ملجائے گا	رنگ کچھ لائیگا مل کر خاک میں دانہ مرا
جب تعلق ہے تو اظہارِ تعلق چاہیئے	جب پری تم ہو تو رکھو نام دیوانہ مرا
رکھتے ہیں لاگ ایک نہ اک خوبرو سے ہم	لاچار ہیں مزاج سے - مجبور خو سے ہم
اک حیلہ چاہیئے مجھے لڑنے کے واسطے	امید صلح رکھتے ہیں اُس جنگجو سے ہم

بیتاب کر نہ اے دلِ اپنا اطلب نہیں
ایسے ہی تو وہ ہیں کہ چھپا لینگے عشقِ غیر
وہ خوب جانتے ہیں مرے دل کا مدعا

باز آئے تجھ سے اور تری آرزو سے ہم
سو بار تاڑ لینگے حسن گفتگو سے ہم
حالانکہ کچھ زباں سے کہتا نہیں ہوں میں

کوئی عدم کا بھلا کیا معا ملا سمجھے
کہا جو میں نے کہ تم میرا مدعا سمجھے
جو بیخبر تھے وہ گھر جانتے رہے غافل
دیا جو رنج کسی نے تو خوش ہوا دلِ زار

جو مبتدا کو نہ سمجھا خبر کو کیا سمجھے
تو مسکرا کے وہ بولے مری بلا سمجھے
جو ہوشیار تھے دنیا کو وہ سرا سمجھے
اٹھا جو درد کلیجے میں ہم دوا سمجھے

حسن سخنور خوش بیاں ناظم شیریں زباں مولانا حاجی محمد حسن رضا خان صاحب حسن بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علیخاں صاحب مرحوم و برادر مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب عالم اہلِ سنت و شاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی آپکے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کیے اُنکا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ۴ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپکے آبا و اجداد دلی کے رہنے والے تھے آپکے جد امجد محمد سعادت علیخاں صاحب کی وفات تک تو آپکے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اسکے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی۔ چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپکے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم علیشاہ صاحب بہت بڑی دولت و ثروت چھوڑکر تارک الدنیا ہو گئے تھے اور صاحب کشف و کرامات گزرے ہیں۔ علم و فضل آپ کا خاندانی ہے۔ نعت گوئی میں اپنے برادر بزرگ مولوی احمد رضا خاں صاحب سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان سے تلمذ تھا جس زمانے میں حضرت داغ رامپور میں تھے آپ انکے شاگرد ہوئے اور ہر سال ایک دو مہینے انکی خدمت میں رہکر فیض صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ داغ صاحب کو ان سے خاص انس تھا اور اکثر پیارے شاگرد انھیں کہا کرتے تھے ۱۳۲۵ھ میں مع عیال حج کیا اور واپسی پر غزل گوئی ترک کر دی محض نعت و منقبت کو

ہی اپنا مشغلہ ٹھیرایا۔ چنانچہ نعت میں ایک پورا دیوان مرتب کیا اور بہنگام طبع جبکہ صرف دو یا تین ورق آخر کے چھپنے باقی تھے ۲۲ ماہِ رمضان ۱۳۲۶ھ کو ۵۰ سال چھ ماہ کی عمر میں بعارضۂ تپ اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔

آپ کا عاشقانہ کلام آپکے بعد طبع ہوا ہے۔ جو فی الحقیقت بہت اچھا ہے۔ صفائی۔ سادگی۔ بندش۔ اور شوکت الفاظ کے علاوہ پُردرد اور مؤثر بھی ہے۔ طرزِ بیان میں سادگی کے ساتھ تیکھاپن غضب کا ہے۔ تعقید اور آورد کا شروع سے اخیر تک نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اکثر مصرعۂ ثانی کی نسبت مصرعۂ اولیٰ تو آپ غضب ہی کا لکھ جاتے ہیں۔ بعض اشعار میں مصرعۂ اولیٰ کے الفاظ کو الٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرعِ ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں ہوسکتی۔ بول چال اور محاورات میں بھی حرف گیری کی کم گنجایش ہے الغرض آپ کا مذاقِ شعر پاکیزہ اور اسلوبِ بیان قابلِ تعریف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ اگر زندگی مستعار وفا کرتی اور یہ مشغلہ قائم رہتا تو استاد کے نام کو چلا دیتے۔ دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیوں دلِ زار محبت کا نتیجہ دیکھا
درد فرقت کا کوئی پوچھنے والا دیکھا

بس رخِ یار سے اٹھتے ہوئے پردہ دیکھا
پھر خبر ہی نہ رہی کیا کہیں پھر کیا دیکھا

کان وہ کان ہے جسنے تری آواز سنی
آنکھ وہ آنکھ ہے جسنے ترا جلوہ دیکھا

آپ کہتے ہیں کہ ہاں دیکھ لیا دل تیرا
کیجیے تو لپٹ سوا دل میں مرے کیا دیکھا

شربتِ دید میں کیا جانے مزے ہیں کیسے
جتنا سیراب کیا اتنا پیاسا دیکھا

حسن جب مقتل کی جانب تیغ براں لیچلا
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

آرزو سے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے
بزم سے میں آرزوئے دیدِ جاناں لیچلا

میرے گھر تک پاؤں ہرگز نکلا یا تھا نیاز
نازِ دامن کھینچتا سوئے گلستاں لیچلا

بیمروت ناوک افگن آفریں صد آفریں
دل کا دل زخمی کیا پیکاں کا پیکاں لے چلا

اس سے بڑھکر آرزو کیا تو ہو قاتل ہم شہید
پوچھتا کیا ہے ستمگر تیغ بُرّاں لے چلا

دل کو جاناں سے حسن سمجھا بجھا کر لائے تھے
دل ہمیں سمجھا بجھا کر سوئے جاناں لے چلا

بسملوں کو زخم زخموں کو مبارک لذتیں
سوئے مقتل پھر کوئی تیغ و نمکداں لے چلا

میں کیا پوچھوں کہ ہے میری خطا کیا
عتاب بے سبب کا پوچھنا کیا؟

داغ الفت جگر میں دیکھ لیجئے
بدگماں اتنا اعتبار ہوا

کیا قیامت ہیں پیار کی نظریں
میٹھی چھریوں سے دل فگار ہوا

دیکھو! نہ دیکھو اسکی طرف چشم مست سے
چھلکے گا گر پڑے گا پیالہ شراب کا

لکھا ہوا ہے پیر مغاں کی دوکان پر
کمظرف کو حرام ہے پینا شراب کا

بیخبر ہو۔ بے خبر کو کیا خبر اس درد کی
سنگدل ہو سنگدل پر کیا اثر فریاد کا

خاک میں ملجائیگی قدر شہادت تیرے ساتھ
خون ناحق! بچ رہا دامن اگر جلاد کا

خون حسرت! ہاں دکھا رنگیں مزاجی کی بہار
دامن گلچیں بنے دامن مرے جلاد کا

جس طرح منہ تکتے ہیں ظالم ترا ہم تو سہی
منہ تکے تو حشر میں ہر شاکیٔ بیداد کا

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذت سوز و گداز
اے حسن شاگرد ہوں میں داغ سے استاد کا

ذرا آؤ پردہ سے کھنچتے رہنا
نہیں دل لگی دل دکھانا کسی کا

اس شوخ کے انکار سے دل ٹکڑے ہوا کیوں
یارب کوئی خنجر تو نہ تھا لفظ "نہیں" کا

جس میں ہے تمہارے رخ رنگیں کا تصور
اس دل کو لقب دیجئے فردوس بریں کا

اس گل کی بو سمائی ہے میرے دماغ میں
پھولوں کی ہے چنگیر مرقع خیال کا

سنگ غم فراق سے دل پر لگا نہ چوٹ
آئینہ ٹوٹ جائے گا تیرے جمال کا

جلوے کی روک تھام کرے گا حجاب کیا
دریا کے آگے آب رواں کی نقاب کیا؟

کہتا ہے برق سے یہ مرا بیقرار دل
تڑپے پہ ٹھہر ٹھہر سکے تو پھر اضطراب کیا؟

آنکھوں کو روئیں دیکھنے والے جھلک کیساتھ
جلوہ حجاب جلوہ ہے پھر یہ حجاب کیا ؟

خوش ہوئے سنتے ہم کہ خنجر تو گلے سے مل گیا
کیا خبر تھی یہ بھی دم دیکر جدا ہو جائے گا

آج بیمارِ الم کے طور کچھ بیطور ہیں
تم نظر بھر دیکھ آؤ گے تو کیا ہو جائے گا

گھبرا کے آئے وہ جو سنا جاں بلب مجھے
لو مرتے مرتے زیست کا سامان ہو گیا

اس بات پر خفا ہیں قتیلِ جفا سے وہ
یہ کیوں کہا کہ ہیں ترے قربان ہو گیا

مرے کو دکھ دینے والے کیوں وہ قسمیں یاد ہیں تجھ کو
تری تکلیف تیرا دکھ گوارا ہو نہیں سکتا

ایسے سے دل کا حال کہیں بھی تو کیا کہیں
جو بے سمجھے کہے کہ چلو بس سنا سنا

آخر حسن وہ روٹھ گئے اٹھ کے چل دیئے
کمبخت اور حالِ دلِ مبتلا سنا

دردِ الفت میں زندگی کیسی ؟
موت کا کون چارہ گر ہوگا

خودی سے جدا ہو کہ وصلِ خدا ہو
نہ ہو کر جو ہوگا وہ ہو کر نہ ہوگا

قتل کرنے کی وہ جلدی تھی تمھیں
اب تڑپنا نہیں دیکھا جاتا

پائے قاتل دامنِ قاتل سے بچ بچ کر پڑے
قتلگہ میں آئے ہیں بے سر نہ اتنا سر اٹھا

وقتِ جلوہ شرم و شوخی کی کشاکش کیا کہوں
پردۂ روئے صنم اٹھ کر گرا گر کر اٹھا

ایسی تری صورت مری آنکھوں میں بسی ہے
جب آئینہ دیکھا تو مجھے تو نظر آیا

سن لیا ہم نے سوالِ وصلِ دلبر کا جواب
ناامیدی کہہ گئی دل سے مقدر کا جواب

خنجر گلے پہ سر تہِ زانوئے دل ربا
اے ہمرہانِ عشق تمہارے خوشا نصیب

حیرت آنکھوں پہ برستی ہے زباں ہیں خاموش
خود تماشا بنے بیٹھے ہیں تماشائی دوست

بزمِ محشر۔ مجمعِ عشاق۔ جوشِ اشتیاق
تو بھی پردے سے نکل اے جلوۂ جانانہ آج

بیقراری کل بھی تھی کل سے زیادہ آج ہے
صبر کا یارا دلِ بیتاب کو کل تھا نہ آج

آپ پر جادو بھری آنکھوں کا افسوں چل گیا
اے حسن سب کی زباں پر ہے یہی افسانہ آج

چاہا اگر تمھیں تہمت اچھا۔ برا کیا
بخشو گے بھی خطائے محبت کسی طرح

کہتے ہیں رنجش بھی ہے تو خاص تیری ذات سے
وہ عداوت بھی جتاتے ہیں محبت کس طرح

ق
چپ چاپ دشتِ نجد سے ناقہ نکل چلے
شورِ جرس نہو مرے محمل نشیں بلند

مجنوں کی رُوح خوابِ عدم سے نہ چونک اٹھے
مرقد سے ہو نہ شورِ قیامت کہیں بلند

آئے میری قضا ادا ہو کر
دم نکلجائے مدعا ہو کر

چھپ گیا یار خودنما ہو کر
رہ گئی چشمِ شوق وا ہو کر

ہجر کے انقلاب کس سے کہوں
کھائے جاتا ہے غم غذا ہو کر

شورِ محشر جگانے آئے ہیں
تیری رفتار کی صدا ہو کر

ناتواں زندہ جاوید ہوئے
ضعف میں جان سے جائیں کیونکر

سیر دشمن ہے اور اُن کا زانو
وہ مرے خواب میں آئیں کیونکر

کوچۂ دوست میں کیوں کے حسن
زندگی ہو جسے اے یار عزیز

نہ پوچھ اب حال اے بیدرد مجھسے
بلا سے تیری ہیں غمگین یا خوش

مجھے کیوں خوش نہ کرے پھر مرا غم
مرے غم سے ہے میرا دلربا خوش

آتا ہے خالی ہاتھ حسن نامہ بر ترا
قسمت جواب دے تو کہو کون لائے خط

موت بھی کیا جانے کچھ بیمار ہے
کیوں نہیں آتی ترے بیمار تک

یار تجکو رحم کس دن آئے گا
اب ترس کھانے لگے اغیار تک

ہم ہیں وہ برگشتہ قسمت جانِ من
تم تو کیا منہ پھیر لے تلوار تک

واہ وا اے نگہِ یاس ترا کیا کہنا !
آج جلاد ہے بسمل تو ہی بسمل قاتل

آستیں الٹے ہوئے ہاتھ میں تلوار لیے
آج خونریزیِ بسمل پہ ہے مائل قاتل

زہر ہی سے میں کروں چارۂ بیماریِ دل
لاؤں اب اُنکو کہاں سے پئے غمخواریِ دل

آپ کے لطف نے تو قہر کیا
خوب سمجھے جورِ آسماں تک ہم

آئے تھے کیا جا کے کیا حسرت لیے
پھر چلے محروم تیرے در سے ہم

ہوائے وصلِ لیلیٰ خاکِ مجنوں کی گرہ میں ہے
بگولے ڈھونڈتے پھرتے ہیں محمل کو بیاباں میں

زبانیں رک گئیں سر جھک گئے خیرہ ہوئیں آنکھیں
نقاب اُلٹے ہوئے کون آگیا محشر کے میداں میں

چمک ہے درد کی یا دل سے آہِ آتشیں نکلی
یہ کیسی روشنی ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں

بُتانِ حیلہ جو تھا تو سے جب باہر نکلتے ہیں
یہ دم دیکر نکلنے والے دم لیکر نکلتے ہیں

ترے آتے ہی تصویرِ قیامت بنتی ہے محفل
فدا ہونے کو عکس آئینوں سے باہر نکلتے ہیں

حسن اس آہ کے اس آہ کی تاثیر کے صدقے
مجھے در سے اٹھا کے گھر سے وہ باہر نکلتے ہیں

وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کس کو
ہم اگر انکو بھلائیں تو کسے یاد کریں

ادبِ عشق اگر ہاتھ نہ رکھ دے منہ پر
چٹکیاں لے جو کلیجے میں وہ فریاد کریں

اے تری شان سنا کر بھی وہ اچھے کہلائیں
ہم برے ٹھہریں اگر نالہ و فریاد کریں

دے چکے دل ہی تو پھر کیا لبوں کا شکوہ کیا
انکی بن آئی ہو اب چاہیں جو ارشاد کریں

حسرت اس پہ ہے جو کم بخت انھیں یاد نہ آئے
میں تو مرتا ہوں اگر جور وہ کم کرتے ہیں

اک عندلیب کیا ہے میں کہدوں ہزار ہیں
بس ایک ہی تو پھول ہے ساری بہار میں

وہ حسن ہے کہ قبضہ کرے دو جہان پر
وہ عشق ہے کہ کچھ نہ رہے اختیار میں

دل میں خیالِ عارضِ پُرنورِ یار ہے
ہم شمع لیکر آئے ہیں اپنے مزار میں

ہے ستمگر کی بات بات میں چھیڑ
مجھ سے کہتا ہے تم پہ مرتے ہیں

تیغ جب لا دو مشکل آسان کر
دم ترانوں سے بھرتے ہیں

لو خدا کے واسطے اپنا پتا لو اب مجھے
دونوں عالم چھوڑ بیٹھا ہیں تمہاری یاد میں

بتخانہ و کعبہ میں پتا اس کا نہ پایا
اب جائیں کدھر آہ کہاں یار کو ڈھونڈیں

پھر کوچۂ دلدار میں ہم خاک کریں جمع
پھر آ کے حسن اپنے دلِ زار کو ڈھونڈیں

مشہور ہے جو دوست اسکا ہے دوست وہ ہو دوست
جی میں ہے کہ میں اب کسی دشمن ہی کو چاہوں

سیکڑوں ارمان ہیں کچھ فکرِ تنہائی نہیں
یادِ جاناں ہے یہاں کب محفل آرائی نہیں

اے خدا اتنی پر بنے پھر اُن سے "شنوائی نہیں"
ہے تمہارے قول پر تُہمت جمالِ دلفریب
دستِ وحشت چاک کرنا جیب و داماں سوچ کر
جان لینی ہے تو حاضر ہے مگر یہ جان لو
بہاریں سے بہاریں ہیں گُل چاک گریباں ہیں
ہمارے ہاتھ میں ہوگا گریباں دستِ وحشت کا
مرے مذہب میں یہ رسوائیِ اُلفت ہے رائے مجنوں
جو دشمن کو کرے خوش وہ نظر جب اس طرف آئے
ہمارا آشیاں کُنجِ قفس قسمت نے ٹھیرایا
یہاں ہر ذرّہ میں محمل ہے اور محمل میں لیلیٰ ہے

اب ترے در کے سوا عالم میں شنوائی نہیں
سچ کہا تم نے کہ میں مشتاق و شیدائی نہیں
کیا مری رُسوائیوں میں آپکی رسوائی نہیں
جاں ستانی لائقِ شانِ مسیحائی نہیں
گلستاں کے مزے ہمکو میسر ہیں بیاباں میں
اگر اک تار بھی باقی رہے گا جیب و داماں میں
کہ دل ٹکڑے نہ ہو اور چاک ہوں جیب و گریباں میں
جگر میں تیرِ ناوک دل میں ہو نشتر رگِ جاں میں
بہار اب قیدِ تنہائی کے دن کاٹے گلستاں میں
جنابِ قیس آئے ہی نہیں دیکھے بیاباں میں

مرگِ عاشق کی جو مانیں منّتیں
دیدیا ہے سب اطبّا نے جواب

وہ مرے مرنے کا ماتم کیا کریں
تم نہ کہہ دینا کہیں ہم کیا کریں

ہمیں بھی چاہ کے ارمان تھے کبھی کیا کیا
وہ مسکراتے ہیں مُنہ پھیر کر حسن! کیا کیا
اِس نہیں پر تو یہ حالت ہے جو ہاں ہو گیا ہو
دلِ بیدرد نہ کہتے تو اسے کیا کہتے
کیوں پریشاں ہیں مرے قتل کی تدبیر سے آپ
خود معالج کی ضرورت ہے معالج کو مرے
دادِ شوریدہ سری کس سے ملیگی یارب!
ارمغاں بھیجتے مجنوں کے لیئے ہم بھی کچھ
یہ ہدایت مجھے نقشِ کفِ پا کرتے ہیں

پرائے ذکرِ محبت سے ہوش جاتے ہیں
کبھی جو ہم اُنھیں زخمِ جگر دکھاتے ہیں
سینکڑوں طالبِ دیدار ہیں دوچار نہیں
قیس اِسے چھپا لے کے اندر خلشِ خار نہیں
سُن کے حسرت مری کہہ دیجئے "اکبار نہیں"
میرے نسخے میں کہیں شربتِ دیدار نہیں
جس جگہ میں ہوں وہاں در نہیں دیوار نہیں
پر حسن جیب و گریباں میں کہیں تار نہیں
راہِ محبوب میں اِس طرح مٹا کرتے ہیں

عاشقی گردشِ قسمت کو کہا کرتے ہیں
دن کہیں چاہنے والوں کے پھرا کرتے ہیں

سب حسیں ایک ہی عادت کے ہوا کرتے ہیں
پھول بھی نالۂ بلبل پہ ہنسا کرتے ہیں

آپ تو راضی ہو کہ ہم جینے سے بیٹھے ہیں خفا
اتنے خوش ہو کہ تمھارا ہی کہا کرتے ہیں

اپنے دشمن کو بُرا کون نہیں کہتا ہے؟
آپ ہر بات میں کیوں بول اُٹھا کرتے ہیں

جن پہ ہیں لطف وہی ظلم و ستم سہہ لیں گے
آپ اب کیوں مرے جینے کی دعا کرتے ہیں

چلے کس تمنا پہ بیمارِ غم
حسینوں میں رسمِ عیادت نہیں

ہم آئے تھے کہنے کچھ احوالِ دل
یہاں بولنے کی اجازت نہیں

ستم کو شوخی ہمکو بیتابی کی خو
سچ تو ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

بن سنور کر نعش پہ آئے تو ہیں
اس سے بڑھکر وہ مرا غم کیا کریں

مرے لاشے پہ وہ کس واسطے بیٹھے ہیں منہ ڈھانکے
کوئی پوچھے تو اب بھی کیا مجھے زندہ سمجھتے ہیں

قیامت تک دلِ مضطر کو اپنے کل نہ آئیگی
اِسے بھی ہم تمھارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

لگایا پار بیڑا سیکڑوں کشتوں کا دم بھر میں
تمھاری تیغ کو ہم فیض کا دریا سمجھتے ہیں

مرا سر اُنکے قدموں پر ہے وہ دامن چھڑاتے ہیں
الٰہی کس طرح دنیا میں روٹھوں کو مناتے ہیں

مثالِ نقشِ پا بستر جما بیٹھے ہیں اُس در پر
ہمیں بھی دیکھنا ہے آج کیونکر وہ اُٹھاتے ہیں

مُسافر سے دمِ رخصت کوئی روٹھا نہیں کرتا
خدارا اب تو من جاؤ کہ ہم دُنیا سے جاتے ہیں

مرے رونے پہ رحم آیا اُنھیں جب بھی ستم ڈھایا
گلے میں باہیں بھی ڈالی ہیں اور ہنستے بھی جاتے ہیں

نہ رحم آئے حسن مجکو اگر اُن کی نزاکت پر
ابھی وہ ایک نالہ میں کلیجہ تھامے آتے ہیں

نظارۂ رخِ جاناں کی ہمکو تاب نہیں
وہ بے حجاب ہوئے جب بھی بے حجاب نہیں

چھکا دیا نگہِ مست نے زمانے کو
تمھارے دور میں کچھ حاجتِ شراب نہیں

بہارِ حسن کو شانِ غضب نے چمکایا
رُخِ جمال کا غازہ ہے یہ عتاب نہیں

لوگ کہتے ہیں عدو سے دوستی اچھی نہیں
کیا یہ عادت آپکے نزدیک بھی اچھی نہیں

تم حسیں ہو تمھیں زیبا نہیں چہرہ پہ نقاب ٭ خوبصورت کہیں پردے میں رہا کرتے ہیں ٭

موت اچھّی ہے جو دم نکلے تمھارے سامنے
زلف ٹیڑھی ہو مگر عاشق سے تم ٹیڑھے نہو
کیا مزے کی بات ہو دل چھین لو بوسہ نہ دو
آہ اُس عیّار کا انجان بنکر پُوچھنا
بیکسی آکے گلے ملکے تجھی سے روئیں
مانع دید نہ ہو چشم تصوّر کو حجاب
چشم بسمل کو خدا جانے تمنّا کیا تھی
ہمیں تو اپنی کہانی اُنھیں سُنانی تھی
ہنسی کی بات تھی وہ ایک دل بھی کچھ شے ہے
ہمارے نالہ و فریاد پر یہ شکوے ہیں
یہ چاہتی ہیں عفو و شفاعت کی لذتیں
سچ کہو تسکین دوں میں اپنی جانِ زار کو
صبح ہونے آئی چین اسکو کسی پہلو نہیں
دیکھنا ہو گر نگاہِ مستِ ساقی کا کمال
وہ چلے ہم پس گئے کیسا جنازہ کسکی گور
دونوں ہاتھوں سے کلیجا تھامے بیٹھا ہو حسن
جو دم بھر دیکھ لوں میں عارض رنگین کے جوبن کو
دمِ گلگشت رنگِ تازہ بخشا تو نے گلشن کو
عشق میں بیتابیاں ہوتی ہیں لیکن اے حسن
نہ دیتا دل کبھی خوش ہوتے مجھسے یا خفا رہتے
نرالی خودنمائی ہے کہ اس عالم سے پردہ ہے

آنکھ سے اوجھل ہو تم تو زندگی اچھی نہیں
زلف میں اچھّی طبیعت میں کجی اچھی نہیں
دل تو اچھّا ہو مگر دل کی خوشی اچھّی نہیں
اے حسن کب سے طبیعت آپ کی اچھی نہیں
عید کا روز ہے ہمسے کوئی ملتا ہی نہیں
دیکھنے والوں کو تم نے ابھی دیکھا ہی نہیں
آہ جلاد نے مُنہ پھیر کے دیکھا ہی نہیں
وہ اعتبار کریں یا نہ اعتبار کریں
ہزار دل ہوں تو ہم آپ پر نثار کریں
وہ اپنے ظلم و ستم تو ذرا شمار کریں
سب کے گناہ کاش ہوں میرے حساب میں
سچ کہو سچّا ہی سمجھوں وعدۂ دیدار کو
کروٹیں کبتک بدلواؤں دلِ بیمار کو
شیخ سے آئیں کسی ہشیار سے ہشیار کو
اِن بکھیڑوں سے غرض کیا پائمال یار کو
یا خدا اب کون پکڑے دامنِ دلدار کو
تو دامانِ نظر پر رشک ہو گلچیں کے دامن کو
ترے جلوے نے پھولوں سے بھرا پھولوں کے دامن کو
جبتک رہے چین نہ ہم ہوا اس قدر کوئی بتہو
اگر معلوم ہو جاتا کہ ایسے بے وفا تم ہو
نہی پر وہ نشینی ہے کہ عالم آشنا تم ہو

بیقراری ہجر میں ہے اختیاری وصل میں یہ شعر اس سے گرفتاری دونوں دست ایک بھی اتفاق پایا نہیں

شکیبِ جاں ہو قرارِ دلِ حزیں تم ہو
ہمارے درد کی دارو تو بس تمھیں تم ہو

خدا خودی کو مٹائے دوئی اسی کی سے ہے
جو یہ نہو تو تمھیں ہم ہیں - ہم تمھیں تم ہو

نشانہ تیرِ نظر کا بناؤ دل کو مگر
اُٹھا کے پردہ ذرا دیکھ لو یہیں تم ہو

کہتے نہ تھے کہ کوئی بُرا مان جائیگا
لے اور بیقرار دلِ بیقرار ہو

جب اپنی جان آپ کو سارا جہاں کہے
کہیے پھر آپ کا ہمیں کیا اعتبار ہو

اللہ اب تو داد کو پہنچیں یہ حسرتیں
وہ پوچھتے ہیں کسکے لیے بیقرار ہو

پہلو میں ایک دم نہیں رہتے قرار سے
میرے لیے تو تم بھی دلِ بیقرار ہو

ہیں شوخیاں وہاں تو یہاں اضطراب ہو
اب اُنکی بات بات کا بیدل جواب ہو

عاشق کے قلب و چشم میں رہتی ہیں حسرتیں
تم کسکے دل کے چین کن آنکھوں کے خواب ہو

فرقت میں کچھ تو لطف دکھائیں مصیبتیں
دم کھینچے سینے ہو جلکے مرا دل کباب ہو

ہنگامہ گرم کُن ہوں جو محشر میں حسن و عشق
میرا جواب ہو نہ ہمارا جواب ہو

اُنکی گلی سے وحشتِ مصیبت میں لا دھرا
اے وحشتِ جنوں ترا خانہ خراب ہو

کہتے ہیں ذرّے خاک نشینوں کی خاک کے
پھیرے ہمارے دن بھی اگر آفتاب ہو

تم جسکے دل کے چین ہو وہ مضطرب رہے
تم جسکی جان ہو اُسے جینا عذاب ہو

کچھ بھی نہ ہو تو دل کو تسلّی ہو کس طرح
خوئے کرم نہیں نہ سہی کچھ عتاب ہو

میں تمھیں یاد کروں تم کو مری یاد نہو
اور کچھ کہتے ہو خطرہ نہ ہو ناشاد نہو

ایک دم چین سے بیٹھا ہو جو دل ہجر کی شب
آپکے وصل سے کم بخت کبھی شاد نہ ہو

پوچھتے کیا ہو کہ دل میں کون ہے
لو یہ آئینہ اُٹھا کر دیکھ لو

اس نزاکت پر یہ دعوے قتل کے
پہلے خنجر تو اُٹھا کر دیکھ لو

بیخودِ دیدار کی تربت پہ میلا کیوں نہو
اُنکے جلوے کا تماشائی تماشا کیوں نہو

دلبر آنکھیں ہوں تو دل کیونکر ٹھکانے سے رہے
دلنشیں صورت ہو تو دل میں ٹھکانا کیوں نہو

خواہشیں اپنی فدا کر دو رضائے دوست پر
پھر میں دیکھوں چاہنے والا کا چاہا کیوں نہو

جو وہ چاہیں گے وہ ہوگا اب وہ جو چاہیں کریں
دل ہی جب چاہے انھیں پھر انکا چاہا کیوں نہو

جب کرم ہو حسن کا جب مہربانی عشق کی
پھر وہ میری کیوں سنیں پھر انکا کہنا کیوں نہو

جب ترے جلوے کو طرزِ خود نمائی ہے پسند
سیکڑوں پردوں میں چھپکر عالم آرا کیوں نہو

عندلیبانِ چمن بندۂ بے دام ہیں
ہو لیے چھوڑ کے گلشن مرے صیاد کے ساتھ

کس سے باتیں ہیں حسن تجھے کیا کرتے ہو
کچھ عداوت ہو تمہیں کیا دلِ ناشاد کے ساتھ

مے سے میں نے کب کی توبہ
توبہ لو یہ کیسی توبہ

شیشہ اٹھا کر طاق سے ہم نے
طاق پہ رکھ دی ساقی توبہ

حسن ہیچ چارۂ مجروحِ غم ہوا
زخموں میں بھر دیا وہ نمک زخم بھر گئے

ہر دلفگار لائقِ تیغِ ادا نہیں
مژدہ انھیں جو عشق کے مجرم ٹھہر گئے

ان بیقراریوں میں وہ کیا ہیں پائینگے
ارمان کس امید پہ دل میں ٹھہر گئے

میں جانتا تھا میری ہی الفت کی انتہا
لیکن تمھارے ظلم بھی حد سے گزر گئے

اس بدگمان نے یہ کہا میری لاش پر
اللہ رے فریب کوئی جانے مر گئے

میں جانتا ہوں دل پہ جو گزری شبِ فراق
دل جانتا ہے مجھ پہ جو صدمے گزر گئے

ناصح ناداں عبث تو کر رہا ہے دق مجھے
رکھتے قابو میں یا ہوں میں دل پہ نہیں قابو مجھے

رات دن کی آہ و زاری ہر گھڑی کا اضطراب
کیا دلِ بیتاب اب جینے نہ دیگا تو مجھے

دل تمنے لیا۔ ہجر نے دم عشق نے راحت
یہ یاد نہ اس طرح ہو دولت بھی کسی کی

موت سے دردِ جدائی کی دوا ہوتی ہے
یوں ہی بیمارِ محبت کو شفا ہوتی ہے

دل کے سو ٹکڑے کئے ٹکڑے سے ٹکڑا ہو جدا
پر کہیں تیغِ ادا دل سے جدا ہوتی ہے

رات کو آئینگے وہ صبح سے بیچین ہوں میں
شام تک دیکھئے حالت مری کیا ہوتی ہے

دستِ نازک سے کشاکش میں رہا ہی تلوار کا دم
نہ جدا کرتی ہے سر کو نہ جدا ہوتی ہے

ایک تم ہو کہ وفا پر بھی جفا کرتے ہو
ایک ہم ہیں کہ جفا پر بھی وفا ہوتی ہے

دل میں تم آنکھوں میں تم چھپتے ہو پھر کس واسطے
تم کو شرم آتی نہیں عاشق سے شرماتے ہوئے

جاں بلب ہوں اک نظر کیواسطے آنکھیں نہ پھیر
جانے والے اک نظر پھر دیکھ لے جاتے ہوئے

سوئے درِ حبیب جو ہم ناتواں سے چلے
بولی یہ نارسائی قسمت کہاں چلے

تیغ لیجے قتل کیجے کام چلنے دیجیے
بیگناہی کو سفارش پر مچلنے دیجیے

حضرتِ زاہد نویں جنت دکھلاویں گے نہ
پھول کھلنے دیجیے چشمے ابلنے دیجیے

ذبح کرنے کے لیے منہ پھیر کر بیٹھیں نہ آپ
دم نکلتے وقت تو حسرت نکلنے دیجیے

قابلِ تعزیر بیکس ہیں جنابِ محتسب ہا
دور کی تقصیر کیا ہے دور چلنے دیجیے

دعویٰ ہمارا کیا ہے بگڑتا ہے کس لیے
لے دشمنِ وفا ترے محفل سے ہم چلے

چیر کر تم دلِ بسمل کو نہ دیکھو دیکھو
جن سے نفرت تھی تمھیں آہیں وہ ارماں ہو گئے

تھوڑی سی تکلیف اٹھائی ہے حسن فرقت میں
آپ نہ دل لے گئے بتوں کو جو مسلماں ہو گئے

دیکھ آؤ مریضِ فرقت کو
رسمِ دنیا بھی ہے ثواب بھی ہے

شکایت کو گئے تھے شکر کر آئے
یہ کیا تھا کچھ کا کچھ نکلا زباں سے

جو خاص جلوے تھے عشاق کی نظر کے لیے
وہ عام کر دیئے تم نے جہان بھر کے لیے

ہمیں تو دیکھئے دل دینے سے نہ منہ پھیرا
نگاہ پھیر گئے آپ اک نظر کے لیے

ہماری وصل کی رات اُنکی ہجر کی شب ہے
وہ آج شام سے بیچین ہیں سحر کے لیے

دعائے وصل جو کی چرخ سے صدا آئی
یہ التجا تو بنی ہی نہیں اثر کے لیے

تمہارے جلوے ہیں ہرجائی ہے کیفیت
سرور دل کے لیے نور ہے نظر کے لیے

کیا ہے طولِ شبِ ہجر نے عجب اندھیر
گرا ہے سجدے میں خورشید بھی سحر کے لیے

کہو تو ہم سے بھی شکوہ کا جواب کیا آیا
حسن جو آج قدم تم نے نامہ بر کے لیے

کسیکے ہوش کھو دینا کسیکو خاک کر دینا
تجھے کچھ آگہی بھی اے جلوۂ جانانہ آتا ہے

بہاروں میں ہوں یہ رنگینیاں پھولوں میں یہ جوبن | مگر پردے میں چھپکر جلوۂ جانانہ آتا ہے

آئی کیا جی میں تیغ قاتل کے | کہ جدا ہوگئی گلے مل کے

اب کوئی دم میں نہ ہم ہونگے نہ حسرت ہوگی | آج پوری تری مانی ہوئی منت ہوگی

حشر کو رویت دیدار مسلّم لیکن | ہمپہ تو ہجر کی راتوں میں قیامت ہوگی

دل گرفتار بلا - جان اسیر آفت | آپکے عشق میں ہوگی جسے راحت ہوگی

نقش پا بن کے مٹینگے ترے پامال خرام | لاش اُٹھیگی نہ اُنکی کہیں تربت ہوگی

اللہ رے بیکسی کہ نہ دل ہے نہ یار ہے | اک جان زار ہے بھی تو وہ جانہار ہے

کس درجہ گلفشان دہن تنگ یار ہے | اس غنچے میں ہزار چمن کی بہار ہے

دل بیچ کے لیں ہم تری آنکھوں کے لیے مول | دُنیا میں کہیں جنس مروّت نہیں ملتی

ہر ایک سے سائل نہیں ہوتا ہے زمانہ | ہر ایک کو حسن کی دولت نہیں ملتی

اے عاشقو نوید کہ سنتے ہیں آج وہ | افسانہ دل جلوں کا زبان چراغ سے

بل کھا رہے ہیں چہرے پہ گیسوئے پُرشکن | مار سیاہ کھیل رہے ہیں چراغ سے

یہ گلفشانیاں تو نہ ہوتیں کبھی حسن | ننھے سے غنچے ہیں پھول یہ گلزار داغ سے

بیوفا خواب میں بھی تو نے تو آنا چھوڑا | یونہی ہوتی ہے دوا ہجر کے بیماروں کی

نہ رہا کیجیو پر کنج قفس تک آکر | کچھ تو حسن سلوک اے مرے صیاد گرفتاروں کی

جسے دیکھا پھر اُس کا دل نہیں رہتا ٹھکانے سے | تری ترچھی نگاہوں میں شرارت ہی کچھ ایسی ہے

میں آؤں وعظ میں سو بار جب یہ دل بھی آنے دے | کروں کیا واعظو رندوں کی صحبت ہی کچھ ایسی ہے

میں کس گنتی میں ہوں اور اک مرے دل کی حقیقت کیا | ہزاروں جان دیتے ہیں وہ صورت ہی کچھ ایسی ہے

کوئی آئے یہ آتی ہے - کوئی جائے یہ جاتا ہے | مرا دل ہی کچھ ایسا ہے طبیعت ہی کچھ ایسی ہے

ہمارا کیا بگڑ جاتا حسن تیری سفارش میں | ہماری اُنکی اب صاحب سلامت ہی کچھ ایسی ہے

اے حسن شکر کرو زندہ وہاں سے آئے | دل کو جانا تھا گیا جان سلامت آئی

مریضِ غم کی نہ پوچھو حالت جو تمکو ملنا ہی چاہو مل لو
پھریں ہیں آنکھیں چھٹی ہیں نبضیں تپاں ہے کیا تمکو حال کیا ہے

نہ ہٹ کرو آؤ مل بھی جاؤ۔ نہ مرنیوالوں سے منہ چھپاؤ
یہ نیمجانوں سے رنج کیوں ہے۔ مسافروں سے ملال کیا ہے

نہ باغِ جنت کی آرزو کر۔ نہ جامِ کوثر کی جستجو کر
شرابِ الفت حرام ٹھیری۔ پھر اور زاہد حلال کیا ہے

یہ ناز و انداز ہیں قیامت اور اسپہ یہ شوخیاں بلا ہیں
زمانہ پامال ہو رہا ہے غضب ہے آفت ہے چال کیا ہے

جو عالم آشنا ہو وہ تو پردے کی ادا کیوں ہے
اگر منظور ہے پردہ تو عالم آشنا کیوں ہے

جو آنکھوں میں بسا ہو آنکھیں اُسکی منتظر کیوں ہیں
جو دل میں جلوہ فرما ہو دل اُسکو ڈھونڈھتا کیوں ہے

نہ آئیں وہ شبِ وعدہ تو اُنکی یاد بھی جائے
مرے سوئے ہوئے طالع کے گھر یہ رتجگا کیوں ہے

اگر ہم دیکھ سکتے تھے تو اُسنے کیوں کیا پردہ
اگر دیدار کی طاقت نہیں تو خود نما کیوں ہے

تعلق عکس و پرتو سے نہیں جب حسن یکتا کو
دلوں کو۔ آئنوں کو حکم دیتا کیا جلا کیوں ہے

کسی کی آنکھ کی پتلی بنے یا دل کا ٹکڑا ہو
ہماری طرح خاک افتادہ اُنکا نقشِ پا کیوں ہے

ہمارا عشق دلمیں ہے تمھارا حسن پردے میں
خدا جانے پھر ان دونوں کا چرچا جا بجا کیوں ہے

تمھیں ہم جان سمجھیں اُنکو اپنی زندگی جانیں
خدا جانے پھر لبوں سے تمنائے دعا کیوں ہے

مرے خوں گشتہ ارماں کی سفارش گر نہیں کرتا
تو اُسکے پاؤں پر مچلا ہوا رنگِ حنا کیوں ہے

حسن جب دیکھے دل ہی پھر ان باتوں کی کیا پروا
خیالِ غیر کیوں ہے۔ فکرِ طعنِ اقربا کیوں ہے

ہم رنج و الم سہتے ہیں کیا اپنی خوشی سے
دنیا میں غرض اُٹھکے کسی کی نہ کسی سے

دل چھین کے لیجائے جو ظالم خفگی سے
کیا قہر ہو ناصح وہ اگر خوش ہو کسی سے

فرقت میں سبب مجھے روکتے ہو نالہ کشی سے
ناصح! ابھی واقف نہیں تم دل کی لگی سے

تم چپکے سے اِک بوسۂ عارض ہمیں دیدو
کہتے ہیں قسم کھا کے کہیں گے نہ کسی سے

لاکھ سمجھا یا تصور تجھے اے دل ہو وہی
تُو نے سمجھا ہے مسیحا جسے قاتل ہے وہی

رہے جس دل میں تجلّیِ جمالِ لیلیٰ
حضرتِ قیس! اگر سمجھو تو محمل ہے وہی

صبا! اکرم! دلِ بلبل میں شوقِ باقی ہے
ابھی تو پردۂ رخسارِ گُل اُٹھا ہی رہے

قیس کے حال کو سن سن کے جگر پھٹتا ہے
ساتھ کھیلے کی محبت بھی بری ہوتی ہے

کون کہتا ہے کہ آپ آئیں مسیحا بن کر
کیا مریضوں کی عیادت بھی بری ہوتی ہے

آپ کی ضد نے مجھے اور پلائی حضرت
شیخ جی اتنی نصیحت بھی بری ہوتی ہے

حشر بھی انجمن حسن خود آرائی ہے
عام دربار ہے مخلوق تماشائی ہے

کیا کریں ہم جو لبوں پر تری جان آئی ہے
دل بیتاب ہماری کہیں شنوائی ہے

دل وحشت زدہ مجنوں ہے کہ سودائی ہے
خیر وہ کچھ بھی سہی آپ کا شیدائی ہے

اک جھلک دیکھ کے کیا خاک بتاؤں ناصح
کس پر آئی ہے طبیعت مری کیوں آئی ہے

آپ اچھے ہوتے ہیں نہ مرتے ہیں تمھارے بیمار
یہ نئے رنگ نئے ڈھب کی مسیحائی ہے

اپنے در پر بھی وہ آنے نہیں دیتا مجھکو
جسنے رہنے کو مرے دل میں جگہ پائی ہے

حسین

حسین - شاعر فصیح البیان نواب غلام حسین خاں حسین مرحوم انکے والد نواب بشیر دار خاں رئیس شاہجہانپور نواب دلیر خاں منصبدار دربار شاہجہانی و بانی قصبہ شاہجہانپور کی اولاد میں تھے تمام عمر بڑی عزت و توقیر سے بسر اوقات کرتے رہے زیادہ تر توجہ فارسی نظم کی طرف تھی - اردو بہت کم کہتے تھے ۱۲۹۶ھ تک حیات تھے - یہ انکا کلام ہے -

میں تو تدبیر میں تھا زخم جگر کی مصروف
دل بھی پہلو میں طپاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

آگے ملنے کی کوئی راہ نکل آئے گی
بیقراری تو مجھے لے کے تو در تک پہنچا

تشنہ آب دم خنجر ہے بسمل اور بھی
دست نازک کو ذرا تکلیف قاتل اور بھی

مرے اعمال ہیں رونے کے قابل
خدائی سالہا مجھ پہ ہنسا کی

ناصح مشفق نصیحت کچھ اگر آکر کرے
اس میں کیا نقصان ہے اپنا سخن ہاں ہاں کیجیے

آگ سے موسی کے ہاتھ آیا چراغ مدعا
آشکارا لطف ہے الطاف پنہاں کیجیے

رشک سے اک دن کلیجے پر کٹاری مار دیئے
حوصلہ کہتا ہے یوں دشمن پہ احسان کیجیے

حسین

حسین - صاحبزادہ غلام حسین خاں حسین متوطن رامپور شاگرد خواجہ آتش لکھنوی - کئی

کئی برس ہوئے ۸۰ برس کی عمر پاکر انتقال فرمایا۔

بھی تقدیر میں یا رب لکھا ہو　　کہ سر اپنا ہو اُس کا نقش پا ہو
چھُٹر کنے پہ تو ہوں اُسکا ثنا خواں　　خدا جانے تسلی دے تو کیا ہو
پھری تقدیر تو بھی یہ نہ دیکھا　　کہ قاصد کوئے جاناں سے پھرا ہو

حسین

حسین - جناب منشی حسین الدین احمد صاحب سب انسپکٹر کوتوالی ہردوئی زیادہ حالات باوجود تلاش و کوشش معلوم نہیں ہوئے - کلام کا نمونہ اشعار ذیل ہیں -

دست رنگیں جو دکھایا تم نے　　رنگ مہندی کا اُڑایا تم نے
دیکھو ہم جی سے گزر جائیں گے　　تیر پھر دل پہ لگایا تم نے
یہی اقرار یہی وعدہ تھا　　چار ہی دن میں بھلایا تم نے

حسینی

حسینی - محمد شاہ ساکن مارہرہ جوان خوبصورت درویش سیرت - جہاں دیدہ - قید مذہب سے آزاد - اگرچہ شاہ برکت اللہ بلگرامی کے مرید تھے مگر اکثر اُنکے مُنہ سے کلام موحدانہ سُننے میں آتے تھے طبیعت موزوں پائی تھی اور دیوان ضخیم مرتب کیا تھا - یہ اُنکا کلام ہے -

کبھی آنکھوں سے دور نم نہ ہوا　　اشکِ خونِ جگر سے کم نہ ہوا
تیرے پاؤں تلک بھی اے ظالم　　سرِ حسینی کا ہائے خم نہ ہوا
جب سے دیکھی ہے تری بالی تر کان کے بیچ　　تب سے ہیجان مری جان نہیں جان کے بیچ

حشر

حشر جناب محمد مجتبیٰ حسین صاحب از تحصیل سوار مفصل حالات معلوم نہیں نمونۂ کلام میں تین شعر درج کیئے جاتے ہیں -

خاکساروں کو سدا پھُولتے پھلتے دیکھا　　دانہ سرسبز ہوا خاک میں پنہاں ہو کر
قصۂ وصل عدو میں نہ لکھوں گا ہرگز　　نیچی گردن نہ کریں آپ پشیماں ہو کر
کیا ہوا خیر تو ہے دیکھ لی صورت کس کی　　آئینہ دیکھ کے کیوں رہ گئے حیراں ہو کر

حشر

حشر - جناب سلطان علیخان صاحب لکھنوی - شاگرد جناب جلال - آپکے حالات بھی پوشیدہ

ہی ہے۔نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

تھے بہت خار راہِ الفت میں ؎ چٹکیاں لیکے دستِ نازک سے	پاؤں ہمکو سنبھل کے دھرنا تھا دلِ غمگیں کو شاد کرنا تھا
روز اک چال نئی آکے وہ چل جاتے ہیں شوخیٔ یار کے آتے ہیں تصوّر جو کبھی	وصل کے دن شبِ فرقت سے بدلجاتے ہیں چٹکیاں لیکے کلیجے ہیں نکل جاتے ہیں

حشر حشر۔ آغا محمد شاہ نام معروف بہ آغا حشر کاشمیری۔ آپکا آبائی وطن خطۂ کشمیر ہے۔ مگر اب ایک عرصہ سے اُنکے خاندان کا مسکن شہر بنارس ہے۔ جہاں شال کی تجارت کرتے ہیں آپکا مقام ولادت امرتسر ہے۔ فنِ شعر میں جہانتک ہمیں معلوم ہے آپ کسی کے شاگرد نہیں ہیں۔ عمر تقریبًا ۴۳-۴۵ سال کی ہے۔ اک وضعدار۔ خلیق اور با مروّت انسان ہیں۔ طبیعت میں روانی اور آزادی انتہا کی ہے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ گجراتی۔ اور اُردو کم و بیش پانچ زبانیں جانتے ہیں۔ مذہبی بحث و مباحثے اور وعظ و نصائح کا بیحد شوق ہے۔ شعر و سخن کی قابلیت خداداد ہے۔ نظم و نثر دونوں اصناف میں بہت اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔

فنِ ڈراما نویسی جس کا اصل ماخذ تو سنسکرت زبان ہے۔ مگر ایک عرصہ ہوا کہ زمانے کی دست بُرد نے اُسے ہمارے ہاتھوں سے قریب قریب بالکل چھین لیا اور ایسا چھینا کہ آج ہم سمجھتے ہیں کہ انگلستان کا شکسپیر ہی اس فن کا موجد ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ایک حد تک یہ بات درست بھی ہے کیونکہ ہمیں دوبارہ یہ فن فی الحقیقت انگلش لٹریچر ہی کے مطالعہ کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ اگرچہ اسکے کچھ پہلے مٹے مٹائے نشانات سوانگ راس اور بھگت کی صورت میں ابتک باقی تھے۔ بلکہ ہیں مگر کچھ ایسے بیہودہ اور ذلیل اسلوب سے کہ جنھوں نے اس فن کو آلٹا اسکے اعلیٰ رُتبہ سے گرا کر ہماری نظر میں بالکل واہیات اور خرافات بنا رکھا تھا گو واجد علی شاہ والیٔ لکھنؤ کے زمانے میں اندر سبھا امانت اور مداریلال اور چند اور مثنویاں خود شاہ جنت آرامگاہ کی تصنیف مرتب ہوئیں اور اچھی تصنیف ہوئیں۔ مگر صرف شاعری

کے لحاظ سے۔ فن ڈراما سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اِسکے بعد جب پارسیوں نے کمپنیاں قائم کرکے انگریزی اُصول پر سین سینری کے ساتھ اندر سبھا کے تماشے کرنے شروع کیے تو لوگوں کو اس کھیل سے ایک قسم کی دلچسپی پیدا ہوئی اور الف لیلیٰ۔ گل بکاؤلی۔ بدرِ منیر۔ فسانۂ عجائب وغیرہ دیگر قصص کے اُسی ڈھنگ پر تماشے تصنیف ہوگئے جنھیں کمپنیاں اسٹیج پر ایکٹ کرنے لگیں۔ مگر وہ تماشے محض تماشے ہی تھے۔ سوائے تک بندی کے اِن میں زبان اور لٹریچر سے کچھ لگاؤ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ۔ رونق۔ ظریف۔ آغا شاعر۔ بیتاب۔ طالب بنارسی۔ احسن لکھنوی۔ مُراد اور بہت سے ڈرامائسٹ پیدا ہوگئے۔ جنھوں نے اِس فن میں انگریزی اُصول کی تقلید پر ناٹک لکھے۔ دلفروش۔ بزمِ فانی۔ ظلمِ اظلم۔ سفید خون۔ نگاہِ غفلت وغیرہ متعدد تماشے مُرتب ہوئے مگر لٹریری مذاق کے اعتبار سے چند ہی ڈرامائسٹ کامیاب ہوئے۔ آغا حشر کشمیری نے بھی اِس صنف میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ چنانچہ شکسپیر کے چند ناٹک اُردو کے قالب میں اس خوش اسلوبی سے ڈھالے کہ اُنھیں دیکھکر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی ڈرامانگاری میں گو یا دوبارہ اُسکی روح کو تازہ کر دیا۔ طالب۔ احسن اور حشر کی تصنیفات نے اسٹیج پر آکر سچ مچ حشر برپا کر دیا۔ تماشائی گویا اُسکی مٹھی میں ہوتے ہیں۔ مصنّف جہاں چاہتا ہے رُلا دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے ہنسا دیتا ہے۔ رُلاتا ہے تو روتے روتے لوگوں کے رومال تر ہو جاتے ہیں۔ ہنساتا ہے تو تمام اسٹیج میں تماشائیوں کے ہنستے قہقہے کی آواز گونجنے لگتی ہے گویا سب کچھ اُسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اب نمونۂ کلام میں ہم آپکی مشہور تصنیف "اسیرِ حرص" کا ایک سین یہاں نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کس ترکیب کی نثر ہے اور کس شان کی نظم۔ اور دونوں کو کس لطف سے دست وگریبان کیا ہے کہ اُسکی تعریف نہیں ہوسکتی۔

دیکھیے ظالم چنگیز کے سامنے اُس کا چچازاد بھائی ناصر پا بزنجیر کھڑا ہوا ہے۔ چنگیز بے شرمی اور بےمروتی سے اسکو ذلیل کرنا چاہتا ہے مگر بہادر ناصر اپنی جان کا خوف نہ کرکے برابر انصاف کی طرفداری کیے جاتا ہے۔

چنگیز۔ کہیے اے شہبازِ زمانہ! آپنے اِس ناچیز کو پہچانا؟ ۔

ناصر۔ پہچانا! پہچانا!! شیطان کو کون نہیں جانتا ہے۔ بلکہ ہر شخص پہچانتا ہے۔

شکل و صورت دیکھ لی کبر و رعونت دیکھ لی	نام پہلے بھی سُنا تھا آج صورت دیکھ لی

چنگیز۔ مغرور۔ تو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ مگر ابھی تک یوں اکڑا ہوا ہے۔

سر سے غرورِ مسند و محمل نہیں گیا	رسی تمام جل گئی پر بل نہیں گیا

ناصر۔ عزت والے مصیبت سے کب ڈرتے ہیں۔ تارے اکثر رات کے عوض دن کو نکلتے ہیں بھری برسات میں جن ندی نالوں میں روانی ہے۔ انھیں گرمی میں دیکھو نہ موجیں ہیں نہ پانی ہے ؎

مگر دریا کو اس تابش کا ہرگز غم نہیں ہوتا عطر کی مٹی میں بھی ملکر مہک جاتی نہیں	لگا دو آگ بھی اُس میں تو پانی کم نہیں ہوتا توڑ بھی ڈالو تو ہیرے کی چمک جاتی نہیں
سختیاں ہوں لاکھ پر جوہر نجابت کے کبھی	قید میں کچھ شیر کی شیرانہ خو جاتی نہیں

چنگیز۔ تو تُو نے بادشاہی اس لیئے چاہی۔ کہ مجھ سے کرے بُرائی! میں تیرا کون تھا؟

ناصر۔ کون تھا؟

چنگیز۔ چچازاد بھائی۔

ناصر۔ بھائی؟؟ اُف بھائی کا نام لیکر تُو نے میرے مرحوم چچا کی روح کو تڑپا دیا۔ قبر میں سوتے ہوئے کو خواب راحت سے جگا دیا۔ مجکو تو کہتا ہے بھائی۔ اور بھائی کے ساتھ یہ کج ادائی۔ لعنت ہے او ناسزائی۔ ؎

جسکی گودوں میں پلا دشمن صفیہ کا ہو گیا	تو نہیں پیدا ہوا اک سانپ پیدا ہو گیا

چنگیز۔ خیر اگر تم جانتے ہو کہ عیش کا نتیجہ دلگیری ہے اور شاہی کا انجام فقیری ہے ؎

تو ناحق رنج اٹھایا بن کے تاج و تخت کا والی	مجھے ہی تم نے ایسی سلطنت پھر کیوں نہ دے ڈالی

چونکہ چنگیز خود غرض ہے ظالم ہے ناصر کے لفظوں سے دل میں جھینپتا ہے۔ مگر ناصر کی زبان درازی سے ناصر کو دبانا چاہتا ہے اس لیئے مصنف دکھانا چاہتا ہے کہ اسکی باتوں میں سلسلہ نہیں ہے۔ یہی کمال فن ہے۔

ناصر۔ او! تم کو؟

چنگیز۔ ہاں ہاں مجکو۔

ناصر۔ تمکو سلطنت کا دیدینا ایسا ہے۔ جیسا انصاف کو ظلم کے ہاتھ میں دیدینا ہے یا شیر سے بکریوں کی حفاظت کا کام لینا ہے۔ ؎

کرسکو نگا جب میں اس ظلم و جفا کا سامنا	جب نکرنا ہو قیامت میں خدا کا سامنا

چنگیز۔ جب رعیت ہی کی تقدیر میں خراب ہونا ہے تو پھر تمکو کس بات کا رونا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں

رنج ہو سبکو جو ہمکو غم نہیں تو کچھ نہیں۔	اور روئیں اپنے گھر ماتم نہیں تو کچھ نہیں
آدمی دنیا میں خوش ہر دم نہیں تو کچھ نہیں	دم کے ہیں سب دم ہے جب دم نہیں تو کچھ نہیں

ساری دنیا ہیچ ہے جب ہم نہیں تو کچھ نہیں۔

ناصر۔ بیشک! مگر تمکو جس راحت و آرام کی امید ہے۔ اس کا اس دنیا میں پورا ہونا بعید ہے البتہ اگر خدا کے ہاں جاوٴگے تو پورا آرام پاوٴگے۔

چنگیز۔ تو تُونے میری موت چاہی۔ اس لئے کہ تیری قید ٹوٹ جائے اور تو اس عذاب سے چھوٹ جائے

ناصر۔ نہیں نہیں میں کیا تیرے عذاب سے چھوٹوں گا بلکہ دنیا تیرے عذابوں سے چھوٹ جائیگی۔ اور تو دنیا کے عذابوں سے چھوٹ جائیگا۔ او! خونریز! چنگیز۔ ؎

کونسا سوچا ہے تُونے دشمنی سے فائدہ	کیا اٹھانا چاہتا ہے رہزنی سے فائدہ!

چنگیز۔ فائدہ؟ سلطنت حاصل کرنے کا قاعدہ جس طرح ایک میان میں دو خنجر آبدار نہیں رہ سکتے اسی طرح ایک ملک میں دو شہریار نہیں رہ سکتے۔ ؎

بھوک میں ہرگز طبیعت صبر کر سکتی نہیں	ایک روٹی دو بشر کا پیٹ بھر سکتی نہیں

ناصر۔ یہ تو انسانی خصلت کے خلاف ہے۔ ایک انسان ایک روٹی دس آدمیوں کو بانٹ کر کھا سکتا ہے۔ مگر ایک کتا ایک ہڈی کو اکیلا ہی چچوڑتا ہے۔ ؎

جہاں میں رہ کے جن لوگوں میں ایسی کج ادائی ہے	وہ اٰل سکتے ہیں گر چہ شکل انسانوں کی پائی ہے

چنگیز - دیکھ! اب بھی تو اگر اپنی بیہودگی سے باز نہ آئیگا - تو صبح آفتاب نکلنے سے پہلے تیرا دم نکل جائیگا

ناصر - اُف! جہاں تجھ سا کور باطن ہے وہاں آفتاب کا نکلنا ناممکن ہے -

چنگیز - کیوں - ہ کس لیئے ؟

ناصر - اِس لیئے کہ تیرے گناہوں کی تاریکی نے تمام دُنیا میں اندھیرا پھیلا دیا ہے - اور آفتاب کی روشنی کو اپنی سیاہی میں چھپا لیا ہے - ؎

پر وہ گورمیں جب جسم یہ تیرا ہوگا	اب اِسی روز زمانے میں سویرا ہوگا

چنگیز - خیر میں نے مانا کہ میں تیری نظر میں خار ہوں - مکّار ہوں - بدکار ہوں - عیّار ہوں

مگر یہ دیکھ تو کیسا اسیر رنج و آفت ہے	خلاف اِسکے یہاں عشرت ہے راحت ہے مسرت ہے

ناصر - او مغرور! یہ کیا بڑی بات ہے - عزت اور ذلت دینا تو خدا کے ہاتھ ہے - ایک شاخ میں دو پھول ہوتے ہیں - ایک کو شادی کے وقت سہرے میں لگاتے ہیں - دوسرے کو قبر پر چڑھاتے ہیں - ایک صدف میں دو موتی ہوتے ہیں - ایک سے تاج شاہی کو زینت دیتے ہیں اور دوسرے کو کھرل میں پیکر خاک سیاہ بناتے ہیں -

چنگیز - تو وہ شرافت کس کام کی جو وقت پر کام نہ آئے - ؎

جوہر اگر دکھاتے مشکل پڑی نہ ہوتی	ہاتھوں میں آج کے دن یوں ہتکڑی نہ ہوتی

ناصر - ہتکڑی - ؟

چنگیز - ہاں ہتکڑی ؟

ناصر - جن بہادروں کو اپنی عزت عزیز ہوتی ہے اُنکے ہاتھوں میں ہمیشہ دو چیز ہوتی ہیں -

چنگیز - دو چیز ؟

ناصر - ہاں دو چیز

چنگیز - کیا ؟

ناصر - تیغ و شمشیر - یا ہتکڑی و زنجیر - البتہ جو طبیعت کا غورت ہو اُسکے ہاتھوں کے لیئے چوڑیاں

کی ضرورت ہے۔

چنگیز ؎ بازباں کم نہیں ہوتی ہے حماقت تیری ÷ خیر معلوم ہُوا۔ آ گئی شامت تیری

ارے کوئی حاضر ہے؟ ؎

آکے لیجاؤ اِسے قید رکھو آج کی رات
خون پی لونگا صُبح۔ ناشتۂ صبح کے ساتھ

حشم

حشم۔ جناب نواب محمد مرزا خان صاحب شاگرد جناب جلال لکھنوی آپکا کلام بہت صاف و پاکیزہ ہے۔ دل میں درد معلوم ہوتا ہے مضمون میں بھی شوخی پائی جاتی ہے لیکن افسوس کُل ۶ ہی شعر دستیاب ہو سکے۔

غیر ہی کو تم بتاؤ قصہ خوانِ اہلِ درد
کچھ کہیں سے سُن تو لوگے داستانِ اہلِ درد

رحم اُس ظالم کے دلمیں ڈالدے تو یا کریم
یا مِٹا ہی دے زمانے سے نشانِ اہلِ درد

دل دیا ہے جس طرح وہ جان بھی دیجیے یونہی
او ستمگر لے کبھی تو امتحانِ اہلِ درد

خوش جو ہوتے ہیں تو مجھپر وہ جفا کرتے ہیں
غیر سے ہو کے خفا دیکھئے کیا کرتے ہیں

آپ اچھے رہے خواہاں ہیں یہ کہتا ہے وہ بُت
کبھی بھُولے سے جو ہم یادِ خدا کرتے ہیں

نیاز آیا ہمیں تیری بدولت
بتادے تجکو ناز آیا کہاں سے

حشم

حشم۔ ڈاکٹر پاشنکر صاحب حشم۔ مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم سے تلمذ رکھتے تھے۔ کلام بھی اچھا ہے۔

رہتی ہے تیری زلف پریشان آبرن
کیا صبر پڑ گیا مرے حالِ تباہ کا

پیرِ مغاں کیجے قدم چلکے میکدے
زاہد جو آج بند ہے در خانقاہ کا

مجکو حکمت میں بہت دخل ہے لیکن اپنے
دردِ دل کا نہیں پاتا کوئی درماں ابتک

تیرے قدموں کو نچھوڑا مرے ہاتھوں نے کبھی
نہ گیا ہاتھ سے تیرے مرا ایماں ابتک

ہاتھ سے تیغ سے دامن ہے ترے او قاتل
ہائے چھوٹا ہی نہیں خونِ شہیداں ابتک

زندہ جاوید کُشتوں کو کیا
ہیں خجل عیسیٰ ترے اعجاز سے

حشمؔ - جناب شبیر محمد خاں صاحب خلف اکبر نواب سید محمد خان صاحب رئیس دولت پور ضلع بلند شہر صاحب دیوان تھے - آپکے دیوان کے دیباچے میں کچھ حالاتِ زندگی بھی درج ہیں اُس میں سے چند سطریں انتخاب کیجاتی ہیں - آپ کو ابتدا سے عمر سے شعر گوئی کا شوق تھا - باوجود کثرتِ کاروبار مشقِ سخن مدت العمر جاری رہی - دیوان کے طبع کرانے کا ارادہ تھا کہ سنہ ۱۹۵[illegible]ء میں بقضائے الٰہی اِس دارِ فانی سے رحلت کی اور یہ حسرت پوری نہوئی آپکے بعد آپکے صاحبزادوں نے سنہ ۱۹[illegible]ء میں آپ کا دیوان بلند شہر میں طبع کرایا - مگر تمام حالات میں آپکے اُستاد کا کہیں ذکر تک نہیں ہے - البتہ اِس شعر سے کچھ پتہ چلتا ہے

فیضِ طپش سے اپنا وہ لہجہ درست ہے	اہلِ حسد کو بند ہیں تقریر سے کریں

کلام خاصہ ہے بندش صاف ہے - انتخاب ملاحظہ ہو -

بے نقاب اُن کا رُخِ روشن اگر ہو جائیگا	ماہ کامل کتاں ٹکڑے جگر ہو جائے گا
تمہاری زلف کے خم میں جو پیچ و تاب آیا	بلائیں سینے مرے دل کی اضطراب آیا
قصۂ فرہاد و مجنوں کو بتاتے ہیں وہ جھوٹ	اضطراب دل پہ میرے پھر یقین لائینگے کیا
آج پھر کھجلاتے ہیں تلوے مرے وحشت سے ہے	آبلے پھر روئے خارِ دشت دکھلائینگے کیا
اُنکی باتوں ہی سے آزردہ دلی ہے آشکا	مجھسے ملنے کی حشمؔ اب وہ قسم کھائینگے کیا
بال کب زلفوں کے ابروسے عرقناک پہ ہیں	پانی پیتے ہیں یہ آبِ دمِ شمشیر میں سانپ
ہمسری کرتے ہیں اکثر جو تری کاکل سے	سیکڑوں مارے گئے ہیں اسی تقصیر میں سانپ
چشمِ پُرخوں ہجر میں ہے غمگسارِ آستین	دیدہ کے قابل ہے اِک گُل اب بہارِ آستین
نہیں ابروئے یار زلف دوتا ہیں	مہِ نو چمکتا ہے کالی گھٹا میں
لحد میں برابر ہے اعلیٰ و ادنیٰ	پسِ مرگ کیا فرق شاہ و گدا میں
تمہارے عارضِ پُرنور پر نہیں زلفیں	متاعِ حسن پہ دو مار آکے بیٹھے ہیں
وفورِ رنج سے چہرہ اُتر گیا میرا	حضور آپ جو تیوری چڑھا کے بیٹھے ہیں

ناتوانی نے بچا رکھی ہے اب تک جانِ زار — لاغری سے ہم اجل کو بھی نظر آتے نہیں
گُل کی طرح خوشی سے دلِ تنگ کھل گیا — لائی صبا جو اُس بتِ غنچہ دہن کی بُو
مصروف جو وصفِ دُرِ دندانِ زباں ہو — مچھلی بنے پھر آبِ گہر میں وہ رواں ہو
وصفِ غزالِ چشم تو لکھ جلد اے قلم — آنکھوں کے آگے سے کوئی مضموں ہرن نہ ہو
پوشاکِ فاخرہ جو پہنتے تھے رات دن — عبرت کی جا ہے اُن کو میسّر کفن نہ ہو

منتظر ہیں نگاہِ مہر کے ہم — تم خدا کے لیے اِدھر دیکھو!
پاس عارض کے زلفِ مشکیں ہے — متّصل شام اور سحر دیکھو!

حور و غلماں شیفتہ، جن و ملک مشتاقِ دید — حق نے وہ رُتبہ دیا ہے حسنِ آدم زاد کو
تیرہ دل کیا خاک سمجھے عزّتِ اہلِ صفا — قدر آئینہ ہو کیونکر کورِ مادر زاد کو
دل لگی خوش آئے کیا ہجرِ بتِ عیار میں — ہمدم سو سارے تعلّق ہیں سرورِ دل کے ساتھ
ہے جی میں چومیے بتِ شیریں ادا کے ہاتھ — کیا غم جو اِس خطا پہ کٹیں مُبتلا کے ہاتھ
مانگیں تمام رات دُعائیں اُٹھا کے ہاتھ — سرکے مگر نہ چہرے سے اُس مہ لقا کے ہاتھ
تیرے سوزِ عشق سے اے گل جو ہاتھ آیا ہے داغ — عندلیبِ دل یہ کہتا ہے کہ باغ آیا ہے ہاتھ
پہلو سے جُدا وہ بتِ عیّار نہ ہو جائے — یارب کہیں جینا مجھے دشوار نہ ہو جائے
آبر کہتا ہے کوئی۔ دریا کوئی۔ کوثر مجھے — دیکھیے کیا کیا بنائے گی یہ چشمِ تر مجھے

اب نہ ترساؤ خدا کے واسطے — شکل دکھلاؤ خدا کے واسطے
رُخ میں ضَو آفتاب کی سی ہے — جسم میں بُو گلاب کی سی ہے

خیال تھا ہمیں تیرے جو آتشیں رُخ کا — فنا کے بعد ہمارے کفن میں آگ لگی
جو آ کے باغ میں دم بھر ہرا گلگوں قبا ٹھہرے — تو روئے گُل پہ رنگ اصلا نہ اے بادِ صبا ٹھہرے

حشمت

حشمت۔ میر حشمت علی خلف میر حیدر علی۔ حیدر آباد دکن کے رہنے والے اور حیدر حسین خاں حیدر کے شاگرد ہیں۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے ہیں۔ کلام خاصہ

ہے انکے استاد بھی نامی شعرائے دکن میں شمار ہوتے تھے۔ خود میر حشمت علی فی الحال محکمۂ نظامت پٹہ خانجات میں ملازم ہیں - یہ اُن کا کلام ہے۔

کرکے ابرو کا اشارہ غیر کو وہ رُک گئے	خنجر بُرّاں میری گردن پہ چلکر رُک گیا
مرگ عاشق پر اجی اس طرح غم کھاتے نہیں	صبر کی جا ہے مرے کے ساتھ مرجاتے نہیں
ہوگئے ہیں جاکے شاید کوئے جاناں میں مقیم	حضرت دل آج پہلو میں نظر آتے نہیں
یاد مژۂ یار ہے ایسی کہ نہ پوچھو	دل میں خلش خار ہے ایسی کہ نہ پوچھو
ہے جان و دل پہ ہمارے تو آپ کا قبضہ	ہمارا آپ پہ کچھ اختیار ہو کہ نہ ہو
ہجر میں ہم اسی اُمید پہ جیتے ہیں فقط	یار باقی ہے تو دنیا میں ہے صحبت باقی

حشمت - محمد علیخاں حشمت - شاہجہاں آباد کے خوشحال لوگوں میں تھے - اور میرزا مظہر میر تقی میر - اور سودا کے ہمعصر عبدالحی تاباں انکے شاگرد تھے - انکے دو بھائی عابد یارخاں اور مراد علیخاں شاہ عالم ثانی کی سرکار میں داروغۂ جواہر خانۂ شاہی تھے - جناب حشمت بڑے جری اور بہادر اور قوی ہیکل شخص تھے - اور فنون سپہ گری میں طاق - پہلوانی کھینکیتی میں شہرۂ آفاق تھے ۱۱۸۸ھ میں رہیلوں کی لڑائی میں نواب قطب الدین خان نبیرۂ نواب نعمت اللہ خان رئیس مراد آباد کے ہمراہ شریک ہوئے اور داد شجاعت اور مردانگی دیکر اُسی معرکے میں کام آئے - میر تاباں اُس وقت حیات تھے اُنھیں بہت صدمہ ہوا اور اُنکے غم مہاجرت میں اُنھوں نے ایک دردانگیز مخمس بھی لکھا جو اُنکے دیوان میں موجود ہے جناب حشمت فضیلت علمی کے ساتھ شعر بھی خوب کہتے تھے مگر اس فن میں اپنی شہرت نہیں چاہتے تھے یعنی بیگ کشمیری سے تلمذ تھا - کلام میں سے ذیل کے دو شعر ہمیں ملے - درج کیے جاتے ہیں۔

خط نے ترا حُسن سب اُڑا دیا	یہ سبزۂ قدم کہاں سے آیا
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب	دیتا ہے ساتھ دینے سے مجکو جواب دل

حشمت - میرزا غلام فخرالدین حشمت مرحوم نبیرۂ حضرت شاہ عالم ثانی - حافظ عبدالرحمن خان

احسان مغفور کے شاگرد رشید تھے اور اپنے استاد سے ایسی محبت کرتے تھے کہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے کہ میرا سینہ استاد کے داغ کا گنجینہ ہو۔ چونکہ یہ دعا صدق دل سے تھی مقبول بارگاہِ خدا ہوئی اور اتفاق سے حضرت احسان کے انتقال سے ایک ہی روز پیشتر ۴۴ سال کی عمر میں قضا کی۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

زلفوں کے بنانے کا پردہ تھا بہانا تھا	مُنہ پردہ نشیں ہم سے پردے میں چھپانا تھا
گھر دو ہی قدم پر تو ہے ان قدموں کے میں صدقے	بڑھیئے کوئی دو چار قدم اور زیادہ
مجھے روتے جو دیکھا ہنس کے بولے	تری حشمت بتا کیوں چشم تر ہے
پلا آبِ دمِ شمشیرِ قاتل	تڑا بسمل تڑپتا خاک پر ہے

حشمت

حشمت۔ عالیجناب فضیلت مآب کمالات انتساب مسٹر حشمت اللہ صاحب ایم اے ممبر سول سروس صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ۔ آپ علیگڑھ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ سن شریف اب ۴۴ و ۴۵ برس کے قریب ہے۔ جب دہلی میں اول مرتبہ ۱۸۹۲ء میں محمڈن کانفرنس کا اجلاس ہوا تو آپ ہی اسکی صدر نشینی کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ تکمیل علوم مغربی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا مذاق بھی اعلیٰ درجے کا موجود ہے اور خود بھی خوب کہتے ہیں۔ راقم تذکرہ کو انھیں ایام میں شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا اور جناب نے چند غزلیں بھی سنائی تھیں۔ بیان میں شوخی صفائی اور خیالات میں جدت اور بلندی سارے وصف باحسن وجوہ موجود ہیں۔ عرصہ دراز سے کلکٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔ تازہ کلام باوجود کوشش دستیاب نہو سکا۔ لہذا وہی چند شعر جو عرصہ ہوا سُنے تھے درج کر دیئے گئے۔

تیرا دیوانہ جو انبوہِ اسیراں میں نہیں	آج ہی شور و فغان گوشۂ زنداں میں نہیں
جلوہ دیکھا ہے جہاں آنکھ وہیں پڑتی ہے	گو یہ معلوم ہے نظارہ اب امکاں میں نہیں
آپ سے وعدہ نہ ایفا ہو تو جانے دیجے	ہم کو شکوہ نہیں گر آپکے امکان میں نہیں
شکوۂ رنج و غم عبث۔ حجتِ کشمکش دروغ	خانہ نشین عاقبت بزمِ جہاں ہو آئے کیوں

حشمت خستہ غیر سے۔ چشم کرم بجا نہیں
دل و دین و دولت لٹائے ہوئے ہیں
تمھیں کیا بتائیں کہ ارمان والے
سزا جرم الفت کی پائے ہوئے ہیں
نسیم چمن میں کہاں قابلیت
یہ سب گل تمھارے کھلائے ہوئے ہیں
قدم رنجہ فرمائیے بے تکلف
سر رہ ہم آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں
فلک کی یہ نیرنگیاں کب ہیں حشمت
پس پردہ وہ آپ آئے ہوئے ہیں

گریۂ غم کو کیا غرض آتش دل بجھائے کیوں
تصوّر میں کیا لطف پائے ہوئے ہیں

حیات ابد کی تمنّا نہیں ہے
مریض محبّت کو پروا نہیں ہے
بنو لاکھ بیگانۂ صحبت میں لیکن
مریض محبت کو ہم نے بھی دیکھا
خیال خط و خال جانے دو حشمت

ہم جیتے رہتے ہیں تنہا نہیں ہے
ترے ہوتے کیا غم جو عیسیٰ نہیں ہے
تعلق نگاہوں سے چھپتا نہیں ہے
نصیب عدو حال اچھا نہیں ہے
طبیعت میں وہ جوش سودا نہیں ہے

حوصلے بڑھ بڑھ کے آخر آفت جان ہوگئے
کچھ دنوں ارماں رہے پھر دلمیں پیکان ہوگئے
پردہ و درباں رہے رکھے کے رکھے طاق پر
آنکھیں ملنا تھیں کہ شناسا کے پیماں ہوگئے
جلوہ بینائی حقیقت ہی رہے اک بت پرست
باقی امید قیامت پر مسلماں ہوگئے
مہربانوں کو چھیڑا ایک رشک وصل نے
کچھ مرے ناصح نے کچھ اسکے دربان ہوگئے

حشمت — **حشمت**۔ محتشم علیخان حشمت۔ سیّد صحیح النسب متواضع و خلیق۔ ہر شخص کے دل میں اُنکی جگہ تھی۔ مغلپورہ کے رہنے والے۔ فارسی و ریختہ کے زبردست شاعر ہیں۔ یہ دو شعر اُنکے حسن فکر کا نتیجہ ہیں۔

نکہت گل نے جگا یا کسی زنداں کے بیچ
بہار آئی دیوانے کی خبر لو
سر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ
اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

حسین — **حسین**۔ احسن الدولہ محسن الملک محمد حسین علیخاں بہادر خواجہ سرا تخلص حسین واجد علیشاہ

والیٔ لکھنؤ کے زمانے میں حضور رَس اور مقرب بارگاہ تھے۔ عرصہ ہوا کہ اِس عالمِ فانی سے بعالمِ جاودانی رحلت فرما گئے۔ یہ چار شعر آنکی یادگار باقی ہیں جو تذکرہ سراپا سخن سے نقل کیے جاتے ہیں

تو ہی کر انصاف ظالم غیر جب سلجھائے زلف
کیوں نہ پیچ و تاب میں الجھا رہے شیدائے زلف

یک بیک پھر اُٹھ گیا دل سے مرے صبر و قرار
ہو گیا بیٹھے بٹھائے پھر مجھے سودائے زلف

حشر تک مجموعۂ خاطر رہے گا منتشر
اے صنم یونہی رہا گر مُنہ تو بکھرائے زلف

نورِ رُخ چمکا جو اُسنے بال باندھے ای حصین
بڑھ گیا دن گھٹ گئی جب سے شب یلدائے زلف

حضور۔ لالہ بالمکند۔ قوم کے کھتری دلّی کے رہنے والے حضور تخلص اور خواجہ میر درد کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ عربی اچھی جانتے تھے۔ آخر عمر میں گجرات چلے گئے تھے۔ غدر سے پیشتر ہی انتقال فرمایا۔ یہ اُنکے کلام کا نمونہ ہے۔ حضور

نہ پاؤں میں جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت
جو اُٹھ کھینچوں میں دامن اُس دلرُبا کا

سرِ راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی
کہ اللہ یاور ہے بیدست و پا کا

واں رشتۂ محبت معشوق توڑتے ہیں
یاں ٹکڑے ٹکڑے دل کے ہم بیٹھے جوڑتے ہیں

چلے ہیں آپ جو اُس بُت سے ساز کرنے کو
حضور! پاس بھی ہے کچھ نیاز کرنے کو؟

یاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی
واں اب بھی ہے امتحان باقی

جفا کو ہم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے
اِدھر کچھ دل میں تم سمجھے اُدھر کچھ دل میں ہم سمجھے

حضور۔ محسن مرزا معروف بہ اچھے مرزا مولد و مسکن لکھنؤ منشی مظفر علیخاں اسیر مغفور کے شاگرد اور اچھا کہنے والوں میں تھے سنہ ۱۲۷۶ھ کے گلدستۂ شعرا وغیرہ سے ذیل کے اشعار انتخاب کیئے گئے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ اُس وقت زندہ تھے اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ حضور

میں ہوں وہ عندلیب گلستانِ دہر میں
صیّاد لیکے دام گیا میں جہاں گیا

تارِ نظر کی طرح نہ آیا کہیں نظر
سو بار بزمِ یار میں میں ناتواں گیا

کیونکر رہے نہ تازہ گُلِ زخمِ دل مرا
ٹپکے ہیں اشک صورتِ شبنم تمام شب

کوچۂ زلف میں ہم دن کو جو گھبرائے بہت	رات بھر خوابِ پریشان نظر آئے بہت
نقل کرتے تھے مرے رونے کی خوش ہو ہو کر	آئینہ میں نے دکھایا تو وہ شرمائے بہت
پسند زیست میں ایجاد ہیں تو مرگ کے بعد	بشکل نقشِ کفِ پا ہو قبر پر تعویذ
حضور ہجرِ صنم میں نہ کوئی کام آیا	پئے وصال لکھے ہم نے عمر بھر تعویذ
حضور زیست میں مصروفِ سیرِ باغ رہے	ہماری قبر کے بھی گرد ہو چمن کی بہار
باتیں سنتا ہوں تو جلتا ہے مرا خرمنِ صبر	برق بن جاتی ہے اُس رشکِ قمر کی آواز
دیکھوں گا فال بوسہ ملے گا کبھی مجھے	اِس واسطے ہے مصحفِ رخسار کی تلاش
کیوں سنتے ہیں پھر وامق و مجنوں کا فسانہ	عشاق کی باتوں سے جو گھبراتے ہیں معشوق
بل کی لینے لگے عاشق سے سراسر گیسو	ٹھنڈی آہوں سے ہوئے اور ہوا پر گیسو
درجِ اخبار ہوا حال پریشانوں کا	چڑھ گئے مشقِ جفا میں سرِ دفتر گیسو

حضور

حضور۔ مولوی منشی سیّد محمد عبد البصیر خلفِ مولوی عبد الغنی صاحب ۱۲۴۹ھ ہجری میں بمقام بلگرام پیدا ہوئے۔ آپکا بیان ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب نواب امیر الحسام مجاہد بغدادی سے ملتا ہے جو افواجِ محمود غزنوی کے سپہ سالار تھے۔ اُسی زمانے میں آپکے بزرگ اشاعت اسلام کی غرض سے ہندوستان میں آکر فروکش ہوئے تھے۔ منشی صاحب موصوف عالمِ کمسنی میں شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بلگرام میں علم کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ درس و تدریس کی راہیں تقریبًا مسدود تھیں۔ منشی صاحب نے اُس پر آشوب زمانے میں ابتدائی تعلیم اس طرح حاصل کی کہ صبح ہوئی اور یہ اپنی کتاب لیکر گھر سے نکل آئے۔ آیندہ و روند میں سے جس شخص کو اپنے قیافے سے ذی علم سمجھا اُسی سے اپنا سبق پوچھنا شروع کر دیا اور اُس وقت تک برابر پوچھتے چلے گئے جب تک کہ اُسکی تیوری پر بل نہ آیا۔ اسیطرح شوق کی تائید اور ذوق کی رہبری سے برسوں کی کدّ و کاوش میں عربی فارسی کی اچھی خاصی لیاقت حاصل کر لی۔ جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو تحصیلِ علم کے لئے بلگرام چھوڑ کر لکھنؤ چلے آئے۔ طبّاعی اور ذہانت تو

فطرتی تھی۔ طبیعت شعر گوئی کیطرف راغب ہوئی۔ اُس وقت خواجہ حیدر علی آتش کی سحر بیانی کے گیت لکھنؤ کے ہر گلی کوچے میں گائے جاتے تھے۔ چنانچہ منشی صاحب بھی اُنھیں کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مگر وہ حضرتِ آتش کی عمر کا آخری زمانہ تھا۔ اِس لیئے منشی صاحب اُن سے بہت ہی کم استفادہ کر سکے۔ اُنکی وفات کے بعد میر وزیر علی صبا سے مشورۂ سخن کرنے لگے چونکہ اُردو کی نسبت فارسی کی طرف زیادہ توجہ رہی اِس لیئے فارسی شعر خوب کہتے ہیں بولتے بھی بیساختہ ہیں۔ اخباری دُنیا میں بھی آپکے مضامین کی خاصی شہرت ہے۔ غزل کے سوا اَور بھی جملہ اصنافِ شاعری میں آپ کو یکساں ملکہ حاصل ہے۔ تاریخ گوئی میں بھی بڑے مشّاق ہیں عرصۂ دراز تک نامہ نگاری کرتے رہے۔ اخبار روزنامچہ کے اڈیٹر بھی رہے۔ انجمن رفاہِ عام کے جوائنٹ سکرٹری رہے۔ آجکل گوالیار کالج میں عربی فارسی کے پروفیسر ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ آپکا کلام بہت ہی کم نظر سے گزرا۔ اِنکے بیٹے محمد سعید ناطق بھی مشہور نامہ نگار اور ناولسٹ ہیں۔ نمونۂ کلام درجِ ذیل ہے۔

زندہ چمن میں ایک بھی بلبل نہ چھوڑنا	گلچیں تجھے قسم ہے کوئی گل نہ چھوڑنا
رُخ سے نقاب آج وہ اُٹھے گا زاہدو	گر مرد ہو تو صبر و تحمّل نہ چھوڑنا
سات پردوں میں کیا حسنِ یوسف کو چاک	کیا زلیخا کی سرِ بازار رسوائی ہوئی
حُسن کو بدنام دُنیا بھر میں اُلفت نے کیا	قیس کو سودا ہوا لیلیٰ کی رُسوائی ہوئی

حضور ۔ حافظ شیخ حضور احمد صدیقی مُرادآبادی۔ حضور تخلّص کرتے ہیں۔ زمانۂ حال کے شاعروں میں خاصے ہیں۔ چند غزلیں جو نظر سے گزریں اُن کا انتخاب درجِ ذیل ہے۔ حضور

گرمیٔ سوزِ محبت قتل میں ایسی بڑھی	پڑ گئے چھالے مرے خوں سے لبِ شمشیر پر
اُس نے کہا تھا شام کو آئیں گے گھر ترے	بیٹھا سحر سے ہوں میں اسی انتظار میں
نہ وہ پہلی سی محبت نہ وہ پہلا سا کرم	غیر نے پھونکدیا آپکے کیا کانوں میں
حشر تک گزرے گی مرقد میں تڑپتے ہی مجھے	ہوگی کوچے میں اُس بُت کے جو تربت میری

حضیر

حضیر - حافظ عبدالرحیم صاحب عظیم آبادی - باوجود تلاش صرف یہ بات معلوم ہے کہ زمانہ حال کے شعرا میں ہیں - کلام کا رنگ مندرجہ ذیل اشعار سے معلوم ہو سکتا ہے - طبیعت میں تلاش اور بات پیدا کرنے کا شوق صاف جھلکتا ہے - ملاحظہ ہو

بتا دیں ہم تمھارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے	اِسے ہم سانپ سمجھے اور اُسے من سانپ کا سمجھے
یہ کیا تشبیہ بیہودہ ہے کیوں موذی سے نسبت دیں	تمھارے عارض کو اور کاکل کو ہم ظلِّ ہما سمجھے
غلط یہ ہو گئی تشبیہ بھی کیا ایک طائر سے	اِسے برق اور اُسے ساون کی ہم کالی گھٹا سمجھے
گھٹا اور برق کیسی کیوں گھٹا کر ان کو نسبت دیں	اِسے برگِ سمن اور اسکو سُنبل کی جٹا سمجھے
نباتاتِ زمیں سے انکو کیا نسبت معاذ اللہ	اِسے ظلمات اُسکو چشمۂ آبِ بقا سمجھے
اگر کہتے یہی مقصود تھے حضر و سکندر کے	یدِ بیضا اُسے اور اسکو موسیٰ کا عصا سمجھے
گر اس تشبیہ سے بھی حرف اُن دونوں پہ آتا ہو	اِسے قندیلِ کعبہ اُسکو کعبے کی ردا سمجھے
اگر یہ بھی پسندِ خاطرِ والا نہ ہو تو پھر	اِسے وقتِ نمازِ صبح اور اسکو عشا سمجھے
حضیر اب ساری تشبیہوں کو یوں دُور کر کے کہتے ہیں	سُویدا اسکو سمجھے اور اُسے نورِ خدا سمجھے

حفیظ

حفیظ - محمد حفیظ حفیظ دہلوی مرثیہ گو - اِنکے بزرگ تو کشمیر کے رہنے والے تھے - مگر یہ خود دلّی میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی - مرثیہ گو اچھے تھے - جس مجلس عزا میں شریک ہوتے تھے - اپنی خوش بیانی اور مضمون آفرینی کی وجہ سے خاطر خواہ داد پاتے تھے - اِنکے مرثیوں میں روایات دیگر مرثیہ گویوں کی طرح جھوٹی اور بناوٹی نہیں ہوتی تھیں - اور واقعات کو صفائی کے ساتھ بیان کرتے تھے - دلّی میں درگاہ شاہ مرداں کے راستے میں انکا مزار ہے اور اس پر یہ شعر کندہ تھا - ؎

شاہِ مرداں جو کوئی اس راہ سے جایا کرے	فاتحہ اس قبر پر للہ پڑھ جایا کرے

فنِ شعر میں حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اور ثناء اللہ خاں فراق سے تلمذ تھا - خود بھی صاحبِ دیوان تھے سنہ ۱۲۵۰ھ میں راہیِ عدم ہوئے - روشِ کلام یہ ہے -

بس تو بدنام ہوا عشق میں اللہ کرے
وہ بھی بدنام ہو جس نے مجھے بدنام کیا

محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے
اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رلاتی ہے

جو بیوفا ہیں اُن سے وفا ڈھونڈھتا ہے تو
حیراں ہوں میں حفیظ تری عقل کیا ہوئی

حضرت دل میرے حق میں دیکھئے کرتی ہے کیا
بیقراری آپ کی بے اختیاری آپکی

روبرو غیروں کے کیا شکوہ کریں ہم آپکا
ہو رہینگی پھر کبھی باتیں ہماری آپکی

حفیظ

حفیظ - حافظ محمد علی جونپوری - آپنے اپنے مطبوعہ دیوان میں کچھ اپنے حالات درج کئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے - میں ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوا - ۱۴ برس کی عمر تک معمولی تعلیم پائی اور فارسی شیخ محمد تقی صاحب سے پڑھی - وہ شاعر بھی تھے - اس طرح بچپن سے مجھے شعر و سخن کا مذاق ہو گیا اور صدہا شعر اساتذہ کے میرے حافظہ میں محفوظ ہو گئے - ۱۸۸۳ء میں بسلسلہ تجارت پٹنہ کا سفر کیا اُن ایام میں وہاں شعر و سخن کا بڑا چرچا تھا میرے دل میں جو اس مذاق کی آگ دبی ہوئی تھی اُسکے نشو و نما کا وہاں خوب موقعہ ہاتھ آگیا - چنانچہ وہاں میں نے غزل کہنی شروع کی ۱۸۸۶ء میں جناب وسیم کا شاگرد ہوا - وہ مجھ پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے - کامل ۴ برس میرا اُنکا ساتھ رہا - پھر اُنھیں کے ارشاد کے بموجب میں امیر مینائی مرحوم کے زمرۂ شاگردان میں داخل ہوا" جناب حفیظ دورِ موجودہ کے شعرا میں متوسط درجے میں امتیازی پایہ رکھتے ہیں - آپکا کلام بحیثیت زبان بندش - درد اور صفائی روز مرّہ قابلِ تحسین ہوتا ہے - اگرچہ علمی استعداد زیادہ نہیں مگر کثرتِ مشق اور خداداد ذہانت سے اس فن میں اچھی قابلیت حاصل کر لی ہے - اور آپکے کلام کا اُن نواح میں اچھا شہرہ ہے - کلام میں مزا اور بندش کا اسلوب قابلِ داد ہے آپکی طبیعت روز افزوں ترقی پر ہے اور اُمید ہے کہ اسی طرح مشق جاری رہی تو اپنے استاد کا نام روشن کریں گے - پہلے سید ظفر حسن خاں صاحب ظفر رئیس رامپور کے یہاں کچھ مدت مصاحب رہے اب کئی برس سے راجہ سعادت علیخاں رئیس نمپیرپور کی سرکار میں

لازم ہیں۔ دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

کلیم غش میں گھڑی دو گھڑی رہے ہونگے	یہاں تو جا کے نہ پھر ہوش عمر بھر آیا
مصوّری مرے صورتگرِ خیال کی ہے	جدھر نگاہ کی نقشہ ترا نظر آیا
کیا ہے دستِ تسلّی نے کام مرہم کا	دھرا جو ہاتھ ہٹا درد زخم بھر آیا
کام چھوٹوں سے نکلتا ہے بڑا	یہ سبق بھی آنکھ کے تِل سے مِلا
چھوڑ کر سب کچھ ادھر ہو جا رجوع	بابِ عرفاں ہے درِ دل سے مِلا
عصیاں کے داغ مٹ گئے دل پاک ہو گیا	ٹپکے جو اشک نامۂ اعمال دھو گیا
دل بن گیا تڑپ کے ترے آگے آئینہ	جس پر نگاہ پڑ گئی بیتاب ہو گیا
دشمن نہ تھا شباب تو نادان دوست تھا	بدنام کر گیا مجھے بدنام ہو گیا
مصروف کب ہوئے ہیں وہ فکرِ علاج میں	جب داغِ دل کلیجے کا ناسور ہو گیا
دل بجھ گیا جو رات جوانی کی ڈھل گئی	جاگا تمام شب کا سحر ہوتے سو گیا
دمِ رخصت تو دل بیٹھنے لگے آپ	تڑپتا چھوڑ کر مجھکو چلے آپ
فروغِ حسن کیا ایسا بھی اے شمع	کہ اپنی آگ میں کوئی جلے آپ
ایسا ادا شناس تو ہو آشنائے دوست	دل ہے کہ ہو رہا ہے سراپا ادائے دوست
کہتے ہیں یہ بت ستا ستا کر	جا اپنے خدا سے التجا کر
دل ہی میں وہ ہوگا دیکھ زاہد	کعبے میں خدا خدا کر
رہتے ہیں جو یہاں انھیں دنیا کا غم نہیں	اے شیخ میکدہ بھی تو جنت سے کم نہیں
وہ ہے عدوئے عیش تو تو ہے عدوئے جاں	تیرا ستم فلک سے زیادہ ہے کم نہیں
ستم کی آنکھ یہ ہے لطف کی نگاہ یہ ہے	نظر شناس تری ہر ادا سمجھتے ہیں
یہ سچ کہا ہے زمانے کو اعتدال نہیں	کہ ایک حال پہ رہتا کسی کا حال نہیں
قضا کے ہاتھ میں کنجی متاعِ عمر کی ہے	جو سانس لائے ہیں قبضے میں وہ بھی مال نہیں

یہ کہہ رہا ہے اُمیدوں کا گھر سے رہ جانا
کوئی طلسم تو یہ عالمِ خیال نہیں

چھپائے سے کبھی چھپتا نہیں ہے رنج کی
ہزار منہ سے کہے جائیں وہ ملال نہیں

ابھی سچ سچ تو یہ ہے سُنئے گو ہم ہم سے خفا تم ہو
بڑے ہی بے مروت خود غرض نا آشنا تم ہو

گلے پہ اُنکے چھری جلد پھیر دے صیاد
ترس رہے ہیں اسیرِ قفس رہائی کو

آدمی کے لئے اُمید ہے اک باغِ طلسم
دم میں کر دیتی ہے سامان ہم کیا کیا کچھ

اللہ رے شانِ کبریائی
مٹھی میں بتوں کی ہو خدائی

باطن میں ہیں ایک جان دو قالب
ظاہر کی فقط ہے یہ جدائی

برساتی ہے آگ حشر کی دھوپ
اے ابرِ کرم تری دوہائی

دیکھا ہمیں دیکھ کر عدو کو
آنکھوں کو بھی کچھ حیا نہ آئی

دل صاف نہ ہو تو کیا صفائی
اِس میل سے خوب تھی لڑائی

انصاف کی اب کہاں توقع
برہم تم منحرف خدائی

ساقی ہی کے ہاتھ سے پئیں گے
بجھ جائیگی ضد میں پارسائی

بگڑا نہیں اب بھی کچھ ہے ملجاؤ
ہے بات ابھی بنی بنائی

ابھی سے صاف تم کہدو وہ کہنا ہم نمانینگے
کیا جو وقت پر کچھ عذر بیجا ہم نمانیں گے

محبت ہے۔ یہ فعلِ اختیاری تو نہیں ناصح
کوئی خود روگ پالے اپنے جی کا ہم نمانینگے

ابھی جس طرح چاہو تم دکھا لو دیکھ لو دلکو
نکالوگے جو پھر کوئی بکھیڑا ہم نمانینگے

زمانے بھر کی باتیں مان لینگے وہ یہ کہتے ہیں
مگر کہنا فقط اک آپ ہی کا ہم نمانینگے

قابلِ دید ہے یہ رسوائی
ہم تماشا ہیں وہ تماشائی

ابکے یہ جوشِ گل کا عالم ہے
ہو رہی ہے بہار سودائی

تم کو مژدہ ہو میکدے والو
اُودی اُودی ہے پھر گھٹا چھائی

ہے یہ فیضِ بہار جوشِ نمو
جم گئی سطحِ آب پر کائی

ہیں کسی کے خیال سے باتیں
یوں پسند آ گئی ہے تنہائی

قابلِ داد شعر اپنے حفیظ
لوگ کرتے ہیں عزت افزائی

کل نکھر جائیں گے تیور یہ کہے دیتے ہیں
آج کھا کھا کے قسم عہدِ وفا ہوتا ہے

یوں ہی غفلت میں جو گزرنی تھی
عمر میخانے میں بسر ہوتی

دردِ دل کی دوا نہ تھی ممکن
ایک دنیا جو چارہ گر ہوتی

یہاں تو بیچکر گھر جشنِ جمشیدی مناتے ہیں
یہاں آتے ہی دستاویز اک مرقوم ہوتی ہے

وفا کا ذکر جب آتا ہے پہروں ہاتھ ملتے ہیں
وہاں اب یاد تیری اے دلِ مرحوم ہوتی ہے

مآلِ زندگی کو سوچکر دھنتا ہوں سر پہروں
وہ کیسے لوگ ہیں یارب جنھیں جینے کا ارماں ہے

دے جگہ خلد میں یا بھیجدے دوزخ میں
اپنا مشرب تو ہے راضی برضا کیا کیجے

لامکاں تک ہو رسائی جو بشر کی تو کیا
پھر اُسے خاک میں ملنا ہے کہ وہ خاکی ہے

بعد توبہ بھی رہی یاد ہے میخانے کی
گردش آنکھوں میں پھرا کرتی ہے پیمانے کی

اسلئے وعدہ پہ وعدہ ہے کہ بیچین رہوں
ایک ترکیب ہے یہ بھی مرے تڑپانے کی

ہائے رے موت جوانی کی کوئی میت پر
رو کے کہتا ہے کہ یہ عمر تھی مرجانے کی

آدمی سے جو محبت میں نہ ہو تھوڑا ہے
اِتنی سی جان پہ ہمت ہے یہ پروانے کی

شام ہوتے ہی تری یاد نے بیچین کیا
رات بھر آج ہمیں نیند نہیں آنے کی

شمع سر دھنتی ہے روتی ہے کھڑی بالیں پر
زندگی سے کہیں موت اچھی ہے پروانے کی

آبرو ہاتھ سے جائے نہ محبت میں حفیظ
آدمی کے لیے یہ بات ہے مرجانے کی

کسی کا ہائے کہنا تنگ آکر میرے نالوں سے
غضب میں جان ہے اللہ مجھے مرنے والوں سے

میری حیرت سے اُسکے حسن کا اندازہ کرتے ہیں
کہاں پہنچے کہاں سے میری حالت دیکھنے والے

جو آبرو رہی تر دامنوں کی حشر میں شیخ
تو پانی پانی تری پاک دامنی ہوگی

جدائی میں بھی ہر دم مجکو وصلِ یار حاصل ہے
تصور میں وہ صورت میری آنکھوں کے مقابل ہے

نہ ای دل جا حسینوں کی تو بیٹھی میٹھی باتوں پر
کہ یہ شیریں زبانی تیرے حق میں سم قاتل ہے

محتسب چن لینے دے اک اک مجھے
واسطے ٹکڑے ہیں یہ ٹکڑے جام کے

حشر ہے وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے
بے نقاب آج وہ ہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے

کچھ بنائے نہیں بنتی جو بگڑتا ہے نصیب
چارہ گر ہو جو مسیحا بھی تو کیا ہوتا ہے

ادا پریوں کی جوبن حور کا شوخی غزالوں کی
غرض مانگے کی ہر اک چیز ہے ان حسن والوں کی

ترے ہوتے یہ کیسی بات غیرت کی ہے او ظالم
اڑائے آسماں یوں خاک تیرے پائمالوں کی

حاجت نہیں ہے چاند سے منہ کو نقاب کی
چھوڑی ہے رخ پہ نور نے چادر حجاب کی

ان لوگوں کے مشرب ہیں زمانے سے نرالے
دنیا میں ہیں دنیا سے الگ میکدے والے

وہ یاد وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی
کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے

چارہ فرما جو مرے درد نہاں کے آئے
دل پکارا کہ یہ دشمن مری جاں کے آئے

تیس دن خوب رہا فاقہ کشی کا پردہ
ہو گئی عید جو روزے رمضاں کے آئے

اور مجھ بے کس کی بالیں پر اب آتا کون ہے
جب ہوا غش سے افاقہ یاد آئی آپ کی

غیروں سے بھی رسم و راہ دیکھی
دیکھی دو دن کی چاہ دیکھی

دونوں جہاں میں حسن و محبت کی دھوم ہے
جلوہ جہاں جہاں ہے ترا اک ہجوم ہے

تمھیں سے دیدہ و دل ہیں منور
تمھیں سے شان ہے دیر و حرم کی

مزہ ہے جوشِ جوانی میں پارسائی کا
وہ ناخدا ہے جو کشتی بچائے طوفان سے

حفیظ مولوی حاجی حافظ شاہ سید نذر الرحمٰن رئیس عظیم آباد پٹنہ نبیرہ و سجادہ نشین حضرت مولانا محمد سعید متخلص بہ حسرت المخاطب بہ شمس العلماء مغفور۔ تصنیفات و شہرت خاندانی کے سوا دولتِ علم سے مالا مال ہیں۔ فن سخن میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں۔ حکیم آغا حسن ازل لکھنوی شاگرد میرزا وزیر علی صبا مرحوم سے تلمذ حاصل ہے ۴۰ - ۵۰ سال کے درمیان آپ کی عمر ہے۔ فن شعر کا شوق ابتدا ہی سے ہے۔ عظیم آباد کے سربر آوردہ شعرا میں آپ کا

شمار ہے ۱۹۰۰ء میں آپ نے عظیم آباد میں انجمن اردوئے معلّٰی کی بنا ڈالی اور ایک ماہوار رسالہ موسوم بہ "بہار" اپنی زیر نگرانی شائع کرنا شروع کیا ہے ۱۳۱۸ھ ہجری میں آپ کا ایک مبسوط دیوان بھی طبع ہو کر شائع ہوا ہے جو اپنے رنگ میں ہر طرح قابلِ تعریف ہے۔ جدّت پسندی۔ مضمون آفرینی۔ پرواز صوفیانہ۔ کہنہ مشقی۔ سلاست زبان غرض اُسکے دیکھنے سے ہر ایک بات کا پتا چلتا ہے۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں۔ وہ دیوان آپ ہی کا عطیہ ہمارے کتبخانے میں بھی موجود ہے۔ اب کچھ کلام کا انتخاب لکھا جاتا ہے۔

خوشا وہ سر کہ جس میں ازل سے ہے ترا سودا
خوشا وہ دل جو مخزن ہے ترے اسرارِ نہاں کا

یاں تو قابو نہ ہوا اپنے بھی دل پر اپنا
یہ حسیں غیر کو کر لیتے ہیں کیونکر اپنا

رات بھر غیر کے ہمراہ بسر کی اُس نے
تجھ سے بھی اے فلکِ شعبدہ گر کچھ نہ ہوا

ایک بیمارِ محبّت کی دوا ہو نہ سکی
آپ کے لب میں ہے اعجازِ مسیحا کیسا

ہائے یہ کیا حشر بپا ہو گیا
آج وہ پھر مجھ سے خفا ہو گیا

ایک دم کے لیئے آ جایئے گا
نزع کے وقت نہ ترسایئے گا

دیکھ کر لاش مری کہتے ہیں
یہ نہ سمجھے تھے کہ مر جایئے گا

موت کب آئی کہ جب وصل کے دن آئے قریب
شبِ فرقت میں تو کم بخت سے آیا نہ گیا

ہم بھی ہیں مستحق تری رحمت کے ہو گئے
اچھا ہوا لقب جو گنہگار ہو گیا

مجھ پر جو مہربان نہیں ہے نہ ہو مگر
یہ تو نہیں کہ غیر کا وہ یار ہو گیا

وہ کون دن تھا کہ گردش میں آسماں نہ رہا
مجھے ستا کے یہ ظالم بھی شادماں نہ رہا

لحد میں بعدِ فنا بھی یہ شادماں نہ رہا
زمین پیس ہی ہے جو آسماں نہ رہا

آج تک لایا نہ نامے کا جواب
نامہ بر ہمکو ملا کیا لاجواب

ہم مصحفِ رخ آپکا کس طرح نہ چومیں
کافر ہے وہ جسکو نہیں قرآں کی محبت

کیوں زلف رہا کرتی ہے رخ پر ترے ہر دم
کیا ہو گئی کافر کو بھی قرآن کی محبت

یہ اشارے ابروؤں کے غیر سے
دیکھیئے چلجائے گی تلوار آج

وہ سن کے دعا وصل کی فرماتے ہیں ہنسکر
کیا ہوا گر آجائے اگر اسمیں اثر آج

دونوں یکساں ہیں تن تو ہو کہ بیتابی دل
میری وحشت کی طرح انکی طبیعت کیطرح

ٹے رہا ہے شب فرقت میں مجھے کیوں پیدا
شام سے چاند بھی خورشید قیامت کیطرح

منتوں سے جو ہو بیزار خوشامد سے خفا
ہائے اس روٹھنے والے کو مناٰئیں کیونکر

جذبۂ دل فزوں ہوا کو جب یار دیکھ کر
بک گئے ہم جنوں کے ہاتھ جو رنگ بہار دیکھکر

بادہ پرست ہیں وسے دل پہ بھی اختیار ہے
توبہ کریں گے ہم مگر ابر کی بہار دیکھکر

ہجر کی شب کی آفتیں دل کی سب اذیتیں
بھول گئیں وہ حالتیں روئے نگار دیکھکر

لینگے ہم بوسۂ ابرو وہ لگائے تلوار
مرد میداں ہے وہی منہ پہ جو کھائے تلوار

جھک کے ملتے ہیں گلا کاٹنے والے سب سے
کیوں نہ ہر وقت رہے سر کو جھکائے تلوار

المدد جوش جنوں پھر آگئی فصل بہار
دست وحشت پھر بڑھا جیب و گریباں کیطرف

بیوفائی کی جب شکایت کی
ہنسکے بولے کہ آزماتے ہیں

اسلیئے اپنو گنہ روز کیا کرتا ہوں
دیکھنا ہے تیری قدرت کا تماشا ہمکو

نہ دل میں آکے رہتے ہو نہ آنکھوں میں ٹھہرتے ہو
وہ بے پروا ہو رکھتے ہو خبر گھر کی نہ باہر کی

دیکھکر خلوت میں ان کو بیحجاب
شرم پاس آتے ہوئے شرمائیگی

رہا کرے بھی جو صیاد تو کہاں جائیں
اسیر وہ ہیں کہ ہم بال و پر نہیں رکھتے

وہ سوزاں ہیں تپ فرقت سے ہم گر فصد لیجائے
بجائے خوں ہماری ہر رگ سے دھواں نکلے

جب میں کہتا ہوں لقب کیوں آپکا لیلیٰ ہوا
ہنسکے کہتے ہیں تمھیں مجنوں بنانے کے لیئے

بوسۂ رخسار پر تکرار رہنے دیجئے
لیجئے یا دیجئے انکار رہنے دیجئے

چھوٹی شیخی تو مجھے یاد رہیں بندہ نواز
آپ اور ہونگے مرے غنچہ دہنے دیجئے

چھیڑ دیکھئے کرکے عدو سے وہ جل
ہمیں سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا کہا سمجھے

۱۳ تم وہ ہو پس مرگ بھی بیداد کروگے | تم وہ ہو کہ مٹی مری برباد کروگے

حفیظ

حفیظ- منشی عبدالحفیظ حفیظ باپ کا نام محمد سمیع ہے قصبۂ نارہ پرگنہ کڑا ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں ابھی عمر تخمیناً ۳۵ برس کی ہوگی- طبیعت خاصی پائی ہے ابھی شاعری کی ابتدا ہے منشی محمد نوح ناروی سے اصلاح لیتے ہیں پہلے پولیس میں بمقام آگرہ ملازم تھے اب آجکل خانہ نشین ہیں- معمولی استعداد معلوم ہوتی ہے یہ اُنکا کلام ہے-

شکایت کچھ نہیں اُنکی جفا کی | اگر ہے بھی تو بخت نارسا کی
محبت ہے مجھے اُس دلربا کی | قیامت جسکے قامت نے بپا کی
بہت کچھ سیر کی باغ جہاں میں | کسی گل میں نہ پائی بو وفا کی
۲ نقاب اُس شوخ نے رخ سے اٹھاکر | کہا لو دیکھ لو قدرت خدا کی
یا خدا ملجائیں کچھ دن کے لیئے | چہانتے ہیں خاک ہم جسکے لیئے
کیا اُجاڑا آشیاں صیاد نے | بلبلیں پھرتی ہیں کیوں تنکے لیئے
میرے پہلو سے جناب دل گئے | ہائے پہونچا اُن سے جاکر مل گئے
فاتحہ کو وہ نہ آئے قبر پر | خاک میں ملنا تھا ہمکو مل گئے

حفیظ

حفیظ- حفیظ الدین نام ملیح آباد کے رہنے والے شیخ منتظم الدین تحصیلدار کے فرزند ابھی طالب علمی کی حالت میں ہیں- طب پڑھتے ہیں- اُردو میں اکثر اور فارسی میں کبھی کبھی شعر کہتے ہیں- ذیل کے چاروں شعر اُنہیں کے نتیجہ فکر سے ہیں-

میں مدتوں تری اُلفت میں یوں خراب رہا | کہ گاہ شورش دل گاہ اضطراب رہا
وہ مجھکو صفحۂ ہستی پہ مثل حرف غلط | بناکے ہاتھ سے اپنے مٹائے جاتے ہیں
خاک تن اپنا کردیا لیکن | ہائے کوئی وفا شعار نہیں
میری تربت کا مت پتہ پوچھو | عاشقوں کا کہیں مزار نہیں-

حقانی

حقانی- سید عبدالغنی حقانی باشندۂ حیدرآباد و منصبدار سرکار نظام- دوید

موجودہ کے شاعر ہیں رسالۂ محبوب الکلام میں چند غزلیں نظر سے گزریں اُن کا انتخاب ضبط تحریر میں آیا - ملاحظہ ہو -

روتا کبھی نہ نعش پہ دشمن کی میں اگر	رونا یہ ہے کہ آپکو کیوں اتنا غم ہوا
جبتک ہو شاہِ گل کو تختِ چمن مبارک	آصف تمہیں تمہارا ملکِ دکن مبارک
یوم سعید ہے یہ مولود بادشہ کا	کہتے ہیں ملکے باہم اہل دکن مبارک
جو لوگ اِس خوشی سے ہوتے ہیں چین ابرو	اُنکی جبیں کو دائم غم کی شکن مبارک

حقیر - میر امام الدین معروف بہ کلّو - مرد متین حلیم الطبع سرد وگرم سے واقف صاف دل پاک باطن خلیق اور بہت مسکین بزرگ تھے - ملک الشعرار خاقانی ہند ذوق کے عالم نوشقی میں ہمیشہ ممد و معاون رہتے تھے اور اُنکے کمال کے باوجود مشاقی و پیرانہ سالی معتقد تھے - مکتب پڑھا کر اوقات بسر کرتے تھے - اور درگاہ قدم شریف دہلی کے خادموں میں منسلک تھے - غدر سے بیس بائیس سال پیشتر انتقال فرمایا - ایک دیوان اُنکی یادگار ہے اُنکے کلام کا انتخاب ہے -

چڑھی جو شیخ کو افیوں تو دانہ تسبیح	سمجھے الائچی دانہ تمام ٹھونگ گیا
ہوں ہست و نیست عالمِ تصویر کیطرح	گویا ہوں اور خموش ہوں زنجیر کیطرح
دل میں ہے بیٹھے رہیں درِ صنم کے ہی حقیر	راہ کعبہ کی تو آتی ہے نظر دور ہمیں
یاد میں اُس بُتِ کافر کی ہوں ایسا مصروف	کہ خودی بھول گئی اور خدائی مجھکو
دل شورشِ اشکوں نے تو ہر چند بجھایا	پر شعلۂ دل آہ سے اور بھی بھڑکے
پہنچا نہ کوئی منزل مقصود کو کوئی	ہیہات یوہیں مرگئے سب پاؤں رگڑ کے
پامال ہوئے تم تو حقیر آہ جہاں میں	جوں نقشِ قدم یار کے قدموں سے بچھڑ کے
دل کو لپیٹ گیسوئے خمدار پیچلے	قرآن چھین گبرِ سیہ کار پیچلے
سب سے گلے لگی تیری شمشیر کس لیے	پر ہم سے وہ کھنچی رہی سبب پھر کس لیے

حقیر — **حقیر**۔ اکبرآبادی منشی نبی بخش ولد منشی حسین بخش سررشتہ دار عدالت فوجداری علیگڈھ۔ فن سخن میں خلیفہ گلزار علی سے استفادہ کرتے تھے۔ فارسی میں معقول دستگاہ رکھتے تھے۔ کبھی کبھی اُردو میں بھی کہہ لیتے تھے ان کے نتائج افکار سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

سایۂ قصر ترا یاد آیا
پھر ہمیں ظلّ ہما یاد آیا

زخم کے منہ میں بھر آیا پانی
جب کہ پیکان کا مزا یاد آیا

بسکہ مصنوع ہے صانع کی صفت
بُت کو دیکھا تو خدا یاد آیا

پھر گریباں کے اُڑینگے ٹکڑے
پھر وہی چاک قبا یاد آیا

سُنتے ہیں گئے مانی و بہزاد عدم کو
اب کھینچیں تو کھینچیں کمسیار کی تصویر

ہاتھ دوڑائے جنوں نے پھر گریباں دیکھ کر
پاؤں پھر وحشت نے پھیلائے بیاباں دیکھکر

وہ نگاہیں جن سے تھی مجکو تسلّی کی اُمید
تشنۂ خوں آفت دل دشمن جاں ہوگئیں

قتل تم ہنس کے کروگے تو مرینگے لاکھوں
کُشتۂ ہر کشتہ کے ہمراہ صد ارماں ہونگے

حقیر — **حقیر**۔ منشی سیّد ولایت حسین صاحب باشندۂ رودولی طبیعت کا مذاق خاصہ معلوم ہوتا ہے زبان اور بندش بھی صاف ہے۔ یہ کلام کا نمونہ ہے۔

لب رنگیں سے دل خوں ہوگیا ہے
کسے دیکھیں وہ چشم سرمہ سا کیا

شرارت پہ تو دیکھو شن کے سب کچھ
وہ بولے ہے تمھارا مدّعا کیا

اب کچھ اُمید وصل ہوئی ہے فراق میں
گھسکر جبین نوشتہ قسمت مٹا دیا

چھیڑنا اُس پری شمائل کا
اور دیوانہ پن بڑھا دل کا

ہم بھی انساں ہیں نہیں اب ضبط کا یارا ہمیں
ظلم ہم پر آپ کے بے انتہا ہونے لگے

حقیقت — **حقیقت**۔ سید حسین شاہ مرحوم حقیقت تخلص خلف سید عرب شاہ متوطن خوست نواح غور سیّد امیر برہان حسب الطلب فرخ سیر بادشاہ مع تبرّکات خوست سے لاہور آئے

اور سید میرک شاہ حقیقت کے دادا شاہ عالم کے عہد میں دلّی میں وارد ہوئے یہیں پیدا ہوئے اور تربیت بھی یہیں پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے نانا کے ہمراہ لکھنو چلے گئے اور وہاں جاکر شیخ قلندر بخش جرأت کے تلامذہ میں داخل ہوئے پھر کارکٹ صاحب کے ہمراہ میر منشی ہوکر چینا پٹن احاطۂ مدراس کو چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ دیوان ریختہ و تحفۃ العجم۔ خزینۃ الامثال۔ صنم کدۂ چین۔ مثنوی ہشت گلزار۔ جذبۂ عشق وغیرہ آٹھ کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں ۱۲۶۰ھ میں حیات تھے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے۔

کیا ترے عشق میں اے عربدہ جو ہاتھ لگا
زیست سے ہاتھ بھی دھویا پہ نہ تو ہاتھ لگا

جنس دل بیچنے میں نفع جو کچھ ہو ہمکو
ہائے اپنے کوئی ایسا نہ خریدار لگا

سب حقیقت مجھے کہتے ہیں بقول جرأت
ہائے کیا اسکو جوانی میں یہ آزار لگا

کیونکر نہ قفس میں وہ پڑا تڑپے گرفتار
جس صید کو دل سے کرے صیاد فراموش

ہر لحظہ حقیقت تو تری یاد میں ہے آہ
کیوں تو نے کیا اے ستم ایجاد فراموش

باہر ہے گفتگو سے جو اپنا بیان عشق
کس طرح پھر بیاں کریں داستان عشق

ٹک آکے دیکھ سینے کے ہر داغ کو مرے
پھولا ہزار رنگ سے ہے گلستان عشق

پہنچے نہ واں ہزار اڑے طائر خیال
عرش بریں سے بھی ہے بلند آشیان عشق

دلا اب دونوں مل کاٹینگے اوقات آہ و زاری میں
ہوئے بیمار سے ہم بھی تری بیمار داری میں

ہو گئی ایک نگہ میں مجھے صحت حاصل
گرچہ بیمار ہیں لیکن ہیں مسیحا آنکھیں

سب یہاں جبہہ سائی کرتے ہیں
یہ بتاں بھی خدائی کرتے ہیں

بدگمانی کیا کہوں وہ مجکو وقت نزع بھی
آکے یوں کہنے لگے یہ سخت مکّار و نہیں ہے

باعث کرنی جو ترک کی ہم سے
کہئے تقصیر کیا ہماری ہے

اور کچھ ذکر خوش نہیں آتا
نام تیرا زباں پہ جاری ہے

جو ہمارے تئیں مرے تم کہتے ہو دوست
واہ کیا اچھی دوستداری ہے

جان گر تن سے نکلجائے تو ہو مجکو قبول	آہ پر دل سے نہ اُس تیر کا پیکان نکلے
روز و شب رہتی ہے سوزش سی جگر میں میرے	دل ہے یا پارۂ آتش ہے یہ تن میں میرے
شمع ساں آگ لگائی ہے یہ غم نے کہ مدام	شعلے اُٹھتے ہیں پڑے دیدۂ تر سے میرے

حکم

حکم۔ نواب عباد اللہ خاں خلف الرشید نواب عظیم جاہ بہادر مغفور پرنس آف ارکاٹ شیخ فاروقی و رئیس مدراس ہیں فن سخن میں شریف مدراسی سے مستفید ہوئے ہیں سنہ ۱۳۰۲ھ میں ۴۰ برس کا سن تھا۔ یہ دو شعر آپکے نتائج افکار سے ہیں۔

اُسکی زبان چلتی ہے تلوار کی طرح	اور ہم ادب سے چُپ ہیں گنہگار کیطرح
تنہائی میں غم اُسکا ہے غمخوار کی طرح	پہلو میں درد و رنج ہے دلدار کی طرح

حکیم

حکیم۔ مسیح الزمان حکیم محمد اشرف خان حکیم دہلوی ابن حاذق الزمان حکیم محمد شریفخان مغفور شاہجہاں آبادی اپنے عہد کے اطبا میں بے نظیر تھے اور اکبر شاہ ثانی کے دربار میں شاہی طبیب تھے اُنھیں کے حسب الحکم مرزا جہانگیر کے ہمراہ الہ آباد گئے اور جبتک شاہزادۂ موصوف زندہ رہے اُنکے پاس رہے بعد اُنکی وفات کے وطن کو معاودت کی۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں قضا کی۔ آپ حکیم محمود خاں صاحب مرحوم کے حقیقی چچا تھے حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر اُنکے پوتے بڑے نازک خیال اور مشاق شاعر ہیں۔

مرے رونے اسکو مجھ سے کھویا	مجھے اس دیدۂ تر نے ڈبویا
کہوں میں کیا بزنگ زخم ناسور	ہنسا یکبار گر سو بار رویا
کٹے ہے لخت جگر اشک سے کہ ای ہمدم	ذرا تو صبر کہیں لیویں بیٹھکر ہمدم
نہ تاگے سے سیا جاوے نہ ریشم کا لگے ٹانکا	کہاں سے لائیں سینے کو دل صد چاک سکوڑے

حکیم

حکیم۔ حکیم محمد پناہ خاں حکیم دہلوی فرزند سید محمد شریف خان المشہور بزر بخش۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔ پہلے نثار تخلص کرتے تھے پھر فن طب کی رعایت سے حکیم تخلص اختیار کیا حکمت۔ تاریخ موسیقی اور دیگر علوم شریفہ میں رتبہ کمال حاصل

تھا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ۔۔

پوچھتے کیا ہو حکیم جگر افگار کا گھر	ایک تکیہ سا ہے اُس شوخ کی دیوار کے پاس
کہتے ہیں حکیم آیا میخانے سے مسجد میں	ہمکو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو
تیرے سبب خلق در بدر ہے	اے خانہ خراب تو کدھر ہے
ہم ہی صنم کے غم میں نہ ایمان سے گئے	کتنے ہی بندگانِ خدا جان سے گئے
ہمتو تو کیونکر کہیں کہ بوسہ دو	گر عنایت کرو عنایت ہے
جی کے جانے کی یہ علامت ہے	دل کا آنا نہیں قیامت ہے

حکیم

حکیم میر محمد علی ابن میر احمد علی- باشندۂ لکھنؤ فتح الدولہ محمد رضا خان برق کے شاگرد تھے- یہ چند شعر اُن سے یادگار ہیں-

زندگانی کا بھروسا نہیں نیکی کر لے	ہے بُری بات جو لیجائے بُرائی سر پر
آئی پیری گئی ہنگام جوانی ہیہات	اب تو ہشیار ہو غافل اجل آئی سر پر
رونے حب دیکھتے ہیں کہتے ہیں ہنسکر وہ حکیم	تو نے نالوں سے اُٹھائی ہے خدائی سر پر

حکیم

حکیم مرحمت الدولہ بہادر الملک منشی سید غضنفر علی خان صولت جنگ بہادر مرحوم- اونریری مجسٹریٹ و رئیس لکھنؤ خلف اکبر و شاگرد رشید تدبیر الدولہ حضرت اسیر مغفور- اِن کا عرف بڑے بھیا تھا- اُصول شاعری سے بخوبی واقف اور بڑے مشہور عروضی- میونسپل کمشنری اور اونریری مجسٹریٹی کے عہدے پر ممتاز تھے- چھوٹی سی عمر میں فنِ سخن میں اچھی دستگاہ اور معلومات و شہرت حاصل کی تھی- اپنے باپ کے نام نامی کو خوب چمکایا- انتزاعِ سلطنت اودہ سے پیشتر واجد علیشاہ کی سرکار سے مخاطب بخطاب مذکور الصدر ہوئے تھے- اُنکے شاگردوں میں پنڈت بشن نراین صاحب ابر بیرسٹر اور ڈپٹی تجمل حسین خان صاحب تجمل مشہور شاعر ہوئے- آپنے سنہ ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا- دیوان مرتب ہوگیا تھا مگر شائع نہیں ہوا ۔۔ مذاقِ طبیعت

درست ۔ الفاظ پاکیزہ ۔ زبان نہایت شستہ ۔ صاف اور ٹکسالی ۔ مضامین عمدہ ۔ خیالات بلند ۔ اور مشاقی اعلیٰ درجے کی پائی جاتی ہے ۔ متروکات زبان قدیمہ کا بہت خیال کرتے تھے کلام سنجیدگی اور متانت سے مملو اور عیوب شاعری سے پاک و مبرا ہے افسوس کہ باوجود بہم کوششوں کے چند ہی غزلیں مل سکیں

مے پی پیاس خاطر ساقی تو کیا ہوا
دل توڑنا کسی کا مروت سے دور تھا

گیسو کو پیچ چشم کو جادو کمر کو بل
بخشا وہی خدا نے جسے جو ضرور تھا

کوچہ میں اسکے دفن ہوئی لاش غیر کی
شداد مر کے داخل باغ ارم ہوا

حسرت حکیم زخم مکرر کی رہ گئی
قاتل ہوا ستم سے پشیماں ستم ہوا

صاف اس درجے دل کا آئینہ
اور بے عکس روئے یار افسوس

آپ کو دھیان مرے وعدے کا رہتا تو یہ
بھی کیا غیر کا وعدہ تھا کہ ٹلتا ہی نہیں

ہے آخر فصل گل کر دے رہا صیاد بلبل کو
ہوئی ہے سوکھ کر کانٹا یہ پھولوں کی جدائی میں

تیرا کیا کام ہے مے نوشوں میں میخواروں میں
دیکھیے اے توبہ نہ شامل ہو گنہگاروں میں

دل ہے مرا سیاہی جرم گناہ میں
یا کعبۂ خلیل لباس سیاہ میں

بانگ درا کی طرح ہوں نہیں قافلے کے ساتھ
جاتا ہوں آگے پیچھے ہوں اتنا ہی راہ میں

چھڑکا نمک اسی جا مجھ پر سپہر نے بھی
زخم غم جدائی جس جس جگہ تھے تن میں

دیکھیے کیا رہ اقلیم عدم میں گزرے
دور منزل ہے بہت زاد سفر کچھ بھی نہیں

ہو سکے بیتاب چلے آتے ہو کیوں میرے پاس
تم تو کہتے تھے کہ نالوں میں اثر کچھ بھی نہیں

صورت آئینہ اس بزم گہ حیرت میں
محو نظارہ ہوں پر تاب نظر کچھ بھی نہیں

تاب طاقت سے آکے زلف کے سکے نے تقدیر
اقربا روتے ہیں مرنے کو خبر کچھ بھی نہیں

باغ میں دیکھ کے لالے کو آیا ہمیں دھیان
حاصل عمر بجز داغ جگر کچھ بھی نہیں

وصل میں ہجر کا کیوں نہ کھٹکا ہر دم
موت کب آئیگی انساں کو خبر کچھ بھی نہیں

شکل ہستی و عدم آئینہ دکھلاتا ہے
کر ادھر سب نظر آتا ہے ادھر کچھ بھی نہیں

چشم ظاہر کو مبارک رہے دید رخ لطف
میں وہاں ہوں کہ جہاں شام و سحر کچھ بھی نہیں

شکوۂ بیداد ہر دم کیا کریں
دل میں شرمندہ اُسے ہم کیا کریں

صبر پہ مجبور ہم - تم جبر پر
حق یہ ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

روئیں کیا اَوروں کو جب فانی ہیں خود
اپنے ہونے غیر کا غم کیا کریں

ہم بتائیں وصل میں تم کیا کرو
تم بتاؤ ہجر میں ہم کیا کریں

سمجھے ہم برہمن و شیخ کی سُنکر تقریر
حشر تک ختم یہ جھگڑے نہیں ہونیوالے

زاہد عبث نماز ریائی پہ ناز ہے
سجدے کے داغ میں ہے سیاہی گناہ کی

زاہد کا بخل صاف ہے تسبیح سے عیاں
رکھا ہے کیا بخیل نے دانوں کو جوڑ کے

قہر حیراں کہ مجرم کو کدھر لے جائے
سارے دوزخ کو ہے گھیرے ہوئے رحمت تیری

غیر کو بہر طلب کیوں آپنے تکلیف دی
بھیج دیتے موت کو میرے بُلانے کے لیے

ہے دو راہہ نیستی و ہستی عالم ضرور
ایک آنے کے لیے ایک جانے کے لیے

نکرے بھول کے دولت کی تمنا کوئی
ہو بشر ہو کے نہ یارب سگِ دنیا کوئی

دل سے وہ ناوکِ بیداد نہ نکلے یارب
کہ نہیں درد کے اُٹھنے کا سہارا کوئی

وہاں لطف و غضب دونوں یہاں ہے قہر تنہا
خدا سے عشق آساں ہے بتوں سے سخت مشکل ہے

روز محشر بہر عفو جرم کافی ہے یہ شرم
پھرتی ہے آنکھوں میں صورت آپکی شرمائی ہوئی

ہر بلا کے گھر میں آنے کا یہ ہے مجکو یقین
جو نہیں آئی ہے سمجھا ہوں اُسے آئی ہوئی

وعدۂ وصلت کو جھوٹا کس طرح سمجھیں نہ ہم
وہ قسم کھائی ہے اسنے بھی جو ہے کھائی ہوئی

آئینہ رُو ہیں وہ مشاطہ نہ آئینہ دکھا
فائدہ آئینے کو آئینہ دکھلانے سے

یہی فرہاد یہی نل یہی مجنوں کلھے چال
لاکھ افسانے ہیں پیدا مرے افسانے سے

ڈھونڈے نہیں ملتا ملک الموت کو رستہ
کیا بھیڑ عدم تک درِ قاتل سے لگی ہے

حکیم - سید جعفر حسین نام حکیم تخلص لکھنو کے رہنے والے اور حضرت ہوش کے شاگرد

ہیں ۱۳۱۰ھ میں زندہ تھے۔ اسکے سوا کچھ حال باوجود تلاش معلوم نہیں ہوا۔ کلام فصاحت ہے چند شعر انکے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

بنا قاتل جو اپنا دھیان اُس ترکِ ستمگر کا
خیالِ ابروئے قاتل میں تھا کیا کاٹ خنجر کا

دلِ عاشق جو نہ جلتا تو نہ ہوتا مشہور
شمع کا نام ہوا بزم میں روشن ہو کر

دیکھتے پہلے ہی صبر و خرد و ہوش جواب
اب فقط جان ہے لیلے نہیں انکار صنم

سلسلہ انکو رہائی کا نہ ہاتھ آئیگا
دام گیسو میں ہیں جو لوگ گرفتار صنم

تو وہ یوسف ہے کہ تجھ سے نکریں عار ذرا
بیچ لے ہمکو اگر تو سرِ بازار صنم

صبا پہنائی ہے زنجیر موجِ نکہتِ گل
عجب بہار کی وحشت مجھے بہار میں ہے

جو دیکھ لے تو ابھی سحر سامری بھولے
بھرا یہ کوٹ کے جادو نگاہِ یار میں ہے

خدا ہی خیر کرے کس بلا میں اُلجھا ہوں
کہ پیچ و تاب عجب یادِ زلفِ یار میں ہے

حکیم

حکیم۔ حکیم سید تہور علی صاحب خلفِ سید محرم علی صاحب۔ ضلع بجنور میں دھام پور کے قریب ایک قریہ رسولپور کے نام سے مشہور ہے۔ سادات رضویہ کی کچھ باقیات اس میں آباد ہے حکیم صاحب بھی اسی قریہ کے رہنے والے ہیں ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے بارہ سال کی عمر میں بغرضِ تعلیم نگینے گئے اور قاضی احسن الدین صاحب کی خدمت میں کچھ عرصے رہکر عربی فارسی میں کافی دسترس بہم پہنچائی۔ پھر دلی۔ لکھنؤ اور مراد آباد وغیرہ کا سفر کیا اور دیگر علما و کملا کی صحبت میں رہکر اپنے علم و کمال کو ترقی دی۔ اب متھرا میں طبابت کے ذریعے سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں۔ مگر نہ مذہب میں کسی امام کے معتقد ہیں نہ فنِ شعر میں کسی شاعر کے شاگرد ہیں ذیل کے اشعار انھیں کے نتیجہ فکر سے ہیں۔ ملاحظہ ہوں ؂

شمع مدفن سے نہ ہے پھولوں کی چادر دیکھنا
قبرِ دارا دیکھنا۔ گورِ سکندر دیکھنا

تیرے دیوانوں سے صحرائے قیامت تنگ ہے
سو جگہ سے چل پڑا دامانِ محشر دیکھنا

مرے دل کی دو رنگی بھی کسیکا رازِ پنہاں تھا
اِسی میں کفر تھا واعظ اسی میں نورِ ایماں تھا

پی لے اسے شیخ اسے نام خدا کا لے کر
مے پلاتے ہیں سمجھے رند کہ سم دیتے ہیں

معلوم ہے ہمکو جو بنائیں گے مسیحا
وہ اور علاجِ دلِ دیوانہ کرینگے

حکیم اُس لبِ ناز کے سامنے پھر
جِلانے کا دعویٰ مسیحا کریں گے

جوشِ گریہ سے زمیں باغِ ارم بنکر رہے
کو بکو جاری رہیں تسنیم و کوثر تو سہی

حکیم

حکیم۔ سید محمد عبد الحکیم۔ اردلی حضور نواب صاحب والیٔ رامپور۔ شعر گوئی کا بھی شوق ہے زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے۔ یہ تین شعر اُنکے کلام کا نمونہ ہیں۔

جب کہا میں نے تڑپ دیکھ لی دل کی دمِ قتل
بولے جھنجھلا کے کہ ہاں تیرا کلیجا دیکھا

جلوہ فرما ہے بصد ناز وہ گلکدۂ دل میں
بند کی آنکھ تو میں نے یہ تماشا دیکھا

جاں فروشوں میں دمِ قتل عجب شورش تھی
تونے مقتل میں نہ آکر یہ تماشا دیکھا

حلیم

حلیم۔ شاہزادہ مرزا سعید الدین عرف مرزا فیاض الدین حلیم خلف الرشید مرزا محمد ریاض الدین بن مرزا خرم بخت بہادر بن مرزا جہاندار شاہ ولیعہد مقیم بنارس صاحب دیوان تھے۔ مہر نواب سے تلمذ تھا۔ ڈپٹی عبد الغفور خان نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور حکیم تخلص لکھا ہے۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر گورگانی کے سمدھی تھے۔ اور غزل گوئی میں اُن سے مشورہ بھی کر لیتے تھے مگر کوئی خاص بات کلام میں نہیں ہے عرصہ ہوا انتقال کر گئے ٭

گرچہ ہے سیرِ چمن میں گل کا مدفن زیرِ پا
گاہ بھولے سے ہی لا عاشق کا مدفن زیرِ پا

نازکی کہتے ہیں اسکو وہ چھپے مانندِ خار
آئے اُس گل کے جو فرش کا سوزن زیرِ پا

دیکھ مستی کی اداہٹ لعل لب پر یار کے
بلبلیں ملنے لگیں گلہائے سوسن زیرِ پا

لب حنا کے رنگ سے اُسکی کفِ پا سرخ ہے
لعل کی رکھتا ہے اپنے یار معدن زیرِ پا

جائیں کیوں ہم گلستاں کو نازِ گلچیں کیوں سہیں
زخم سے تلووں کے خود رکھتے ہیں گلشن زیرِ پا

کس طرح کوئے صنم کو حلم جائے وحشت
آبلہ پڑ کر کرے گا کارِ رہزن زیرِ پا

حلم۔ منشی دوارکا پرشاد حلم خلف اکبر منشی منگلی لال صاحب۔ آپ قوم کے کایستھ اور اک شریف معزز خاندان معروف بہ خاندانِ اخبار نویسان سے ہیں ۱۸۸۳ء میں آپ پیدا ہوئے۔ مولد و مسکن شہر بریلی ہے۔ سات سال کی عمر میں اردو فارسی کی تعلیم شروع ہوئی۔ دس سال کی عمر میں معمولی اردو لکھنا پڑھنا آگیا۔ پندرہ (۱۵) سال کی عمر میں انگریزی کی تعلیم کا آغاز ہوا جس کا انٹرنس تک پہنچ کر خاتمہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں ناول خوانی کا شوق پیدا ہوا اور پھر پڑھتے پڑھتے تصنیف کو جی چاہا تو ایک ناول مسمّیٰ بہ "حسن و عشق" لکھا مگر چھپا نہیں بعدہٗ یہی شوق و ذوق شعر گوئی کا محرک ہوا اور حضرت داغ کے مشہور شاگرد مولنا حسن رضا خاں صاحب بریلوی کے شاگرد ہوئے۔ استاد کی مہربانی سے چند ہی روز میں اچھا خاصہ کہنے لگے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:

بسمل کی یہ حالت ہے کہ تڑپا نہیں جاتا
قاتل کا ابھی شوقِ تماشا نہیں جاتا

وہ خاک سنبھالینگے دلِ زار کو میرے
جب اپنا ڈوپٹہ بھی سنبھالا نہیں جاتا

کس عجز سے وہ وصل کی شب کہتے ہیں مجھ سے
اس طرح تو دشمن بھی ستایا نہیں جاتا

وہ وعدہ خلافی کریں دشمن پہ فدا ہوں
ہمسے تو کسی اور کو چاہا نہیں جاتا

وہ لطف ملا ہمکو تہِ خنجرِ قاتل
ہم دفن ہوئے پھر بھی تڑپا نہیں جاتا

ناکامیِ قسمت پہ ہنسی آئے نہ کیونکر
رونا تو اسی کا ہے کہ رویا نہیں جاتا

بالیں سے مری اٹھ گئے وہ کہکے دمِ نزع
اب حال کچھ ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

عشق نے معشوق و عاشق میں لگا دی ایک آگ
شمع بجھ کر مٹ گئی پروانہ جل کر رہ گیا

سنائیں عرضِ تمنا پہ لاکھوں صلواتیں
مرا سوال تھا کیا اس جواب کے قابل

نبھے گا ساتھ نہ زاہد سے دخترِ رز کا
یہ نوجوان وہ بوڑھا خضاب کے قابل

الجھیلا ہو گیا ہے ہوش کیا اُسنے سنبھالے ہیں
ادائیں برچھیاں شوخی چھری انداز بھالے ہیں

ڈراتے کیا ہو کہہ کر یہ خنجر ہیں یہ بھالے ہیں
یہ خنجر اور یہ بھالے سب ہمارے دیکھے بھالے ہیں

کسی کے پاس رسوائی ہیں کیا جی کھو کر رو بیٹھا
جو چار آنسو بہائے بھی تو فوراً پونچھ ڈالے ہیں

کجی ہو میری قسمت کی کہ بل ہوں تیری زلفوں کے
نہ یہ کچھ جانیوالے ہیں نہ وہ کچھ جانیوالے ہیں

خدا سمجھے تجھے صیّاد چھوڑا بھی تو کب چھوڑا
اسیرانِ قفس نے بال پر جب نوچ ڈالے ہیں

تمھارے اُٹھتے جوبن کو دوپٹہ کیا چھپائیگا
یہ دو سرکش بلا کے ایک سے کیا تھمنے والے ہیں

اُلٹ اپنا نمکداں کیوں ہنسی کرتا ہے اے قاتل
دہانِ زخمِ دل کیا چٹکیوں سے بھرنیوالے ہیں

خیالِ پائے جاناں ہوشیاری سے قدم رکھنا
کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے ہمارے دل میں چھالے ہیں

جنابِ حلم جیسے فطرتی ہیں کوئی کیا جانے
تخلص جو سنے گا کہہ اُٹھیگا بھولے بھالے ہیں

وہ کہتے ہیں غضب ہیں جان کر رکھی ہے نالوں سے
خدا ہی سمجھے اِن ظالم محبت کرنیوالوں سے

بھرے بیٹھے ہیں جب چھوٹے غضب کا سامنا ہوگا
خدنگِ ناز چھیڑا اچھی نہیں سینے کے چھالوں سے

طریقِ حق پرستی عشق والوں کا نرالا ہے
نہ پروا مسجدوں کی ہے نہ مطلب ہے شوالوں سے

شبِ وعدہ خوشامد پر وہ آمادہ ہوئے آخر
جو دیکھا کام اب چلتا نہیں حیلے حوالوں سے

بھلا تم اور بوسے دو گے دل لیکر معاذ اللہ
یہ فقرہ اسکو دینا جو نہ ہو آگاہ چالوں سے

یہی ہے آنکھ کی خواہش کہ رہیئے نازنینوں میں
یہی دل کا تقاضا ہے کہ ملیئے خوش جمالوں سے

حلیم حضرت عبدالحلیم شاہ صاحب متخلص بہ حلیم امروہے کے شیوخ عبّاسی سے ہیں۔ مظہر الہادی صاحب سہیل نے جو اُنکے حالات بھیجے اُنکا خلاصہ یہ ہے کہ بچپن ہی سے طبیعت میں سلامتی اور اطوار میں سنجیدگی تھی۔ آغازِ جوانی میں وطن سے نکلکر جلیپور پہنچے اور بعہدہ منصدی محکمۂ فوج ملازمت اختیار کی۔ چونکہ اوراد و وظائف کی طرف شروع سے میلانِ خاطر تھا وقتاً فوقتاً تلاشِ مرشدِ کامل میں سفرہائے دور دراز کیے۔ آخر کار گھر بیٹھے جلیپور ہی میں خاندانِ نقشبندیہ میں مرید ہوئے مگر سماع کے بہت ہی

شائق ہیں۔ مُرید ہونے کے بعد طبیعت کا رنگ بالکل ہی بدل گیا۔ شہرت اور ناموری سے گریز، اہلِ دنیا سے بے تعلقی اور ملازمت کی پابندیوں سے نفرت ہونے لگی۔ ترکِ تجرید نے غلبہ کیا لیکن ایک عرصہ تک ضبط سے کام لیتے رہے۔ جب وفورِ شوق و غلبۂ ذوق اتنا بڑھا کہ مجبور ہو گئے تو مجبوراً ملازمت سے قطعاً دست بردار ہونا پڑا۔ چونکہ شادی کی نہیں تھی اہل و عیال کا کچھ غم نہ تھا۔ اب آپ سراپا توکل ہیں۔ محض صبر و قناعت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ ابتدائے عمر سے نظم اور فنِ شعر سے دلچسپی ہے۔ ضخیم دیوان تیار ہے۔ جسے اخبار پریس لاہور میں چھپنے کے لیے گیا ہوا ہے۔ اکثر جے پور و کوٹے میں قیام رہتا ہے۔ کلام صاف ہے۔ بندش و اسلوبِ بیان بھی خوب ہے۔ اکثر شعر توحید اور تصوف میں کہتے ہیں۔ کھلا ہوا رنگ ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو۔

کیا تو چھپا ہے چشمِ حقیقت طراز کا
چھپتا نہیں نگاہ میں نقشہ مجاز کا

نہ جفاؤں کی شکایت نہ وفا سے مطلب
اُس کے طالب کو ہے تسلیم و رضا سے مطلب

صد شکر کہ فرماتے ہیں وہ ناز و ادا سے
ہم پاتے ہیں اس شخص میں آثارِ محبت

پامال ہو چکا ہے خونِ جگر آرزو کے ساتھ
اب تک سمجھ رہے ہیں مرے غمگسار جھوٹ

کیسی شریعت عاشق کا پتہ دیتی ہے
نہ ضرورت اسے تیغ کی نہ زیبا تعویذ

بوالہوس کے لیے درکار ہے نقشِ تسخیر
جذبِ صادق کے لیے چاہیے کس کا تعویذ

مرے دل میں مری آنکھوں میں آکر
ابھی کیوں ہو جدا ہو کر

رہو تم بے تکلف گھر بنا کر
غیر بنتے ہو آشنا ہو کر

اللہ رے خود رفتگی اتنا بھی نہیں ہوش
تم منہ سے لگا لیتے ہیں پیمانہ سمجھ کر

انجمن میں پتہ ہو اسکی بلا سے کچھ بھی ہو
زندگی کا کر چکی لبریز جب پیمانہ شمع

یہ ہوا ہے اور ہوگا تم سے روشن صبح تک
یہ نہیں ہے بزمِ جاناں ہے مرا غمخانہ شمع

مصیبت جھیل صبر و شکر کے ساتھ
مرے مجنوں مرے درد آشنا دل

وہ اپنی جفاؤں پہ شرما رہے ہیں
تسلّی مجھے دیکے تڑپا رہے ہیں

الٰہی وہ دلِ مضطر عطا ہو
کہ جس میں درد سرتاپا بھرا ہو
اگر دل محوِ تسلیم و رضا ہو
تو ہر دردِ والم راحت فزا ہو

ہاں تو نہیں تو لذّتِ زخمِ جگر نہیں
لے درد دلنواز عجب دل رُبا ہے تو
دل نے چشمِ حقیقت تو کہیں دیکھے اُسے
آنکھ کیا دیکھے تجلّی جمالِ یار کو

خاک کو تُو نے منوّر کر دیا
اے محبّت کیمیا دیکھا تجھے

وفاپرست شکایت کیا نہیں کرتے
جفا اُٹھاتے ہیں لیکن گلہ نہیں کرتے
عجب مزا انھیں ملتا ہے درد کلفت میں
مریضِ دردِ محبت دوا نہیں کرتے
اشک دامن تک نہ پہنچا تھا کہ دامن پاک تھا
رنگِ عصیاں کے لیئے آنکھوں کا دریا چاہیئے
لذّتِ ناز و نیازِ عشق تو مجھ سے نہ پوچھ
دامنِ یوسف گریبانِ زلیخا چاہیئے
کیا کہیئے میکدہ تو مسجد بنا ہوا ہے
ہر مست بیخودی میں گردن جھکا رہا ہے

رنگ لائی یہ عاشقی دل کی
مٹ گئی سب ہما ہمی دل کی
دل کے ہمراہ آرزو بھی گئی
آج حسرت نکل گئی دل کی
اُنکے کوچے میں جاکے خاک ہوئی
آبرو سب رہی سہی دل کی
میری آنکھیں تو ہیں اُنھیں کیطرف
اُنکی مجھ پہ نظر نہیں نہ سہی
موت تو ہے علاج دردِ فراق
اُنکے در تک گزر نہیں نہ سہی

محمود۔ حضرت محمود لکھنوی کا نام نامی محمد محمود ہے اور رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خان بہادر میر منشی واجد علیشاہ کے خلف الصدق ہیں۔ قوم کے شیخ اور حنفی المذہب ہیں نسب کا سلسلہ حضرت عثمان غنی سے ملتا ہے آپکے آبا و اجداد کا قدیمی وطن شہر قنوج تھا وہاں سے عہد نواب سعادت علیخاں بہادر میں لکھنؤ آئے اور دربار نواب میں باریاب ہوکر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہو گئے۔ آپکی پیدایش ۲۴ ماہ جمادی الاولیٰ

سنہ ۱۲۷۴ھ میں بمقام لکھنؤ ہوئی اور وہیں زیر سایہ اپنے والد بزرگوار کے تعلیم و تربیت پائی۔ آپ کی طبیعت بچپن ہی سے اسقدر موزوں واقع ہوئی تھی کہ کبھی دھوکے سے بھی کوئی شعر ناموزوں نہیں پڑھا۔ دس برس کی عمر میں اچھی خاصی غزل کہنے لگے تھے آپکے والد صاحب کو اردو شاعری اور خصوصاً طرز عاشقانہ سے بالکل رغبت نہ تھی لیکن جب انکی طبیعت کا میلان خاطر ادھر دیکھا تو ممانعت بھی نہ کی۔ آخر انھیں کے ایما سے جناب شیخ امداد علی صاحب بحر لکھنوی کے شاگرد ہوئے اُنکے انتقال کے بعد حضرت قادر بلگرامی کی خدمت میں آکر اُن سے استفادہ کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ آپ کا کلام عیوب شاعری سے پاک ہونے لگا۔ اور جب آپکی مشق سخن اس حد کو پونہچ گئی تو قادر مرحوم نے اپنے بعض تلامذہ کی اصلاح آپ ہی کے متعلق کر دی۔ چنانچہ قادر مرحوم کے بعض شاگرد ابتک شعر و سخن میں آپ ہی سے مشورہ کرتے ہیں۔ آپ ایک مستغنی المزاج کم سخن اور آزاد منش آدمی ہیں۔ عزلت گزینی پسند ہے۔ سلسلہ تصنیف و تالیف برابر جاری ہے اور شعر و سخن کی طرف طبیعت کچھ ایسی محو ہے کہ اُسکے سوا دوسری فکر ہی نہیں ہے۔ علاوہ دیگر تصانیف کے دیوان موسوم باسم تاریخی "ارمغان جاوید" و رسالہ متروکات موسوم بہ "مخزن التحقیق" بھی لکھا ہے۔ جس میں تمام اپنے اور دیگر فصحا کے متروکات و تغییر تصحیح الفاظ مع عیوب شعر و غلطی املا و قواعد نہایت تحقیق کے ساتھ درج کیے ہیں۔ آپکے کلام سے شوخی اور فصاحت ٹپکتی ہے۔ زبان کی صفائی اور روزمرہ بھی قابل داد ہے۔ آجکل لکھنؤ کے نامور کہنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپکے کلام کا رنگ اپنے استاد حضرت بحر مرحوم لکھنوی سے بہت ملتا ہے۔ ملاحظہ شائقین کے لیے اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے ؎

عکس ساقی شراب میں دیکھا	ماہتاب آفتاب میں دیکھا
تم نے ڈھا دیا کعبۂ دل کا	اے بتو کس کتاب میں دیکھا

رہ گیا طائرِ جاں بلبلِ شیدا بن کر
کچھ اعتبار نہیں تم پہ مرنے والوں کا
بڑا گھمنڈ تھا بس دیکھ لی مسیحائی
تمہارے کوچے میں چھکے قضا کے چھٹتے ہیں
کھڑے ہیں ہراچڑھانیکو شہر کے گرد
کھلا اگر کہیں جوڑا تمہارے بالوں کا
ہجوم یاس ہے وہ فاتحہ کہاں پہ پڑھیں
غیروں سے بگڑے ہم تو ہمارے عاشق تھے وہ
چلا نہ زور وہ دندان شکن جواب ملا
ہنس دیتے ہیں وہ سوزِ جگر کے بیان پر
دخترِ رز پر لوٹ ہیں پرہیزگار ابکے برس
ایسے یہاں ہیں غنچۂ دل میں ہزار داغ
فرحت دلوں کو دیتے ہیں اشعار بن کے پھول
یہ جو سنا کہ ہار تھے گوندھے ہوئے مرے
اللہ آپ سیر کو نکلیں پہن کے پھول
ہے روزِ حشر اور شبِ غم کا طول ایک
اللہ رے بیخودی کہ وہ پہلو میں بیٹھکر
آگئی فصلِ جنوں میلے ہیں ویرانوں میں
یہ بموقع تمہاری ہر گھڑی کی دل لگی کیسی
دکھا دوں ایک دن ان کو تو پھر ہو دل لگی کیسی
نہیں اک رنگ پر رہتی طبیعت ہی تری کیسی

جوہرِ تیغ میں قاتل کے گلستاں نکلا
سنبھلنے میں بھی ہے شک موت کے سنبھالوں کا
کبھی پکڑا نہ لیا ہاتھ مرنے والوں کا
ہجوم دیکھ کے بے موت مرنے والوں کا
مرے مزار پہ میلا ہے پھول والوں کا
چلیگا ایک بھی منتر نہ سانپ والوں کا
کہیں نظر بھی تو آئے مزار کی صورت
اس پر حضورِ بزم سے اٹھکر چلے عبث
الجھ کے زلف سے شانے نے منھ کی کھائی آج
بجلی چمک کے گرتی ہے دیپک کی تان پر
زہرہ میں بٹا لگائے گی بہار ابکے برس
لالہ مقابلے کو چلا سب لیکے چار داغ
کیا کیا مہک رہے ہیں ریاضِ سخن کے پھول
سب پھینکے نوچ نوچ کے مارے جلن کے پھول
تقدیر اس چمن کی یہ ہیں جس چمن کے پھول
اسکی نہیں ہے شام تو اسکی سحر نہیں
دل لیگئے نکال کے ہمکو خبر نہیں
تھالی پھرتی ہے وہ بھیڑیں ہیں بیابانوں میں
طبیعت آدمی کی ہے کبھی کیسی کبھی کیسی
جو کہتے ہیں کہ دیکھیں ہوتی ہے دل کی لگی کیسی
کبھی ایسی کبھی ویسی کبھی کیسی کبھی کیسی

بیانِ سوزِ دل رو رو کے کرتا ہوں تو کہتے ہیں — لگی ہے آگ جب دل میں تو یہ آنکھیں نمی کیسی
یہ قدرت قاف والوں کی کریں جو حسن کا دعوی — مقابل آ نکلے پہلے حور تو ہوسے پری کیسی
پوچھے کب یہ دل کی مرے دیکھ بحال ہے — کہیے نہ کہیے آپ کی صورت سوال ہے
رونے لگے سن سن کے پیامِ اپنے پرائے — اس درد سے نالے کئے دل سب کے بھر آئے
اس بات پہ تاثیر دکھا دینگے فغاں کی — کہتے ہو نہیں آئیں گے؟ اچھا اگر آئے
ناصح اثر ان کو نہیں کرنے کی نصیحت — یہ حضرتِ دل ہیں جا جدھر گئے ادھر آئے
شیخ جی لائے تھے تشریف نصیحت کرنے — کیا بُری طرح نکالے گئے میخانے سے
مست کر دیتی ہے میخواروں کو اسکی جھنکار — شیشہ جب بزم میں لڑ جاتا ہے پیمانے سے
آنے جانے کی یہاں آڑ تو اچھی ہوتی — کاش مسجد ملی ہوتی کوئی میخانے سے
عشق بازی میں لڑائی بھی تو ہے عین ملاپ — صاف ملجاتا ہے دل آنکھ کے لڑ جانے سے
کہا جو آپ پہ مرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں — سنا کئے پہ نہیں دیکھا کبھی نہ مرجانے
کیا ناوکِ مژگاں سے لڑ آئے ہیں نشانے — دل اور جگر دونوں لگائے ہیں ٹھکانے
ساقی سفید ریش پہ ہلکا سا ہو خضاب — زاہد کے منہ پہ پھینکیو ساغر گلگال کے

حسین — منشی احمد حسین صاحب سوداگر ساکن لال کرتی بازار چھاؤنی میرٹھ مولانا شوکت سے ارادت رکھتے ہیں اور زمانۂ حال کے خوشگو شعرا میں ہیں۔ چند شعر حاضر ہیں ۔

سوئے پنہانی میں ہے کیا چشمۂ حیواں کا اثر — آگ میں جلکے بھی عاشق ترا ٹھنڈا ہوا
پہ شہیدِ ناز کی رہتا کاش احسان تیغ قاتل کا — رہا کیوں سخت جانی تیرا احساں میری گردن پر
جب شہیدِ ناز دامن عصمت ہی اپنا تجھے جب تا داماں — زلیخا خاک بس چلتا ترا یوسف کے داماں پہ
حلقۂ گیسو کا ہے اب گھیرے ہوئے ہر سو ہمیں — جس طرف دیکھیں نظر آتا ہے تو ہی تو ہمیں
درد دل تیرا ہوا ہو دیکھئے بزم یار سے — کیوں اٹھاتا ہے بھلا بیٹھے بٹھائے تو ہمیں

حمید — خواجہ حمید جان عرف پیارے نواب صاحب رئیس گیا تخلص سید عابد علی کو شہ

خیرآبادی کے تلامذہ میں ایک خوش گو شاعر ہیں۔ مذاق ستھرا اور زبان صاف ہے شعر اچھا کہتے ہیں نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

بلائیں جس قدر رکھتیں آسماں پر
وہ سب نازل ہوئیں مجھ خستہ جاں پر

میرے نالوں سے برپا کی قیامت
زمیں سے بھی زیادہ آسماں پر

وہ روٹھ کر چلے بھی گئے ہیں تو کیا ہوا
حاصل ہمیشہ وصل ہے ہمکو خیال میں

لاکھوں شکار تھے مگر اے مدد رے نصیب
میرا ہی دل پھنسا تری زلفوں کے جال میں

جھگڑا مٹا رقیب موا جانے دیجئے
بیکار آپ بیٹھے ہیں رنج و ملال میں

لیکے دل بھول گئے ہمکو یہ حال انکا ہے
ہمکو یہ خبط کہ ہر وقت خیال انکا ہے

آخر اس بیخودیٔ غم سے کہیں کے نہ رہے
اب نہ ہوش اپنا ہے ہمکو نہ خیال انکا ہے

حمید

حمید تخلص محمد اللہ نام قوم پٹھان متوطن قصبہ اورنگ آباد ضلع گیا پیشہ زمینداری داروغہ پولیس فارسی کی لیاقت اچھی اور جناب حکیم عابد علی کوثر کے شاگرد تھے۔ کئی برس ہوئے کہ آپنے انتقال کیا۔ زیادہ حال باوجود تلاش نہ مل سکا۔ چند شعر گلدستہ فصاحت سے منتخب ہوکر درج ہوئے۔

عبث عاشقوں کو امیدِ وفا ہے
ہوا ہے نہ ہوگا ستمگر کسیکا

لیئے تیغ ہاتھوں میں نکلا ہے قاتل
لڑا چاہتا ہے مقدر کسیکا

خلش نوکِ مژگاں کی جاتی نہیں ہے
رگِ جاں میں چبھتا ہے نشتر کسیکا

کسیکا نہو فاش پردہ خدایا
نہو سامنا روزِ محشر کسی ... مدفن چراغ

بلا دیکھئے کسکے سر پہ ہو نازل
حمید آج بدلا ہے تیور ... کل رات خواب

صفائی آئینہ کی سی ہے آبِ تیغِ قاتل میں
نئے جوہر نکالے ہیں نہا ہے شیخ و شاب کو

شبِ ہجراں سکون و صبر و طاقت ہوگئے رخصت
رفیق و مونس و ہمدم خ ... بے و ثواب کو

کبھی رہتی ہے گو پھر بھی گلے سے لپٹی ہے
ادا و نازِ معشوقانہ ... لیسے ثواب کو

ترکِ خیالِ یار کا دل کو خیال ہے	ایسا خیال ہے مگر امرِ محال ہے
گزرے برسوں لیکن اُس کا سوگ ہی تازہ ابھی	دیکھیے کب تک وفاتِ غیبر کا ماتم رہے
ہم وہ قطرے ہیں کہ پہلے قلزمِ ذخار تھے	ہم وہ ذرّے ہیں کہ پہلے نیّرِ اعظم رہے

حمید

حمید ۔ منشی عبدالحمید۔ حمید وعطار و ولد منشی عبدالرشید آپ منشی محمد نوح متخلص بہ نوح کے چچا زاد بھائی اور شاگرد ہیں۔ قصبۂ تارہ پرگنہ کڑا ضلع الہ آباد وغیرہ میں مکان ہے طبیعت بہت موزوں واقع ہوئی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

اُڑا لائی ہے بُو زلف دو تا کی	بلائیں کیوں نہ لوں بادِ صبا کی
چھپایا منہ جو عاشق سے مری جان	ادا کی۔ یا حیا کی۔ یا جفا کی
ہوئی وہ سرخرو پامال ہو کر	عجب تقدیر ہے اُلٹی حنا کی
نہ تسکیں دی کسی نے ہجر کی شب	مگر کچھ شمع دل سوزی کیا کی
بتوں کی کیا نظر ہم سے پھری ہے	خدائی پھر گئی قدرت خدا کی
جو گزرے گی گزر جائیگی ہم پر	تمھیں حسرت نہ ہو جائے جفا کی
خدا کے روبرو انصاف ہوگا	وفا کی کس نے اور کس نے جفا کی
کسی دن تجکو لے ڈوبے گی اے دل	محبت اُس بتِ نا آشنا کی
حسیں پھیلائیں اُسکے سامنے ہاتھ	زہے طالع زہے قسمت حنا کی

حمید

حمید ۔ منشی رمضان علی خاں لکھنوی اوائلِ مشقِ سخن میں چند غزلیں جناب تدبیر الدولہ اسیر مرحوم کو دکھائی تھیں پھر جناب اُس مرحوم سے تلمذ اختیار کیا۔ یہ اُنکے اشعار ہیں

روز ہم آن کے تقدیر کو رو جاتے ہیں	وہ کہانی میری سُنتے ہیں تو سو جاتے ہیں
عمل نیک ہے وہ تخم کہ پھلتا ہے سدا	اسی دانے کو جو دانا ہیں وہ بو جاتے ہیں
ہوکے ناراض بُرا مجکو کہو گالیاں دو	سب کہو پر نہ یہ تم منہ سے کہو جاتے ہیں
بے رُخی کی بھی کوئی حد ہے تمھیں منصف ہو	منتیں ہم تو کریں تم یہ کہو جاتے ہیں

رہا بستہ سدا کوئے بتاں میں	لگے گا خاک دل باغِ جناں میں
ہم اور ظلم کا اُنکے شکوہ کرینگے	وہ جو کچھ کرینگے سو اچھا کرینگے

حمید – حمید۔ قاضی حمید الدین پروفیسر باشندۂ علی پور نواحِ کلکتہ۔ نہ زیادہ حالات کا پتہ ملا نہ کچھ کلام ہی دستیاب ہوا صرف تین شعر ہاتھ لگے جو زیبِ تذکرہ کیے جاتے ہیں۔

غمزہ یہ کہہ رہا ہے کسیکی نگاہ سے	بچکر نجانے پائے کوئی جلوہ گاہ سے
آنکھوں میں ہے خمار پریشاں ہیں موئے سر	نکلا ہے کس ادا سے کوئی خوابگاہ سے
پیرِ مغاں کے وصف سنائینگے بادہ خوار	کیا پوچھتے ہو زاہدِ گم کردہ راہ سے

حمید – حمید۔ عبدالحمید خان نام پیچ آباد کے رہنے والے۔ غزل نہیں کہتے مگر فارسی مثنویات کے اکثر تراجم اُردو اور پشتو زبان میں آپنے کیے ہیں۔ فارسی اور پشتو کی مہارت خوب ہے مثنوی معنوی کا ترجمہ بھی مُرتب کیا ہے مگر چھپا نہیں ہے۔ مثنوی بو علی قلندر کا ترجمہ چھپ گیا ہے اُسی کے چند شعر نمونۃً لکھے جاتے ہیں۔

آفریں اے بلبلِ باغ کہن	مجکو باور ہے سبھی نیر اسخن
اے مرے بلبل کرم کی کر نظر	اُس گلِ رعنا کی دے مجکو خبر
آفریں اے میرے قاصد آفریں	تجھسے پہنچا مجکو جانِ نازنیں
ہُدہُد فرخ نشاں صد آفریں	طوطی شیریں بیاں صد آفریں
دم میں تو ہفت آسماں کو طے کرے	مرکبِ حرص و ہوا کو پے کرے
دم بدم روشن کرے دل میں چراغ	عشق کا تو ہی لگائے دلمیں باغ

حنا – حنا۔ منشی عبدالکریم خان خلفِ سرور خان لکھنوی شاگرد میر وزیر صبا واجد علیشاہ کے زمانے میں تھے سُنا ہے کہ دیوان بھی مُرتب ہو گیا تھا۔ بہرحال یہ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

یہاں تلک وعدۂ فردا ہیں فردا ٹھیرا	حشر پر وصل بُت حور لقا کا ٹھیرا

لیگئی کھینچ کے وحشت مجھے اُس وادی میں
آدمی کیا نہ جہاں خوف سے سایہ ٹھیرا

اللہ رے صعوبتِ طولِ شبِ فراق
کھچتا رہا رگوں سے مری دم تمام شب

سیر کیجیے تو ذرا خانۂ دل کی میرے
کیا عجب ہے تمھیں آجائے یہ تعمیر پسند

جب سے اُس یوسف لقا کو دل دیا ہے آشنا
سورۂ یوسف زباں پر ہے زلیخا ہاتھ میں

ہو کبھی دشمن کو بھی یا رب نہ دشمن سے نصیب
رنج جو پہنچے ہیں مجکو دلربا کے ہاتھ سے

حنیف - صاحبزادہ محمد حنیف خان خلف ارشد صاحبزادہ محمد محمود خاں صاحب نہور جنگ عزیزوائی ٹونک تلمیذ حضرت مضطر۔ ان کے والد ناظم سائرات ریاست ہیں اور یہ خود بھی حاکم عدالتِ دیوانی ہیں ۳۵-۳۶ برس کی عمر ہے۔ خوش وضع زندہ دل شخص ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

بلبل کے جذبِ عشق نے کچھ تو اثر کیا
صیاد نے قفس پہ چڑھائے چمن کے پھول

بیٹھے ہیں بزمِ یار میں اغیار اے حنیف
قدرت خدا کی خار بنے ہیں چمن کے پھول

عجب کیا ہے وفا کا نام ہی اٹھ جائے دنیا سے
اگر دو چار بھی ایسے ہوں جیسے بیوفا تم ہو

حقیقت میں نہیں ہے لذتیں ہیں عشق کی ورنہ
محبت میں دھرا کیا ہے محبت کا مزا تم ہو

وفائے وعدۂ دیدار کا وہ کون موقع ہے
قیامت میں تو لاکھوں ہونگے صورت دیکھنے والے

حیا - طوطی شکرستانِ خوش مقالی۔ بلبلِ بستانِ نازک خیالی۔ فروغِ دودۂ شاہی جہانبانی ضیائے خانوادۂ گورگانی۔ صاحبِ عالم و عالمیان میرزا رحیم الدین حیا دہلوی مرحوم و مغفور دلی کا قلعۂ معلی جہاں اُردو نے جنم لیا تھا وہیں آپ سنہ ۱۲۱۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ میرزا کریم الدین رسا نبیرۂ شاہ عالم ثانی آپکے والد ماجد تھے۔ جو خود بھی ایک نہایت کہنہ مشق اور خوش گو شاعر گزرے ہیں۔ چنانچہ آپ کو بھی اوائل عمری سے شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا اور حضرت شاہ نصیر رحمت اللہ علیہ کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

خاندانِ تیموریہ میں آپ بہت اچھا کہنے والے شاعر ہوئے تھے۔ طبیعت کی شوخی اور مضمون

آفرینی کے ساتھ زود گوئی اور فکر رسا بھی رکھتے تھے۔ اِسکے علاوہ نہایت نیک طینت خلیق اور با مروّت انسان تھے۔ کلام میں عالم ضعیفی تک جوانی کا سا زور طبع دکھاتے رہے اِنکے جوش میں دریا کی سی روانی تھی۔ اور کسی وقت فکر سخن سے خالی نہ رہتے تھے۔ بلند پروازی کے علاوہ کلام میں ایک خاص بات قابلِ ذکر یہ تھی کہ شعر میں قافیے اور ردیف کی چسپیدگی کے ساتھ اکثر ردیف کا کوئی نہ کوئی ایسا نیا پہلو چمکاتے تھے جس سے سامعین داد دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ طبیعت کچھ ایسی جدت خیز اور معانی آفرین پائی تھی کہ جس میں شوخی اور سادگی دونو متضاد صفتیں جمع ہو گئی تھیں۔ شطرنج ہمیشہ کھیلتے تھے ولایت سے جسقدر مشکل نقشے آئے آپنے انکو حل کیا۔ اس فن میں حکیم شرافت علیخاں سے آپ مستفیض ہوئے تھے۔ ستار نوازی میں بھی کمال حاصل تھا۔ غدر سے کچھ پیشتر بنارس کا سفر کیا۔ راستے میں کچھ روز نواب یوسف علیخان والئی رامپور کے ہاں بھی مہمان رہے اور نواب نے بڑے تکلف سے میزبانی کی۔ پہلا دیوان جسپر میرزا غالب اور صہبائی مغفور نے تقریظیں لکھی ہیں غدر سے پہلے دلی میں چھپا تھا۔ جو راقم السطور کے کتبخانے میں موجود ہے۔ غدر کے بعد جب قلعہ کا نقشہ ہی بگڑ گیا تو صاحب عالم مستقل طور سے رامپور چلے گئے۔ نواب کلب علیخاں نے بھی بڑی نوازش کا برتاؤ کیا اور اپنا مصاحب خاص بنا لیا آپ مدۃ العمر وہیں رہے۔ چنانچہ دوسرا دیوان نواب محمود علیخاں نے مرتب کرایا۔ اب دو دیوان اور ایک واسوخت آپکی یادگار سے موجود ہیں۔ نواب کلب علیخاں کی وفات کے آٹھ یوم بعد ۱۳۰۲ھ میں ۹۴ سال کی عمر پاکر اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ میرزا صاحب مرحوم کثیر العیال تھے۔ میرزا نصیر الدین ضیا اور میرزا ولی الدین فدا وغیرہ ۵ صاحبزادے ابتک حیات ہیں جن میں سے اکثر کو اب بھی سرکار رامپور سے وظیفہ ملتا ہے۔ آپکے خاندان میں شعر گوئی اور شطرنج بازی کا شوق ابتک جاری ہے اور خوب ہے۔ سُنا ہے کہ میرزا حیا کا ایک تیسرا دیوان راجپوتانے کے سفر میں تلف ہو گیا تھا۔ اور آخر عمر میں اُنھوں نے

جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ایک دیوان سے کم نہیں ہے۔ مگر اُسکے چھپنے کی اب کوئی ظاہرا امید نہیں ہے۔ راقم تذکرہ نے بے انتہا کوشش اور تلاش کے بعد دیوان دوم کی کچھ غزلیں دستیاب کیں۔ چنانچہ دونوں دیوانوں کا انتخاب ضیافت طبع شائقین نکتہ سنج کے لیے درج ذیل کیا جاتا ہے ✤ (از دیوان اوّل مطبوعہ ۱۲۷۰ھ)

خالق نے اپنا جلوۂ قدرت دکھا دیا
سینہ سے داغ عشق مجازی مٹا دیا

اللہ رے دستگیری ہم پیدا کیئے کی شرم
بخشا اُسی کو جسنے سر اپنا جھکا دیا

نہ پوچھو ہمدمو کٹتا شب تاریک ہجراں کا
دم شمشیر تھا گردن پہ ہر دم خم گریباں کا

جنوں یہ کشمکش ہے عبث ہے تجکو زنداں میں
چھڑا دے قید سے ہمکو تو رستہ لیں بیاباں کا

عدو کیا جانے کیا ہے کہتے ہیں اِسکو اور وہ کیا ہے
ہمارے دل سے پوچھو لطف کا وشہائے پنہاں کا

دیکھنے پائے نہ دل بھر کے قیامت ہیں اُسے
روز محشر وصل کی شب کے برابر ہو گیا

التجائے غیر بھی کی ظلم بھی اُنکے سہے
اُس پہ کہتے ہیں کہ تو کہنے سے باہر ہو گیا

کون کہتا ہے کہ لیلیٰ سے محبت تھی اُسے
قیس دیوانہ مرا افسانہ سن کر ہو گیا

اب نہیں کرنیکے الفت جانتے ہیں یہ انساں ہیں
اے فلک یہ جرم ہمسے ہو گیا گر گیا

اک نہ اک دن جان جانی آخرش یونہی جیا
مر گئے اُس پر تو اُسکے دل ہی میں گھر ہو گیا

بن ترے کل قتل کا گلشن میں ساماں ہو گیا
شاخ گل ناوک بنی ہر غنچہ پیکاں ہو گیا

دن میں سو سو مرتبہ ہوتا ہے ٹکڑے چارہ گر
کیا بلا چاک جگر چاک گریباں ہو گیا

جی کو تسکیں دیں جگر پہ ہاتھ رکھیں کیا کریں
دل کے ہاتھوں غم پہ غم ارماں پہ ارماں ہو گیا

دل گیا تو غیر سے یاں دل کی حسرت مٹ گئی
اب ترا ملنا نہ ملنا ہمکو یکساں ہو گیا

سایہ در و دیوار کا دشمن ہے ہمارا
اُس پر بھی گلی میں تری مسکن ہے ہمارا

ملا کے خاک میں کہتے ہیں مجکو۔ تھا یہ کون؟
جو رہگذر میں مرے آ کے پائمال ہوا

عدو کے ہاتھ سے پینے لگے وہ مے اب تو
حرام موت بھی مرنا ہمیں ملال ہوا

دم موت ہجر میں آئی نہ مجکو خواب آیا
پس از فنا مرے لاشہ کو پائمال کیا
تصور رات بھر تیری دل پہ دھری رہی
ہاں پیک قضا کا ہے تقاضا مرے سر پر
نہیں ہیں قابل لطف وکرم تو لے ظالم
مریض درد محبت کا دل نہ توڑ اپنے
سچ ہے پہ جلانا مرا نہیں منظور
بوسۂ لب بھی لیا جان پھر اُس پہ بچی
حاصل دل بیتاب تڑپنے سے نہیں کچھ
کیوں محو تماشا ہے مری لاش پہ عالم
لاش عدو کے کل اُٹھیں ہمراہ دیکھکر
کھلی نہ آنکھ ترے کشتۂ تغافل کی
بھری ہیں آن کے سینہ میں حسرتیں ایسی
قرار آہی گیا غم میں دل سنبھل ہی گیا
خدا ہی ہے کہ رہے توبہ کیسے جانے تک
سزا یہی تھی کہ چھڑکا بتوں نے اور نمک
وہ بات ہی نہ رہی ذکر غیر آتے ہی
یہانتک ہیں دل کے ہاتھ سے مجبور ہو گیا
ہاتھوں سے تیرے کاوش مژگان خنجر گر
آہ جانی ہے مگر عقدۂ وابستۂ دل
شکم گویائی نہیں اسکو نسیم سحری

یہ کس عذاب میں ہوں میں یہ کیا عذاب آیا
یہ دل میں کیا ترے اسے خانماں خراب آیا
سینہ پہ بھی لٹانے کا ارمان نکل گیا
قاصد ابھی وہاں سے نظر آتا نہیں آتا
ستم بھی محبت پہ نکر رحم گر نہیں آتا
نہیں تو منہ سے نہ کر تو اگر نہیں آتا
مرے جنازے پہ وہ جان کر نہیں آتا
آبحیواں کے بھی پینے سے میں زندہ نہ رہا
معشوق کے آنے پہ اجارا نہیں ہوتا
کہدو کوئی مرتا ہے تماشا نہیں ہوتا
کیا کیا نہ ہمکو مرنے کا ارمان آگیا
ہزار شور قیامت اُسے پکار آیا
کہ اب ٹھکانا نہیں دم کے بھی سمانے کا
گئے وہ دن کہ جو تھا فکر جان جانے کا
قدم قدم ہے تصور نشتر اٹھانے کا
مزا یہی تھا مرے زخم دل دکھانے کا
وہ وقت ہی نہ رہا اُلفت آزمانے کا
جو جس نے کہدیا سب مجھے منظور ہو گیا
جس جس جگہ پہ داغ تھا ناسور ہو گیا
جز صبا کس پہ کھلے رنج و محن غنچہ کا
ورنہ لبریز شکایت ہے دہن غنچہ کا

جوابِ نامہ فرشتوں سے گور میں مانگا
پس از فنا بھی مرا دھیان نامہ بر میں رہا

بدلہ عدو سے یوں ستم بے شمار کا
گر آسماں بنے مرے مشتِ غبار کا

بُت پرستی میں میسر ہے خدا کا دیدار
کچھ نہیں ہے مرے نزدیک مسلماں ہونا

ناصحا عشق نہ ہوتا مجھے سودا ہوتا
ہر طرح گھر سے نکلنا مری تقدیر میں تھا

لاغری سے اب تو یہ عالم ہے جسمِ زار کا
اپنے سایہ میں چھپا لے مجکو سایہ خار کا

جرمِ بیجا اور بھی ہیں اک گنہ یہ بھی سہی
میری ہی گردن پہ ہو اے کاش خونِ اغیار کا

چین کا ہیکو پڑیگا بعد مردن گور میں
یاد آئیگا تڑپنا دن میں سو سو بار کا

ہوئی لبوں کو یہ جنبش کہ بس عتاب ہوا
تمھارا نام نہ لینا ہوا عذاب ہوا

وہ پوچھتے ہیں کہ ہوتی ہے آشنائی کیا؟
بتا! وفا کسے کہتے ہیں یہ بیوفائی کیا؟

چراغِ تربتِ مجنوں پہ آج روشن ہے
جنوں! بتا تو کسی کی مراد آئی کیا؟

کہے جتنے سے یہ اے حیا وہ آئینہ رو
ہوئی صفائی نہ دل سے تو پھر صفائی کیا؟

الاماں کی در و دیوار سے آتی ہے صدا
کس نے زخمِ جگرِ عاشقِ بیدل کھولا

ہوسِ عشق نہ تھی دلمیں تو کیوں لیلی نے
قیس کے دیکھنے کو پردۂ محمل کھولا

عجب نہیں ہے جو وقت مردن ہماری موت آئے حور بنکر
کہ ہم بھی رکھتے ہیں عشق در پردہ دلمیں اِک شوخ نازنیں کا

خدا کی اسوقت ہو محبت نہیں ہے یہ مقتضائے اُلفت
کہ اپنی آنکھوں میں وقتِ رحلت جمال پھرتا ہے اک حسیں کا

جب تک مریضِ غم کی تری زندگی رہی
خونِ جگر کا چشم سے ٹپکا لگا رہا

سفرِ ملکِ عدم راس تو اے دل آیا
کہ وہ پہنچانے مجھے اوّلِ منزل آیا

ابتدائے صدمۂ فرقت میں لینی تھی خبر
ٹنگئی جب جان برلب پوچھنے ہو کیا ہوا

پھانس سا دل میں کھٹکتا ہے ہر اک تارِ نفس
سانس بھی سینے میں تجھ بن نوکِ سوزن ہوگیا

سوزِ دل ہی کام آیا کنجِ تنہائی میں رات نالۂ سوزاں ہمارا شمع روشن بنگیا
کیا خدا لگتی کہے کوئی کہ ہے انصاف شرط یک نگاہِ ناز وصنم عالم برہمن بنگیا
کرکے توبہ تو ابھی اسلام لایا تھا دلا اور ابھی کیا اسمیں دیکھا جو برہمن بنگیا
طائرِ فکرِ سخن کی نغمہ سنجی کو حیا مصرعۂ موزوں مرا شاخِ نشیمن بنگیا
رہ چکی اب شبِ غم جان کہ اس ظالم نے وعدۂ وصل قیامت کی سحر پر رکھا
دلِ بیتاب نے تجھ بن نہ دیا چین مجھے رات بھر شورِ قیامت مرے سر پر رکھا
اور بھی ڈھنگ نکالا کوئی ملنے کا حیا یا فقط جذبۂ الفت کے اثر پر رکھا
ہم بھی دیکھیں گے کہ آنا ترا کیونکر نہ ہوا یہ بھی اک کھیل ہوا فتنۂ محشر نہ ہوا
خدا کے نام پہ کیا کیا اُسے گماں ہوتا قیامت آتی دمِ نزع گر وہ یہاں ہوتا
زاہدا! تجکو مبارک ہو طوافِ کعبہ پھرنا کافی ہے ہمیں پیش وپس جامِ شراب
مر مر کے ہمنے رشکِ مسیحا کیا تمھیں ہم سے رکھیں دماغ سرِ آسمان آپ
کبھی مجکو بھی یارب چین ہوگا یہ جائینگی مری بے تابیاں کب
پسِ وصال میسر مجھے وصال ہوا مرے جنازے پہ بیٹھے رہے وہ ساری رات
جگر کو تھام کے دلکو دیا جو صبر تو کیا تڑپ تڑپ کے گزاری تو کیا گزاری رات
وہ ناتواں ہوں کہ آیا نظر نہ موت کو میں قضا پھری مرے بستر کے گرد ساری رات
سچ بتا کیا تجھے آیا غمِ دلدار پسند جانِ ناشاد خوش آئی کہ دلِ زار پسند
کھُلیگی حشر کو بلبل کی جب زبان صیاد تو اپنی جان چھپائیگا تو کہاں صیاد
اسیرِ دامِ محبت ہے سو بلا میں اسیر قفس سے کم نہیں بلبل کو آشیاں صیاد
کیا اعتبار دین کا عاشق کے زاہدا یاد آئے ہے خدا بھی تو کافر کو دیکھکر
نظارہ ہی کرنے دے دم بھر تہِ خنجر آنکھوں پہ نہ رکھ ہاتھ ستمگر تہِ خنجر
رسوا نہ کیا خون میں بھر کر تجھے قاتل تڑپا نہ مرا لاشۂ بے سر تہِ خنجر

انتقامِ ظلم کا محشر کو دعوی ہے مگر
چپکے ہی رہجائینگے صورت تمھاری دیکھکر

وائے حال اُسکا کہ جسکو مدتیں یونہی ہوئیں
تم ابھی گھبرائیے دل کی بیقراری دیکھکر

پاسِ ناموسِ محبت ہو تو غیرت کی ہے جا
اور کو چاہے ترا چاہنے والا ہوکر

ترے نزدیک ای زاہد بتانِ ہند کافر ہیں
مرے آگے خدا کا سجدہ ہو تو لٹکے دامن

الفت کا امتحاں ہے اگر انتظار پر
سو جان نثار وعدۂ دیدارِ یار پر

آئی تھی دل میں آئے تو جانے نہ دیجیے
یہ بھی پہنچ گئی خبر اس بیخبر کے پاس

اب بجز یاس نہیں کوئی دلِ زار کے پاس
آنا باقی ہے قضا کا ترے بیمار کے پاس

کس گھڑی سے تجھے چاہا تھا ستمگر ہیں
کہ کبھی چین نہ آیا دلِ غمخوار کے پاس

کوئی اتنا نہیں کہنے کو الفت کسکو کہتے ہیں
یہ خبر چاہیے محبت کا ترے بیمارِ ہجراں تک

کہو کہ الفت نبھے یہ کیونکر کہ ضد ہے دونوں طرف برابر
وہاں قرارِ وصال آخر یہاں قرارِ وصال اوّل

ملے جو ٹھوکر سے خاک میں ہم تو اُس کا باعث ہوا یہ عالم
وگرنہ کب دیکھتے تھے ہر دم تم اپنی مڑ مڑ کے چال اوّل

اک گفتۂ رقیب اور اک آپ کی سمجھ
دشمن سے جا کے شکوہ تمھارا کرینگے ہم

قتل کر جلد کہ پُر حسرت و ارماں ہوں میں
اے مری جان کے خواہاں ترا خواہاں ہوں میں

ہائے کیا محوِ جمالِ رخِ جاناں ہوں میں
آ ابھی آئینہ ہوں آپ ہی حیراں ہوں میں

ناز اُٹھائے نہ ترے کیا جو یہ تو کہتا ہو
چاہنے والوں کے منہ اور ہوا کرتے ہیں

خوش ابھی آہِ سرد سے کیا کیا نہیں نہیں
دوزخ ملا تو اُس میں بھی جلتا نہیں تمھیں

نفس کی آمد و شد سے کشاکش تھی الٰہی ہیں
قیامت تھی مرے سر پر شبِ تاریکِ ہجراں میں

میں یہاں جائیو یاں آتے ہیں یاں سے وہ واں
شوق دونوں کو ملاقات مقدر میں نہیں

تم جو کہتے ہو کہ غیر آپکو کیا کہتے ہیں؟
اپنی عادت سے ہیں لاچار بجا کہتے ہیں

قتل ہونے کو سمجھتے ہیں حیاتِ جاوید
آبِ شمشیر کو ہم آبِ بقا کہتے ہیں

ہم پئیں خونِ جگر غیر پئے ساغرِ مے
اسے کیا کہتے ہیں ظالم اسے کیا کہتے ہیں

کن کے پالے مجھے ڈالا ہے خدایا تو نے
گھولکر زہر پلاتے ہیں دوا کہتے ہیں

پھر کہوگے کہ مرا دھیان نہیں اور طرف
آپ کیا سنتے ہیں ہم آپسے کیا کہتے ہیں

اے جذبِ عشق جان میں تجھ پر فدا کروں
گر اُنکے دلمیں آئے کہ وعدہ وفا کروں

جستجو ہے مجھے اُسکی جسے پا بھی نسکوں
وہ تمنا ہے کہ جو دل سے ہٹا بھی نسکوں

آدمی ہوں نہیں پتھر کا کلیجہ میرا
اسقدر تو نہ ستم کر کہ اُٹھا بھی نسکوں

زندہ ہوں مُردہ سے بدتر کہ بجز دوشِ صبا
میں دریا پار تلک آپ سے جا بھی نسکوں

دی ہے کس بت کی محبت یہ خدایا تو نے
وہ مجھے دل سے بھلائے ہیں بُھلا بھی نسکوں

حلقہ ہائے خمِ زنجیرِ محبت تیرے
پاؤں پڑ کر ہمیں لائے ہیں تو ہم آئے ہیں

ہمکو تو صبر کبھی آئیگا اے جذبۂ دل
وہ کہیں آئیں ہم اور ہم کہیں منظور نہیں

بجز شبِ عیش نہیں چارۂ دردِ ہجران
بجز وصال اور علاجِ دلِ رنجور نہیں

وعدۂ وصل کرے کیوں وہ ستمگر کہ اُسے
دل کسی طرح سے رکھنا مرا منظور نہیں

دل مرا اُلفت میں سرتاپا تمنا بن گیا
رنجشیں غم کی بھریں جتنی سب ارماں ہو گئیں

جو جفائیں غیر پر کرنی انہیں منظور تھیں
وہ بھی قسمت سے ہمیں پر روزِ ہجراں ہو گئیں

چارہ گر نے جو مرے سینہ سے کھینچا پیکان
لختِ دل ساتھ نکل آئے لپٹ کر لاکھوں

ہنگامہ نہ کیوں ہو تری رفتار سے برپا
محشر جو خدا کو یونہی منظورِ نظر ہو

مرنے کی جو ٹھانونگا تو میں آپ مرونگا
اے موت تجھے کیا نہ تو اتنا مرے سر ہو

بادہ نوشوں کو نہ رلوا میکدے کو توڑ کر
کوئی دن رہنے دے زاہد کعبہ کی بنیاد کو

ہزار توبہ کروں اس کا کیا علاج کروں
جبکہ اوں سجدے ہیں سرِ دل خمِ شرابِ عشق

روزِ محشر کی درازی اسقدر تھی مختصر
دیکھنے پائے نظر بھر کر نہ ہم دلدار کو

ہمسے بیتاب تمنا حشر ہیں گر جائینگے
نہ بلائے اس سے مجھے خدا ہی آپکا تو کام تھا
یاں نالے ہیں اثر ہے تو ہونیکا کچھ نہیں
رہنے بھی دو یونہی مرے حالِ خراب کو
جیتا نہ پائے گر تو مجھے آکے نامہ بر
لبوں تک آئے ہیں نالے وہ آہ نہیں سکتے
کہاں وہ شوخِ ستمگر کہاں مرا پہلو
تمہارے وعدے سے تسکین ہے گو وہ جھوٹ سہی
محبت اِسکو کہتے ہیں تری خاطر سے اظلام
بتوں سے اب رہ و رسمِ پیام کیونکر ہو
زمیں سے اُگتا وہاں لالہ زار کیوں نہ رہے
رہے جو پاس تو چشم اشکبار کیوں نہ رہے
جفا سہی تھی تو دشمن کے کیوں بنے دشمن

ایک کی سُننے نہ دینگے داور داوار کو
وہی اب ہیں آپ ہی حیا متقین یاد ہو نہ یاد ہو
واں اُنکے دلمیں غیر کی اُلفت ہی ہی تو ہو
جینے دو کوئی دن کسی حسرت مآب کو
پڑھیو بجائے فاتحہ خط کے جواب کو
اُنھیں کو راز کا پردہ نہو تو کیوں کر ہو
سمجھ سے بات ہے باہر یہ ہو تو کیونکر ہو
اگر نہ اتنا بھی تم دل رکھو تو کیونکر ہو
اُٹھا لیتے ہیں ہم احسان سمجھکر ظلمِ دشمن کو
خدا جو کام بگاڑے وہ کام کیونکر ہو
جہاں گڑیں ترے کشتے بہار کیوں نہ رہے
بنے جو دل پہ تو جاں بیقرار کیوں نہ رہے
وہ چاہتے تھے تو تم دوستدار کیوں نہ رہے

مل گئے گر خاک میں تو کیا ہوا
بے نشانوں کی نشانی اور ہے

ستم یہ ہے کہ وہ ہمپر تمام ہوتے ہیں
آئینہ دیکھتے ہو تم مجھے ڈر رہتا ہے
دامن اُس شوخ ستمگر کا نہ چھوڑونگا میں
اے صبا خاک ہماری بھی وہاں تک پہنچا
دل ترا غیر پہ آئے کاش کہ شیدا ہو جائے
عشق وہ شے ہے کہ تاثیر اسے ہو تو ہو وہ
جا پہنچے جان شبِ غم میں کہیں حیا عذاب

ستم جو چاہیں دشمن کے امتحاں کیلیے
اسکے پرتو سے کہیں رنگ نہ میلا ہو جائے
آج جو ہو مری تقدیر کا ہونا ہو جائے
بے ٹھکانے ہیں ہمارا بھی ٹھکانا ہو جائے
میرا سا حال ہو میری سی تمنا ہو جائے
بتوں میں ناپید تو اُلفت مری پیدا ہو جائے
کام تیرا دلِ ناکام تمنا ہو جائے

دل جگر سینے میں بے آگ جلے جاتے ہیں
پھونکے دیتی ہے مری آہ شرربار مجھے

شوقِ نظارہ دمِ نزع بھی ہے یار مجھے
مرنے دیتی ہی نہیں حسرتِ دیدار مجھے

خاک ہو کر ترے کوچہ میں اُڑا پھرتا ہوں
اب بھی پھرتی ہے لیے حسرتِ دیدار مجھے

گر یہی دل کی طپش ہے تو خدا خیر کرے
رات کٹتی نظر آتی نہیں زنہار مجھے

نازبردارِ محبت کا نہ دل توڑنا تھا
ترک کرنا تھا جفا کو نہ کہ اے یار مجھے

کھوٹے داموں کوئی لیوے تو میں دوں تجکو
کہ بہت تو نے ستایا ہے دلِ زار مجھے

پوچھے گر حال مرا داورِ محشر سو بار
تو بھی شکوہ نہ ترا مجھسے ستمگر ہووے

دشمنِ جان تو اپنے بتِ بیگانے تھے
دلِ بیتاب کو ٹکڑے مرے اُڑوانے تھے

دستِ گل خوردہ عدو کو ہمیں دکھلانے تھے
ہاتھ خالی بھی تو دنیا سے نہ لیجانے تھے

ہائے اُسکی درو دیوار سے باتیں کرنی
ہمتو اپنے دلِ بیتاب کے دیوانے تھے

شعلۂ آتش فشاں ہے برق ہی سیماب ہے
دیکھو تم لیلو کہ یہ بھی چیز اک نایاب ہے

آئینہ دشمن کو دکھلاؤ کہ ہو غیرت سے غرق
تم نہ دیکھو اسکو اس میں قحطِ آدم آب ہے

آدیدۂ تر سر سے گزرنے کو ہی پانی
میرا ہی ڈبونا تجھے منظورِ نظر ہے

پہنچانے چلے وہ تو ہوا ساتھ زمانہ
ہنگامۂ محشر مرے ہنگامِ سفر ہے

گو آپ یہ کہویں کہ نہیں کچھ مجھے منظور
وہ میری نظر میں ہے جو منظورِ نظر ہے

قرارِ وصل پہ منہ سے نہیں تو کی تو نے
ہزار شکر کہ لائق تری نہیں کے ہوئے

دم توڑ لیا جو ملکِ عدم کو پہنچ گئے
چکر سے تیرے گردشِ دوراں نکل گئے

ہنستے ہوئے ہستی کے چمن سے نکل آئے
اچھا ہوا ہم رنج و محن سے نکل آئے

وحشت اسے کہتے ہیں پس از مرگ بھی ہم
تار اپنے گریبانِ کفن سے نکل آئے

سختیٔ جگرِ اشک کی سنکر مرے تعریف
معدن سے گہر لعل یمن سے نکل آئے

دیکھا نہ گیا چشمِ عدو پر ترا دامن
منہ ڈھانک کے ہم اپنا کفن سے نکل آئے

آتے ہی آتے موت کے یہاں عمر ہو چکی
دل میرا دیکھتا کہ ترے رنج کے لیے
پہنچا دیا فراد کو حسرت نے قید کی
انساں کو لاکھ طرح کا ہو عیش ای حیا
یہاں رنج ہجر تھا تو لحد میں ہو خوف حشر
دیا فراق سدا وصل یار کے بدلے
مر جائینگے پر عشق ہم اصلا نہ کرینگے
لب تر کیا نہ آبلۂ پا سے نے خار کا
کافر ہوں گر چہ دل میں ہو جینے کی آرزو
نگاہ غور سے گر سیتے ہیں دیکھئے دل کو
ناتوانی کے سبب بیٹھتے اٹھتے ہر بار
مژدہ اے ولولۂ جوش جنوں آئی مراد
شعلہ ہو گھر سے نکلتے نہیں از خود انکو

جو ہے سو میری جان کو غفلت شعار ہے
مرنا رقیب کا بھی مجھے ناگوار ہے
آنکھوں کی راہ جان پر ارماں نکل گئی
پر دیکھئے تو شان کی تقدیر دیکھئے
ہم تو کسی طرح سے نہ چھوٹے عذاب سے
لیئے فلک نے یہ کس روزگار کے بدلے
جیتے ہیں تو دل کا بھی کہنا نہ کرینگے
شرمندگی ہوئی مجھے صحرا کے سامنے
ہم کیا کرینگے جا کے مسیحا کے سامنے
کبھی لیلی کے نہ مجنوں پس محمل آئے
ہم ترے کوچہ میں ای یار بمشکل آئے
کہ وہ میرے لیئے خود لیکے سلاسل آئے
ہوس گرمی بازار لیئے پھرتی ہے

پڑے اس میں جو مشت خاک عاشق
دیا آنگے رقیبوں سے کہ خدا انکو
موت ہی چارہ ساز فرقت ہے
ہر قت تیر لوح تربت ہے
ہو چکا وصل وقت رخصت ہے
روز کی داد کون دیوے گا
کارواں عمر کا ہے رخت بدوش
سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہے

تو دریا ہو بندہ بھر پانی کو ترسے
خدا سمجھے ہمارے نامہ بر سے
رنج مرنے کا مجھکو راحت ہے
بعد مردن بھی یہ عداوت ہے
اے اجل جلد آ کہ فرصت ہے
ظلم کرنا تمھاری عادت ہے
ہر نفس بانگ کوس رحلت ہے
دم نکلتا نہیں مصیبت ہے

تم بھی اپنے حیا کو دیکھ آؤ

ہزار جان سے صدقے ہزار دل سے فدا
یارب وہ دن دکھا کہ بہت مبتلا ہیں وہ
عیسیٰ سے پہلے کشتے ترے کون جلائے
جانبر سے جاتے ہیں جو گھر اپنے وہ جذبِ دل
یونہیں مٹا نا ہے خوب شعر کا ورنہ دیکھے گا وان ناز
حیا کہوا تیا بن چلن سے تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش
تجھے غرض نہ کرنے سے کیا مگر یہ مطلب اس بہانے
مصیبتیں بھی سہی ہیں سب نے ہوئی ہے الفت میں سب کو حسرت
حیا کی جان جگر پہ سہتے نہ ظلم توڑا تری گلی میں
چشمِ حسرت سے عدو کیا سر بسر دیکھا کیے
اک سہارا وعدۂ امروز و فردا کا رہا
غیر و نیز لطف کرکے نہ ہر دم دکھا مجھے
دیتا ہے امتحانِ محبت مزا مجھے
شوقِ وصالِ یار نہ ہر دم دلا مجھے
میں جانتا تھا یہ کہ مرے ساتھ ہی یہ وضع
لوٹا کروں میں بسترِ ہجراں پہ تا سحر
دلِ حیرت زدہ چھپکائے ہمارا کیا آنکھ
آنے سے دیکھا تو اک آفت نظر آئی
وہ تہمت نمک افشاں جو ہوا سینہ پہ میرے
اس بت کی تو تیغ جو ہیں سر کو جھکایا

آج اسکی کچھ اور حالت ہے

ہم اپنے شوخ بت شرمگیں کے اوپر سے
اور ہم کہیں کہ شوخ سمن بر پھر آئیں گے
ناحق اب آسماں سے اتر کر پھر آئینگے
تاثیر تجھ میں ہے تو پلٹ کر پھر آئینگے
چلیگی جو کچھ کہ روزِ محشر ہماری تم سے تمہاری ہم سے
کہ دوستی اتنا تک بھی ہے شر ہماری تم سے تمہاری ہم سے
اٹھانے آیا ہے ناصحا تو بھی ہم الفت کے ڈھنگ ہم سے
الٰہی میں کس غم اب میں کہ فرصت کا دم نہیں ہے ہم
کسی سے بولا نہ مرتے مرتے وہ تھا ہی کچھ خوب دم
دیر تک زخمِ جگر کو چارہ گر دیکھا کیے
ہم تو یوں ہی جذبۂ دل کا اثر دیکھا کیے
کھوتا ہے اپنے ہاتھ سے کیوں دلربا مجھے
جی چاہے جب تلک ترا تو آزما مجھے
جینے دے کوئی دن فلکِ فتنہ زا مجھے
حالِ رقیب دیکھ کے صبر آگیا مجھے
اے چرخ اس سے خاک ہی میں تو ملا مجھے
چشمِ آئینہ میں خواب آئے یہ کیا ممکن ہے
مرنے بھی نہ پائے کہ قیامت نظر آئی
زخموں کی جراحت سے مجھے راحت نظر آئی
جنت مجھے ہنگامِ شہادت نظر آئی

رہتے ہو کہاں ہمکو تو بتلاؤ حیا تم
سنوائی ہمدموں نے تو لیسین وقت نزع
اے چرخ اور بھی تو ہیں عاشق جہان میں
دکھلاتے پھرتے ہیں وہ زمانہ کو میری لاش
اب جان پر ملال کے لالے ہیں اے حیا
قسم کھاتا ہوں میں تمکو محبت ہی رقیبوں سے
ہنگام نزع دیتے ہیں تسکین عبث رفیق
مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں وہ حسرت سے اپنی چال
اُلٹی چھری سے ایک تو کاٹا گلا مرا
توبہ دھری رہے جو وہ آ بیٹھے اسے حیا
حالت نہ کیوں ہو غیر دل بے قرار کی
اب کیا دھرا ہے دیکھئے تو تیغ نگاہ یار
اللہ رے سوزشیں نفس شعلہ بار کی
اے چرخ ابھی ملا نہ مری خاک خاک میں
رہ رہ کے دشت گردی کی آتی ہے جی میں لہر
کس کس سے روز حشر کو دامن چھڑاؤ گے
ناکام تمنا ہوں مری آس نہ توڑو
الفت اسے کہتے ہیں کہ آپے میں نہیں تم
وعدہ کیا ہے ایک دن آنیکا یار نے
کیا جانے روز حشر کو کھلتی نہ کھلتی آنکھ
رہا نہ داغ سے خالی کبھی ہمارا جگر

مدت میں ہے آج آپکی صورت نظر آئی
اور ہم یہ دل میں سمجھے کہ خط کا جواب ہے
یا کچھ ہمارے جی کا جلانا ثواب ہے
کیسا گلی گلی مرا مُردہ خراب ہے
کہتے نہ تھے کہ دل کا لگانا عذاب ہے
نگاہِ شرمگیں رمز آشنا ہے کہے دیتی ہے چاہت کی
اب وہ کب آتے کب مرے عقدہ کشا ہوئے
اپنے خرام ناز پہ آپ ہی فدا ہوئے
تڑپا جو میں تو اور وہ الٹے خفا ہوئے
ہے کس کو اعتبار کہ تم پارسا ہوئے
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تصویر یار کی
اک جان تھی سو پہلے ہی تجھ پر نثار کی
پھونکیں ہیں ہڈیاں مرے جسم نزار کی
کھا لینے دے ہوا کوئی دن کوئے یار کی
بے چین کرتی ہیں مجھے موجیں بہار کی
لی ہیں تمہارے ناز نے جانیں ہزار کی
ٹھیرو کہ کوئی دم کے ہم اور آہ و فغاں ہے
بیٹھے مرے پہلو میں ہو دشمن کہاں ہے
وہ پھر نہیں ہیں اب نہیں برسوں گذارنے
اچھا ہوا اڑا دی جو شہید انتظار نے
چراغ عشق کا جلنا رہا سدا ہم سے

لبوں پہ جان ہے اسیر یہ کہہ نہیں سکتے
کہ اب سہا نہیں جاتا ستم ترا ہم سے

جیئے تو ہم شبِ فرقت میں پر بُرے احوال
بنی یہ شکل کہ ڈرنے لگی قضا ہم سے

محبت اب نہیں کرنیکے چرخ جانے دے
کہ آدمی ہی تو تھے ہوگئی خطا ہم سے

حیا بتوں کو ہم ایمان تک تو دے بیٹھے
رہا وہ کیا کہ جو راضی رہے خدا ہم سے

دُنیا نہیں کہ جامے سے باہر نکل پڑے
مشکل پڑے گی حشر میں گر ہم مچل پڑے

یوں سہنے کو ستم ترے سہتے ہیں غیر پر
میری طرح سہیں تو کلیجہ نکل پڑے

وہ آنکھ کیا جو روئے ہر اک بت کیواسطے
کس کام کا وہ دل کہ ہر اک جا پھسل پڑے

انتخاب از دیوانِ دوم مرزا حیا دہلوی غیر مطبوعہ

یہ جہاں گر نہ ہوتا تو یہ بات بھی نہ ہوتی
کہ پرائے دل پہ ظالم تجھے اختیار ہوتا

حشر کچھ دنیا نہیں جو ظلم وہاں ہوجائیگا
ہم بھی ہونگے تم بھی ہوگے سب عیاں ہوجائیگا

سُنتے ہیں موقوف ہونے کو ہے کعبہ کا سفر
سنگِ اسود اس کا سنگِ آستاں ہوجائیگا

یہاں تو یہ بھی تھا جفا کی چل دیا گھر چُھپ رہا
عرصۂ محشر میں ظالم تم کہاں ہوجائیگا

ہم بتادیں غیر کے ملنے کی تدبیر آپ کو
گر پڑو پاؤں پہ جاکر مہرباں ہوجائیگا

دیکھے ارمان جان کے ہمراہ لیجا لے اجل
یہ اگر رہ جائینگے مُردہ گراں ہوجائیگا

جسنے کاٹا ہی گلا محشر میں کہا یگا وہی
یہ جو خنجر ہے ترا تیری زباں ہوجائیگا

آنکھوں آنکھوں میں اشارے حشر میں ہوجائینگے
دل ہی دلمیں سب حساب دوستاں ہوجائیگا

دل تو اندھا ہوگیا ہی اُسکی اُلفت میں حیا
اسکی باتوں میں نہ آجی کا زیاں ہوجائیگا

مجھے بھی قیس جانا ہے جنونِ عشق نے شاید
زباں پر نام تو لائے مرے چاکِ گریباں کا

ہماری سخت جانی نے یہ صورت کی دمِ کُشتن
کہ اُسنے پڑ گئے منہ پھر گیا شمشیرِ براں کا

اسیرانِ محبت کی الٰہی خیر تو کیجیو
کہ بیوقت آج اُس ظالم نے کھولا قفل زنداں کا

وہ اپنی جنبشِ ابرو پہ اب افسوس کرتے ہیں
سمجھنے والا ٹکڑے ہوگیا اس رمز پنہاں کا

محبت میں عدو کی کچھ نہیں ہوش ہے حیا انکو
بیان کرتے ہیں وہ ہم سے شب عشرت کے ساماں کا

دل میں ہے کہ اٹکر میں زباں ہی پہ بھیجدوں
پیغامبر سے حال سنایا نہ جائے گا

کیا مانگتے ہو سینے میں کیا ہے دھرا ہوا
اک داغ ہے سو وہ بھی تمہارا دیا ہوا

اس کہتے ہیں اسے ساتھ لیے کہتے ہیں
دم ہمارا اترے پیکاں کے برابر نکلا

جب نالہ کھینچا آگ سی سینہ میں لگ گئی
جب آہ کی دھواں سا دہن سے نکل گیا

اپنے شکست عہد کا کچھ بھی نہیں خیال
ہم پر ستم جو شکوہ دہن سے نکل گیا

سینہ میں آج ازسر نو پھر خراش ہے
شاید کہ تیر زخم کہن سے نکل گیا

اقرار وصل کیسا وہ انکار کر چکے
جو دل میں تھا وہ اُنکے دہن سے نکل گیا

برچھیاں دل میں لگاتی ہیں نگاہیں نیچی
دیکھیے اُٹھے جو انداز نظر کیا ہوگا

لاگ وہ آگ نہیں ہے کہ بجھا دے مجھے
عشق وہ شعلہ نہیں ہے کہ جو پنہاں ہوگا

وہ جفا کیش خبر بھی نہ ہوا اور ہم نے
جان دی تھی یہ سمجھکر کہ پشیمان ہوگا

شیطان کو پیر جان کے بیعت کی شیخ نے
مرشد وہ تھے کہ لینگے ایمان مرید کا

اب کوئی دم کی ہے مہمان مری ناکامی
مژدہ اے شوق شہادت کہ وہ جلاد آیا

اے حیا ہم تو نہ محشر میں بھی منھ سے بولے
پاس رسوائی قاتل دم فریاد آیا

کیا ہوا اگر وصال یار ہوا
زیست کی طرح مستعار ہوا

وصل سے اور بڑھ گئی حسرت
صبر آیا تو بے قرار ہوا

ملتے ہیں وہ کیا کیا کف افسوس مرے بعد
نایاب بھی ایسا ہوں کہ پیدا نہیں ہوتا

دل وصل کا جویا ہے تو نظارہ کی آنکھیں
کس کس کا حیا مجھ پہ تقاضا نہیں ہوتا

جب وصل کا خیال کیا ہو گیا وصال
جب آنکھ ہم نے بند کی دیدار ہو گیا

تھے اک نگاہ میں مرے عقدے تمام حل
اتنا سا کام آپ کو دشوار ہو گیا

افسوس ہے درازی افسانہائے غم
محشر بھی ہو چکا مرا قصہ نہ ہو چکا

ہاتھ سینے پہ رہا بعدِ فنا بھی تا حشر
کرلیا وعدۂ وصل اور ملائی نہ نگاہ
یہ بات کیا ہے اجو ہر بات پہ بگڑتے ہو
نہ ہو قتل کا حشر میں کوئی شاہد
کہاں یہ تھی سرِ طور برقِ تجلّی
آج تو خاموش ہے کیوں مجھے دم دیتے ہو
ہم بھی ہنگامۂ محشر میں دہائی دینگے
نہ موت ہجر میں آئی نہ مجکو خواب آیا
آنسو نہ پوچھنے کوئی غمخوار آسکے گا
کس کس کے منہ پہ حشر میں رکھتے پھروگے ہاتھ
دیکھینگے کیا تو حشر میں اور کیا کہینگے ہم
جاگے ہوئے فراق کے چونکینگے حشر کو
اِتنے پڑینگے ہاتھ گریباں میں حشر کو
بتخانہ وہ مقام عبادت ہے زاہدا
روزِ جزا ہے آج تو ظالم نہ چوکیو
شامِ شبِ فراق مجھے موت آگئی
خاک آسماں کی آنکھوں میں ڈالی غضب کیا
ساتھ ہی دل کے جگر بھی کر ہدف
ہے یہ عصائے سبز جو واعظ کے ہاتھ میں
خواب میں رات وہ گیسو نظر آئے سمجھا
کہاں یہ اندازِ حسن ہے خدا لگی بھی کبھی کہا کر

گور میں بھی دلِ بیتاب سے ہشیار رہا
دل سے اقرار رہا آنکھ سے اِنکار رہا
یہ شیوہ کیا ہے کہ جو تم نے اختیار کیا
مگر ہم نہ چھوڑینگے دامن کسیکا
وہ تھا سایۂ روئے روشن کسیکا
ہو چکا حشر تو پھر وعدۂ فردا کیسا
تم بھی دیکھوگے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا
یہ کس عذاب میں ہوں ہیچ کیا عذاب آیا
پھر کام آسکے گا تو دلِ زار آئیگا
ہر شخص واسطے لبِ اظہار آئیگا
اُس دن کی کیا خوشی کہ جو اک بار آئیگا
جو آئیگا وہ نیند میں سرشار آئیگا
ہر غمزدہ کے حصہ میں اک تار آئیگا
تو بھی گلے میں ڈالکے زنّار آئیگا
ہاتھ آسکے حیا نہ وقت یہ زنہار آئیگا
اچھا ہوا کہ ہو سکے نہ پائی تمام رات
پہنچا گلی میں اُسکی ہمارا غبار آج
اور اک ترکش سے ظالم تیر کھینچ
اک یہ بھی ہے حیا شجرِ مکروفن کی شاخ
صبح اُٹھتے ہی مرے سامنے آئی زنجیر
کہاں خدا اور کہاں وہ کافر خدا خدا کہ خدا خدا کر

لیے ہم جو دوزخ میں جا کر بتوں سے　　تو زاہد ہوا خاک جنت میں جل کر

کون کہتا ہے کہ تم گھر سے نہ نکلو باہر　　ہم تو کہتے ہیں کہیں جاؤ مگر یاں ہو کر

یہ میدانِ محشر ہے دنیا نہیں ہے　　کہ ٹکڑے اڑا دو گے گھر سے نکل کر

آدا سے جان لیتے ہیں اجل کا کام کرتے ہیں　　وہ اپنے سر کی یہ تہمت پرائے سر پہ دھرتے ہیں

وحشت کے ہاتھ ٹوٹیں جب دلکو چین آئے　　سو چاک ہیں جگر میں سو چاک پیرہن میں

دریائے غم کی لہریں ای دل جبھی بلا ہیں　　رکھنا قدم سنبھل کر اس بحر موجزن میں

ہم سے زنداں میں عدو کو نہیں دیکھا جاتا　　اسکو گرفتہ کیا ہے ہمیں آزاد کریں

جان و دل کر چکے پہلے ہی فدا اُسپہ حیا　　اب ادھر آ کیا ہے جو ہم خاطر صیاد کریں

یارب مرے لیے تو قیامت ہو چند بار　　یعنی مرا بیان ستم مختصر نہیں

شبِ غم کچھ تو یہ حالت ہے کہ سب گریاں ہیں　　منہ مرا دیدہ مردم اربابِ وطن دیکھتے ہیں

بولتے منہ سے نہ کچھ یار کے منہ کو تکتے　　آئینہ بھی تو خدا نے نہ بنایا ہمکو

اک بات پوچھتا ہوں اگر تم خفا نہ ہو　　انسان کیا جو وعدہ کرے اور وفا نہ ہو

سو بار حشر ہو مرا جھگڑا ادا نہ ہو　　سو بار فیصلہ ہو مگر فیصلہ نہ ہو

تم آؤ تو سہی مجھے صبر آ ہی جائیگا　　ممکن نہیں مرض کی دوا ہو شفا نہ ہو

ضرب المثل ہے ہوتے ہیں معشوق بیوفا　　یہ کچھ تمھارا ذکر نہیں ہے خفا نہ ہو

حور بنکر مرے سینے کو قضا آتی ہے　　نفس سرد سے جنت کی ہوا آتی ہے

آج ہی دل کی نکالو حسرت　　کل تو سنتے ہیں قیامت ہوگی

بالیں سے ساری رات نہ جانے دیا اُسے　　حمد آفریں ہے ای نفسِ واپسیں تجھے

کہکے کہ باز پرس قیامت میں کس سے ہے　　اب کون آنکھ نیچی کیے شرمسار ہے

ٹھنڈے سانسوں نے بھی نہ کی تاثیر　　کم مری سوزشِ جگر نہ ہوئی

کون رویا نہ میری میت پر　　لیکن اس بت کی چشم تر نہ ہوئی

جاتے ہی جائیگی تنہائی ہجراں دل سے ٭ صبر آئیگا تو آئیگا مگر مشکل سے

علاج اس کا نہ ہوگا چارہ گر سے ٭ رِلا ہے چاکِ دل چاکِ جگر سے
نہ سینہ چاک ہے میرا نہ پہلو ٭ نگاہیں لیگئیں دلکو کدھر سے

اُسکے کوچے میں سمانا مری تقدیر میں تھا ٭ ورنہ کیا بوجھ تھا مجھ میں کہ زمیں بیٹھ گئی
صدمۂ ہجر سے گو جانِ حزیں بیٹھ گئی ٭ دل سلامت رہے ہمت تو نہیں بیٹھ گئی
آج کل موت کو جانا کہیں پڑتا ہی نہیں ٭ آئی اور کوچۂ قاتل کے قریں بیٹھ گئی
جان پر کھیل کے ارمان نکالا دل کا ٭ آج ہم خنجرِ قاتل کے گلے سے مل آئے
ابھی وہ گئے ہیں دلکو قلق ابھی سے ہے ٭ ابھی گئے بھی نہیں رنگ فق ابھی سے ہے

ہمارے نامۂ اعمال کی یہ صورت ہے ٭ سیاہ دونوں طرف سے ورق ابھی سے ہے

آنکھ سے آنکھ رہ گئی دل کے ٭ دل میں ارمان رہ گئے دل کے ٭

داغ سینے کے آبلے دل کے ٭ پکے پھوڑے ہوئے ہیں چھل چھل کے
ایسے ہوتے ہیں ولولے دل کے ٭ کیسے ٹکڑے کیے سلاسل کے
داغ سینے کے دل کے شوکھ گئے ٭ پھول پژمردہ ہوگئے کھِل کے
رفتہ رفتہ عدم کو پہنچیں گے ٭ سب مسافر ہیں ایک منزل کے
دوست کیسے قضا آگئے پھری ٭ کوئی آیا نہ وقت مشکل کے
ہو لیا ساتھ اس ستمگر کے ٭ دل نے مارا مجھے حبایل کے
جگر پہ کبھی ہاتھ دل پہ کبھی ٭ یونہی پیٹتے عمر بھر ہوگئی
نگاہِ وفا کا کسے اعتبار ٭ جدھر تم نے دیکھا اُدھر ہوگئی
دمِ قتل دیکھی جو حسرت مری ٭ تو قاتل کی بھی چشم تر ہوگئی
محبت میں دعا سے پھرتے نہیں ٭ ہوئی بات جو فتنہ گر ہوگئی
محبت بلا ہی کی ہو جائیگی ٭ حیا گر فلک کو خبر ہوگئی

حیات

حیات ۔ مولوی محمد حیات خاں ولد سید احمد خاں رامپور کے رہنے والے پڑھے لکھے آدمی تھے ۔ فنِ سخن میں ملک الشعرا خاقانی ہند ذوق دہلوی کے شاگرد تھے ۔ اکثر نعتیہ کہتے تھے ۔ فارسی میں بھی شعر کہنے کا شوق تھا ۔ ۱۲۸۵ھ میں انتقال

کہا۔ تین شعر درج ذیل ہیں۔

دیا ہے خلعتِ نور اُسکو حق نے
نچھوڑا جس نے دامانِ محمدؐ

مجھکو اُس چاند کے تصور نے
شب دیجور ہیں دکھایا چاند

جو نکہت اُس گلِ رعنا کے پیرہن میں ہے
نہ نسترن ہیں نہ گل ہیں نہ یاسمن ہیں ہے

حیدر — حیدر۔ نواب علی حیدر خان صاحب حیدر بریلوی شاگرد حضرت عبد القادر خان صاحب وحشی رامپوری۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔ دو شعر بطور نمونۂ کلام درج ذیل ہیں:

کثرتِ عشاق کا احوال کیا کیجے بیان
کوئے جاناں پہ گماں ہے مصر کے بازار کا

محتسب بھی مست ہو کر توڑتا ہے جام مے
شیخ جی! دیکھا اثر یہ خانۂ خمار کا

حیدر — حیدر۔ میر حیدر علی خان لاہوری حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد میں تھے۔ عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بسا اوقات دہلی میں بھی رہا کرتے تھے۔ ایک مدت شاہزادہ شگفتہ بخت کے ساتھ بنارس میں مقیم رہے۔ زیادہ حال معلوم نہیں طبقہ دوم کے آخر شعرا میں تھے۔ یہ اُن کے اشعار ہیں۔

پھر تبہ رفتہ رفتہ عشق نے پہنچا دیا اپنا
کہ رونے پر مرے اب چاک ہنستا ہے گریباں کا

ارادہ ہے بہت کچھ اس چشم تر کا
خدا حافظ آج اپنے دیوار و در کا

لے سنگِ وحشت مجھپر ہر خاص و عام نکلا
بارے جنوں کی دولت اپنا تو کام نکلا

دل سلامت رہے پھر سیکڑوں ہیں دلدار بہت
جب ہوئی جنس بکاؤ تو خریدار بہت

حیدر — حیدر۔ دلیر الدولہ محمد علیخاں فیروز جنگ بہادر نیشا پوری۔ معروف بہ مرزا حیدر خلف نواب رستم الملک مرزا محمد تقی خان ترقی۔ باشندۂ فیض آباد مقیم لکھنؤ۔ محمد رضا برق کے شاگرد تھے۔ بڑے ذی علم۔ ذکی۔ فہیم۔ اور نکتہ نواز فیاض رئیس تھے۔ شعرا اور دیگر باکمالوں کے بڑے قدردان تھے۔ لطف النسا بیگم جنہیں نواب بہو بیگم

صاحبہ مادر آصف الدولہ نے بیٹی بنا لیا تھا ان سے منسوب تھیں۔ انکی اولاد لکھنؤ میں ابتک موجود ہے اور پنشن قرار وثیقہ باقی ہے ۱۲۷۶ھ میں انتقال کیا۔ شعر و شاعری کا بہت شوق تھا۔ مرزا اعلیٰ جاہ اور مرزا والاجاہ انکے صاحبزادے تھے نواب مہدی حسین خاں آغا ابو صاحب مرزا اعلیٰ جاہ کے لڑکے ہیں۔ چند اشعار انکے انتخاباً درج ذیل کیے ہیں:

اُسے بچپن میں ہی کہتے تھے یوں ہم شادماں ہوکر	کہ بلا کی آفتِ جانِ جہاں ہوگا جوان ہوکر
جگہ دی چشم و دل میں آپ کو ہمنے نہ یہ سمجھے	کہ اک اک آپ بن بیٹھیں گے گھر میں میہماں ہوکر
سخاوت دشت گردی میں قدم کے ساتھ ہے اپنے	ہوا خاروں کو خلعت اپنا دامن دھجیاں ہوکر
نہ ہوتا تو کبھی گر برق کا شاگرد اے حیدر	جلاتا دشمنوں کو کس طرح آتش زباں ہوکر
کبھی میخانے میں جاتے ہیں کبھی کعبے میں	مل ہی جائیگا ترے گھر کا پتہ ایک نہ ایک
وہ یہ کہتا ہے کہ ہے پاس تمھارے دل دیں	دو تم ان دو میں سے ہمکو بھی بھلا ایک نہ ایک
ایک سے اشک گرے دوسری میں بھر آئے	چشم کا جام رہا اپنے بھرا ایک نہ ایک
لاکھوں بسمل ترے کوچے میں تڑپتے ہیں مگر	سر بکف اسپہ بھی آتا ہے نیا ایک نہ ایک
قیس و فرہاد پہ کیا عشق ہوا اور دنیا ہو	اب بھی کر جاتا ہے یاں نام وفا ایک نہ ایک

حیدر

حیدر۔ میرزا حیدر شکوہ حیدر گورگانی۔ نبیرۂ مرزا سلیمان شکوہ۔ خلف شاہ عالم ثانی غدر سے آٹھ دس سال پیشتر اپنے بھائی مرزا نور الدین شاہی کے ہمراہ لکھنؤ سے دہلی آئے تھے۔ حضرت بہادر شاہ کے مزاج میں بہت دخل کر لیا تھا۔ انھیں کی تحریک و صحبت سے بادشاہ کے خیالات شیعہ مذہب کی طرف رجوع ہو گئے تھے کچھ عرصہ قیام کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ فنِ سخن سے رغبت تھی۔ چند شعر نظر سے گزرے ان میں سے ایک شعر انتخاب کرکے درج کیا جاتا ہے:

ناز سے جب وہ چلتے ہیں پازیب سے آتی ہے یہ صدا	کافر کہیے انکو جو انکار قیامت رکھتے ہیں

حیدر

حیدر۔ آغا سید برہان الدین حیدر خاں حیدر نبیرۂ صمصام الدولہ سید علی نقی خاں

نیشاپوری۔ بعد انتزاع سلطنت اودھ نواب کلب علیخان والئی رامپور کی مصاحبت میں داخل ہوگئے تھے۔ منیر شکوہ آبادی سے تلمذ تھا۔ ۱۲۹۰ھ میں ۵۲ برس کی عمر تھی انکے بیٹے ننھے آغا جمیل تخلص کرتے تھے۔ یہ انکا کلام ہے؀

اب سمجھے ہم کہ ہجر ہی کا نام تھا اجل
تن سے چھٹے تو تفرقۂ جان و تن ہوا

شاہد ہے ظاہر و باطن میں نہ کچھ فرق رہا
ہو گیا چاک گریباں بھی جگر کی صورت

ہم بھی تو ہیں سر ہاتھ پہ رکھے ہوئے حیدر
کیا ڈر ہے جو سیدھی نہیں قاتل کی نظر آج

گریاں رہے کل تک دلِ گم گشتہ کی خاطر
کیا چاک کو روئیں گے مرے دیدۂ تر آج

کس طرح رہا یاد تمھیں خانۂ عاشق
اے جانِ جہاں بھول کے آئے ہو کدھر آج

دوستی داغ سے جگر کو ہے
درد سے دل نے آشنائی کی

حیدر

حیدر۔ عالیجناب نواب حیدر علیخاں بہادر خلف اصغر نواب یوسف علیخان بہادر والئی رامپور۔ آپ ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ نواب فردوس مکان نے نہایت توجہ سے جملہ علوم و فنون انھیں تعلیم کرائے بیس برس کی عمر تھی کہ سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا اور انکے بڑے بھائی نواب کلب علیخاں مسند نشین ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپس میں ناچاقی ہوگئی اور مخاصمت اس حد کو پہنچی کہ انھیں ریاست چھوڑنی پڑی۔ مدتوں کلکتے مرشد آباد دکن مختلف مقامات میں پھرتے رہے۔ بالآخر بعض اعلیٰ حکام کی وساطت سے نواب کلب علیخاں سے مصالحت ہوگئی اور ریاست میں چلے آئے۔ پھر چند سال بعد ضلع بدایوں میں ایک وسیع قطعۂ اراضی خرید کر (جسکا ملبسی نام ہے) اُسے اپنا قیامگاہ بنایا اور تادمِ آخر وہیں رہے۔ علمی استعداد نہایت معقول تھی۔ نظم و نثر دونوں میں اچھا ملکہ حاصل تھا۔ جادۂ تسخیر نام افسانہ آپ ہی کی تصنیف سے ہے۔ فن سخن میں آپ زکی کے شاگرد تھے اور فی الجملہ نہایت طبیعت دار ذہین رنگین تھے۔ انکی تصانیف میں نازک خیالی بندش کی نفاست۔ اور زبان کی صفائی کے علاوہ بیان کا طریقہ نہایت دلکش اور موثر

ہے۔ آپ نے سنہ ۱۹۰۲ء میں بعمر ۷۰ سال انتقال فرمایا۔ دو صاحبزادے یادگار چھوڑے خلف اکبر چھمن صاحب راقم کے ملاقاتی ہیں۔ افسوس کہ صرف چند شعر ملے حاضر کیے جاتے ہیں

با مزہ زیست کا قسمت میں جو ساماں ہوتا — درد ہی ہر رگ و پے میں عوضِ جاں ہوتا
سادے انداز پہ قاتل کے ہیں کتنے مرتے — کیسی ٹھیرے گی اگر ہاتھ میں خنجر آیا
یہ نزاکت آنکھ سے دیکھی نہ کانوں سے سُنی — دل میں آ سکتے نہیں آنکھوں میں پھر سکتے ہیں
ذرا انصاف کر یہ شرم ہے او بیوفا کیسی — پھر آ آنکھوں میں جب تو بے تکلف پھر چکا کیسی

ظلم سہنا اسقدر اچھا نہ تھا — ہمنے خود عادت بگاڑی آپکی
تھی مقدر میں اگر گردشِ افلاک ہی تو — اُسکے کوچے میں بھی اک روز رسائی ہوتی

قصیدہ در تعلّی خود

اللہ نے بخشی ہے زباں کو مری تاثیر — الہام کے مضمون ہیں اعجاز کی تقریر
ہیں طوطیِ شکر شکن ہند ہوں گویا — ہے بلبلِ شیراز کو واجب مری توقیر
سلطانِ فصاحت ہوں شہنشاہِ بلاغت — باتیں مری جوہر ہیں زباں ہے مری شمشیر
ہمنام ہوں اُس کا جو ہے اژدر کا درندہ — گردوں کو ہلاتی ہے مرے نام کی تاثیر

حیدر

حیدر۔ منشی حیدر علی مرحوم خلفِ منشی غلام نبی مرحوم بن مسند خان مرحوم جو ولندیزوں کے عہد میں دہلی سے ہوگلی آئے تھے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بڑے ظریف آدمی تھے۔ فنِ سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا۔ سنہ ۱۲۷۵ھ سے پیشتر انتقال کر چکے تھے۔ یہ اُنکے اشعار ہیں:

کھڑا ہو کر مری بالیں پہ وہ رخصت جو ہوتا ہے — نظر آتا ہے حیدر نزع میں جلوہ قیامت کا
حالِ دل گر کہوں تو کہتا ہے — شوق مجکو نہیں کہانی کا
سمت پیری میں کیوں ہوا ای حیدر — کیا ہوا ولولہ جوانی کا
سنگ ہاتھوں میں لیے ہیں ساتھ طفلانِ حسیں — میں وہ دیوانہ ہوں پریوں کا اکھاڑا ساتھ ہے

ایک بوسے کے لیئے اتنا بگڑتا ہے کوئی　　تو ہی منصف ہو بھلا انصاف تیرے ہاتھ ہے

حیدر

حیدر۔ جناب نواب حیدر علیخان صاحب بہادر رئیس قلعہ شاہجہانپور۔ آپکو حضرت جلال لکھنوی سے تلمذ رہا ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

یہ در پردہ ہے چشمِ محرم کی خواہش　　کہ سانچے میں ڈھلجائے جوبن کسیکا
ارادہ ہے یہ خونِ ناحق کا اپنے　　نہ چھوڑوں گا تا حشر دامن کسیکا

کوئی چٹکی ہی سے کلیجے ہیں　　یونہی پھوٹیں کچھ آبلے دل کے
اُسے کیونکر میں دیکھوں بے تکلف　　نظر کا ڈر ہے اپنی ہی نظر سے

راہ کب دیکھتے ہیں جان سے جانیوالے　　یار تو چلدیئے آتے رہیں آنے والے
امتحاں اَور کا تو ہم نہیں ڈرنے والے　　تم نے شاید ابھی دیکھے نہیں مرنیوالے
ہوش گم کر کے نہ گھبرائے ذرا جاؤ گیا　　آہی جاوینگے کبھی آپ میں آنیوالے
دل کو ہم تھام لیں مضبوط جگر کو کرلیں　　ہاتھ روکے ہوئے او پردہ اٹھانیوالے
ایک الزام مجسم ہیں تمہارے بیمار　　لیئے مرتے ہیں مسیحا کو بھی مرنے والے

حیدر

حیدر۔ جناب شیخ حیدر فیر صاحب ساکن بارولہ۔ آپکے حالات کچھ معلوم نہیں نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے

عطار و فیض کا یارب ترے حساب نہیں　　وہ کون ہے جو زمانے میں فیضیاب نہیں
یہاں تو وصل کا یہ شوق ہے کہ تاب نہیں　　سوا ہو نہیں سکے وہاں اور کچھ جواب نہیں
نہ توڑ سخت کلامی سے محتسب اس کو　　یہ میکشوں کا ہے دل شیشۂ شراب نہیں
ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ　　کہیں کچھ ایک رہِ عشق میں خراب نہیں
غش آگیا ہے جو بلبل کو رحم کر صیاد　　چھڑک دے پانی میسّر اگر گلاب نہیں
عبث نہ خوفِ عقوبت دلا مجھے ناصح　　فراقِ یار سے بڑھکر کوئی عذاب نہیں
یہ دل میں فکر ہے تشبیہ دیں تو کس سے دیں　　کمر کا مثل دہن کا ترے جواب نہیں
بہار میں سر توبہ کو میکشو! توڑو!!　　کہ اس سے بڑھکے کسی کام میں ثواب نہیں

خدا کے واسطے منہ سے کبھی تو کہیئے ہاں — ہر اک سوال کا میرے ہی کیوں جواب نہیں
نہیں شمار ہے جس طرح تیری رحمت کا — یونہیں ہمارے گناہوں کا بھی حساب نہیں

حیدر

حیدر – حیدر نواب نام – نواب مرزا ثریا قدر خلف شاہزادہ سلیمان قدر برادر واجد علیشاہ کے ہاں ملازم تھے سنہ ۱۳۱۷ھ میں شاید حیات تھے – یہ تین شعر اُنکے کلام کا نمونہ ہیں

تھی کچھ قدر جیتے جی سنا جب مرگیا مجنوں — گریباں چاک کرکے لیلیٰ پردہ نشیں نکلی
پس مُردن خدا سے کس طرح چھٹتے گنہ میرے — سند لکھی ہوئی پیش کراماً کاتبیں نکلی
پس مردن مری تربت پہ پڑھنے فاتحہ آئے — یہ وہ کی آرزو بعد فنا زیر زمیں نکلی

حیدر

حیدر – منشی مصطفےٰ حیدر حیدر خلف مولوی غلام حیدر مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ و سررشتہ دار کالج فورٹ ولیم وطن انکا چاٹگام تھا اور مولوی عبدالغفور نساخ کے شاگرد تھے سنہ ۱۲۷۵ھ میں کلکتہ میں ملازم تھے نمونہ کلام ہے

دل لیکے مرا صاف مکر جاتے ہیں کیسا — جب مانگوں تو جھنجلا کے یہ فرماتے ہیں کیسا
ذرا سینے پہ میرے ہاتھ دھر کر دیکھتے جاؤ — دھڑکتا ہے کلیجہ دل ہے مضطر دیکھتے جاؤ
غنچوں نے کان بھی نہ رکھا آہ و نالہ پر — بلبل کو چٹکیوں میں اڑائے چلے گئے
ادھر تو دیکھو نہ بولو ذرا سنو تو سہی — شب وصال ہیں کیسی حیا سنو تو سہی
بس قتل عاشقاں پہ نہ بیڑا اٹھائیے — لاکھوں کا خون ہوگا نہ لاکھا جمائیے

حیران – میر حیدر علی حیران شاہجہان آبادی – آپ راجہ تکیت رائے رئیس لکھنو کی سرکار میں ملازم اور منشی سروپ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے – صوبۂ بہار میں آصف الدولہ کے زمانے میں منتقل ہوئے اور اپنے قائل کو بھی اپنے ہمراہ لیگئے – شوق سنہ ۱۲۱۰ھ میں لکھتے ہیں کہ آصف الدولہ کی سرکار کے واصلباقی نویس رائے میکولال سے توسّل رکھتے تھے – رائے مذکور کی وفات کے بعد برس چھ مہینے روزگار کی طرف سے پریشان رہے لیکن حسن اتفاق سے نواب آصف الدولہ ان پر اسقدر مہربان ہوئے کہ بجائے ۳۰ کے ۱۰۰ روپیہ مشاہرہ کردیا اور تنخواہ سوار انکے تحت میں کردیئے جس سے اُنکی بسر اوقات بخوبی ہونے لگی – کلام اُنکا یہ ہے

ہم لبِ گور ہوئے خوں ہو جگر اس غم سے — کرنی اس غنچہ دہن سے نہوئی بات نصیب
صبح ہر روز اسی غم میں ہمیں ہوتی ہے شام — آہ جاگیں گے مرے کون سے اب رات نصیب
کیونکہ اس سے کون کہے تاب التماس کہاں — کہاں ہیں ہوش بجا۔ دل کدھر حواس کہاں
ہو لیے اپنے نئے دوستوں سے ربط دلی — تمھیں اب آنے کو فرصت ہمارے پاس کہاں
یہ کب کہتا ہوں میں تمکو نہ لے آرام جان جاؤ — مرا جی تنگ نکل سے پھر جہاں چاہیے تہاں جاؤ
ترے کوچے کی ہیرا پھیری میں دن اپنا کٹتا ہے — وہاں جاؤ یہاں آؤ۔ یہاں آؤ وہاں جاؤ
لگا جو حال کہنے اس سے میں منہ سے وہ یوں بولا — مجھے آتی ہے نیند اب کہہ چکے تم داستان جاؤ

کل کہا میں نے میرے گھر چلیے — اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
سن کے تیوری بدل لگا کہنے — رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی
مجھ سے کہتا ہے میرے گھر چلیے — دیکھنا اختلاط کی خوبی

حیران

حیران۔ حافظ بقاء اللہ خلف حافظ ابراہیم۔ یہ دونوں باپ بیٹے خط نسخ و نستعلیق خوب لکھتے تھے۔ شعر و سخن کا بھی مذاق تھا۔ سنہ ۱۲۴۸ھ میں زندہ تھے۔ یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے

جان بلب ہوں جی چلا جاتا ہے غش طاری ہے آہ — جلد آ ظالم نہیں ہے وقت یہ تاخیر کا
تا فلک پہنچی وے کچھ دل میں نہ سکے جا لگی — آہ یہ دیکھا اثر اس آہ بے تاثیر کا
ق
بعد مرنے کے یہ خواہش ہے مری اے دوستو — کچھ نہ خواہش مند ہوں عزت کا نے توقیر کا
گرد تربت کے ہو اک آئینہ اور طوطی ہلکے ایک — تا کہ جانے ڈھیر ہے حیرانِ خوش تقریر کا
کہہ دو مرے مزار پہ کوئی نہ لائے گل — چھاتی پہ میری داغ ہیں کافی بجائے گُل
حیراں کو بعد مرگ تکلف نہیں ضرور — اک مشت استخواں ہے کہیں لیجیے داب دو

حیران

حیران۔ قاضی محمد خلیل خلف خان بہادر مولوی قاضی عبد الجلیل صاحب مرحوم متخلص بہ جنوں رئیس اعظم بریلی ۲۷ صفر سنہ ۱۲۸۷ھ کو پیدا ہوئے ۲۱ سال کی عمر تک علوم دریہ کی تحصیل کی اُسکے بعد ریاست کے انتظام میں مصروف ہوگئے۔ گورنمنٹ اور پبلک کے

بھی اکثر انتظام آپکے سپرد ہیں۔ شہر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ فارسی اور عربی میں کافی دستگاہ ہے معقول و منقول پر اچھی طرح عبور ہے۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے۔ قاضی خلیل الدین حسن صاحب حافظؔ۔ حافظ آبادی کے تلمیذ رشید ہیں۔ نثر لکھنے میں خاص کمال حاصل ہے۔ نامہ نگاری کا بھی شوق رہا ہے۔ نثر میں شوخ بیچین بریلوی کے شاگرد ہیں۔ صنعت و حرفت میں خاص مذاق ہے۔ اکثر فنون میں دخل ہے۔ ۱۸۹۸ء میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے طلب و تقاضے پر بغرض علاج و سیر دہلی تشریف لائے تھے اور اُنکے علمی جلسوں اور بے تکلف صحبتوں میں ہر وقت شریک رہتے تھے ایک روز چند شاعر جمع تھے جن میں سیّد مہدی حسین صاحب مجروحؔ قابلِ ذکر ہیں۔ شاعری کا تذکرہ ہوا۔ سب صاحبوں نے کچھ نہ کچھ نظم کیا قاضی صاحب نے بھی چند رباعیات فی البدیہہ لکھیں جن میں سے ایک ہدیہ ناظرین ہے:

اے بوسعید حاذقِ ملک و وحیدِ خلق	یکتا تو ئی۔ وحیدِ زمان و فریدِ خلق
محمودِ دہر و صادقِ عہد و شریفِ وقت	عبدالمجید۔ عبدِ مجید و مجیدِ خلق

اِسی طرح پھر ایک مرتبہ چند شعرا کا مجمع تھا منشی اسمٰعیل حسین منیرؔ کے قصیدۂ فریاد زندانی کا تذکرہ تھا۔ احباب نے قاضی صاحب سے بھی فکر فرمانے کا اصرار کیا۔ چنانچہ آپنے ایک بہت طویل قصیدہ اُسی زمین میں رقم فرمایا۔ راقم تذکرہ سے دو بار ہنگام قیام دہلی ملاقات ہوئی۔ بڑے خلیق۔ ملنسار۔ نیک طینت شخص ہیں۔ قاضی صاحب نے اپنے کلام کا جو انتخاب عنایت کیا تھا درج ذیل کیا جاتا ہے۔

جہاں دیکھا نئے انداز سے وہ شوخ مہماں تھا	نگہ میں نور تھا۔ پہلو میں دل تھا دلمیں ارماں تھا
نہ رکھا پردہ دستِ شوق نے ٹکڑے اُڑا ڈالے	حجابِ روئے روشن دم میں عاشق کا گریباں تھا
ہوا ترکِ تعلق اب کہاں وہ لطف بے لطفی	مزہ عالم کا اے ظالم تری کاوش میں پنہاں تھا

نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر بھی کسی نے وائے ناکامی
ہمارا دست وحشت بھی کہیں بیکار رہتا ہے
ہماری کشتی عمر رواں بچتی تو کیا بچتی
ہمارے سامنے ای قیس کیوں لیتا ہے وحشت کی
اڑائیں دھجیاں ایسی جنوں نے دست وحشت سے
بجز خار تمنا کچھ نہ پایا باغ عالم میں
کہا راز حقیقت نے مجھے حیران اے حیران
پردہ عارض محبوب تو اٹھتا دیکھا

کیا خطا مجھ سے ہوئی کس لیے اتنا بگڑے
یہ عیادت بھی زمانے سے نرالی پائی
بند کی آنکھ تصور میں تو پردے اٹھے
برق دیدار کی شوخی کو کہوں کیا حیران
باد صرصر سے چلی میرا جنازہ دوش پر
خود جھکا دی ہے گردن جب کھچی تیغ ادا
رو دیئے ناسور جب سینے سے نکلا تیر یار
ہیں قیامت ہجر کی افتاد کی بے تابیاں
جلوۂ دیدار سے اپنی تو آنکھیں کھل گئیں
دامن صحرائے وحشت کی اڑا دیں دھجیاں
اور بڑھ جائیں کسی زلف گرہ گیر کے پیچ
مٹھیں ٹھیرنے نہیں دیتیں شوخیاں انکی
بنا دیا ہے زمانے کو وادیٔ ایمن

کوئی بیچین تھا - بیتاب تھا - مضطر تھا - حیران تھا
نہ جب باقی رہا اپنا - تو ناصح کا گریباں تھا
شب فرقت کا رونا تھا کہ اک سچ مچ کا طوفاں تھا
گریباں ہم بھی رکھتے تھے کبھی اپنا بھی داماں تھا
گماں تک بھی نہیں ہوتا گریباں تھا کہ داماں تھا
گلوں کا ذکر کیا کانٹوں سے بھی محروم داماں تھا
جو ہر ذرہ میں ظاہر تھا وہی آنکھوں سے پنہاں تھا
[illegible]

کیا کہا کس نے کہا کس نے سنا کیا دیکھا
بگڑے بیٹھے ہیں کہ ہم نے تجھے اچھا دیکھا
چشم مشتاق سے چھپکر ترا جلوہ دیکھا
بن گئے آپ تماشا وہ تماشا دیکھا
خاک ہو کر جب میں بیٹھا خاک ہی ہو کر اٹھا
خود گلے لپٹا لیا جب ناز سے خنجر اٹھا
ہنس دیئے زخم جگر جب چھیڑ کر نشتر اٹھا
اشک غم پیکر گرا میں درد دل پیکر اٹھا
کیا یہی تھی حضرت موسیٰ کے غش آنیکی بات
رہگئی خوش قسمتی سے تیرے بولانے کی بات
کام آجائیں الٰہی مری تقدیر کے پیچ
جو کئے دل کی طرح بھر گئے نظر کی طرح
نہ برق طور بھی چمکی تری نظر کی طرح

نصیب سے وہ دلِ درد آشنا پایا
جو بات بات میں بھر آئے چشمِ تر کی طرح

تم وہ تمہارے ہاتھ میں عالم کی جان ہے
ہم وہ کہ اپنا دل بھی نہیں اختیار میں

گریہ ہمارا مانعِ دیدار ہو گیا
تارِ نگاہ اُلجھے ہیں اشکوں کے تار میں

نالہ و آہ سے چھائی وہ دُھواں دھار گھٹا
سحرِ غم پہ یہ دھوکا ہے کہیں شام نہو

دیکھ پردہ نہ اُٹھا۔ جلوۂ تاباں نہ دکھا
پرتوِ رُخ سے کہیں طور ترا بام نہو

اُنکی باتیں سخت اپنا قلبِ مضطر آئینہ
ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہوتا چوٹ کھا کر آئینہ

یہاں منہ ... سرچ بالا ... ہو گیا اس میں تھی صحبت
کس بلا میں ہوں صفائے دل سے بنکر آئینہ

لاکھ اُلفت کو چھپاؤ پھر بھی صورت شکل سے
دل کی باتیں ... جاتی ہیں عیاں ہر آئینہ

جس طرف دیکھا اُسی کا عکس ہے جلوہ فگن
دو جہاں جلووں سے اُسکے ہے سراسر آئینہ

ہو گیا آخر وہ خود بیں حسن کے نشہ میں مست
گر گیا ہاتھوں میں اُسکے کارِ ساغر آئینہ

طُور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا موسیٰ کو غش آ گیا
تاب لایا اُنکے نظارہ کی کیونکر آئینہ

ہو اگر سچ ہے کہ دلکی دلکو ہوتی ہے خبر
کیوں نہیں ہے تمپہ حالِ قلبِ مضطر آئینہ

ہم صفائے دل پہ نازاں تم صفائے رخ پہ غش
ہے تعجب پر منصفی کس کا ہے بہتر آئینہ

اور کیا آئینہ بندی ہو در و دیوار کی
اُنکی محفل آئینہ۔ وہ آئینہ۔ گھر آئینہ

رازِ اُلفت کیا چھپے جب اشکِ حسرت ہو رواں
دیدۂ تر آئینہ ہے۔ دامنِ تر آئینہ

موت کی صورت نظر آنے لگی تلوار میں
بنگیا لوہا کفِ قاتل میں آکر آئینہ

تمہارے مرنیوالوں کی تمنا بھی کہیں نکلی
اگر نکلا تو دم نکلا مگر حسرت نہیں نکلی

مسخر کر لیا تیری محبت نے ارادوں کو
ہوئے جب شکوہ کرنیکو زباں سے آفریں نکلی

گئے تم غیر کے گھر یہ نہ آئی دل سے تب بھی
تمہاری آرزو تم سے زیادہ شرمگیں نکلی

نہ ہو مجھسا بھی بدقسمت کہ مرتے دم تک آ کے آئی لب
نہیں نکلی نہیں نکلی مری حسرت نہیں نکلی

دیوانے ہیں جو بیتے نہیں جنسِ محبت
سودا ہے جو اس سودے کا سودا نہیں کرتے

بوسے کا سوال ان سے میں کرتا تو ہوں حیراں
اب دیکھئے ہاں کرتے ہیں وہ یا نہیں کرتے

سچ ہے مثل کہ سو کو ہرانی ہے ایک چپ
کیا بات ہے ترے دہن لاجواب کی

پردہ اٹھا تو اور بڑھا رعب حسن کا
ہے بےحجابیوں میں بھی صورت حجاب کی

اس پر گمان جور ہو یا رحم کا یقین
انداز مہر کے ہیں۔ نگاہیں عتاب کی

میرے خمیر میں جو ملایا خمیر عشق
مٹی پکار اٹھی مری مٹی خراب کی

شوخ کچھ ایسی نگاہِ یار ہے
پیار میں بھی لڑنے کو تیار ہے

التجا منت سماجت۔ عاجزی
سامنے اس بت کے سب بیکار ہے

دادخواہی کے لئے آیا ہے کون
حشر میں بھی خواہش دیدار ہے

سجدہ کیا ہو وہ قدم ملتے نہیں
نقشِ پا میں شوخیٔ رفتار ہے

حشر میں بے پردہ آنا ہی پڑا
انتقام حسرتِ دیدار ہے

اسکے چہرہ کی تجلّی ہے غضب
پردہ دار جلوۂ دیدار ہے

حیراں

حیران۔ شاعرِ فصیح البیان منشی رام نراین صاحب حیرآن دہلوی۔ آپ قوم کے کھتری اور منشی میگو سنگھ کے فرزند ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں اور اس فن میں نواب فصیح الملک بہادر سے ارادت رکھتے ہیں۔ علمی استعداد بہت معقول ہے۔ فن طب میں بھی اعلیٰ درجے کی دستگاہ حاصل ہے حکیم بہارالدین خان سے اس فن میں استفادہ کیا ہے اجمیر میں مطب کرتے ہیں۔ راقم السطور سے دہلی اور اجمیر میں بارہا ملاقات ہوئی۔ مذاق سلیم اور فکر رسا کے ساتھ خلیق بھی انتہا کے ہیں۔ ۴۵-۴۶ برس کی عمر ہوگی۔ طبابت کے علاوہ ریلوے کے دفتر میں ملازمت کا سلسلہ بھی ہے۔ کلام سے معاملہ بندی کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ زبان پاکیزہ اور ٹکسالی ہے۔ اسلوب بیان بھی اچھا ہے کہیں کہیں مضمون کی طرف بھی میلان طبع پایا جاتا ہے غرض ایک حد تک تمام خوبیاں آپکے کلام میں موجود ہیں اشعار موصولہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

یوں تو ہونے کو کیا نہیں ہوتا ایک میرا کہا نہیں ہوتا
اپنی عادت نہیں شکایت کی اپنے منہ سے گلہ نہیں ہوتا
یار سے خوب ہے تصورِ یار تجھ سے دم بھر جدا نہیں ہوتا
غیر تو غیر ہیں مصیبت میں آشنا آشنا نہیں ہوتا
شکلِ تصویر چپ ہو کیوں حیران کوئی فقرہ نیا نہیں ہوتا

ہرگز نہ بات طنز کی لاتا زبان پر جانباز کھیل جاتے ہیں باتوں میں جان پر
للہ کان دیجئے اسے آپ سن تو لیں اک حرفِ آرزو ہے کسی کی زبان پر
حیراں ہے فکر کیا تجھے کچھ منہ سے پھوٹ تو کیوں آج مہر لگ گئی تیری زبان پر
کبھی لائے نہ خاطر میں نہ اب خاطر میں لاتے ہیں مجھے تو چٹکیوں میں آپ ہنس ہنس کر اڑاتے ہیں
شبِ وعدہ بھی دیکھیں وہ نہیں آتے کہ آتے ہیں تجھے لے جذبِ الفت آج ہم اور آزماتے ہیں
مضامیں صاف ہوں ستھری زباں ہے حضرتِ حیراں غزل بزمِ سخن میں آئینہ رو سننے آتے ہیں
مجھ سے اقرار نہیں غیر سے وعدہ بھی نہیں پھر سرِ شام یہ کیوں تم نے دکھایا جوبن
دیکھ کر آئینہ کہتے ہیں مرے دیکھنے پر ڈھل گیا دیکھتے ہی دیکھتے سارا جوبن
مال و دولت کا تو ہوتا ہے بھروسا سب کو ان حسینوں کا ہے لے دے کے سہارا جوبن
سمجھنے والے دل ہی دل میں اپنے خود سمجھ لیں گے زباں سے کچھ نہیں کہتے تو کہتے ہیں اشاروں میں
کلامِ حضرتِ حیراں کی جب تعریف کی ہم نے تو فرمایا وہی حیراں! ہمارے جاں نثاروں میں
نگاروں کے ہیں عجب ڈھنگ نرالے انداز جس سے ملتے ہیں اُسے رنج سوا دیتے ہیں
وہ دل ہی کیا جو عشق کی چیٹک لگی نہ ہو وہ زندگی ہی کیا ہے جو دلبستگی نہ ہو
پہلو میں بٹھا کر مرے لیتے ہیں چٹکیاں وہ بات کر رہے ہیں کسی نے جو کی نہ ہو
کوئی کسی سے اُوپری دل سے ملا تو کیا ملنے کا لطف جب ہے کہ دل میں دوئی نہ ہو
کہنا کسی کا ہائے وہ عرضِ وصال پر ہم سے تو آج تک کبھی ایسی ہوئی نہ ہو

بیداد ایسی کیجئے وہ کیجئے جفا
دیکھی نہو جو آنکھ سے کانوں سُنی نہو

حیراں یہی شعار ہو اپنا تو خوب ہو
نیکی نہو سکے تو کسی سے بدی نہو

مر گئے تو مٹیں تمنائیں
نکلے ارمان خاک میں مل کے

اک بت کافر کو دل دیکر پشیمانی ہوئی
ہمنشیں اب تو جو ہونی تھی وہ نادانی ہوئی

ہوگئی عشق بتاں میں اسقدر حالت زبوں
دیکھکر حیراں کی صورت سخت حیرانی ہوئی

وہ مرے پہلو میں ہنستے آئے ہیں
رات دن روتا تھا میں جنکے لیئے

آگئے تا۔ چال میں اغیار کی
ہمتو روتے تھے اسی دن کے لیئے

کیوں نہ دلکو رنج ہو کیونکر نہ دل پر غم رہے
آپ صاحب مہرباں ہوں بے سبب برہم رہے

ایسی کیا خوبی ہے دنیا ایسی تجھ میں کیا ہے بات
چھوڑ کر جنت کو آخر حضرتِ آدم رہے

جس طرح بتیس دانتوں میں یہ رہتی ہے زبان
آپکی خاطر سے بزم غیر میں یوں ہم رہے

منتوں پر بھی نہ مانے تم دلِ ناشاد کی
پھر وہی تم نے جفا کی پھر وہی بیداد کی

مر گئے تو جان سے اپنی گئے پروا نہیں
ہوگئی تعمیل لیکن آپ کے ارشاد کی

مری آہ کیوں بے اثر ہوگئی
اسے بھی کسیکی نظر ہوگئی

بہت دلکو حیراں بچایا مگر
وہ ترچھی نظر کارگر ہوگئی

برچھیاں جب نگہ کی چلتی ہیں
دل ہے بیتاب اختیار کسے

دل ہی جب اپنا جا ملا اُن سے
غیر کا پاس و اعتبار کسے

وہ چمن ہی نہیں رہا حیران
دے صبا مژدۂ بہار کسے

ایک سر سینکڑوں ستم کے لیئے
ایک جاں ہے ہزار غم کے لیئے

رنجِ فرقت بھی رشکِ دشمن بھی
کیا مصیبت ہے ایک دم کے لیئے

مُنہ اُٹھائے دلِ بیتاب کدھر جاتا ہے
کوئے قاتل ہے یہاں بات پہ سر جاتا ہے

سر کھپا لیسے تجھے ناصح ناداں حاصل
اس سے سودائے محبت کا اثر جاتا ہے!

درد اٹھتا ہے مرے پہلو میں کیوں تھم تھم کر
آج مہمان کوئی غیر کے گھر جاتا ہے

تم نہ آئے شب وعدہ تو کوئی مر نہ گیا
بات رہجاتی ہے اور وقت گزر جاتا ہے

غیر اور آپکے حیراں کو دکھائیں آنکھیں
آپکا منہ ہے جو کچھ پاس وہ کر جاتا ہے

قرینہ کا مذاق اچھا سلیقہ کی ہنسی اچھی
پسند خاطر احباب ہو وہ دل لگی اچھی

نگہ شرمیلی اچھی ہے طبیعت چلبلی اچھی
گلہ در پردہ اچھا اور زیر لب ہنسی اچھی

کھٹک ہو درد الفت کی وہ غم اے ہمنشیں اچھا
خوشی جسمیں کسیکی مہرباں وہ ہی خوشی اچھی

وہ آئیں یا نہ آئیں مشغلہ اچھا ہے رہنے دو
تصور ہی سے آنکھے ہو رہی ہے دل لگی اچھی

جدا شہر خموشاں ہو گیا آباد قدرت سے
خدا کی شان ویرانے میں یہ بستی بسی اچھی

یہ ہیں دونوں کے دونوں عاشق ناشاد کے دشمن
نہ صبح وصل اچھی ہے نہ شام بیکسی اچھی

ہمیشہ خوف کھانا چاہیئے ابرو و مژگاں سے
کماں کی راستی اچھی نہ تیروں کی کجی اچھی

ہے کیے مغرور اک عالم ہوا اپنی کسر شان جسمیں
نہ اتنی سرکشی اچھی نہ اتنی عاجزی اچھی

جہاں اک جام مئے بھر کر پیا جلوے نظر آئے
یہ شغل اچھا مرا زاہد کہ تیری بندگی اچھی

یہ جو کچھ ہے جناب داغ کا ہی فیض سب حیران
سخنور سنکے کہتے ہیں غزل تو نے لکھی اچھی

کچھ اچھی میری پھر برگشتہ قسمت ہونیوالی ہے
کسی اچھے سے پھر صاحب سلامت ہونیوالی ہے

کبھی تو دو قدم تم ناز سے چلکر دکھا دیجئے
بہت مدت سے سنتا ہوں قیامت ہونیوالی ہے

عدو کی ذلتیں سنکر نہ حیراں دلمیں خوش ہونا
تمھارے حال پر بھی کچھ عنایت ہونیوالی ہے

حیران

حیران - منشی محمد حسین خانصاحب ننکوہ آبادی ملازم ریلوے گورنمنٹ پولیس اندور خلف منشی محمد اعظم خانصاحب داروغۂ آبکاری شاگرد نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی - آپ ناولسٹ بھی ہیں "شاہد رعنا" اور "کرشمۂ شباب" وغیرہ کئی ناول شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "جلوۂ حیران" کے اڈیٹر ہیں۔ عنفوان شباب سے آپ کو شعر و شاعری کا شوق ہے۔ صاحب دیوان ہیں مگر دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے کلام سادہ ہے اور خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ نمونۂ کلام ہنگام

ترتیب وصول ہوا اُس کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

آئینہ پہ غبار جو دیکھا ہے خواب میں
دشمن کا سر نہ ہو کہیں زانوئے یار پہ

نہ وہ اگلی سی ہے صحبت نہ وہ اگلا سا مزاج
کچھ سے کچھ ہو گیا اب تو ترے دربار کا رنگ

خونِ ناحق بھی چھپائے سے کہیں چھپتا ہے
حشر کو دیگا شہادت تری تلوار کا رنگ

تصور سے ہماری بن پڑی ہے
ہزاروں رہتے ہیں ارماں دلمیں
چین دن کو نہ شب کو راحت ہے

زیارت انکی دلکو ہر گھڑی ہے
جگہ تھوڑی سی گنجایش بڑی ہے
عاشقی کیا ہے اک مصیبت ہے

ہم اُسکے جلوے کو ڈھونڈتے ہیں وہ اپنے رخ کو چھپا رہا ہے

صدا ہماری ہے رب ارنی وہ لَنْ تَرانی سُنا رہا ہے

ہوا ہے جو جلکے طور سرمہ گرے ہیں بیہوش ہو کے موسیٰ

یہ کس کے رخ سے نقاب سرکی۔ یہ کون جلوہ دکھا رہا ہے

نرگسیں آنکھوں سے ہوتا ہے کبھی ظاہر
ہونہ ہو آج تو دشمن کا کہا مان گئے

تمھاری دید کی خواہش وہاں بھی ظاہر کی
فرشتے لیگئے جب سامنے خدا کے مجھے

کیا کرونگا حرم کا میں اے خدا
مسجد و مندر سے کیا حیراں کو کام

دل تو اُس کا طالب دیدار ہے
نشۂ الفت میں وہ سرشار ہے

حیرت۔ پنڈت اجودھیا پرشاد کاشمیری حضرت جرأت کے شاگرد تھے۔ شیفتہ انکی بابت لکھتے ہیں کہ پنڈت صاحب نے چند مثنویاں بھی کہی تھیں اور ایک مختصر سا دیوان بھی مرتب کر لیا تھا۔ فنِ موسیقی میں اپنے زمانے میں لاجواب تھے۔ اکثر لکھنؤ اور گاہ گاہ دلی میں رہا کرتے تھے سنہ ۱۲۴۷ھ میں ۳۵ سال کی عمر پاکر انتقال ایک شعر انکا بطور یادگار اور نمونہ کلام درج کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو

تذکرۂ شیفتہ

برنگِ نقشِ پا اُسکی گلی سے اُٹھ نہیں سکتا
ہوا ممنونِ احسان خوب اپنی ناتوانی کا

حیرت

حیرت - میر مراد علی تاجر مراد آبادی۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں تھے۔ اور تذکرہ مصحفی سے پیشتر انتقال کر چکے تھے۔ کوہستان کی طرف بغرضِ تجارت گئے تھے اسی سفر میں قضا کی۔ فنِ سخن سے طبیعت کو لگاؤ تھا اور اچھا کہتے تھے یہ چند اشعار انکے لکھے جاتے ہیں +

سمجھ کے دیکھا تو بیجا تھا سب گلہ دل کا	یہ چشمِ تر نے ڈبو یا معاملہ دل کا
شریک آہ ہے شورِ جنوں ہے۔ وحشت ہے	عجب جلوس سے جاتا ہے قافلہ دل کا
کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا سے تو ڈر	مری بغل میں چھلکتا ہے آبلہ دل کا
کیا لکھیے ترے حسنِ خداداد کی خوبی	حیرت ہے نہ مقدور قلم کا نہ زباں کا
نظر آیا یہ جہاں نقشِ بر آب آخر کار	تاج سر پر سے گرا شکل حباب آخر کار
سادہ رویوں کی دلا مہر و محبت پہ نہ بھول	منہ پہ دینگے تجھے صاف جواب آخر کار
رخسار کیا جھلکتے ہیں حلقہ میں زلف کے	آپس میں ہو رہے ہیں بہم کفر و دیں گرہ
حیرت کے دل میں ہائے کوئی آرزو رہی	لکنت سی ہے زباں پہ دمِ واپسیں گرہ
اب چھوڑ کر کنشت چو کعبہ کو جائیے	واں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھائیے
کیا پوچھتے ہو زلفِ سیہ مں میں ڈسے ہے	یاں جان چلی جاتی ہے واں انکی ہنسی ہے
ہستو اک شیشۂ ساعت کی طرح سے حیرت	خاک چھانا کیے دنیا میں اور آزاد رہے

حیرت

حیرت دہلوی - میرزا رضا قلی پسر مرزا صمصام الدین اولاد امجاد حضرت شاہجہاں بادشاہ نیک مزاج اور خوش خلق شخص تھے۔ مرزا رحیم الدین حیا کے شاگرد تھے۔ یہ انکے اشعار ہیں

کیوں خفا غیر کے کہنے سے ہوئے	کیا سنا تھے اور کیا دیکھا
وہ خار ہوں کسی سے الجھتا نہیں ہوں میں	دشمن کی آنکھ میں بھی کھٹکتا نہیں ہوں میں
دل لگتے ہی یاں جان کے رستے پڑے حیرت	آو نگا ابھی دیکھئیے کیا کیا مرے آگے
حیرت اب یار سے کیوں ترکِ وفا کرتے ہو	پہلے ہی تم نے محبت نہ بڑھائی ہوتی
اسکے گر جی سے تو اسے ناصح	ہاتھ اٹھائیں گے دل لگانے سے

حیرت

حیرت - میر غلام فخر الدین صاحب حیرت دہلوی۔ اعتماد الدولہ قمر الدین خان شہید کے بیٹے اور میر منو کے پوتے تھے فارسی شعر بیشتر کہتے تھے بسا اوقات کالپی میں رہائش رکھتے تھے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں انتقال کیا۔ چند شعر ملے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

اول عشق ہے اور تازہ بہار آئی ہے	اب مرا ہاتھ ہے اور دامن رسوائی ہے
یہ ستم دیکھوں میں کن آنکھوں سے اے غیرت عشق	ایک عالم اسی کوچے کا تماشائی ہے
ہم اُس بزم سے یوں پُر ارمان نکلے	جوانی میں جس طرح سے جان نکلے
یہیں ڈھونڈا جو سینے میں دل اُسکے بدلے	کئی اُسکے تیروں کے پیکان نکلے

حیرت

حیرت - حافظ عبدالرحمٰن حیرت ساکن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر۔ آپنے مولوی امام بخش صہبائی سے فن شعر میں استفادہ کیا اور فن طب کی تکمیل حکیم احسن اللہ خان دہلوی کے مطب میں رہکر کی۔ محکمۂ دیوانی میں ملازم ہوئے اور عرصے تک دہلی میرٹھ اور مرادآباد میں متعین رہے۔ سر سید احمد خان مغفور آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ ملازمت سے استعفا دلوا کر اپنے پاس رکھکر علیگڑھ سوسائٹی کے مطبع کا کام انکے سپرد کر دیا۔ مشہور رسالہ تہذیب الاخلاق کی بنیاد بھی آپ ہی کے ہاتھوں قائم ہوئی تھی۔ آپ کا سر سید سے نہایت ارتباط بڑھا ہوا تھا۔ اور سید محمود کے بچپن کے بھی استاد تھے الغرض ۴۵ برس تک سر سید مرحوم کے پاس رہے اور تا دم مرگ ان سے جدا نہ ہوئے۔ اردو میں چند مثنویاں اور ایک ساقی نامہ موسوم بہ "ساقی نامہ حیرت" آپکی یادگار ہے۔ آپکی استعداد علمی بہت معقول تھی اور فن شعر کے اصولوں سے خوب واقف تھے۔ صفائی اور سادگی کے ساتھ انکے کلام میں مزہ بھی ہے۔ اعلیٰ درجے کے مشاق تھے اور کیوں نہ ہو بڑے بڑے استادوں کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ چند شعر جو دستیاب ہوئے ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

کچھ دل میں بیکلی ہے کچھ ہے جگر میں سوزش	ہیں عشق کی بدولت مجھ پر عذاب کیا کیا
پہلو میں اک کسک سے چلی جاتی ہے مدام	یہ دل ہے یا چھپا ہے کوئی خار دیکھنا

گر شربتِ وصال نہیں موت ہی سہی
دین کو زلف و خط و خال و مژہ نے چھینا
نہ کھلا ہائے مرا غنچۂ امید کبھی
اس زرد ہوئے چہرہ کا کہو حال تو حیرت

کوئی تو نکلے اس دل بیمار کی ہوس
دل بھی غالب ہو کہ ہوگا یہی دو چار کے پاس
حسرتیں دل کی رہیں دل ہی میں کیا کیا باقی
کیا دلکو لگا بیٹھے کسی رشک قمر سے

حیرت

حیرت منشی محمد جان خان خلف بایزید خان - آپ آلہ آباد کے رہنے والے اور خواجہ آتش کے مشہور شاگرد مرزا اعظم علی اعظم سے ارادت رکھتے تھے - آپکا مطبوعہ دیوان موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصنافِ سخن میں اچھی دستگاہ حاصل تھی اور ضروریات شاعری کے موافق استعداد علمی بھی معقول تھی - زبان کی طرف البتہ توجہ کم تھی - چنانچہ اکثر متروک الفاظ اور محاورات نظم کر جاتے تھے مگر انکے مشاق سخن سنج ہونے میں شبہ نہیں بعض بعض شعر تو بے مثل کہہ جاتے تھے ۱۸۷۵ء کے قریب انتقال فرمایا - اب دیوانِ مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو -

کیوں قالب خاکی میں ہو روح کا مسکن
بیوجہ میرا دل نہیں مجھ سے بدل گیا
اللہ رے شعلۂ رخِ روشن ترا فروغ
دل کیحالت ہے جو کچھ تم کو دکھاؤں کیونکر
نہ تو بلبل کا ٹھکانا نہ کہیں گل کا پتا
شریک روح ہے قالب میں آپکی الفت
خود بخود آج رگِ جان کا لہو جوش میں ہے
دکھلائے خدا اس بتِ گلفام کی صورت
پڑی کشتی عمر رواں بحر طلاطم میں
مجال کیا جو کریں عذر حکم یار میں ہم

عقدہ نہیں کھلتا ترے اسرار نہاں کا
افسوں تمھاری چشم فسونگر کا چل گیا
نظارہ جا کے صورت پروانہ جل گیا
داغ دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا
اے خزاں تو نے اجاڑے ہیں گلستاں کیا کیا
یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا
یاد آیا ہے اسے نشترِ مژگاں کسکا
دنیا میں یہی ہے مری آرام کی صورت
یہ عشق آیا ہے جسدن سے بلائے ناگہانی ہے
دل اسکی قید میں ہے وکیے اختیار میں ہم

اُن کو تم اپنا فتنۂ قامت دکھا نہ دو
جن جن کو گفتگو ہے قیامت کے باب میں

بلا کی حسن میں آرایش و ایجاد کرتے ہیں
پری زادوں کو دیوانہ یہ آدم زاد کرتے ہیں

وہ چہرہ کیسا ہے جس نے ان حسینوں کو بنایا ہے
انھیں جب دیکھتے ہیں ہم تو اسکو یاد کرتے ہیں

تم بھی رہو جو پاس تو ہو لطف ورنہ یار
ہم رہ کے کیا کرینگے اکیلے بہشت میں

حسینانِ جہاں جسکو نگاہِ ناز کہتے ہیں
جو عاشق ہیں اُسی کو تیرِ بے آواز کہتے ہیں

نگاہِ قہر سے مارا جلایا مسکراہٹ سے
کرامت اسکو کہتے ہیں اسے اعجاز کہتے ہیں

کچھ سوئے مردمِ بیمار نظر ہے کہ نہیں
پھر بھی رونا تجھے اے دیدۂ تر ہے کہ نہیں

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

نہ چین پائے کسی طرح سے دلِ عاشق
یہی تو ایک وہ کارِ ثواب سمجھے ہیں

چلتے ہیں عبث چال قیامت کی یہ گلرو
پامال کیے دیتے ہیں ہستی کے چمن کو

اُٹھاؤ خونِ ناحق سے مرے ہاتھ
یہ ہو جائے گا دامنگیر دیکھو

دیکھتے دیکھتے مر جائینگے ہم یار کی راہ
دم بھی نکلیگا تو اس دیدۂ بیدار کی راہ

بیپردہ ہیں وہ پھینک نہ دیں پانوں سے مل کر
پچھتائیگا اے دل مرے پہلو سے نکل کر

جاتی تو ہے یہ عمرِ رواں راہِ طلب میں
دیکھیں اسے کب عشق کی منزل نظر آئے

دیدۂ بیدار جو کچھ دیکھنا ہے دیکھ لے
حشر تک جس سے نہ چھوٹے گا وہ خواب آنیکو ہے

سنتا ہے زخمی تیغِ ادا کا دم نکلتا ہے
ترا احسان ہے اے قاتلِ عالم نکلتا ہے

مرقد سے میرے اُٹھ کے بگولا جو رہ گیا
کہنے لگے یہ خاک کسی ناتواں کی ہے

وہی دل اپنے قابو میں نہیں ہے
جسے پالا کیے خونِ جگر سے

نہالِ دل ابھی سرسبز ہو جائے
جو تیرا ابرِ رحمت آکے برسے

پڑا ہے بسترِ غم پر نہ دانہ ہے نہ پانی ہے
تمھارے عاشقِ شیدا کی طرفہ زندگانی ہے

تری آنکھوں کی سرخی دیکھکر میخوار کہتے ہیں
بلوریں جام میں شاید شرابِ ارغوانی ہے

جو ذکرِ بیقراری کیجیے اُن سے تو کہتے ہیں *
یہ بیتابی نہیں ہے موجِ آبِ زندگانی ہے *

اُس جگہ دل کو لیگئی تقدیر — کہ تصور جہاں گزر نہ کرے

دن کو خیالِ رخ ہے تو شب کو ہے یادِ زلف — بس ہمتو ہو گئے اسی لیل و نہار کے

باز آؤ ظلم سے کہ یہ ظلم دو روزہ ہے — اُڑ جائینگے ہوا کی طرح دن بہار کے

نرگس کے پھول قبر پہ دیکھے تو بول اُٹھے — مرنے پہ گل کھلے نگہِ انتظار کے

اُس کا تو نور جلوہ نما ہر بشر میں ہے — اے غافلو! قصور تمھاری نظر میں ہے

تلخی اگرچہ صبر کی شاخ و شجر میں ہے — شیرینی انتہا کی پر اُسکے ثمر میں ہے

تب حال کھلے گا مری بیتابیٔ دل کا — پڑ جاؤ گے جسدن کسی بیرحم کے پالے

اے گل صدا نے نالہ سے ہر نفس میں ہے — سینہ میں دل ہے یا کوئی بلبل قفس میں ہے

درپیش ہیں جو رنج و الم کہہ نہیں سکتے — ہم پہ جو گزرتی ہے وہ ہم کہہ نہیں سکتے

دسترس یار پہ کیونکر مجھے حاصل ہو جائے — اُس سے کیا زور چلے جسکی طرف دل ہو جائے

دعویٰ حسن بہت چودھویں کے چاند کو ہے — زلف اُلٹو تو جواب مہ کامل ہو جائے

مرغِ دل ہی نہیں کچھ تیر نگہ سے بسمل — طائرِ جاں بھی تو صیاد ترے دام میں ہے

چشم میگوں کے اشارے سے یہ فرماتے ہیں — بیخودی نام ہے جس کا وہ اسی جام میں ہے

مذہب عشق میں عاشق کو عجب لطف ملا — کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے

جیتے جی عشق سے راحت نہ ملی مرگ نجات — اسکے آغاز میں جو ہے وہی انجام میں ہے

حیرت

حیرت۔ جناب ابو عبد القدیر خان صاحب پانی پتی۔ آپکو کوثر خیر آبادی سے تلمذ حاصل ہے پٹنے میں زیادہ تر سکونت رہتی ہے حالات باوجود تلاش نہیں ملے کچھ کلام نظر سے گزرا۔ اس میں سے یہ چند شعر منتخب ہوئے۔

رک گئی چلکے ذرا تیغ جو گردن پہ مری — زخم کو خوبیٔ تقدیر پہ خنداں دیکھا

وہ دل ہے کیا جو شیفتۂ مہ وشاں نہیں — وہ جان کیا جو وقفِ نثارِ بتاں نہیں

فتنے قدم قدم پہ اُٹھاتا ہے لاکھ لاکھ — انداز اُسکی چال کے محشر سے پوچھ لو

حیرت کو آج قسمتِ جمشید مل گئی
جامِ شراب ہاتھ میں و لب بغل میں ہے

دل کے داغوں سے ہے یاں سروِ چراغاں روشن
شمع تربت پہ ہماری نہ جلائے کوئی

ضد تو جب ہے کہ ابھی میری بغل میں آ جاؤ
کہہ رہا ہوں کہ میرے پاس نہ آئے کوئی

حیرت

حیرت۔ محمد اسحٰق نام مراد آباد کے رہنے والے اور حضرت قمر مراد آبادی کے شاگرد صرف یہ معلوم ہے کہ سنہ ۱۲۸۰ء میں زندہ تھے نمونۂ کلام میں صرف دو شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں

یاد آتی ہے تری جنبشِ مژگاں جو مجھے
تیر سا اک مرے پہلو میں کھٹک جاتا ہے

غل یہ ہوتا ہے کہ خورشیدِ قیامت نکلا
داغِ دل سے مرے پھاہا جو سرک جاتا ہے

حیرت

حیرت۔ مولوی احمد کبیر وکیل عدالت پٹنہ۔ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ آپ سنہ ۱۸۷۰ء کے قریب زندہ سلامت موجود تھے اور پٹنہ کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے یہ چند شعر انکے نتائج افکار سے ہیں۔

منصب ملا نہ فقر کا منعم نہ جاہ کا
یارب برا ہو اخترِ بختِ سیاہ کا

خرقہ وہی ہے خوب جو بھٹی میں رہن ہو
مشرب بدل دو زاہد و اب خانقاہ کا

تارے ہوئے غروب حسینانِ دہر کے
کوکب ہوا طلوع جو اُس رشکِ ماہ کا

کیا راہِ پُر خطر سے گیا بے خطر وہ شخص
جو شخص معترف ہوا اپنے گناہ کا

کیوں تلخیٔ گناہ کو شیریں کرے نہ عفو
ہے عفوِ حق خاص دلِ عذر خواہ کا

حیرت

حیرت۔ مولوی سید عنایت احمد صاحب ابن مولوی سید مطیع احمد صاحب مرحوم بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ آپکی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سید شرف الدین محمد علی نقوی قبائی سے ملتا ہے جو ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں مسجدِ قبا سے قبۃ الاسلام بغداد سے بدایوں میں آکر آباد ہوئے اور ۶۵۱ھ ہجری میں انتقال کرکے خاک چندوسی میں مدفون ہوئے اُنکے بعد سید علاؤ الدین علی رضوی حضرت سلطان المشائخ سید نظام الدین بدایونی کے پیر تھے اُنکے جانشین ہوئے۔ اسیطرح سبکے بعد دیگرے

سید حمزہ دانشمند بدایونی مصنف میزان الصرف وغیرہ بہت سے بزرگ اس سلسلہ میں جانشین ہوتے رہے جو دانشمند کے خطاب سے ممتاز کیے جاتے تھے (لفظ دانشمند شاہی زمانے میں آجکل کے ایم اے کا ہم معنی سمجھا جاتا تھا) چنانچہ آخر میں آپکے والد ماجد اسی سلسلہ میں اپنے اسلاف کے جانشین ہوئے۔

آپکا مقام ولادت لشکر گوالیار ہے ۲۷ رجب ۱۲۷۹ھ ہجری کو آپ پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر تک پرانے اصولوں پر فارسی پڑھتے رہے اسکے بعد عربی شروع کی اور میزان سے لیکر تمام علوم عقلی و نقلی درس نظامی کے مطابق اُن سے حاصل کیے۔ اسکے بعد آپکے والد ماجد صاحب نے آپکو انگریزی پڑھانی چاہی مگر اُسوقت آپکے نزدیک انگریزی پڑھنا گویا کفر تھا۔ لہذا ایک سال ضائع بھی کیا مگر بجز پرائمری کے اور کچھ نہ پڑھا۔ لیکن اب اُس ضائع شدہ وقت اور اپنے خام خیال کا آپ کو نہایت افسوس ہے۔

اسکے بعد آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا اور اپنے عم بزرگ مولانا مولوی دلدار علی صاحب مذاق کو کلام دکھانا شروع کیا جو خاقانی ہند استاد ذوق کے ارشد تلامذہ میں سے تھے مگر آخر عمر میں اُن کا دل و دماغ چونکہ ضعیف ہو گیا اُنکو اصلاح کی تکلیف دینا مناسب نہ سمجھکر آپ حضرت داغ دہلوی کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مگر آپکے کلام کا بدقسمتی سے بہت سا حصہ ضائع ہو گیا۔ اب چند غزلیں اور دو ایک قصیدے باقی ہیں جو آپنے بطور سند تفاخر اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں اور جن پر استاد نے کہیں کہیں اصلاح فرمانے کے بعد آپکے کلام کی تحریری داد بھی دی ہے۔ آپنے اُن قصائد اور غزلوں کی نقلیں درج تذکرہ ہونے کی غرض سے قاضی مقصود حسن صاحب حیرت کی معرفت بھیجی بھی تھیں مگر افسوس قاضی صاحب کے دفعۃً انتقال ہو جانے کی وجہ سے اُم تک نہ پہنچیں۔ سُنا ہے کہ آپنے چند ایسی کتابوں پر حواشی اور شرحیں بھی لکھی ہیں جو اُردو کے لیے نہایت مفید ہیں مگر افسوس وہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔ آپ سابق میں پانچ برس تک مجسٹریٹ بھی رہ چکے ہیں اب پولیس کمشنری کے

شعر زبردست سے بہ ممتاز ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ شوخیِ مضمون اور معاملہ بندی میں اپنے استاد کی تقلید خوب کرتے ہیں۔ اب کوئی ۲۵ سال کی عمر ہوگی۔ خلیق اور بامروت انسان ہیں۔ جو کلام ہنگام ترتیب ہمیں موصول ہوا ہے اُس کا انتخاب ملاحظہ فرمایئے۔

تاک میں ہے آنکھ چوکی ال یاروں کا ہوا	ورنہ کیوں اکثر اُٹھایا دل کو اکثر رکھ دیا
یوں تسلی سے تڑپایا ہے آفت شوخیاں	اور مضطر کر دیا جب ہاتھ دل پر رکھ دیا
یہ کوئی بیٹھی چھری تھی یا نگاہِ ناز تھی	ہیں ترے قربان یہ کیا دل کے اندر رکھ دیا
ایسے افسانے ہیں اغلاط سینکڑوں حیرت گویا	ساغرِ مے تیرے کہنے سے مقرر رکھ دیا
عبث دستِ جنوں ہے مبتلا سودے ساماں میں	کفن کو بھی نہیں ہے تار باقی اب گریباں میں
چھپائے سے چھپیں گے ہیں جو نشتر جیباں میں	ذرا منہ ڈال کر دیکھو تو تم اپنے گریباں میں
ٹھہرتے کیوں لگے وہ پردۂ چشمِ گریاں میں	رہے پاپوش اُنکی ایسے پر آشوب زنداں میں
ڈراتے پھر رہی ہیں حسرتیں آوارہ گردی کی	بیاباں ہے مرے دل میں مرا دل ہے بیاباں میں
کشش کا لطف کاوش کا مزہ پایا کہ رہتا ہے	ترا پیکاں مرے دل میں مرا دل تیر پیکاں میں
بڑا ہی تیر مارا آنکھ اُٹھا کر مجکو کیا دیکھا	یہ کچھ منت ہے منت میں یہ کچھ احساں ہے احساں میں
عبث ہو یاں سرائی کی سفر میں تمنے اے حیرت	نہایت خوب تھا خاموش رہتے بزمِ یاراں میں
کھلیں گی انکی کب آنکھیں جو سو جانیکا وقت آیا	مجھے زندہ ہی رکھا تو جبتک کہ غافل ہوں
ہوا کرتے ہیں ناز و انداز تو سب حسینوں میں	کہاں سے لائے کوئی آپکے بیساختہ پن کو
اُٹھا کیں حسن کی اس پر تقاضا خود نمائی کا	چھپا رکھیں چھپا سکتے ہیں گر وہ اپنے جوبن کو
خلش نوکِ مژہ کی زخمِ دل کو یاد آئی ہے	ذرا قابو میں رکھنا بخیہ گر تو نوکِ سوزن کو
بڑی شادی ہو جوشِ جنوں جتنی کچھ تو ٹھنڈا ہو	مرے دامن کا آنچل ہو مرے اشکونکا سہرا ہو
خیال اسکا عبث ہے مجکو کیوں غیروں سے شکوا ہو	کسے دشمن کی کیا حاجت ہے جسکا دوست ایسا ہو
بہانا آپ اچھے آپکی آنکھیں بہت اچھی	کوئی بیمار اچھا ہو تو ہم سمجھیں مسیحا ہو

سنا جائے باتیں دکھائے جائے آنکھیں
قسم ہے ہیں سنے گر کچھ بھی سنا ہو کچھ بھی دیکھا ہو

نہ ٹھکراؤ مرا سر بخت خفتہ جاگ اُٹھے گا
جگانا منع ہے اسکا جو میٹھی نیند سوتا ہو

ہوئے جاتے ہیں باہر آپ تو جامے سے چھوٹے ہیں
اگر اس طرح کوئی دیکھ لے فرمائیے کیا ہو

مریجاں اسقدر پرہیز کیوں کرتے ہو حیرت سے
مرے دلمیں رہو تم تو مرے دلکی تمنا ہو

دیکھ کر شانہ بستہ طوقِ گراں جانی مجھے
کر دیا پابند قید ہستی فانی مجھے

کیوں دکھاتے ہو عرق آلودہ پیشانی مجھے
اس پشیمانی سے ہوتی ہے پشیمانی مجھے

غیر کو آنے نہ دوں تمکو کہیں جانے نہ دوں
کاش ملجائے تمہارے گھر کی دربانی مجھے

میری تنہائی ہوئی یا اُنکی یکتائی ہوئی
ایک دونوں کا نظر آتا نہیں ثانی مجھے

دوستی نادان سے کی ہو گیا جی کا زیاں
اب سزا دیتی ہے کیا کیا میری نادانی مجھے

ہو اگر گھر در تو کچھ اندیشہ وحشت نہیں
ہیں بیاباں گرد ہوں کیا فکر ویرانی مجھے

عقل سے کیا واسطہ سرشارِ جامِ عشق کو
کوئی دیوانہ سمجھتی ہے یہ دیوانی مجھے

ملگیا جو کچھ کہ ملنا تھا ہمیں روزِ ازل
پاک دامانی تجھے اور چاک دامانی مجھے

دیکھئے حیرت کی صورت کیا خدا کی شان ہے
جچ رہا ہے کیونکر اتنا سی یہ حیرانی مجھے

دوست ہو میرے مگر کس کام کے
غیر کے دشمن ہو لیکن نام کے

یہ قدم سر پر ہوں یا قدموں پہ سر
ہیں یہی دو ڈھب مرے آرام کے

ساقی سرمست میخانے کی خیر
دیر سے سائل ہیں ہم بھی جام کے

دوست دشمن کا نہیں کچھ امتیاز
خط چھپے ہیں آپ کے لعلِ نام کے

کر گئی آخر کو رسوا تاک جھانک
ہیں نتیجے ہی بُرے یہ کام کے

رات دن ہے کام تمکو غیر سے
دن پھرے ہیں کیسے کیسے ناکام کے

کنج گمنامی میں حیرت چھپ رہو
مرحلے طے کر چکے ہم نام کے

کیا اب نہ ہوگی میری طرف کو نگاہ بھی
آخر کوئی خطا بھی ہے تمکو گناہ بھی

منہ تاکتی ہی رہ گئی عاشق کی آہ بھی
نکلا نہ منہ سے آپکے جھوٹوں کو واہ بھی

حیرت بری بلا ہے حقیقت میں چاہ بھی
انکو نباہتے ہی بنیگی نباہ بھی

یہ چھیڑ چھاڑ اور یہ قیامت کی آب تاب
محشر سے کم نہیں ہے تری جلوہ گاہ بھی

چاہا تمھیں خطا ہوئی فرمائیے معاف
ہوتا ہے آدمی ہی سے آخر گناہ بھی

اُنکی طرف ہے آنکھ انھیں کیطرف ہے دل
ساقی نہیں ہمارے ہمارے گواہ بھی

ہے بلا خنجر کوچۂ قاتل
جسکو پروا ہے سر نہو جائے

بیطرح گھات میں ہے دزد نگہ
کچھ ادھر کا اُدھر نہو جائے

ہے قیامت کی دھوپ محشر میں
خشک دامان تر نہو جائے

حیرت

حیرت۔ سخنور خوش فکر و ماہر فن قاضی مقصود حسن خلف حاجی ارشاد علیصاحب آپکی مرسلہ تحریر سے معلوم ہوا کہ آپکے آبا و اجداد کا اصلی وطن یمن تھا۔ پھر دلّی ہوا۔ اب شاہجہانپور رہیلکھنڈ ہے۔ جس وقت ہندوستان میں اسلامی حکومت زوروں پر تھی اور دلّی دار الخلافہ ہونیکی وجہ سے ہنرمندوں کا مرجع و ستم رسیدوں کا ملجا و ماوی تھا آپکے بزرگ قاضی سیّد مہدی صاحب دلّی میں تشریف لائے اور بتائید اقبال بحکم شاہی سے خدمتِ قضا پر مامور ہوگئے۔ زمانہ جبتک موافق رہا آپکے بزرگ دہلوی ہونے پر فخر کرتے رہے مگر انقلابِ زمانہ اور اتفاقات وقت نے ہمیشہ دلّی میں رہنے نہ دیا چنانچہ بحکم شاہی سے شاہجہانپور گئے اور عہدۂ قضا کا فرمان بھی ساتھ لیتے گئے۔ اُسوقت سے وہیں ہیں اور یہ عہدہ بھی ابتک آپکے خاندان میں چلا آتا ہے۔

آپ ١٨٦٩ء میں پیدا ہوئے چودہ برس کی عمر تک اپنے چچازاد بھائی سید محمد حسن میاں سے فارسی اور عربی کی صرف و نحو پڑھتے رہے۔ موزونی طبع اور شاعرانہ مذاق ازل سے اپنے ساتھ لائے تھے اس لیئے تعلیم و مطالعہ میں اکثر نظم اور فن نظم ہی کی کتابیں رہیں۔ مولانا جامی حضرت نظامی۔ امیر خسرو۔ اور علامہ فیضی کے علاوہ دیگر باکمال

اساتذہ اور مشاہیر شعرائے اُردو کی تصنیفات سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ اِس اثنا میں جب کبھی آپکا فطری جوش اُبھارتا تھا تو فارسی یا اُردو کچھ کہہ بھی لیتے تھے۔ مگر بزرگوں کے خوف اور لوگوں کی ہنسی کی شرم سے جو کچھ کہتے تھے اُسکو مخفی رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ بزرگوں کی چشم پوشی اور ہمنشینوں کی تحریک سے وطن کے مشاعروں میں جانے لگے۔ مگر کیفیت یہ رہی کہ اپنی غزل جو بڑے ذوق و شوق سے لکھتے تھے وہ یونہی تو بھی جیب پڑے واپس لے آتے تھے تاہم اِن جلسوں کے اثر سے روز بروز اِس شوق کو ترقی ہوتی گئی۔ طبیعت قدرتی طور سے تشبیہ و استعارہ سے بے لگاؤ تھی اور زبان کی سادگی۔ بندش کی چستی اور محاورات کی چسپیدگی پر مٹی ہوئی تھی۔ لہذا جو کچھ کہتے تھے اپنے رنگ میں کہتے تھے اور خود ہی کہکر اپنا دل خوش کر لیتے تھے یہ طریقہ بہت دن تک جاری رہا۔ پھر بعض شفیق دوستوں کے اُبھارنے سے مشاعروں میں غزل پڑھنی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد آپ بہ تلاشِ روزگار عازم گوالیار ہوئے اور منشی سوہن لال صاحب چیف جسٹس کی عنایت سے صدر عدالت گوالیار میں ملازم ہو گئے انھیں ایام میں آپکے دوست مولوی غلام غوث صاحب وجدؔ اور منشی کفایت علیخاں صاحب رُسواؔ نے انھیں ایک باقاعدہ اور باالتزام شاعر بننے کی صلاح دی اور نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغؔ دہلوی کا کلام بھی اکثر سنایا۔ آپ اِس طرزِ ادا کے دلدادہ تھے ہی بلا تامل حضرت ممدوح کے حلقہ بگوش ہو گئے ۱۸۹۳ء میں اصلاح کے لئے غزل بھیجی اور تلامذہ کی فہرست میں نام درج ہونے کا فخر حاصل کیا۔ دربار تاجپوشی ۱۹۰۳ء کے موقع پر آپ دلّی بھی تشریف لائے تھے۔ اور منشی رام پرشاد صاحب ظاہر دہلوی کے ہمراہ راقم سے ملاقی بھی ہوئے تھے۔ اُن ایام میں حضرت داغؔ بھی دلّی میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ آپ روزانہ حضرت داغؔ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور بڑی عقیدت و ارادت مندی سے پیش آتے تھے۔ آپنے ۲۰ سال کامل مشقِ سخن کی اور فطری ذہانت

کی وجہ سے بہت اچھا ملکہ پیدا کر لیا تھا مشہور زمینوں میں ایسے ایسے شعر نکال لیجاتے تھے کہ مستند اُستادوں کے کلام میں ملا دیتے تھے۔ تقریباً ۱۵۰ غزلیں اور متفرق قطعات رباعیات۔ مسدسات اور مخمسات حضرتِ اُستاد کی نظر سے گزرے ہوئے اور اصلاح شدہ آپکے پاس موجود تھے۔ روزمرہ کی صفائی۔ مذاق اور خیال دونوں پاکیزہ۔ مضمون کیطرف بھی میلانِ خاطر تھا اور بندش کی ندرت اور چُستی آپکے کلام کا خاص جوہر تھی۔ مگر افسوس صد افسوس بعالمِ شباب ۳۷ یا ۳۸ سال کی عمر پاکر ۱۹۱۶ء میں انتقال کیا۔ دس بارہ برس ہوئے آپنے اپنے دیوان کا انتخاب راقمِ تذکرہ کو بھیجا تھا اُس میں سے مفصلۂ ذیل شعر انتخاب کرکے پیشکشِ ناظرین کیے جاتے ہیں +

ہم سے تو شکر بھی ہے ہونا محال تیرا
وہ لطف وہ کرم ہے اے ذو الجلال تیرا

تُو جان کا بھی مالک ایمان کا بھی مالک
یہ بھی ہے مال تیرا وہ بھی ہے مال تیرا

آنکھوں کو نور بخشے دل کو سرور بخشے
کیا جلوہ جانفزا ہے اے ذو الجلال تیرا

کیفیتیں طلب کی اس دل سے کوئی پوچھے
جس دل میں بس رہا ہے شوقِ وصال تیرا

ہر شے میں دیکھتے ہیں تیری تجلیاں ہم
آنکھوں کے سامنے ہے ہر دم خیال تیرا

حیرتؔ کی یہ دعا ہے جبتک جیوں الٰہی
ہر وقت دُھن ہو تیری ہر دم خیال تیرا

خانۂ دلمیں نہ ڈھونڈا یونہیں بھٹکے گھر گھر
لگ چکا تم کو پتہ شیخ و برہمن اُنکا

کیا قیامت تھا وعدۂ دیدار
مدت العمر میں وفا نہ ہوا

غمِ عشق راحت فزا ہو گیا
مرا درد میری دوا ہو گیا

ستم کرکے اب دلمیں نادم ہو
مری جان جو کچھ ہوا ہو گیا

ہوا غیر جب سے شریکِ ستم
تمہارا ستم بے مزا ہو گیا

وہ جادو بھری ہے کسیکی نگاہ
جدھر پھر گئی فیصلہ ہو گیا

حسین آشنا اپنے مطلب کے ہیں
نہیں خوب یہ تجربہ ہو گیا

کیوں کیا تم نے نہ آکر پائمال
میرا لاشہ خاک پر لوٹا کیا

ذبح تو کر ڈالا تیغِ ناز سے
اور پھر کہتے ہو میں نے کیا کیا

آہ بیکار ہی گئی آخر
دلِ ناکامیاب دیکھ لیا

آپ نے پی کے حضرتِ واعظ
لطفِ جامِ شراب دیکھ لیا

بیخودی کیوں ہے اے دلِ ناداں
کسکو خانہ خراب دیکھ لیا

آرزوؤں سے جو ٹھیرے وہی جہاں اچھا
ڈھیٹ بنکر نہیں رہنا شبِ ہجراں اچھا

دشمنِ جان بھی غارتگرِ ایماں بھی ہیں
ان بتوں سے جو رہے دور وہ انسان اچھا

وہ اگر تیز کئے بیٹھے ہیں خنجر اپنا
ہم بھی پھرتے ہیں ہتھیلی پہ لئے سر اپنا

مژدۂ قتل مبارک ہو مرے دشمن کو
آپ احسان نہ رکھئے مرے سر پر اپنا

قتل نامہ مرا یوں تو نہ مکمل ہو گا
پہلے تم نام تو لکھو سرِ محضر اپنا

ابھی ٹھیرو کہ ہٹی جاتی ہے بیتابیٔ دل
ابھی رہنے دو ذرا ہاتھ جگر پر اپنا

تم سمجھتے ہو کہ محشر میں رعایت ہوگی
گر طرفدار ہوا داورِ محشر اپنا

ہوگئی حشر میں سب خلقِ خدا انکی طرف
ہائے کوئی بھی نہیں ہے سرِ محشر اپنا

اور دم بھر رہے مصروفِ تماشا قاتل
دو گھڑی اور بھی تڑپے دلِ مضطر اپنا

اُسنے پہچان لیا بزم میں ہمکو حیرت
کیا پشیمان ہوئے بھیس بدلکر اپنا

ستم کر گیا اور بھی وقتِ رخصت
وہ مُڑ مُڑ کے انکا ادھر دیکھ لینا

میرے مرنیکا یقیں جب انکو پورا ہو گیا
ہاتھ مل مل کر کہا افسوس یہ کیا ہو گیا

سرگذشتِ ہجر میں بھی تو مزا آنے لگا
ہم مصیبت کہنے بیٹھے انکو قصہ ہو گیا

شوق کے پہلو بچا کر اُنسے کی تھی گفتگو
چھپ سکا لیکن نہ اظہارِ تمنا ہو گیا

کیا کہیں کس سے کہیں غمخوار اپنا کون ہے
ایک دل اپنوں میں تھا وہ بھی پرایا ہو گیا

کیوں بگڑتے ہو نہیں تھے غیر کے ہمراہ تم!
میری ہی تقصیر ہے مجکو ہی دھوکا ہو گیا

مال ہی کیا تھا جو تم دلکو اڑا کر لے گئے
اپنو جانا تم نے حیرت کو وفادار نہیں فرد

امتحاں ہمکو اسی میں بس تمنا ہو گیا
امتحاں کا تھا ارادہ وہ بھی پورا ہو گیا

حالِ دلِ مہجور کا نقشا نہیں دیکھا
کیا لاکھوں حسیں اپنی نظر سے نہیں گزرے
دشمن کی مدح اور ہماری مذمتیں
ظالم کی جو ادا ہے غضب دلفریب ہے
جھوٹے غضب کے تھے مجھے بیچین کر گئے
مجھ سے بیاں ہیت ہے دم ترے خنجر کیواسطے
یہ کہئے وہ تو داورِ محشر سے چاہیے
افسوس ہے کہ پوچھتے ہیں مجھ سے اہل شہر
تقصیر وار کون ہے انصاف سے کہو

دیکھو تو ادھر پھر تو کہو کیا نہیں دیکھا
اس وضع کا اس طرز کا ایسا نہیں دیکھا
اسکے سوا ہے اور تمھارے دہن میں کیا
شوخی میں کیا ہے ناز میں کیا سادہ پن میں کیا
یارب بھرا ہوا تھا ہوائے وطن میں کیا
اتنی بھی جان اب نہیں مجھ خستہ تن میں کیا
کیا جانے بک رہا ہے یہ دیوانہ پن میں کیا
حیرت جناب داغ ہے اب دکن میں کیا
مجھ پہ عتاب ہے کہ دلِ بیقرار پہ

نہ قبضہ دل پہ ہے اپنا نہ قابو جانِ مضطر پر
ترے بیمار غم کے واسطے آبِ بقا سم ہے
یہ جھگڑا تو نہیں کا تھا نہیں اسکو مٹا دیجئے
نہ پایا چشم میگوں میں یہ کیفیت ہی حیرت کی
دیکھو یار عجب شان سے ہم دیکھتے ہیں
ترکِ الفت تو کرے غیر سے ممکن ہی نہیں
سینہ و دل کبھی آباد تھے ارمانوں سے
غیر مقتل سے کوئی دم میں ہوا ہوتا ہے
اے اجل اپنو یہیں ڈھیر ہمارا ہو گا
دیکھنے دو ہمیں چہرے کو چھپاتے کیوں ہو

الٰہی کیا کروں دل لوٹ کر آیا ہے دلبر پہ
کہ اسکی زندگی تو منحصر ہے آبِ خنجر پہ
ہمارا فیصلہ کیوں منحصر رکھا ہے محشر پہ
کبھی گرتا ہے شیشہ پر کبھی گرتا ہے ساغر پہ
صورتِ آئینہ حیران سے ہم دیکھتے ہیں
یہ تو باہر ترے امکان سے ہم دیکھتے ہیں
اب وہی گھر ہیں کہ ویران سے ہم دیکھتے ہیں
پاؤں اکھڑے ہوئے میدان سے ہم دیکھتے ہیں
پاؤں اٹھتا نہیں میدان سے ہم دیکھتے ہیں
کیا خبر تمکو کس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

وہ ترے شعر سنا کرتے ہیں اکثر حیرت
وصل کے وعدے پہ وہ اچھی طرح جمتے نہیں

ذاتِ والا ہیں تو ہیں سارے فرشتوں کے صفات
اپنا یہ حال جان چلی اضطراب ہیں

بے التفاتیوں کا گلہ اُن سے کیا کروں
عاشق بھی کہتے مجکو کہا ہے جو نامُراد

ہر روز ایک کشمکشِ تازہ پیش ہے
نکلنا دستے تیر و کا ترے مشکل سمجھتے ہیں

دمِ تقریر سو پہلو بچاؤں ہیں تو مطلب کے
بڑے لیلوٹ ہیں ہنتے چڑھا جو انکے آنکھ ہے

تمہاری طرح یہ بھی خون ارمانوں کے کرتا ہے
تجھی کو مانگتے ہیں تجھسے تیرے مانگنے والے

بڑی بدبڈ مصب جگہ اُٹکے ہوا کی بارلے حیرت
سینہ و دل میں چلا کرتی ہیں چھریاں کیا کیا

ناوک انداز ہیں قربان تری آنکھوں کے
نہ وعدوں ہی سے ملتے ہیں نہ اقراروں سے ملتے ہیں

جنابِ شیخ اب چھپ چھپکے میخواروں سے ملتے ہیں
ملاقاتوں سے نیت کوئی مشتاقوں کی بھرتی ہے

مزا ملتا ہی اسمیں ہے کسیکو بے طلب کوئی
یہ حسن عشق کی دولت ہی جتنے داغ ہیں دلپر

نہ جلوہ دلربا تجھسا نہ تو سے جانفزا تجھ سی
ذوق ہے کچھ ترے دیوان ہیں ہم دیکھتے ہیں

عہد کچھ یونہی سے ہیں پیمان کچھ یونہی سے ہیں
شیخصاحب آپتو انسان کچھ یونہی سے ہیں

اُنکا یہ قول ٹالئیے برسوں جواب ہیں
کیا کم عنایتیں ہوئیں مجھ پر عتاب ہیں

اُتنا اضافہ اور ہو میرے خطاب ہیں
حیرت کی جان عشق نے ڈالی عذاب ہیں

بُتِ ناوک فگن ہم انکو جزوِ دل سمجھتے ہیں
غضب یہ ہے وہ میرا مدعائے دل سمجھتے ہیں

پرایا دل سمجھتے ہیں نہ اپنا دل سمجھتے ہیں
تمھیں قاتل نہیں ہم دلکو بھی قاتل سمجھتے ہیں

حقیقت دو جہاں کی کیا ترے سائل سمجھتے ہیں
تمہارے داؤں ہیں وہ آئے ہم مشکل سمجھتے ہیں

جبدم آتا ہے خیالِ خمِ ابرو دل ہیں
تیر تیرے ہوئے سب آکے ترازو دل ہیں

خدا جانے یہ بُت کیونکر طلبگاروں سے ملتے ہیں
یہ اپنی وضع کے پابند ہیں یاروں سے ملتے ہیں

تمنا اور بڑھتی ہے جو دلداروں سے ملتے ہیں
یہ کیا ملتا ہے دو بوسے جو تکراروں سے ملتے ہیں

یہی انعام ان فیاض سرکاروں سے ملتے ہیں
یہ گل رنگت ہیں کچھ کچھ تیرے رخساروں سے ملتے ہیں

مزے کی چھیڑ ہوتی جاتی ہے صحرا نوردی میں
قدم کے آبلے سب پھوٹ کر خاروں سے ملتے ہیں

مری حالت پہ وقت واپسیں کیا اُنکو رحم آیا
الٰہی خیر وہ کیوں میرے غمخواروں سے ملتے ہیں

اے چارہ گر نہ پوچھ کہاں ہے کہاں نہیں
قابل علاج ہی کے یہ دردِ نہاں نہیں

تھا اُن شرارتوں کا مزہ کم سنی کے ساتھ
پہلے جو شوخیاں تھیں وہ اب شوخیاں نہیں

بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتے ہیں ہم
یوں آپ لاکھ کہیے کہ ہم بدگماں نہیں

امیدِ لطف تم سے نہ ہو تو کسی سے کیا
کون اپنا مہرباں جو تمھیں مہرباں نہیں

حیرت کسی نے یاد کیا ہے تمھیں ضرور
بے وجہ ہجر یار میں یہ ہچکیاں نہیں

مری تصویر کا سر کاٹنے بیٹھے ہیں خنجر سے
اُنھیں ہر دم یہی دھن ہے ستم ہو اور زیادہ ہو

جفائے خنجر کا شکوہ کیا ہیں سنے تو وہ بولے
ہمارے چاہنے والے کا پتھر کا کلیجا ہو

مرے نالے وہ سنکر حشر میں کہنے لگے چپ چپ
یہ کیا کہتا ہے ظالم داورِ محشر نہ سنتا ہو

نگہ یاس بھی قیامت تھی
کچھ نہ پوچھو جو اُنکی حالت تھی

آج دیکھا تھا بے حجاب اُنھیں
ہائے کیا دلفریب صورت تھی

دردِ الفت کی سختیاں اُف اُف
رات بھر نزع کی سی حالت تھی

ہوش جاتے رہے خدا کی قسم
اُنکا جلوہ تھا یا قیامت تھی

کون کرتا ہے گلہ تم سے شکایت کیسی
مہرباں خوب کرو ظلم رعایت کیسی

بات میں بات نئی فقرہ پہ فقرہ تازہ
چلبلی پائی ہے ظالم نے طبیعت کیسی

اُن سے پوچھا کہ تمھیں رسمِ وفا آتی ہے
ہنسکے فرمایا نہیں ہمکو جفا آتی ہے

جلوۂ روئے بتاں ہے وہ جناب زاہد
جسکے نظارے سے آنکھوں میں ضیا آتی ہے

شب غم نالہ ہو۔ فریاد ہو۔ یا آہ و فغاں
شغل ہو کوئی غرض دل کے بہلنے کے لیے

شکوۂ رشکِ عدو پر یہ ملا ہمکو جواب
تجھے اللہ نے پیدا کیا جلنے کے لیے

ہمارے حق میں جہاں تک ہو آپ سے ہرگز
اُٹھا نہ رکھنا کوئی بات مہرباں باقی

جلوۂ ہوش رُبا دیکھ کے اوسان گئے
کلمہ پڑھتے ہوئے اُس بُت کا مسلمان گئے

ہائے کیا بزم تھی کیا لوگ تھے کیا جلسے تھے
یا الٰہی وہ کدھر عیش کے سامان گئے

منصف ہو تو دشمن کے طرف دار نہ ہونا
انصاف وہ کیا جس میں رعایت ہو کسیکی

ظالم تری تصویر میں جادو کا اثر ہے
جچتی ہی نہیں آنکھ میں صورت ہو کسیکی

گھبرا کے وہ کہنے لگے فریادِ ستم پر
اچھا جو ستانے ہی کی عادت ہو کسیکی

تغافل کی ادا ظالم کی دنیا سے نرالی ہے
قیامت توڑ دی ہے جب نظر چل پھر کے ڈالی ہے

الٰہی خیر یہ ہل چل مچی ہے کسکے آنے کی
سرِ گورِ غریباں کیا قیامت اُٹھنے والی ہے

کیا اپنے فن میں دزدِ حنا کو کمال ہے
چُوکی ذرا نگاہ کہ یاروں کا مال ہے

افسانۂ عدو میں یہ دلچسپیاں کہاں؟
آپ اسکو سُنیئے۔ سننے کے قابل یہ حال ہے

کسی اُڑائی طرزِ روش تو نے فتنہ گر
یہ تو نہ چرخ کی نہ قیامت کی چال ہے

کچھ بھی پلّے نہ پڑا داغِ تمنا کے سوا
ایسی کمبخت تھی پھوٹی ہوئی قسمت دلکی

مہرباں بوسۂ لب کوئی بڑی بات نہیں
آپ گھبرا گئے کیوں سُنتے ہی قیمت دلکی

مختصر جلتے ہیں وہ شوق کی تحریروں سے
شکر یہ آپ کا ہے اور شکایت دلکی

کیا کہیں آپ سے حیرت کا بُرا حال ہے کیوں
کچھ کرم آپکا ہے کچھ ہے عنایت دلکی

ہزاروں میں نکلتا ہے کوئی شخص
نہ خواہاں وفا کے ہر بشر سے

مزے دیتا ہے کیا کیا خارِ اُلفت
کھٹک اسکی کوئی پوچھے جگر سے

میرے جھگڑوں کے لیئے کافی نہیں روزِ جزا
یا الٰہی دوسرا اک اور محشر چاہیئے

غیر ہے تجھ سے زیادہ باوفا یہ کیا کہا
دل میں کچھ انصاف بھی اے بندہ پرور چاہیئے

حیرت اُسکے چاہنے والے ہزاروں ہوں تو ہوں
اپنی قسمت چاہیئے اپنا مقدر چاہیئے

یہ شبابِ حُسن یہ حسنِ شباب
حشر تک تجھ پہ یہی عالم رہے

ایک دن دو دن نہایت تین دن
عمر بھر کیوں غیر کا ماتم رہے

حیرت منشی نور احمد خان دہلوی محرر سارجنٹ پولیس زیادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ چند شعر ملے درج کیئے جاتے ہیں ؛

منظور اگر ترک ملاقات ہے بہتر	حاصل تمھیں کیا روز کے بیفائدہ شر میں
چھائی ہے گھٹا سر پہ غم و رنج و الم کی	ہر روز برستی ہیں بلائیں مرے گھر میں
عاشق ہو کہ معشوق اسے مان لو حیرت	ہے جلوۂ ذات ایک جو آتا ہے نظر میں

حیرتی منشی محمد علیخان باشندۂ عظیم آباد پٹنہ۔ راجہ پیارے لال الفتی دہلوی مقیم پٹنہ اور میر وزیر علی حیرتی سے فن سخن میں فیض پایا تھا۔ عرصہ ہوا انتقال کیا۔ انکا کلام ہے

نہ پوچھو ہم سے نام و نشاں میرا بتاؤں کیا	میں اک لیلی کا مجنوں ہوں بیاباں ہے وطن میرا
ہمارے لخت دل ہیں اسطرح اشک مسلسل میں	پرے ہوں دانۂ یاقوت جیسے سلک گوہر میں
آئے ماہ جب آنکھوں میں تو ہی جلوہ نما ہو	پھر مردم دیدہ کی کہاں آنکھوں میں جا ہو
اس طرح مری پیاس بجھا اے مرے قاتل	آب دم شمشیر ہو اور میرا گلا ہو
کس طرح دکھائے وہ کسی غیر کو صورت	آئینہ نہ دیکھا کبھی جسنے یہ حیا ہو
ادھر تو کشور دل لوٹتا ہے ترک نگاہ	ادھر ہے لشکر مژگاں پرا جمائے ہوئے

حیف میر چراغ علی حیف لکھنوی شاگرد میر شیر علی افسوس۔ آخر اٹھارھویں صدی کے شعرا میں سے تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؛

جسکی ہر اک امید مبدل بہ یاس ہو	کیا اس مریض عشق کے جینے کی آس ہو

ملنے بھی نہ پائی اس جواں سے	ق	حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے
کافی ہے ترا ہی دید مجکو		کیا کام بہار و بوستان سے
کیا پوچھے ہے حیف کی حقیقت		ناشاد گیا وہ اس جہاں سے
وہ مہر جہانتاب اگر بام پر آوے		تابندگی نیر اعظم نظر آوے
ہے اپنے تو نزدیک یہ خوب لیکن		ہو لطف جو تیری بھی طبیعت ادھر آوے

کہتا ہے کوئی بال لٹے کوئی رگ گل | کچھ میں بھی کہوں تیری کمر جو نظر آوے
کانوں میں نہیں ہیں اُسکے بالے | اک چاند کے دو ہوئے ہیں ہالے

حیف

حیف شیخ محمد حاجی متوطن شاہجہاں آباد متخلص بہ حیف۔ آخر اٹھارہ صدی میں حیات تھے شوق نے اپنے تذکرہ میں انکا ذکر کیا ہے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

نظر آیا جو مکھڑا رات کو اس مہرتاباں کا | خجل ہو ماہ نے منہ چادر مہتاب میں ڈھانکا
اکیلا بیٹھکر روتا ہوں سر زانو پہ رکھ ہمدم | اُٹھانا یاد جب آتا ہے مجھکو اُسکے داماں کا
اُسنے چھپکر مجھے لکھی تھی حقیقت جس میں | وائے قسمت وہ کتابت لگی اغیار کے ہاتھ
حیف کا قتل ترے ہاتھ سے ہوگا ظالم | یہ کہا دیکھ برہمن نے مرے یار کے ہاتھ
آتا نظر نہیں کوئی ہمدرد یاں مجھے | اے گردش سپہر لیے آئی کہاں مجھے

حبیب

حبیب منشی عبدالمجید حبیب باشندۂ خانپورہ شاگرد شوکت۔ کلام صاف ستھرا ہے استعداد بھی خاصی معلوم ہوتی ہے طبیعت میں جدت ہے اور مضمون پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ چند شعر حاضر ہیں ؎

کیوں بار عشق تو نے رقیبوں کے سر دھرا | اتنا تو ناتواں یہ ترا ناتواں نہ تھا
اسقدر بار احساں سے بہت بھاری ہے سر تیغ | ورنہ بوجھ محشر تک رہیگا تیری گردن پر
ہو تسلی دلکو کیسے وعدہ شکن اقرار میں | فرق جب معلوم ہوا اقرار اور انکار میں
اتنا قد کیا ہے لذت اسپہ [illegible] | تیر کی جا اسکے دل [illegible] سوچا میں
توڑ کے [illegible] کھاتے ہیں [illegible] ابرو [illegible] | دل کی [illegible] اپنی ہے [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] گردش قسمت اسکو | جوش پر [illegible] گردش [illegible]
[illegible] سے آکر [illegible] | [illegible] چھوں [illegible]
[illegible] آئے تو ہم [illegible] | [illegible] ہیں جو قطرہ ہو [illegible]

ہماری تشنہ کامی کو ہے کافی تیغ قاتل
دکھا خنجر اُسے جو آبِ خنجر کا پیاسا ہو

تماشائے جمالِ یار پچشم ہیں تماشائی
تماشا اُسکا خود جو تماشا ہو تو پھر کیا ہو

کہاں سے بھر گئیں نوکِ سناں میں لیتیں لیلیٰ کی
کہ ابتک ہر لبِ زخمِ جگر کو کاٹتا دل ہے

ہیں کیوں مجنوں صفت وحشت میں صحرا کو نکلجاؤ
کہ میرے خلوتِ دل لیلئ عرفاں کا محمل ہے

حیف - وجیہ الدین احمد خان ولد سعید الدین احمد خان - ریاست رامپور کے رہنے والے ایک خوشخو اور خوش رو نوجوان ہیں - آبائی پیشہ مالگذاری تھا - مگر آپنے اُسے ترک کر کے چندوسی ضلع مُراد آباد میں شکر کا کارخانہ جاری کیا - گردشِ زمانہ سے وہ بھی نہ چلا پھر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۱ء تک جھالاوارٹ کی ریاست میں اُمیدوار ملازمت رہے - محض غزل گوئی اور مدح سرائی سے شغل رہا پھر ریاست کوٹہ میں ملازمت اختیار کی اب وہاں سب انسپکٹر ہیں - شروع مشق میں مولوی عبد الغنی خانصاحب جاوید تلمیذ منیر سے اصلاح لیتے رہے اُنکے انتقال کے بعد امیر مینائی کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے - کلام اچھا ہے صفائی سادگی بندش ہر ایک صفت ایک حد تک موجود ہے - انتخاب ملاحظہ ہو -

ہر ادا یار کی ہے دل کی اُڑا لینے والی
چور ہیں گھات میں مشکل ہے بچانا دل کا

کیا بُرا حال ہوا عشق بتاں میں اے حیف
ہم نہ کہتے تھے کہ اچھا نہیں آنا دل کا

اور کس سے ہو اُمیدِ دوستی
دل جو اپنا تھا پرایا ہو گیا

واں شام شبِ وعدہ لگی پاؤں میں مہندی
یاں رنگ اُڑا روئے دعا سے سحری کا

لاتے ہیں مجھے ہوش میں یہ کہکے "وہ آئے"
ممنون ہوں احباب کی اس چارہ گری کا

وہ آکے گئے بھی تجھے کچھ ہوش نہ آیا
اے حیف گلا ہے تری بے خبری کا

ہماری چال ہم سے چلگئے وہ
ہمیں کو دے گئے فقرہ ہمارا

کچھ اشاروں میں بتایا کچھ نگاہوں میں کہا
کہہ دیا سب کچھ مگر مُنہ سے کہا کچھ بھی نہیں

غیر کی جان ہے یا یوں ہجر کے صدمے جھیلے
میری ہمت - مرا دل - میرا کلیجا دیکھو

آپنے اپنے ہی خنجر کی روانی دیکھی ٹھہرو ٹھہرو تنِ بے سر کا تماشا دیکھو

پرتو فگن جو سبزۂ رخسارِ یار ہو لوحِ زمرّدیں مری لوحِ مزار ہو
پسند آیا لباسِ خاکساری مجھے ریگِ رواں آبِ رواں ہے
نگوں بختِ ازل سے کیا ملے گا بہت اونچا مزاجِ آسمان ہے

ہر سعادت کا مری چہرہ سیہ ہو جائیگا تیرہ بختی یہ ترا کاجل سلامت چاہیئے
لڑکھڑاتے ہیں رہِ شوق میں جب پائے طلب تھامنے مجکو مری لغزشِ پا آتی ہے
شوخی کی چھیڑ چھاڑ ہے شرم و حجاب سے اُلجھا ہوا ہے اُنکا لڑکپن شباب سے

حیفی — منشی محب الدین احمد دہلوی خلف منشی چندن لال کایستھ تحصیلدار تخلص حیفی تلمیذ منشی ہرگوپال تفتہ۔ سابق میں نواب کلب علیخان والی رامپور کے ملازم تھے۔ اور وہیں مذہب آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے اب خانہ نشین ہیں۔ فارسی میں بھی سخن طرازی کرتے ہیں اور اُردو میں بھی۔ دونوں میں صاحب دیوان ہیں۔ قصیدہ و تاریخ گوئی میں بھی مہارتِ تامّہ حاصل ہے اب ۷۰ برس کی عمر ہے یہ چند شعر اُنکے ہیں ❊

مثلِ نکہت جب وہ گلرو زیبِ گلشن ہو گیا خندۂ شادی ہر اک بلبل کا شیون ہو گیا
غیر اُس بزم سے ہو کر جو پشیمان نکلا حسرتِ دل یہ پکاری مرا ارمان نکلا
کُشتہ سمجھ کے گردشِ چشمِ نگار کا آہو طواف کرتے ہیں میرے مزار کا
افسردہ دل کو وہ ہی جلن بعدِ مرگ ہے گل بھی ہوا نصیب تو شمعِ مزار کا
دجلہ بار آج ہے پھر دیدۂ حیفی افسوس شاید غیروں کے وہ شایدِ لبِ دریا پہنچے

ق

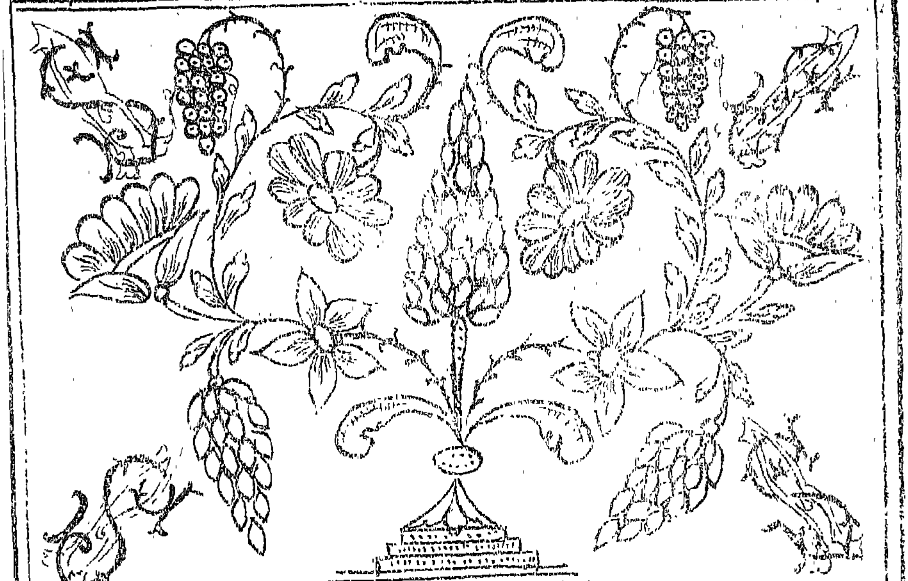
مانگیے گر شوقِ جفا مانگیے چاہیے گر دردِ جگر چاہیے
پوچھتا قسّامِ ازل ہم سے گر کیا تجھے اے خاک بسر چاہیے
ہم بھی یہ کہتے بہم سردِ آہ داغِ دل و داغِ جگر چاہیے
میں اک عیسیٰ نفس پر مر گیا ہوں مرے جینے میں عمرِ جاوداں ہے

دیکھئے خاک میں کس کسکو ملائے تقدیر	آج اک آئینہ رو محو خود آرائی ہے

مندرجہ ذیل شاعر کا کلام بعد ترتیب ہم پہنچا اسلئے آخر میں درج کیا گیا

حیا حیا۔ منشی عبد الغفور باشندہ علیگڈھ حال مقیم اجمیر آپکی عمر ۳۰ برس کے قریب ہے اور کئی برس سے منشی امیر مرزا زاہد اکبرآبادی کے شاگرد ہیں۔ عین ہنگام کتابت میں چند غزلیں ملیں اُن میں سے اشعار ذیل منتخب ہوئے۔

اب کیا وعدہ وفا تم نے تو کیا	جب نہ کچھ باقی رہا بیمار میں
میں رہ جاتا ہوں اس دم کوسکر اپنے مقدر کو	ادا سے جبکہ کہتے ہیں پرے ہو دور بستر کو
کبھی منا کبھی بنا کر بگڑ جانا تماشا ہے	پھر اسپر کہنے جاتے ہیں بڑھاتے ہو فتن شر کو
حالِ دل اسکو سنانیکی ہے کیا صورت	جب وہ صورت ہی دکھانیکا روادار نہو
دلِ بیتاب کو کیونکر ہو تسلی ظالم	خواب میں بھی جو میسر ترا دیدار نہو
آج بیٹھے بٹھائے وہ بگڑے بیٹھے ہیں	دل میں کیا جانے کیا سمائی ہے
چھپکے پیتا شراب کا زاہد	واہ کیا خوب پارسائی ہے



تقاریظ

خمخانۂ جاوید جلد دوم

تقریظ از نتائج افکار گہر بار فخر شعرائے زمان سعدی ہندوستان سلطان قلم و فصاحت موجد طرز نوی شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی مدظلہ از ارشد تلامذ حضرت غالب مرحوم

خمخانۂ جاوید یعنی تذکرۂ شعرائے اردو زبان مرتبہ جناب لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی خلف الصدق جناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب سرگباشی اس تذکرے کی جو اہمیت میرے دل میں ہے اور جو خصوصیت مجھکو صاحب تذکرہ اور انکے معزز خاندان سے حاصل ہے اسکے لحاظ سے مجھکو اسکی پہلی جلد پر سب سے پہلے اپنے خیالات ظاہر کرنے چاہئیں تھے۔ مگر بدقسمتی سے ایسے مکروہات پیش آتے رہے کہ میں اطمینان کے ساتھ اسکی نسبت کچھ نہ لکھ سکا۔ اگرچہ کافی اطمینان اب بھی میسر نہیں ہے لیکن چونکہ تذکرے کی دوسری جلد بھی عنقریب چھپکر شائع ہونے والی ہے اسلئے میں نے خیال کیا کہ مبادا اس اہم تالیف کی نسبت پھر مجھکو اپنے دلی خیالات ظاہر کرنے کا موقع نہ ملے لہذا میں نے نہایت ضروری سمجھا کہ اپنی ناچیز رائے اسکے متعلق ظاہر کرنے میں اب دیر نہ کروں ۔

اس تذکرے کی پہلی جلد کو چھپے ہوئے تین برس گزر چکے ہیں۔ دہلی و لکھنؤ اور اطراف

ہندوستان کے بڑے بڑے نامور شعرا اور اہلِ کمال نے اُس پر نہایت عمدہ رائیں ظاہر کی ہیں جس صفائی اور سلاست سے اُس میں شعرا کے تراجم لکھے گئے ہیں اور جس سلیقہ سے اُن کا کلام انتخاب کیا گیا ہے اور جس کوشش و جانفشانی سے اُنکے حالات اور اُن کا کلام بہم پہنچایا گیا ہے اور جس ادب و احترام کے ساتھ قدما سے لیکر معاصرین تک سب کا نام لیا گیا ہے ان سب باتوں کو تقریبًا تمام تقریظ نگاروں نے تسلیم کیا ہے اور سب سے بڑھکر میں نہایت صدق دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ پس تذکرہ یا تذکرہ نویس کو پبلک سے روشناس کرانے کی اب زیادہ ضرورت نہیں ہے میں اس موقع پر صرف تذکرے کی جامعیت کی نسبت چند الفاظ لکھنے چاہتا ہوں ؛

اب تک اس تذکرے کی صرف پہلی جلد راقم کی نظر سے گزری ہے جو ۶۸۹ صفحوں پر ختم ہوئی ہے۔ اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس جلد میں صرف اُن شاعروں کا کلام اور اُنکے حالات درج ہوئے ہیں جن کا تخلص الف یا بے سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منجملہ بتیس ۳۲ کے صرف دو ردیفیں اس جلد میں قلمبند ہوئی ہیں اور کم سے کم ۲۸ ردیفیں باقی ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر سب ردیفیں اسی شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئیں جیسی کہ الف اور بے کی ردیفیں لکھی گئی ہیں تو یہ تذکرہ جامعیت کے لحاظ سے بلا مبالغہ شعرائے اُردو زبان کی ایک ایسی سائیکلوپیڈیا ہوگی جسکی نظیر اُردو تذکروں میں نایاب سمجھی جائیگی۔ اور اُردو زبان میں یہ ایک ایسا اضافہ ہے جس کا تمام اہلِ ملک کو ممنون ہونا چاہیئے۔ آجکل اہلِ ملک کی بدقسمتی سے جو اختلاف ہندو مسلمانوں میں اُردو زبان کی مخالفت یا اُسکی حمایت کی وجہ سے برپا ہے اُسکی رفع دفع اگر ہو سکتی ہے تو اسی طریقے سے ہو سکتی ہے کہ ہندو تعلیم یافتہ اصحاب کشادہ دلی اور فیاضی کے ساتھ اُردو زبان میں جو درحقیقت برج بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت اور اُسکی ایک پروان چڑھی ہوئی اولاد ہے اسی طرح تصنیف و تالیف کریں جس طرح ہمارے ہر دل عزیز میر و نے اس

طولانی تذکرے کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہے اور مسلمان مصنفین بے ضرورت اُردو میں عربی فارسی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کرنے سے جہانتک ہوسکے پرہیز کریں اور اُنکی جگہ برج بھاشا کے مانوس اور عام فہم الفاظ سے اُردو کو مالامال کرنے میں کوشش کریں۔ اور اس طرح دونوں قوموں میں آشتی اور صلح کی بنیاد ڈالیں اور ایک متنازع فیہ زبان کو مقبولۂ فریقین بنائیں۔ جیسی کہ لکھنؤ جانے سے پہلے تقریبًا اہل دہلی کی زبان تھی۔ مذکورۂ بالا اختلاف کے متعلق جو تعصب اور ناگواری کا الزام ہندوؤں پر لگایا جاتا ہے اسی قسم کا بلکہ اس سے زیادہ سخت الزام مسلمانوں پر لگایا جاسکتا ہے کون نہیں جانتا کہ مسلمان باوجودیکہ تقریبًا ایک ہزار برس سے ہندوستان میں آباد ہیں مگر اس طول طویل مدت میں اُنھوں نے چند مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی سنسکرت یا برج بھاشا کی طرف باوجود سخت ضرورت کے آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ جس سنسکرت کو یورپ کے محقق لاطینی و یونانی سے زیادہ فصیح زیادہ وسیع اور زیادہ باقاعدہ بتاتے ہیں اور جسکی تحقیقات میں عمریں بسر کر دیتے ہیں مسلمانوں نے عام طور پر کبھی اسکو قابلِ التفات نہیں سمجھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ سنسکرت کا سیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے تو برج بھاشا جو بمقابلہ سنسکرت کے نہایت سہل الوصول ہے اور جسکی شاعری نہایت لطیف شگفتہ اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے اُسکو بھی عمومًا وہ ہمیشہ بیگانہ وار نظروں سے دیکھتے رہے حالانکہ جو اُردو اُن کو اسقدر عزیز ہے اُسکی گرامر کا دارو مدار بالکل برج بھاشا یا سنسکرت کی گرامر پر ہے عربی۔ فارسی سے اُس کو صرف اسقدر تعلق ہے کہ دونوں زبانوں کے اسمار اُس میں کثرت سے شامل ہوگئے ہیں۔ باقی تمام اجزا ے کلام جنکے بغیر کسی زبان کی نظم یا نثر مفید معنی نہیں ہوسکتی۔ برج بھاشا یا سنسکرت کی گرامر سے ماخوذ ہیں سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں رہنا اور سنسکرت یا کم سے کم برج بھاشا سے بے بہرہ یا متنفر ہونا بالکل اپنے تئیں اس مثل کا مصداق بنانا ہے کہ دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر

قصہ مختصر جس ذوق و شوق سے معزز مؤلف نے اس تذکرے کے لکھنے پر کمر باندھی ہے اور جس استقلال کے ساتھ وہ طالب علمی کے زمانے سے لیکر آج تک اُن تمام مشکلات پر غالب آتے رہے ہیں جو اس مفید کام کے انجام دینے میں اُن کو پیش آئیں اُس سے اِس عام خیال کی بوجہ احسن تردید ہوتی ہے کہ انگریزی تعلیم بجائے اِسکے کہ قومی تعصبات سے دلوں کو پاک کرے اور اُلٹی تعصب و ناگواری کی آگ ملک میں مشتعل کرنے والی ہے۔

بہرحال ہم دل سے دُعا کرتے ہیں کہ جو مفید کام ہمارے دلی دوست مسٹر سری رام صاحب نے شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بخیر و خوبی انجام کو پہنچائے اور اس تصنیف کو قبولِ عام کے زیور سے آراستہ فرمائے۔

آخر میں ہم معزز مصنف کی خدمت میں اس بات کے عرض کرنے کی معافی چاہتے ہیں کہ صفحہ ۳۰۸ پر جہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا حال لکھا گیا ہے اُس میں چند فروگزاشتیں ہو گئی ہیں۔ اول تو شاہ صاحب ممدوح کا اردو زبان میں شعر کہنا اور اشتیاق تخلص کرنا ثابت نہیں ہوا۔ دوسرے اُن کا وطن سرہند اور مجدد الف ثانی کی نسل سے ہونا اور فیروز شاہ کے کوٹلہ میں سکونت پذیر ہونا غلط معلوم ہوتا ہے۔ کسی طریقہ سے اِس غلطی کی اصلاح فرمادیجائے ؎

راقم۔ خاکسار **الطاف حسین** حالی۔ از پانی پت

تقریظ دلپذیر از فکر رجمند آسمان پیوند نخلبند گلستان معانی واقف رموز شیرین بیانی سخن طراز جادو نگار افصح الشعرا حضرت آغا شاعر دہلوی از ارشد تلامذہ حضرت فصیح الملک مرزا داغ مغفور۔

زاہد نے دل جس چیز پر میں اسوقت قلم اٹھاتا ہوں وہ خمخانہ جاوید کی ایک تقریظ

ہے گو اسکی بابت ایک عرصے سے مجھپر تشدد ہو رہا تھا مگر افسوس ہیں ایسا بے نصیب تھا کہ کسی طرح بھی اپنی بیقاعدہ زندگی میں سے کوئی وقت اس لاثانی کتاب کے لیئے نہ نکال سکا۔ آج اتفاق سے میں نے برسوں کے بعد پھر اس جلد کو اٹھا لیا اور اب جو کچھ میں دیکھتا جاتا ہوں حوالۂ قلم کرتا ہوں۔

"خمخانۂ جاوید یا تذکرہ ہزار داستان کی یہ پہلی اشاعت ہے جو تقریباً ۷۰۰ صفحوں پر ختم ہوتی ہے۔ لکھائی چھپائی سب قابل تعریف۔ مگر سرورق کے بعد جو صفحہ ہے اُسے دیکھ کر تو بے اختیار کاغذ پر باغ و بہار کا دھوکا ہوتا ہے۔ واقعی یا تو میری نگاہوں نے آجتک اس سے بہتر نقاشی لیتھو پریس پر نہیں دیکھی۔ یا خمخانۂ جاوید کا حجاب ہی ایک نرالا سین ہے جو اُردو کی کسی کتاب پر اس شان سے نہیں کھینچا گیا۔ آگے چلکر اس تذکرہ کا ڈیڈیکیشن بھی خاص نوعیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس بیش بہا تالیف کو ہز ہائنس بندگانِ عالی حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہٗ فرماں روائے دکن کے نامِ نامی سے معنون کیا گیا ہے۔ یہ صفحے جہاں اُسکے پھر ایک دریائے ذخار موجزن تھا اور اُس میں غوطہ لگانا مجھ جیسے ناآشنائے شناوری کا کام نہیں مگر پھر بھی اتنا ضرور کہونگا کہ اُردو دان پبلک کے لیئے یہ کتاب یقیناً غیر معمولی نعمت ہے۔ جسے دلی کے ایک لبا قابل۔ بیدار مغز سخن فہم بلکہ فنا فی الشعر شخص نے اپنی ۱۷ سال کی محنت۔ کاوشِ دل و دماغ اور صرفِ زرِ کثیر سے ترتیب دیکر ملک میں مفت تقسیم کر دیا ہے رہا انتخاب کلام اور شعرا کی تعداد۔ اسکے لیئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں محاسب نہیں اور بقول لارڈ ٹینیسن ایک شاعر کو حساب سے کچھ تعلق بھی نہیں ہو سکتا ہے یہی وجہ یہ لکھدینا کافی ہوگا کہ میری رائے میں خمخانۂ جاوید ایک ایسی جامع فرہنگ ہے جو فرہنگ آصفیہ سے پہلو مارتی ہے۔ مولوی سید احمد صاحب دہلوی نے اگر دہ دانوں کے برابر ایک دماغ سے کام لیا ہے تو میرے معزز دوست لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے

سے نے بھی اِس تذکرے کی تالیف سے اپنے آپ کو غیر معمولی انسان ثابت کر دینے میں ذرّہ برابر کمی نہیں کی ⁂

آخر میں اقسامِ شعر اور ہر شاعر کی قدرتِ دستگاہ پر بحث کرنا یا مؤلّف کے ذاتی ریمارکس پر روشنی ڈالنا یہ ملکی نظر بازوں پر موقوف ہے کیونکہ ؎

پرکھنا شعر کا ہیرا پرکھنے سے زیادہ ہے ۔۔ نظر کا کھیل ہے ہم تو نظر بازوں پہ مرتے ہیں

با ایں ہمہ "خمخانۂ جاوید" زمانۂ حال کی ایک بہترین ایجاد ہے۔ اردو علم ادب کا ایک گنگا جمنی زیور ہے۔ اور شعراء جیسے معدوم فرقے کے لیئے اِس سے بہتر بقائے دوام کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہو سکتا۔

سچ یہ ہے آنکھ ہو تو ہیں جوہر کمال کے ۔۔ کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجا نکال کے

آثم۔ افسر الشعرا۔ آغا شاعر۔ قزلباش دہلوی

از نتیجۂ قلمِ جادو رقم ماہر کامل فن محقق والا نظر سخن گستر منشی سید احمد صاحب دہلوی مؤلّف فرہنگ آصفیہ و دیگر کتب متعدد وظیفہ خوار سرکار نظام

اِس تذکرہ کی اوّل جلد کو بھی ہمنے پڑھا اور ریویو لکھا تھا۔ اب دوسری جلد پر بھی سرسری نظر ڈال کر دونوں کے فرق و امتیاز کو ظاہر کرتے ہیں

یہ ایک مشہور کہاوت چلی آتی ہے کہ "نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل" یہ مثل سُنا کرتے تھے مگر پوری پوری تصدیق جلد ثانی کو دیکھکر ہوئی۔ لالہ سری رام صاحب جیسے معدوم الفرصت کا ہر ایک شاعر کے کلام پر اسقدر نظر غائر ڈالنا۔ کلام کا ایسا لاجواب انتخاب کرنا کہ جس سے شاعر کی عظمت۔ وقعت اور طبیعت بڑھے معترضوں کے اعتراض کا ان گھٹے۔ اِس پر پروف شیٹ کاپیوں کی صحت کا خود ہی ذمہ دار ہونا کچھ آسان کام نہیں ہے بلکہ "کارے دارد" کہنا چاہیئے ⁂

اکثر ڈوبے ہوئے ناموں کو اچھال دیا۔ اور دبے ہوئے کلاموں کو ابھار دیا۔ شوقِ نگارش کیا کہیں گر مشاطۂ حسن افزائے دلبر بن کر+ نکتہ چینیاں فرمائیں مگر نکتہ داں۔ نکتہ رس نکتہ شناس۔ نکتہ پرور بن کر+ اگر کسی کور دہ کا ماہِ تاباں یعنی گودڑ کا لال ہے تو کیا مجال کہ اُسکے کلام پر صاد نہو۔ اور جو کسی نامی شہر کا آفتاب جہانتاب پُر از جاہ و جلال ہے تو کیا ممکن کہ تذکرہ میں اُسکی داد نہ ہو۔ نہ اہلِ دہلی کی طرفداری ہے۔ نہ اہلِ لکھنؤ کی غمگساری۔ اُنکے نزدیک ایک باپ کے دو بیٹے ہیں۔ جن میں سے ایک تو باپ کے ساتھ سیاحت و سفر میں شریک و دلیر ہے دوسرا ماں کی خدمت میں اپنے ہی گھر پہ شیر ہے ✤

جس ذکر کو لیا تنقید یا محاکمانہ نظر سے لیا۔ جس تذکرہ کو چھیڑا منصفانہ دلائل سے فیصلہ کیا۔ آخر منصف بھی تو منصف ہی وہ فیصلہ کیا جو آگے جا کر نہ ٹوٹ جائے اور وہ انصاف فرمایا جس کا کوئی پہلو نہ چھوٹ جائے۔ یہ صرف تذکرۂ شعرائے ہند ہی نہیں بلکہ ایک قسم کی شاہانہ تاریخ بھی ہے۔ **نصیر الدین** حیدر بادشاہ اودھ متخلص بہ بادشاہ کے ذکر کو پڑھو۔ **جہاندار شاہ**۔ جہاندار۔ مرزا جہانگیر متخلص بہ جہانگیر وغیرہ کے حالات ملاحظہ فرماؤ۔ کیسا تاریخی **لطف** دکھا رہے ہیں ✤

دیگر نامی شعرا میں سے کس کس کا حوالہ دوں۔ اِن پانسو صفحوں میں کئی سو شعرائے ذوی القدر موجود ہیں اوروں کی تو گنتی ہی نہیں۔ بائے فارسی سے لیکر حائے حطی تک مجلس ہزار داستاں جمع ہے۔ مشاعرہ ہو رہا ہے۔ شہر خموشاں کے سخن سنج اِس میں گونج رہے ہیں۔ اور شہر گویا کے خوشنوا اِس میں چہک رہے ہیں۔ شمعِ ہزار داستان شمعدان ہزار فتیلہ بن کر انہیں روشنی دکھا رہی ہے۔ واہ واہ کی صدا پر صدا آ رہی ہے سخن فہم اُچھل اُچھل کر داد دے رہے ہیں۔ پھر ل شاعری کے دلدادہ اِس میں جلوس فرما ہیں اور خیالی ذہن رسا کے روشن دماغ۔ روشن خیال

بلند پرواز - زمزمہ پرداز اس میں کرسی نشیں ہیں حضرت حالی مدظلہ العالی کی نیچری وایشیائی شاعری کا لطف اس میں ہے - عبدالحی تاباں کا دلربا جمال اس میں ہے - جرأت کی عاشقانہ جرأت و دردانگیز اظہار حال اس میں ہے - مرزا اسمٰعیل تپش - غلام محمد خاں تپش بادل تپیدہ اپنا اپنا ذاتی جوہر لیئے ہوئے اس میں حاضر ہیں - الغرض شاہ تراب کی منکسرانہ خاکساری - میر حسین تسکین کی تسلی بخش شیریں بیانی - امیراللہ تسلیم کی سلامت روی - محمد علی تشنہ کے کلام پر العطش کی پکار نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب کے حسن بیان پر نورانی بہار حسب موقع عجیب عجیب لطف دکھا رہی ہے - ہمارا ارشاد ہمارا گواہ اگر درکار ہے تو یہی تذکرہ ہزار داستان ہمارا سچا اور بلا تصنع اظہار ہے - فقط

سید احمد دہلوی - مؤلف فرہنگ آصفیہ - ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء

قطعات تاریخ اشاعت خمخانہ جاوید از نتائج افکار ماہر باکمال اُستاد عدیم المثال مولوی حامد حسین صاحب قادری بجیپرایونی مقیم رامپور

کیا خوب یہ تذکرہ ہے سبحان اللہ تاریخ کی فکر ہے تو حامد لکھو		روشن ہوا سب میں اس سے نام شعرا بے مثل جنم خانہ کلام شعرا
تذکرہ لکھا ہے بے مثل و نظیر اک نظر جس نے اسے دیکھ لیا تذکرے طبع ہوئے ہزاروں تذکرہ کیا ہوا ہے حامد	دیگر	سب میں مشہور یہ افسانہ ہوا عاشق و دلدادہ و دیوانہ ہوا سچ تو یہ ہے کوئی ایسا نہ ہوا بادۂ شعر کا خمخانہ ہوا ۱۹۱۱ء
خوش سلیقہ ہیں بڑے لالہ سری رام ایم اے یوں تو لکھے ہیں بہت تذکرے لوگوں نے مگر	دیگر	یہ کتاب آپ نے لکھی ہے بہت ہی اچھی ہے تالیف نہ دیکھی کوئی ایسی اچھی

اِس میں حالات کیے جمع سب عمدہ عمدہ ۔۔۔ اور غزلیں بھی لکھیں چھانٹ کے اچھی اچھی
ایسی ہی طبع ہوئی جیسی کتاب اچھی ہے ۔۔۔ کاغذ اچھا ہے قلم اچھا چھپائی اچھی
چاہتے ہو تم اگر سالِ اشاعت حامد ۔۔۔ کہہ و تاریخ لکھی ہے شعرا کی اچھی ۱۹۱۱ء

دیگر

تاریخ شاعروں کی ہے یہ یا مشاعرہ ۔۔۔ یہ تذکرہ ہے یا شعرا کی ہے انجمن
ہر نقطہ اس کتاب کا ہے رشکِ آفتاب ۔۔۔ ہر لفظ اس کتاب کا ہے غیرتِ چمن
پھیلی ہوئی کہیں ہے بلاغت کی چاندنی ۔۔۔ دریا کہیں ہے بہہ رہا بلاغت کا موجزن
کیوں آفتاب بن کے نہ چمکے جہان میں ۔۔۔ ہیں قدردانِ تذکرہ شاہنشہِ دکن
ترتیبِ جلدِ دوم کا حامد یہ سال لکھ ۔۔۔ چھاپا گیا ہے خوب یہ گلدستۂ سخن ۱۹۱۱ء

دیگر

ہیں جلوہ گر قرینہ سے شاعرانِ دہر ۔۔۔ ہے یہ نمونہ انجمن اہلِ ہند کا
حامد نے جلدِ دوم کی تاریخ یہ لکھی ۔۔۔ یہ انتخاب ہے سخنِ اہلِ ہند کا ۱۹۱۱ء

دیگر

سچ تو یہ ہے حق میں اردو شاعری کے یہ کتاب ۔۔۔ رحمتِ پروردگارِ خالقِ مطلق ہوئی
سالِ ہجری کی اگر ہے فکر لے حامد حسن ۔۔۔ کہدو اردو شاعری کو اس سے اب رونق ہوئی

قطعہ تاریخ نوشتہ مولٰینا مولوی حاجی محمد فیاض الدین صاحب رامپوری

سخن پروران فیض حاصل کنند ۔۔۔ کہ ایں تذکرہ ہست محبوبِ طبع
بگوشم ندا از سروش آمدہ ۔۔۔ بگو سالِ فیاض ـ مرغوبِ طبع ۱۳۲۹ھ

تقریظ و تاریخ رنجۂ کلک جواہر سلک سخنور یکتا شاعر بے ہمتا رشکِ عرفی و خاقانی جناب مولوی عبد الحی صاحب ہیچ بدایونی مجسٹریٹ ریاست جودھپور فخر تلامذہ حضرت فصیح الملک داغ مرحوم

ناظرین! ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک سیکڑوں علوم ہزاروں فنون ایجاد

ہوکر اس طرح معدوم ہوگئے کہ اُن میں سے اکثر کا اب کوئی نام بھی نہ جانتا ہوگا۔ اور جانتا بھی ہو تو اُن کا تحصیل کرنا سعی بے حاصل سمجھا جاتا ہوگا۔

اس پیہم اختراع اور بالآخر اسکی فنا کا باعث بجز اسکے کیا سمجھا جائے کہ انسانوں کی طبیعت۔ اُنکے مذاق۔ اُنکے خیالات۔ اُنکے مشاغل ایک دوسرے سے جُدا رنگ رکھتے چلے آئے ہیں۔ اور اس دہر فانی میں خواہ کوئی کمال ہو یا اہلِ کمال کسیکو ثبات ہے نہ قیام۔ معہذا انسانی خصلت و ضرورت کو بھی آج نہیں تو کل۔ تغیر و تبدل لازمی و لابدی ہے۔

انسان کی حالت بھی بدل جاتی ہے	اور اُسکی طبیعت بھی بدلجاتی ہے
صورت۔ سیرت۔ مزاج۔ کسکا ہجو	بس حد ہے کہ قسمت بھی بدلجاتی ہے

دیکھئے سنسکرت کی عملداری میں اہل عرب ایران کے قدم آئے تو اُسی ضرورت و مذاقِ طبیعت کی بدولت اہلِ ہند عربی و فارسی میں تکمیل کرکے عالم بنے منشی کہلائے عرب ایران کے باشندے سنسکرت کی وسعت و حلاوت دیکھکر اسکے ایسے ماہر ہوئے کہ بجائے خود پنڈت بن بیٹھے۔ لیکن یہ حالت خواص سے متجاوز ہوکر عوام تک نہ پہنچی نہ پہونچ سکتی تھی۔ اور ضروریاتِ دینی و دنیاوی کے ہاتھوں ایک کو دوسرے سے سابقہ پڑنا ضروری تھا۔ لہذا تازگی و جدّت پسند۔ ایجاد و اختراع دوست طبائع کے میل جول سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی جو لفظ اُردو سے منسوب اور مسمّی تھی اور ہے

یہ زبان اوّل اوّل تو صرف ضروریات و معاملات میں مستعمل رہی۔ مگر اسکی دلکشی۔ اسکی وسعت اسکی حلاوت۔ اسکی آسانی سے رفتہ رفتہ اسکی ترقی اور قدر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ انشاپردازوں سخن طرازوں نے اور اہل شہر ہی نے اسکو اپنے آغوش میں اُٹھا لیا۔ اور دلی جذبات و خیالات کا اسی کے ذریعے سے اظہار شروع کردیا۔ آخر الامر نظم و نثر کے ارباب کمال و نازک خیال مصرا[illegible]

بدولت نوبتِ کار یہاں تک پہنچی کہ قصّوں کہانیوں میں اسی کا جلوہ۔ مکاتب و مدارس میں اسی کا جلوس۔ سرکاری و پرائوٹ مطابع۔ اہلِ شرافت و تہذیب کے مجامع میں بلا امتیازِ مذہب۔ اسیکا نور و ظہور۔ دفاتر و مجالس میں اسی کا دور دورہ نظر آنے لگا۔ دینی و دنیاوی۔ تاریخی و مذہبی۔ علمی و عملی کتابیں اسی میں لکھی اور ترجمہ کی جانے لگیں۔ علم کی مسندِ حکومت کی کُرسی۔ تجارت کی دوکان پر بھی یہی متمکّن ہوئی ؛

جب انگریزی حکومت و زبان کا عہد آیا تو بھی زمانۂ دراز و مدّتِ مدید تک ہر ایک علم و فن۔ اور یورپ کے اعلیٰ سے اعلیٰ انشاپردازوں۔ مستند سے مستند مورخوں کی عمدہ ترین تصانیف کے ہزار ہا ترجمے۔ ذی استعداد اہلِ قلم نے اسی زبان میں کیے۔ جو مقبولِ خاص و عام ہوئے اور اب تک ہیں ؛

الحاصل سالہا سال نہیں بلکہ قرناً بعد قرنٍ اطرافِ عالم میں اسی کا آوازہ رہا۔ کوسِ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ اسی نے بجایا۔ قوانین و اخبار۔ گزٹ و اشتہار اسی زبان میں شائع ہوئے۔ حضور معدلت ظہور۔ ملکۂ معظمہ امپرس وکٹوریا مرحومہ جیسی بیدار مغز رعایا پرور۔ ذی فراست شہنشاہ نے ایشیائی زبانوں میں اسی کو قابلِ ترجیح تصور فرماکر تحصیل فرمایا ؛

یہ واقعہ ترقی اُردو کے لیے معراج تھا اور ہر ترقی کی ایک غایت ہر عروج کی ایک نہایت مقرر ہے چنانچہ اب ادھر تو اکثر معترضین میں اسی اُردوئے معلّٰی کے خلاف ایک جوش پیدا ہوا اور خلافِ اصلیت اسکو صرف مسلمانوں کی زبان ٹھہرا کر ترک و اجتناب کے قابل قرار دینا شروع کر دیا۔ ادھر نئے مذاق نئے فیشن نے جہاں اور قدیمی رسم و رواج وضع و لباس سے اہلِ زمانہ کو نفور و بیزار کر دیا۔ وہاں موزوں طبع حضرات نے شاعری کی روشِ قدیم کو بھی چھوڑ کر ایک اَور ہی آہنگ اختیار کی جو نیچرل یا مہذّب یا سچّی شاعری کے معزز نام سے مسمّی ہوئی ہے اور زبانِ اُردو

کی طرح اساتذۂ متقدمین کی طرز روش کو بھی بغیر استثنا کے واجب الاحتراز قرار دینے
میں ساعی و کوشاں ہوئے +

واہ رے جوش تنافضل خزانِ اردو	اہل اردو ہی مٹاتے ہیں نشانِ اردو
وہ بتاتے ہیں زباں اپنی غضب ہے ہندی	جنکے اجداد تھے سب مرتبہ دانِ اردو
گو ہر اک گھر میں ہے اخبار و کتب کا انبار	جس سے ہر طرح نمودار ہے شانِ اردو
اسکو رہتی ہے مگر اب یہی کوشش شب و روز	کہ فنا وقت سے پہلے ہو زبانِ اردو

اس پر آشوب اور سراپا شورش زمانے میں مکرم سراپا اکرام گرامی منش
عالی مقام زیبا خیال رنگین کلام لالہ سری رام صاحب ایم اے کی ذات
والا صفات مغتنمات سے ہے۔ جنہوں نے اپنا بیش بہا وقت اور بہت سا روپیہ
خرچ فرما کر اردو علم ادب کی ایک بسیط کتاب یعنی تذکرۂ شعرا کی تالیف کا ارادہ
اور پھر اس ارادے کو پورا کیا +

ہیچمدان کو مؤلف ممدوح سے حصولِ نیاز یا ہمکلامی کا موقع آج تک نہیں ملا
ہے مگر بمصداق اِذَا عَدَمَ المَاءُ فَالتَّیَمُّمُ جَائِزٌ مراسلت کی نوبت بارہا آئی اور
آتی رہتی ہے۔ اسکے سوا خمخانۂ جاوید یعنی تذکرہ موصوف کی جلد اول من اوّلہ الی آخرہ
کرّتاً بعد اخری دیکھ چکا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ عَلَیْہِ عَیْنُ اللّٰہِ۔ کیا زبان ہے اور کس درجہ
صفائی اور روانی بیان۔ ہر ایک شاعر و ناظم کے بیانِ حال میں جو عبارت تحریر فرمائی
ہے وہ بیساختہ اور ایسی مطبوع و مرغوب کہ آنکھ پڑتے ہی دل میں گھر کئے بغیر نہ رہے
سب کا کلام اس طرح منصفانہ و بے تعصب منتخب و درج فرمایا ہے جس سے صاحب
کلام کو شکایت یا ناظرین کو بے دماغی و سرگرانی کا موقع نہ ملے شعر کے مذاق
طبیعت و رنگ سخن۔ یا انکے کلام کی دلکشی و دلنشینی کی نسبت جو رائے ظاہر
یا قائم کی ہے وہ راستی و صداقت سے اسقدر دوشادوش ہے کہ ہر ایک کا کلام

زبانِ حال سے مؤلفِ زید مجدّہٗ کی ہمکلامی اور ہم خیالی کر رہا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ شعرائے اُردو زبان کے تذکرے قبل ازیں بہت سے تالیف ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ اور اُن میں سے اکثر کے سر پر اولیت کا تاج یا اولویت کا سہرا بھی نظر آتا ہے۔ لیکن جامعیت و تعمیم۔ شرح و بسط کا زیبا اور موزوں خلعت جو خمخانۂ جاوید کو میسّر ہوا ہے یہ اِسی کا حصّہ تھا اور ہے۔

اور تذکروں کے مصنّفین نے زبانِ اُردو کی طفلی یا شباب و کمال کے زمانے میں شعرا کی مدح سرائی کی تھی۔ اسکے ناز کھیال بے تعصب سنجیدہ مذاق۔ کامل الاستعداد مؤلف نے بیمارِ اُردوئے معلّیٰ کے آخر وقت میں چارہ فرمائی و مسیحائی کی ہے۔ ویدۂ میرے اُستاد الاستاد نجم الدولہ حضرت غالب دہلوی مرحوم نے ایک قصیدے کی تشبیب میں جہاں شاعرانہ تعلّی اختیار کی ہے وہاں فرماتے ہیں کہ۔

گوہر نہ بکان۔ کاں بگہر روی شناس ست ۔ برفرخی ذات دلیلم اب و عم را

اِس دور اور اس عہد میں اِس مضمون کے مصداقِ تام وہی مخدوم الانام جناب لالہ سری رام صاحب ہیں کہ آجکے دن یگانۂ عصر و مشہور ہیں۔ اُنکے جدّ امجد عالیجناب راجہ ٹوڈرمل بہادر زندہ ہوتے تو یکتائے روزگار نبیرۂ لیاقت شعار کی ذات ستودہ صفات پر فخر و مباہات کرتے۔

مرجع علم و ہنر لالہ سری رام ایم اے ۔ دہلوی مسکن و رنگیں رقم و سحر بیان
صاحب جاہ و حشم منبعِ احسان و کرم ۔ فلکِ مہر و عنایات کے مہر تابان
جن کا ہر ایک یہ ظاہر ہے حسب اور نسب ۔ جنکے اوصافِ گرامی ہیں زمانے میں عیان
نیک خو نیک سیر نیک منش نیک نہاد ۔ اہلِ دل اہلِ وفا اہلِ ولا اہلِ زبان
برتتے برتاتے ہوئے شیوۂ اربابِ کمال ۔ دیکھتے بھالتے ہوئے اصحابِ سخن کے دیوان
اُنکی تصنیف نہ ہر شخص کو ہو کیوں مطبوع ۔ اُنکی تالیف نہ ہو کس طرح مقبولِ جہان

دہر فانی سے فنا ہو گئے جتنے شعرا   اُنکی ناموں کی بقا کا ہے یہ اچھا سامان
جنکو مہلت ہے ابھی خلق میں زندہ ہیں وہ لوگ   اُنکو یہ جنس گراں مایہ مبارک ارزاں
اندراج اسقدر اشخاص کا کچھ سہل نتھا   انتخاب اسقدر اشعار کا کب تھا آسان
نظم سے رائے زنی اہل سخن کی نسبت   وہ بھی اس طرح کہ جو راست ہو بے پیشگاں
کسنے کی جس سے ہوا ہو نہ کسیکو شکوہ   کسنے کی جس میں ہیں تصنع کا نہ ہو نام و نشان
نثر دلچسپ وہ جسپر دل نثار نثار   منتخب شعر وہ جس پر شعرا خود قربان
خوبیاں سب یہ مؤلف ہی کا حصہ تھیں غوث   ہیں یہی معرکہ نظم کے مرد میدان
کسکو فرصت ہے زمانے میں جو اسطرح رہے   سالہا درپئے تالیف عیاں اور نہاں
کسکو ہمت ہے زمانے میں جو یہ صرف اُٹھائے   اور ہمت بھی اگر ہو تو یہ مقدور کہاں
کیا لکھے بیخود مغموم صفت در خور شوق   کہ نہ قابو میں طبیعت ہے نہ کہنے میں زبان
وہ طبیعت ہے نہ وہ دل نہ وہ دن ہیں نہ وہ سن   جن میں دشوار ہی مشکل بھی نظر ہو آساں
اب تو بس ترک سخن عین سخن فہمی ہے   ابتو لساں وہی ہے جو کرے کف لسان
یہ دعا ہے کہ رہے شاد مؤلف اس کا   اور یہ خمخانہ رہے دہر میں با جوہر نشاں
فکر تاریخ اگر ہے تو یہ لکھدے بیخود   کہ ہے خمخانہ بھی فرح دہ پیر و جواں

۱۹۱۱ء

دیگر

سراپا لطف مخدومی سراپا ہم   ہر اک جانب ہے جن کا آج شہرا
خیال آیا اُنھیں تالیف کا جب   تو لکھا تذکرہ یہ شاعروں کا
بظاہر سہل تھا یہ کام لیکن   سمجھ ہو تو یہی دشوار بھی تھا
ہزاروں شاعروں سے خط کتابت   ہزاروں پر جوابوں کا تقاضا
جوابوں کی رسیدیں سب کو دینیں   کلاموں کا پرکھنا جمع کرنا
ہر اک شاعر کے کچھ حالات لکھنے   بہ آئین خوش و الفاظ زیبا
مرے مخدوم والا منزلت نے   یہ سب کچھ کر دکھایا اور سب اچھا

لکھوں سالِ اشاعت اس کا میں بھی
تو نکلے تین سنہ اک ساتھ ہیں
یہ میرے دلمیں بھی رہ رہ کے آیا
یہ خمخانہ ہے اب۔ ہمثل لکھا

یہ خمخانہ ہے اب۔ یہ خمخانہ ہے اب ہمثل۔ یہ خمخانہ ہے اب ہمثل لکھا۔
سنہ ۱۳۲۹ ہجری سنہ ۱۹۱۱ء سمت ۱۹۶۷ بکرمی

اقتباس از تحریر و قطعہ تاریخ از سخنور شیریں زبان فصیح اللسان منشی محمد نوح صاحب رئیس قصبہ ... ضلع الہ آباد و از تلامذۂ حضرت فصیح الملک مرزا داغ دہلوی مرحوم

میں نے تذکرہ ہزار داستان کو دیکھا۔ جس قدر آپکی محنت کی داد دیجائے وہ کم ہے آپنے تمام شعرا کا حال لکھکر اردو زبان پر بڑا احسان کیا اور سب کے کلام کو از سر نو زندہ کردیا میں سچے دل سے آپکی اس گرانمایہ تالیف کی قدر کرتا ہوں۔ خدا اس کا اجر آپ کو عطا کرے۔ تاریخ حاضر ہے۔

کیا کروں وصف سر سر ایام کا میں
تذکرہ ہے کہ کوئی افسوں ہے
نوح خمخانہ جاوید کا سال
ساغر بادۂ نو۔ موزوں ہے
۱۳۲۹ھ

اقتباس از عنایت نامہ محررہ شاعر نازک خیال رنگین مقال منشی افضل حسین ثابت لکھنوی ریٹائرڈ ڈویژنل کورٹ ریاست کوٹہ راجپوتانہ

مخدومی! ادیب سخن شاعران ہندوستان زاد عنایتکم تسلیمات۔ تذکرہ ہزار داستان مرسلہ جناب بھی نے وقتاً فوقتاً جا بجا سے اور بکثرت شروع سے اخیر تک دیکھا ... آپ نے بڑا کام کیا ہے اور بڑی جانفشانی سے ... جو کچھ ... آپ کے معاصرین نے فرمائی ہیں۔ وہ بالکل سچ ہیں۔

اقتباس از تحریرِ عالمِ سعید فاضلِ نبیل مولانا غلام نبی صاحب امرتسری

لالہ سری رام صاحب ایم اے۔ رئیس دہلی۔ میں نے تذکرہ خمخانۂ جاوید کو سرسری نظر سے مطالعہ کیا۔ نہایت ہی دلچسپ عجیب و غریب اور اپنے نرالے ڈھنگ میں یکتا ہے۔ میں اس پر ریویو نویسی کا مدعی نہیں۔ یہ بڑا کام میری لیاقت۔ طاقت اور حیثیت سے باہر ہے اور یہ کام آسان امر نہیں۔ نہ ہی بازیچۂ طفلاں ہے۔ اس پر جو کچھ لکھنا چاہیئے تھا وہ بڑے بڑے چیدہ سخن سنج اصحاب لکھ چکے ہیں۔ جو نادر رائیں منظوم اور منثور اس جلد اول کے آخر میں چھپاں ہیں۔ واقعی جو کچھ ان صاحب قلموں نے اس بے نظیر کتاب پر ارقام فرمایا ہے وہ نہایت ہی موزوں اور مستحسن ہے۔

اس مبسوط اور معقول کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے واسطے مصالحہ فراہم کرنے کے لیئے بہت محنتِ شاقہ برداشت کی ہے۔ ہر ایک شاعر کے کلام سے اُس کا چیدہ کلام نقل کرکے انگریزی قاعدے کے مطابق اُسکی بائیوگرافی یعنی مختصر تذکرہ بھی ساتھ ساتھ دیا ہے۔ اور اُسے اس طور سے لکھا ہے کہ اُسکے کلام کی وقعت اور توقیر بھی مشرقی مذاق کے ساتھ قائم رہے۔ اور ایسی حیرت انگیز عبارت لکھتے ہیں کہ پڑھنے والے پر دوچند اثر کرتی ہے۔ اگر میری رائے غلط نہیں ہے تو ہندوستان کی ہر ایک بڑی لائبریری میں یہ کتاب ہونی چاہیئے۔ اور باقی سکولوں میں اسکی ایک ایک جلد گورنمنٹ انڈیا کی سفارش سے رکھی جانی چاہیئے۔ کیونکہ اردو میں اس مضمون کی بڑی کتاب ابتک نظر سے نہیں گزری۔

راقم۔ غلام نبی امرتسری

قطعات تاریخ از نتیجۂ قلم مشکیں رقم جناب خواجہ میرزا قمر الدین خان صاحب راقم دہلوی

خلف الصدق ناظم بے نظیر و ناثر بے عدیل جناب خواجہ بدر الدین خان المعروف
بہ خواجہ امان دہلوی مترجم بوستان خیال ہر ہشت جلد و نبیرۂ نجم الدولہ دبیر الملک
میرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی مرحوم و مغفور

تذکرہ کے لیئے تاریخ نئی کیا لکھوں
خاطرِ دوست کا ایما کہ ادا ہو پیغام
چار و ناچار قلم سے یہی نکلا راقم
کیا تذکرہ لکھا ہے سرِ ہرام آپ نے
کیا دہلوی زبان ہے کیا ریختہ کلام
ہر نثر دلفریب ہے۔ ہر نظم دلربا
مضموں کو دیکھیئے تو مذاق آفریں خیال
بے مثل و لاجواب ہے راقم یہ تذکرہ
کم کر دو قافیہ سے الف تار ہے مدام
تذکرہ کیا تذکرہ ہے یادگارِ شاعراں
جتنی تاریخیں ہیں تقریظیں ہیں معنی آفریں
نظم رنگیں۔ نثر رنگیں۔ وہ دل آرا و لفریب
فقرہ فقرہ میں ہے اعجازِ مسیحائی اثر
ہے کمالِ شاعری رنگِ عبارت دیکھیے
سلکِ معنی میں مصنف نے پروئے ہیں گہر
لاؤ گلچیں کو! کہاں ہے؟ چمن سے دامن بھی گل

فکر سالم نہیں مشکل مجھے پوری یہ ہے
کرنی فرمایش مخدوم ضروری یہ ہے
نثر زیبائی میں سیہ بنتِ ظہوری یہ ہے
۱۹۰۹ع

دیگر

قاصر ہے جسکے وصف میں کلکِ گہر فشاں
پیدا ہیں فقرہ فقرہ سے ہر رنگ شوخیاں
دلکش سخن ہے دل آرا زباں زباں
ہر لفظ رنگِ حسن میں ہے حسنِ شاہداں
خمخانہ میں رہے گا یہی جام جاوداں
صورت کدہ ہیں دہر کے تصویرِ شاعراں
۱۳۲۷ھ

دیگر

کارنامہ ہے سخن کا۔ یا زبانِ ریختہ
پیدا اِک اِک لفظ سے ہے داستانِ ریختہ
ہر نقطہ کا سُرمہ ہے فیضِ زبانِ ریختہ
جان میں اُردو کے آئی تازہ جانِ ریختہ
صفحہ صفحہ میں بہارِ بوستانِ ریختہ
کانِ گوہر ہے بنی زیبا زبانِ ریختہ
بکھرے صفحوں پر ہیں گلہا بیانِ ریختہ

قفل ہے کنجی نہیں۔ کیونکر کھُلے باب سخن	بند ہے گنجینۂ راز نہان ریختہ
کہہ دو راقم راز تاریخ از سر باب سخن	بحر معنی ہے زباں۔ قلزم زبان ریختہ ۱۹۰۹

تقریظ دلپذیر از علامہ عصر فضیلت مآب جناب سید کرار حسین صاحب روحانی میرٹھی سپرنٹنڈنٹ دفتر صاحب کمشنر الہ آباد

گزارش بصد تسلیم و تعظیم۔ بخدمت جناب رائے سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی و مصنف لاہور۔ خلف الصدق آنریبل جناب رائے بہادر مسٹر مدن گوپال صاحب ایم۔ اے۔ ممبر کونسل و بیرسٹر ایٹ لا دہلوی مرحوم۔

کل کیا اچھی صبح تھی کہ آپکے تذکرہ ہزار داستان یعنی "خمخانۂ جاوید" کی جلد اول جسمیں ردیف الف و بے کے تمام شاعران اردو مندرج ہیں۔ اس خاکسار کے پاس پہنچی۔ علی الفور میں اُسکے مطالعہ میں مصروف ہوگیا جب جستہ دیکھا۔ اُسکی مسرت اور شوق مطالعہ میں ایسا محو ہوا کہ تمام ضروریات سہو ہوگئیں۔ آپکے خاندان کے مورث اعلیٰ راجہ ٹوڈرمل نے جو کارنامے سلطنت اکبری میں کیے۔ اور آپکے والد مرحوم نے علوم قوانین میں جو مرتبہ بلند حاصل کیا۔ اُس سے آپکی یہ تذکرہ نگاری کسی طرح کم عظمت نہیں رکھتی۔ سترہ سال تک جو محنت شاقہ آپنے کی ہے۔ سفر کیے ہیں صحت کھوئی ہے۔ روپیہ خرچ کیا ہے۔ نہایت آب و تاب اور تہذیب سے ہر شاعر کا تذکرہ لکھا ہے۔ اور بڑے اہتمام صفائی اور عمدگی سے اُس کو چھپوایا ہے۔ اور اس شغل سے دیگر مشاغل کو جو زیادتی جاہ دُنیوی کا باعث ہوتے ترک کیا ہے۔ اور شعرائے اردو کے تمام ناموں اور حالات کو جو ہنوز کسی نے پورے یکجا نہ کیے تھے۔ اِس کتاب میں آیندہ نسلوں کے لیے محفوظ کیا ہے۔ وہ واللہ آپ کو درجۂ بلند میں قائم کرتا ہے۔ خلعت جاوید پہناتا ہے۔ خدا آپ کو جزائے کثیر دے۔ بغیر ایسی ہمت مستقل اور محنت جانگسل اور ذوق فطرتی اور شوق قدرتی اور تائید ایزدی کے یہ کام

کسی سے ہونے والا نہ تھا۔ الیٹن کی تاریخ انقلاب یورپ اور سپہر کی ناسخ التواریخ کو۔ جو جامعیت کا سہرا حاصل تھا وہی آپکے تذکرے کو تاج بلنا چاہیئے۔ مجکو اس امر کی تصدیق کا کامل موقعہ ہے کہ جو حالات شعراء کے لکھے گئے ہیں وہ صحیح اور تاریخی ہیں۔ مثلاً اُن لوگوں کے حالات سے میں اس امر کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہوں جنسے میں بذاتہٖ واقف ہوں ؛

(۱) مرزا ارشد گورگانی صفحہ ۲۶۲ میرے والد مرحوم کے بڑے دوست تھے جنہوں میرٹھ میں والد مرحوم کے پاس رہے ہے۔

(۲) میر اکبر حسین صاحب جج الہ آبادی۔ کہ میرے بڑے مکرّم ہیں صفحہ ۳۸۱

(۳) برادر عم زاد مرحوم سید محمد مرتضی بیان ویزدانی کہ والد مرحوم کے شاگرد ہی تھے۔

(۴) مرزا محمد جعفر اَوج خلف میرزا دبیر کہ اُن سے نیاز موروثی حاصل ہے۔

میں چونکہ میرٹھ کا رہنے والا ہوں اور دادا صاحب مرحوم سید کفایت علی صاحب قبلہ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۹ء تک دہلی میں سرکاری عہدوں پر ممتاز رہے۔ میں وہیں پیدا ہوا وہیں تربیت پائی اور جناب والد مرحوم کی صحبت میں ہمیشہ دہلی کے عمائد و اکابر رہتے تھے اس کتاب میں اُن سب کو دیکھتا ہوں کہ مر گئے تھے۔ پھر زندہ ہو کر آ بیٹھے۔

حسن سیرت کے علاوہ کتاب میں حسن صورت بھی ہے۔ عمدہ جلد ہے۔ جلد پر طلائی نام لکھا ہے۔ ٹائٹل پیج نہایت لاجواب مطلا۔ رنگین۔ اور خوشنما۔ تصویریں آپ کی نہایت دلاویز۔ خط آپ کا نہایت پاکیزہ۔ چھاپہ نہایت روشن صاف۔ کاغذ اعلیٰ ولایتی تقاریظیں بڑے بڑے باکمالوں کی۔ غرض کوئی دقیقہ اُسکی خوش اسلوبی اور محبوبی میں باقی نہیں۔ میں نے چونکہ والد مرحوم کے کلیات کی تدوین میں ۲۳ سال محنت کی۔ فراہمی کلام اور عمدہ چھپوانے کا انتظام ایک بلائے عظیم تھا۔ لہذا میں آپکی مستقل محنت گردآوری تذکرہ کا پورا پورا اندازہ کر سکتا ہوں۔ آخر میں آپ کو دعائے خیر دیکر رخصت ہوتا ہوں۔

سید کربلا حسین۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۰۹ء

تقریظ ریختہ کلک جواہر سلک شاعر شیریں مقال ناظم باکمال جناب ارشاد نبی صاحب ارشادؔ۔ وکیل بہاولپور متعینہ ریاست پٹیالہ

ع ”ہر دے از غیب بروں آید کارے بکند“

یہ مصرع اگرچہ مدت سے سنتے چلے آتے ہیں۔ اور شاید پہلے سیکڑوں کی حالت پر منطبق بھی ہوا ہوگا۔ مگر فی زمانہ جیسا کہ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ دہلوی کی شان میں صادق آیا ہے۔ شاید ہی کسی کے لیئے آیندہ موزوں ہو۔ ”خمخانہ جاوید“ کی تالیف کا وہ کار اہم الفوں نے انجام دیا ہے کہ جیسی نظیر زمانہ موجودہ میں تو کیا شاید زمانہ آیندہ میں بھی نہ ملے۔

ان دنوں میں جبکہ زبان اُردو کی کشتی گرداب میں پڑی ہوئی تھی اور بادِ مخالف کے جھونکوں سے ڈگمگا رہی تھی۔ لالہ صاحب موصوف نے ناخدائی کی اور خمخانۂ جاوید کی تالیف سے اُردو کو تباہی سے بچا لیا۔ اور اس ناؤ کو ڈوبنے نہ دیا ؛

مغربی تعلیم کا اُردو پر خراب اثر پڑا۔ اور نئے تعلیم یافتہ صاحبوں نے اُردو کی اصلیت کو چھپا دیا۔ خواہ مخواہ بلاضرورت انگریزی کے الفاظ اُردو میں داخل کرکے ایک نرالی زبان بنالی جسکو عوام الناس تو کیا سمجھیں۔ تھوڑی بہت انگریزی پڑھے ہوئے بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ بیچارے متکلم کا مُنہ تکتے ہوئے رہ جاتے ہیں ؛

لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے نے باوجود گریجویٹ ہونے اور زبانِ انگریزی کی معراج پر پہنچ جانے کے ایسی پاکیزہ اور سلیس اُردو لکھی ہے کہ دوسرے گریجویٹ کو دشوار ہے جو تمہید لالہ صاحب نے لکھی ہے اُسکو پڑھکر پچیس تیس برس پیشتر کا زمانہ یاد آجاتا ہے۔ اُس وقت کی مجالس و محافل کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ مؤلف نے کتاب لکھنے میں اس اُمر کا التزام رکھا ہے کہ حتی الوسع کوئی لفظ انگریزی زبان کا نہیں آنے دیا ہے وہ ٹھیٹھ اُردو لکھی ہے جسکو اُردوئے معلی کہنا بہت موزوں ہوگا ؛

آجکل جبکہ اُردو کی فصاحت اور دیگر خوبیوں پر خاک ڈالی جا رہی ہے۔ اور صریح مخالفت اُسکو بدنما صورت میں دکھا رہی ہے۔ مؤلف نے اپنی وضع قدیم کو قائم رکھا۔ اپنی مادری زبان میں سرِ مُو فرق نہ آنے دیا اور اُردو کی اصل خوبی و خوبصورتی و وسعت کو دکھا دیا ٭

"خمخانۂ جاوید" کی تالیف سے مؤلف نے ایک قسم کی کرامت دکھائی ہے جو بِلا تائیدِ ایزدی اِنسان سے ظاہر ہونی دشوار ہے۔ مُردوں کو جوہرِ مسیحائی دکھا دیا اور زندوں کو خضر صفت آبِ حیات پلا دیا۔ متقدمین کے نام کو زندہ کر دیا۔ اور شعرائے حال کے نام زندہ رہنے کا سلسلہ کر دیا۔ وہ کام کیا کہ مدعیانِ مسیحیت سے بھی اِس کا پاسنگ نہ ہو سکا "خمخانہ" کو اگر "حیاتِ جاوید" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ٭

اہلِ ہند کو مؤلف کا دل و جان سے مشکور ہونا چاہیئے۔ شائقینِ اُردو کو "خمخانہ" زیرِ مطالعہ رکھنا چاہیئے۔ تصانیفِ جدیدہ میں وہ خمخانہ سے بہتر کوئی کتاب نہیں پا سکتے۔ اگرچہ اُردو زبان میں اخبار رسالے۔ اور ناول بکثرت شائع ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں یہ خوبئ زبان کہاں؟ بعض کی زبان تو پایۂ فصاحت سے ایسی گری ہوئی ہوتی ہے۔ گویا کہ انگریزی کا لفظ بلفظ ترجمہ کیا گیا ہے۔ چند ہی سطور پڑھ کر دل اُکتا جاتا ہے۔ برعکس اِسکے "خمخانہ کی" ایک ہی سطر میں وہ لُطف و سُرور حاصل ہوتا ہے کہ کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا ٭

اُمید ہے کہ ایسے گوہرِ بے بہا کو صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب بھی ہاتھ سے نجانے دینگے اور اُردو کورس میں اِس کا بھی کوئی حصہ داخل کر کے بچّوں کو بھی اِس سے فائدہ اُٹھانے دینگے ٭

"خمخانۂ جاوید" ایسا بسیط تذکرۂ شعرا ہے کہ اِسکی موجودگی اور تذکروں کی تلاش سے مستغنی کر دیتی ہے "خمخانۂ جاوید" ہمہ صفت موصوف۔ سلاستِ عبارت۔ پاکیزگی خط و عمدگی کاغذ کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ لالہ سریرام صاحب ایم۔ اے کی تلاش

جانفشانی۔ لیاقت ثابت قدمی کی جو تالیف خمخانہ میں اُن سے ظاہر ہوئی ہے دل سے داد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تائید تالیف تذکرہ میں مؤلف کے شامل حال فرمائی تھی اُسی طرح اشاعت میں بھی امداد فرمائے تاکہ کوئی گھر خمخانہ سے خالی نہ رہنے پائے۔ بادہ کشوں کے ہاتھ میں بجائے ساغر شراب انگوری کے خمخانہ سرادق

کہاں نسبت ہے خمخانہ سے میخانے کو اے ساقی! | چلائے فہم ہو اس سے نہ رکھے ہوش وہ باقی

قطعات تاریخ تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانہ جاوید جلد دوم از نتیجۂ قلم جواہر رقم منشی فیاض احمد فاروقی کورٹ انسپکٹر جودھپور مارواڑ تلمیذ حضرت داغ دہلوی مرحوم

دولت ہے حقیقت میں بڑی فن سخن بھی | تقدیر سے دے جسکو خداوند تعالیٰ
محفوظ ہے ہر حال میں واللہ یہ پونجی | صندوق کی حاجت ہے نہ درکار ہے تالا
اِس فن کی زمانے میں کبھی قدر تھی ایسی | ہر شخص سمجھتا تھا اسے گھر کا اجالا
ہر ایک کو تھی اسکی طلب اسکی تمنا | گو مشغلۂ شعر نہیں منہ کا نوالا
لوگ آتے تھے خوش محفل اشعار سے ایسے | پی آئے ہیں گویا مئے خالص کا پیالا
جی کھول کے کی قدر شریفوں نے سخن کی | اِس فن کو بڑے شوق بڑے پیار سے پالا
آنکھوں پہ جگہ دیتی تھی دنیا شعرا کو | تھا مرتبۂ اہل سخن برتر و بالا
وہ کونسا میدان ہے جو ان سے بچا ہو | کس معرکہ میں اِنکے رہا ہاتھ نہ پالا
ہر انجمن و بزم میں ممتاز یہی تھے | بول اِن کا رہا دہر میں ہر طرح سے بالا
اچھے ہی لیے کام طبیعت سے انھوں نے | سکہ نہ نکما کوئی اِس سانچے میں ڈھالا
یہ لوگ اگر اسکے مددگار نہ ہوتے | اُردو کا نکل جاتا حقیقت میں دوالا
ہوتی نہ کبھی حجت الفاظ پہ پٹکیں | ملتا نہ اگر قول سخنور کا حوالا
اب کوئی نہیں پوچھتا ارباب سخن کو | اب انجمن شعر و سخن ہے تہ و بالا

اس درجہ نحوست نے انھیں گھیر لیا ہو | تاریک اگر رات ہے تو دن بھی ہے کالا
بے شبہہ وہ بیقدری ابنائے زماں سے | ان لوگوں کو جس چیز نے پستی میں ہے ڈالا
کچھ ایسی گئی گزری تھی حالت شعراء کی | ہر شخص سے آسان نہ تھا اس کا ازالا
ہوتا نہ کسی طرح فروغ اہل سخن کو | لیتا یہ گروہ متبرک نہ سنبھالا
مٹ جاتا زمانے سے نشان شعرا ہی | رہتی یہی حالت اگر اے حضرت والا
صد شکر کہ کی لالہ سری رام نے ہمت | ترتیب دیا تذکرۂ خوب نرالا
اس شخص نے بر وقت خبر لی شعراء کی | ہر طرح مصیبت سے پڑا تھا انھیں پالا
حالات سخن گویاں پہ وہ روشنی ڈالی | آنکھوں سے نظر آیا اندھیرے میں اجالا
چھوڑا کسی شاعر کو نہ زندہ ہو کہ مردہ | ہر ایک پہ ہوا ہے کرم حضرت والا
اس بزم میں ہیں ہندو مسلمان برابر | ہے ایک یہاں خواہ ہو تسبیح کہ مالا
اب آتی ہیں آنکھوں سے نظر انکی شبیہیں | جن لوگوں کو ہم نے کبھی دیکھا ہے نہ بھالا
پائینگے عروج اہل سخن دیکھنا کیا کیا | گمنامی و پستی کو ملا دیس نکالا
بے فکر رہیں اب شعرا خوب سمجھ لیں | یہ تذکرہ عمر ابدی کا ہے قبالا
یہ چیز بڑے کام کی ہے غور سے دیکھو | سمجھو نہ اسے تم کوئی بے کار رسالا
ہے دلکش و دلچسپ و دل آویز یہ دفتر | پائیگا عجب لطف ہر ایک دیکھنے والا
کیوں روح تر و تازہ نہ ہو دیکھ کے اسکو | یہ تذکرہ گلہائے شگفتہ کا ہے تھالا
ہے اسکی بہار ایسی کہ غیرت سے چمن میں | بیمار جو نرگس ہے تو پُرداغ ہے لالا
کیا خاک نظر آئیں انھیں خوبیاں اسکی | ہر حاسد و بدخواہ کی ہے آنکھ میں جالا
نیت ہو اگر نیک تو ہر کام ہے اچھا | مسجد کوئی بنوائے کہ بنوائے شوالا
لیکن ہے حقیقت میں بڑی سب سے یہ نیکی | اک ڈوبے ہوئے فرقے کو پستی سے نکالا
گو کام تھا یہ سخت مگر کر کے ہی چھوڑا | اکتائی طبیعت نہ زہے ہمت والا

کس طرح نہ ہم اسکے مصنف کو سراہیں
تھا شوق لڑکپن سے اسی کام کا اسکو
اسکے لیئے کوسوں کا سفر اُسنے کیا ہے
دن رات کی جاں کاہی و محنت کا ثمر ہے
یہ لالہ سری رام کا احسان ہے بھاری
یہ تذکرہ مطبوعِ خلائق ہوا آہی
فیاض نے تاریخ لکھی تذکرہ پاکر
احسان مندِ لالہ سری رام کیوں نہ ہوں
فیاض کہدو مصرعۂ تاریخ طبع تم

دیگر

کام آ نہیں سکتا ہے کوئی حیلہ حوالا
تھی تہ نظر دُھن ہی جب ہوش سنبھالا
حارج ہوا دریا نہ کوئی راہ میں نالا
کچھ سہل نہیں جمع ہوا ہے یہ مسالا (مصالحہ)
جو شخص نہ مانے وہ ہے لاریب رذالا
ہر سمت سے آواز یہی آئے کہ لالا
پایا ہے مرقع شعرا کا یہ نرالا
دلچسپ و دلپذیر سے چھاپا یہ تذکرہ (۴۸ ، ۱۳ ، ھ)
لاریب بے بدل ہے سراپا یہ تذکرہ
(۶۱۹ ، ۱۰)

تقریظ دلپذیر از نتائج اعجاز رقم منشی دیانرائن نگم بی اے ایڈیٹر رسالہ "زمانہ"

"تذکرۂ ہزار داستان" کی جلد اوّل بھی کل مل گئی - اس ہدیہ کے لیئے میرا دلی شکریہ قبول فرمایئے - میں تہ دل سے اسکی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں - شکر ہے کہ آپکی سترہ سال کی محنت ٹھکانے لگی - اور تذکرہ جسکے لیئے آنکھیں ترس رہی تھیں بالآخر شائع ہو گیا - بیشک آپنے زبانِ اُردو پر جو احسان کیا ہے اُس کا شکریہ ممکن نہیں ہے - آج اور کل کے درمیان میں اِسے اکثر دیکھ گیا ہوں "زمانہ" میں بہت جلد ایک بسیط تنقید شائع ہوگی جسے پڑھ کر یقیناً آپ خوش ہونگے - اِس جلد کے آنے سے قبل ہی میں نے ایک لائق دوست سے تنقید لکھوانا شروع کر دی ہے - بیشک آپنے اسکی ترتیب تالیف میں ہزارہا روپیہ اور اپنے بیش بہا وقت کا فاصہ سرمایہ صرف کیا ہے - ملک اور اُسکے علمی قائم مقاموں کو دل کھولکر اس محنت اور محبت کی داد دینا چاہیئے ؁

اِتنے بڑے تذکرے میں چند فروعی اَغلاط کا رہجانا غیر ممکن نہیں ہے - مگر پھر بھی

آپکی جستجو۔ آپکی تحقیقات اور محنت ہر طرح سے قابل داد ہے۔ فروعی غلطیوں سے میری مُراد حالات شعراء سے مثلاً غلام یٰسین آہ کے متعلق رسالۂ الصدق وغیرہ کے اجراء کا ذکر۔ انکے بھائی آزاد سے تعلق رکھنا ہے۔ مگر یہ باتیں اتنی ضخیم کتاب میں ناگزیر ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی تذکرہ نہایت خوش اسلوبی اور بڑی لیاقت کیساتھ لکھا گیا ہے۔ اور اس پر ہم سب کو ناز کرنا چاہیے خدا کرے بقیہ جلدوں کی اشاعت میں بھی زیادہ تعویق نہ ہو۔ کیونکہ اس جلد نے شوق مطالعہ کو اب دوبالا کردیا ہے۔ مرقوم ۳۱ جولائی ۱۹۰۸ء

تقریظ از قلم مرصع نگار ناظم باکمال و ناثر بیمثال جناب منشی رام رچھپال صاحب شیدا دہلوی اڈیٹر آرمی نیوز لدھیانہ

مطبوعہ ۸ اگست ۱۹۰۸ء

تذکرہ ہزار داستان یعنی اُردو شعراء کا تذکرہ جس کا تاریخی نام "خمخانۂ جاوید" ہے۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے منصف دہلوی۔ خلف الصدق آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا مرحوم کی تصنیف سے ہے۔ اسکی پہلی جلد جسکی ضخامت ۸۰۰ صفحہ کے قریب ہے چھپکر تیار ہوئی ہے اور وہ اس وقت ہماری میز کو زینت دے رہی ہے۔ یہ تذکرہ پانچ جلدوں میں ختم ہوگا۔ فاضل مصنف کی سولہ سال کی محنت اور صدہا مرتبہ کی نظر ثانی اور ہزارہا روپیہ کے صرف کے بعد یہ نادر کتاب ظہور میں آئی ہے۔ تذکرے یوں تو صدہا لکھے گئے ہیں اور ان سب میں باتفاق اہل نظر "آب حیات" کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر آب حیات میں صرف چند نامی گرامی اُستادوں کا ذکر ہے۔ اگرچہ جو کچھ ہے اُردو زبان کے لیئے مایۂ ناز ہے تاہم شایقین سخن کی پیاس بجھانے کو کافی نہیں۔ "خمخانہ جاوید" گویا آب حیات کی تفسیر ہے جو نہایت مکمل اور واضح ہے۔ اعلیٰ حضرت آصفجاہ نظام دکن نے جو اُردو زبان کے سب سے بڑے سرپرست اور اقلیم سخن کے بھی تاجدار ہیں "خمخانہ جاوید" کو اپنے نام نامی سے معنون کرنے کی اجازت دیکر مصنف کی عزت

افزائی کی ہے۔ ہمیں ذاتی علم ہے کہ مصنف نے اس بے نظیر کتاب کی تصنیف میں کسقدر خونِ جگر کھایا ہے۔ کسقدر سفر کئے ہیں اور کس طرح روپیہ پانی کی طرح بہایا ہے۔ ایک ایک شاعر کے حالات دریافت کرنے میں کسقدر تحقیقات اور تجسس اور چھان بین کی ہے ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں کوئی کتاب آجتک ایسے عاشقانہ شوق اور محنت سے نہیں لکھی گئی ؀

شمس العلماء مولانا آزاد کا یہ قول سچ نکلا کہ زبانِ اردو کو وہی لوگ ترقی دے سکتے ہیں جو مغربی اور مشرقی علوم میں یکساں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کوئی محض فارسی خواں کبھی اسقدر سردردی نہ اٹھاتا جو لالہ سری رام نے (جو زبانِ انگریزی کے بھی ماہر کامل ہیں) ایک محقق کی حیثیت سے شعراء کی یہ جامع تاریخ لکھی ہے۔ اس کتاب کی معنوی خوبیوں پر تو ہم کبھی آیندہ مفصل بحث کرینگے۔ سردست اسکے حسنِ صوری کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کیا کاغذ۔ کیا لکھائی۔ کیا چھپائی۔ اور کیا جلد ایسی اعلیٰ درجے کی ہے کہ اس ملک میں اس خوبی کے ساتھ شاید گنتی کی ہی دو چار کتابیں آجتک چھپی ہونگی ؀

تقریظ از فکر لطیف شاعر خوش بیان و سخنور نکتہ دان جناب سید مظفر علی صاحب کوثرؔ رئیس جانسٹھہ ضلع مظفر نگر

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے زبانِ اردو پر ایسا احسان کیا ہے کہ ہر شخص پر جو اردو بولتا ہے آپکا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ ملک میں سیکڑوں تذکرے موجود ہیں۔ مگر آپکا تذکرہ اپنا آپ ہی نظیر ہے خصوصاً ایسے زمانے میں جبکہ زبانِ اردو کے مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آپ کا زبانِ مذکور کی حمایت پر کمربستہ ہونا۔ اور دامے۔ درمے۔ قلمے اس غریب زبان کی مدد فرمانا ایک ایسا مستحسن فعل ہے کہ جس کا شکریہ تمام ملک سے ادا ہونا محال ہے۔ گو جناب کی خدمت میں کمترین کو ظاہری نیاز حاصل نہیں ہے۔ مگر مکرمی

جناب حکیم رضی الدین خان صاحب رئیس دہلی کی زبانی آپکے اوصافِ حمیدہ و خصائلِ پسندیدہ سُنکر غائبانہ سلسلہ نیازمندی میں داخل ہوں۔ خداوندِ عالم سے دعا ہے کہ آپکی صحت و سلامتی میں یہ تذکرہ مکمل ہوکر شائع ہو اور ایسا درجۂ قبولیت حاصل کرے کہ آپ کے سامنے ہی متعدد مرتبہ طبع ہو ؎

تقریظ از فکرِ گہربار و قلمِ جادو نگار منشی احسن مرزا صاحب قیصر لکھنوی خوشنویس سیّد مہدی حسن احسن

نقش فریادی ہے کسکی شوخیٔ تحریر کا	کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

آج میرے سامنے وہ ضخیم کتاب موجود ہے جسکی آبی رنگ کی جلد پر سُنہری حرفوں میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہے "تذکرہ ہزار داستان المعروف خمخانۂ جاوید" سرورق پر انگریزی وضع کی سُنہری بیل اور رُوپہلی حرفوں میں "تذکرہ ہزار داستان" خطِ گلزار میں "خمخانۂ جاوید" تحریر ہے۔ ٹائٹل پر سُرخ حرفوں میں پھر اس تذکرے کا نام اور ہلال کے کام کی ایک رنگین خوشنما بیل دی گئی ہے۔ اِسکے بعد ایک ورق اور ہے جس میں بحضور نظام دکن اِس کتاب کے معنون ہونیکا تذکرہ سبز اور سُنہری حرفوں میں مع ایک خوبصورت حاشیہ کے ہے بعد اسکے دو تصویریں ہیں۔ جو اپنی وضع میں مختلف ہیں۔ ایک انگریزی پوشاک میں ہے جسکے نیچے لکھا ہوا ہے "سری رام ۱۸۹۲ء" دوسری ہندوستانی پوشاک میں ہے جو اس سے بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی تصویر کمسنی اور طالبعلمی کی خبر دیتی ہے۔ دوسری لیاقت اور جوانی کی۔ اب گیارہ صفحوں کا ایک دیباچہ ہے جسکی ابتدا اس شعر سے کی گئی ہے۔

کُھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ	شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

اِس دیباچہ میں مؤلفِ تذکرہ نے اپنی زندگی کے مختلف واقعات۔ اپنے تعلیمی زمانے کے مختصر حالات اور اُسی کے ساتھ ساتھ اِس کتاب کا مواد جمع کرنے کی کاوشیں اور بعض وقتی عذر حوالۂ قلم کیے ہیں۔ بارہویں صفحہ کے تمام ہونیکے بعد تذکرہ ہزار داستان۔ آبادِ مرزا

مہدی حسن خان خلف مرزا جعفر خان لکھنوی کے نام سے شروع ہوتا ہے صفحہ ۶۸۹ میں ہوش
لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنؤ کے نام پر تمام ہوتا ہے۔ اسکے بعد چھ صفحوں کا
ایک صحت نامہ دیا گیا ہے۔ ایک جزو میں فہرست اسما شعرا مندرجہ تذکرہ ہے۔ پھر صفحہ
ایک سے ۷۸ تک میں تقاریظ و قطعات تاریخ لکھے گئے ہیں ٭

اِس بڑے تذکرے کے چند جزو میری نظر سے اُس وقت بھی گزرے تھے جسوقت یہ تذکرہ زیر طبع تھا۔ اسکے اعلیٰ پیمانہ پر چھپنے کی خبر نے اور اسکے پروف کے چند اوراق نے جب ہی سے مجکو اس کتاب کا مشتاق بنا رکھا تھا۔ آج وہ مبارک دن ہے کہ میری مشتاق نگاہیں اسکے اہتمام و انتظام کی بہار لوٹنے کے بعد نثر و نظم کی دلچسپیوں سے ہم آغوش ہیں۔ میری پُرشوق آنکھیں ہر ہر سطر کو بہت غور سے دیکھ دیکھ کر بجائے خود مؤلف تذکرہ کو اسکی کامیابی پر مبارکباد دیتی جاتی ہیں اور میں شعرائے ماضی کی جیتی جاگتی تصویروں سے اُنکے واقعات سُن رہا ہوں۔ کہیں اُنکی زندگی کے نشیب فراز سے آگاہی حاصل کرکے چپ ہو جاتا ہوں۔ کبھی شعرا حال کی دلآویز نظمیں۔ اور مؤلف صاحب کی وقائع نگاری میرے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیئے میں بالکل محو ہو جاتا ہوں علی الخصوص وہ بعض خیال جنکی میں اب لکھنے والا ہوں مجھپر حیرت کا عالم طاری کر دیتے ہیں اور وہ تخیلات مصنف دہلوی لالہ سریرام صاحب ایم اے کے حالات زندگی سے وابستہ ہیں۔ ایک ایسے شخص کا جو آبائی تموّل کے سبب آرام کا عادی ہو بستر راحت سے اُٹھ بیٹھنا۔ خواب شیریں کو ٹھوکر مار کر زندگی کی پیاری راتیں تعلیم انگریزی کی جی توڑ محنت میں گزارنا۔ ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں سرگرم ہونا۔ اپنے ذاتی کاروبار اور صحت قائم رکھنے کے ذکروں سے جان چھڑا کر ایک ایسے بڑے کام کے لیئے مستعد ہو جانا کسی طرح تعجب سے خالی نہیں ٭

یہ تذکرہ جو پانچ جلدوں پر منقسم ہے اور جسکی پہلی جلد میرے سامنے موجود ہے جسطرح

شعرائے ماضی و حال کی دل آویز نظموں سے بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح مؤلف تذکرہ کی خوبیوں سے مملو نظر آتا ہے۔

ایک مورخ کے فرائض کی اہمیت کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں اور وہی قدر کر سکتے ہیں جنھوں نے کبھی ایسے مشکل کام کے لئے قلم اٹھایا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ لالہ سری رام صاحب نے اپنی خداداد قابلیت سے پہلے ہی وہ فرائض چُن چُن کر اپنے دماغ میں محفوظ کر لیئے ہیں اسکے بعد شاید ایسی دشوار گزار راہ میں قدم رکھا ہے۔ اِنکے لکھے ہوئے ہر ذکر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ لکھنے کے وقت اُنھوں نے کسی کی جانبداری نہیں کی۔ کسیکی رعایت سے کام نہیں رکھا۔ مروّت کو بالائے طاق رکھا۔ اپنے ارادوں سے سرمو تجاوز کرنے کو عیب جانا۔ اپنی مجوزہ حدود پر نظر برابر جمائے رہے ہیں بلکہ جو خیال دل کی تہ سے نکلا ہے اُس کو بے کم و کاست حوالۂ قلم کر دیا ہے۔ اُنکے قلم کی آزادانہ روش بتا رہی ہے کہ جو کچھ کیا ہے نیک نیتی سے کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سچّائی سے لکھا ہے۔ مگر اسے وہ کیا کریں کہ ایک شاعر شہرت سے ہی بے نیاز ہو کر محض اپنے نہ رُکنے والے جذبات سے مجبور ہو کر کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہے اور اسی وجہ سے تذکرہ نویسوں کی درخواست کو بھی نامنظور کر دیتا ہے۔ تذکرہ نویس چاہتا ہے کہ جہانتک ممکن ہو سچّے واقعات قلمبند کروں۔ مگر جب اُسکو وہ واقعات جو صحّت پر مبنی ہیں دستیاب ہی نہوں تو وہ کیا کرے۔ لیکن یہ عجب دلشکن مشکل ہے کہ قلم سے نکلنے کے بعد اُن مشہورہ حالات کی صحّت و غیر صحت پر ضرور نظر ڈالی جاتی ہے اور یہی باتیں مابہ الامتیاز فرق پیدا کرنے والے اہل قلم کے لیئے جرح و قدح کی باعث ہوتی ہیں۔ ماوراء اسکے بعض ایسی پیچیدہ رہجانے والی باتیں ہوتی ہیں جو اپنی طرف توجّہ دلانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ چنانچہ موجودہ تذکرے کو دیکھتے دیکھتے میں صفحہ ۲۸۵ تک پہنچا تھا کہ یکایک چونک پڑا اور حکیم مرزا آغا حسن صاحب آزل مرحوم خلف میرزا عبّاس صاحب کے ذکر میں جو میرے قرابت داروں میں سے ایک بزرگ تھے بعض ایسے غیر واقعی حالات دیکھنے میں آئے کہ

مجکو ایک اچمبہ سا ہو گیا۔ اسی صفحہ کی سترھویں سطر میں مسطور ہے کہ جناب ازل اصلی امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیام بہار کے زمانے میں تبدیلِ مذہب کر کے سُنی ہو گئے تھے۔ مگر مرض الموت میں مذہب امامیہ کا اعلان کر کے انتقال کیا" یہ امر ایسا خلافِ واقع معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح دل نہیں چاہتا کہ ایک یادگار تذکرے میں ہمیشہ کے لیئے ایسی فاش غلطی نظر انداز کی جائے بلکہ اس کا کسی طور سے اعلان کر دینا مرحوم شاعر اور عظیم الشان تذکرے کے حق میں بہر صورت بہتر و انسب معلوم ہوتا ہے۔ صحت نامے میں "آغا حسن" کی جگہ "آغا حسین" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ صحیح آغا حسن ہی ہے۔

اب میری نظر صفحہ ۴۶۵ کی آخری سطر سے چلکر صفحہ ۴۶۶ کی دوسری سطر پر رُک گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جناب اُنس میر مہر علیصاحب مرحوم کے حالات میں ایک سخت غلطی نظر آئی ہے جس کا اعلان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم کے واقعات کی عبارت یہ ہے۔ "اُنس۔ میر مہر علی لکھنوی۔ خلفِ میر مستحسن خلیق فرزند میر حسن صاحب بدرِ منیر۔ اپنے والد مرحوم کے شاگرد اور اکثر مرثیہ کہتے تھے۔ آپ میر انیس مغفور کے حقیقی بھائی تھے اِنکے بیٹے میر حمید اور میر تعشق بڑے خوش فکر اور شیریں زبان شاعر گزرے ہیں" (اُنکے بیٹے میر وحید" یہانتک تو میری نظر برابر جمی رہی لیکن (میر تعشق) کا نام آتے ہی کچھ میری نگاہیں منتشر سی ہو گئیں اور میں ہکا بکا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کیونکہ تعشق جناب سید صاحب مرحوم کا تخلص ہے جو محمد مرزا صاحب اُنس کے بیٹے اور میاں (عشق) کے بھائی اور پیارے صاحب رشید مدظلہ کے حقیقی چچا تھے اور مرثیہ گوئی میں ان کا بھی ایک رنگ خاص تھا۔ اسکے بعد بہت تعجب کے ساتھ اس بات کا افسوس ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ باوجود تلاش صرف چند شعر غزل ہی کے صاحب تذکرہ کو دستیاب ہوئے۔ حالانکہ جناب اُنس مرحوم کے کلام کا ایک معتد بہ حصہ مثل مرثیوں۔ سلاموں۔ رباعیوں کے

؎ مؤلف تذکرہ نے آزل صاحب کے شاگرد رشید مولوی شاہ حفیظ رئیس پٹنہ سے آزل مرحوم کے حالات دریافت کیئے تھے چنانچہ انھیں کے مرسلہ حالات سے جناب ازل کے حالات اقتباس کر کے درج تذکرہ کیئے گئے ہیں۔

ہندوستان کے متعدد شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ علی الخصوص پٹنہ عظیم آباد میں ؛
اب میں صفحہ ۶۶ ۴ کے بعد جستہ جستہ کلام دیکھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اور ورق گردانی میں مصروف تھا کہ صفحہ ۵۲۸ پر آکر الف تمام ہو گیا اور آمین حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندرپوری کے اس آخری شعر نے اس حصّے کو علیحدہ کر دیا۔ ؎

تو ہی اے دیدۂ تر اب کوئی تدبیر بتا	لگ گئی آتش غم دل میں بجھائیں کیونکر

اسی صفحہ کا باقی حصہ ایک گلدستے اور چار گوشوں سے مزین کیا گیا ہے۔ جو مورخ اور مہتمم تذکرہ کی خوش سلیقگی کی خبر دینے سے خالی نہیں۔ اور جس سے یہ بات ثابت ہے کہ تذکرہ کو بہمہ وجوہ خوشنما بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۵۲۹ کی ابتدا حرف (ب) سے ہوتی ہے اور میر بادشاہ علی کے اس شعر سے تذکرہ پھر شروع ہوتا ہے۔ ؎

بلبل شیدا نے پوچھا گل سے یوں روز بہار	اے گل رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار

تذکرے کی خوبیاں ہمکو اسکے معائب کیطرف نظر اٹھانیکو مانع ہیں بلکہ گناہ ثابت کر رہی ہیں لیکن افسوس تو یہی ہے کہ گناہ سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جنکو دنیا کی دلچسپیوں سے کوئی کام نہو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم خمخانۂ جاوید کے متوالے نہیں اور اسکی جرعہ کشی سے دست بردار ہو جائیں۔ جب ہم تمام ہندوستانی شاعروں کا کلام ایک جگہ مدوّن ہونا خیال کرتے ہیں اور مورخ کی وہ محنت اور وہ جانفشانیاں جو کسی طرح خیال میں آنے والی نہیں۔ ہمارے سامنے آتی ہیں تو خود ہمکو ہمارا سکرا دے اور ہمت پست نظر آتی ہے۔ نگاہوں میں حیرت اور دلمیں رشک کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اس وزنی احسان سے سبکدوش ہونیکا جب کوئی پہلو نظر نہیں آتا تو مجبور ہو کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کاش زبان اردو سے ہمکو کوئی تعلق نہوتا اور یہ زبان ہماری زبان نہوتی واقعی اردو لٹریچر میں یہ پہلا معتدبہ اضافہ ہے۔ جسنے ہمکو گھر بیٹھے ہندوستان کے تمام شاعروں سے ملنے کا موقع دیا۔ ہم بہت خوشی اور نہایت شکرگزاری کے ساتھ اس احسان کا

بار اپنے سر پر لیتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے اپنے خوش فکر شاعروں کا کلام دیکھنے میں آرہا ہے جنکے کلام سے اسکے قبل فیضیاب ہونے کا کبھی موقع نہ ملا تھا۔

مجھے امید ہے کہ مؤلف صاحب مجھے اپنا ایک سچا بہی خواہ تصور کرکے ان اغلاط سے متنبہ کر دینے سے کوئی برا اثر نہ لینگے ؞

تقریظ خمخانہ جاوید بنتیجۂ قلم جادو رقم جناب محمد قطب الدین خاں طالب وکیل ریاست گوالیار وحاضر باش محکمہ رزیڈنسی میواڑ

ہست نہال ریاض قدیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ایسی کتاب ہے کہ باعتبار صورت ظاہری فقط ایک خوشنما جلد میں مجلد ہے اور اعلیٰ قسم کے کاغذ پر خوشخط لکھی ہوئی ہے لیکن بلحاظ خوبی ہائے باطنی و وصف ہای ہائے معنوی ع "آپہی نظیر آپ ہے اپنی مثال آپ" کیوں نہو کیسے لائق و فائق بہترین افاضل فخر اماثل لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے کی مصروفیت و عرقریزی سالہا سال کا برترین نتیجہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جس فن کو لالہ صاحب ممدوح نے لباس وجود پہنایا ہے تنت ہوئی کہ روش زمانہ سے نہ صرف عریاں ہی ہوا تھا بلکہ بعض خیالات میں تو اس کا وجود بھی قریباً درجہ عدم تک پہنچ چکا تھا۔ ایسی سرد بازاری و گمنامی کے وقت میں لالہ سری رام صاحب کی مثل قابل و فاضل عالی دماغ کا متوجہ ہونا اور انتہائے بالغ نظری سے اس ضرورت کا احساس کرکے بصرف اوقات و اموال اس گرانقدر سرمایہ کا جمع فرمانا واقعی آسان کام نہ تھا ع

"صد آفریں مؤلف عالی دماغ پر"

آنے والی نسلیں جہاں تک مؤلف گرامی کی شان اس جلیل القدر احسان کی شکر گزار ہوں اور خوش دماغان سخن جس حد تک اس سرمایہ پہ فخر کریں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ ہر انسان بالقتضائے

فطرت نظم پر بالطبع مائل ہے کوئی ملک عرب ہو یا عجم۔ ہند ہو یا فارس۔ کوئی قوم جرمنی ہو۔ یا روسی۔ ترکی ہو یا تاتاری لطفِ کلام و مذاقِ سخن سے بے بہرہ نہیں۔ بلکہ حقیقتاً ہر فرد بشر ناطق ہے۔ اِس اِستدلال پر حضرت متقدمین کا کلام شاہد ہے۔ خسرو۔ ؎

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم	دل بہ ایں محنت نہ از خود دادہ ایم

پس جب یہ مسلّم ہے کہ سخنگوئی لوازمِ انسانیت سے ہے تو ایک ایسی زبان کے لیئے جس کا کوئی مدد و معاون نہیں لالہ صاحب کا ایسا منفعت بخش حامی و سرپرست ہونا اُنکے و نیز ملک و قوم کے لیئے کیسا کچھ موقع مسرّت و مبارکباد ہے اِس لیئے میں اپنی مختصر تقریظ کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ لالہ سری رام صاحب کو تندرست و ذی اقبال رکھے اور توفیق عطا فرمائے جس تمہید و ہدایت کے ساتھ خمخانۂ جاوید کا آغاز کیا ہے اُسی تکمیل و نہایت کے ساتھ وہ انجام کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین

قطعہ تاریخ طبع جلد دوم خمخانۂ جاوید

اے سری رام۔ ایم۔ اے منصف	عدل و نصفت میں تم بھی یکتا ہو
خلق و تہذیب و قابلیت میں	آپ ہی تم جواب اپنا ہو
تم ہو اہلِ مذاق کے محسن!	کیوں نہ ممنوں ہر اک تمہارا ہو
نام زندہ کیے ہزاروں کے	عہد کے اپنے تم مسیحا ہو
کیا مرتب کیا ہے خمخانہ	وصف کیا کیا زباں سے اسکا ہو
بس دعا ہے کہ یہ رہے آباد	اِس کا ہر چار سمت چرچا ہو
میکشوں کا ہجوم ہو اس میں	جام ہر رنگ کا چھلکتا ہو
ہے تمہاری جو ہمت و کوشش	اس کا حاصل تمھیں نتیجہ ہو
قطعہ اب ختم کیجئے طالب!	لطفِ صنعت ولیکن ایسا ہو
سالِ ہجری بھی عیسوی سن میں	۱۳ھ ۲۷ سن و تاریخ سے نکلتا ہو ۹ ۰ ۱۹ء

تقریظ

نتیجۂ طبع وفا جناب سید آغا حیدر صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی سہارنپور

اگرچہ مجھے خدمت سامی میں حصول نیاز کا شرف نہیں لیکن غائبانہ معرفت ضرور ہے۔ آج حسن اتفاق سے ایک صاحب کے پاس جناب کے تذکرۂ شعرار کی جلد اول دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ فی الحقیقت جناب نے بڑی محنت شاقہ اور دردسری کو اپنے سر لیا جس میں بہت کچھ دماغ سوزی کرنی پڑی ہوگی اور بہت سا وقت عزیز صرف ہوا ہوگا۔ ملک اور زبان دونوں پر آپ کا احسان ہے جسکی اہل ملک کو تہِ دل سے شکرگزاری کے بعد قدر کرنی چاہیئے زیادہ قابل قدر اور مسرت انگیز یہ امر ہے کہ آپ جیسے ایجوکیٹیڈ جنٹلمین نے اس طرف توجہ کی اور اپنے ملک کے مُردہ و از یاد رفتہ باکمالوں کو جنکے رنگ کو زمانہ تقریبًا مٹا چکا تھا۔ نئے سرے سے حیات جاوید بخشی۔ سچ یہ ہے کہ ایسا جامع تذکرہ جسکو شعرائے ہند کا انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیئے ابتک نہیں لکھا گیا تھا علاوہ بریں حسن تحریر و خوبی کاغذ اتفاق دلکش و دلفریب ہے کہ بیساختہ دلکو اپنی طرف کھینچے لیتی ہے۔ اس لیئے اُمید کی جاتی ہے کہ حسن قبول و پسند عام سے بھی یہ تذکرہ ممتاز ہوگا۔ ساتھ ہی مجکو افسوس ہے کہ ایسا جامع و حاوی تذکرہ ہمارے سہارنپور کے بعض برگزیدہ اور مقتدر شعرائے ماضی و حال کے اسمار گرامی سے معرّا و خالی ہے۔ لیکن اُس شکایت و معذرت سے جو ابتدائے کتاب میں جناب نے بعض حضرات کی بے پرواہی و غفلت شعاری سے جواب خطوط تک نہ دینے کی تحریر کی ہے ضرور تلافی ہوتی ہے ۞ مرقومہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۸ء

قطعہ تاریخ ترتیب تذکرۂ ہزار داستان المعروف بہ خمخانہ جاوید از طبع وقاد پنڈت سکھدیو پرشاد صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ریاست بھرتپور

عجب یہ مہرِ خمخانہ نسخہ نایاب	کہ جسکی تاب سے آب حیات ہے بیتاب

نظیر آپ یہ اپنی ہے آج دنیا میں — نہ اس کا دلی میں ہے اور نہ لکھنؤ میں جواب
نئی صدی کی ہے واللہ یہ نئی سوغات — یہ انتخاب حقیقت میں ہے بڑا خوش آب
نگاہِ لطف سے اب دیکھیں دیکھنے کے مشتاق — نقاب رخ سے اٹھاتا ہے مہر عالمتاب
مہک جہان میں پھیلی گل مضامین کی — رہے یہ باغ سخن ہند کا سدا شاداب
کہو یہ پھر طبع رسا سے تیسوی سالے پھر — لکھی ہے رسالے پہر یہ ام سنہ یہ خوب کتاب

دیگر

ہوئی ہے صلۂ محنت شاقہ کا — کہ بھیجا ہر سمت سے داد کی ہے
ہوا غیب سے تا وہ مہر تصدیق — یہ تالیف خود مہر استاد کی ہے

تقریظ نظم از کلک گہر سلک شاعر شیریں بیان ناظم نکتہ دان پنڈت جواہر ناتھ صاحب کول عمخوار دتاتریہ لبوہ دار متخلص بہ ساقی دہلوی

ہو رہا ہے بلبلان نغمہ زن میں تذکرہ — ہے گل رعنا ہے معنی کے چمن میں "تذکرہ"
کیوں نہ ہو معروف یہ ہر انجمن میں "تذکرہ" — ہو گیا مشہور یہ اہل سخن میں "تذکرہ"
حال کا یہ حال ہے ماضی کا استقبال ہے — یادگار کہ ہے یہ دہر کہن میں "تذکرہ"
شہرت اسکی ہو گئی پنجاب میں بنگال میں — شرق میں چرچا ہوا اسکا ہے دکن میں تذکرہ
اتحاد و وحدت و کثرت سری ہیں رام میں — شوق و رم کا رنگ ہے مثر و علن میں کرہ
دیکھ کر حسن ادا سب اسکے شیدا ہو گئے — ہو گیا محبوب عالم حسن ظن میں "تذکرہ"
بلبل شیدا بنا ہے باغ میں ہر ایک گل — ہو رہا ہے اسکا سبزان چمن میں "تذکرہ"
اس کا آوازہ ہوا فردوس میں فردوس گوش — قدسیوں میں بھی ہوا باغ عدن میں تذکرہ
ساقی خلوت نشیں ہم بھی ہوئے ہیں شادماں — جلوہ آرا یہ ہوا اپنے وطن میں "تذکرہ"

اقتباس از تحریر جناب پنڈت اندر پرشاد صاحب دہلوی وکیل عدالت ضلع مظفر نگر

اتفاقیہ ایک دوست کی عنایت سے آپ کا مؤلفہ "خمخانۂ جاوید" دیکھا۔ اور خوب اچھی طرح دیکھا

اُسکے دیکھنے سے جسقدر مجکو مسرت ہوئی ہے اُسکو میں ظاہر نہیں کرسکتا - جزاک اللہ آپنے نہ صرف اُردو شعراء پر بلکہ اُردو زبان پر جو احسان کیاہے اُس احسان کے بارگراں سے کبھی اُردو زبان سبکدوش نہیں ہوسکتی - یہ کام آپ ہی ایسے عالی ہمت مذاق زبان رکھنے والے عالم باعمل شخص کا کام تھا جو آپنے پورا کیا خدا کرے پبلک آپ کی ایسی ہی قدردانی کرے جسکے آپ ہرگونہ مستحق ہیں ۞

تقریظ دلپذیر از تحریر شاعر سخن ساز معنی طراز منشی چندی پرشاد شیدا دہلوی تلمیذ حضرت مولنا عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی

اودھ پنچ جلد سی و سوم نمبر ۷ مطبوعۂ ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء میں ا ع م - کے پردہ نشین نام سے خمخانۂ جاوید کے متعلق ایک طول طویل مضمون نظر سے گزرا جس کا ذکر ریاض الاخبار گورکھپور کے لائق ایڈیٹر نے بھی اپنے اخبار میں کیاہے - واقعی اُنکی رائے صُلح کل کا پہلو لیئے ہوئے ہے اودھ پنچ کے قابل نامہ نگار نے جو کچھ لکھاہے وہی خود ذرا انصاف کی عینک لگاکر دیکھیں کہ تمام وکمال راست راست اور بے کم وکاست شاعروں کے کلام کا موازنہ کیاہے اگر ایسا نہیں ہے تو اُنھیں کہاں سے یہ حق حاصل ہوگیا کہ دوسروں پر یک طرفہ رائے زنی کریں - لالہ سری رام صاحب نے ستّرہ برس محنت شاقہ اُٹھاکر اور زرکثیر خرچ کرنے کے بعد یہ شعرائے ماضی وحال کا تذکرہ لکھاہے - اگر احیاناً بعض شاعروں کا حال اُس میں صحیح درج ہونے سے رہ گیاہے تو اُس کا بار لالہ صاحب موصوف پر ہرگز نہیں آسکتا - جن ذریعے سے اُنکو حالات معلوم ہوئے ہیں یہ اُس خبررسان کی غلطی پر محمول ہوسکتاہے - اِسکی نسبت مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں - یہ کمی ایسی ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں پوری ہوسکتی ہے کیونکہ اُن کا یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ جو کچھ اِس تذکرے میں لکھا گیاہے اُس میں ترمیم و تنسیخ ہوہی نہیں سکتی - اِسلئے کہ ایسے تذکرے کا لکھنا آسان کام نہیں ہے - تحقیق کے واسطے ناگزیر

ایسے وسائل اختیار کرنے پڑتے ہیں جن میں فروگزاشت ہو جانا ممکنات سے ہے۔ پس آپ کی لعن وطعن آپ کے لیئے ہی موجب شرمساری ہو سکتی ہے ورنہ اتنی محنت اور زرِ کثیر خرچ کر کے تمام ماضی وحال کے شاعروں کا صحیح صحیح تذکرہ خود ہی لکھ کر دکھایئے۔ بات کہدینا آسان ہے اور کچھ کر دکھانا مشکل ہے ؛

حضرت داغ اور جناب امیر لکھنوی کی نسبت جو آپنے ارشاد فرمایا ہے کہ امیر مرحوم کے شاگرد داغ مغفور کو اُن کا ہمپلہ نہیں سمجھتے تھے تو یہ اُنکی لیاقت اور ادب شناسی کی بات تھی حضرت ریاض اور جلیل کی بابت جو حضرتِ داغ کا مقابلہ کرنے کا بے سروپا قصہ گھڑ لیا گیا ہے اُس سے حضرت داغ کی شان میں کچھ فرق نہیں آتا گستاخی معاف یہاں کے بعض نوشق شعرا کی بعض بعض غزلیں حضرت امیر کی غزلوں سے بڑھ گئی ہیں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ حضرت امیر کی اُستادی میں فرق آگیا۔ یا وہ کچھ نہ رہے۔ اگر حضرت ریاض وحضرتِ جلیل نے جناب داغ کے مقابلے میں بیٹھکر لکھنے کا چیلنج دیا تو یہ اُنکی اخلاقی کمزوری تھی کہ ایک مسلم الثبوت استاد کا اس شیخ چشمی سے ترکِ ادب کرتے تھے۔ شاعری کا فن کسیکی میراث نہیں۔ اگر حضرتِ داغ کے شاگرد اسی طرح جناب امیر لکھنوی سے کہہ بیٹھتے تو کیا امیر مرحوم اُسی وقت اُنکے مقابل لکھنے بیٹھ جاتے ؟ اور اپنے پیر نابالغ ہونے کا ثبوت دیتے ؟ درحقیقت جو صفائی زبان شوخی بیساختہ پن اور آمد میرزا داغ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ وہ جناب امیر کے ہاں موجود نہیں ہے۔ گو وہ اشعار بلحاظ دیگر اُمور بہت اچھے سہی لیکن دعوی تو یہی ہے کہ صفائی زبان۔ الفاظ کی برجستگی۔ بندش کی چستی اور سادگی ایسی ہے کہ اُن کا کلام مقبول عام ہو گیا صبا۔ سحر۔ وفا۔ فدا۔ آہ۔ بیخود۔ اور گوہر۔ انتخاب۔ کے اشعار جو نقل کیئے گئے ہیں۔ یہ زبان کی صفائی دکھائی گئی ہے۔ لیکن نظرِ انصاف سے دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت داغ کے شاگردوں کے کلام میں اس سے بہتر صفائی پائی جاتی ہے۔ اِن مرحوم شاعروں کے دیوان میں فیصدی بہت ہی کم شعر نکل سکیں گے۔ جبکہ جناب میرزا داغ مرحوم کے ۴ دیوان

موجود ہیں۔ آپنے داغ صاحب کے اِس شعر پر تمسخر اُڑایا ہے ؎

دیکھنا پیرِ مغاں حضرتِ واعظ تو نہیں … کوئی بیٹھا نظر آتا ہے ہیں خم مجکو

واقعی آپکی رنگین عینک دار نگاہ میں اِس شعر سے کوئی بات نہیں نکلتی لیکن ریاض گورکھپوری جو آپکے ممدوح ہیں اُنکے اِس شعر میں تمام علوم کا خزانہ بھرا ہوا ہے ؎

کوچے میں اُنکے پھرتے تھے کل اِس طرح ریاض … اک پشت خار ہاتھ میں اور سر منڈا ہوا

اگر داغ مرحوم نے متقدمین کی تقلید کی تھی تو ہم حیران ہیں کہ امیر مرحوم کا ایجاد بھی ہمیں کہیں نہیں ملتا سوائے امیر اللغات کے جسکی بابت زمانہ جانتا ہے جیسی کہ وہ ہے سبحان اللہ آپنے صاف و شستہ اشعار کو تو بازاری زبان فرما دیا لیکن اُلجھے ہوئے ریشم کو کس مقام کی بولی کہوگے۔ یہ شاید خانگی زبان میں داخل کیجائے گی ؞

معلوم ہوتا ہے حضرت کو خبر نہیں کہ زمانے کے ساتھ مذاق بھی بدلتا جاتا ہے۔ پہلے دور اور اِس زمانے کی شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔ کوہ کندن و کاہ بر آوردن جسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں اب موزوں نہیں سمجھا جاتا ؎

فیج کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دلگیر ا … اور یہاں قدر شناسانِ سخن تھوڑے ہیں

کسی شخص کی محنت پر خیال کر کے حوصلہ افزائی تو درکنار بلکہ بے حصول نکتہ چینی کا شعار لوگوں نے لیاقت کا تمغہ سمجھ رکھا ہے لیکن انصاف پسند حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جسقدر آپکی لیاقت ہے کسی سے پوشیدہ نہیں اخبارات کے قیمتی اوراق ایسے بے نتیجہ مضامین سے سیاہ کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ اتنا وقت کسی اور کام میں صرف کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ آیندہ نامہ نگار صاحب اِس مضمون کو طول نہ دیکر کسی مفید مشغلہ میں اپنا وقت صرف کرینگے۔ ورنہ ؎

مصلحت پردہ دری میں نہیں ہرگز ورنہ … آپکے گھر کے ہیں نظروں میں مری سو سوراخ

ریاض الاخبار کے فاضل اڈیٹر حکیم برہم نے بھی اپنی پوربی زبان میں خمخانۂ جاوید

کی نسبت اپنے تخلص کی رعایت سے کچھ برہمی کا ثبوت دیا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین ست	مقتضائے طبیعتش این ست

اور خاموش ہو رہتے ہیں۔ اُنکی رائے کے موافق اودھ پنچ کے نامہ نگار نے "خمخانہ کی مٹّی تو کیا پلید کی ہے بلکہ اپنی بھدّی لیاقت اور بھونڈی سمجھ کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اِتنا مختصر مگر صفائی اور سچائی کے ساتھ کہ بیموقع گستاخی کرنا اور اُسکی ناشائستگی اُسے واضح کرکے بتا دینا انسانیت کا فرض ہے اِس پر بھی اگر کوئی ناراض یا رنجیدہ ہو تو اُسکی محرومیٔ قسمت۔ تقدیر بنانا خدا کا کام ہے۔ ہمارا کام نہیں کیسی تذکرہ نظر سے نہ گزرنے کی شکایت اُسکے افلاس کا ثبوت یا بخل کی دلیل ہے اور محض سنی سنائی باتوں پر مؤلف کی لیاقت کا اندازہ کر لینا بیوقوفی اور حماقت کا نشان +

تذکرے کی خوبیاں خود تذکرے سے ظاہر ہیں اور دنیا بھی ابھی جوہر شناس نگاہوں سے خالی نہیں ہوئی ہے۔ جیساکہ دیگر اربابِ کمال اور اہلِ فن حضرات کی تقاریظ اور ریویو نگارشوں سے ظاہر ہو رہا ہے +

فی الحقیقت مؤلف کی محنت اور جانکاہیوں کی جسقدر داد دیجائے تھوڑی ہے۔ یہ دردِ سر اور صرف زر لالہ سری رام صاحب کے سوا دوسرے کے بس کا نہ تھا۔ سچ مچ لالہ صاحب نے ملک اور ملک کی زبان پر جو احسان کیا ہے اُس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ حیف ہے اگر اہلِ بینش لفظی ستایش اور زبانی داد سے بھی دریغ کریں۔ میں دلی شکریہ کے ساتھ لالہ صاحب کو اس عظیم الشان تالیف پر مبارکباد دیتا ہوں اور بقیہ جلدوں کی تکمیل و اشاعت میں کامیابی کے لیئے دست بدعا ہوں اور جانتا ہوں کہ بافضالِ ایزدی لالہ سری رام صاحب کو اسکے علاوہ کسی دوسرے صلے یا معاوضے کی پروا بھی نہیں ہے۔ ؎

طبع گوشہ نشینم اسست زار باب خرد	ورنہ مستغنیم از مال و منال زر و سیم

اقتباس از نگارش گرامی دریائے شاعری کے بے بہا گوہر جناب حکیم معشوق علی صاحب جوہر شاہجہانپوری وکیل بھوپال رئیس بہادر شاہجہانپور زرو بیلکھنڈ

پیارے سری رام! میں تم پر نثار۔ میں تم پر صدقے۔ اللہ تم کو چشم زخم۔ نظر بد۔ نگاہِ حاسد۔ دیدۂ زمانہ۔ غماز و نمام کی تاک جھانک سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ میرے اس خط میں جو فقرے روشِ قدیم کے خلاف بطرزِ جدید پاتے ہو اس کی وجہ محض اِس وقت کی میری از خود رفتگی ہے۔ مجھپر جو عالم طاری ہے میں اسکی تفصیل نہیں کر سکتا بلکہ اجمالاً بھی بیان نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایک شمہ بھی ادا نہیں کر سکتا ہوں۔ آج یکایک اُس شاہدِ رعنا نے جلوہ دکھلایا جس کا اشتیاق مدتوں سے تھا۔ الحمد للہ کہ ع اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم، کیا کہوں کہ کیا عالم اُسنے طاری کر دیا کہ نہ اپنے ہوش میں ہوں نہ حواس میں۔ ٹھیک ایک بجے ڈاکیہ نے جلد تذکرہ ہزار داستان دی نماز ظہر کے ارادے سے بیٹھا تھا کہ وضو کر کے نماز ظہر پڑھوں اور اُسکے بعد یہ وقت تا بمغرب تلاوتِ قرآن کا ہے۔ مگر اس وقت کہ چار بجا چاہتے ہیں نہ وضو کیا ہے نہ نماز پڑھی ہے سوائے اسکے کہ تمھاری ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگ رہا ہوں اور تمھارا نادیدہ مشتاق ہو گیا ہوں۔ جو کچھ میرے قلب کی حالت ہے میں اُسکو ظاہر نہیں کر سکتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو فنائے سخن سمجھتا تھا اور یہ دعوی تھا اِس وجہ سے کہ نہایت غریب کا بیٹا۔ نہایت غریبی میں زندگی کٹی۔ افکار و مہمات کا ہمیشہ سامنا رہا مگر کبھی دامنِ مذاقِ سخن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مگر بھائی تمھاری حالت اور تمھارے تذکرے کا دیباچہ پڑھکر جس میں ایک حرف بھی تصنع کا نہیں ہے دل بے قابو ہو گیا۔ اور خفقان کی سی حالت ہو گئی۔ افسوس کہ تم نے لکھنؤ سے واپسی کے وقت مطلع نہ کیا ورنہ میں اسٹیشن پر ضرور ملتا۔ اور تمھارے دیدار سے آنکھیں منور کرتا۔ تمھارے پہلے خط کے آنے پر اور میرے کلام کی طلبی پر میں نے اغماز کیا تھا۔ کیونکہ میری عادت ہے میں کسی گلدستے میں غزل نہیں بھیجتا

کسی کتاب کی تقریظ نہیں لکھتا۔ تاریخ نہیں لکھتا کیونکہ میں دیکھتا ہوں اُن میں ایسے لوگوں کی تاریخیں تقریظیں بھی شامل ہوتی ہیں جن کو موزوں اور ناموزوں میں بھی امتیاز نہیں ہوتا ہے۔ گلدستوں کا خاص ڈھنگ یہ ہے کہ ایک موزوں طبع چند غزلیں لکھکر اُن اطفال کے نام سے گلدستوں میں بھیجدیں جن کو نظم و نثر کا فرق بھی معلوم نہیں۔ کچھ اپنی استادی کی شہرت اور کچھ اُن کی شاعری کی شہرت کی غرض سے۔ مجھے اُنکی مجلس میں اپنا وجود ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آموں میں گولر۔ چنانچہ اِسی بنا پر کہ ایسا ہی یہ تذکرہ ہوگا۔ مَیں نے اپنا کلام بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن بھائی آج جو تذکرہ دیکھا تو مَیں نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل کی کیا حالت ہوگئی ہے ✦

تقریظ جو مَیں نے بھیجی تھی تو مجھے نہایت تردّد تھا کہ کتاب کے صرف چند جزو دیکھے ہیں اور تقریظ لکھدی۔ تقریظ اُس خاص مضمون کا نام ہے جو بلا افراط و تفریط کتاب اور مصنّف کی حالت کو عیاں کردے۔ بارے الحمد للہ کہ تقریظ کے مضمون سے کتاب و صاحبِ کتاب بدرجہا بہتر ہے۔ کوئی لفظ میری تقریظ کا اغلاق و غلو یا تعلّی شاعرانہ میں داخل نہیں ہے۔ اَب میں اس تذکرہ کے متعلق ایک خاص کام کرنے کی ہمّت باندھتا ہوں۔ اور جہاں تک مجھ سے اِسکی خدمت بیجا ہنگی کرونگا۔ میری نظر و خیال میں جو حالات و خیالات اس تذکرے کے لائق ہیں وقتاً فوقتاً آپکی خدمت میں بھیجونگا۔ میرے اِس خط میں جو کچھ بے اعتدالی اس وقت ہوا اُس کو معاف کردینا۔ کبھی "تم اور تمکو" اور کبھی "آپ اور آپ کو" مختلف الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ یہ محض میری محبّت اور بیخودی ہے اِسی کو آپ ادائے شکریہ اور مبارکباد سمجھیں جو آج اِس تذکرہ کو دیکھ کر میرا فرض ہے۔ اب بتاؤ کہ تذکرہ تو دیکھنے کو مِل گیا مگر تم کیونکر دیکھنے کو ملوگے! اور یہ آرزو کب اور کس طرح پوری ہوگی۔

تمہارا نادیدہ مشتاق

معشوق علی۔ جوہر۔ مرقومہ ۸ ستمبر ۱۹۰۸ء از شاہجہانپور

اقتباس از عنایت نامہ مکرمی محمد رئیس الزمان صاحب سکرٹری آنریبل راجہ صاحب بہادر والیٔ محمود آباد

جناب معظم مخدوم مکرم دام مجدکم۔ تسلیم و نیاز۔ "خمخانۂ جاوید" کی جلد اول خوبصورت موصول سرکار ہوئی۔ عنایت کا شکریہ قبول فرمایئے۔ اور مجھے اس اعتراف کی اجازت دیجئے کہ اس صدی میں بے یارو مددگار اُردو زبان پر آپنے جو احسان کیا وہ یادگار احسان ہے انصاف یہ ہے کہ آپنے اس زبان کے حق میں مسیحائی کی۔ آپ کی ہمت اور دلی توجہ کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ اُن لوگوں کی دماغ سوزی اور بلند خیالی۔ بلند پروازی اور سخن سنجی کے منتخب نمونے اس زمانے میں قدرشناس اور سخن سنج حضرات کے رُوبرو ایک مجموعے کی صورت میں نہایت حسن و خوبی سے پیش ہو گئے۔ جنکی یاد دلوں سے محو ہو رہی تھی ٭

ہندوستان میں آپکی تالیف قدر کے ساتھ مدت ہائے دراز تک محفوظ رہیگی۔ میں نے اس قسم کی تالیفات میں صرف تذکرہ "آب حیات" کو اس دورِ آخر میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اُس تالیف میں جو بہت بڑی کمی تھی وہ آپنے پوری کر دی۔ جوگو حق تلفی کے ساتھ اس کتاب میں باریاب نہیں ہوئے تھے۔ یا جنکی باریابی کامل نہ تھی اُسکی آپنے بہت اصلاح کر دی۔ اور اس سے اُنکی اچھی اشک شوئی ہو گئی ٭

یہ خداداد ہمت تھی جو مدتِ مدید سے آپکے قلبِ سلیم میں ودیعت ہوئی تھی۔ آپنے نہایت استقلال سے اُس سے کام لیا اور موجودہ تالیف اُس کا خوشگوار ثمر ہے۔ آپکی محنت اور دلسوزی کا شکریہ اُردو داں پبلک کی زبانی ادا نہیں ہو سکتا۔ میں نے ہنوز اس کتاب کو بالاستیعاب نہیں دیکھا ہے۔ مگر کچھ زمانے کے بعد میں اپنی ناچیز رائے نہایت تفصیل کے ساتھ بے تکلف عرض کرونگا۔ مجھے نہایت مسرت ہو گی اگر آیندہ حصص کی تالیف میں کوئی خدمت آپکی کرسکوں گا۔ آپ نے اُردو زبان کے ساتھ بڑا احسان کیا۔ خداوند عالم آپکو اسکی

جزائے خیر دے سرکار والا تبار حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہ کی بڑی عنایت ہوئی کہ انھوں نے بکمال ہنر پروری و قدرشناسی کتاب کو آپ نام سے معنون کرنے کی اجازت دی۔ یہ آپکی ایسی کامیابی ہے جسکی مبارکباد دیتا ہوں۔

بکمال اخلاص و نیاز آپکا دلی خیر طلب محمد رئیس الزمان سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد قیصر باغ

ریویو

ازجناب منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

"تذکرہ ہزار داستان" یہ وہ کتاب ہے جس کا پبلک کو کئی سال سے انتظار تھا یعنی لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے دہلوی کا تذکرہ شعراء اردو۔ اس تذکرہ میں مؤلف نے یہ التزام کیا ہے کہ قدیم و جدید جتنے شاعر اردو زبان کے ہیں اُن سب کا تھوڑا بہت حال معہ نمونہ کلام آجائے۔ اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لیئے مؤلف صاحب نے نہایت تلاش و کاوش سے قابل قدر مواد فراہم کیا ہے۔ کتاب کا تاریخی نام "خمخانۂ جاوید" ہے جس سے ۱۳۲۵ ہجری نکلتے ہیں۔ ناموں کی ترتیب تخلص اور حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی گئی ہے پہلی جلد جو حال میں چھپ کر تیار ہوئی ہے۔ اس کے اصل مضمون کے ۶۹۰ صفحوں میں صرف ردیف الف اور بے کے تخلص ہیں حضور نظام نے اس تالیف کو اپنے نام نامی سے معنون کیا جانا منظور فرمایا ہے۔ ٹائیٹل پیج دو ہیں۔ اندر کا ٹائیٹل پیج رنگین اور نہایت خوشنما چھپا ہوا شروع میں مؤلف نے اپنی دو تصویریں بھی دی ہیں۔ ایک عنفوان شباب ۱۸۹۲ء کی ہے اور ایک تازہ۔ لکھائی چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اگرچہ کتاب میں بعض بعض فروگذاشتیں ہیں۔ بعض بعض شعراء کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ بعض کے حالات میں کسیقدر غلطی ہے — مگر ایسی باتیں ناگزیر ہوتی ہیں۔ چھپائی میں جو غلطیاں رہ گئی

اُس کے لئے غلط نامہ لگا دیا گیا ہے۔ جن شعراء کا پہلی جلد میں تذکرہ ہے اُنکی فہرست بھی آخر میں بدی ہے۔ آخر میں متعدّد اصحاب کی تقریظیں درج کی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کتاب فی نفسہ نہایت مفید اور بڑی عرق ریزی اور مشقت کا کام ہے اور اس سے اُردو لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہوا۔ مطبوعہ پیسہ اخبار مورخہ ۱۴ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء

تقریظ منظوم و قطعہ تاریخ از منشی للتاپرشاد صاحب شادؔ میرٹھی سابق اڈیٹر اخبار دلشاد و نظم الہند وغیرہ و مصنف کتب متعدّدہ

پلا مجھکو اے ساقیٔ خوش جمال — رلا برف میں بادۂ کہنہ سال
چمن ہے۔ شبِ ماہ ہے۔ ابر ہے — خدا کے لئے اب نہ کر قیل و قال
مری آج حالت جو دیکھے کوئی — تو حیرت میں آکر کرے یوں سوال
کہ کیوں اسقدر خوش ہے اے شادؔ تو — کہیں سے لگا کچھ ترے ہاتھ مال
کوئی تو نے جیتا ہے پالا کہیں؟ — نکالی ہے شطرنج کی کوئی چال؟
کہیں مل گیا کوئی محبوب۔ یا — کسی نے پلا دی شرابِ وصال؟
بتا تو سہی ماجرا کیا ہے یہ — کدھر جا پڑا دھیان کیا ہے خیال؟
ابھی کل ہی کی بات ہے یاد ہے! — کہ تو پھر رہا تھا یونہی خستہ حال
زمانے نے دیکھی ہے حالت تری — کبھی خشک لب تھے کبھی زرد گال
جو ارزاں تھی وحشت ترے واسطے — تو عشرت کا تھا کل ترے ماتھے میں کال
ٹپکتا تھا چہرے سے رنج و قلق — طبیعت میں تھے جاگزیں صد ملال
مگر آج کچھ اور ہی شان ہے! — مسرت سے چہرہ بھی ہے لال لال
کبھی لیمنیڈ۔ برف کی مانگ ہے — کبھی خواہشِ بادۂ پرتگال
یہ کیا بات ہے یار کیا راز ہے؟ — سمجھ میں نہ آیا مری کچھ یہ حال

یہ سُنکر کلام اُس سے مَیں نے کہا — کہ او بے ادب اپنی زباں کو سنبھال
تجھے کیا خبر ہے کہ غافل ہے تو — یہ باتیں ہیں تیری حماقت پہ دال
مجھے رنج تھا اس لئے پیشتر — کہ آیا ہے فنِّ سخن کو زوال
کہیں شاعری کو کہ منحوس ہے — بہت ایسے ہیں ان دنوں بد خصال
نہیں پُوچھتا کوئی شاعر کو اب — ذرا بھی نہیں علم کی دیکھ بھال
جو فنِّ سخن موجبِ ناز تھا — ہُوا آج اُلٹی چھُری سے حلال
جہاں سے گئے ذوقؔ و داغؔ و سبیرؔ — امیرؔ و ظفرؔ کا ہُوا انتقال
بیاںؔ ہے نہ راسخؔ نہ ناسخؔ نہ رندؔ — ہُوا ہائے فنِّ سخن پائمال
نہ سوداؔ نہ آتشؔ نہ غالبؔ نہ میرؔ — نہیں کوئی بھی شاعرِ باکمال
بہت یاوہ گو اور تُک بند ہیں — نہیں ہیں مگر ہائے اہلِ کمال
غنیمت ہیں اس وقت مضطرؔ رسا — ریاضؔ اور بیخودؔ ظہیرؔ و جلالؔ
مبارک ہیں حالیؔ و کیفیؔ ۔ اُفقؔ — حسنؔ شوکتؔ احسنؔ وجاہتؔ کمالؔ
مگر کوئی اِن کا نہیں قدرداں — ہُوا اس زمانے میں جینا وبال
غرض ہیں سخنور نہ اب قدرداں — لیاقت رہی اور نہ قدرِ کمال
کہاں ہیں وہ پہلے سے اہلِ نظر — صلہ میں جو دیتے تھے شاعر کو مال
مصیبت میں ہیں وائے سارے شریف — ترقی پہ ہیں اب کمین و سفال
اگر قدرداں کوئی آئے نظر — تو سمجھوں میں کیونکر مبارک نہ فال
سُنا جب سے مَیں نے کہ اک دہلوی — تہِ دل سے کرتا ہے قدرِ کمال
اُسی وقت سے ہے مسرّت مجھے — اُسی وقت سے ہوں میں خندہ حال
مجھے تھا الم پیشتر۔ بیشتر — بچھا تھا غم و رنج کا گرد جال
پُرانی خوشی عود کر آئی پھر — مجھے چاہئے بادۂ کہنہ سال

اسی واسطے سے کا طالب ہوں میں
مجھے اب یہ کہنا ضروری ہوا
وہ مشہور لالہ سری رام ہیں
فہیم و سخن سنج اور نکتہ داں
لیاقت میں عالم زمانے کے ڈنگ
الٰہی وہ دائم رہیں با مراد
کہ جنھیں نے بتایا ہے یہ تذکرہ
یہ مژدہ ہے کیا کم مرے واسطے
بڑی عرق ریزی کا ثمرہ ہے یہ
وہ پہلی تھی یہ دوسری جلد ہے
سخن کو اگر آسماں مان لیں
کہا ہاتف غیب نے شاد سے

اسی واسطے یاد آیا کلال
کہ ہے کون وہ قدردانِ کمال
نجیب و شریف و عظیم الشان
شناسِ کمال اور اہلِ کمال
امارت میں قاروں بھی آشفتہ حال
الٰہی وہ زندہ رہیں لاکھ سال
ہر اردو کے شاعر کا لکھا ہے حال
کہ زندہ ہوا نام اہلِ کمال
لیے دیکھ کر میں ہوا ہوں بحال
لکھیں گے ابھی اور بھی چند سال
تو اسکو ابھی اس کا سمجھو ہلال
کہ چھپا پاہے کیا تذکرہ بے مثال

۱۳۲۶ ہجری

دیگر

منشی والا ہمم شیریں مقال ‏　 نکتہ سنج و خوش خصال
عالم بے مثل و یکتا و لئیق ‏　 فاضل و اہل امارت نیک فال
کرد تالیف و رقم این تذکرہ ‏　 خرم و مسرور شد اہل کمال
سال طبعش گفت ہاتف شاد را ‏　 بے مثال و بے بدل ہست این کمال

دیگر

تذکرہ کس نے یہ لکھا اچھا ‏　 سب جسے کہتے ہیں اچھا اچھا
آپ دہلی کا بھلا ذکر ہی کیا ‏　 غیر تک کہتے ہیں اچھا اچھا
آن و انداز کے کیا کہتے ہیں ‏　 صورت اچھی ہے سراپا اچھا
کاغذ اعلیٰ ہے عبارت عمدہ ‏　 جلد و تحریر ہے چھاپا اچھا
تا بہ تکمیل ہیچ کی جدت واللہ ‏　 مرحبا ہے رخ زیبا اچھا

دیکھیں موسیٰ تو گر پڑیں غش کھا کر
طور سے ہے جلوہ اچھا

اہل فن آج بناتے ہیں اسے
ساری دنیا سے نرالا اچھا

سچ تو یہ ہے کہ بہ نسبت اس کی
کوئی بھی کام نہ ہوگا اچھا

تھوڑے داموں میں یہ شئے ملی ہے
ہاں قیمت ہی سے پایا اچھا

مصرعۂ سال لکھو تم اسے شاد
ہے گلستان سخن کیا اچھا

تقریظ مع تاریخ از فکر لطیف شاعر شیریں سخن جناب میر شرافت علی صاحب کشتہ اکبرآبادی

جہاں میں شور ہے منشی سر برآم
بڑا جوہر شناس اہل فن ہے

لیاقت میں ہے ایم۔ اے منشی پاس
سعادت جو شریفوں کا چلن ہے

فطانت اس جواں کی ہے قیامت
متانت صورت پیر کہن ہے

طلاقت اسکی ہے جادو کی پتلی
جواب سامری یہ سحر فن ہے

عبارت دیکھئے گا تذکرے کی
کہ جو میدان ہے صحن چمن ہے

ملاحت ہے حلاوت بھی ہے اس میں
کہ شور بلبل شیریں سخن ہے

مسجع و مرصع و مقفیٰ
یہ نثر دلپذیر اہل فن ہے

سنوارا ہے ہر اک فقرے کو ایسا
کہ پہلی رات کی گویا دلہن ہے

کہیں گلہائے مضموں ہیں شگفتہ
کہیں گل چینیٔ باغ سخن ہے

کہیں چوٹی کے مضموں ہیں مسلسل
کہیں پیچیدہ زلف پرشکن ہے

کہیں وصف گل و لالہ کے مضموں
کہیں ذکر لب غنچہ دہن ہے

کہیں شمشیر ابرو ہے برہنہ
کہیں وصف لب سیب ذقن ہے

کہیں اٹھتی جوانی کے ہیں چرچے
کہیں معنی میں کوئی بانکپن ہے

کہیں مضموں ادا و ناز کے ہیں
کہیں تیر نظر ناوک فگن ہے

کہیں ہجر و شب فرقت کے مضموں — کہیں مرغ سحر سے کچھ جلن ہے
کہیں ہے جدّت حسن معانی — کہیں ٹکسالی سکّہ کا چلن ہے
کہیں ہے چستی بندش کی خوبی — کہیں لفظی نشست اہل فن ہے
بھری رکّھی ہے خوشبوئے معانی — جواب نافۂ مشک ختن ہے
یہ الفاظ و معانی کہہ رہے ہیں — پری زادوں کی زلف پرشکن ہے
جُدا ہے الغرض ہر پھول کی بُو — عجب گلدستۂ باغ سخن ہے
ہُوا ہے یہ بڑا کار نمایاں — یہ کچھ تائید رب ذوالمنن ہے
جِلائے سینکڑوں مُردے پُرانے — مسیحائی کا اُس کو یاد فن ہے
بہت ایسے کہ اُن کی قبر تو کیا — نہ ہڈّی ہے نہ اک تار کفن ہے
اُنھیں زندہ بنا کر لا دکھایا — جسے دیکھو وہ شمع انجمن ہے
امیر و آتش و آباد و انور — اسیرِ آرزو کی انجمن ہے
اسیرِ اکبر آبادی و آغا — جو ہے وہ انتخاب اہل فن ہے
ہر اک اپنے زمانے کا وہ لائق — کہ گویا طوطیٔ شکّر شکن ہے
ہر اک یکتا وحید عصر گزرا — ہر اک سلطان اقلیم سخن ہے
یہ سب جلوے نظر آتے ہیں یکجا — بڑی دلچسپ گویا انجمن ہے
لکھوں تاریخ کیا اس تذکرے کی — ورق ہر اک ہزارہ کا چمن ہے
سن ہجری کہا ہاتف نے کشتہ — نشان قائم بزم سخن ہے

قطعات تاریخ بطریق تقریظ از قلم گوہر رقم جناب حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب المتخلص بہ صابر میرٹھی ملقب بہ بلبل تسلیم تلمیذ رشید منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی

ساقی نکل بہ پیرہن جام مے گلرنگ دے — دیکھ تو باغ جہاں میں ہے عجب رنگ بہار

بنگئی مشاطہ ہے بادِ صبا گلزار میں — نوجوانانِ چمن کا ہے عروسانہ سنگار
نرگس و سوسن کہیں پر ہیں کہیں نسترن — سنبل و ریحاں کہیں پر ہیں کہیں پر لالہ زار
بلبلوں کے چہچہے سن سن کے گل ہیں باغ باغ — غمزۂ گل میں ادائیں دلبری کی ہیں ہزار
سبزہ بھی انگڑائیاں لیتا ہے مستوں کی طرح — دیدۂ نرگس کی حیرت سے عیاں ہے انتظار
ساغرِ مے کی جو صورت گل میں آتی ہے نظر — دیکھنے سے تازہ ہو جاتی ہے روحِ بادہ خوار
اس ہوائے سرد اس کالی گھٹا کو دیکھکر — کیا عجب آتی ہو ملیں شیخ کے بھی بار بار
پاکدامانی و زہد و وعظ و تقوے چھوڑ کر — بادہ خواروں میں چلیں جیسے پیکے ہوں یاروں کے یار
پے بہ پے چھ سات ساغر بھر کے دے ساقی مجھے — تا دلِ بیتاب و مضطر ٹھہرے دم بھر ہو قرار
مجھکو لکھنا وصف ہے خمخانۂ جاوید کا — آچکے ہیں خط کئی دلّی سے اب آئیگا تار
خوبیِ قسمت سے اک پیدا ہوئے ہیں قدرداں — تذکرہ لکھا جنھوں نے شاعروں کا باوقار
بے تکلف نام نامی کو بتاؤں کس طرح — صاف آسکتا نہیں اس بحر میں ہے زینہار
پہلے لالہ پھر سری پھر رام پھر منصف لکھو — جمع پھر الفاظ سب ہوں نام ہو جب آشکار
ذی لیاقت اہلِ دولت با مروت خوشخصال — کم نظر آتے ہیں ایسے زیبِ بزمِ روزگار
تذکرہ لکھا ہے جس خوبی سے کیا تعریف ہو — منہ ہے چھوٹا یہ بڑی ہے بات مشکل ہے دوچار
رونقِ بزمِ جہاں اک جلد چھپکر ہو چکی — اک نظر میں نے بھی دیکھی تھی کہیں ایکبار
کاغذ اچھا تھا چھپی تھی صاف خط پاکیزہ تھا — حال ہر شاعر کا لکھا تھا قرینِ اعتبار
نقطے نقطے سے عیاں تھی صورتِ نجمِ فلک — ہر کشش پر شیفتہ قوسِ قزح کی تھی بہار
دائروں کی گر ہلالِ عید سے تشبیہ دوں — کیا عجب ہمشکل ہونے پر ہو پیدا افتخار
رشکِ حسنِ کہکشاں تھا جلوۂ بین السطور — زلفِ حورِ خلد الفاظِ مسلسل پر نثار
شاہدِ معنی کی وہ بانکی ادائیں دلفریب — دیکھتے ہی خود بخود بے اختیار آتا تھا پیار
روشنی ہر صفحہ میں ایسی کہ جسکو دیکھکر — آفتابِ صبحِ روزِ وصل بھی ہو شرمسار

فقرہ ہر اک شکل موج حوض کوثر بیگماں
دوسری بھی جلد چھپکر اب قریب الختم ہے
کشتی مے کی طرح پیش نظر جب آئیگی
دائرہ ہر ایک ہوگا ساغرے سے سوا
دیکھکر اسکے بیاض صفحہ کو شرمائیگی
اسکے ہر فقرے سے پیدا ہوگا جوش موج
پڑھنے میں ہوگی صدائے قلقل مینائی دہن
شاعروں کو چاہیئے اب اسکے سجدے کریں
اک قصیدہ پیش کرنا مدح میں اسکی مگر
خوبی تقدیر برگشتہ کو دیکھو تو سہی
کیا کہوں کیونکر کہوں دل ہی میں باقی رہ گئی
حسرت تحقیق کا ناکہوں سے عاجز ہوگیا
فکر میں تاریخ کی بیٹھا تو یہ دل نے کہا

ہر ورق میں تخت گلزار جنت کی بہار
اسکے جلوے پہ نگاہ شائقاں ہوگی نثار
کیا عجب مشتاق ہو دنیا بزنگ بادہ خوار
دیکھتے ہی اسکو جھپک جائیگا ہر اک میگسار
پانی پانی ہوگی حسن دختر رز کی بہار
ذرے اسکے ذرے بنکر ہونگے نقطے آشکار
کوئی دم مسرور ہوگا جو سنیگا دلفگار
تا قیامت نام دنیا میں رہیگا برقرار
آجکل میری طبیعت میں ہے بیجا انتشار
صبر کرتا ہے زمانہ صبر کر ہوں بیقرار
رنج فرقت دوستاں سے چشم تر ہے اشکبار
اس لیئے اشعار موزوں کر دیئے ہیں چہار
خمکدۂ شاعروں کی پوری ہوگی یادگار
۱۳۲۹

ریویو فرمودہ ایڈیٹر اخبار ہندوستان لاہور

جو لوگ اردو زبان کو اپنی قومی میراث کہا کرتے ہیں وہ چشم بصیرت سے دیکھیں کہ لالہ سری رام ایم اے مشفق دہلوی نے اردو زبان پر وہ احسان کیا ہے جو بڑے سے بڑے حامی اردو مسلمان سے نہیں ہو سکتا۔ تذکرہ ہزار داستان جس کا تاریخی نام خمخانۂ جاوید ہے اسکی پہلی جلد سنہ ۱۳۲۶ کے ۹۸۴ صفحہ پر شائع ہو گئی ہے جس میں اردو زبان کے ۷۶۵ شعرائے قدیم و جدید کا کلام اور مختصر حالات درج ہیں تذکرے کی ترتیب ردیف وار ہے اور اس جلد میں صرف الف اور بے کی ردیف

آ سکتی ہے جس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کل کتاب ضخامت کے لحاظ سے اُردو علم ادب کے تذکروں میں سب سے اول نمبر پر ہوگی جسے اُردو لٹریچر کا انسائیکلوپیڈیا کہنا بیجا نہوگا ہر دور کے شعرا کا منتخب کلام یکجا اور باترتیب دیکھنے کے مشتاق کو اسکی خریداری میں ذرا تامل نکرنا چاہیئے ؃ (از پرچہ مطبوعہ ۳۰ جولائی ۱۹۰۹ء)

قطعۂ تاریخ از سید محمد علیخان صاحب نبیرۂ نواب مختار الدولہ نجم الدولہ سید ابو القاسم خان و نواسہ نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خان وزیر سلطنت اودھ

ہیں میر ابراہیم اک رئیس ذی وقار و باکرم
تذکرہ کیا خوب تالیف اُس سخنور نے کیا

کہتے ہیں خمخانۂ جاوید اُس تصنیف کو
نام تاریخی ہے اُس کا سال ہجری ہیں عیاں

گو سرور افزائے اہل ذوق ہوگی بیشتر
شرع کے پابند کو کام ایسے پیمانے سے کیا

جب سنے اسکے لطائف میرے گوش شوق نے
دل میں آیا جب بیاں اُسکی طبع کی تاریخ کا

عیسوی سال اُسکا بصد حسرت قلم برداشتہ
اُلفت خمخانۂ جاوید لب سے لکھ دیا

قطعۂ تاریخ بطرز تقریظ از تصنیف لطیف ناظم بیمثال شاعر باکمال منشی پیارے لال صاحب رونق دہلوی اڈیٹر کمال دہلی تلمیذ [illegible]

شکر ایزد کہ پھر بہار آئی
گوہر افشاں ہے ابر نیسانی

رشک افزائے خواب مخمل ہے
خرمیِ سبزۂ گلستانی

ہے ہر اک گل نمونۂ قدرت
ہر ورق میں ہے شان یزدانی

برگ برگ گل شگفتہ سے
حرف حرف کتاب عرفانی

فرق گل پہ ہے تاج شاہانہ
زیب تن ہے قبائے سلطانی

ہے عروسان گل کی مشاطہ
موج باد نسیم [illegible]

فرقِ گل پر نسیم کرتی ہے
پنجۂ موج سے نگسرانی

سلکِ گوہر ہیں قطرۂ باران
سائباں ہے سحابِ نیسانی

دیکھ کر خندۂ لبِ گلبرگ
صدقے ہوتے ہیں لالِ رمّانی

اللہ اللہ فیضِ بادِ بہار
اوس کرنے لگی دُر افشانی

پھر نویدِ نشاط لائی نسیم
پھر ہوئی عیش کی فراوانی

مژدۂ انبساط پھر پہنچا
پھر دلوں سے مٹی پریشانی

روزِ عید الفطر ہے پھر ہر روز
پھر مۂ نو کی ہے درخشانی

چھا گئی پھر چمن پہ گل رنگی
اُڑ گیا رخ سے رنگِ حیرانی

بن گیا ہے ترانۂ عشرت
نغمۂ بلبلِ گلستانی

گا رہا ہے ہر اک خوشی کے راگ
دے رہی ہے مزا غزل خوانی

کچھ تو ہے اِس نشاط کا باعث
کس لیئے ہے طرب کی ارزانی

جس کا شوقِ لقا تھا مدّت سے
جسکی تھی آرزوئے مہمانی

عالم افروز ہو گیا وہ مہر
ہر طرف اُسکی ہے درخشانی

اُسکے پرتو سے کر دیا یکسر
دلِ اہلِ سخن کو نورانی

وصف میں اُسکے ہم بھی دیکھینگے
توسنِ طبع تیری جولانی

زینتِ دہر ہے وہ میخانہ
دَور جس کا شرابِ نورانی

چھپ گیا ہے وہ تذکرہ جس کا
صفحہ صفحہ ہے فیضِ روحانی

نقطہ نقطہ ہے گوہرِ یکتا
لفظ لفظ اُس کا لالِ رمّانی

جدولیں رشکِ کہکشانِ فلک
غیرتِ آفتاب پیشانی

حسنِ ترتیبِ اسطور سے اظہر
جلوۂ موجِ بحرِ نورانی

[illegible] سے تجلّیِ الماس
آب سے آسیہ آئینہ پانی

کھینچنی چاہے اُسکی گر تصویر — دنگ رہ جائے خامۂ مانی
لاجواب انتخاب میں ہر شعر — مصرعہ مصرعہ ہر ایک لاثانی
انتخابِ سخن ہے وادِ طلب — ہے عیاں جوہرِ زباندانی
مردمِ چشم کو سوادِ خط — بن گیا سرمۂ سلیمانی
ہیں وہ اشعار صاف و پاکیزہ — جن سے حاصل ہو لطفِ روحانی
ہوں مؤلف کے کیا بیاں اوصاف — حسن و خوبی میں فرد و لاثانی
ہیں سراپا ماہر ہر فن — ختم ہے آپ پر سخندانی
ذاتِ عالی ہے مجمعِ اوصاف — اور ہر فن میں آپ لاثانی
پاسباں اُنکے گھر کے فضل و ہنر — ذی ہنر پر ہے فرض دربانی
اُن کا کوچہ ہے خاص دار العلم — اُنکی صحبت ہے فیض ربانی
دل نوازی شعار ہے اُن کا — اور مہماں کی فرض مہمانی
اُنکی محفل میں روز رقص و سرود — اور ہر شب ہے جشنِ سلطانی
رونقِ جلسۂ علوم و فنون — زینتِ محفلِ سخندانی
کام مشکل سے تھا جو مشکل تر — کر دکھایا ہے وہ بآسانی
وہ لکھا تذکرہ عجیب و غریب — انتخابِ جہاں و لاثانی
کھل رہا ہے کہیں سخن کا چمن — ہے کہیں نثر کی گل افشانی
بھولے بھٹکوں کو راہ پر لائے — شاعروں کے ہیں خضرِ دورانی
حال سے جنکے بیخبر تھا جہاں — کھل گیا اُن کا رازِ پنہانی
آگئی دامنِ محبت میں — تھی جو اُردو کو پرورش پانی
سچ تو یہ ہے بڑا ہی کام کیا — بات پوچھو تو ہے یہ ایمانی
منحرف ہوں جو اسکی خوبی سے — ہے مرا سر یہ اُن کی ناوانی

تاقیامت رہے مؤلف کے
ختم کر بس یہیں سخن رونق
یہی تقریظ ہے یہی تاریخ
ہے سر پیرا ہم کا جیساں تاج

دیگر

خوبیاں اسکی ہوگئیں روشن
واقعی تھی یہ آپ کی ہمت
بن گئے شاعروں کے خضر و مسیح
بوح پھونکی زبان اردو میں
شکر اس کا ادا ہو کس منہ سے
کیوں نہ مقبول عام ہو یہ کتاب
سن لو تاریخ طبع رونق سے

دیگر

وہ لکھا سحر پیرا ہم نے تذکرہ
نہ ہو فیض یاب اس سے کیوں اک جہاں
کیا ذکر ہر نغز گفتار کا
سخن سنج و معنا ہیں بلند
دکھایا وہ اعجاز حسن رقم
نہ ہوں مست کیوں جرعہ نوشان علم
سر آنکھوں پہ رکھیں گے وہ شوق سے
سنا دو یہ تاریخ رونق انہیں
گل معنی تازہ سے ہے بستر

شامل حال فضل یزدانی
تاکہ مضمون ہو نہ طولانی
تذکرہ لاجواب ولاثانی
کیا ہی نایاب تذکرہ لکھا
اک زمانے پہ مشکل آئینا
سچ تو یہ ہے بڑا ہی کام کیا
کر دیا اُن کے نام کو زندا
ہر سخن بن گیا زبان گویا
شاعروں پر کرم جو فرمایا
درحقیقت ہے تذکرہ یکتا
وقت پیر شاعراں چھپا اچھا
عیاں ہوگئی جس سے شان سخن
یہ ہے معدن علم و کان سخن
نہ چھوڑا کوئی خوش بیان سخن
زمیں بن گئی آسمان سخن
ہے توجہ کو سرح خوان سخن
یہ خمخانہ ہے میکشان سخن
جو دیکھیں گے دل واوگان سخن
جو ہیں حامی و قدردان سخن
ہے آراستہ بوستان سخن
۶۱۹ ۱۱

تقریظ دلپذیر از طبع وقاد و ذہن نقاد بابو چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی تلمیذ رشید مولانا راسخ دہلوی

نوید جانفزا ہو کر خبر لائی کس گل کی — نسیم صبح کے جلوے ہیں یہ رنگ گلستانی

الٰہی کون ہے وہ روح پرور شاہد رعنا — بنا خورشید محشر جس کا نور صبح پیشانی

ذرا دیکھو تو ہے کس اوج پر حسن فلک رفعت — کہ کرتا ہے ہلال عید جامے کی گریبانی

بندھا ہے پلے کا گویا سلسلہ دامان محشر سے — ہوئے ہیں خضر طول امل گیسوئے طولانی

ہزاروں راز اسکی اک خموشی سے نکلتے ہیں — معمے ہیں دہن کے بھید سے اسرار پنہانی

بہار نخجران قربان ہوتی ہے کف پا پر — رخ رنگیں پہ گلزار ارم کی ہے گل افشانی

دہانے میں ہے یہ کس شان پر حسن صفا پرور — ہمائے بخت یاوری کرتا ہے مگس رانی

ہزاروں رنگ کے پھولے چمن اس میں نظر آئے — بنی ہے تختۂ فردوس منظر لوح پیشانی

مضامین زبان رشک بیان شوخ و پرفن ہیں — سحاب حسن سے ناز و ادا کا مینہ ہے برسانی

دکھائے سوز پنہاں کے کرشمے کس صفائی سے — کہ جیسے انکی وہ آہیں ہوئے عرفی و خاقانی

بیاں ہے سحر پرور ہیں گنہگاران الفت کا — وہ جنکے دامن تر ہیں نہاں ہے پاک دامانی

نظر آتے ہیں کیا کیا عاشق معشوق کے جلوے — کہیں رنگ نزاکت ہے کہیں طرز گراں جانی

کہیں تصویر حسن روح افزا کی قیامت ہے — کہیں عشاق سرگشتہ کا ہے ذکر پریشانی

کہیں فرقت کہیں عشرت کہیں خلوت کہیں جلوت — غرض ہر رنگ کی آئیں دکھائی ہے فراوانی

کہیں رشک رقابت ہے کہیں سامان عشرت ہے — کہیں محشر کا دن ٹھہرا شب فرقت کی طولانی

حجاب چشم بد میں سے بری ہیں جو بیاں اسکی — کسی پردے سے چھپ سکتی ہیں شعلہ کی عریانی

نکالے کیوں نہ پر پرزے سخن کے طائر مضمون — کھلایا ہے پلایا ہے نیا دانہ نیا پانی

بنے ہیں خضرہ اللہ اسم آج عالم میں — پلایا شاعران ہند کو آب بقا پانی

خدا کا وصل کیا خمخانۂ جاوید کے آگے
حیاتِ جاودانی کر رہی ہے گھر کی دربانی

مکمل ایک اردو شاعروں کا تذکرہ لکھا
دکھا دی خلق کو لفظ و معانی کی فراوانی

ذرا دیکھو تو اسکو ہمتِ مردانہ کہتے ہیں
اٹھایا بار اتنا دوش پر اپنے بآسانی

اسی میں صرف کی ہے اپنی اوقاتِ گرامی
سے نے پھر کیوں نہ مہر نیکنامی نورِ پیشانی

فراہم حال سارے شاعرانِ ہند کا کرنا
کچھ آساں تھا یہ ہمت ہو گئی تابہ پذیرانی

بڑی تحقیق سے لکھا ہے ہر اک کا کلام اب
دکھائی اشہبِ طبعِ رواں کی خوب جولانی

چنے ہیں مثلِ افشاں واہ کیا اشعار برجستہ
وہ حسنِ منتخب ہے آبِ گوہر بھی بھرے پانی

سخن فہمی سخن دانی سے مشکل ہے زمانے میں
زرِ خالص پرکھ سکتا نہیں کوئی بہ آسانی

غضب کا حافظہ ہے شعر ہیں نوکِ زباں لاکھوں
بجا ہے اس معانی میں جو کہدوں فیضیٔ ثانی

نظر میں ہے خیالِ مختصر فکرِ سخن گستر
مشرح گر کہوں تو عرض ہو جائیگی طولانی

کہاں تو ہے کہاں یہ تذکرہ خاموش ہے شیدا
کہ چھوٹا منہ بڑی باتیں کہی جاتی ہے نادانی

قطعۂ تاریخ بطرز تقریظ از نتیجۂ افکار شاعرِ بے نظیر خوش تقریر جناب منشی گوری شنکر صاحب قصبہ تلمیذ حضرت سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی

گیا ذہن اُس جا سراہم کا
جہاں جا نہ سکتا تھا وہم و گمان

لکھا تذکرہ اک عجیب و غریب
کہ ہے وصف میں جسکے قاصر زبان

کھلے ہیں چمن اس میں وہ تازہ تر
بنا تذکرہ رشکِ بوستان

ہر اک شعر ہے انتخابِ سخن
ہر اک مصرعِ تر ہوا داستان

کشش ہے بہارِ معانی کی یہ
دل و جاں سے ہیں اہلِ دل قدرداں

فراہم ہے سب شاعروں کا کلام
ہر اک کا نرالا ہے رنگِ بیان

شگفتہ ہے کیا ہر غزل برمحل
کہ ہے موجِ گلزارِ باغِ جنان

خجل کیوں نہ ہو اس سے باغِ ارم
بھری ہیں قیامت کی رنگینیاں

مضامین شستہ زباں صاف صاف
یہ اردو ہے مقبولِ ہندوستاں

دکھایا وہ اندازِ نوکِ قلم
دلِ اہلِ عالم میں لیں چٹکیاں

چھلکتا ہوا جامِ آبِ حیات
یہ ہے دوستوں کے لیے ارمغاں

جھکی جس سے پیرِ فلک کی کمر
اٹھایا ہے وہ سر پہ بارِ گراں

ہر اک مصرعہ نزہت رشکِ چمن
ہر اک نظم ہے نظمِ گیتی ستاں

وہیں کھچ گیا ایک دلسوز سین
دکھایا جہاں رنگِ آہ و فغاں

دکھائی ہے وہ سادگی میں بہار
نہ دیں داد کیوں اسکی پیر و جواں

سخنداں جہاں کے کہیں تو بجا
سری رام کو فخرِ ہندوستاں

کہیں ذکرِ معشوقِ طناز ہے
کسی جا ہے سوز و الم کا بیاں

کہیں ہیں مضامینِ سوز و گداز
کہیں وصل و فرقت کی ہے داستاں

یہ ہے خوانِ تازہ مضامین کا
جو تھے میہماں ہو گئے میزباں

دکھایا اثر وہ مئے نظم نے
ہوا دیکھکر مست سارا جہاں

نہوں اس سے سیراب کیوں تشنہ لب
یہ "خمخانہ" ہے ساغرِ میکشاں

ہر اک شخص کیفِ سخن سے ہے مست
بنا آج خمخانہ پیرِ مغاں

کھلایا ہے سر سبز ایسا چمن
نہیں جسکو تا حشر خوفِ خزاں

بڑے لائق و فائق و علم دوست
یہ لالہ سری رام ہیں بیگماں

زمانے کو ہے جسکی شوکت پہ ناز
یہی ہے قابلِ فخر وہ خانداں

چھپا ہے عجب شان کا تذکرہ
ہوا دیکھکر ہر بشر شادماں

کیا نام لالہ سری رام نے
کہ ہے مدح خواں ان کا سارا جہاں

یہیں لکھنے لگا اسکی توصیف جب
قلم یکقلم ہو گیا ہمزباں

مجھے فکر تاریخ جس دم ہوئی		ندا آئی یہ غیب سے ناگہاں
ہوگر عیسوی سال لینا قصیر		تو لکھ چھپ گیا تذکرہ دستاں
	دیگر	
جناب لالہ سری رام محسنِ اُردو		کتاب نادر و نایاب و بے نظیر نوشت
چو سالِ خاتمۂ طبع آں ہمی جستند		جاوید تذکرۂ شاعراں قصیر نوشت

تقریظ از قلم جادو نگار منشی سید اصغر علی بلگرامی بی اے نائب تعلقدار ریاست حیدر آباد دکن

جلد اول خمخانۂ جاوید مع سرورق مکمل ہوگئی خدا خدا کر کے برسوں کی محنت ٹھکانے لگی۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور کامران و فائز المرام کرے۔ فی الحقیقت یہ تذکرہ کیا ہے ایک باغ ہے سرسبز و شاداب جس میں گلبن ہزار در ہزار میوہ دار درخت۔ بیشمار زمین سراسر سبزہ زار۔ بہت حوض بہت نہریں۔ مٹی نظر نہیں آتی۔ سبزہ یا نہریں۔ بلا شائبہ جنبہ داری میری رائے یہ ہے کہ آپنے تذکرہ لکھکر ایک نہایت مستبعد و راہم کام کو آسان کر دکھایا ہے اور قوم پر ایسا لاجواب احسان کیا ہے جس سے وہ ہرگز عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ اور جس بے نفسی کے ساتھ آپنے اس کنٹر و دربیل راہ میں گام فرسائی کی ہے وہ صرف آپ ہی کا حصہ تھا۔ حساد تو اپنے تقاضائے طبیعت سے مجبور ہیں انھیں یونہی آتش حسد میں جلنے دیجئے سوہر کسے را بہر کارے ساختند۔ حقیر آپ کا خیر سگال اور آپکی قدر دانی کا دعا گو ہے۔

اقتباس از تحریر عالیجناب چودھری خوشی محمد صاحب گورنر صوبۂ کشمیر

آجکل نیاز مند خمخانۂ جاوید کی جرعہ نوشی میں مصروف ہے۔ آپنے اس نادر تصنیف

سے اہلِ ملک پر ایسا احسان کیا ہے جس کا شکریہ ادا نہیں ہوسکتا ع آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو۔ آپکی اِس محنت کی بدولت بہت سے گمنام اہلِ کمال کی خدمت میں نیاز حاصل ہوگیا۔ آپنے مختصر الفاظ میں نقّادی اور سخن فہمی کی داد دی ہے سیّد شجاع الدین انور دہلوی کے دیدار سے دیدۂ ناظر مسرور ہوئے ہیں۔ افسوس کہ یہ باکمال عنفوانِ شباب میں دنیا سے اُٹھ گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بقول آپکے اگر آج حضرت انور زندہ ہوتے تو کسی کا چراغ اُنکے سامنے روشن نہوتا آپنے جو اُنکا ایک دیوان طبع کرایا ہے براہِ عنایت اُسکی ایک جلد بذریعہ وی پی میرے نام ارسال فرمائیں۔ حضرت انور کا کلام۔ رنگینی۔ تصوف بلند پروازی شوکت و شیرینی کا ایک عجیب مجموعہ ہے ؂

فرمائیے اب اوقات کس طرح گزرتی ہے اور خمخانہ کے کسقدر خم اور تیار ہوگئے ہیں۔ اور آنے والی جلدوں کی کبتک توقع ہوسکتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ناظر کا نمبر آنے تک کہیں ساقی کا نشہ ہرن نہ ہوجائے۔ آپکے استقلال پر ایسی بدگمانی کرنا درست نہیں ہے مگر گردشِ فلک کی چین دیتی ہے کسے آنشا کیا معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے ؂

ریویو فرمودۂ کلک حکیم محمد ہدایت الحسن سند یافتہ مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ حال وارد کلکتہ

سرمایۂ نازش و افتخار جناب لالہ سری رام صاحب ایم اے دام بالاحترام تسلیم مزاج مبارک۔ کل ایک دوست کے یہاں تذکرۂ ہزار داستان دیکھنے میں آیا۔ کتاب کی توصیف زبان و قلم کے احاطۂ قدرت سے باہر ہے اسکی خوبیوں کا کچھ اندازہ دیکھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اُردو لٹریچر میں ایک بہترین اضافہ ہے بلکہ اُن اصحاب کے لیئے جو اُردو کی حمایت میں خالی تقریریں کرتے

انجمنیں قائم کرتے اور لاطائل رزولیوشن پاس کیا کرتے ہیں شرم و غیرت کا تازیانہ ہے۔ کسی زبان کی بہترین خدمتوں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس زبان کے نظم و نثر کے ماہرین کے سوانح لکھے جائیں۔ خدا آپ کی اس کتاب کو آپکے ہی ہاتھ سے تمام کرائے۔ اور آپکی عمر میں برکت دے۔ ہماری آیندہ آنیوالی نسلیں جب ہماری پولیٹیکل کشمکش کی دلچسپ تاریخ ملاحظہ کرینگی تو اردو ناگری کی پالیٹکس پر نظر ڈالتے ہوئے خمخانۂ جاوید کے مصنف کو مسلمان نہ پاکر وہ متحیرانہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونگی کہ ایسے زمانے میں جبکہ ہندو اقوام اردو زبان کے مٹنے کے واسطے سر توڑ کوشش کر رہی تھیں تو اس میدان مبارزہ میں اردو زبان کا احیا کرنیوالا اردو کی مدد کرنے والا اور اردو لٹریچر اور علم اس کے علم ادب کے ذخیرہ میں بہترین اضافہ کرنے والا بھی ایک ہندو ہی تھا۔ میں بحالت بیخودی اس قابل قدر محنت کی آپکو غائبانہ داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ ناچیز خادم حکیم ہدایت حسن ۵ جنوری ۱۹۰۹ء

اقتباس از نگارش گرامی اکمل شان افصح دوراں عالیجناب فضیلت مآب کمالات انتساب مخدومی و مکرمی خان بہادر اکبر حسین خان صاحب اکبر الہ آبادی۔ سابق ڈویژنل جج و رئیس الہ آباد

خمخانۂ جاوید کی تالیف سے بابو سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی نے ملک اور قوم اور زبان اردو پر بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا کوئی مجموعۂ کلام شعرا ابتک مرتب نہ ہوا تھا جس میں ہر جگہ اور ہر درجہ کے شعرا کے کلام اور انکی سوانح عمری مندرج ہو۔ یہ کتاب زبان اردو اور لٹریری مذاق ملک کا آئینہ ہے۔ بابو صاحب ہی کا کام تھا کہ اس زمانے میں اس کام کے لیئے اتنی محنت اور اتنا صرف کثیر گوارا فرمایا تمام ہندو مسلمانوں اور جملہ اہل ملک کو بابو صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ بابو صاحب

ایک نہایت ذہین ذیعلم - خوش اخلاق - فیاض طبع - کریم النفس بزرگوار ہیں - خدا اُنکو صد وسی سال تک زندہ و تندرست اور خوش و خرم رکھے ⁂ اکبر حسین ۲/۱۱

قطعات تاریخ از نتیجہ فکر و سادہ نشین بزم وزارت و نونہال گلشن امارت مشفقی و مکرمی جناب نواب مرزا التقی علی خانصاحب بہادر مہر رئیس اعظم خلف الرشید نواب صاحب شیش محل لکھنؤ

ہیں سریرام اک کرمفرما مرے نازکخیال
آئی ہاتف کی صدا مجکو کہ کہدو مہر تم

جن کا ہے زورِ قلم بھی اک زبانی تذکرہ
کس مزہ کا لکھدیا ہندوستانی تذکرہ
۱۹۱۱ء

دیگر

ہیں سریرام ایک دوست مرے
جو کہ برسوں سے تھا خزاں آلود
اُنکی محنت ہی کا یہ ثمرہ ہے
بارک اللہ بڑے بڑے مضموں
مادۂ کاہل کی کیوں نہ آنکھ پڑے
یوں ہیں الفاظ میں چھپے معنی
فکرِ تاریخ طبع جب سے ہوئی
خوف حاسد ہے تخرجہ کا سبب
اِس سے خارج رہے حسد یارب

صاحبِ علم و واقفِ ہر فن
وہی تازہ کیا ہے اب گلشن
جو ہوا نخلِ شعر پر جوبن
اللہ اللہ نئے نئے جوبن
نئی شے ہے یہ زیرِ چرخ کہن
جیسے پتوں میں شاہدانِ چمن
مہر کی ہے دعا یہ ربِ زمن
اور سخن سے غرض ہے باغِ سخن
کہا ترو تازہ ہے بہارِ سخن
۱۹۱۱ء

تقریظ بزبان فارسی از نتائج افکار جواہر نثار جناب منشی کرپارام صاحب جوہر رئیس دہلی و یادگار جناب صہبائی مرحوم

ثنا ہا ہمہ ایزد پاک را	فرو بادہ طارم تاک را

کہ خورشید را صورتِ جام ازوست	شراب شفق درخم شام ازوست

آنانکہ سیہ مستانِ صہبائے خمخانہ سخنوری - وبادہ کشانِ میخانۂ معنی پروری را نوید کہ دریں ایّام کہ علم وہنر را آفتاب بر سرِ دیوار بود - بتحصیل وتکمیلش را درمساوِ دخضر رہ گم کردگان سخندانی - ومسیحائے بیمارانِ الفاظ ومعانی - اعنی جلد اول تذکرۂ خمخانۂ جاوید زیور انطباع پوشیدہ بچشم منتظرانِ دیدار جلوہ آرا گردید - وآں جان جہاں را بدادہ دیدہ مشتاقانِ سخن را نورِ سرور دیدہ ودل بخشید - اگرایں را با جامِ جم نسبت دہم نسبت اعلیٰ ست باسفل - وادائے تمثیل بے محل - زیرا کہ آں محض افسانہ ایست کہ پیشنیاں رابر زبان وایں سرمایۂ ذوق وشوق بل راحت روح روانِ سخنورانِ زماں - آں شنیدہ است وایں دیدہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" شعرے اردو بہ تغیر لفظی مصداق حالِ ایں مجموعۂ دانش مالامال است کسے کہ گفتہ در شگفتہ۔

نسبت نہ تھی جامِ جم کی گئی جامِ جم کے ساتھ	وابستہ ہے طلسم جہاں اسکے دم کیساتھ

خردمندان ودانشور ودانشورانِ خرد پرور را اگرسر بزانوئے تفکر درآرند دانند کہ لالہ سری رام صاحب ایم۔اے سعادت خلف الصدق آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹر ایٹ لا کوششے کہ در تلاش حالات واشعار زباندانانِ اردو فرمودہ اند وسعی موفور کہ در تدوین ایں مجموعۂ دانش خرد بجا آوردہ انداز احاطۂ نگارش بیرون است واز اندازۂ قیاس افزوں ناچار ازاں درگزشتہ بدعائے کہ گوش ساکنین لاہوتی آشنا است تا خاطر آسودہ آمین آمین کاں ہمیں وسعادت گردومی گرایم - تا نوا سنج سپہر ہوئی بزم آرایانِ فلک را جرعہ بخش بادۂ نشاط وانبساط است ایزد توانا ایں ساقی میکدۂ سخن را تا یوم التناد بحصول آب مقاصدِ دلی رسانا دواز آنچہ است بہ اعلیٰ مراتب علمی فائز گرداناد۔

نیاز کیش مستہام کرپا رام

تقریظ ریختۂ کلکِ گہر سلکِ جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ شاگردِ رشید منشی ہرگوپال صاحب تفتہ رئیسِ اعظم و جاگیردار سکندرآباد و وکیل دہلی

خامه ام آن گریه و زاری کجاست | آن دو زبانے که تو داری کجاست

گشت زبان بند و صریرت چه شد | جوشِ دل و چشمِ بصیرت چه شد

این همه خاموش نشستن چرا | بال و پرِ خویش شکستن چرا

چون نکنی قصد بسوئے آسمان | وقت ہم آمد که کشائی زبان

باز تمایم درِ باغِ سخن | رخ سوئے "خمخانۂ جاوید" کن

آوازۂ شیریں گفتاری سخن که بگوشِ هوشِ جہانیان رسیده باشد چنان نباشد که پردۂ چشمِ نیم بازِ محبوبانِ خفتگانِ ناز را براندازد- و حلاوتِ چاشنئ قند مکرر معانی که زبانِ خامه چشیده باشد آن نباشد که ہر روز بانش را که از عذوبتِ شیرین زبانی باہم چسپان گشته از ہم جدا سازد- آنست که از وسلسلۂ گوش و چشم را باہم پیوستند- و این ست که شیرینیش را در کاغذ بستند- کمالِ علم و علمِ کمال- و جمالِ حسن و حسنِ جمال یکجا فراہم گردیده تا وجود علم و وجود تابشِ آتش رخان بامتزاج باہم گردید- شیریں سخنی که بصد لے کامرانی موصوف ست و حلاوتِ چاشنی که باظہارِ معانی موقوف اگر توصیف حسن جہان فریبِ کج کلہانِ دہر کامیاب گردد مجلسے فراہم آید که بگرد ہر شمعش ضیاءِ آفتاب گردد- ہمان ست که این بزمِ دل افروز پیشِ نظر داشته ام- و از دنیا و ہر چیزیکه در و باشد چشم و دل بر داشته ام- آفتاب در پیشِ تابشِ شمعش ذره تمثال ست و ماہتاب بزیر ضیاءِ چراغش ناقابلِ خیال- مشتری اندازِ دلبری از حسینانش اندوخته و زہرۂ فلک چشمِ شوق بر حسن ماه رخسارانش دوخته- تیرِ فلک در توصیفِ حسنِ جاشمه نشینانش قلم در کف و مریخ و زحل بارکانِ ثوابت و سیاره پیشِ گوشه گزینانش

صفت به عطف چشم حقیقت بین جهانیان بنظارهٔ جمال خوبرویانش مشتاق - و تذکرهٔ
مسیحا دمی شیرین لبانش شهرهٔ آفاق - همانا بزمے که مهر و ماه سرگردانهٔ خیال گوشه
نشینیش در سر دارند - و کواکب چرخ به آرزوے نظارهٔ جمال جهان آرایش در رقصاند
همین گلزار است که از باغ ارم گوے سبقت ربوده - و غنچه هایش چوں دهان معشوقان
از خندیدگی و شگفتگی عقدهٔ لا ینحل وا نموده - سبحان الله گلستانیست همیشه بهار
و بهاریست همیشه گلزار - سخنے بهاریه سلسله جاگرانش بحرفت و ردیف شاکش خلابیت
درم ناخریده و خزان از محرومی طالع خویش بجایانش بار نیافته در مغاک عدم رسیده
در حیرتم که من بچه خیال و خامه ام در چه فکر مبتلا گشته که این مجموعهٔ سخن گاہے به بزم
طرب و وقتی به گلزار بهار و ساعتی به بزم دل افروز آشنا گشته - اے فروغ
ژولیده بیان نمیدانی که این گلستان معانی و بزم خیال چه نام دارد که سخن سرایان
شیرین کلام و رندان مے آشام را نور در چشم و سرور در مشام دارد - همانا نامش
خمخانهٔ جاوید و مشهور به تذکرهٔ هزار داستانست و هر فرد بشر که بهره از سخن سنجی
دارد خریدارش بجان ست - مضامینش بآں پایه رسیده که افلاکیان را دل و
جان بجانب خود کشیده - در حقیقت شاهدیست که از هر ادائے معشوقانه و انداز محبوبانه
صفحهٔ اوراق زمانه را از هم دریده - الفاظ مسلسلش چوں زلف مشکیں مویان دلها را
بخود آویخته و بین السطورش مانند رخسار خوبرویان گرد حسرت بر چهرهٔ آفتاب ریخته کیست
که به تحریر و تبییضش پرداخته - و دل و جان را به نظم و انتظامش وقف ساخته - خامه اش را
اگر به کلک عطارد متقابل ساخته باشم سر از اوج فلک بحضیض زمین انداخته باشم و یک
نقطهٔ تحریرش را اگر به ستارگان چرخ به تقابل آورده باشم نظر فلک رسا را از آسمان
بستارهٔ آب چاه عمیق برده باشم - همین است که نگارخانه چین ست و از نتائج طبع وقاد
لاله سری رام صاحب ایم اے است - از کتم عدم بمنصهٔ شهود پدید آمده و کلک قضا و قدر از پے

تحریر مضامین معانی خیزش بنامش سکّہ زدہ۔ ہر لفظے کہ از خامہ اش چکیدہ کار مسیحائی رسانیدہ و زندگان را کہ از دیرینہ زمان بخوابِ عدم چشم بستہ اند زندہ جاوید گردانیدہ منم کہ خامہ ام در تجسس الفاظ توصیفش از عدم مقدرت بر خود لرزانست۔ و خیالم از ناکامیابی تحریر مدحش بسانِ دودِ آہِ عاشقان بر خود پیچانست۔ انصافش بر سخن سنجان زمان وامی گزارم و اوصافش را بنگاہِ انصاف دیدہ وران می سپارم و خود بر تحریر قطعہ تاریخ طبعش اکتفامی نمایم۔ و معذوری خامہ را بر عذر لاچاری واگزاشتہ بدعامی آیم الٰہی مصنفش را زندۂ جاوید دار و تصنیفش را خلعتِ قبولیت سپار۔ آمین

قطعہ تاریخ طبع خمخانۂ جاوید

۱۱ ۱۹ ۶	۶ ۱۹ ۱۱
وہ چہ آمد چیز از بابو سیرام اے فروغ	نسخۂ حیرت فزا آب حیات آمد زو
گفتم از ہر مصرع سالِ طبع اش ساقی حیان	طبع شد خمخانہ جاوید من جامے دمے
۱۱ ۱۹ ۶	۱۱ ۱۹ ۶
	بدری کرشن فروغ

قطعات تاریخ خمخانہ جاوید از مولوی محمد عبدالحق خان صاحب حقی و صفا قادری رامپوری تلمیذ حضرت جلال لکھنوی

شگفتہ ہیں سب شعر اس تذکرے کے　　مضامین رنگین سے رشکِ چمن ہے
بہاریہ تاریخ لکھدی صفا نے　　کہ گلدستۂ بزم اہل سخن ہے
۱۳۲۹

دیگر

سخنور تذکرہ خوش جمع فرمود　　بہار بیخزانش پر فضا باد
صفا بہرِ سید سالش گفت ہاتف　　کہ این گلشن شگفتہ دائما باد
۱۳۲۹

دیگر

شاعر دہلی کنون تالیف بنمودہ چہ خوب　　تذکرہ اہل سخن را از پئے نام و نشان
مصرعِ تاریخ او کلکِ صفا بنوشت صاف　　خانۂ کاشانۂ زیبا۔ یادگارِ شاعران
۱۱ ۱۹ ۶

تقریظ خمخانۂ جاوید از نتیجۂ طبع آقا مرزا ہادی حسن چغتائی رسوا تخلص ابن حاجی مرزا ریحان بیگ صاحب ساکن بانس بریلی شاگرد حضرت اسیر لکھنوی

بیا در محفل جاناں کہ باقی صد وقار اینجا	زر اینجا۔ گوہر اینجا۔ حشمت اینجا۔ افتخار اینجا

اس وقت صبح کے کوئی چھ بجے ہونگے کہ پورب سمت سے ایک روشنی پیدا ہوئی اور تیز شعاعی کرنیں جلد جلد ترقی کرنے لگیں۔ یکایک پردہ شب ہٹا کر شاہِ خاور مدظلہ نے دریچۂ مشرق سے سر نکالتے ہی سپاہِ انجم کو کمر کھولنے اور بارہ گھنٹہ آرام کرنیکا حکم دیا۔ پہاڑوں کی بلند چوٹیاں سنہری ٹوپیاں پہنکر مکینوں کا دل لبھانے لگیں شبنم دوشیزہ بہار پر گلاب پاش لیئے ہوئے منہ ہاتھ دھلانے دوڑی۔ مرغانِ خوش الحان جھوم جھوم کر خوشی کے ترانے گانے لگے۔ سب اہلِ جہاں اپنی اپنی آرامگاہ چھوڑ کر استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ہم بھی اپنے دوست حافظ ارشاد کے ہمراہ توسنِ خیال پر فراٹے بھرتے ہوئے قطب صاحب کی لاٹ واقع دہلی کے سب سے اونچے درجے پر بہار قدرت کا تماشا دیکھنے میں مصروف ہیں۔

ارشاد۔ تر و تازہ ہر سبز رنگین اندنوں ہر اک گلستاں ہے رسوا۔ نظر جائے جہانتک تختۂ گلشن بیاباں ہے
" کہیں گلنار رشکِ لعل لبہائے حسیناں ہے " کسی جا جعدِ سنبل غیرتِ زلفِ پریشاں ہے
" کسی تختہ میں ہر گل غیرتِ لعلِ بدخشاں ہے " کہیں ناصر علی کا شعر وردِ مرغِ بستاں ہے
" بہار آمد بصحرا از کُن چشمِ تماشا را " کہ چون آئینہ گل در بر گرفت اطراف دریا را

اس قسم کی باہم شعر خوانی ہو رہی تھی کہ دفعتہً ملک دکن کیجانب سے ایک عجیب شے سطح ہوا کی صاف سطح چیر کر ہماری طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔

ارشاد۔ دشاد پاکر مرزا صاحب ادھر دیکھئے یہ عنقا ہے یا کوئی بادل کا ٹکڑا۔

مرزا رسوا۔ آپکو معلوم نہیں یہ ایک نئی صنعت اور اہل فرنگ کی معجز نما ایجاد ہے۔

اسکو ہوائی جہاز کہتے ہیں ۔

ارشاد - بھئی یہ تو ہماری طرف آرہا ہے ؟ -

مرزا رسوا - یقیناً - طرفۃ العین میں وہ ہوائی جہاز زمین سے دو میل اونچا اُسی سبزہ زار پُر بہار پر ٹھہر گیا - آہا اسپر تو حضرت آصفجاہ دکن خلد اللہ ملکہ جلوہ گر ہیں حضرت کے یمین و یسار اُنکے چار سرکڑی یعنی اُستاد جہاں میرزا غالب [illegible] میر مصحفی - امیر الشعرا امیر مینائی - فصیح الملک میرزا داغ رونق افروز ہیں - ان حضرات نے بحکم شاہ جمجاہ اطراف شرق و غرب جنوب و شمال کیجانب سے آواز بلند پکارنا شروع کیا - خدا جانے ان آوازوں میں کس بلا کا اثر اور کیسی کشش مقناطیسی تھی کہ چشم زدن میں تمام شعرائے ہند ماضی و حال اُسی صحرائے پُر بہار میں جمع ہو گئے پھر زور کی ہوا چلی اور سمت لاہور سے تند و پُر شور ایک ابر اُٹھا اور چادر ظلمات پھاڑتا ہوا چشمۂ آبحیات پر جھکا اُسکا سب پانی پیکر بحر عدن میں غوطے لگانے لگا اور ہزاروں من گوہر آبدار اپنے وسیع دامنوں میں بھر کر بسرعت برق و باد اُسی سبزہ زار پُر بہار پر محیط ہو گیا - پھر ہوا کی فوری جنبش سے آبحیات اور موتی برسانے لگا - تمام شعرا نے دوڑ دوڑ کر موتی لوٹے اور آبحیات پیا - پھر اُس ابر میں دو آفتاب درخشاں متصل نظر آئے پھر وہ ابر سمٹا اور روبرو حضرت آصفجاہ خلد اللہ ملکہ کے بصورت گلدستہ بن گیا اور اُس گلدستہ کے چپ و راست وہ دونوں سورج بشکل انسان متمثل ہو گئے تمام شعرا نے چاروں طرف سے اشعار مبارکباد پڑھنا شروع کیے - اسکے بعد وہ تمام طلسم اور ہوائی جہاز نظروں سے غائب - ہم یہ نمونہ طلسم دیکھ کر محو حیرت ہو گئے ۔

ارشاد - بھئی ایسی ہوش ربا کیفیت کبھی دیکھی نہ سنی -

رسوا - حافظ صاحب وہ ہوائی جہاز اعلیٰ حضرت شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی توجہ خاص ہے اور وہ ابر جو گلدستہ بن گیا "خمخانۂ جاوید" ہے - آبحیات جو اُسنے برسایا - گویا

شاعروں کو زندۂ جاوید بنایا اور وہ گوہر آبدار شعرا کے اشعار۔
ارشاد۔ اور وہ دو سورج منضلہ باہم۔؟
رسوا۔ پہلا سورج گوہر درج اقبال لالہ مدن گوپال بیرسٹرایٹ لا۔ اور دوسرا سورج مخدوم انام مرجع خاص و عام جامع کلام ایم اے۔ منشی سری رام منصف صاحب چیف کورٹ لاہور جنکی تصاویر خمخانۂ جاوید کے ٹائیٹل پر موجود ہیں۔ ہمنے جو اشعار مبارکباد اس جلسۂ شعرا میں پڑھے تھے وہ مؤلف ممدوح کی نذر کرتے ہیں اور قطعہ تاریخ اسکے علاوہ ہے۔

چمک دکھلا رہا ہے دستِ تاجِ آصفی کیا کیا
نمایاں ہے رخِ انور سے شانِ قیصری کیا کیا

حضور خسروِ ملکِ دکن مسرور ہو ہو کر
ترانے گا رہی ہے آج مضموں کی پری کیا کیا

سوادِ حرف سے عالی گہر منصف مؤلف نے
جمائی ہے لبِ مضموں پہ مسّی کی دھڑی کیا کیا

جھلک نورِ معانی کی عیاں ہے صاف لفظوں سے
پری شیشہ میں دکھلاتی ہے شانِ دلبری کیا کیا

مسرت سے مبارکباد دیتی ہے مؤلف کو
مناتی ہے خوشی بزمِ سخن میں شاعری کیا کیا

زمیں سے تا فلک اسکے خریداروں کی کثرت ہے
بنے ہیں چاند سورج اور زہرہ مشتری کیا کیا

مضامیں نذر کرکے عالمِ جاوید تک پہنچے
ہوئی ہے شاد پڑھکر روحِ میر و مصحفی کیا کیا

وہ نظمِ منتخب وہ خمخانۂ جاوید میں پائی
کہ جسکی داد دیتی ہے نگاہِ منصفی کیا کیا

کنول روشن کئے ہیں تذکرے میں نورِ مضموں کے
مؤلف نے سجایا ہے یہ ایوانِ پری کیا کیا

سری رام ایم اے والا گہر منصف مؤلف نے
دُرِ مضموں کے یکجا کر دیئے ہیں جوہری کیا کیا

سوادِ حرف ہے کحل الجواہر میرزا رسوا
ہوئی ہے چشمِ نابینا کو حاصل روشنی کیا کیا

قطعہ تاریخ طبع خمخانۂ جاوید

چھپا ہے یہ رسوا عجب تذکرہ
بنا جو خدائی کا محبوب طبع

پئے سال ہاتف نے دی یہ ندا
کہ ہے تذکرہ کیا ہی مرغوب طبع

۱۳۲۹

قطعہ تاریخ محررۂ منشی حیدر علیخاں نوشاد مصاحب مہاراجہ صاحب دنپرتی حیدرآباد دکن شاگرد مہاراجہ مدار المہام پیشکار بہادر

پھولا ہے نیا گلشن خمخانہ جاوید
ہر بلبل دل جس کا خریدار ہوا آج
ارشاد کو لازم ہوا تاریخ کا لکھنا
گلدستہ سیرام کا گلزار ہوا آج

۱۳۲۵

قطعات تاریخ طبع از نتیجہ فکر گرامی مرزا واجد حسین صاحب واقف لکھنوی ملازم خاص سرکار نواب مرزا محمد باقر علیخاں صاحب رئیس اعظم شیش محل لکھنؤ

کیوں نہ ہوں مشہور عام و خاص سیرام جی
صاحب علم و ادب شاعر شیریں سخن
اُنکے صفات اسطرح پھیل گئے ہند میں
دیتا ہے تو جس طرح آپ ہی مشک ختن
آپکی توصیف میں لکھے سوا کیا لکھوں
اسے یہ ثنا یت مگر لعل زبان دہن
ایسی چھپی یہ کتاب جس کا نہیں ہے جواب
قول مضامین یہ ہے اپنا ہی ہے وطن
کردے یہ واقف رقم مصرعۂ تاریخ سال
گلشن صاحب سخن ہے شعرا کا چمن

دیگر

ماشاء اللہ کیا سری رام
ہیں فن سخن میں فیض بنیاد
مطبوع ہوا کلام جن کا
مشہور نہ کس طرح ہوں اُستاد
اس فن کو دی ہے کیا ترقی
اُجڑا ہوا گھر کیا ہے آباد
دل میں جو کرے کوئی تصور
آنکھوں سے کرے تصدق و صاد
کہتا ہے قلم جھکائے سر کو
ممنوں ہوں میں بھی انکا آزاد
خالق نے دیا کمال جنکو
سب کرتے ہیں آجتک انھیں یاد
یہ بھی ہوئے ہیں اُنھیں کی مانند
اللہ رکھے انھیں بھی آباد
کیا خوب یہ تذکرہ لکھا ہے
سبحان اللہ لطبع زا ایجاد

	واقف نے کہا یہ مصرع سال	شعرا کا چمن یہ ہے خداداد	

تقریظ از نتیجۂ افکار گوہربار نقشبند گلزار معانی بلبل بوستان شیوا بیانی مولانا سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ مرحوم

حریفان خمخانۂ سخن را مژدہ باد کہ دومی جلد خمخانۂ جاوید تذکرۂ اردو گویاں بہ آئین بہین باتمام رسید و بہ طبع درآمد۔ درہائے شادی بر روئے مشتاقان باز شد۔ بے زاویہ گزینان خاک را بلند آوازہ ساخت۔ و بسیارے زندگاں را زندگی جاوید بخشید الواحش از رنگینی رشک بال طاؤس چمن ست۔ و اوراقش از خوبی و زیبائی غیرت خیابان گلشن۔ گوش از شنیدنش دامان گلچیں و دیدہ از دیدنش نگارخانۂ چین۔

	بحروفش صداے روے رباب باشد از نقشہاے نگار رنگ	بسطورش شکنج زلف ایاز صفحۂ او نمونۂ ارژنگ	

مؤلف این ہمایون نامہ فرزانہ مکرمی معظمی لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے سابق منصف لاہور کارے کردہ است کہ بجاست آفرین از لب میر و منت بسیار بر اردو زبان نہادہ این بیجان را تازہ جانے داد۔ و بہ ترتیبش کمر ہمت و ہمت گماشت بسیار سعی بکار بردہ و فراوان کوشش بعمل آوردہ سعی مشکور شد و کوشش بجائے رسید۔ از لب فروبستگان جوشے و خروشے سرزدہ از افسردہ طبعان ذوقے و شوقے روئے نمود۔ پندارستی کہ در دلہائے سوختہ آتشے اثر مہر بدور جگرہائے برشتہ سوزے از نو نہاد۔ روزگار طرح دیگر انداخت و زمانہ رنگ دگر ریخت۔ در بوستان خزاں دیدہ نوبہار رسید و ابرہائے نو بار بارید۔ گلہائے گوناگون شگفتہ و سبزہ ہائے سطر او دمید۔ در ہر چمن بلبل مرغولہ نوائے کہ دم درکشیدہ بود صفیرے برکشید شورے برانگیخت۔ و در ہر گلشن عندلیبے خوش صفیرے کہ زبان بستہ بود خروشے در انداخت

و غلغلۂ در افگندہ در ہر شہرے سرائے غزلہائے تازہ بتازہ نو بنو سرودن گرفت و در ہر دیارے تازہ خیالہائے تازہ در روئے کار آورد۔ آرے کہ بلبل بہ نو آید واز نوا کردن ٭ بندہ بیخود وا ز افسردہ دلی و پریشاں خاطری سالہائے دراز لب بہ حرف نکشودہ بود بگفتار در آمد۔ و بتقریب تقریظ زمرۂ چند سرود۔ امید کہ این صحیفہ قبول خاطرے اہل کمال شود۔ واز ہرچہ باید و نشاید در امان باشد ٭

خاکسار سید وحید الدین احمد بیخود دہلوی عفی عنہ

اقتباس از تحریر حکیم محمد مظہر الہادے سہیل صاحب امروہوی ملازم ریاست کوٹہ در چیوتانہ

محسن شعرا و مسیحائے اُردو۔ تسلیم۔

میر محمود حسن صاحب وکیل کی عنایت سے آپکی بے نظیر کتاب تذکرہ نظر سے گذرا۔ اس موقعہ پر میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ آپنے ایک ایسا کارنامہ مرتب کر دیا ہے کہ آیندہ نسلیں گزشتہ خیالات کے معلوم کرنے میں ہمیشہ آپکی احسان مند رہیں گی۔ اور تمام مرحوم شاعروں کی روحیں ابد الآباد تک آپکے لیئے دعا کرنا اپنی ادنی مشکوری سمجھیں گی ٭

اقتباس از تحریر جناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خانصاحب بہادر رئیس دہلی

تذکرہ کی خوبیوں کے متعلق پہلے ہی اپنی ناچیز رائے میں ریویو میں ظاہر کر چکا ہوں۔ مگر جب اُسکا کوئی جزو نظر سے گزرتا ہے تو بے اختیار احسنت زبان سے نکلتا ہے ٭

فی الحقیقت جسقدر بلیغ کوشش و ہمت آپنے اس تالیف میں کی ہے وہ ایک غیر معمولی اہتمام ہے۔ علاوہ تالیفی محاسن کے اسکے انطباع کی خوش سلوبی

ندرت - انوکھاپن - یہ ایسی دلکش ہیں کہ جدّت و نفاست پسند طبیعت کی خاص تفسیر ہیں - آپ نے کوئی دقیقہ اسکے مرغوب بنانے میں اٹھا نہیں رکھا۔

تقریظ نگاشتۂ قلم مشکین رقم شفیق کرم گستر محقق والا نظر خواجہ محمد عبد المجید خاں صاحب بی اے پروفیسر مشن کالج وریس دہلی

درین خرابۂ آباد نمائے گیتی دیارے است کہ ہندوستان نام نہادہ اند و مینو نظیر و جنت نشان خوانند خالِ رخِ دلبران ہست و غنچۂ شگفتہ دہان - آرے - آن را کہ دولتِ حسن بیشتر باشد آسیبِ چشم زخم کمتر نرسد - بارہا پامالِ حوادثِ دوران شدہ و سالہا لذتِ شربتِ امن و امان نچشیدہ - تا آن زمان فتنہ خیز کہ راحت از میانِ مردمان برخاستہ شد - و غم و اندوہ بر جانِ ایشان تسلط گرفت - باغیان بغاوت آغاز کردند و ہوائے روزگار را بسے ناساز - خونِ ناحق ریختند و مردمانِ لائق و فائق را بخاک و خون آمیختند - پریشانی فزودند و دولتِ امن ربودند - بےکسان را بے خانمان ساختند و خوانِ یغمائے خود آراستند - حتی کہ اقبالِ مملکتِ انگلشیہ یاوری کرد و بختِ ایشان بہ بدکاری برخاست و چمن خزان دیدہ را بارِ دگر پیراست - لذتِ امن و امان کام و دہنِ مردمان چشید و لعل گم کردہ راحت در جیبِ آفت رسیدگان رسید **بیت** فلک گہ خزان آورد گہ بہارا ۔ کہ بر یک نمطے نگیرد قرار ۔ خجستہ بلادِ دہلی و لکھنو کہ ازین بادِ مخالف گزندِ زہر افعی بہ انہار رسیدہ بود در سایہ دولتِ عظمت مدارِ انگلشیہ رونقِ دگر یافتند - و چمن خضر لئے سخن کہ عبارت ازین بلدین مینو سواد باشد برگ و بار آورد باغبانانِ گلشنِ سخنوری نو بہ نو سخن را آراستہ کردند و سروِ آزادِ معنی را پیراستہ - نونہالان برخاستند کہ صیتِ گوہر فشانی شان اقصائے عالم را فرا گرفت و چشمانِ عالمیان را روشن ساخت - و در ہر صنفِ کلام بر مسندِ عزت متمکن شدند و افاضہ خود در بسیطِ عالم جاری داشتند - ہمہ بلاد و امصار ہند غاشیۂ شاگردی ایشان را بر دوش بہ رضا و رغبت کشیدند و از جامِ جمشیدی ہوش ربائے ایشان مے مراد چشیدند - افضل تر بلدۂ دہلی کہ دایۂ مہربانِ اردو زبان است و گہوارۂ بلبلانِ شیرین بیان

بعد این دورِ فتنہ و فساد آن گوہر ہائے نایاب را در کنارِ خویش پر چید کہ دیدۂ روزگار خوشتر از ایشان
ندیدہ مثل ستارۂ صبح بر افقِ شہرت درخشیدند و زود غروب شدند ع پس از چنین خرابی باز این
خرابہ جا نیست ٭ درین دورِ آخری نیز از خاکِ پاکِ دہلی حالی و داغ برخاستند و زبانِ ریختہ را
زیب و زینتِ نو دادند و رونقِ رفتگان را در چشم ما افزودند و دل از دست ربودند۔ داغ باز او
ہمدرین این خرابۂ دہلی را گذاشت و رختِ اقامت سوئے ملکِ دکن کشید و بخاک خفت۔ آرے
بیت ہر کجا چشمۂ بود شیرین ٭ مردم و مرغ و مور گرد آیند ٭ چون نام ملکِ دکن بر زبان قلم رفت
سیرِ او سوداے بہ پر آمد و در بیان قصیدہ من آغاز نہاد۔ مرحبا بلدۂ حیدرآباد خجستہ بنیاد و خجستہ
آن والیِ نیک نہاد کہ در کنفِ عاطفتِ گوہر شناسی او پایہ داران سخن جا گیرند و از خوانِ نوالِ او بہرہ
چینند۔ تا دیدۂ طمع سیر گردد و دل بر سخن دلیر شود۔ خود صاحبِ تخت و تاجِ سخن دان است و کاوش
گوہر آفرینیِ شاعرانِ نازک بیان بر خاطرِ عاطرِ او پنہان نیست و ازین دلیل دلدہیِ ایشان را لازم داند
و ہنروران دور و نزدیک را پیشِ خود خواند و دلجوئی نماید و دل را از دست رباید۔ تا آنکہ خاکِ دکن دامنگیر
گرداند و خاطرِ شان از خاکِ اوطان برگرداند بیت ثنائے آن شہِ والا چہ سان کنم آغاز ٭ کہ کوتہ دست
مجالِ کلام و قصہ دراز ٭ نیرنگیِ زمانۂ بوقلمون بہ حدے رسیدہ است کہ دہلی مرحوم اگرچہ از شعرائے
عالی مقام خالی شدہ است و در آشیانہ زرتارِ بلبل زاغِ سیاہ بال بیضہ نہادہ است تاہم یکے دو
سیدان پدید آمدہ کہ در سخن فہمی سخن سنجی ید طولیٰ داشتہ است و ہمت خود برین گماشتہ کہ نام پیشینیان
را روشن کند و آوازۂ روشِ نیکوئے شان را در آفاق رساند سعی بے برد و بیکار کمتر نشیند تا کارے
کردہ است کہ از یک گردہ والا فشان سرانجام آن دشوار می نمود۔ از گلبنہائے سخن گلہا چیدہ است
کہ ہمہ گل سرسبد بودہ اند و این را یکجا آوردہ۔ خمخانۂ جاوید نام نہادہ۔ لاریب این نسخۂ بے بہا
را این نامِ نامی سزاوار است۔ چراکہ این خمخانہ ایست کہ دران جنس بے بہا جوشِ سخن بس ارزان است
و جاوید بودن یکے از لوازمِ آن۔ این نوجوان رہ نوردِ جادۂ سخنوری از خانوادۂ برخاستہ کہ ہنر
و سخن گستری در این شہرِ دہلی از قدیم سرآمدِ روزگار بود و بہ ہمہ کمالے کہ توجہ نمودند گوئے سبقت از

دیگران ربوده‌اند. پدر بزرگوار این نوجوان پاکیزه بنیان در کشور پنجاب بر مسند عزت نشسته بود و از دولت انگلشیه اعزاز خطاب **آنریبل** یافته و در آئین دانی و آئین فهمی نظیرے نداشت. آرے چنان پدر را چنین پسر لازم است که از همه کمالات آراسته باشد و بهره از علوم مغربی کما حقه بر داشته و علوم شرقی را که در معرض زوال اند هم فراموش نکرده، بلکه روح دیگر در قالب آن از سعی خود دمیده ٭

خلق عمیمش شاعران و سخندانان را گرویدۂ خود گردانیده و احسانی بر زبان اردو کرده که تا این زبان زنده ماند احسان او از یاد نرود ٭

اکنون آن بے بصران کجا اند که میخواهند در حجلۂ آراستۂ اردو عجوزۂ سال خورده برج بهاشا را نشانند. اگر در قواے دماغی ایشان خلل نپذیرفته است خمخانۂ جاوید را ببینند و انصاف کنند آیا هندی آن قدر و منزلت دارد که پیش نوعروس اردو تشکیل کرده خود را از چادر بیرون آرد. و دلان نوجوانان هند را از غمزۂ پیرانه خود برباید هیهات. دماغے را که بوئے سیر مختل ساخت کے انداند بهاے عنبر سارا و انبۂ نافۂ مشکین ٭

دلخواه این بندۂ درگاه بود که سطرے چند برین کتاب نایاب بنویسد اما از بے بضاعتی خود شرمسار شده دست بدامان نشسته که ناگاه قبله گاهی ادام الله برکاته امر کردند و گفتند که لاله سری رام صاحب ایم اے دوست دیرینۂ من است و ترا لازم است که از پاس خاطر آنجناب قلم عنبر شمامه را بگردانی. چون از امتثال چاره ندیدم سطرے چند از نظم و نثر فراهم آوردم که هر گز نمی نگارنده این ارزش ندارد که شامل نسخۂ لاجواب خمخانۂ جاوید شود. چرا که بر آن کتاب سایۂ شهرت قسام ازل از دست خود نهاده است و از سعی کسے کم بیش نمی شود به مصداق این شعر

مشکے که خوش نمیشود نیازد بهیچ کس	از بوئے خوش نسیم به گوشی خبر دهد

المجید
عبدالمجید

فہرست اسماء شعرا مندرجہ تذکرہ خمخانۂ جاوید

جلد دوم

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۱۷۹	"	مولنا سیّد محمود حسین دہلوی	۲۰۲	جان	جان علی
۱۸۲	ثروت	نواب بخش اللہ خان	"	"	اشرف خان
۱۸۳	"	نواب احمد علیخاں لکھنوی	"	"	جان عالم خان لکھنوی
۱۸۶	"	حکیم سیّد محمد اطہر الدین حسن	۲۰۳	جان احیا	میر یار علی لکھنوی
۱۸۸	ثریا	منشی سیّد امیر علی	۲۰۷	جاوید	حکیم عبد النبی خان
"	"	سیّد اسد علی مرزا بہادر	"	"	مولوی سیّد محمد کاظم لکھنوی
"	"	شاہزادہ ثریا قدر لکھنوی	۲۰۹	جاہ	راجہ جنگ بہادر خان
۱۹۰	ثمر	مرزا علی لکھنوی۔	"	"	نواب سیّد بنیاد حسین خان
۱۹۱	"	احمد سعید خاں دہلوی	"	"	سکندر جاہ لکھنوی۔
"	"	نواب مرزا مہدی علیخان لکھنوی	۲۱۲	جدت	منشی محمد عزیز الرحمن خان
۱۹۲	"	منشی اودھ بہاری لال لکھنوی	۲۱۳	"	مسعود رضا
"	"	خواجہ فقیر محمد (۳۰۰)	"	"	مستری محمد ابراہیم
"	ثنا	میر شمس الدین	۲۱۴	جدید	منشی سید محمد مہدی لکھنوی
"	"	منشی ثناء اللہ خان	۲۱۶	جدید	محمد امیر بلگرامی
۱۹۲	ثواب	میر سعادت علی دہلوی	"	جذب	میر عزت اللہ دہلوی
		ج	"	"	مولوی عابد حسین
۱۹۴	جاوید	نواب میر احتشام علیخان	۲۱۷	"	حکیم علی حافظ
۱۹۶	"	منشی رکن الدین دہلوی	"	جرأت	مرزا مغل
۱۹۸	"	منشی [illegible] حسین	۲۱۸	"	یحییٰ امان عرف قلندر بخش
۲۰۱	جالب	منشی سید بشارت علی دہلوی	۲۲۸	"	[illegible] محمد

فہرست کتب نایاب درالوجود موجودہ دفتر خمخانہ جاوید

ضمیمہ یادگار داغ

بلبل ہندوستان فصیح الملک نواب مرزا خان صاحب داغ مرحوم دہلوی کی سنیچوں کا دلچسپ و قابل قدر مجموعہ جسکو لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے زرکثیر صرف کر کے مرحوم کے ورثا سے حاصل کرکے مرتب کیا۔ اس نایاب مجموعہ میں منتشر غیر مطبوعہ غزلیں

دیوان انور

سید شجاع الدین حسین عرف امراؤ مرزا۔ انور دہلوی کا قابل دید کلام جو بحنت و تلاش سے مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید نے مرتب کرکے شائع کرایا ہے۔ آپ ظہیر مرحوم کے چھوٹے بھائی اور دہلی کے مشہور اساتذہ میں تھے۔ لکھائی چھپائی صاف ضخامت ۸جزو قیمت مجلد

تذکرہ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانہ جاوید جلد اول

چونکہ یہ تذکرہ خود شہرت سے کسی تعریف یا تصنیف کا محتاج نہیں رہا۔ اسلئے سب طرف سے قطع نظر صرف قیمتوں کی تصریح کردی جاتی ہے۔ کاغذ اعلیٰ و کتابت نفیس ضخامت از اندازہ ۵جزو قسم اول مجلد صہ قسم دوم مجلد للعہ بلا جلد ۲ روپے (خاص رعایت) جلد اول و دوم یعنی ہر دو جلد کے یکجائی خریدار اصحاب سے محصول ڈاک نہیں لیا جائیگا۔ بشرطیکہ وہ قیمت پیشگی بھیجدیں۔

مہتاب داغ

حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کا تیسرا دیوان جو ۱۸۹۳ء میں مرزا داغ مرحوم نے دکن سے شائع کیا تھا اور جسکی قیمت صہ مقرر تھی۔ اور جو عرصہ سے بالکل نایاب تھا۔ اب دوبارہ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید نے باخذ حق تصنیف زرکثیر خرچ کر کے شائع کیا ہے۔ لکھائی چھپائی صاف و روشن۔ کاغذ سفید چکنا و دبیز جس پر کلام بھی نور علی نور ہے قیمت قسم اول ۲ قسم دوم عہ چار روپے بلا ضمیمہ۔

نوٹ۔ مندرجہ بالا کتب کی ۵ جلدوں کے خریدار کو ۲۵ فیصدی کمیشن دیا جائیگا۔ زائد کتب کے لئے بذریعہ خط و کتابت فیصلہ ہو۔

المشتہر مینیجر دفتر خمخانہ جاوید نئی سڑک دہلی